19
سلسلة خدمة الحديث النبوي

سلسلۂ تدوینِ حدیث کی اوّلیں کتاب

ارضِ پاک و ہند میں بزبانِ اُردو پہلی تحقیقی اور مفصل شرح

الموطاء



تصنیف

امام دار الهجرة مالك بن انس رحمہ اللہ

متوفی ۱۷۹ھ

ترجمہ و تخریج و شرح **حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم** حفظہ اللہ

تحقیقی افادات

علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الہلالی

احمد علی سلیمان المصری

نظر ثانی

شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ رفیق و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ

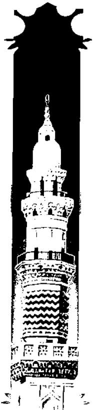
شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

سلسلہ تدوین حدیث کی اوّلیں کتاب

ارضِ پاک و ہند میں بزبانِ اُردو پہلی تحقیقی اور مفصل شرح

الموطأ



تصنیف

امام دار الهجرة مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۱۷۹ھ

ترجمہ و تخریج و شرح حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم حفظہ اللہ

تحقیقی افادات

علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الہلالی

احمد علی سلیمان المصری

نظر ثانی

شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ رفیق و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ

شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

انصار السنہ

پبلیکیشنز لاہور

اسلامی اکادمی 17-A الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

042-37357587

نام کتاب: **الموطأ**

تصنیف امام دار الهجرة مالك بن انس رحمہ اللہ متوفی — ترجمہ تخریج وشرح حافظ ابو سمیعہ محمود تمیم حفظہ اللہ

تحقیقی افادات
علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الہلالی
احمد علی سلیمان المصری

نظر ثانی
شیخ الحدیث حافظ عبداللہ رفیق
و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

ناشر: ابو مومن منصور احمد

اسلامی اکادمی ۱۷-الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور 042-37357587

Dar-us-Salam
486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217
TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511
E-Mail: darussalamny@gmail.com
Web Site: www.darussalamny.com

فہرست مضامین

20

كِتَابُ الْحَجِّ

حج کے مسائل کی کتاب

خلاصة الکتاب: اس کتاب میں 83 ابواب اور 255 روایات ہیں، ان میں سے 89 مرفوع (احادیث نبویہ)، 130 موقوف (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) اور 36 مقطوع (آثارِ تابعین رحمہم اللہ) ہیں، نیز ان میں سے 223 صحیح، 3 حسن اور 29 ضعیف ہیں، چنانچہ 89 مرفوع روایات میں سے 86 صحیح اور 3 ضعیف ہیں، 130 موقوف روایات میں سے 105 صحیح، 3 حسن اور 22 ضعیف ہیں جبکہ 36 مقطوع روایات میں سے 32 صحیح اور 4 ضعیف ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے 136 فتاوی جات بھی مذکور ہیں اور سات ابواب تو صرف فتاوی جات پر مشتمل ہیں۔

فائدہ :...... (تعریف) حج کے لغوی معنی قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں جبکہ اس کے شرعی معنی اور اصطلاحی تعریف یہ ہے: ''مخصوص افعال کی ادائیگی کے لیے مخصوص وقت میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔'' (فرضیت) اگرچہ حج اسلام سے پہلے بھی ہوتا تھا لیکن اسلام میں اس کی فرضیت جمہور کے نزدیک چھ ہجری میں ہوئی لیکن متعدد علماء کی تحقیق میں حج نو یا دس ہجری میں فرض ہوا۔ حج، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اور ہر استطاعت رکھنے والے مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران 3:97) ''اور اللہ کی خاطر لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے (ہر) اُس شخص پر جو اس کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا) ''اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، لہٰذا حج کرلو۔'' (مسلم: 1337) حج کا منکر بالاتفاق کافر اور مرتد ہے، حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے، فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: مَرَّةً وَاحِدَةً فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ ''(حج) ایک بار (ہی فرض) ہے، لہٰذا جس نے اس سے زیادہ کیا تو وہ نفلی حج ہے۔'' (ابوداود: 1721، نسائی: 2621، ابن ماجہ: 2886۔ اس کی سند صحیح ہے۔) (ارکان) حج کے ارکان میں احرام، وقوفِ عرفہ، طوافِ افاضہ اور صفا و مروہ کی سعی کرنا شامل ہیں۔ حج میں استطاعت شرط ہے جس کے مفہوم میں زادِ راہ اور سفرِ حج کے حوالے سے تمام

اخراجات شامل ہیں، نیز عورت کے لیے محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا بھی لازم ہے۔ (فِي الْفَوْرِيا عَلَى التَّرَاخي) رہا یہ مسئلہ کہ استطاعت ملنے کے فوری بعد حج پر جانا فرض ہے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے تو اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ پہلے موقف کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور صاحبین تاخیر کے جواز کے قائل ہیں ...... اَحْـــوَط یہی ہے کہ استطاعت رکھنے والا جس قدر ممکن ہو جلد از جلد یہ فریضہ ادا کر لے اور حج کی جلد ادائیگی ہی شریعت کو مطلوب ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَرَادَالْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ فَإِنَّهُ قَدْ يَمْرَضُ الْمَرِيْضُ وَتَضِلُّ الضَّالَّةُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ)) ''جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ جلدی کرے، کیونکہ بلاشبہ کبھی مرض بھی لاحق ہوسکتا ہے، سواری بھی گم ہوسکتی ہے اور کوئی حاجت بھی پیش آسکتی ہے۔'' (ابن ماجه: 2883، مسند احمد: 1/ 214۔ اس کی سند حسن ہے، ارواء الغليل: 990) (فضیلت) رسول اللہ ﷺ نے حج کے فضائل میں فرمایا: ((وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ)) ''حج مبرور (جو حج سنّت کے مطابق ہو اور اس میں ہر گناہ سے بچا گیا ہو) کا بدلہ جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' (بخاری: 1773، مسلم: 1349) نیز فرمایا: ''جس نے حج کیا اور اس دوران میں نہ اس نے کوئی شہوانی فعل کیا اور نہ کوئی فسق و فجور کا کام کیا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو کر لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اُسے جنم دیا تھا۔'' (بخاری: 1521، مسلم: 1350) اسی طرح فرمایا: ''پے در پے حج و عمرہ کرتے رہا کرو کیونکہ بلاشبہ یہ دونوں فقیری اور گناہوں کو اس طرح نکال پھینکتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کی میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔'' (ترمذی: 810، نسائی: 2631، 2632۔ اس کی سند حسن ہے۔ الصحيحة: 1185، 1200) (اہمیت) رسول اللہ ﷺ نے حج کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اسے اللہ کا بندے کے ذمے قرض قرار دیا اور فرمایا: ((اقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ)) ''اللہ کا حق ادا کرو کیونکہ وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے پوری پوری ادائیگی کی جائے۔'' (بخاری: 1852) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ مسلمان نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایسے لوگوں پر جزیہ مقرر کرنے کا ارادہ بھی ظاہر فرمایا۔ (سنن سعيد بن منصور بحواله التلخيص الحبير: 2/ 426، بیهقی: 4/ 334۔ اس کی سند صحیح ہے) اس طرح کی وعیدیں بعض ضعیف روایات میں نبی کریم ﷺ سے بھی منقول ہیں، نیز قرآن مجید کے اسلوب بیان سے بھی یہی بات عیاں ہے کہ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج کا فریضہ ادا نہیں کرتے اللہ نے اُن کے لیے ''کفر'' کا لفظ استعمال کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: ۹۷) ''اور اللہ کی خاطر لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، ہر اُس شخص پر جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو شخص (اس سے) کفر (اور انکار) کرے تو بلاشبہ اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''

1- بَابٌ: اَلْغُسْلِ لِلْإِهْلَالِ

اِحرام کے لیے غسل کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، جن میں سے ایک مرفوع اور دو موقوف ہیں اور سب کی سندیں صحیح ہیں۔

فائدہ: ......"اِھْلَال" کے لغوی معنی آواز بلند کرنے کے ہیں، اس اعتبار سے حج کے بیان میں اس سے عام طور پر تـلـبیـہ پڑھنا یعنی لَبَّیْكَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ ...... پکارنا مراد ہوتا ہے لیکن بہت سی احادیث نبویہ میں اس سے احرام باندھنا مراد لیا گیا ہے کیونکہ احرام باندھ کر ہی تلبیہ کا آغاز کرتے ہیں۔

[704] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ ، أَنَّهَا وَلَدَتْ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ بِالْبَيْدَاءِ ، فَذَكَرَ ذَلِكَ أَبُو بَكْرٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ : مُرْهَا فَلْتَغْتَسِلْ ، ثُمَّ لِتُهِلَّ .

سیدہ اسماء بنت عُمَیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے (حجۃ الوداع کے سفر میں) بَیداء کے مقام پر محمد بن ابی بکر کو جنم دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے حکم دو، اسے چاہیے کہ وہ غسل کرلے پھر احرام باندھے لے۔''

فائدہ: ...... یہ نفاس سے فراغت والا غسل نہیں تھا کیونکہ ولادت کے بعد تو عورت کو خون نفاس کا آغاز ہوتا ہے، لہٰذا یہ غسل دراصل احرام کے لیے تھا، معلوم ہوا کہ ہر کسی کے لیے احرام باندھنے سے قبل غُسل کرنا مسنون ہے، نیز ثابت ہوا کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کا حج کے لیے احرام باندھنا بالکل درست ہے، یاد رہے کہ عورت کے لیے احرام کا مخصوص لباس نہیں ہوتا، اس نے تو بس احرام کی نیت ہی کرنا ہوتی ہے، خواہ کوئی بھی لباس پہنا ہوا ہو، ہاں مرد کے لیے احرام کا مخصوص لباس ہے، یہ غُسل جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے...... بَیداء ایک ٹیلے کا نام ہے جو ذُوالحلیفہ (بئر علی) نامی جگہ کے آخری کنارے پر مکہ والی جانب میں ہے، اہل مدینہ حج کے لیے جاتے ہوئے ذُوالحلیفہ ہی سے احرام باندھتے ہیں۔

[705] وَحَدَّثَنِي ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت اسماء

[704] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج ،باب صحة احرام النفساء واستحباب اغتسالها للاحرام، حدیث: 1209 ، سنن ابی داود، کتاب المناسك ،باب الحائض تهل بالحج ، حدیث: 1743 ، نسائی:2664 ، ابن ماجه: 2911 ، احمد:6/ 396(27624) ، دارمی : 1804 .

[705] (موقوف صحیح لغیرہ) طبرانی فی المعجم الکبیر:24/ 112(374) ، بیهقی:5/ 32 ، ابن ابی عاصم فی الأحاد والمثانی: 1/ 473 ، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 8/ 282- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ، وَلَدَتْ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَأَمَرَهَا أَبُو بَكْرٍ أَنْ تَغْتَسِلَ، ثُمَّ تُهِلَّ.

بنت عُمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر کو ذُوالحلیفہ مقام پر جنم دیا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ غسل کر لیں، پھر احرام باندھ لیں۔

فائدہ: ......بعض روایات میں ہے کہ درخت کے پاس جنم دیا۔ (ابن ماجہ: 2911) تو دراصل یہ بھی ذُوالحلیفہ ہی کے مشہور درخت کا تذکرہ ہے جو بیداء نامی ٹیلے کے پاس تھا، ذُوالحلیفہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ 240 میل ہے۔

[706] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِدُخُولِهِ مَكَّةَ، وَلِوُقُوفِهِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (تین مواقع پر) غسل (کا خصوصی اہتمام) کرتے تھے: احرام باندھنے کے لیے احرام سے پہلے، مکہ میں داخل ہونے کے لیے اور یوم عرفہ کے پچھلے پہر وُقُوف کے لیے۔

فائدہ: ......میدانِ عرفات میں داخل ہونے کا اصل وقت سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب نو ذوالحج کو یہاں آئے تو ابھی سورج نہیں ڈھلا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس میدان سے پہلے ہی وادی نَمِرہ میں ایک خیمے میں قیام کر لیا، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہاں قیام کرتے اور غسل کرتے پھر جب زوالِ آفتاب ہو جاتا تو میدانِ عرفہ میں داخل ہوتے، اس روایت میں مذکور غسلوں میں سے پہلا سنت مؤکدہ ہے، جبکہ دوسرا اور تیسرا مباح ہیں۔

2- بَابٌ: غُسْلُ الْمُحْرِمِ

محرم (حالت احرام والے شخص) کے غسل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں سے ایک مرفوع اور تین موقوف ہیں اور تمام کی اسانید صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

فائدہ: ......جس شخص نے حج یا عمرے کا احرام باندھ رکھا ہو تو اس پر کئی جائز کام بھی حرام اور ممنوع ہو جاتے ہیں لیکن غسل کی کوئی پابندی نہیں ہے، اس مسئلہ کو واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ حاجی کے بال حالت

[706] (موقوف صحيح) بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 4/ 45 (2904)، الشافعى فى الأم: 2/ 169 وفى المسند: 1/ 548۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

احرام میں تقریباً بکھرے بکھرے سے ہوتے ہیں اور غسل کرتے وقت سر کو دھونے سے زینت بھی حاصل ہوتی ہے، نیز بال ٹوٹنے یا جوئیں قتل ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

[707] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اخْتَلَفَا بِالْأَبْوَاءِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ. وَقَالَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ: لَا يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ. قَالَ: فَأَرْسَلَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ إِلَى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ، وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُنَيْنٍ، أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ أَسْأَلُكَ، كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ قَالَ: فَوَضَعَ أَبُو أَيُّوبَ يَدَهُ عَلَى الثَّوْبِ، فَطَأْطَأَهُ حَتَّى بَدَا لِي رَأْسُهُ، ثُمَّ قَالَ لِإِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ: اصْبُبْ. فَصَبَّ عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ حَرَّكَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُ.

ابراہیم بن عبداللہ بن حنین رحمہ اللہ اپنے والد (عبداللہ بن حنین رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے مابین ابواء کے مقام پر (جو کہ مکہ و مدینہ کے درمیان میں ہے) اختلاف ہوگیا، چنانچہ حضرت عبداللہ (بن عباس رضی اللہ عنہما) کہنے لگے کہ احرام باندھنے والا شخص اپنا سر دھوسکتا ہے اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ وہ اپنا سر نہیں دھوسکتا۔ (عبداللہ بن حنین رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس (یہی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے) بھیجا تو میں (گیا اور میں) نے انھیں کنویں پر لگی دو لکڑیوں کے درمیان غسل کرتے ہوئے پایا اس حال میں کہ ایک کپڑے کے ساتھ ان کا پردہ کیا گیا تھا، میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ چنانچہ میں نے کہا کہ میں عبداللہ بن حنین ہوں، مجھے آپ کی طرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھیجا ہے، (اس لیے) کہ میں آپ سے یہ پوچھوں کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت حالت احرام میں ہوتے تو کس طرح اپنا سر مبارک دھویا کرتے تھے؟ (عبداللہ بن حنین رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کپڑے پر رکھا، پھر انھوں نے اس (پردہ بنے ہوئے) کپڑے کو (کچھ) نیچے کر دیا یہاں تک کہ مجھے اُن کا سر نظر آنے لگا، پھر انھوں نے اس شخص سے کہا جو اُن پر پانی انڈیل رہا تھا کہ میرے سر پر پانی

---

[707] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الاغتسال للمحرم، حدیث: 1840، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز غسل المحرم بدنه وراسه، حدیث: 1205، ابوداؤد: 1840، نسائی: 2666، ابن ماجه: 2934، احمد: 5/ 418 (23944)، دارمی: 1793.

انڈیلو، پھر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے سر (کے بالوں) کو حرکت دی، چنانچہ وہ اپنے ہاتھوں کو (سر پر پھیرتے ہوئے) آگے کو بھی لائے اور پیچھے کو بھی لے گئے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

[708] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِيَعْلَى ابْنِ مُنْيَةَ، وَهُوَ يَصُبُّ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَاءً، وَهُوَ يَغْتَسِلُ: اصْبُبْ عَلَى رَأْسِي. فَقَالَ يَعْلَى: أَتُرِيدُ أَنْ تَجْعَلَهَا بِي إِنْ أَمَرْتَنِي صَبَبْتُ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اصْبُبْ، فَلَنْ يَزِيدَهُ الْمَاءُ إِلَّا شَعَثًا.

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت یعلیٰ بن منیہ (یعنی حضرت یعلیٰ بن اُمَیہ رضی اللہ عنہ) سے کہا، جس وقت کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر پانی انڈیل رہے تھے اور وہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) غُسل فرما رہے تھے، (کہا) کہ میرے سر پر پانی انڈیلو، تو حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس جرم کو میرے ساتھ (وابستہ) کریں (کیا آپ حالت احرام میں سر دھونے کے جرم کا ذمہ دار مجھے ٹھہرانا چاہتے ہیں، لیکن میں ایسا نہیں چاہتا، ہاں) اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں پانی انڈیل دوں گا (تاکہ قصوروار آپ ہی ٹھہریں)، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ پانی انڈیلو کیونکہ پانی سر کو بالوں کی پراگندگی ہی میں بڑھاتا ہے۔

فائدہ: ......حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام مُنیہ اور والد کا نام اُمیہ تھا، (اَنْ تَجْعَلَهَا) میں ''ھا'' ضمیر سے مراد "اَلْخَصْلَةَ" یا "اَلْفُتْيَا" یا "اَلْفِدْيَةَ" یا "اَلْجَرِيْرَةَ" یا "اَلْجَرِيْمَةَ" ہے، یعنی کیا آپ چاہتے ہیں کہ گناہ کی خصلت میرے ساتھ قائم ہو یا یہ فتویٰ میرے ذمے پڑے یا مجھ پر کوئی جرم عائد ہو یا یہ گناہ اور جرم مجھ پر عائد ہو...... دراصل حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حالت احرام میں سر دھونا منع ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ سر دھونے سے جوئیں قتل ہوجائیں یا بال اکھڑ جائیں اور پھر ان کاموں کا جرمانہ ادا کرنا پڑے، یا کم از کم اس سے زینت تو حاصل ہوگی جو حالت احرام کے منافی ہے، اس لیے انھوں نے کہا کہ آپ کا سر دھلوانے پر میں تو آمادہ نہیں ہوں لیکن آپ حکم دیں گے تو میں اطاعت کرلوں گا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھایا کہ سر دھونے سے اگرچہ جسم کو ٹھنڈک ملتی ہے لیکن زینت نہیں ملتی بلکہ بال مزید اُلجھ جاتے ہیں...... بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صرف اُس صورت میں ہے جب خالی پانی کو استعمال کیا جائے، صابن اور شیمپو جیسی چیزیں استعمال نہ کی جائیں اور بعد میں کنگھی بھی نہ کی جائے۔ تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ حالت احرام میں جنابت کا اور حیض ونفاس سے فراغت کا غسل تو واجب ہی ہے، سر کے علاوہ باقی جسم

[708] (موقوف صحيح لغيره) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 63 (9133) وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 29 (2867)، الشافعي في المسند: 1/ 518 وفي الام: 2/ 146، شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

پر پانی بہانا بھی بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح محض ٹھنڈک کے حصول کے لیے سر دھونا بھی جائز ہے، البتہ سر دھونے میں یہ احتیاط لازم ہے کہ نہ جوئیں مریں، نہ بال ٹوٹیں اور نہ ہی کوئی خوشبودار چیز استعمال ہو، اگر بال اکھڑنے کا اندیشہ ہوتو سر نہیں دھونا چاہیے، سر پر پانی ڈال کر نرمی سے ایک دوبار بالوں پر ہاتھ پھیرلیں، اس سے زیادہ سے زیادہ پرہیز کریں، اگر بال اکھڑیں گے تو فدیہ دینا لازم ہوگا اور وہ یہ ہے: تین روزے رکھنا یا چھ مسکینوں کو نصف نصف صاع کے برابر کھانا کھلانا یا ایک بکری ذبح کرنا۔

[709] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ بَاتَ بِذِي طُوًى بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ، حَتَّى يُصْبِحَ، ثُمَّ يُصَلِّي الصُّبْحَ، ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِي بِأَعْلَى مَكَّةَ، وَلَا يَدْخُلُ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا، حَتَّى يَغْتَسِلَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ، إِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ بِذِي طُوًى، وَيَأْمُرُ مَنْ مَعَهُ فَيَغْتَسِلُونَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب (حج وعمرہ کے سفر میں) مکہ کے قریب پہنچتے تو وادی ذی طوٰی میں دوگھاٹیوں کے درمیان میں رات گزارتے حتی کہ (وہیں) صبح کرتے، پھر نماز فجر ادا کرتے، پھر اُس گھاٹی سے مکہ میں داخل ہوتے جو مکہ کی بالائی جانب ہے اور وہ جب بھی حج یا عمرہ کرتے ہوئے (مدینہ سے) نکلتے تو (مکہ میں) داخل نہ ہوتے یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کر لیتے جس وقت کہ مکہ کے قریب وادی ذی طوی میں پہنچتے اور ان لوگوں کو بھی (غسل کرنے کا) حکم دیتے جو ان کے ہمراہ ہوتے، چنانچہ وہ بھی مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کر لیتے۔

فائدہ: ...... یہ غسل مستحب ہے، بخاری و مسلم میں ہے کہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بھی بتاتے کہ نبی کریم ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، (بخاری: 1573، مسلم: 1259) یہ حدیث بھی حالت احرام میں غسل کرنے کا جواز ظاہر کر رہی ہے...... اُس دور میں مکہ میں داخل ہونے کے دو راستے تھے، ایک مکہ کی بالائی جانب والی گھاٹی سے جسے "کَدَاء" کہتے تھے۔ اس کا نام "حَجُوْن" بھی تھا، اس گھاٹی سے داخل ہوں تو آگے مکہ کا قبرستان "جَنَّةُ الْمُعَلّٰى" ہے۔ وادی ذی طوی کا نام ذُو یا ذِی سے شروع کرتے ہیں جبکہ طُور پہاڑ کے پاس جس وادی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی اُس مقدس وادی کا نام صرف "طُوٰی" ہے۔

---

[709] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب الاغتسال عند دخول مكة، حديث: 1573، 1553، 1554، 1574، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب المبيت بذي طوى عند ارادة دخول مكة، حديث: 1259، ابوداؤد: 1865، الشافعي في الام: 2/ 147.

[710] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، إِلَّا مِنَ الاحْتِلَامِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (اس وقت) اپنا سر نہیں دھوتے تھے جب وہ حالت احرام میں ہوتے، سوائے احتلام کے۔

فائدہ: ...... کیونکہ حالت جنابت میں تو پورے جسم سے بال برابر جگہ بھی خشک نہیں رہنی چاہیے...... اس روایت کو گزشتہ روایت سے ملائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وادی ذی طویٰ میں جب غسل کرتے تھے تو سر نہیں دھوتے تھے، واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَغْسِلَ الرَّجُلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ بِالْغَسُولِ، بَعْدَ أَنْ يَرْمِيَ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ، وَقَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ قَتْلُ الْقَمْلِ، وَحَلْقُ الشَّعْرِ، وَإِلْقَاءُ التَّفَثِ، وَلُبْسُ الثِّيَابِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اہل علم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ حالت احرام والا شخص اپنے سر کو "غَسُوْل" کے ساتھ دھوئے (لیکن یہ اجازت دس تاریخ کو ہوگی یعنی) جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار لینے کے بعد اور اپنا سر مونڈنے سے پہلے، اور یہ (حرج کا نہ ہونا) اس لیے ہے کہ بے شک جب آدمی (دسویں ذوالحج کو) جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار لیتا ہے تو اس کے لیے (احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور) جوؤں کو مارنا، بالوں کو مونڈنا، (جسم کی) میل دور کرنا اور (سلے ہوئے) کپڑے پہننا جائز ہو جاتا ہے۔

فائدہ: ......میل کچیل دور کرنے سے مراد بال مونڈنا، حجامت کرنا، ناخن کاٹنا اور احرام والے کپڑے اتارنا ہے، "غَسُوْل" سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے زیادہ صفائی کے لیے پانی کے ساتھ استعمال کیا جائے مثلاً صابن، شیمپو، بیری اور خطمی بوٹی وغیرہ۔ ان آخری دونوں چیزوں کے خشک پتوں کا سفوف صابن کا کام دیتا ہے...... جو شخص حالت احرام میں ایسی چیزیں استعمال کرے گا اُس پر جمہور کے نزدیک فدیہ یعنی جرمانہ عائد ہوگا، البتہ دس تاریخ کو اس کی اجازت ہے...... اس کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج کرام جب میدان عرفات ومزدلفہ کے وقوف اور قیام سے فارغ ہو کر دس ذوالحج کو میدان منیٰ میں پہنچتے ہیں تو اس دن ان پر چار کام لازم ہوتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے: سب سے بڑے ستون یعنی جمرہ عقبہ کی رمی (کنکریاں مارنا)، نحر (قربانی کرنا)، حلق یا قصر (بال مونڈنا، یا بال کاٹنا) اور طواف افاضہ...... ان سب کاموں کے بعد تو احرام کی سب پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، البتہ ان میں سے کچھ کام ایسے ہیں کہ ان کے کر لینے سے بعض پابندیاں پہلے ہی ختم ہو جاتی ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کنکریاں مارتے ہی پہلا تحلل (پابندیوں کا اختتام) حاصل

[710] (موقوف صحیح) شافعی فی الام: 7/ 252، بیھقی فی معرفۃ السنن والآثار: 4/ 30 (2873)، شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

ہوجاتا ہے اور دو کاموں (جماع اور خوشبو) کے سوا سب پابندیاں اٹھ جاتی ہیں، جماع اب بھی حرام ہی رہتا ہے اور خوشبو کا استعمال مکروہ ہے اور طواف افاضہ کے بعد یہ بھی جائز ہے...... امام مالک رحمہ اللہ خوشبو کو طواف افاضہ سے پہلے مکروہ قرار دینے میں متفرد ہیں، باقی تمام ائمہ کے نزدیک یہ طواف افاضہ سے قبل جائز ہوجاتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود طواف افاضہ سے پہلے خوشبو استعمال کی تھی۔ (بخاری: 1539، مسلم: 1189) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو کاموں، کنکریاں مارنے اور سر مونڈنے کے بعد ہی تحلل اوّل حاصل ہوگا اور سوائے جماع کے سب کچھ جائز ہوگا، احناف کا بھی یہی موقف ہے، البتہ اگر حاجی نے قربانی بھی کرنی ہو تو پھر احناف کے ہاں تین کاموں (رمی، نحر اور حلق) کے بعد ہی پابندیاں کھلیں گی، ان کے ہاں یہ پابندیاں ختم ہونے کا دارومدار سر مونڈنے یا بال کترانے پر ہے...... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رمی، حلق اور طواف میں سے کوئی سے دو کام کر لیے جائیں تو جماع کے علاوہ سب پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، بلکہ ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ رمی (کنکریاں مارنے) اور طواف افاضہ میں سے کوئی ایک کام کرنے سے پہلا تحلل حاصل ہوجائے گا...... راجح یہی ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ویسے ہی کیا جائے، آپ ﷺ نے سب سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں، پھر اونٹ نحر کیے، پھر بال منڈائے، اس کے بعد غسل کیا اور خوشبو استعمال کی، پھر طواف افاضہ کے لیے گئے، چنانچہ بال منڈانے کے بعد تحلل اول حاصل ہوگا اور طواف کے بعد مکمل تحلل ہوجائے گا۔

3- بَابٌ: مَا يُنْهَى عَنْهُ مِنْ لُبْسِ الثِّيَابِ فِي الْإِحْرَامِ

اُن کپڑوں کا بیان جنھیں حالت احرام میں پہننا ممنوع ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مرفوع روایت ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

[711] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حالت احرام والا شخص کپڑوں میں سے کیا کیا پہن سکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم (حالت احرام میں) نہ قمیض پہنو، نہ پگڑیاں، نہ شلواریں، نہ ٹوپیاں (اور وہ کوٹ اور جرسی وغیرہ جس کے

[711] (مرفوع صحیح) صحيح البخاری، كتاب الحج، باب مالا يلبس المحرم من الثياب، حديث: 1542، 134، 366، 1838، 1842، 5794، 5803، 5805، 5806، 5847، 5852۔ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مايباح للمحرم بحج اوعمرة لبسه، حديث: 1177، ابوداود: 1823، ترمذی: 833، نسائی: 2670، ابن ماجه: 2929، احمد: 2/ 4 (4482)، دارمی: 1800.

الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ، إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ، فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئاً مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ.

ساتھ سر ڈھانپنے والا حصہ بھی جڑا ہوا ہو) اور نہ ہی موزے (پہنو)، مگر وہ شخص جو جوتے نہ پا سکے تو وہ موزے پہن لے اور (پہننے سے پہلے) اُنھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لے اور نہ تم کپڑوں میں سے کوئی ایسی چیز پہنو جسے زعفران لگا ہوا ہو اور نہ ہی (وہ جسے) ورس لگا ہوا ہو۔''

فائدہ: ...... ورس کو ہندوستانی زعفران بھی کہتے ہیں، یہ ایک پودا ہے جو کپڑا رنگنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ورس اور زعفران دونوں کا رنگ سُرخی مائل زرد ہوتا ہے ...... اس حدیث کے آخری حصے کی روشنی میں عورتوں کے لیے بھی حالت احرام میں ورس اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا ممنوع ہے ۔لیکن ان سے پہلے بیان شدہ تمام چیزوں کی ممانعت صرف مردوں کے لیے ہے، ہاں عورتوں کے لیے نقاب اور دستانوں کی خصوصی ممانعت بھی موجود ہے (بخاری: 1838) مزید تفصیل آگے روایت: 719 میں آ رہی ہے...... قمیص کے حکم میں شرٹ، بنیان، سویٹر، جرسی، کوٹ، جُبّہ وغیرہ بھی شامل ہیں، شلوار کے حکم میں پینٹ، ٹراؤزر، انڈرویئر اور ہر قسم کا سلا ہوا پاجامہ شامل ہے، موزوں کی طرح جرابیں بھی منع ہیں اور وہ جوتا بھی جو ٹخنوں سے بلند ہو مثلاً لانگ شوز وغیرہ...... اس حدیث مبارکہ میں سائل کے سوال سے ہٹ کر دیا جانے والا جواب بلاغت کا ایک انوکھا اور جامعیت سے معمور انداز ہے، چونکہ کھلے اور ان سلے کپڑے بھی بے شمار ڈیزائنوں، ورائٹیوں، رنگوں اور ناموں کے ساتھ دستیاب ہوتے ہیں اور ایجاد ہوتے ہیں اور ایجاد ہوتے رہتے ہیں، اس لیے سب کا نام نہ لیا اور صرف ممنوع کپڑوں کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَمَّا ذُكِرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: وَمَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَاراً، فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ فَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْ بِهَذَا، وَلَا أَرَى أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ سَرَاوِيلَ، لأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ السَّرَاوِيلَاتِ، فِيمَا نَهَى عَنْهُ مِنْ لُبْسِ الثِّيَابِ، الَّتِي لَا يَنْبَغِي لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَلْبَسَهَا، وَلَمْ يَسْتَثْنِ فِيهَا، كَمَا اسْتَثْنَى فِي الْخُفَّيْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے اس حدیث کا ذکر کیا گیا جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ازار نہ پا سکے اُسے چاہیے کہ شلوار پہن لے۔'' تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اسے نہیں سنا اور میں یہ (درست) نہیں سمجھتا کہ محرم (احرام باندھنے والا) شلوار پہنے کیونکہ بلاشبہ (میرے علم کے مطابق تو) رسول اللہ ﷺ نے شلواروں کو انھی کپڑوں کے ساتھ ملا کر منع فرمایا ہے جن کے پہننے سے آپ ﷺ نے روکا ہے اور جنھیں پہننا محرم کے لیے مناسب نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ نے ان (شلواروں) میں استثناء کیا جس طرح کہ موزوں کے متعلق استثناء کیا ہے۔

فائدہ: ...... حالانکہ شلوار کا استثناء حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ثابت ہے۔(مسلم: 1179) نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسے بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان عرفات میں یہ اجازت دیتے ہوئے سنا تھا۔(بخاری: 1841، مسلم: 1178) بہرحال مذکورہ فتویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مجتہد کے پاس تمام احادیث کا علم نہیں ہوتا، یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی مجتہد کا قول حدیث کے خلاف نظر آئے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اُس تک وہ حدیث نہیں پہنچ سکی تھی یا وہ اس کے نزدیک پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکی، بہرحال بعد والوں تک اگر حدیث صحیح وحسن سند کے ساتھ پہنچ جائے تو لازم ہے کہ حدیث پر عمل کریں اور گزشتہ اماموں اور مجتہدین کو معذور گردانیں...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شلوار کے علاوہ کوئی کھلا ازار نہ ہو تو شلوار کو پھاڑ کر ازار کی شکل دی جائے گی اور اگر محرم نے شلوار کو بغیر پھاڑے پہن لیا تو اس پر فدیہ لازم ہے، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک شلوار کو بغیر پھاڑے استعمال کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے پھاڑنے کا تذکرہ بالکل ثابت نہیں ہے بلکہ موزوں کا استثناء کرتے وقت انھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹنے کا حکم وضاحت سے دے دینا اور شلوار کے استثناء کے وقت اسے کاٹنے اور پھاڑنے کا حکم نہ دینا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے پھاڑا نہیں جائے گا، نیز شلوار کو موزوں پر بھی قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ شلوار سے مقصود شرمگاہ کو ڈھانپنا ہے جبکہ موزوں سے مقصود یہ نہیں ہوتا۔

4- بَابٌ: لُبْسُ الثِّيَابِ الْمُصْبَغَةِ فِي الْإِحْرَامِ.

حالت احرام میں رنگے ہوئے کپڑے پہننے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مرفوع اور دو موقوف روایات ہیں اور سب سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[712] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ ثَوْباً مَصْبُوغاً بِزَعْفَرَانٍ، أَوْ وَرْسٍ وَقَالَ: مَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ، فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ محرم شخص ایسا کپڑا پہنے جو زعفران یا ورس سے رنگا گیا ہو اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اور جو شخص جوتے نہ پائے اُسے چاہیے کہ موزے پہن لے اور انھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لے۔“

[712] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب ما يباح للمحرم بحج او عمرة لبسه، حديث: 1177/3، سنن النسائى، كتاب مناسك الحج، باب النهى عن الثياب المصبوغة بالورس والزعفران فى الاحرام، حديث: 2667، ابن ماجه: 2930.

[713] وَحَدَّثَنِي ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، يُحَدِّثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى عَلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ثَوْباً مَصْبُوغاً ، وَهُوَ مُحْرِمٌ ، فَقَالَ عُمَرُ : مَا هَذَا الثَّوْبُ الْمَصْبُوغُ يَا طَلْحَةُ ؟ فَقَالَ طَلْحَةُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، إِنَّمَا هُوَ مَدَرٌ . فَقَالَ عُمَرُ : إِنَّكُمْ أَيُّهَا الرَّهْطُ أَئِمَّةٌ يَقْتَدِي بِكُمُ النَّاسُ ، فَلَوْ أَنَّ رَجُلاً جَاهِلاً رَأَى هَذَا الثَّوْبَ ، لَقَالَ إِنَّ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ كَانَ يَلْبَسُ الثِّيَابَ الْمُصَبَّغَةَ فِي الإِحْرَامِ ، فَلا تَلْبَسُوا أَيُّهَا الرَّهْطُ شَيْئاً مِنْ هَذِهِ الثِّيَابِ الْمُصَبَّغَةِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے،انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اسلم رحمہ اللہ کو سنا،وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بیان کررہے تھے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ پر ایک رنگا ہوا کپڑا دیکھا، اس وقت وہ (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ) حالت احرام میں تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:اے طلحہ! یہ رنگا ہوا کپڑا کیسا ہے؟ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے (جواب میں) کہا: اے امیر المومنین! بلاشبہ یہ تو صرف اور صرف (رنگدار) مٹی (سے رنگا ہوا) ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے (عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم کے) گروہ! یقیناً تم (امت کے لیے) ایسے پیشوا ہو کہ لوگ جن کی اقتدا کرتے ہیں تو اگر کوئی (اس رنگ کی حقیقت سے) ناواقف شخص یہ کپڑا دیکھے گا تو (یہ دلیل کے طور پر) کہے گا کہ بے شک حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ حالت احرام میں رنگے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے (اور پھر ہر طرح کے رنگے ہوئے کپڑوں کے لیے دلیل بنالے گا۔) لہٰذا اے (صحابہ رضی اللہ عنہم کی) جماعت! تم ان رنگے ہوئے کپڑوں میں سے کچھ بھی نہ پہنا کرو۔

فائدہ:......حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ یہ کچا رنگ ہے، نہ یہ زعفران ہے اور نہ ہی ورس، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سدِ ذرائع کے طور پر انھیں سمجھایا کہ صاحبِ علم اور پیشوا قسم کے افراد کو ایسے کاموں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے جو ممنوع کام سے مشابہت رکھتے ہوں تا کہ جہلاء یا باطل پرست لوگ خلطِ مبحث اور تلبیس حق بالباطل نہ کر سکیں۔

[714] وَحَدَّثَنِي ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ :

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ وہ خوب گہرے کُسُم سے رنگے ہوئے کپڑے اس حال میں

---

[713] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 60 (9117) وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 25 (2860) ، ابو عبيد في غريب الحديث: 4/ 11- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[714] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 59 (9112) وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 24(2857) ، الشافعي في الام: 2/ 147- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

أَنَّهَا كَانَتْ تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَاتِ الْمُشَبَّعَاتِ ، وَهِيَ مُحْرِمَةٌ ، لَيْسَ فِيهَا زَعْفَرَانٌ .

پہن لیتی تھیں کہ وہ محرم ہوتیں، لیکن ان کپڑوں میں زعفران کا رنگ نہیں ہوتا تھا۔

فائدہ :......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حج کے موقع پر کُسم (یا کُسمبھ) سے رنگے ہوئے کپڑے پہن لیتی تھیں۔ (سنن سعيد بن منصور بحواله زرقانى: 2/ 325، بخارى، قبل از حديث: 1545) کُسم کے سرخ پھولوں سے کپڑوں کو سرخ رنگ میں رنگا جاتا ہے، احناف کے نزدیک کُسم سے رنگا ہوا کپڑا بھی ممنوع ہے اور اس کے استعمال پر فدیہ لازم ہے جبکہ جمہور ائمہ کے نزدیک عورت کو حالت احرام میں اس کی اجازت ہے۔

قَـالَ يَـحْيَـى : سُئِلَ مَـالِكٌ عَنْ ثَوْبٍ مَسَّـهُ طِيـبٌ ، ثُـمَّ ذَهَـبَ مِنْـهُ رِيحُ الطِّيبِ ، هَلْ يُحْرِمُ فِيهِ ؟ فَقَالَ : نَعَمْ ، مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ صِبَاغٌ زَعْفَرَانٌ ، أَوْ وَرْسٌ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس کپڑے کے متعلق سوال کیا گیا جسے کوئی خوشبو لگی ہوئی ہو یا کسی خوشبو دار چیز سے اُسے رنگا گیا ہو پھر (دھولینے سے یا کافی وقت گزر جانے کی وجہ سے) اس سے خوشبو کی مہک ختم ہوگئی ہو تو کیا آدمی اس میں احرام باندھ سکتا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں، جب تک کہ اس میں زعفران یا ورس سے رنگنے کا اثر نہ ہو۔

فائدہ :......کیونکہ اگر اس کی رنگائی میں زعفران یا ورس کا استعمال کیا گیا ہو تو پھر خواہ ان کی خوشبو آئے یا نہ آئے، مرد کے لیے حالت احرام میں اس کا استعمال حرام ہی رہے گا، یاد رہے کہ زعفران اور ورس کی خوشبو بھی ہوتی ہے اور رنگ بھی......امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ محرم کے لیے ایسا کپڑا ہر حال میں منع ہے خواہ اُسے دھویا جائے یا نہ، جمہور کے نزدیک اگر اُسے دھولیا جائے جس سے اس کی خوشبو ختم ہوجائے تو اُسے پہنا جاسکتا ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خوشبو اور رنگ دونوں کا ختم ہونا ضروری ہے۔

5- بَابٌ: لُبْسُ الْمُحْرِمِ الْمِنْطَقَةَ

محرم شخص کے پیٹی (باندھنے اور) پہننے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف اور ایک مقطوع، اور دونوں کی سندیں صحیح ہیں۔

فائدہ :......مِـنْطَقٌ یا مِـنْطَقَةٌ سے مراد وہ پیٹی یا پٹکا ہے جو کمر کے درمیان میں باندھا جائے۔ چونکہ مرد کے احرام والے کپڑے ان سلے ہوتے ہیں، اس لیے پاسپورٹ، پیسے اور قیمتی اشیاء اس پیٹی میں رکھی جاتی ہیں، پھر چونکہ یہ پیٹی ایک سلی ہوئی چیز ہے اس لیے اس کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، جمہور کے نزدیک اس کے استعمال کی گنجائش ہے بشرطیکہ بطور ترفُّہ اور زینت نہ ہو۔

[715] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَكْرَهُ لُبْسَ الْمِنْطَقَةِ لِلْمُحْرِمِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پیٹی پہننے کو ناپسند جانتے تھے۔

فائدہ :...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسے پہننے کا جواز بھی منقول ہے، شاید انھوں نے کراہت کے فتویٰ سے رجوع کرلیا ہو۔ (زرقانی: 2/ 326)

[716] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ فِي الْمِنْطَقَةِ يَلْبَسُهَا الْمُحْرِمُ تَحْتَ ثِيَابِهِ : أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ ، إِذَا جَعَلَ طَرَفَيْهَا جَمِيعاً سُيُوراً ، يَعْقِدُ بَعْضَهَا إِلَى بَعْضٍ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو اس پیٹی جسے احرام والا اپنے کپڑوں کے نیچے پہنتا ہے، کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، (بشرطیکہ) جب آدمی اس کے دونوں کناروں پر تسمے لگالے اور انھیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دے...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں نے اس مسئلے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ روایت میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ :...... ((اَلضُّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْذُوْرَاتِ)) ''مجبوریوں میں ممنوع چیزیں بھی مباح ہوجاتی ہیں۔'' کے فقہی اصول کے تحت بھی اس پیٹی کا استعمال جائز ہے جیسا کہ گلے میں تصویر والے پاسپورٹ کو لٹکانا، اسی طرح کلائی کے گرد خاص قسم کا شناختی رنگ پہننا بھی حُجاج کرام کی مجبوری ہے، ورنہ قدم قدم پر حج انتظامیہ کی تفتیش کا نشانہ بننا پڑتا ہے، بہرحال اگر ان سب کے بنا گزارہ ہوجائے تو بہتر ہے۔

6- بَابٌ: تَخْمِيرُ الْمُحْرِمِ وَجْهَهُ

محرم شخص کا اپنا چہرہ ڈھانپنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ موقوف روایات ہیں جو سب کی سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

---

[715] (موقوف صحیح) الشافعي في الام: 7/ 252 ، وفي المسند: 1/ 529 ، بيهقي في معرفة السنن والآثار: 4/ 42 (2897)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[716] (مقطوع صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 4/ 43 (2898) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[717] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْفُرَافِصَةُ بْنُ عُمَيْرٍ الْحَنَفِي: أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِالْعَرْجِ يُغَطِّي وَجْهَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

فُرافِصہ بن عمیر حنفی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو عَرج نامی جگہ میں دیکھا کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانپ رہے تھے اس حال میں کہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے۔

فائدہ:...... ''عَـرج'' مکہ ومدینہ کے درمیان میں ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے تین مراحل کے فاصلے پر ہے اور ایک مرحلہ ایک دن اور ایک رات کے اس سفر کو کہتے ہیں جو بوجھ سے لدا ہوا اونٹ اپنے معمول کی چال میں طے کر لیتا ہے اور یہ تقریباً 8 فرسخ یعنی 24 میل کے برابر ہے...... مرد کے لیے حالت احرام میں سر کو ڈھانپنا تو بالاتفاق حرام ہے لیکن گرمی سے بچنے کے لیے منہ پر کپڑا رکھنا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے جن میں حضرت عثمان، ابن عباس، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن زبیر، زید بن ثابت اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم شامل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں البتہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔

[718] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَا فَوْقَ الذَّقَنِ مِنَ الرَّأْسِ، فَلَا يُخَمِّرْهُ الْمُحْرِمُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: ٹھوڑی سے اوپر اوپر (سارا چہرہ بھی) سر میں سے ہے لہٰذا محرم شخص اسے نہ ڈھانپے۔

فائدہ:...... متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات تسلیم نہیں کی، لہٰذا اس کے احکام چہرے کے احکام سے جدا ہیں جیسا کہ وضو میں ہے۔

[719] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَفَّنَ ابْنَهُ وَاقِدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، وَمَاتَ بِالْجُحْفَةِ مُحْرِماً، وَخَمَّرَ رَأْسَهُ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے واقد بن عبداللہ رحمہ اللہ کو کفن دیا جو کہ حالت احرام میں جحفہ کے مقام پر فوت ہو گیا تھا اور انھوں نے اس کے

[717] (موقوف صحيح) طحاوی فی مشكل الآثار: 3/ 379 (1886) بيهقی فی الكبرى: 5/ 54، وفی المعرفة: 4/ 17 (2842)، الشافعی فی الام: 7/ 241، ابن ابی شيبه: ص 307، 308۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[718] (موقوف صحيح) بيهقی: 5/ 54 (9090) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[719] (موقوف صحيح) بيهقی فی الخلافيات: 2/ 28، ابن حزم فی حجة الوداع: 272۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

وَوَجْهَهُ . وَقَالَ: لَوْلَا أَنَّا حُرُمٌ لَطَيَّبْنَاهُ .

سر اور چہرے کو ڈھانپ دیا اور کہا کہ اگر بلاشبہ ہم حالت احرام میں نہ ہوتے تو اسے ضرور خوشبو بھی لگاتے۔

فائدہ:...... چونکہ حالت احرام میں خوشبو لگانا اور سونگھنا بھی منع ہے اس لیے انھوں نے میت کو خوشبو نہ لگائی۔سر ڈھانپنے کے متعلق اگلا فائدہ ملاحظہ فرمائیے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا يَعْمَلُ الرَّجُلُ مَا دَامَ حَيًّا ، فَإِذَا مَاتَ ، فَقَدِ انْقَضَى الْعَمَلُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ آدمی تو اس وقت تک عمل کرتا ہے(اور عمل کرنے کا مکلّف رہتا ہے) جب تک وہ زندہ رہے، پھر جب وہ مرجاتا ہے تو یقیناً عمل بھی تمام ہوجاتا ہے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محرم شخص کی موت کے ساتھ ہی اس سے احرام کی پابندیاں منقطع ہوجاتی ہیں لہٰذا اس کا چہرہ کفن میں ڈھانپ سکتے ہیں ،لیکن یہ موقف صریح احادیث کے خلاف ہے ،جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج کے دوران میدان عرفات میں ایک صحابی اونٹنی سے گرکر فوت ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اسے پانی اور بیری کے ساتھ غسل (تو دے) دو لیکن اسے اسی کے (احرام والے) دو کپڑوں ہی میں کفن دو، نہ اسے خوشبو لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانپنا ،کیونکہ بلاشبہ وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ تلبیہ پکار رہا ہوگا۔'' (بخاری:1256 ، مسلم:1206) لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ،امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ موقف درست نہیں ہے، نیز ان کا یہ تاویل کرنا کہ یہ فرمان نبوی صرف اسی آدمی کے ساتھ خاص تھا ،کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''یقیناً اللہ کے رسول میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔'' (احزاب 21:33) اگر یہ واقعہ اس آدمی سے خاص ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کی وضاحت فرمادیتے تاکہ وہاں موجود لوگ اسے سنت نہ سمجھ لیتے ،موقع بیان سے تاخیر تو پیغمبر ﷺ کے شایان شان ہی نہیں......امام احمد رحمہ اللہ ،امام شافعی رحمہ اللہ ،اہل ظاہر اور اہل حدیث کے نزدیک حالت احرام ہی میں فوت ہونے والے کے ساتھ مذکورہ حدیث ہی کے مطابق معاملہ ہوگا، حضرت عثمان ،حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

[720] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: احرام والی عورت نہ تو نقاب کرے اور نہ ہی دستانے پہنے۔

[720] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج ، باب ماينهى من الطيب للمحرم والمحرمة ، حديث: 1838، سنن ابى داود، كتاب المناسك ، باب مايلبس المحرم ، حديث: 1825 .

فائدہ: ...... یہی حکم رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے۔ (بخاری: 1838) نقاب سے مراد وہ خاص سلا ہوا کپڑا ہے جو صرف منہ یا چہرہ ڈھانپنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے، البتہ عورت اپنے دوپٹے کے ساتھ اپنا چہرہ غیر محرموں سے چھپائے گی۔ (ابوداود: 1833، ابن ماجہ: 2935، ابن خزیمہ: 2691۔ یہ روایت شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ ہے) سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے (1/ 454) امام مالک، امام احمد، سفیان ثوری، اسحاق، امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے ...... دستانوں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ وہ حالت احرام میں ہاتھوں پر نہ چڑھائے جائیں لیکن عورت انھیں اپنی چادر میں چھپا کر رکھے گی اور مردوں کے سامنے ظاہر کرنے سے حتی الامکان بچتی رہے گی۔

[721] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ، وَنَحْنُ مَعَ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ.

فاطمہ بنت منذر رحمہا اللہ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ہم اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا کرتی تھیں اس حال میں کہ ہم حالت احرام میں ہوتیں اور ہم (ایسا کرتے وقت) سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ہوتی تھیں (تو وہ ہم پر اس کام کا انکار نہ کرتیں اور ہمیں منع نہ کرتیں)۔

7- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الطِّيبِ فِي الْحَجِّ

حج میں خوشبو استعمال کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن کی سندیں صحیح ثابت ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[722] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو آپ کے احرام باندھنے سے

[721] (موقوف صحیح) مستدرك حاكم: 1/ 454 (1668)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل: 4/ 212)

[722] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الطیب عند الاحرام وما یلبس اذا اراد ان یحرم، حدیث: 1539، 1754، 5922، 5928، 5930، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الطیب قبیل الاحرام، حدیث: 1189، ابوداود: 1745، ترمذی: 917، نسائی: 2686، ابن ماجہ: 3042، احمد: 6/ 39 (24612)، دارمی: 1803۔

زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ.

پہلے (غسل کے موقع پر) احرام کے لیے خوشبو لگایا کرتی تھی اور (دس ذوالحج کو) احرام کھولنے کے وقت بھی (خوشبو لگاتی تھی)، پہلے اس سے کہ آپ بیت اللہ کا طواف فرمائیں۔

فائدہ: ......سنن نسائی (2685) میں ہے: ((حِيْنَ أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ)) ''جب آپ احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سب سے بہترین خوشبو لگاتیں جو دستیاب ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے سر کی مانگ اور داڑھی کے بالوں میں یہ خوشبو لگایا کرتی تھیں، اور چونکہ وہ تیل کی صورت میں ہوتی تھی اس لیے غسل کے بعد بھی اس کی چمک بالوں میں محسوس ہوتی۔ (بخاری: 271، 5923، مسلم: 1190/ 39، 44) اس پر تو اہل علم کا اجماع ہے کہ حج وعمرہ کے احرام کی حالت میں خوشبو لگانا بالکل منع ہے، نہ کپڑوں پر نہ جسم پر، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں، چنانچہ جمہور جسم پر اسے لگانا جائز سمجھتے ہیں لیکن صرف امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں یہ مکروہ ہے، اسی طرح جمہور کے نزدیک طواف افاضہ سے پہلے ہی خوشبو لگانا جائز ہو جاتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اسے بھی درست نہیں سمجھتے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: پیچھے دوسرے باب کا آخری فائدہ)

[723] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَهُوَ بِحُنَيْنٍ، وَعَلَى الْأَعْرَابِيِّ قَمِيصٌ وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ، فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: انْزِعْ قَمِيصَكَ، وَاغْسِلْ هَذِهِ الصُّفْرَةَ عَنْكَ، وَافْعَلْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَفْعَلُ فِي حَجِّكَ.

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ایک اعرابی (بدوی) صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس حال میں کہ آپ ﷺ حنین کے مقام پر تھے اور اس اعرابی پر ایک قمیص تھی جس میں زرد رنگ کا نشان تھا، چنانچہ وہ کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میں نے عمرے کا احرام باندھا ہے، تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں کہ میں (اُس کے مطابق عمل) کروں؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے فرمایا: ''اپنی قمیص اتار دے اور اس زرد رنگ کو اپنے آپ سے (اپنے بدن سے) دھو ڈال اور اپنے عمرے میں وہی کچھ کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔''

[723] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلث مرات من الثياب، حديث: 1536، 1789، 4329، 4985، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مايباح للمحرم بحج اوعمرة لبسه، حديث: 1180، ابوداود: 1819، ترمذي: 835، نسائي: 2711، احمد: 4/ 224 (18128).

فائدہ: ......موطا کی یہ روایت مُرسل ہے لیکن بخاری و مسلم میں ہے کہ عطاء کو یہ حدیث صفوان بن یعلیٰ رحمہ اللہ نے اور انھیں ان کے والد حضرت یعلی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے سنائی......معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت حج میں تو خوشبو سے پرہیز کرتے تھے لیکن عمرے میں خوشبو کے حوالے سے کوتاہی کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ عمرے کے احرام کی پابندیاں بھی حج کے احرام جیسی ہی ہیں......موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت میں حنین جگہ کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں جعرانہ جگہ کا نام مذکور ہے۔ (بخاری: 1789، مسلم: 1180، ابوداود: 1819، نسائی: 2711) دراصل اس اعرابی کی آمد جعرانہ مقام پر ہی ہوئی تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائی تھیں، وادی حنین مکہ مکرمہ سے دس میل جبکہ جعرانہ مکہ سے صرف نو میل کے فاصلے پر ہے، چونکہ یہ دونوں جگہیں بالکل قریب قریب ہیں اسی لیے کسی روایت میں جعرانہ کا نام ہے تو کسی میں حنین کا، اس اعرابی نے جُبّہ پہن رکھا تھا جسے قمیص کہا گیا ہے یعنی لمبا کرتا اور وہ ''خلوق'' نامی خوشبو سے لتھڑا ہوا تھا، جس سے اس کے سر اور داڑھی کا رنگ زرد ہو چکا تھا، اس کے کپڑوں پر بھی کافی خوشبو لگی ہوئی تھی، اس خوشبو کا زیادہ تر حصہ زعفران ہوتا ہے، جب اس نے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتیٰ کہ وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوشبو کو تین بار دھونے کا کہا اور جُبّہ چونکہ سلا ہوا لباس تھا اُسے بھی اتارنے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ بھی پوچھا کہ ''اگر تو حج میں ہوتا تو کیا کرتا؟'' تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں یہ کپڑے اتار دیتا اور خوشبو دھوڈالتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کچھ تو حج میں کرنے والا تھا وہی اپنے عمرے میں بھی کر۔'' (بخاری: 1536، 1789، مسلم: 1180/ 6-9)

[724] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَجَدَ رِيحَ طِيبٍ وَهُوَ بِالشَّجَرَةِ، فَقَالَ: مِمَّنْ رِيحُ هَذَا الطِّيبِ؟ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ: مِنِّي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. فَقَالَ: مِنْكَ لَعَمْرُ اللهِ. فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ طَيَّبَتْنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. فَقَالَ عُمَرُ: عَزَمْتُ عَلَيْكَ لَتَرْجِعَنَّ فَلْتَغْسِلَنَّهُ.

اسلم رحمہ اللہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خوشبو کی مہک محسوس کی اس حال میں کہ وہ (مدینہ منورہ سے چھ میل دور ذوالحلیفہ مقام پر موجود ببول) درخت کے پاس تھے، تو انھوں نے پوچھا کہ یہ خوشبو کی مہک کس شخص سے آرہی ہے، چنانچہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اے امیر المومنین! (یہ خوشبو) مجھ سے (آرہی ہے) تو وہ فرمانے لگے: اللہ کی بقا کی قسم! تجھ ہی سے (آتی ہوگی)،

[724] (موقوف صحیح) احمد: 6/ 325 (27295)، بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 35، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 547 (2790) طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 126، ابن ابی شیبه: ص 197- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اپنا عذر بیان کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! بلاشبہ (میری ہمشیرہ زوجہ رسول اللہ ﷺ) سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ خوشبو لگائی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں تم پر لازم قرار دیتا ہوں (تمھیں قسم دیتا ہوں) کہ ضرور واپس چلے جاؤ، پھر اسے ضرور دھو ڈالو۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حالت احرام سے پہلے لگی ہوئی اُس خوشبو کو ناپسند جانتے تھے جو احرام کے بعد بھی محسوس ہو...... مصنف عبدالرزاق میں اس روایت کے اخیر میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم پر قسم ڈال کر کہتا ہوں کہ تم ضرور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس چلے جاؤ، پھر وہ اسے تم سے اسی طرح دھوڈالیں جس طرح کہ انھوں نے تمھیں یہ خوشبو لگائی تھی، چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور پھر بعد میں قافلے کو راستے میں جا ملے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی گزشتہ حدیث (719) معلوم نہ ہو سکی تھی، مسند بزار میں مذکورہ قصے کے اخیر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ((اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ)) ''حاجی تو پراگندہ بالوں والا (اور) خوشبو کو ترک کرنے والا ہوتا ہے۔'' گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود استدلال کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوشبو کا اثر زائل کرنے کے لیے کہا، اگر انھیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث معلوم ہوتی تو انھیں اس استنباط کی ضرورت نہ پڑتی یا ممکن ہے کہ وہ اسے جائز سمجھتے ہوں لیکن انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خواص صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سمجھ کر صرف اس لئے منع کیا ہو کہ کہیں لوگ ان کے عمل کو بہانہ بنا کر خوشبو کا عام استعمال نہ شروع کر دیں جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔ (موطا: 712)، حاجی کی مذکورہ تعریف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے۔

(ترمذی: 2998، ابن ماجہ: 2896، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے، مشکاۃ: 2460)

[725] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ زُبَيْدٍ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَجَدَ رِيحَ طِيبٍ وَهُوَ بِالشَّجَرَةِ، وَإِلَى جَنْبِهِ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ، فَقَالَ عُمَرُ: مِمَّنْ رِيحُ هَذَا الطِّيبِ؟ فَقَالَ كَثِيرٌ: مِنِّي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، لَبَّدْتُ رَأْسِي وَأَرَدْتُ أَنْ لَا أَحْلِقَ. فَقَالَ عُمَرُ: فَاذْهَبْ إِلَى شَرَبَةٍ،

صلت بن زُبید رحمہ اللہ اپنے گھر والوں میں سے کئی ایک افراد سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک خوشبو کی مہک محسوس کی، اس حال میں کہ وہ (ذوالحلیفہ کے) درخت کے پاس تھے، ان کے پہلو میں کثیر بن صلت (بھی موجود) تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس خوشبو کی مہک کس سے آرہی ہے؟ تو کثیر رحمہ اللہ نے بتایا کہ مجھ سے (آرہی ہے)، میں نے اپنے سر کی

[725] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے، شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

فَـاذْلُكْ رَأْسَكَ حَتّـى تُـنَقِّيَهُ . فَفَعَلَ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ .
تلبید کی تھی (اپنے سر کے بالوں میں کوئی بُوٹی یا گوند کی طرح کی کوئی چیز لگا کر انھیں آپس میں چپکایا تھا) اور میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ سر نہ منڈواؤں گا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شَـرَبَہ گڑھے کی طرف چلے جاؤ، پھر اپنے سر کو ملو (اور مل مل کر دھو ڈالو) یہاں تک کہ اُس (خوشبو) کو صاف کر دو، چنانچہ کثیر بن صلت نے ایسا ہی کیا۔

قَـالَ مَـالِكٌ : الشَّـرَبَةُ حَفِيرٌ تَكُونُ عِنْدَ أَصْلِ النَّخْلَةِ .
امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: "اَلشَّرَبَةُ" سے مراد وہ گڑھا ہے جو کھجور کی جڑ کے پاس ہوتا ہے۔

فائدہ: ...... کثیر بن صلت رحمہ اللہ نے جس چیز کے ساتھ بال چپکائے تھے وہ خوشبو دار تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کھجور کے گڑھے کے پاس اس لیے بھیجا کہ وہ حوض نما تھا اور اس میں پانی موجود تھا، اور ان کا مقصد یہ تھا کہ کثیر وہاں جا کر اپنا سر دھولیں، یہ جو کثیر بن صلت رحمہ اللہ کا قول ہے کہ " میں نے بال چپکا لیے تھے اور یہ ارادہ کیا تھا کہ ان کو نہ منڈواؤں" تو اُس کا سبب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمان سے نکلنے والا یہ احتمال ہے کہ احرام باندھتے وقت بالوں کو چپکا لو اور مینڈھیاں بنالو یا پھر ابتدا ہی میں بال منڈوالو، اور وہ بال منڈوانے کو بہتر سمجھتے تھے۔ (بخاری: 5914)، چنانچہ کثیر بن صلت رحمہ اللہ نے انھیں یہی بتایا کہ میں نے چونکہ احرام کی ابتدا میں بال نہیں منڈوانے تھے اس لیے بالوں کو چپکا لیا ہے تا کہ وہ حالت احرام میں ادھر اُدھر بکھرے نہ رہیں...... موطاامام مالک کے ہندی نسخوں میں حرف نفی "لا" مذکور نہیں ہے، اس اعتبار سے ترجمہ یوں بنتا ہے: "میں نے بال چپکا لیے ہیں اور یہ ارادہ کیا ہے کہ ان کو منڈواؤں" اس نسخے کی رُو سے مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ جو شخص احرام باندھتے وقت بالوں کی مینڈھیاں بنائے گا یا انھیں چپکائے گا اُس پر لازم ہے کہ وہ ان کو حج کے اختتام پر منڈوائے محض کتروانا کفایت نہیں کرے گا۔ (بخاری: 5914) اس لیے کثیر بن صلت رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے بال منڈوانے تھے اس لیے انھیں چپکا لیا ہے۔ دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول صحیح بخاری میں موجود ہے جس کے گزشتہ دونوں مفہوم شارحین نے ذکر کیے ہیں، اس قول کا یہ دوسرا مفہوم تو واضح ہے اور پہلے مفہوم کو احتمال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، بہر حال موطا کی روایت کے دونوں متضاد نسخوں کا مفہوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے نکلنے والے دونوں مفہوموں کی روشنی میں صحیح بن جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[726] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَـعِيدٍ ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، وَرَبِيعَةَ بْنِ أَبِـي عَبْـدِ الـرَّحْـمٰـنِ : أَنَّ الْـوَلِيدَ بْنَ عَبْدِ
یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ، عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (خلیفہ وقت) ولید بن عبدالملک رحمہ اللہ نے (دسویں ذوالحج کو) جمرہ عقبہ کو کنکریاں

[726] (مقطوع صحیح) نسائی فی الکبری: 2/ 458 (4160) طحاوی فی شرح معانی الاثار: 2/ 232۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

الْمَلِكِ ، سَأَلَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ، وَخَارِجَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ ، بَعْدَ أَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ وَحَلَقَ رَأْسَهُ ، وَقَبْلَ أَنْ يُفِيضَ عَنِ الطِّيبِ ؟ فَنَهَاهُ سَالِمٌ ، وَأَرْخَصَ لَهُ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ .

مار لینے اور اپنا سر منڈوا لینے کے بعد اور طواف افاضہ کرنے سے پہلے (مدینہ منورہ کے دو فقیہوں) سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اور خارجہ بن زید رحمہ اللہ سے خوشبو (لگانے) کے متعلق سوال کیا تو سالم رحمہ اللہ نے تو انھیں روک دیا اور (جبکہ) خارجہ بن زید بن حارث رحمہ اللہ نے اُسے رخصت دے دی۔

فائدہ: ...... خارجہ رحمہ اللہ کا موقف حدیث رسول ﷺ کے مطابق ہے، جو کہ اس باب کے آغاز میں (حدیث: 721) گزر چکی ہے ...... ربیعہ رحمہ اللہ کے والد ابوعبدالرحمٰن کا نام فرّوخ تھا، اور یہی ''ربیعہ رائی'' کے لقب سے مشہور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا بَأْسَ أَنْ يَدَّهِنَ الرَّجُلُ بِدُهْنٍ لَيْسَ فِيهِ طِيبٌ ، قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ ، وَقَبْلَ أَنْ يُفِيضَ مِنْ مِنًى ، بَعْدَ رَمْيِ الْجَمْرَةِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی (دو مواقع پر) ایسا تیل لگالے جس میں خوشبو نہ ہو، (ایک تو) پہلے اس سے کہ وہ احرام باندھے اور (دوسرا یہ کہ) جمرہ عقبہ (بڑے ستون) کو کنکریاں مار لینے کے بعد میدان منیٰ سے (مکہ جاکر) طوافِ افاضہ کرنے سے پہلے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس فتویٰ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (موطا: 721) میں تاویل کی ہے کہ جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خوشبو کہہ رہی ہیں اس سے مراد عام تیل ہے جس کی صرف چمک ہوتی ہے اور خوشبو نہیں ہوتی، جمہور کے نزدیک قبل از احرام اور قبل از طوافِ افاضہ خوشبو دار تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

قَالَ يَحْيَى : سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ طَعَامٍ فِيهِ زَعْفَرَانٌ ، هَلْ يَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ ؟ فَقَالَ : أَمَّا مَا تَمَسُّهُ النَّارُ مِنْ ذَلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ أَنْ يَأْكُلَهُ الْمُحْرِمُ ، وَأَمَّا مَا لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ مِنْ ذَلِكَ فَلَا يَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس کھانے کے متعلق سوال کیا گیا جس میں زعفران شامل ہو، کیا محرم شخص اُسے کھا سکتا ہے (یا نہیں)؟ تو انھوں نے فرمایا: رہا اس قسم کا وہ کھانا جسے آگ نے چھولیا ہو (اور وہ آگ پر پک کر تیار ہوا ہو) تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ احرام والا شخص اُسے کھائے اور رہا وہ (زعفران والا کھانا) جسے آگ نہ پہنچی ہو تو محرم اُسے نہ کھائے۔

فائدہ: ...... چونکہ آگ پر پکنے سے خوشبو کا حکم زائل ہو جاتا ہے اس لیے اس کا استعمال درست ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زعفران ملا ہوا کھانا ہر حال میں جائز ہے، خواہ آگ پر پکا ہوا ہو یا نہ، البتہ وہ خالص زعفران کھانے سے منع کرتے ہیں، صاحبین (امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ) تو خالص زعفران کھانے کی بھی کھلی

اجازت دیتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک محرم کے لیے کسی بھی صورت میں زعفران کے قریب جانا ممنوع ہے ...... ہمارے نزدیک صاحبین کا موقف راجح ہے کیونکہ خوشبو لگانا الگ معاملہ ہے اور کھانا کھانا الگ معاملہ ہے، اگر کھانوں میں بھی خوشبو سے بچنا ہے تو پھر قسما قسم کی بے شمار خوشبوؤں والے کھانے بھی محرم کے لیے ممنوع قرار پائیں گے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، نیز ہر کھانے کی کوئی نہ کوئی خوشبو تو ہوتی ہے لیکن کسی روایت میں خوشبو دار کھانوں سے ممانعت بیان نہیں ہوئی۔

8- بَابٌ: مَوَاقِيتُ الْإِهْلَالِ

احرام باندھنے کی جگہوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، تین مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور سب کی سندیں صحیح ہیں۔

فائدہ :...... "مَوَاقِيْتُ" جمع ہے "مِيْقَاتٌ" کی، یہ لفظ نماز اور حج کے بیان میں استعمال ہوتا ہے، نماز کے بیان میں "مَـوَاقِيْـتُ" بمعنی اوقات ہے اور حج کے بیان میں بمعنی مقامات ہے۔ "اِهْلَالٌ" کے لفظی معنی تو آواز بلند کرنا ہیں، اس اعتبار سے یہ لفظ تلبیہ پکارنے (یعنی لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ...... کہنے) کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن چونکہ تلبیہ تبھی پڑھا جاتا ہے جب احرام باندھا جائے اس لیے اِهْلَال بمعنی احرام باندھنا بھی بہت مستعمل ہے۔

[727] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: وَبَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں، اہل شام جحفہ سے احرام باندھیں اور اہل نجد قرن (منازل) سے احرام باندھیں۔" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اور اہل یمن یَلَمْلَمْ سے احرام باندھیں۔"

---

[727] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب ميقات اهل المدينه ولا يهلون قبل ذى الحليفة، حديث: 1525، 133، 1522، 1527، 1528، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مواقيت الحج، حديث: 1182، ابوداود: 1737، ترمذى: 831، نسائى: 2652، ابن ماجه: 2914، أحمد: 2/ 3 (4455)، دارمى: 1790.

[728] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَنْ يُهِلُّوا مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَهْلَ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلَ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَمَّا هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثُ فَسَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَأُخْبِرْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ والوں کو حکم دیا کہ وہ ذُو الحلیفہ سے احرام باندھیں، شام والوں کو جُحفہ سے اور نجد والوں کو قَـرْن سے (احرام باندھنے کا حکم دیا)، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان تینوں کو تو میں نے (خود) رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا تھا: ’’اور یمن والے یَلَمْلَم سے احرام باندھیں۔‘‘

فائدہ:...... مدینہ اور شام دونوں ہی مکہ مکرمہ سے شمال کی سمت میں ہیں لیکن دونوں کے راستے الگ الگ ہیں، مکہ سے سب سے دوری والا میقات ذوالحلیفہ ہے جو 240 میل دور ہے، دوسرے نمبر پر جُحفہ ہے جو مکہ سے 120 میل دور ہے، پھر مکہ سے مشرق کی جانب قرن منازل اور جنوب کی جانب یَلَمْلَم دونوں کا فاصلہ 48، 48 میل ہے، اگر مکہ سے چاروں سمت ان مواقیت کے لحاظ سے دائرہ کھینچیں تو یہ ایک بیضوی شکل کا دائرہ بنتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق جگہ کو میقات مقرر کیا تھا۔ (مسلم: 1183/ 18) یہ جگہ مکہ سے شمال مشرق میں ہے اور اس کا فاصلہ بھی 48 میل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ’’یہ مواقیت ان جگہوں والوں کے لیے بھی ہیں اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو یہاں کا رہنے والا تو نہ ہو لیکن وہ ان جگہوں پر سے گزر کر آئے، (اور یہ احرام باندھنا صرف) اس شخص کے لیے ہے جو حج اور عمرے کا ارادہ رکھتا ہو، اور جو لوگ ان جگہوں سے اندر رہتے ہیں تو ان کے احرام باندھنے کی جگہ اُن کا گھر ہی ہے حتی کہ اہل مکہ مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔‘‘ (بخاری: 1526، مسلم: 1181) امام ابوحنیفہ، اور امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ آنے والے ہر شخص پر ان مواقیت سے گزرتے وقت احرام باندھنا واجب ہے خواہ وہ حج یا عمرے کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ، لیکن یہ موقف مذکورہ حدیث کے صریح الفاظ کے خلاف ہے، اس لیے راجح موقف امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا ہے کہ جس شخص کا ارادہ حج یا عمرے کا نہ ہو تو اس کے لیے ان مواقیت سے احرام باندھے بغیر گزرنا جائز ہے...... آج کل ہوائی جہاز کی تیز پرواز کی وجہ سے عین ان جگہوں کے اوپر کھڑے ہو کر احرام باندھنا ناممکن ہے، اس لیے ہر ملک والے اپنے اپنے ایئر پورٹ سے احرام باندھ لیتے ہیں، ان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مجبوری کی بنا پر احرام تو میقات سے

[728] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ذكر العلم والفتيا في المسجد، حديث: 133، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مواقيت الحج، حديث: 1182.

پہلے باندھ لیں لیکن احرام کی نیت اور تلبیہ کا آغاز وہیں سے نہ کریں بلکہ اُس وقت کریں جب ان جگہوں کے اوپر سے گزرنے کا اعلان جہاز میں کیا جارہا ہو...... یادرہے کہ اگر کوئی حاجی ان مقررہ میقاتوں میں سے کسی سے بھی نہ گزرے تو اسے چاہیے کہ ان میں سے جس کسی کے برابر سے گزرنے لگے تو وہاں سے احرام باندھ لے، اس پر تمام علماء وفقہاء کا اتفاق ہے۔

[729] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَهَلَّ مِنَ الْفُرْعِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے "فُرْع" نامی جگہ سے احرام باندھا۔

فائدہ:......بعض کے نزدیک یہ ذوالحلیفہ سے کچھ ہی آگے ایک جگہ کا نام ہے اور بعض کے نزدیک یہ جگہ مدینہ سے مکہ کی طرف 96 میل دور ہے جبکہ اہل مدینہ کا میقات تو مدینہ سے صرف چھ میل بعد ذوالحلیفہ ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خود ہی مواقیت والی حدیث بیان کی ہے لیکن احرام بہت آگے جا کر باندھا؟ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب ذوالحلیفہ سے گزرے تھے تو اس وقت ان کا حج یا عمرے کا کوئی پروگرام نہیں تھا لیکن جب "فرع" نامی جگہ پر پہنچے تو وہاں ان کا ارادہ بن گیا، اس لیے انھوں نے وہیں سے احرام باندھ لیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزرا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مدینہ کی بجائے کہیں اور جانب سے "فرع" جگہ پہنچے تھے اور یہیں ان کا احرام باندھنے کا ارادہ بن گیا۔ واللہ اعلم۔

[730] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَهَلَّ مِنْ إِيلِيَاءَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ایک ثقہ راوی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیاء یعنی بیت المقدس سے احرام باندھا۔

فائدہ:......اگرچہ مواقیت پر پہنچنے سے پہلے احرام باندھ لینے کی گنجائش ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مواقیت ہی سے احرام باندھا جائے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے۔

[731] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ

---

[729] (موقوف صحیح)، بیهقی: 5/ 29 (8923)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[730] (موقوف صحیح) شافعی فی الام: 7/ 253، بیهقی: 5/ 30 (8927)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[731] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب المهلة بالعمرة تحیض فیدرکها الحج، حدیث: 1996، جامع الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی العمرة من الجعرانة، حدیث: 935، نسائی: 2866، احمد: 3/ 426 (15597)، دارمی: 1861۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَهَلَّ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ بِعُمْرَةٍ. نے جِعِرّانہ مقام سے عمرے کا احرام باندھا تھا۔

فائدہ: ...... جِعِرّانہ، مکہ مکرمہ سے 9 میل کے فاصلے پر ہے، نبی کریم ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہو کر غزوہ حنین کے لیے مکہ کے شہر والے حرم سے باہر جا چکے تھے، پھر وہاں سے فارغ ہو کر وہیں سے عمرے کا احرام باندھ کر مکہ تشریف لائے اور عمرہ کر کے مدینہ واپس چلے گئے...... ''حرم'' تین طرح کا ہے: 1 حرم بیت اللہ، اس سے مراد بیت اللہ اور اس کے اردگرد مسجد الحرام والی جگہ ہے۔ 2 حرم مکہ، اس سے مراد مکہ شہر کا وہ علاقہ ہے جہاں غیر مسلموں کا داخلہ بند ہے، اور درخت اکھیڑنا اور شکار کرنا وغیرہ حرام ہے، اس کی حد بندی کچھ یوں ہے: مدینہ منورہ کے راستے پر تین میل دور تنعیم جگہ تک، یمن کے راستے پر چھ میل دور اَضَاۃ لَبِن جگہ تک، طائف کے راستے پر سات میل دور عرفات تک، جِعِرّانہ والی جانب سے نو میل دور جِعِرّانہ تک اور جدہ والی مغربی جانب سے دس میل تک۔ 3 حرم مواقیت، اس سے مراد وہ تمام علاقہ ہے جو مواقیت حج (احرام باندھنے کی جگہوں) کے اندر ہے۔ جہاں احرام باندھنے والوں پر احرام کی وجہ سے پابندیاں عائد ہوتی ہیں...... جو لوگ حرم مواقیت کے اندرونی علاقے میں رہتے ہیں تو راجح قول کے مطابق ان کے احرام باندھنے کی جگہ ان کا گھر ہی ہے جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے (بخاری: 1526، مسلم: 1181) خواہ ان کے گھر مکہ ہی میں ہوں اور خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا، اگرچہ جمہور کے نزدیک مکہ ہی میں رہنے والے افراد پر عمرے کے احرام کے لیے تنعیم جانا لازم ہے...... رہے وہ لوگ جو آفاقی ہیں یعنی حرم مواقیت کے باہر سے آتے ہیں اور ان مقرر جگہوں سے احرام باندھ کر حج یا عمرے کے لیے آتے ہیں، اب اگر وہ دوبارہ عمرہ کرنا چاہیں تو ان پر کیا لازم ہے؟ کیا وہ پھر ان دور دراز مواقیت پر جا کر احرام باندھیں گے یا محض مکہ شہر کے حرم سے باہر نکل کر احرام باندھیں گے؟ اس کے متعلق جمہور کے نزدیک حرم مکہ سے نکلنا ہی کافی ہے چنانچہ وہ بڑا عمرہ اور چھوٹا عمرہ کے نام سے دو اصطلاحات بناتے ہیں اور صرف حرم مکہ سے باہر جا کر خصوصاً تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں، جبکہ محققین علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دو صورتوں کے علاوہ ایسا کرنا ثابت نہیں ہے: (1) ایک یہ کہ جن عورتوں کا عمرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حیض یا نفاس کی بنا پر رہ جائے تو وہ تنعیم وغیرہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر لیں اور (2) اگر کوئی شخص کسی کام کے لیے اتفاقاً مکہ سے باہر گیا ہوا ہو تو واپسی پر وہ حرم مکہ کی حدود سے احرام باندھ کر عمرہ کر سکتا ہے، رہا قصداً عمرہ کے لیے ان حدود پر جا کر احرام باندھنا تو یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

9- بَابٌ: اَلتَّلْبِيَةُ وَ الْعَمَلُ فِي الْإِهْلَالِ

تلبیہ پڑھنے اور احرام باندھنے کے طریقے کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں چھ روایات ہیں، چار مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں

ایک موقوف روایت سنداً صحیح جبکہ ایک مقطوع روایت بھی مذکور ہے جس کی سند ضعیف ہے۔

[732] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ. قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَزِيدُ فِيهَا: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ لَبَّيْكَ، وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ.

نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کا تلبیہ یہ تھا: ((لَبَّيْكَ، اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ)) ''میں تیری خدمت میں بار بار حاضری دیتا ہوں، اے اللہ! میں تیری جناب میں بار بار حاضر ہوتا ہوں، میں تیری خدمت میں بار بار حاضر ہوتا ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں تیری جناب میں بار بار حاضری دیتا ہوں، یقیناً ہر قسم کی حمد اور نعمت واحسان تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہت بھی (تیرے ہی لیے ہے)، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔'' نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس میں یہ اضافہ کیا کرتے تھے: ((لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ، لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ)) ''میں تیری خدمت میں بار بار حاضر ہوتا ہوں اور بار بار تیری اطاعت کا اظہار کرتا ہوں، اور بھلائی (ساری کی ساری) تیرے ہی ہاتھ میں ہے، میں بار بار تیری جناب میں حاضری دیتا ہوں اور (میری) رغبت (وتوجہ بھی) تیری طرف ہے اور (میرے) عمل (کا مقصد بھی تیری ہی رضا ہے)۔''

فائدہ: ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ تلبیہ سے زائد الفاظ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں یہ اضافہ جائز تو ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ نہ کیا جائے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک اضافہ کرنا درست نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ بھی اضافے کو ناپسند کرتے ہیں، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جن الفاظ پر رسول اللہ ﷺ نے مداومت اختیار کی اُنھی کو معمول بنانا افضل اور مستحب ہے لیکن اضافہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، اس لیے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے بھی کبھی کبھار زائد الفاظ کہنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَبَّيْكَ إِلٰهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ)) ''میں بار بار تیری جناب میں حاضری دیتا ہوں اے سچے معبود! میں تیری خدمت میں بار بار حاضر ہوتا ہوں۔'' (نسائی: 2753، ابن ماجہ: 2920۔ امام حاکم رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مرعاۃ: 8/ 335) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں

[732] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الحج، باب التلبية، حديث: 1549، 5915، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث: 1184، ابوداود: 1812، ترمذی: 825، نسائی: 2751، ابن ماجه: 2918، احمد: 2/ 3 (4457)، دارمی: 1808.

نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ((لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَّحَجًّا)) ''اے اللہ! میں عمرہ وحج کے ساتھ تیری خدمت میں بار بار حاضری دیتا ہوں۔'' (مسلم: 1232) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ تلبیہ میں ((ذَاالْمَعَارِجِ)) ''اے مرتبوں والے!'' یا اس طرح کے الفاظ کا اضافہ کررہے تھے اور رسول اللہ ﷺ انھیں سن رہے تھے لیکن آپ ﷺ انھیں کچھ بھی نہیں کہہ رہے تھے۔ (ابوداود: 1813۔ اس کی سند بالکل صحیح ہے۔)

[733] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ، فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ أَهَلَّ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعتیں ادا کرتے، پھر جب آپ ﷺ کی سواری آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو آپ تلبیہ پڑھنے لگتے۔

فائدہ: ...... ان دو رکعتوں کو سنت احرام کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے دور میں تو وہاں مسجد نہ تھی، بعد میں اس جگہ مسجد بنا دی گئی، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً)) ''جب آپ ﷺ کی اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوگئی۔'' (مسلم: 1187/ 28) امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک سواری کے اوپر سوار ہوکر جب وہ چلنے لگے تو تلبیہ شروع کرنا افضل ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک احرام کی دو رکعتوں کے فوراً بعد سے تلبیہ شروع کرنا افضل ہے۔

[734] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يَقُولُ: بَيْدَاؤُكُمْ هٰذِهِ الَّتِي تُكَذِّبُونَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا، مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ. يَعْنِي مَسْجِدَ ذِي الْحُلَيْفَةِ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کو سنا وہ کہہ رہے تھے: تمھارا یہ جو ''بیداء'' کا مقام ہے اس کے متعلق تم رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہو، رسول اللہ ﷺ نے تو مسجد کے پاس ہی سے لبیک پکارنا شروع کر دیا تھا، وہ ذوالحلیفہ والی مسجد مراد لے رہے تھے۔

---

[733] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب قول الله تعالىٰ ياتوك رجالا وعلى كل ضامر، حديث: 1514، 166، ، 1552، 2865، 5851، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان ان الافضل ان يحرم حين تنبعث به راحلة، حديث: 1187، نسائي: 2748- 2761، ابن ماجه: 2916، احمد: 2/ 17، 18، دارمي: 1929-

[734] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب الاهلال عند مسجد ذي الحليفة، حديث: 1541، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب امر اهل المدينة بالاحرام من مسجد ذي الحليفة، حديث: 1186، ابوداود: 1771، ترمذي: 818، نسائي: 2758، ابن ماجه: 2916، احمد: 2/ 10 (4570).

فائدہ: ......یعنی لوگ تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیداء نامی ٹیلے پر پہنچنے کے بعد تلبیہ شروع کیا تھا جو کہ ذوالحلیفہ کے بالکل سامنے ہے، تو یہ اُن کی غلط بیانی ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ ہی میں مسجد کے پاس سے تلبیہ کا آغاز کر دیا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مزید وضاحت یوں ہے: ((إِلَّا مِنْ عِنْدِ الشَّجَرَةِ حِيْنَ قَامَ بِهِ بَعِيْرُهُ)) (مسلم:1186) یعنی ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب جو درخت ہے اس کے پاس پہنچ کر جب سواری رسول اللہ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوگئی تو آپ نے تلبیہ شروع کر دیا......دراصل اس بارے میں تین قسم کی روایات ہیں: (1) رسول اللہ ﷺ نے احرام کی دو رکعتوں سے فارغ ہوتے ہی تلبیہ کہا۔ (ابوداود: 1770، ترمذی: 819، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، اس کی سند حسن ہے۔) (2) آپ ﷺ نے مسجد سے نکلنے کے بعد درخت کے پاس پہنچ کر سواری پر بیٹھنے کے بعد، جب وہ کھڑی ہوئی تو تلبیہ پکارا۔ (بخاری: 1541، 1552- 1554، مسلم: 1186، 1187 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، بخاری: 1546 عن انس رضی اللہ عنہ، بخاری: 1515 عن جابر رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما) (3) جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ سے چل کر بیداء ٹیلے پر پہنچے تو تلبیہ پڑھا۔ (بخاری: 1545، مسلم: 1243 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، بخاری: 1551 عن انس رضی اللہ عنہ، مسلم: 1218 عن جابر رضی اللہ عنہ، ابوداود: 1775 عن سعد رضی اللہ عنہ) ان سب روایات میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب جگہوں پر تلبیہ پڑھا تھا لیکن چونکہ ہجوم کی وجہ سے سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے قریب موجود نہ تھے اس لیے جس کسی نے جس جگہ آپ ﷺ کو تلبیہ پکارتے ہوئے سنا اُس نے اپنے اپنے کے مطابق آگے بیان کر دیا۔ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جن سے تینوں قسم کی روایات مروی ہیں، نے بھی یہی تطبیق بیان فرمائی ہے۔ (ابوداود: 1770، حاکم: 1/ 451، بیہقی: 5/ 37۔ اس کی سند حسن ہے، کچھ علماء نے اس روایت کے راوی خُصیف بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے اسے ضعیف بھی کہا ہے لیکن امام حاکم رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، نیز یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، ابوحاتم رحمہ اللہ اور ابوزرعہ رحمہ اللہ جیسے ائمہ نے خُصیف کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے صالح کہا ہے۔)

[735] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعاً، لَمْ أَرَ أَحَداً مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا. قَالَ: وَمَا هُنَّ يَا ابْنَ

عبید بن جُریج رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (کو ان کی کنیت سے مخاطب کرتے ہوئے ان) سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ چار ایسے کام کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی وہ کام کرتے ہوئے

[735] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوضوء باب غسل الرجلین فی النعلین ولایمسح علی النعلین، حدیث: 166، 5851، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان الافضل ان یحرم حین تنبعث به راحلته، حدیث: 1187، ابوداود: 1772، نسائی: 117، ابن ماجه: 3626، احمد: 2/ 17، 18 (4672).

جُرَيْجٍ؟ قَالَ: رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَّيْنِ، وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ، أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ، وَلَمْ تُهْلِلْ أَنْتَ حَتَّى يَكُونَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَّيْنِ، وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا، وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَصْبُغُ بِهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا، وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

نہیں دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ اے ابن جریج! (بھلا) وہ کون سے کام ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ (طواف کرتے وقت بیت اللہ کے چاروں) کونوں میں سے دو یمانی کونوں (حجر اسود اور اس سے پچھلے کونے رکن یمانی) کے سوا کسی کو ہاتھ نہیں لگاتے ، اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ سبتی جوتے (صاف رنگے ہوئے چمڑے کے جوتے جن پر بال نہیں ہوتے) پہنتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ زرد رنگ (کا خضاب) لگاتے ہیں، اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ (حج کے موقع پر) مکہ میں ہوتے ہیں تو لوگ تو اسی وقت تلبیہ شروع کر دیتے (اور احرام باندھ لیتے) ہیں جب وہ (یکم ذوالحج کا) چاند دیکھ لیتے ہیں اور (لیکن) آپ احرام و تلبیہ شروع نہیں کرتے یہاں تک کہ یوم تَرْوِيَہ (ذوالحج کا آٹھواں دن) آجاتا ہے (جس میں حاجیوں نے مکہ سے نکل کر میدان منیٰ میں جانا ہوتا ہے) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (جواب میں) فرمایا: رہے بیت اللہ کے کونے تو بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان میں سے یمانی کونوں کے سوا کسی کو بھی ہاتھ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا، رہے سبتی جوتے تو یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ وہ جوتے پہنا کرتے تھے جن میں بال نہیں ہوتے تھے (کیونکہ ان کا چمڑا اچھی طرح صاف شدہ ہوتا تھا،) اور آپ ﷺ ان میں وضو بھی فرمایا کرتے تھے لہٰذا میں بھی پسند کرتا ہوں کہ انھیں پہنوں، رہا زرد رنگ (کا خضاب) تو یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اس کے ساتھ (اپنے بالوں اور کپڑوں کو) خضاب لگاتے تھے، اور رہا تلبیہ پکارنا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلبیہ پکارتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ (آٹھ ذوالحج یوم ترویہ کو منیٰ روانگی کے وقت) آپ ﷺ کی سواری آپ کو لے کر اٹھ کھڑی ہوتی۔

فائدہ :...... بیت اللہ کے کونوں کو عربی میں "اَرْكَان" کہتے ہیں، ان میں سے مشرقی اور جنوبی کونے چونکہ یمن کی سمت میں ہیں اس لیے دونوں کو "رُكْنَيْنِ يَمَانِيَيْنِ" کہتے ہیں، پھر ان میں سے مشرقی کونے میں چونکہ حَجرِ اَسود ہے اس لیے اس کونے کا نام "رکن حجر اسود" ہے اور جنوبی کونے کا نام "رُکن یمانی" ہے، باقی دونوں کونے یعنی شمالی اور مغربی "رُكْنَيْنِ شَامِيَيْن" کہلاتے ہیں کیونکہ وہ ملک شام کی جانب ہیں، یہ دونوں کونے اب اپنی اصلی

بنیادوں پر نہیں ہیں، کیونکہ قریش مکہ نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حلال مال کی کمی کی بنا پر بیت اللہ کا کچھ حصہ کم کر دیا تھا، اس چھوڑے ہوئے حصے کو ''حطیم'' کہتے ہیں، چونکہ حطیم والی جانب کے دونوں کونے ابراہیمی بنیادوں پر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کا استلام نہیں کرتے تھے یعنی انھیں ہاتھ نہیں لگاتے تھے......

مرد حضرات کے لیے بالوں میں صرف سیاہ رنگ لگانے کی ممانعت ہے۔(مسلم: 2102/ 79) باقی ہر رنگ کا استعمال جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ نے سفید بالوں کو رنگنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:((غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ)) ''سفیدی کو بدلو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔'' (ترمذی: 1752۔ اس کی سند صحیح ہے۔ الصحیحۃ:836) بلکہ فرمایا:((اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ)) ''یقیناً یہود و نصاریٰ (بالوں کو) نہیں رنگتے، لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔'' (بخاری: 5899، مسلم: 2103) رہا کپڑوں کا معاملہ تو ان میں مردوں کے لیے صرف کُسُم سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔(مسلم: 2077، 2078) باقی ہر رنگ جائز ہے حتیٰ کہ احرام کے سوا ورس اور زعفران سے رنگ شدہ کپڑے بھی جائز ہیں۔(نسائی: 5118، موطا امام مالک رحمہ اللہ کے اخیر میں کتاب الجامع کی پندرھویں باب کی پہلی حدیث۔ ان کی سندیں صحیح ہیں) امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کپڑوں اور داڑھی میں زرد رنگ لگانا مکروہ ہے......جوتوں میں وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ وضو کے دوران پاؤں دھو کر اپنے گیلے پاؤں ان میں داخل کر دیتے، مقصد یہ ہے کہ جب چمڑے کو خاص طریقوں سے رنگ کر اس کی رطوبتیں ختم کر دی جائیں تو وہ پاک ہو جاتا ہے......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو تلبیہ کا سوال ہوا وہ حج تمتع کے حوالے سے ہے کہ جس میں حاجی مکہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول دیتا ہے اور تمام پابندیوں سے آزاد رہتا ہے، پھر آٹھویں ذوالحج کو از سر نو حج کا احرام باندھ کر وہ منیٰ کی طرف جاتا ہے اور یہی مستحب ہے، اگرچہ کچھ لوگ اس تاریخ سے پہلے ہی دوبارہ احرام باندھ لیتے ہیں۔

[736] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَيَرْكَبُ، فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ أَحْرَمَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ذوالحلیفہ کی مسجد میں نماز پڑھتے، پھر باہر نکل کر سوار ہو جاتے، پھر جب ان کا اونٹ انھیں لے کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تو وہ احرام کا تلبیہ پکارتے۔

فائدہ: ......کیونکہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا، ان کو یہ علم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ نے تو اس سے بھی پہلے مسجد ہی میں احرام کی دو رکعتوں کے بعد بھی تلبیہ کہا تھا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔(ابوداود: 1770، ترمذی: 819۔ اس کی سند حسن ہے۔)

---

[736] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، نیز دیکھیے، بخاری: 166، مسلم: 1187۔

[737] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ، حِينَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، وَأَنَّ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ أَشَارَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ (خلیفہ وقت) عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے پاس اس وقت لَبَّيك کہنا شروع کیا جب اُن کا اونٹ انھیں اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوگیا اور بلاشبہ ابان بن عثمان رحمہ اللہ نے انھیں ایسا کرنے کا اشارہ کیا تھا۔

فائدہ :......مقصد یہ تھا کہ بعد میں یہی عمل رائج ہوگیا تھا اور بیداء ٹیلے کے پاس سے یا دو رکعتوں کے فوراً بعد والا عمل (تلبیہ) متروک ہوگیا تھا، لیکن یہ روایت سنداً کمزور ہے، نیز تمام محدثین وفقہاء کے نزدیک ان میں سے کسی بھی جگہ سے تلبیہ شروع کیا جائے تو درست ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے افضل کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے پیچھے روایت: 732 کا فائدہ دیکھیے۔) یاد رہے کہ تلبیہ کا آغاز کرتے وقت سواری پر کھڑے ہوکر قبلہ رخ ہونا بھی سنت نبوی ہے۔ (بخاری: 1553)

10- بَابٌ: رَفْعُ الصَّوْتِ بِالْإِهْلَالِ

بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں ایک مرفوع روایت ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

[738] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي،

خلاد بن سائب رحمہ اللہ اپنے والد (سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے، انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کرام کو اور جو کوئی بھی میرے ہمراہ ہے، انھیں یہ حکم دوں کہ وہ لبیک پکارنے میں اپنی آواز بلند کریں۔ (راوی کو شبہ ہے کہ آپ ﷺ نے ''اَلتَّلْبِيَة'' کا

[737] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[738] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، كتاب المناسك، باب كيف التلبية، حديث: 1814، جامع الترمذی، كتاب الحج، باب ماجاء في رفع الصوت بالتلبية، حديث: 829، نسائی: 2753، ابن ماجه: 2922، احمد: 4/ 55 (16672)، دارمی: 1809۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

أَوْ مَنْ مَعِي، أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِيَةِ، أَوْ بِالإِهْلَالِ . يُرِيدُ أَحَدَهُمَا.

لفظ بولا تھا یا "آلا ھلال" کا بہر حال آپ ﷺ نے انہی میں سے ایک لفظ بولا تھا، اور یہ دونوں ہم معنی ہیں۔)

فائدہ :...... بآواز بلند تلبیہ پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح توحید الٰہی کا ببانگ دُہل اعلان واظہار ہوتا ہے، خاص حالت احرام کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اس طرح پڑھنے سے جاہل لوگ بھی اسے سیکھ کر یاد کر لیتے ہیں۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ، لِتُسْمِعِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ انھوں نے اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ عورتوں کو بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم نہیں ہے، عورت کو چاہیے کہ اپنے آپ ہی کو سنائے۔

فائدہ :......یعنی عورتیں مخفی آواز سے تلبیہ پڑھیں، کسی غیر مرد تک ان کی آواز نہ پہنچنے پائے کیونکہ عورت کی آواز بھی پردہ ہے۔ یعنی بلاوجہ اسے اپنی آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ عورت ضرورت کے تحت غیر محرم سے بھی بات کر سکتی ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: لَا يَرْفَعُ الْمُحْرِمُ صَوْتَهُ بِالإِهْلَالِ فِي مَسَاجِدِ الْجَمَاعَاتِ، لِيُسْمِعْ نَفْسَهُ وَمَنْ يَلِيهِ، إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ مِنًى، فَإِنَّهُ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فِيهِمَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: محرم (احرام والا) شخص جماعتوں والی مسجدوں (جامع مساجد) میں تلبیہ کہتے وقت اپنی آواز بلند نہ کرے، اُسے چاہیے کہ اپنے آپ کو اور اپنے قریب والے ہی کو سنائے، سوائے منٰی والی مسجد (مسجد خیف) اور مسجد حرام کے، کہ بلاشبہ وہ (محرم) ان دونوں میں (تلبیہ کے وقت) اپنی آواز بلند کرے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : سَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّ التَّلْبِيَةَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَعَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الأَرْضِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بعض اہل علم کو سنا، وہ ہر نماز کے بعد اور زمین کے ہر اونچے مقام (ٹیلے، چڑھائی) پر تلبیہ کہنا مستحب جانتے تھے۔

فائدہ :...... یہ عمل مباح اور جائز ہے بلکہ حالت احرام میں تو ہر وقت ہی سب سے زیادہ توجہ لبیک کی صدا پر رہنی چاہیے۔

11- بَابٌ: إِفْرَادُ الْحَجِّ

حج مُفرد کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی

جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... حج تین قسم کا ہوتا ہے: حج تمتع، حج قِران اور حج اِفراد (1) حج تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرے کا احرام باندھ کر مکہ جانا، پھر عمرہ مکمل کر کے احرام کھول دینا اور وہیں بغیر احرام کے ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھنا، اس کا تفصیلی بیان آگے باب: 19 میں آرہا ہے۔ (2) حج قِران یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ وحج دونوں کا اکٹھا احرام باندھنا، پھر عمرہ کر کے بغیر بال کٹوائے اور بغیر احرام کھولے مکہ میں ٹھہرے رہنا اور پھر حج کے دنوں میں اسی احرام کے ساتھ حج کے افعال سے فارغ ہو کر دس ذوالحج کو احرام کھولنا...... ان دونوں قسم کے حجوں میں قربانی واجب ہے اور قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں دس روزے رکھنا واجب ہے، اس حج کا تفصیلی بیان اگلے باب: 12 میں آرہا ہے۔ یاد رہے کہ مکہ کے رہائشی مذکورہ دونوں قسم کا حج نہیں کر سکتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرۃ:2:196) ''یہ صرف اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔'' (3) حج اِفراد جسے حج مُفرد بھی کہتے ہیں، سے مراد یہ ہے کہ ایام حج میں میقات سے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور پھر حج کے اختتام تک حالت احرام میں رہا جائے، اس حج میں قربانی واجب نہیں ہے...... رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا، لیکن جب دوران سفر حج تمتع کا حکم آیا تو آپ ﷺ کی تمنا یہی رہی کہ میں بھی حج تمتع کروں لیکن چونکہ آپ ﷺ قربانی کا جانور مدینہ ہی سے ساتھ لائے تھے اس لیے نیت تبدیل نہ کر سکے اور وہ تمام صحابہ ؓ جن کے پاس قربانیاں نہیں تھیں اور انھوں نے حج وعمرہ کا اکٹھا احرام باندھ رکھا تھا آپ ﷺ نے ان تمام کی نیتیں تبدیل کروا کر انھیں حج تمتع کروایا اور انھیں حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں اور تمام پابندیوں سے آزاد ہو جائیں، اسی لیے اہل حدیث کے نزدیک سب سے افضل حج تمتع ہے، پھر قران اور پھر افراد۔ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک سب سے افضل قران ہے۔ یہ رائے زیادہ وزنی محسوس ہوتی ہے ایک تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے لیے قران کو پسند فرمایا پھر قران میں تمتع کے مقابلہ محنت ومشقت بھی زیادہ ہے۔ اور عام حالات میں اسی بنیاد پر اجر وثواب زیادہ ملتا ہے۔ صحابہ کرام ؓ عمرہ کر کے حلال ہونے کو پسند نہیں کر رہے تھے، اسی لیے آپ نے ان کو تسلی دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اگر قربانی ساتھ نہ لاتا تو میں بھی عمرہ کر کے حلال ہو جاتا نہ کہ اس لیے فرمایا تھا کہ تمتع افضل ہے، پھر تمتع پھر افراد، امام مالک ؒ اور امام شافعی ؒ کے نزدیک ان کے بالکل برعکس سب سے افضل افراد ہے، پھر تمتع پھر قران، البتہ امام شافعی ؒ کے نزدیک حج افراد کے افضل ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ حج کے بعد اسی سال عمرہ بھی کیا جائے، امام احمد ؒ کے نزدیک سب سے افضل حج تمتع ہے، پھر افراد اور پھر قران، امام احمد ؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر حاجی قربانی ساتھ لائے تو قران افضل ہے ورنہ تمتع۔

[739] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ، وَأَهَلَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْحَجِّ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ، وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوا، حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ.

ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل رحمہ اللہ سے روایت ہے جو کہ یتیم تھے اور عُروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی گود میں پلے تھے، وہ عُروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج کے لیے نکلے، ہم میں سے بعض نے (حج قران کی صورت میں) حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا تھا اور بعض نے صرف حج (مفرد) کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے حج کا احرام باندھا تھا، چنانچہ وہ لوگ جنھوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا تو انھوں نے (جاتے ہی عمرہ کر کے) احرام کھول دیا اور وہ لوگ جنھوں نے اکیلے حج (حج اِفراد) کا احرام باندھا تھا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا (وہ حج قِران کرنا چاہتے تھے) تو انھوں نے احرام نہ کھولا یہاں تک کہ یومِ نحر (10 ذوالحج یعنی قربانی والا دن) آ گیا۔

[740] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَفْرَدَ الْحَجَّ.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے اور وہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حج مفرد کیا تھا۔

فائدہ: ......قوی ترین دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا، اس لیے جمہور کے نزدیک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کے درج ذیل مختلف مفہوم ذکر کیے گئے ہیں:

(1) آپ ﷺ نے صرف ایک بار حج کیا تھا (جبکہ عمرہ چار بار ادا کیا تھا)۔

(2) حج کے تمام عمل الگ ادا کیے تھے اور انھیں عمرہ کے اعمال کے ساتھ نہیں ملایا تھا۔

---

[739] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب التمتع والقران والافراد بالحج وفسخ الحج، حديث: 1562، 319، 1783، 1786، 4395، 4408، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام، حديث: 1211، ابوداود: 1779، نسائي: 2805.

[740] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام، حديث: 1211/ 122، سنن ابى داود، كتاب المناسك، باب في افراد الحج، حديث: 1777، نسائي: 2716، ابن ماجه: 2964.

(3) تلبیہ پکارتے وقت صرف حج کا ذکر کیا تھا۔

[740] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: وَكَانَ يَتِيمًا فِي حَجْرِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَفْرَدَ الْحَجَّ.

عروہ بن زبیرؒ بھی سیدہ عائشہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حج افراد کیا تھا۔

فائدہ: ......اکثر موالک اور شوافع کا قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج مفرد کیا تھا، لیکن محققین شوافع اور مالکیہ کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے آغاز تو اکیلے حج سے کیا تھا لیکن بعد میں حج قران کی نیت کر لی تھی۔ جبکہ احناف، حنابلہ اور اہل حدیث کے نزدیک آپ ﷺ نے آغاز ہی حج قران سے کیا تھا...... دراصل اس بارے میں مختلف احادیث میں مختلف الفاظ مروی ہیں جن میں سے بعض دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حج مفرد کیا تھا، بعض سے حج قران اور بعض سے حج تمتع ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ان روایات میں کئی قسم کی تطبیق دی گئی ہے، مثلاً: (1) نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے لیے تینوں قسم کے حج کو مباح قرار دیا تھا تو ہر شخص نے آپ ﷺ کی طرف سے ملنے والے حکم سے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ بھی میرے والا حج کر رہے ہوں گے، سو اُس نے اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا، یا پھر اس نے آپ ﷺ کی طرف نسبت مجازی کر دی، کیونکہ بسا اوقات کسی کام کو اس کے حکم دینے والے کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ (2) رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرہ کی اکٹھی ادائیگی کے لیے نیت تو حج قران کی کی تھی لیکن آپ ﷺ کبھی تو تلبیہ میں صرف عمرہ کا ذکر کرتے، کبھی صرف حج کا اور کبھی دونوں کا نام لیتے، چنانچہ جنھوں نے صرف عمرہ کا تلبیہ سنا، مثلاً حضرت ابن عمر ؓ، تو انھوں نے آپ ﷺ کی طرف تمتع کا لفظ منسوب کر دیا، جنھوں نے صرف حج کا لفظ سنا، مثلاً سیدہ عائشہ ؓ، تو انھوں نے آپ ﷺ کی طرف حج افراد کی نسبت کر دی اور جنھوں نے دونوں لفظ اکٹھے سنے، مثلاً حضرت انس ؓ تو انھوں نے آپ ﷺ کے حج قران کا ذکر کر دیا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ مُفْرَدٍ، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُهِلَّ بَعْدَهُ بِعُمْرَةٍ، فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ. قَالَ

امام مالک ؒ نے فرمایا: بلاشبہ انھوں نے اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے صرف حج مفرد کا احرام باندھا ہو، پھر اس کے لیے یہ ظاہر ہو (یعنی پھر اس کے دل میں یہ

[740] (مرفوع صحیح) سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب افراد الحج، حدیث: 2717، سنن ابن ماجہ، کتاب المناسك، باب الافراد بالحج، حدیث: 2965، مسند ابی یعلیٰ: 7/ 325 (4362)، صحیح ابن حبان: 9/ 243 (3936)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

مَالِكٌ : وَذَلِكَ الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا .

آئے) کہ وہ اس کے بعد عمرے کا احرام باندھ لے (تاکہ حج تمتع کر سکے) تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ فتویٰ ہے جس پر میں نے اپنے شہر (مدینہ منورہ) میں اہل علم کو پایا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ حج کے احرام کو عمرے کے احرام سے بدلنا اس لیے مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ حج کے اعمال ادا کرنے سے عمرے کے تمام اعمال ادا ہو جاتے ہیں، لہٰذا عمرے کو حج پر داخل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہاں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے برعکس جائز ہے کہ آدمی نے صرف عمرے کا احرام باندھ رکھا ہو تو بعد میں اس کے ساتھ حج کی نیت بھی شامل کر لے کیونکہ عمرے کے اعمال تھوڑے سے ہیں۔ تو اس کے ساتھ حج شامل کرنے سے مزید فوائد حاصل ہوں گے۔ حالانکہ احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کے پاس قربانی نہ تھی، یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے حج کو عمرے سے بدل لیں، رہی بات فائدے کی تو یقیناً اس میں بھی فوائد ہیں، مثلاً عمرے سے فارغ ہو کر احرام کھول دینے سے تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، نیز ایسا کرنے میں دورِ جاہلیت کی مخالفت بھی ہوتی ہے جو حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کرتے تھے...... بہر حال امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور خلف و سلف اس حکم کو صرف حجۃ الوداع کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور اس کے لیے بعض ضعیف یا موقوف روایات سے دلیل پکڑتے ہیں، لیکن امام احمد رحمہ اللہ، ظاہر یہ اور اکثر اہل حدیث کا موقف راجح ہے جن کے نزدیک اب بھی ایسا کرنا جائز ہے، چنانچہ ہر وہ شخص جس نے حج مفرد یا حج قران کا احرام باندھ رکھا ہو اور اس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ اپنی نیت بدل کر حج تمتع کر سکتا ہے، چنانچہ فرمان نبوی ہے: ((فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً)) "پس تم میں سے جس کے پاس قربانی نہیں ہے وہ احرام کھول دے اور اس (اپنے حج) کو عمرہ بنا لے۔" یہ سن کر حضرت سُراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا یہ صرف اسی سال کے لیے خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دوبار فرمایا: "عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے، یہ حکم اس سال کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ ((لِأَبَدِ أَبَدٍ)) "ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔" (مسلم: 1218 عن جابر رضی اللہ عنہ) رہا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ یہ حج تمتع ہم صحابہ ہی کے لیے خاص تھا۔ (مسلم: 1224) تو یہ اُن کا اپنا خیال ہے جو صریح فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، ہاں ان کے قول کی یہ تاویل ممکن ہے کہ وہ وجوب مراد لے رہے ہوں، یعنی حج تمتع میں اپنی نیتوں کو بدلنے کا واجب ہونا صحابہ کے ساتھ خاص تھا، اب واجب نہیں، بلکہ جائز یا مستحب ہے، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث اسے مستحب کہتے ہیں جبکہ امام ابن حزم رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ اب بھی اس بدلنے کو واجب قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے صرف جائز سمجھتے ہیں۔

12- بَابٌ: الْقِرَانُ فِي الْحَجِّ

حج قران کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جس کی سند ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[742] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ، دَخَلَ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ بِالسُّقْيَا، وَهُوَ يَنْجَعُ بَكَرَاتٍ لَهُ، دَقِيقاً وَخَبَطاً، فَقَالَ: هَذَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُقْرَنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ. فَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَلَى يَدَيْهِ أَثَرُ الدَّقِيقِ وَالْخَبَطِ - فَمَا أَنْسَى أَثَرَ الدَّقِيقِ وَالْخَبَطِ عَلَى ذِرَاعَيْهِ - حَتَّى دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَقَالَ: أَنْتَ تَنْهَى عَنْ أَنْ يُقْرَنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ: ذَلِكَ رَأْيِي. فَخَرَجَ عَلِيٌّ مُغْضَباً، وَهُوَ يَقُولُ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعاً.

جعفر بن محمد رحمہ اللہ اپنے والد (محمد باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سقیا نامی جگہ پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہ اُس وقت اپنے نوجوان اونٹوں کو پانی میں آٹا اور پتوں کا سفوف گھول کر پلا رہے تھے، چنانچہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس سے منع کر رہے ہیں کہ حج وعمرہ کو ملا کر کیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (اُسی وقت) باہر آئے، اس حال میں کہ ان کے ہاتھوں پر آٹے اور چارے کا نشان بھی تھا۔ (محمد باقر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں ان کے بازوؤں پر موجود آٹے اور چارے کے نشان کو (ابھی تک) نہیں بھولا ہوں، (وہ اسی حال میں چلتے آئے) یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے، پھر فرمانے لگے: کیا آپ نے اس سے منع کیا ہے کہ حج اور عمرہ کو ملا کر (حج قران) ادا کیا جائے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ میری رائے (ہی) ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں باہر تشریف لائے، درحالیکہ وہ (سرعام، علانیہ) یہ کہہ رہے تھے: ((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعاً)) "میں تیری جناب میں بار بار حاضر ہوتا ہوں، اے اللہ! میں بار بار تیرے پاس حاضری دیتا ہوں، اکٹھے حج اور عمرہ کے ساتھ۔"

فائدہ:...... یہ قصہ اختصار کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے جسے عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ اور سعید بن

[742] (موقوف ضعیف) ابن حزم فی حجة الوداع: 358، ابن عبد البر فی الاستذكار: 11/ 141۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میتب رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اس میں ہے کہ یہ واقعہ عُسفان کے مقام پر پیش آیا۔(مسلم: 1223) یہ قصہ مروان بن حکم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے، اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع اور حج قران دونوں سے منع کرتے تھے۔(بخاری: 1563 ، 1569) بہر حال جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے حج و عمرہ کا تلبیہ کہا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں منع نہ کیا اور اس کے مشروع ہونے کا اقرار بھی کیا۔(نسائی: 2734) دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج تمتع اور حج قران دونوں پر پابندی لگائی تھی اور وہ کہتے تھے کہ حج اور عمرے کا الگ الگ احرام باندھ کر انھیں الگ الگ ادا کیا کروتا کہ دونوں کامل طریقے سے ادا ہوں۔(مسلم: 1217) اور وہ کہتے تھے کہ اگر چہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج تمتع کیا تھا لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگ عمرہ کر کے کسی بھی جگہ پڑاؤ ڈال کر پیلو کے درختوں کے نیچے اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرتے رہیں اور وہیں سے حج کی طرف چلے جائیں اور یہ چیز حج کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔(مسلم: 1222)

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا ، أَنَّ مَنْ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ، لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَعَرِهِ شَيْئاً ، وَلَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يَنْحَرَ هَدْياً إِنْ كَانَ مَعَهُ ، وَيَحِلَّ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ جو شخص حج و عمرہ کو ملا کر حج قران کرے تو وہ (عمرہ کرنے کے بعد) نہ تو اپنے بالوں میں سے کچھ کاٹے گا اور نہ ہی کسی اور (ممنوع) چیز سے احرام کی پابندیاں ختم سمجھے گا، یہاں تک کہ وہ قربانی والے دن منیٰ کے میدان میں قربانی کر لے، اگر وہ اس کے پاس ہو تو اسے نحر(ذبح) کر لے اور احرام کھول دے۔

[743] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ، خَرَجَ إِلَى الْحَجِّ ، فَمِنْ أَصْحَابِهِ مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ ، أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحْلِلْ ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلُّوا .

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے سال حج کی طرف نکلے، آپ ﷺ کے صحابہ میں بعض وہ تھے جنھوں نے حج کا احرام باندھا تھا، بعض وہ تھے جنھوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا اور بعض وہ تھے جنھوں نے (حج تمتع کے طور پر) صرف عمرے کا احرام باندھا تھا، چنانچہ جس نے (حج مفرد کے لیے) صرف حج کا احرام باندھا تھا یا (حج قران کرنے کے لیے) حج و عمرہ کو جمع کیا تھا تو اس نے (قربانی کے دن سے پہلے) احرام نہ کھولا اور رہا وہ شخص جس نے (حج تمتع کرنے کے لیے) صرف عمرے کا احرام باندھا تھا تو اس نے (عمرہ کر کے) احرام کھول

[743] (مرفوع صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دیا (اور پھر آٹھ ذوالحج کو حج کے لیے دوبارہ احرام باندھا)۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ مَعَهَا، فَذَلِكَ لَهُ، مَا لَمْ يَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَقَدْ صَنَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ حِينَ قَالَ: إِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ، صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ إِنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے بعض اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص عمرے کا احرام باندھے، پھر اس کے لیے یہ ظاہر ہو (یعنی اس کے دل میں یہ بات آئے) کہ اس عمرے کے ساتھ حج کا بھی احرام باندھ لے (تاکہ حج قران کرسکے) تو یہ اس کے لیے جائز اور درست ہے جب تک وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان (سعی) کے چکر نہ لگا چکا ہو (کیونکہ اگر وہ طواف اور سعی کر چکا ہو تو اس کا عمرہ ختم ہوگیا، اس سے فراغت کے بعد اب تو صرف حج تمتع والی صورت ہی باقی رہ جائے گی، صرف عمرہ وحج کے اکٹھے احرام میں بدلنے کی نیت کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے دلیل دیتے ہوئے فرمایا:) اور یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہی کام کیا تھا جب کہ اُنھوں نے کہا کہ اگر میں بیت اللہ سے روک دیا گیا تو ہم وہی کام کریں گے جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کیا تھا، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ان دونوں (یعنی حج اور عمرہ) کا معاملہ تو ایک جیسا ہی ہے، میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ بے شک میں نے عمرے کے ساتھ حج کو بھی لازم کرلیا ہے (اور دونوں کی پختہ نیت کر لی ہے)۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حجاج بن یوسف کے مکہ مکرمہ پر حملے کے زمانے میں پیش آیا، حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے خاتمے کے لیے ان کے آخری مرکز مکہ مکرمہ کا محاصرہ کررکھا تھا، حالات کی نزاکت کی بنا پر بیٹوں نے انھیں عمرہ پر جانے سے روکا تو انھوں نے صلح حدیبیہ والا واقعہ مدنظر رکھ کر فرمایا کہ میں تو ضرور جاؤں گا، اگر مجھے بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا گیا تو جہاں روکا جائے گا وہیں احرام کھول کر واپس آجاؤں گا، پھر انھوں نے سوچا کہ صرف عمرے کے لیے یہ سفر کرنے سے بہتر ہے کہ حج وعمرہ دونوں کی نیت کرلوں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (بخاری: 1806، 1807)

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ أَهَلَّ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ، فَلْيُهْلِلْ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتَّى

امام مالک رحمہ اللہ نے (اپنے گزشتہ فتویٰ کے لیے ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے) فرمایا: اور یقیناً رسول اللہ ﷺ کے صحابہ (میں سے بعض) نے حجۃ الوداع کے سال (صرف) عمرے کا احرام باندھ رکھا تھا (جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی

يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعاً . روایات میں ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا:
”جس کسی کے پاس بھی قربانی کا جانور ہے تو وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھے رکھے، پھر اسے نہ کھولے، یہاں تک کہ دونوں سے اکٹھے ہی (فارغ ہوکر) احرام کھولے۔“

فائدہ :......تو گویا ان کا صرف عمرے کا احرام حج وعمرہ دونوں کے مشترکہ احرام میں بدل گیا، یاد رہے کہ گزشتہ باب کے اخیر میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ مذکور تھا کہ اکیلے حج کے احرام پر عمرے کا اضافہ درست نہیں اور اب وہ یہ بتا رہے ہیں کہ اکیلے عمرے کے احرام پر حج کا اضافہ درست ہے۔

13- بَابٌ: قَطْعُ التَّلْبِيَةِ

تلبیہ منقطع کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں سات روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ہے، پانچ موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے دو صحیح، ایک حسن اور دو ضعیف ہیں اور ایک روایت مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

فائدہ :...... اس باب میں حج کے تلبیہ کے اختتام کا تذکرہ ہے، کیونکہ عمرے کے تلبیہ کا بیان آگے باب:18 میں آرہا ہے۔

[744] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ، أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ - وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ - كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ فِي هَذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ: كَانَ يُهِلُّ الْمُهِلُّ مِنَّا فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ .

محمد بن ابی بکر ثقفی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، اس حال میں کہ وہ دونوں (نو ذوالحج کی) صبح کو منیٰ سے عرفات کی طرف جا رہے تھے (پوچھا کہ) آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اس دن (یعنی نو ذوالحج، یوم عرفہ) میں کس طرح (کا عمل) کرتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سے تلبیہ پڑھنے والا لبیک پکارتا رہتا تو اس پر بھی انکار نہ کیا جاتا تھا (کوئی بھی اُسے منع نہ کرتا) اور تکبیر کہنے والا اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا تو اس پر بھی انکار نہ کیا جاتا تھا۔

فائدہ :......حضرت انس رضی اللہ عنہ نے گویا پورے دن میں تلبیہ کا اثبات بھی کر دیا ہے، الغرض یہ روایت اس

---

[744] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب التلبية والتكبير اذا غدامن منى الى عرفة، حديث: 1659، 970، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التلبية والتكبير في الذهاب من منى الى عرفات، حديث: 1285، نسائي: 3003، ابن ماجه: 3008، احمد: 3/ 110 (12093)، دارمي: 1877۔

دن یعنی یوم عرفہ کے کسی بھی حصے میں تلبیہ ختم کرنے کو ثابت نہیں کر رہی جیسا کہ جمہور کا قول ہے، البتہ بعض صحابہ اس دن تلبیہ ختم کر دیتے تھے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

[745] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يُلَبِّي فِي الْحَجِّ، حَتَّى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ.

جعفر بن محمد رحمہ اللہ اپنے والد (محمد باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حج کے دوران تلبیہ کہتے رہتے تھے حتیٰ کہ جب عرفہ کے دن (نو ذوالحج کو) سورج ڈھل جاتا تو وہ تلبیہ ختم کر دیتے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الأَمْرُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ حکم ہے جس پر ہمارے شہر (مدینہ) کے اہل علم مسلسل عمل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

[746] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا كَانَتْ تَتْرُكُ التَّلْبِيَةَ إِذَا رَجَعَتْ إِلَى الْمَوْقِفِ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ بلاشبہ وہ اس وقت تلبیہ ختم کرتیں جب وہ ٹھہرنے کی جگہ (یعنی میدان عرفات) کی طرف چل پڑتیں۔

فائدہ: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم عرفہ کو زوالِ شمس تک تلبیہ کہتے، خواہ ابھی موقف (ٹھہرنے کی جگہ) کی طرف چلنا شروع کیا ہوتا یا نہ، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چلنے تک تلبیہ کہتی رہتیں، خواہ زوال شمس ہو چکا ہوتا یا نہ ہوا ہوتا۔

[747] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْحَجِّ إِذَا انْتَهَى إِلَى الْحَرَمِ، حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يُلَبِّي، حَتَّى يَغْدُوَ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ، فَإِذَا غَدَا تَرَكَ التَّلْبِيَةَ،

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج کے موقع پر (پہلی بار) اس وقت تلبیہ ختم کر دیتے تھے، جب وہ حرم تک پہنچتے (بیت اللہ والی مسجد میں داخل ہوتے ہی تلبیہ ترک کر دیتے) یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کر لیتے اور صفا مروہ کے درمیان بھی چکر لگا لیتے، پھر (دوبارہ)

[745] (موقوف ضعيف) احمد: 1/ 155 (1334)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[746] (موقوف صحيح) طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 226، ابن ابی شيبه: 3/ 248 (12993)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[747] (موقوف صحيح) ابن خزيمه: 4/ 207 (2698)، بيهقى فى السنن الكبرىٰ: 5/ 104 (9408) وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 105، 106، (3020، 3021)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

وَكَانَ يَتْرُكُ التَّلْبِيَةَ فِي الْعُمْرَةِ إِذَا دَخَلَ الْحَرَمَ.

تلبیہ شروع کر دیتے یہاں تک کہ (نوذوالحج کو) منیٰ سے عرفات کی طرف صبح چل پڑتے، چنانچہ جب وہ چل پڑتے تو (پھر) تلبیہ ختم کر دیتے اور عمرہ کے موقع پر تو تلبیہ اسی وقت ختم کر دیتے تھے جب حرم میں داخل ہوتے تھے۔

فائدہ :...... حج کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی طرح تھا، رہا عمرے کا معاملہ تو اس میں وہ حرم کعبہ یعنی مسجد الحرام میں پہنچتے ہی تلبیہ منقطع کر دیتے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب حرم کعبہ میں پہنچ کر طواف شروع کرنے کے لیے حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تو اس وقت تلبیہ منقطع کرتے تھے۔ (ترمذی: 919، امام ابن خزیمہ اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں، جن میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرفوعاً ضعیف جبکہ موقوفاً صحیح قرار دیا ہے۔) بہر حال حجر اسود کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ اللہ اکبر کہا کرتے تھے۔ (بخاری: 1632)

[748] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَا يُلَبِّي وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوتے تھے تو تلبیہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔

[749] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَنْزِلُ مِنْ عَرَفَةَ بِنَمِرَةَ، ثُمَّ تَحَوَّلَتْ إِلَى الْأَرَاكِ. قَالَتْ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تُهِلُّ مَا كَانَتْ فِي مَنْزِلِهَا وَمَنْ كَانَ مَعَهَا، فَإِذَا رَكِبَتْ فَتَوَجَّهَتْ إِلَى الْمَوْقِفِ، تَرَكَتِ الْإِهْلَالَ. قَالَتْ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَعْتَمِرُ بَعْدَ الْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ فِي ذِي الْحِجَّةِ، ثُمَّ تَرَكَتْ ذَلِكَ، فَكَانَتْ تَخْرُجُ قَبْلَ هِلَالِ

علقمہ بن ابی علقمہ اپنی والدہ (اُم علقمہ، مرجانہ رحمہا اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا عرفات کے میدان کے پاس نمرہ کے مقام پر پڑاؤ کرتی تھیں، پھر وہ لوگوں کا ہجوم بڑھ جانے کی وجہ سے وادی اراک میں منتقل ہوگئیں (اور وہاں پڑاؤ کرنے لگیں، حدیث کی راویہ اُم علقمہ رحمہا اللہ) کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب تک اپنے پڑاؤ میں رہتیں تلبیہ پڑھتی رہتیں اور وہ لوگ بھی (تلبیہ کہتے رہتے) جو ان کے ہمراہ ہوتے، پھر جب وہ سوار ہو کر موقف (میدان عرفات میں ٹھہرانے کے مقام) کی طرف

[[748] (موقوف ضعیف) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 43 (9024) وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 561 (2809)، ابن ابی شیبہ: 13994۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[749] (موقوف حسن) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

الْمُحَرَّمِ، حَتَّى تَأْتِيَ الْجُحْفَةَ فَتُقِيمَ بِهَا، حَتَّى تَرَى الْهِلَالَ، فَإِذَا رَأَتِ الْهِلَالَ أَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ.

رُخ کر لیتیں تو لبیک پڑھنا ترک کر دیتی تھیں، وہ (اُم علقمہ ﷫) کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ ﷞ حج کرنے کے بعد ذوالحج (ہی کے مہینہ) میں مکہ مکرمہ ہی سے عمرہ کیا کرتی تھیں، پھر انھوں نے اسے ترک کر دیا، چنانچہ وہ محرّم الحرام کا چاند نکلنے سے پہلے پہلے (مکہ مکرمہ سے) نکل جاتیں، یہاں تک کہ (ملک شام کے راستے والے میقات) جُحفہ پر آ جاتیں، پھر وہاں قیام کیے رکھتیں یہاں تک کہ (محرّم کا) چاند دیکھ لیتیں، چنانچہ جب وہ (اس) چاند کو دیکھ لیتیں تو عمرے کا احرام باندھ لیتیں۔

فائدہ:...... دراصل سیدہ عائشہ ﷞ نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں حج سے فارغ ہونے کے بعد واپسی سے پہلے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تنعیم کے مقام سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تھا، اُس عمرے کی جگہ پر جو حج سے قبل حیض کی وجہ سے رہ گیا تھا، پھر سیدہ عائشہ ﷞ وفات نبوی ﷺ کے بعد بھی یہ عمرہ کرتی رہیں، لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ ابتدا میں یہ عمرہ تو ایک مجبوری کی بنا پر تھا، اس لیے اسے معمول نہیں بنانا چاہیے، چنانچہ انھوں نے اسے ترک کر دیا، یہاں تک کہ جب حج کے مہینوں (شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج) کا اختتام ہو جاتا اور ماہِ محرم کا چاند طلوع ہو جاتا تو پھر نیا عمرہ کرتیں اور اس کے بعد مدینہ واپس آ جاتیں...... "نَــمِــرَہ" ایک جگہ کا نام ہے جو میدان مزدلفہ کے اختتام پر موجود ہے اور میدان عرفات کے بالکل قریب ہے لیکن عرفات کا حصہ نہیں ہے، وادی اراک بھی وادی نمرہ کے پاس عرفات سے ملک شام والی جانب پر ہے۔

[750] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ غَدَا يَوْمَ عَرَفَةَ مِنْ مِنًى، فَسَمِعَ التَّكْبِيرَ عَالِياً، بَعَثَ الْحَرَسَ يَصِيحُونَ فِي النَّاسِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهَا التَّلْبِيَةُ.

یحییٰ بن سعید ﷫ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷫ (اپنے دورِ خلافت میں حج کے دوران) یوم عرفہ کو صبح کے وقت منیٰ سے چلے تو انھوں نے (لوگوں کی طرف سے) بلند آواز والی تکبیر کی آواز سنی تو انھوں نے اپنے پہرے داروں (گارڈز) کو بھیجا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں کہ لوگو! بلاشبہ یہ وقت تلبیہ کہنے کا (بھی) ہے۔

فائدہ:...... دراصل لوگ اس وقت تلبیہ پکارنا تقریباً ترک کر چکے تھے جبکہ احادیث میں اس وقت تکبیر اور تلبیہ دونوں کے کہنے کا ذکر موجود ہے اس لیے انھوں نے لوگوں کو تلبیہ کہنے کی طرف بھی متوجہ کیا...... بہرحال امام مالک ﷫ کا موقف یہی ہے کہ نو ذوالحج یوم عرفہ کو زوالِ آفتاب ہوتے ہی تلبیہ ختم کر دیا جائے، اسی موقف کی ترجیح کے لیے انھوں نے مختلف آثار ذکر کیے ہیں، لیکن راجح موقف جمہور یعنی امام ابوحنیفہ ﷫، امام شافعی ﷫، امام احمد ﷫ اور اہل

[750] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث کا ہے کہ حج میں تلبیہ کا اختتام دس ذوالحج یوم نحر (قربانی کے دن) کو ہوگا، کیونکہ حضرت اُسامہ بن زید اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم دونوں عرفات سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے اور دونوں کا بیان ہے: ((لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُلَبِّي حَتَّى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ)) ''نبی کریم ﷺ مسلسل لبیک پکارتے رہے یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبہ (بڑے ستون) کو کنکریاں ماریں۔'' (بخاری: 1686، مسلم: 1280، 1281) اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ کنکریاں دس تاریخ کو ماری جاتی ہیں، رہا یہ مسئلہ کہ تلبیہ کو پہلی کنکری مارتے وقت ختم کیا جائے گا یا آخری کنکری کے ساتھ، پہلا قول جمہور کا ہے، دوسرا قول امام احمد رحمہ اللہ، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور بہت سے محققین کا ہے جس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے: ((ثُمَّ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ مَعَ اٰخِرِ حَصَاةٍ)) ''پھر آپ ﷺ نے آخری کنکری کے ساتھ تلبیہ ختم کیا۔'' (ابن خزیمہ: 2887، اس کی سند صحیح ہے) اگرچہ نبی کریم ﷺ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ (بخاری: 1750، مسلم: 1296) لیکن ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دوران تلبیہ پڑھتے رہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے جب کنکریاں لگاتار نہ ماری جائیں۔ واللہ اعلم۔

14- بَابٌ: إِهْلَالُ أَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ بِهَا مِنْ غَيْرِهِمْ

اہلِ مکہ اور مکہ میں موجود غیر اہلِ مکہ کے احرام باندھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[751] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ، مَا شَأْنُ النَّاسِ يَأْتُونَ شُعْثًا، وَأَنْتُمْ مُدَّهِنُونَ، أَهِلُّوا إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے مکہ والو! لوگوں کا یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ تو (حج کے لیے تمھارے پاس) اس حال میں آتے ہیں کہ (احرام کی پابندیوں کی وجہ سے) ان کے بال بکھرے (ہوئے اور غبار آلود) ہوتے ہیں اور تم (احرام نہ باندھنے کی وجہ سے) تیل لگائے ہوئے ہوتے ہو، (یہ مناسب نہیں ہے، لہٰذا) تم جب (ذوالحج کا) چاند دیکھ لو تو (یکم تاریخ ہی سے) احرام باندھ لیا کرو۔

فائدہ: ...... یہ حکم وجوبی نہیں تھا، خود نبی کریم ﷺ نے حج کے موقع پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احرام اُتروا دیا تھا اور انھوں نے آٹھ ذوالحج کو دوبارہ احرام باندھ لیا تھا، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

[751] (موقوف ضعیف) ابن ابی شیبہ: 3/ 350 (15008)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بھی یوم ترویہ (آٹھ ذوالحج) ہی کو احرام باندھتے تھے...... بہرحال امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مکہ میں موجود افراد کے لیے یکم ذوالحج کو احرام باندھنا افضل کہتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ آٹھ ذوالحج کو احرام باندھنا افضل قرار دیتے ہیں، اور یہی راجح ہے، یاد رہے کہ ان تمام فقہاء کے نزدیک یہ جائز ہے کہ جب چاہو احرام باندھ لو لیکن محض افضل وقت میں اختلاف ہے۔

[752] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَقَامَ بِمَكَّةَ تِسْعَ سِنِينَ، يُهِلُّ بِالْحَجِّ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ مَعَهُ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ (ان کے بھائی) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (حجاز میں اپنے دورِ خلافت کے دوران) مکہ مکرمہ میں نو سال قیام پذیر رہے، وہ ذوالحج کا چاند دیکھتے ہی حج کا احرام باندھ لیا کرتے تھے اور عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بھی ان کے ہمراہ ایسا ہی کرتے تھے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا يُهِلُّ أَهْلُ مَكَّةَ وَغَيْرُهُمْ بِالْحَجِّ إِذَا كَانُوا بِهَا، وَمَنْ كَانَ مُقِيمًا بِمَكَّةَ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا، مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ، لَا يَخْرُجُ مِنَ الْحَرَمِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ اہل مکہ جب مکہ ہی میں ہوں اور وہ لوگ جو مکہ میں مقیم ہوں لیکن وہ اس کے اصل باشندے نہ ہوں وہ (مکہ میں قیام پذیر مقامی اور بیرونی سب لوگ) مکہ کے اندر ہی سے حج کا احرام باندھیں گے، وہ حرم سے باہر نہیں نکلیں گے۔

فائدہ :...... جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ)) "یہاں تک کہ اہل مکہ، مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔" (بخاری: 1524، مسلم: 1181)

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ أَهَلَّ مِنْ مَكَّةَ بِالْحَجِّ، فَلْيُؤَخِّرِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَالسَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى، وَكَذٰلِكَ صَنَعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جو شخص بھی مکہ ہی سے احرام باندھے گا وہ بیت اللہ کے طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کو مؤخر کر دے گا، یہاں تک کہ وہ منیٰ سے (دس تاریخ کو) واپس لوٹ آئے (اور اس دن طواف افاضہ اور سعی کرے) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

فائدہ :...... کیونکہ جو شخص مکہ مکرمہ سے حج کا احرام باندھتا ہے اُس کے ذمے ایک ہی طواف ضروری ہوتا

[752] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 3/ 350 (15006)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہے جو کہ حج کا رُکن ہے یعنی طواف افاضہ جو دس ذوالحج کو ادا ہوتا ہے، رہا طواف قدوم (طواف وُرود) تو وہ صرف ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو باہر سے مکہ آئیں جب یہ ثابت ہوگیا کہ دس ذوالحج سے پہلے اہل مکہ کے ذمے کوئی طواف ہے ہی نہیں تو یقیناً وہ صفا مروہ کے درمیان سعی بھی دس تاریخ سے پہلے نہ کرسکیں گے کیونکہ سعی تو طواف کر لینے کے بعد کی جاتی ہے......یاد رہے کہ اہل مکہ اور باقی تمام لوگ نفلی طواف جب چاہیں کرسکتے ہیں کیونکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے لیکن نفلی طواف کے ساتھ صفا مروہ کی سعی نہیں ہوتی۔

قَالَ: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَوْ غَيْرِهِمْ مِنْ مَكَّةَ، لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، كَيْفَ يَصْنَعُ بِالطَّوَافِ؟ قَالَ: أَمَّا الطَّوَافُ الْوَاجِبُ فَلْيُؤَخِّرْهُ، وَهُوَ الَّذِي يَصِلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلْيَطُفْ مَا بَدَا لَهُ، وَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ كُلَّمَا طَافَ سُبْعاً، وَقَدْ فَعَلَ ذَلِكَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِالْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ، فَأَخَّرُوا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتَّى رَجَعُوا مِنْ مِنًى، وَفَعَلَ ذَلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، فَكَانَ يُهِلُّ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ بِالْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ، وَيُؤَخِّرُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتَّى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جو اہل مدینہ یا اُن کے علاوہ میں سے ہو (خواہ مقامی ہو یا بیرونی اور) وہ مکہ مکرمہ سے ذوالحج کا چاند نظر آتے ہی احرام باندھ لے (تو اسے مکہ مکرمہ میں پورے سات دن حالت احرام میں مل جاتے ہیں کیونکہ منیٰ کی طرف روانگی آٹھ ذوالحج کو ہوتی ہے) تو ایسا شخص طواف کے متعلق کیا کرے گا؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا واجب طواف تو وہ اسے مؤخر کرے گا اور یہ واجب طواف (یعنی دسویں تاریخ والا جسے طواف افاضہ یا طواف زیارت کہتے ہیں) وہ طواف ہے کہ آدمی اُسے اور صفا مروہ کی سعی کو ملا کر ادا کرتا ہے اور (رہا عام نفلی طواف کا معاملہ تو) اسے چاہیے کہ نفلی طواف کرتا رہے جس قدر بھی اس کے لیے ظاہر ہو (جس قدر دل چاہے نفلی طواف کرسکتا ہے) اور وہ جب بھی سات چکر لگا کر طواف کر لے تو دو رکعتیں ادا کرے اور (بس) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی کیا تھا، جنھوں نے مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا تھا، چنانچہ انھوں نے بیت اللہ کا (فرض) طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کو مؤخر کیے رکھا، یہاں تک کہ وہ منیٰ سے (دس تاریخ کو) واپس لوٹ آئے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی عمل کیا تھا، وہ ذوالحج کا چاند دیکھتے ہی مکہ سے حج کا احرام باندھ لیتے اور بیت اللہ کے طواف (افاضہ) کو اور صفا و مروہ کے مابین سعی (دوڑنے) کو مؤخر کر دیتے تھے، یہاں تک کہ منیٰ سے واپس لوٹ آتے۔

قَالَ يَحْيَى: وَقَدْ وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ مِنْ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اہل

أَهْلِ مَكَّةَ ، هَلْ يُهِلُّ مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ؟ قَالَ : بَلْ يَخْرُجُ إِلَى الْحِلِّ فَيُحْرِمُ مِنْهُ .

مکہ میں سے ہو، وہ مکہ ہی سے عمرے کا احرام باندھ لے (تو کیا یہ درست ہے؟) تو انھوں نے فرمایا: (نہیں یہ درست نہیں وہ ایسا نہ کرے) بلکہ وہ (حرم کے علاقے سے باہر) حِل کی طرف نکل جائے، پھر وہاں سے احرام باندھے۔

فائدہ: ...... یہاں ''حِل'' سے مراد وہ جگہ ہے جو مکہ شہر کے حرم کی حدود سے باہر ہے۔ حدود کے اندر کی جگہ ''حَرم'' اور باہر کی جگہ ''حِل'' کہلاتی ہے، حِل میں وہ سب کام حلال ہوتے ہیں جو حَرم میں خصوصی طور پر حرام کیے گئے ہیں، مالکیہ کے نزدیک عمرے کی شرائط میں یہ بھی داخل ہے کہ حِل اور حَرم دونوں جگہوں پر اپنے قدم رکھے، جمہور کا بھی یہی موقف ہے اور وہ حج اور عمرے کے معاملے میں فرق کرتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک میقات کے اندرونی علاقے میں رہنے والے لوگ حتی کہ اہل مکہ بھی حج کا احرام اپنے گھروں ہی سے باندھیں گے لیکن عمرے کے لیے اہل مکہ کو (خواہ عارضی رہائشی ہوں یا مستقل، سب کو) حرم مکہ سے باہر جانا ہوگا، پھر ان میں سے بعض کے نزدیک صرف تنعیم ہی سے احرام باندھا جائے گا، جیسا کہ سیدہ عائشہ ؓ نے کیا تھا جبکہ ان کی اکثریت کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حرم سے باہر جہاں سے بھی میسر ہو احرام باندھنا درست ہے...... بہرحال محققین اس کے قائل نہیں، چنانچہ امام بخاری (کتاب الحج، باب :7)، امام شوکانی (السیل الجرار: 2/ 316)، علامہ عبیداللہ مبارکپوری (مرعاۃ المفاتیح: 8/ 248)، امیر یمانی اور علامہ ابوالحسن سندھی وغیرہ کے نزدیک حدیث عام ہے اور اہل مکہ حج کے احرام کی طرح عمرے کا احرام بھی اپنے گھروں ہی سے باندھیں گے۔

15- بَابٌ: مَا لَا يُوجِبُ الْإِحْرَامَ مِنْ تَقْلِيدِ الْهَدْيِ

اس بات کا بیان کہ ہدی (کے جانوروں) کے گلے میں کچھ لٹکانے سے احرام واجب نہیں ہوتا

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع اور دو موقوف ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک ؒ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......''ھَدْی'' اس جانور کو کہتے ہیں جسے حرمِ مکہ میں ذبح کرنے کے لیے خاص کر کے اپنے ساتھ لے جایا جائے یا کسی کے ساتھ بھیج دیا جائے، اس کے مخصوص ہونے کی مختلف علامات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے گلے میں ایک یا دو جوتے وغیرہ لٹکا دیے جاتے ہیں، جو شخص خود تو حج یا عمرہ کرنے کے لیے نہ جائے لیکن ہدی کا جانور بھیج دے تو راجح یہی ہے کہ ایسا کرنے سے وہ محرم (احرام والا) نہیں بنتا۔

[753] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ أَهْدَى هَدْياً، حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ، حَتَّى يُنْحَرَ الْهَدْيُ، وَقَدْ بَعَثْتُ بِهَدْيٍ: فَاكْتُبِي إِلَيَّ بِأَمْرِكِ، أَوْ مُرِي صَاحِبَ الْهَدْيِ. قَالَتْ عَمْرَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيَّ، ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ أَبِي، فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهُ، حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ زیاد بن ابی سفیان رحمہ اللہ (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ وبصرہ کے گورنر تھے) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ کی طرف (خط میں) لکھا کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جو شخص ہدی روانہ کرے گا اس پر وہ سب کچھ حرام ہو جائے گا جو حاجی پر حرام ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس ہدی کو نحر (قربان) کر دیا جائے (تو پھر ہی یہ پابندیاں ختم ہوں گی)، میں نے ہدی کا جانور بھیجا ہے، آپ میری طرف اپنا حکم (فتویٰ) لکھ بھیجئے یا ہدی لانے والے شخص کو (زبانی) حکم دے دیجیے، عمرہ رحمہا اللہ کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بات اس طرح نہیں ہے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہی ہے، میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے جانوروں کے ہار بٹے تھے (اُن کی رسیاں بَل دے دے کر تیار کی تھیں)، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے انھیں لٹکایا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں میرے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ (9ھ میں) بھیج دیا تھا، چنانچہ (اس عمل کی وجہ سے) رسول اللہ ﷺ پر ہدی قربان ہونے تک کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی جسے اللہ نے آپ ﷺ کے لیے حلال قرار دیا تھا۔

[754] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ الَّذِي يَبْعَثُ بِهَدْيِهِ وَيُقِيمُ، هَلْ

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنا ہدی کا جانور بھیج دیتا ہے اور خود (گھر ہی میں) ٹھہرا رہتا ہے

[753] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب من قلد القلائد بیده، حدیث: 1700، 1696، 1698–1705، 2317، 5566، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب بعث الهدی الی الحرم، حدیث: 1321، ابوداود: 1757، ترمذی: 908، نسائی: 2777، ابن ماجه: 3095، احمد: 6/ 85، (25064)، دارمی: 1935.

[754] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبه: 12714۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

يَحْرُمُ عَلَيْهِ شَيْءٌ ؟ فَأَخْبَرَتْنِي أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ تَقُولُ : لَا يَحْرُمُ إِلَّا مَنْ أَهَلَّ وَلَبَّى .

تو کیا اس پر کوئی چیز حرام ہوتی ہے؟ تو عمرہ رحمہ اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا تھا، وہ فرما رہی تھیں: (کسی پر) کچھ بھی حرام نہیں ہوتا مگر صرف اس شخص پر جس نے خود احرام باندھا اور لبیک پکارا ہو۔

فائدہ :...... جمہور علماء وفقہاء اسی کے قائل ہیں۔

[755] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ ، أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا مُتَجَرِّدًا بِالْعِرَاقِ ، فَسَأَلَ النَّاسَ عَنْهُ ، فَقَالُوا : إِنَّهُ أَمَرَ بِهَدْيِهِ أَنْ يُقَلَّدَ ، فَلِذَلِكَ تَجَرَّدَ . قَالَ رَبِيعَةُ : فَلَقِيتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ ، فَذَكَرْتُ لَهُ ذَلِكَ ، فَقَالَ : بِدْعَةٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ .

ربیعہ بن عبداللہ بن ہُدَیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عراق (کے شہر بصرہ) میں ایک شخص (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کو (سلائی شدہ) کپڑے اتارے ہوئے (اور احرام کی کھلی چادریں پہنے ہوئے) دیکھا تو انھوں نے (ربیعہ رحمہ اللہ نے) لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا (کہ اس شخص نے ایسا کیوں کیا ہے؟) انھوں نے بتایا کہ اس شخص نے اپنی ہدی کے جانور کے متعلق حکم دیا ہے کہ اُس کی گردن میں کچھ لٹکا دیا جائے، اسی لیے اس نے (سلے ہوئے) کپڑے اتار رکھے ہیں، ربیعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہما سے ملا تو ان کے سامنے اس کا ذکر کیا، وہ فرمانے لگے کہ رب کعبہ کی قسم! یہ بدعت ہے۔

فائدہ :...... ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی روایت میں مزید وضاحت ہے کہ ربیعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کے منبر پر دیکھا، وہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بصرہ کے امیر (گورنر) تھے اور انھوں نے (سلے ہوئے) کپڑے اتار رکھے تھے۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ خَرَجَ بِهَدْيٍ لِنَفْسِهِ ، فَأَشْعَرَهُ وَقَلَّدَهُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ، وَلَمْ يُحْرِمْ هُوَ حَتَّى جَاءَ الْجُحْفَةَ ؟ قَالَ : لَا أُحِبُّ ذَلِكَ ، وَلَمْ يُصِبْ مَنْ فَعَلَهُ ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُقَلِّدَ الْهَدْيَ وَلَا يُشْعِرَهُ ، إِلَّا عِنْدَ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو خود اپنی ہدی کو لے کر نکلا، چنانچہ اس نے (مدینہ والے میقات) ذوالحلیفہ کے مقام پر اسے اشعار بھی کیا اور اسے قلادہ (ہار) بھی ڈالا اور (لیکن) اس نے احرام نہ باندھا، یہاں تک کہ وہ (ملک شام والے میقات) جُحفہ پر آ گیا

[755] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 12719، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 267۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

الإِهْلَالِ، إِلَّا رَجُلٌ لَا يُرِيدُ الْحَجَّ، فَيَبْعَثُ بِهِ وَيُقِيمُ فِي أَهْلِهِ.

(اور وہاں سے اس نے احرام باندھ لیا)، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس عمل کو پسند نہیں کرتا اور جس نے بھی ایسا کیا ہے، درست نہیں کیا اور اس کے لیے (بالکل) مناسب نہیں کہ ہدی کے جانور کو قلادہ ڈالے اور اس کا اشعار کرے مگر احرام باندھنے کے وقت (ہی وہ ایسا کر سکتا ہے) سوائے اس شخص کے جو خود تو حج (یا عمرہ) کا ارادہ نہیں رکھتا، چنانچہ وہ ہدی کا جانور تو بھیج دیتا ہے اور خود اپنے گھر ہی میں ٹھہرا رہتا ہے۔

فائدہ: ......یعنی حج اور عمرہ کرنے والے کے لیے جانوروں پر ہدی کی خاص علامتیں لگانا اور احرام باندھنا ایک ہی وقت میں ہونا چاہیے، مدینہ والوں کا میقات ذوالحلیفہ ہے تو مدینہ سے حج یا عمرہ کرنے کے لیے آنے والے وہیں سے احرام باندھیں، بغیر احرام باندھے گزریں گے تو اُن پر جرمانہ عائد ہوگا، ہاں اگر کسی شخص کا راستہ ملک شام والا ہو تو وہ جُحفہ سے احرام باندھے اور جانوروں پر علامات بھی وہیں لگائے......تقلید کے معنیٰ تو قلادہ وہار پہنانے کے ہیں، جبکہ اشعار کے معنیٰ یہ ہیں کے اونٹ کی کوہان کی ایک جانب پر زخم لگا کر اس کا خون صاف کر دیا جائے تا کہ یہ زخم کا نشان بتائے کہ یہ اونٹ حرم مکہ میں قربان ہونے کے لیے خاص ہے......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اِشعار کرنا مکروہ ہے، جبکہ جمہور اسے درست سمجھتے ہیں، البتہ چھوٹے جانور یعنی بھیڑ بکری کے لیے اشعار ثابت نہیں ہوسکا، ہاں قلادہ ڈالنا یعنی ہار پہنانا تو ثابت ہے۔ (بخاری: 1702، 1703، مسلم: 1321/ 367، 368) مزید تفصیل آگے باب: 46 میں آ رہی ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ: هَلْ يَخْرُجُ بِالْهَدْيِ غَيْرُ مُحْرِمٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا احرام باندھنے والا شخص ہدی کا جانور لے کر نکل سکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......ایک شخص کا گھر مواقیت سے کافی پیچھے ہو تو ظاہر بات ہے کہ وہ بغیر احرام باندھے ہی ہدی کے جانور کو لے کر نکلے گا اور مواقیت پر پہنچ کر ہی احرام باندھے گا بشرطیکہ اس کا ارادہ حج یا عمرے کا ہو اور اگر اس کی یہ نیت نہ ہو تو اس پر یہاں سے احرام باندھنا لازم نہیں......یاد رہے کہ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ آنے والے ہر شخص پر مواقیت سے احرام باندھنا واجب ہے خواہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا نہیں، اس لیے وہ مذکورہ فتوئی کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ آدمی گھر سے احرام باندھے بغیر ہدی کو لے کر میقات پر آ جائے اور پھر یہاں سے احرام باندھ لے، اِلّا یہ کہ اس کا مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہ ہو۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ أَيْضاً عَمَّا اخْتَلَفَ فِيهِ النَّاسُ مِنَ الإِحْرَامِ لِتَقْلِيدِ الْهَدْيِ مِمَّنْ لَا يُرِيدُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ، فَقَالَ: الأَمْرُ عِنْدَنَا

امام مالک رحمہ اللہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ جس میں لوگوں کا اختلاف ہے یعنی ہدی کے جانور کو قلادہ ڈالنے سے آدمی کا محرم (احرام والا) ہو جانا، خواہ وہ نہ حج کا ارادہ

الَّذِي نَأْخُذُ بِهِ فِي ذَلِكَ، قَوْلُ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ بِهَدْيِهِ، ثُمَّ أَقَامَ فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِمَّا أَحَلَّهُ اللهُ لَهُ، حَتَّى نُحِرَ هَدْيُهُ.

رکھتا ہو اور نہ عمرے کا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں وہ حکم جسے ہم اس مسئلے میں اختیار کرتے ہیں، وہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہدی کے جانور بھیجے، پھر آپ ﷺ (گھر ہی میں) ٹھہرے رہے تو آپ ﷺ پر ہدی قربان ہونے تک کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی تھی۔

16- بَابٌ: مَا تَفْعَلُ الْحَائِضُ فِي الْحَجِّ

اس عمل کا بیان جو حیض والی عورت حج میں کرے گی

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے۔

[756] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: الْمَرْأَةُ الْحَائِضُ الَّتِي تُهِلُّ بِالْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، إِنَّهَا تُهِلُّ بِحَجِّهَا أَوْ عُمْرَتِهَا إِذَا أَرَادَتْ، وَلَكِنْ لَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَهِيَ تَشْهَدُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا مَعَ النَّاسِ، غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلَا تَقْرَبُ الْمَسْجِدَ حَتَّى تَطْهُرَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: وہ حیض والی عورت جو حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتی ہے، وہ جب چاہے اپنے حج یا عمرے کا تلبیہ پڑھ سکتی ہے (کیونکہ تلبیہ اللہ کو یاد کرنے کی شکل ہے اور حائض اور جنبی اللہ کو یاد کر سکتے ہیں) لیکن وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی نہیں کر سکتی، اور وہ لوگوں کے ہمراہ حج کے تمام مناسک (ارکان ادا کرنے کی جگہوں) پر حاضر ہوگی، سوائے اس کے کہ بلاشبہ وہ نہ بیت اللہ کا طواف کر سکتی ہے، نہ صفا مروہ کے درمیان چکر لگا سکتی ہے اور نہ مسجد کے قریب آ سکتی ہے یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے۔

فائدہ: ......صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) طواف کے بعد ہوتا ہے اور جب حیض والی عورت نے طواف ہی نہ کیا ہو تو وہ سعی کیا کرے گی، سعی کو طواف پر مقدم بھی نہیں کیا جا سکتا، آج کل تو ویسے ہی مسجد حرام کی توسیع کی وجہ سے صفا و مروہ کے درمیان والی جگہ مسجد کا حصہ بن چکی ہیں اور حیض والی عورت مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی...... یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ہے، آگے موطا امام مالک رحمہ اللہ ہی میں کتاب الحج کے باب: 74 میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی

[756] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

ایک روایت آ رہی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "تم وہ سارے کام کرو جو حاجی کرتا ہے سوائے اس کے کہ نہ تم بیت اللہ کا طواف کروگی اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان چکر لگاؤ گی یہاں تک کہ پاک ہو جاؤ، یہ روایت کچھ مختلف الفاظ سے بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے۔ (بخاری: 1556، 1650، مسلم: 1211/ 111، 119)

17- بَابٌ: الْعُمْرَةُ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع ہیں ایک موقوف، اور یہ تمام سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ : ...... حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج ہیں، دورِ جاہلیت میں ان مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین قسم کا گناہ سمجھا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے اس عقیدے کو باطل قرار دیا اور حج تمتع اور حج قران کی صورت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عمرے کو حج کے ساتھ ملا دیا، نیز آپ ﷺ نے حج کے علاوہ باقی جو تین عمرے کیے وہ بھی حج کے مہینوں ہی میں کیے، رسول اللہ ﷺ نے کل چار عمرے کیے تھے: (1)- 6ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر، پھر چونکہ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اس لیے آپ نے اپنے ساتھیوں سمیت حدیبیہ ہی میں احرام کھول کر جانور ذبح کر دیے تھے۔ (2)- 7ھ میں کیا جانے والا عمرہ "عمرۃُ القَضا، یا عمرۃُ القَضِیّۃ" کہلاتا ہے، قضا یا قضیہ فیصلے کو کہتے ہیں، دراصل گزشتہ سال صلح حدیبیہ میں یہ فیصلہ طے پایا تھا کہ مسلمان آئندہ سال عمرہ کریں گے۔ (3)- 9ھ میں فتح مکہ کے بعد جب غزوہ حُنین کے لیے گئے تو وہاں سے واپسی پر "جِعرّانہ" مقام سے آپ ﷺ نے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا، یہ تینوں عمرے ذوالقعدہ میں ہوئے۔ (4)- آخری عمرہ حجۃ الوداع میں حج کے ساتھ ذوالحج میں ادا کیا۔ (بخاری: 1778، مسلم: 1253) بعض صحابہ نے تین کی تعداد بیان کی ہے، اس لیے کہ مستقل عمرے تین ہی تھے، اور چوتھا عمرہ تو حج قران کا حصہ تھا، بعض صحابہ نے دو کی تعداد بیان کی ہے، اس لیے کہ انھوں نے نہ تو حج والا عمرہ الگ شمار کیا اور نہ حدیبیہ والا کیونکہ اس میں آپ ﷺ مکہ ہی میں نہ جا سکے تھے، حج کے علاوہ تینوں عمرے ذوالقعدہ میں ادا ہوئے، جن روایات میں شوال کا لفظ ہے تو وہ اس لیے ہے کہ ان میں سے ایک عمرے کا سفر ماہِ شوال کے اخیر میں شروع ہوا تھا، رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عمرے کو رجب میں بیان کرنا تو یہ ان کو شبہ لاحق ہوا تھا، چنانچہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تردید کی تو وہ خاموش رہے۔ (بخاری: 1776، مسلم: 1255)۔

[757] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اعْتَمَرَ ثَلَاثًا: عَامَ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے تین عمرے ادا کیے تھے: حدیبیہ والے سال، فیصلے (میں

[757] (مرفوع صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی نے اسے مختلف شواہد کی بنا پر صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، مثلاً بخاری: 1778، مسلم: 1253 (عن انس) ابوداود: 1993، ترمذی: 816، ابن ماجہ: 3003 (عن ابن عباس)۔

الْحُدَيْبِيَةِ ، وَعَامَ الْقَضِيَّةِ ، وَعَامَ الْجِعِرَّانَةِ .

طے شدہ حدیبیہ کے بعد) والے سال یعنی عمرۃ القضاء اور جعرانہ والے سال۔

[758] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَعْتَمِرْ إِلَّا ثَلَاثاً ، إِحْدَاهُنَّ فِي شَوَّالٍ ، وَاثْنَتَيْنِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے تین کے سوا کوئی عمرہ نہیں کیا، ان میں سے ایک شوال میں اور دو ذوالقعدہ میں تھے۔

فائدہ :...... یہی روایت ابوداؤد شریف میں بھی موجود ہے جسے عروہ رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے۔(ابوداؤد: 1991)

[759] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الْأَسْلَمِيِّ ، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ : أَعْتَمِرُ قَبْلَ أَنْ أَحُجَّ ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ : نَعَمْ ، قَدِ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ .

عبدالرحمن بن حرملہ اسلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے سوال کیا، کہنے لگا کہ کیا میں عمرہ کرسکتا ہوں پہلے اس سے کہ حج کروں؟ تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بھی حج سے پہلے عمرہ ادا کیا تھا۔

فائدہ :...... اگرچہ اسلام کے پانچ ارکان میں حج شامل ہے اور عمرہ شامل نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص حج میں کچھ تاخیر کرتا ہے اور اس سے پہلے صرف عمرہ کے لیے بیت اللہ تک سفر کے اخراجات برداشت کرتا ہے تو یہ درست ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بھی حج سے قبل تین بار عمرے کا سفر کیا تھا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے وجوب کا باب قائم کیا ہے اور حدیث جبریل میں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "وان تحج وتعتمر "(ابن خزیمہ: 365) اور یہ کہ تو حج اور عمرہ کرے۔

[760] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے شوال میں عمرہ

---

[758] (مرفوع صحيح) سنن ابی داود، كتاب المناسك، باب العمرة، حديث: 1991۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[759] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من اعتمر قبل الحج، حديث: 1774، سنن ابی داود، كتاب المناسك، باب العمرة، حديث: 1986، احمد: 2/ 46، 47، (5069).

[760] (موقوف صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

أَبِي سَلَمَةَ اسْتَأْذَنَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَنْ يَعْتَمِرَ فِي شَوَّالٍ، فَأَذِنَ لَهُ فَاعْتَمَرَ، ثُمَّ قَفَلَ إِلَى أَهْلِهِ وَلَمْ يَحُجَّ.

کرنے کی اجازت طلب کی، چنانچہ انھوں نے ان کو اجازت دے دی تو انھوں نے عمرہ کیا پھر (عمرہ کر کے) واپس اپنے گھر لوٹ آئے اور حج ادا نہ کیا۔

18- بَابٌ: قَطْعُ التَّلْبِيَةِ فِي الْعُمْرَةِ

عمرہ میں تلبیہ کہنے کے اختتام کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[761] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْعُمْرَةِ إِذَا دَخَلَ الْحَرَمَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً وہ عمرے میں اس وقت لبیک پڑھنا موقوف کرتے جب وہ حرم میں داخل ہوتے۔

فائدہ: ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے میں اس وقت تلبیہ موقوف کرتے جب حجر اسود کو چھو لیتے۔ (ترمذی: 919) لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے، اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، البتہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوف ثابت ہے یعنی وہ ایسا کرتے تھے، نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ اعْتَمَرَ مِنَ التَّنْعِيمِ: إِنَّهُ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ حِينَ يَرَى الْبَيْتَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے تنعیم سے (احرام باندھ کر) عمرہ کیا، فرمایا: بے شک وہ تلبیہ کہنا اس وقت ختم کرے جب بیت اللہ کو دیکھ لے۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَعْتَمِرُ مِنْ بَعْضِ الْمَوَاقِيتِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَوْ غَيْرِهِمْ، مَتَى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ؟ قَالَ: أَمَّا الْمُهِلُّ مِنَ الْمَوَاقِيتِ، فَإِنَّهُ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ إِذَا انْتَهَى إِلَى الْحَرَمِ. قَالَ: وَبَلَغَنِي أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو (حج کے لیے مقرر جگہوں یعنی) مواقیت میں سے کسی سے (احرام باندھ کر) عمرہ ادا کرتا ہے اور وہ اہل مدینہ میں سے ہے یا ان کے علاوہ میں سے ہے تو وہ کب تلبیہ کہنا بند کرے گا؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جو مواقیت سے احرام باندھتا ہے تو بلاشبہ وہ (بھی) اپنے تلبیہ کا اختتام اس وقت

---

[761] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبہ: 3/ 250 (14009)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

کرے گا جب حرم تک پہنچے گا، انھوں نے فرمایا: اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

فائدہ:...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیچھے (746 نمبر پر) بیان ہو چکی ہے۔

19- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي التَّمَتُّعِ

حج تمتع کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، ایک مرفوع، دو موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب کی سندیں صحیح ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ:...... حج تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا جائے، پھر اسی سال آٹھ ذوالحج کو یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھ کر حج ادا کیا جائے، چونکہ تمتع کے لغوی معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں اس لیے بسا اوقات اس کے مفہوم میں حج قران بھی شامل ہوتا ہے، اسے پڑھتے وقت پیچھے گیارھویں اور بارھویں باب میں مذکور پہلا فائدہ دیکھ لینا مفید رہے گا۔

[762] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، وَالضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ عَامَ حَجَّ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ - وَهُمَا يَذْكُرَانِ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ - فَقَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ: لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ جَهِلَ أَمْرَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ. فَقَالَ سَعْدٌ: بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أَخِي. فَقَالَ الضَّحَّاكُ: فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَدْ نَهَى عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَصَنَعْنَاهَا مَعَهُ.

محمد بن عبداللہ بن حارث رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کو سنا، (یہ) اس سال (کی بات ہے) کہ جس میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے (41ھ میں اپنے دورِ خلافت کا پہلا) حج کیا تھا، دونوں (حضرت سعد اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ) حج کے ساتھ عمرہ ملا کر حج تمتع کرنے کا تذکرہ کر رہے تھے، حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ کام تو اس شخص کے سوا کوئی نہیں کر سکتا جو حکم الٰہی سے جاہل و ناواقف ہو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے میرے (دینی) بھائی کے بیٹے! تو نے یہ بری بات کہی ہے، حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یقیناً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمادیا تھا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ حج کیا تھا، اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اسے ادا کیا تھا۔

[762] (مرفوع صحیح لغیرہ) جامع الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی التمتع، حدیث: 823، سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب التمتع، حدیث: 2735۔ نیز دیکھیے صحیح مسلم: 1225۔

فائدہ: ......اس روایت میں تمتع کالفظ لغوی معنیٰ میں مستعمل ہے اور مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ ملا کر (حج قران) فائدہ اٹھایا تھا اور آپ ﷺ نے ہمیں بھی حج تمتع کا حکم فرمایا تھا تو ہم نے اسے ادا کرلیا، لہٰذا حج تمتع کرنے والے کو جاہل کہنا قطعاً مناسب نہیں، یہ صحابی رضی اللہ عنہ کی شان تھی کہ فرمان نبوی ﷺ کے مدمقابل ہر کسی کی بات کو ہیچ جانتے تھے...... اگرچہ علامہ البانی رحمہ اللہ اور شیخ سلیم ہلالی نے مذکورہ بالا روایت موطا کو محمد بن عبداللہ بن حارث راوی کے مجہول ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کا جواب بالکل صحیح ثابت ہے۔(مسلم:1225)

[763] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: وَاللّٰهِ لأَنْ أَعْتَمِرَ قَبْلَ الْحَجِّ وَأُهْدِيَ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَمِرَ بَعْدَ الْحَجِّ فِي ذِي الْحِجَّةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں حج سے پہلے عمرہ بھی ادا کروں اور ہدی کا جانور بھی ساتھ لے جاؤں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں حج کے بعد ذوالحج کے مہینے ہی میں عمرہ کروں۔

فائدہ: ...... ہدی ساتھ لے جانے اور عمرہ کا احرام باندھ کر حج کے لیے جانے سے صرف اور صرف حج قران ہی ادا ہوتا ہے اور حج کے بعد عمرہ ادا کرنے سے نہ وہ حج تمتع بنتا ہے اور نہ ہی حج قران بلکہ حج مفرد ہی رہتا ہے، تو گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج مفرد (إفراد) پر حج قران کی فضیلت بیان کر رہے ہیں، لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا حج مفرد کو افضل کہنا اس روایت کی رُو سے بھی مرجوح ہے، اس مذکورہ روایت کا باب کے عنوان سے تعلق بھی لغوی معنیٰ کی مناسبت سے ہے۔

[764] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ فِي شَوَّالٍ، أَوْ ذِي الْقَعْدَةِ، أَوْ فِي ذِي الْحِجَّةِ، قَبْلَ الْحَجِّ، ثُمَّ أَقَامَ بِمَكَّةَ حَتَّى يُدْرِكَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے حج سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا یعنی شوال میں یا ذوالقعدہ میں یا ذوالحج میں، پھر وہ مکہ ہی میں ٹھہرا رہا، یہاں تک کہ اُسے حج نے آلیا، چنانچہ اگر وہ حج کرلے تو وہ حج تمتع کرنے والا شمار ہوگا اور اس پر وہ ہدی کا

[763] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرىٰ: 4/ 345 (8737)، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 524 (2738)، شافعي في الام: 7/ 214، وفي المسند: 1/ 586، طحاوي في شرح معاني الآثار: 2/ 148، ابن ابي شيبه: 13020، 13042- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[764] (موقوف صحيح) بيهقي: 5/ 24 (8892)، ابن ابي شيبه: 13001، 13004- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

الْحَجُّ، فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ إِنْ حَجَّ، وَعَلَيْهِ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ، فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ.

جانور لازم ہوگا جو میسر ہو، پھر اگر وہ (قربانی) نہ پائے تو تین روزے حج (کے ایام) میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب وہ گھر لوٹ آئے۔

فائدہ: ...... حج تمتع اور حج قران دونوں میں قربانی لازم ہے ،بصورت دیگر دس روزے رکھنا پڑیں گے۔(البقرہ: 2/ 196)

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ إِذَا أَقَامَ حَتَّى الْحَجِّ، ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ) اسی وقت ہے جب آدمی (عمرہ کر کے) مکہ ہی میں حج تک ٹھہرا رہے اور پھر حج بھی ادا کرے۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر کوئی شخص عمرہ کر کے حج ادا نہ کرے، یا عمرہ کر کے گھر واپس چلا جائے اور پھر نیا سفر کر کے اور میقات سے نیا احرام باندھ کر صرف حج کے لیے آئے تو وہ حج تمتع کرنے والا شمار نہ ہوگا اور بایں صورت اس پر قربانی بھی لازم نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، انْقَطَعَ إِلَى غَيْرِهَا وَسَكَنَ سِوَاهَا، ثُمَّ قَدِمَ مُعْتَمِراً فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، ثُمَّ أَقَامَ بِمَكَّةَ حَتَّى أَنْشَأَ الْحَجَّ مِنْهَا: إِنَّهُ مُتَمَتِّعٌ يَجِبُ عَلَيْهِ الْهَدْيُ أَوِ الصِّيَامُ، إِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْياً، وَأَنَّهُ لَا يَكُونُ مِثْلَ أَهْلِ مَكَّةَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اہل مکہ میں سے ہو، لیکن پھر وہ (مکہ سے) منتقل ہو کر مکہ کے علاوہ کہیں اور جا کر سکونت پذیر ہو جائے، پھر وہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے لیے آئے، پھر (عمرہ کر کے) مکہ ہی میں ٹھہر جائے یہاں تک کہ وہ حج کو مکہ ہی سے شروع کرے تو بلاشبہ وہ تمتع کرنے والا شمار ہوگا، (اسی لیے) اس پر قربانی واجب ہوگی یا (دس) روزے (واجب ہوں گے) اگر وہ قربانی کی طاقت نہ پائے، اور بلاشبہ وہ اہل مکہ کی طرح شمار نہیں ہوگا۔

فائدہ: ...... یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکہ کے باشندے حج تمتع اور حج قران نہیں کر سکتے ،ان کے لیے صرف حج مفرد ہے ،اسی لیے ان پر قربانی بھی واجب نہیں ہے، چنانچہ اگر وہ حج کے مہینوں میں حج سے پہلے عمرہ ادا کر بھی لیں تو پھر بھی ان کا حج نہ قران بن سکتا ہے اور نہ تمتع، کیونکہ حج کے ساتھ عمرے کا نفع اٹھانے کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مکہ کے باشندے نہ ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (البقرۃ 2:196) ''یہ (اجازت صرف) اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔'' وہ شخص جو بغیر اہل خانہ کے مکہ میں مقیم ہو وہ بھی اہل خانہ والے مقیم افراد کے حکم میں ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ مَكَّةَ، دَخَلَ مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، وَهُوَ يُرِيدُ الإِقَامَةَ بِمَكَّةَ، حَتَّى يُنْشِيءَ الْحَجَّ، أَمُتَمَتِّعٌ هُوَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ هُوَ مُتَمَتِّعٌ، وَلَيْسَ هُوَ مِثْلَ أَهْلِ مَكَّةَ، وَإِنْ أَرَادَ الإِقَامَةَ، وَذَلِكَ أَنَّهُ دَخَلَ مَكَّةَ وَلَيْسَ هُوَ مِنْ أَهْلِهَا، وَإِنَّمَا الْهَدْيُ، أَوِ الصِّيَامُ عَلَى مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، وَأَنَّ هَذَا الرَّجُلَ يُرِيدُ الإِقَامَةَ، وَلا يَدْرِي مَا يَبْدُو لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ، وَلَيْسَ هُوَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اہل مکہ میں سے نہ ہو، وہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوا اور وہ مکہ میں اقامت اختیار کر لینے کا ارادہ بھی رکھتا ہو، (وہ عمرہ کے بعد مکہ ہی میں ٹھہرا رہے) یہاں تک کہ وہ وہیں سے حج کا احرام باندھ لے تو کیا وہ حج تمتع کرنے والا شمار ہوگا؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں وہ حج تمتع والا ہی ہے، وہ اہل مکہ کی طرح نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ اقامت کا ارادہ بھی رکھتا ہو اور یہ (فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ وہ مکہ میں اس حال میں داخل ہوا تھا کہ وہ اہل مکہ میں سے نہیں تھا۔ (لہٰذا احرام باندھنے کے وقت کا اعتبار ہوگا اور اس وقت چونکہ وہ مکہ کا رہائشی نہ تھا اس لیے اس پر حج تمتع کی پابندی بھی نہیں لگی، لہٰذا حج تمتع کی صورت میں اس پر قربانی یا روزے واجب ہیں) اور بلاشبہ ہدی کا جانور یا روزے اس شخص پر (لازم ہوجاتے) ہیں جو اہل مکہ میں سے نہ ہو، اور یقیناً یہ شخص تو ابھی صرف اقامت کا ارادہ ہی کر رہا ہے اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کے بعد اس کے لیے کیا (ارادہ) ظاہر ہو، وہ اہل مکہ میں سے شمار نہیں ہوگا۔

فائدہ: ......لہٰذا مذکورہ صورت میں اس پر مکی باشندوں جیسے احکام لاگو نہ ہوں گے بلکہ وہ آفاقی لوگوں ہی میں شمار رہے گا۔

[765] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: مَنِ اعْتَمَرَ فِي شَوَّالٍ، أَوْ ذِي الْقَعْدَةِ، أَوْ فِي ذِي الْحِجَّةِ، ثُمَّ أَقَامَ بِمَكَّةَ حَتَّى يُدْرِكَهُ الْحَجُّ، فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ إِنْ حَجَّ وَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ جس شخص نے (حج کے مہینوں مثلاً) شوال میں یا ذوالقعدہ میں یا ذوالحج میں عمرہ کیا، پھر وہ (احرام کھول کر) مکہ میں ٹھہر گیا، یہاں تک کہ اُسے حج نے پالیا، چنانچہ (اب) اگر وہ حج کرے گا تو حج تمتع والا شمار ہوگا اور اس پر ہدی (کا جانور قربان کرنا) لازم ہے جو بھی میسر ہو، پھر جو (ایسا شخص قربانی کی طاقت) نہ پاسکے تو (اس پر دس دنوں کے) روزے (لازم) ہیں، تین ایام حج میں اور سات، جب وہ واپس لوٹ جائے۔

[765] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبہ: 3/ 152 (13000)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

20- بَابٌ: مَا لَا يَجِبُ فِيهِ التَّمَتُّعُ

اس صورت کا بیان جس میں حج تمتع واجب نہیں ہوتا

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوىٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اعْتَمَرَ فِي شَوَّالٍ، أَوْ ذِي الْقَعْدَةِ، أَوْ ذِي الْحِجَّةِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ، ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ هَدْيٌ، إِنَّمَا الْهَدْيُ عَلَى مَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، ثُمَّ أَقَامَ حَتَّى الْحَجِّ، ثُمَّ حَجَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے (حج کے مہینوں) شوال یا ذوالقعدہ یا ذوالحج میں عمرہ کیا، پھر وہ (مکہ سے نکل کر واپس) اپنے گھر کی طرف لوٹ گیا، پھر اس نے اسی سال حج بھی کیا تو (اس کا حج تمتع شمار نہیں ہوگا لہٰذا) اس پر ہدی (کا جانور قربان کرنا) بھی لازم نہیں ہے، بلاشبہ ہدی تو صرف اور صرف اس شخص پر لازم ہے جو حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر حج تک مکہ ہی میں ٹھہرا رہے، پھر حج کرے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ مَنِ انْقَطَعَ إِلَى مَكَّةَ مِنْ أَهْلِ الْآفَاقِ وَسَكَنَهَا، ثُمَّ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، ثُمَّ أَنْشَأَ الْحَجَّ مِنْهَا، فَلَيْسَ بِمُتَمَتِّعٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ هَدْيٌ، وَلَا صِيَامٌ، وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ أَهْلِ مَكَّةَ إِذَا كَانَ مِنْ سَاكِنِيهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہر وہ شخص جو اہل آفاق میں سے ہو (مکہ کا اصل رہائشی نہ ہو لیکن) وہ مکہ کی طرف منتقل ہوجائے اور اس میں سکونت اختیار کرلے (تو وہ اہل مکہ میں سے شمار ہوگا جو نہ حج تمتع کرسکتے ہیں اور نہ قران) پھر وہ شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر وہیں سے حج کے لیے جائے تو وہ حج تمتع والا (شمار) نہ ہوگا اور اس پر نہ ہدی لازم ہے اور نہ روزے اور وہ مکہ والوں ہی کی طرح ہوگا جس وقت کہ وہ اسی کے رہائشیوں میں سے ہو (جائے)۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، خَرَجَ إِلَى الرِّبَاطِ أَوْ إِلَى سَفَرٍ مِنَ الْأَسْفَارِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَّةَ وَهُوَ يُرِيدُ الْإِقَامَةَ بِهَا - كَانَ لَهُ أَهْلٌ بِمَكَّةَ أَوْ لَا أَهْلَ لَهُ بِهَا - فَدَخَلَهَا بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، ثُمَّ أَنْشَأَ الْحَجَّ، وَكَانَتْ عُمْرَتُهُ الَّتِي دَخَلَ بِهَا مِنْ مِيقَاتِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ دُونَهُ، أَمُتَمَتِّعٌ مَنْ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اہل مکہ میں سے ہو، وہ جہاد کی طرف یا دوسرے سفروں میں سے کسی سفر کی طرف نکل جائے، پھر وہ مکہ واپس لوٹ آئے اور وہ مکہ ہی میں اقامت کا ارادہ رکھتا ہو، خواہ مکہ میں اس کے گھر والے (رہ رہے) ہوں یا وہاں اس کا کوئی اہل (وعیال) نہ ہو، چنانچہ وہ حج کے مہینوں میں مکہ میں عمرہ (کی نیت) سے داخل ہو، پھر وہیں سے حج کا آغاز کرے

كَـانَ عَـلَـى تِلْكَ الْحَالَةِ؟ فَقَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُتَمَتِّعِ مِنَ الْهَدْيِ أَوِ الصِّيَامِ، وَذَلِكَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: 196].

اور اس کا عمرہ جس کے ساتھ وہ (مکہ میں) داخل ہوا تھا نبی کریم ﷺ کے میقات (ذوالحلیفہ) سے یا اس کے علاوہ (کسی اور میقات) سے (شروع ہوا) ہو تو کیا اس صورت حال والا شخص حج تمتع کرنے والا (شمار) ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر وہ ہدی یا روزے لازم نہیں ہوں گے جو تمتع کرنے والے پر ہوتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة 196:2) ''یہ (تمتع کی اجازت صرف) اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔''

فائدہ : ...... یہ مذکورہ شخص مکہ ہی کا باشندہ ہے اور اس کا مکہ سے نکلنا کسی عارضی حاجت کی وجہ سے تھا، جس کے بعد وہ پھر اپنے ہی گھر لوٹ آیا۔

21- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ

عمرہ کے متعلق آنے والی متفرق روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو مرفوع روایات سنداً صحیح ہیں، جبکہ دو موقوف روایات میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[766] حَـدَّثَـنِـي يَـحْـيَـى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي صَـالِـحِ السَّـمَّـانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُـولَ اللهِ ﷺ قَـالَ: الْـعُـمْـرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَـفَّـارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک اُن گناہوں کا کفارہ ہے جو دونوں کے درمیان میں ہوئے اور حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

فائدہ : ...... پہلا عمرہ گزشتہ زندگی کے گناہ مٹاتا ہے اور اس کے بعد ہونے والے گناہوں کو دوسرا عمرہ مٹا دیتا ہے، دراصل یہ کثرت سے عمرے کرتے رہنے کی لطیف ترغیب ہے تاکہ مسلمانوں کا قبلہ اور اللہ کا گھر ہر وقت آباد

[766] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب وجوب العمرة وفضلها، حديث: 1773، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1349، ترمذي: 933، نسائي: 2630، ابن ماجه: 2888، احمد: 2/ 246 (7348).

اور شاداب رہے، نیز غیر مسلموں پر رعب ودبدبہ اور بیت اللہ کی عظمت وہیبت اجاگر ہوتی رہے، یاد رہے کہ کبیرہ گناہوں کی معافی اسلام لانے، ہجرت کرنے، حج کرنے یا پھر توبہ کرنے سے ہوتی ہے، باقی تمام اعمال صالحہ سے معاف ہونے والے گناہ صغیرہ ہوتے ہیں، ہاں "اهلُ السُّنّة وَالْجَماعة" کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ چاہے تو کبیرہ گناہوں کی سزا دے گا اور چاہے تو بغیر سزا کے بھی بخش سکتا ہے، پے درپے حج وعمرہ کی ایک فضیلت کتاب الحج کے سب سے پہلے فائدہ میں بھی گزر چکی ہے...... ''مبرور'' کا لفظ "بِــــرٌّ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی نیکی کے ہیں اور حج مبرور سے مراد وہ حج جو نبوی طریقے کے مطابق تمام شرائط وآداب کو ملحوظ رکھ کر اخلاص کے ساتھ حلال مال سے ادا کیا جائے، یہی حج اللہ کے ہاں مقبول ہوتا ہے جس کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے بعد والی زندگی گزشتہ زندگی سے نیکیوں کے اعتبار سے بہتر ہوجاتی ہے۔

[767] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقُولُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ كُنْتُ تَجَهَّزْتُ لِلْحَجِّ، فَاعْتَرَضَ لِي. فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اعْتَمِرِي فِي رَمَضَانَ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِيهِ كَحَجَّةٍ.

ابو بکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، پھر کہنے لگی کہ یقیناً میں نے حج کے لیے تیاری کر رکھی تھی، پھر مجھے کوئی عارضہ لاحق ہوگیا (اور میں حج نہ کر سکی) تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''ماہ رمضان میں عمرہ کر لے کیونکہ یقیناً رمضان کا عمرہ، حج کے برابر ہے۔''

فائدہ:...... یہ صحابیہ حضرت اُم معقل رضی اللہ عنہا تھیں اور انھیں کوئی مرض لاحق ہوگیا تھا، نیز ان کے خاوند نے اونٹ کو جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ (ابو داؤد: 1988، 1989۔ اس کی سند صحیح ہے) مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اونٹ گم ہوگیا تھا۔ (زرقانی: 2/ 377) دونوں میں تطبیق یہ دی گئی ہے کہ یہ دونوں کام ہی ہوئے تھے، گھر میں بیماری بھی آئی اور اونٹ بھی گم ہوا، جو بعد میں مل گیا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں سیدہ اُم سنان انصاریہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ کے دریافت کرنے پر یہ سبب بیان کیا تھا کہ ہمارے پاس صرف دو اونٹ تھے، ایک اونٹ پر میرا خاوند اور بیٹا آپ ﷺ کے ہمراہ حج پر چلے گئے اور دوسرے کے ذریعے ہم اپنی فصلوں کے لیے پانی لاتے تھے۔ (بخاری: 1782، 1863، مسلم: 1256) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں صحابیات کے ان دونوں قصوں کا الگ الگ ہونا راجح قرار دیا ہے...... یاد رہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اُس کے ماہ رمضان میں عمرہ کر لینے سے یہ

[767] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب العمرة، حدیث: 1988، جامع الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی عمرة رمضان، حدیث: 939، نسائی فی الکبری: 2/ 472 (4227)، احمد: 6/ 406 (27829)، دارمی: 1860۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فرض حج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اُسے ادا کرنا پڑے گا جس طرح کہ ایک نماز باجماعت پر پچیس یا ستائیس نمازوں کے برابر اجر مل جانے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک نماز پڑھنے کے بعد پچیس نمازیں ترک کردی جائیں۔

[768] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: اِفْصِلُوا بَيْنَ حَجِّكُمْ وَعُمْرَتِكُمْ، فَإِنَّ ذٰلِكَ أَتَمُّ لِحَجِّ أَحَدِكُمْ، وَأَتَمُّ لِعُمْرَتِهِ، أَنْ يَعْتَمِرَ فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے حج اور عمرے کو الگ الگ (مستقل طور پر) ادا کیا کرو کیونکہ بلاشبہ یہ عمل تم میں سے (ہر) کسی کے حج کو بھی زیادہ کامل بنانے والا ہے اور اس کے عمرے کو بھی خوب پورا کرنے والا ہے (یعنی) حج کے مہینوں کے علاوہ (کسی اور مہینے) میں وہ عمرہ ادا کرے (تو زیادہ بہتر ہے)۔

فائدہ: ......تقریباً تمام اہل علم حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس سے یہی سمجھا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج مفرد کا حکم دیتے تھے اور حج قران وتمتع دونوں سے منع کرتے تھے اسی لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے اس حکم کو درست نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ پیچھے باب: 19 میں گزر چکا ہے، نیز دیکھیے مسلم: 1226، البتہ محقق اہل علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو افضل ترین کام کی عادت ڈالنا چاہتے تھے اور درحقیقت وہ حج تمتع اور حج قران کے خلاف اور ان کے منکر نہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ چونکہ جس قدر زیادہ مشقت اٹھائی جائے اتنا ہی زیادہ اجر ملتا ہے، اس لیے جب حج وعمرے کے لیے دو الگ الگ سفر اور دو دفعہ اخراجات برداشت کیے جائیں گے تو اجر وثواب میں بھی خوب اضافہ ہو جائے گا، نیز وہ چاہتے تھے کہ بیت اللہ سارا سال آباد رہے، یہ نہ ہو کہ حج کے موقع پر تو رش رہے اور بعد میں لوگ پروا نہ کریں، اسی لیے انھوں نے "اَتَمُّ" اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ ایسا کرنے سے زیادہ کمال پیدا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نکاح متعہ اور حج تمتع کا ذکر تو اکٹھا کیا لیکن نکاح متعہ کرنے والوں کو رجم کرنے کی دھمکی دی اور حج تمتع کرنے والوں کو کوئی دھمکی نہ دی بلکہ صرف اتنا کہا کہ اس کی نسبت الگ الگ حج وعمرہ کرنا زیادہ باعث تکمیل ہے۔ (مسلم: 1217) الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حج تمتع اور حج قران سے روکنا "نہی تحریمی" کے طور پر نہ تھا۔

[769] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

[768] (موقوف صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 3/ 519 (2728)، طحاوي في شرح معاني الآثار: 2/ 147۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[769] (موقوف ضعيف)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ إِذَا اعْتَمَرَ ، رُبَّمَا لَمْ يَحْطُطْ عَنْ رَاحِلَتِهِ حَتَّى يَرْجِعَ .

جب عمرہ کرتے تو بسا اوقات اپنے اونٹ سے بھی نیچے نہ اترتے یہاں تک کہ لوٹ جاتے۔

فائدہ :......عمرے کے افعال بالکل مختصر ہیں، حالت احرام میں مکہ پہنچ کر صرف بیت اللہ کا طواف اور صفاومروہ کی سعی کر کے بال منڈوانے یا کٹوانے سے عمرہ مکمل ہو جاتا ہے اور یہ کام سواری پر بھی جائز ہیں......سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ امور خلافت کے پیش نظر مکہ مکرمہ میں ان کاموں کو سرانجام دیتے ہی واپس مدینہ منورہ کا رخ کر لیتے تھے، نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی حج تمتع یا حج قران کی بجائے عمرہ و حج الگ الگ اوقات میں ادا کرنے کو زیادہ بہتر خیال کرتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ : الْعُمْرَةُ سُنَّةٌ ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَداً مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَرْخَصَ فِي تَرْكِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: عمرہ سنت ہے اور ہم مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتے جس نے اسے چھوڑنے کی رخصت دی ہو۔

فائدہ :......عمرہ اگر چہ ارکان اسلام میں شامل نہیں لیکن یہ نہایت تاکیدی سنت ہے جسے چھوڑنا بھی درست نہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عمرہ وتروں سے بھی زیادہ تاکید والی سنت مؤکدہ ہے، احناف بھی اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ ابن قیم، ابن تیمیہ، شوکانی اور امیر صنعانی رحمہم اللہ بھی اس کے عدم وجوب کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عمرہ واجب ہے اور ان کی طرف سے اس کے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کیے جاتے ہیں: (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا حکم حج کے حکم کے ساتھ فرمایا۔ (ابوداود: 1810، ترمذی: 930، ابن ماجه: 2906۔ اس کی سند صحیح ہے)، (2)- حدیث جبریل علیہ السلام میں اسلام کی تفسیر میں حج کے ساتھ عمرے کا ذکر بھی منقول ہے۔ (ابن خزيمه: 365، ابن حبان: 173، دارقطنی: 2 / 282، ابن منده: 14۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا لزوم ذکر کیا ہے۔ (بخاری، قبل از حدیث: 1773، حاکم: 1/ 471۔ اس کی سند صحیح ہے) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے اس کی حیثیت کا استدلال کیا: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (البقرة 2:196) ''اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔'' انھوں نے کہا کہ اللہ نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حدیث: 1773 پر عمرے کے وجوب کا عنوان قائم کیا ہے، اسی طرح جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا عورتوں پر جہاد (فرض) ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اُن پر وہ جہاد (فرض) ہے جس میں قتال نہیں ہے، یعنی حج اور عمرہ'' (ابن ماجه: 2901، مسند احمد: 6/ 165۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا أَرَى لِأَحَدٍ أَنْ يَعْتَمِرَ فِي السَّنَةِ مِرَاراً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کسی شخص کے لیے یہ (مناسب) نہیں سمجھتا کہ وہ ایک سال میں کئی عمرے کرے۔

فائدہ :......صرف امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں سال میں ایک سے زائد عمرے مکروہ ہیں، باقی تمام ائمہ وفقہاء

اور محدثین کے ہاں ایک سال میں متعدد عمرے کرنا بلا کراہت جائز ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تکرار سے اور پے در پے عمرے کرنے کی خود ترغیب دی ہے اور اس کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُعْتَمِرِ يَقَعُ بِأَهْلِهِ: إِنَّ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ الْهَدْيَ وَعُمْرَةً أُخْرَى يَبْتَدِئُ بِهَا بَعْدَ إِتْمَامِهِ الَّتِي أَفْسَدَ، وَيُحْرِمُ مِنْ حَيْثُ أَحْرَمَ بِعُمْرَتِهِ الَّتِي أَفْسَدَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحْرَمَ مِنْ مَكَانٍ أَبْعَدَ مِنْ مِيقَاتِهِ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُحْرِمَ إِلَّا مِنْ مِيقَاتِهِ.

امام مالک ؒ نے اس عمرہ کرنے والے شخص کے متعلق فرمایا جو حالت احرام میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لیتا ہے، (انھوں نے کہا کہ) بے شک اس شخص پر اس جرم میں ایک ہدی (قربانی کا جانور) واجب ہے اور ایک عمرہ بھی (ادا کرنا لازم ہے)، وہ اس بعد والے عمرے کا آغاز اس عمرے کو پورا کر لینے کے بعد کرے گا جسے اس نے فاسد کیا ہے اور وہ وہیں سے (نئے عمرے کا) احرام باندھے گا جہاں سے اس نے اپنے فاسد کیے ہوئے عمرے کا احرام باندھا تھا، اِلّا یہ کہ اگر اس نے اپنے (علاقے والے اصل) میقات سے زیادہ دور والی جگہ سے احرام باندھا تھا تو اس پر اس کے سوا کچھ لازم نہیں کہ اپنے ہی میقات سے احرام باندھے (اب زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں)۔

فائدہ :......جس طرح کہ آج کل لوگ اپنے اپنے ملک ہی سے احرام باندھ کر آتے ہیں تو مذکورہ صورت میں عمرہ کی قضائی دینے کے لیے ان پر اپنے ملک جانا لازم نہیں بلکہ سعودی عرب ہی میں اپنے علاقے کی سمت والے میقات سے احرام باندھ لیں، یہ اس عبادت کا ایک خاصہ ہے کہ عمرہ فاسد کر لینے کے باوجود اسے پورا کرنا لازم ہے، پھر اس کے جرمانے میں ہدی کا جانور بھی واجب ہے اور قضائی دینا بھی لازم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَهُوَ جُنُبٌ، أَوْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، ثُمَّ وَقَعَ بِأَهْلِهِ، ثُمَّ ذَكَرَ، قَالَ: يَغْتَسِلُ أَوْ يَتَوَضَّأُ، ثُمَّ يَعُودُ فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ، وَيَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَيَعْتَمِرُ عُمْرَةً أُخْرَى، وَيُهْدِي، وَعَلَى الْمَرْأَةِ إِذَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا وَهِيَ مُحْرِمَةٌ مِثْلُ ذَلِكَ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: جو شخص مکہ میں عمرہ (کی نیت) کے ساتھ داخل ہوا (لیکن) پھر اس نے (عمداً یا نسیاناً) بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی اس حالت میں ادا کیے کہ وہ جنبی تھا یا بے وضو تھا، پھر بھول کر اپنی بیوی سے جماع کر لیا، تو صرف وضو کافی نہیں، اسے غسل کرنا ہے، پھر اسے یاد آیا، امام مالک ؒ نے فرمایا: وہ غسل کر لے یا وضو کر لے، پھر واپس جا کر بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر لے اور (پھر اس کے کفارے کے طور پر) دوسرا عمرہ بھی کرے اور ہدی بھی قربان کرے اور جس عورت کے ساتھ اس کے خاوند نے اس حال میں مباشرت کی کہ وہ محرم (احرام باندھے ہوئے) تھی اس پر بھی اسی (مرد) کی مثل (کفارہ) ہے۔

فائدہ :......اگر اس نے جان بوجھ کر یہ سمجھتے ہوئے جماع کیا تھا کہ عمرہ تو پورا ہو چکا ہے، پھر بھی یہی سزا پڑے گی، الغرض اس مسئلے میں عمداً اور نسیاناً کا کوئی فرق نہیں ہے، البتہ احناف کے نزدیک طواف کے لیے طہارت شرط نہیں، اس لیے اس پر قضا تو نہیں پڑے گی لیکن حالت جنابت میں طواف کرنے کی بنا پر ایک ہدی لازم ہوگی......یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک طواف کے لیے طہارت شرط ہے۔ کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول نبی کریم ﷺ نے مکہ میں آکر سب سے پہلے وضو کیا اور پھر طواف کیا۔ (بخاری:1641) نیز آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حیض کے وقت فرمایا تھا: ''بیت اللہ کا طواف نہ کرنا یہاں تک کہ پاک ہو جاؤ۔'' (بخاری: 1650، مسلم:1211)

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا الْعُمْرَةُ مِنَ التَّنْعِيمِ ، فَإِنَّهُ مَنْ شَاءَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْحَرَمِ ، ثُمَّ يُحْرِمَ فَإِنَّ ذَلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ، وَلَكِنِ الْفَضْلُ أَنْ يُهِلَّ مِنَ الْمِيقَاتِ الَّذِي وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، أَوْ مَا هُوَ أَبْعَدُ مِنَ التَّنْعِيمِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا تنعیم (مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا) سے عمرہ کرنا تو بلاشبہ یہ متعین اور لازم نہیں ہے۔ جو شخص چاہے کہ حرم (یعنی مکہ مکرمہ کی شہری حدود) سے باہر نکل کر پھر احرام باندھے تو یقیناً یہ (تنعیم سے احرام) اس کی طرف سے کفایت کر جائے گا، اِن شاء اللہ، لیکن فضیلت اس میں ہے کہ آدمی اس میقات سے احرام باندھے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے یا اس جگہ سے (احرام باندھے) جو تنعیم سے زیادہ دور ہے۔

فائدہ :......یعنی عمرے کے لیے حرم مکہ سے باہر نکلنا لازم ہے، کم از کم تنعیم تک تو ضرور جائے لیکن اگر اس سے بھی دور چلا جائے مثلاً جعرانہ وغیرہ تک تو اور بہتر ہے اور سب سے بہترین یہ ہے کہ ذوالحلیفہ ،جحفہ، قرن منازل یا یلملم پر جا کر احرام باندھے۔ جمہور کا موقف یہی ہے کہ عمرے کے لیے مکہ سے نکلنا کافی ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے مذکور روایت: 730 کا فائدہ۔

22- بَابٌ: نِكَاحُ الْمُحْرِمِ

احرام والے شخص کے نکاح کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، دو مرفوع روایات میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، دو موقوف روایات میں سے بھی ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے اور ایک مقطوع روایت بھی سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

فائدہ :......حالت احرام والے مرد و عورت کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ فرمان نبوی ﷺ بہت اہم ہے: ((لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ)) ''نہ محرم (خود کسی سے) نکاح کرے، نہ کسی کا نکاح

کرے اور نہ وہ نکاح کا پیغام بھیجے۔'' (مسلم: 1409)

[770] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا رَافِعٍ وَرَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَزَوَّجَاهُ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے آزادکردہ غلام) حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری شخص کو بھیجا چنانچہ اُن دونوں نے سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی کردی، اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ (عمرۃ القضاء 7ھ کے لیے) نکلنے سے پہلے ابھی مدینہ منورہ ہی میں تھے۔

فائدہ :......سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وہ آخری بیوی تھیں جن سے آپ ﷺ نے شادی فرمائی، بہت سی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء میں سَرِف کے مقام پر ان سے شادی کی، اس لیے حضرت ابورافع اور انصاری صحابی کے شادی کردینے سے مراد ''شادی کا پیغام لے کر جانا'' ہے اوروہ دونوں آپ ﷺ کے وکیل، سفیر، قاصد یا ایلچی کی حیثیت رکھتے تھے، نیز جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تک پیغام نکاح پہنچا توانھوں نے اپنی طرف سے اپنے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کا نبی کریم ﷺ سے نکاح کردیا......سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ شادی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ محرم (حالت احرام میں) تھے۔ (بخاری: 1877، مسلم: 1410) حالانکہ خود آپ ﷺ نے حالت احرام میں شادی کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم: 1409) اس لیے یہ محض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہم ہے جیسا کہ ان کے شاگرد سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا۔ (ابوداؤد: 1845۔ اس کی سند صحیح ہے، صحیح ابی داؤد: 1628) اور خود سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ حَلَالَانِ بِسَرِفَ)) ''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی فرمائی اس حال میں کہ ہم دونوں سرف مقام پر حلال (احرام والی حالت کے بغیر) تھے۔'' (ابوداؤد: 1843، ترمذی: 845، ابن ماجہ: 1964۔ اس کی سند صحیح ہے) یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (مسلم: 1411) اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب شادی ہوئی تو آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے......اس سے بھی واضح روایت میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ حلال تھے یعنی حالت احرام میں نہ تھے اوران کے ساتھ مباشرت کی تو اس وقت بھی

[770] (مرفوع ضعیف) جامع الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی کراھیة تزویج المحرم، حدیث: 841، نسائی فی الکبری: 5402، احمد: 6/ 392، (27739)، دارمی: 7/ 513 (1956)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حالت احرام میں نہ تھے اور میں خود دونوں کے درمیان میں قاصد تھا۔" (ترمذی: 841، احمد: 6/ 392، بیہقی: 5/ 66، 7/ 211۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن اور امام ابن حبان رحمہ اللہ اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، الغرض یہ روایت حسن درجے سے کم نہیں۔ مرعاة المفاتيح : 9/ 210)۔

اس بارے میں تین قسم کی روایات ہیں: (1)- آپ ﷺ نے احرام سے پہلے شادی کی، یہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں محض پیغام نکاح مراد ہے۔ (2)- آپ ﷺ نے حالت احرام میں نکاح کیا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (3)- آپ ﷺ نے عمرے کا احرام کھول دینے کے بعد نکاح کیا۔ یہ بات خود صاحب واقعہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے اور اس نکاح میں قاصد بننے والے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ احناف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حالت احرام میں نکاح کا جواز ثابت کرتے ہیں جبکہ جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک حالت احرام میں نکاح تو دور کی بات نکاح کا پیغام دینا بھی درست نہیں جیسا کہ ہم شروع باب کے فائدے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم والی روایت ذکر کر چکے ہیں...... مندرجہ بالا روایات کے تعارض کو جمہور علماء نے مختلف طریقوں سے حل کیا ہے، مثلاً: (1)- امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ شادی احرام باندھنے سے پہلے ہوئی تھی لیکن جب لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو آپ ﷺ حالت احرام میں تھے اور پھر احرام کھول دینے کے بعد آپ ﷺ نے مباشرت کی...... لیکن یہ تطبیق اور حل اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ خود سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بقول ان کی یہ شادی احرام کھول دینے کے بعد ہوئی تھی، کیونکہ یہ شادی سَرِف مقام پر ہوئی اور یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جاتے ہوئے یہاں سے گزرے تو یقیناً حالت احرام میں تھے، البتہ واپسی پر آپ ﷺ احرام میں نہ تھے۔ (2)- متعدد علمائے کرام یوں تطبیق دیتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں محرم سے مراد حالت احرام نہیں ہے بلکہ یا تو یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ اس وقت حرمت والی جگہ (حرم مواقیت) میں تھے، اور واقعی سرف جگہ احرام باندھنے کی جگہوں یعنی مواقیت کے اندرونی جانب مکہ کے قریب ہے یا پھر محرم کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ حرمت والے مہینے میں تھے، لیکن یہ تطبیق اس لیے درست نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ محرم تھے اور ان سے ہم بستری کی تو آپ ﷺ حلال (غیر محرم) تھے۔ (بخاری: 4258) اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب محرم کا لفظ حلال کے مقابلے میں بولا جائے تو اس سے مراد احرام باندھنے والا شخص ہوتا ہے۔ (3)- اسی لیے محققین علماء نے تطبیق کی بجائے ترجیح کے ساتھ یہ مسئلہ حل کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایات راجح ہیں کیونکہ وہ دونوں صاحب واقعہ ہیں، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مرجوح ہے، یہی بات خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اس مسئلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وہم لاحق ہو گیا تھا۔ (ابو داود: 1845)، (4)- بعض علماء مثلاً امام نووی اور شوکانی وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر یہ

مذکورہ ترجیح نہ دیں تو پھر یوں تطبیق دی جائے گی کہ جہاں رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل کا مفہوم الگ الگ ہو تو قول اُمت کے لیے ہوتا ہے اور فعل نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں اُمت کو حالت احرام میں نکاح سے منع کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے......الغرض کسی بھی صورت میں ہمارے لیے حالت احرام میں نکاح کا جواز ثابت نہیں ہوسکا۔

[771] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ أَخِي بَنِي عَبْدِ الدَّارِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ أَرْسَلَ إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، وَأَبَانُ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْحَاجِّ، وَهُمَا مُحْرِمَانِ، إِنِّي قَدْ أَرَدْتُ أَنْ أُنْكِحَ طَلْحَةَ بْنَ عُمَرَ بِنْتَ شَيْبَةَ بْنِ جُبَيْرٍ، وَأَرَدْتُ أَنْ تَحْضُرَ. فَأَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ أَبَانُ وَقَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَنْكِحِ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحْ وَلَا يَخْطُبْ.

نبیہ بن وہب رحمہ اللہ جو کہ بنو عبدالدار میں سے ایک فرد ہیں، روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبیداللہ رحمہ اللہ نے (ان کو) ابان بن عثمان رحمہ اللہ کی طرف بھیجا، اس وقت ابان رحمہ اللہ (خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے) حاجیوں کے امیر تھے اور وہ دونوں (عمر بن عبیداللہ اور ابان رحمہ اللہ) حالت احرام میں تھے۔ (یہ پیغام دے کر بھیجا کہ) بلاشبہ میں (یعنی عمر بن عبیداللہ رحمہ اللہ) نے یہ ارادہ کیا ہے کہ (اپنے بیٹے) طلحہ بن عمر رحمہ اللہ کا شیبہ بن جُبیر رحمہ اللہ کی صاحبزادی سے نکاح کر دوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس موقع پر حاضر ہوجائیں، تو ابان رحمہ اللہ نے اُن پر اس کام کا انکار کیا اور فرمایا: میں نے (اپنے والد) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''محرم شخص نہ (خود کسی سے) نکاح کرے اور نہ کسی کا (کسی سے) نکاح کرے اور نہ ہی وہ نکاح کا پیغام بھیجے۔''

[772] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ: أَنَّ أَبَا غَطَفَانَ بْنَ طَرِيفٍ الْمُرِّيَّ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَاهُ طَرِيفًا تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَرَدَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نِكَاحَهُ.

حضرت ابوغطفان بن طَریف مُرّی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد طریف رحمہ اللہ نے ایک عورت سے اس حالت میں شادی کی کہ وہ محرم تھے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔

---

[771] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث: 1409، سنن ابي داود، كتاب المناسك، باب المحرم يتزوج، حديث: 1841، ترمذی: 840، نسائی: 2845، ابن ماجه: 1966، احمد: 1/ 57 (401)، دارمی: 1823.

[772] (موقوف ضعيف) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 66 (9162)، وفى معرفة السنن والآثار: 5/ 350 (4246) وفى الخلافيات: 3/ 186، الشافعى فى الام: 5/ 78، وفى المسند: 1/ 526۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[773] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ لَا يَنْكِحِ الْمُحْرِمُ، وَلَا يَخْطُبْ عَلَى نَفْسِهِ، وَلَا عَلَى غَيْرِهِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محرم نہ تو نکاح کرے اور نہ پیغام نکاح بھیجے، نہ اپنے لیے اور نہ ہی کسی اور کے لیے۔

[774] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلُوا عَنْ نِكَاحِ الْمُحْرِمِ؟ فَقَالُوا: لَا يَنْكِحِ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحْ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ (تین فقہائے مدینہ) سعید بن مسیب رحمہ اللہ، سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے محرم کے نکاح کے متعلق سوال کیا گیا تو سب نے کہا کہ محرم نہ (خود کسی سے) نکاح کرے اور نہ کسی کا (کسی سے) نکاح کرے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ الْمُحْرِمِ: إِنَّهُ يُرَاجِعُ امْرَأَتَهُ إِنْ شَاءَ، إِذَا كَانَتْ فِي عِدَّةٍ مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے محرم شخص کے متعلق فرمایا: بے شک وہ اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے جب کہ وہ اس کی طرف سے (ملنے والی طلاق کی) عدت میں ہو۔

فائدہ: ......پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ اگر یہ رجوع عدت کے دوران میں ہو تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں پڑے گی، ہاں عدت ختم ہونے کے بعد رجوع کرنا ہو تو نیا نکاح بھی کرنا پڑتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی رجعی طلاق شدہ بیوی کی عدت کے دوران میں حالت احرام میں رجوع کرنا چاہے تو درست ہے کیونکہ نہ نکاح کرنا پڑے گا اور نہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہوگی، ہاں اگر عدت گزر چکی ہو تو پھر حالت احرام میں رجوع حرام ہے کیونکہ اس صورت میں نکاح کی ضرورت ہے اور وہ محرم کے لیے جائز نہیں۔

23- بَابٌ: حِجَامَةُ الْمُحْرِمِ

محرم کو پچھنے لگانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی

---

[773] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 213 (14215)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 350 (4247)، الشافعي في الام: 5/ 78، وفي المسند :1/ 526، ابن ابي شيبه (ص 120-القسم المفقود)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[774] (مقطوع ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 213، وفي الخلافيات: 3/ 188، ابن ابي شيبه: 12974- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

موجود ہے اور ایک موقوف (اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......حالت احرام میں مختلف پابندیاں ہیں لیکن علاج وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں، ہاں اگر کسی طریقۂ علاج (مثلاً پچھنے لگانے) کے دوران میں جسم کے بال کاٹنا یا مونڈنا پڑیں تو پھر فدیہ (جرمانہ) ادا کرنا پڑے گا یعنی تین روزے یا چھ مسکینوں کو نصف نصف صاع کھانا کھلانا یا ایک بکری قربان کرنا۔ (بخاری: 1816، مسلم: 1201/ 84) کیونکہ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ (البقرة 2:196) ''پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوالے) تو فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔''

[775] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَوْقَ رَأْسِهِ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ بِلَحْيَيْ جَمَلٍ مَكَانٌ بِطَرِيقِ مَكَّةَ.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع میں) اپنے سر پر (سر کے درمیان میں) پچھنے لگوائے، اس حال میں کہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے اور اس وقت آپ ''لَحْيَيْ جَمَل'' جگہ پر تھے جو مکہ کے راستے پر ہے۔

فائدہ: ......بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کو دردِ شقیقہ تھی یعنی سر کی اگلی جانب اور دائیں جانب درد رہتا تھا۔ (بخاری: 5701) بعض میں ہے کہ آپ ﷺ کی ہڈی میں درد تھا۔ (نسائی: 2851) پھر بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ سر کے درمیان میں پچھنے لگواتے۔ (بخاری: 1836، مسلم: 1203) بعض میں ہے کہ پاؤں کی پشت پر سینگی لگوائی۔ (ابوداود: 1837، نسائی: 2852) بعض میں ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں پاؤں کی پشت پر پچھنے لگوائے۔ (مستدرك حاكم، زرقاني: 2/ 385۔ اس کی سند صحیح ہے) معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے متعدد بار پچھنے لگوائے تھے۔

[776] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے

---

[775] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب الحجامة للمحرم، حديث: 1836، 5698، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الحجامة للمحرم، حديث: 1203، نسائي: 5853، ابن ماجه: 3481، احمد: 5/ 345 (23312)، دارمي: 1820.

[776] (موقوف صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 4/ 34 (2883)، الشافعي في الام: 7/ 212، وفي المسند: 1/ 530۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ إِلَّا مِمَّا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ . تھے کہ محرم شخص سینگی نہ لگوائے، الا یہ کہ اس کی طرف مجبور ہو جائے، جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ . امام مالک ؒ نے فرمایا: حالت احرام والا شخص ضرورت کے بغیر پچھنے نہ لگوائے۔

فائدہ: ...... کیونکہ خون کے نکلنے سے کمزوری لاحق ہونے کا بھی خدشہ ہے جو اعمال حج کی ادائیگی میں مانع ہو سکتی ہے اور پھر سینگی لگوانے سے بال کاٹنے اور نتیجتاً کفارہ لازم آنے کی صورت بھی بن سکتی ہے۔

24- بَابٌ : مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ أَكْلُهُ مِنَ الصَّيْدِ

اس شکار کا بیان جسے کھانا محرم کے لیے جائز ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں سات روایات ہیں، تین مرفوع ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور چار موقوف ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور باقی صحیح ہیں، نیز امام مالک ؒ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ (المائدة 5:95) ''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ کرو اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (حالت احرام میں) اسے قتل کرے گا تو جو جانور اُس نے مارا ہو اُس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا۔'' نیز فرمایا: ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ (المائدة 5:96) ''تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، یہ تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے اور جب تک تم حالت احرام میں ہو تو تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔''

حالت احرام میں سمندر کا شکار کرنا، اسے کھانا، بیچنا اور خریدنا سب جائز ہے اور سمندری شکار سے مراد صرف وہ جانور ہیں جو پانی ہی میں رہتے ہوں اور پانی ہی میں انڈے یا بچے دیتے ہوں خواہ وہ کسی بھی شکل وصورت میں ہوں، خشکی وتری دونوں میں مشترکہ زندگی گزارنے والے جانور مراد نہیں ہیں، ہاں جو جانور پانی ہی میں رہتے ہوں اور کبھی کبھار ہی پانی سے باہر آتے ہوں تو وہ سمندر ہی کے شکار میں شامل ہیں۔ حالت احرام میں ممنوع صید (شکار) سے مراد صرف وہ خشکی پر رہنے والا جانور ہے جو (ا) وحشی ہو یعنی جنگل وصحراء کا رہائشی ہو اور (ب) ماکول اللحم ہو یعنی اُس کا گوشت کھانا حلال ہو، احناف کے ہاں ماکول اللحم کی شرط نہیں ہے، امام شافعی ؒ، امام احمد ؒ اور جمہور کے نزدیک ماکول اللحم ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اُسے حالت احرام میں حرام قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ احرام سے قبل حرام نہیں بلکہ

حلال ہوتا ہے، نیز جمہور کے نزدیک ہر وہ جانور جو وحشی نہ ہو بلکہ گھریلو ہو مثلاً اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا، مرغی، بطخ وغیرہ تو محرم اُسے ذبح کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں اپنے اونٹ نحر (قربان) کیے، اسی طرح ہر وہ جانور جس کا گوشت کھانا جائز نہ ہو، یعنی تمام حرام جانور تو انھیں قتل کرنا محرم کے لیے جائز ہے اور اس کے قتل پر جمہور کے ہاں کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا...... احناف کے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ ماکول اللحم جانور کا شکار تو حالت احرام میں بالاتفاق حرام ہے، البتہ غیر ماکول اللحم جانور دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو عام طور پر مُوذی اور ابتداءً حملہ آور ہوتے ہیں، مثلاً شیر، چیتا، تیندوا، ریچھ، بھیڑیا، مگرمچھ وغیرہ تو انھیں قتل کرنے پر کوئی فدیہ (جرمانہ) نہیں ہے، رہے وہ جانور جو انسانوں پر حملہ کرنے میں عموماً ابتدا نہیں کرتے مثلاً لومڑی، گیدڑ وغیرہ لیکن اگر وہ خود حملہ آور ہوں تو انھیں قتل کرنے پر کوئی جرمانہ نہیں بصورت دیگر جرمانہ عائد ہوگا، ہمارے نزدیک راجح موقف امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ والا ہے...... رہا وہ جانور جو ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے ملاپ سے پیدا ہو تو اکثر کے نزدیک اس کے قتل پر جرمانہ ہے۔

دو باتوں پر تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے: (1)-محرم نے جو شکار کیا وہ ہر کسی کے لیے حرام ہے اور (2)-کسی غیر محرم شخص نے کسی محرم کے کہنے پر، یا اس کے اشارے سے یا اس کے کسی قسم کے تعاون کے ساتھ شکار کیا وہ تو محرم کے لیے حرام اور غیر محرم کے لیے حلال ہے......ان کے علاوہ باقی صورتوں میں اختلاف ہے، چنانچہ (1)-بعض صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا جائز ہی نہیں خواہ غیر محرم نے اپنے لیے اُسے شکار کیا ہو لیکن یہ موقف مرجوح ہے۔(2)-غیر محرم نے محرم کی کسی قسم کی مدد، رہنمائی اور اشارے کے بغیر شکار کیا ہو تو ہر صورت میں محرم اسے کھا سکتا ہے خواہ غیر محرم نے اُسے کسی محرم کے لیے شکار کیا ہو یا اپنے لیے، یہ موقف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور احناف کا ہے اور کئی ایک صحابہ وتابعین سے بھی منقول ہے۔(3)-غیر محرم کا وہ شکار جو اس نے اپنے لیے کیا ہو اُسے کوئی بھی محرم کھا سکتا ہے، لیکن جو شکار کسی خاص احرام والے کے لیے کیا گیا ہو تو وہ خاص محرم اسے نہیں کھا سکتا، یہ موقف بھی متعدد صحابہ وتابعین سے مروی ہے اور جمہور اسی کے قائل ہیں جن میں امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث شامل ہیں۔ اس کے مختلف دلائل میں سے ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے لیے حالت احرام میں شکار کا گوشت حلال ہے، جب تک کہ تم نے خود اسے شکار نہ کیا ہو اور نہ ہی وہ تمھارے لیے شکار کیا گیا ہو۔'' (ابوداود: 1851، ترمذی: 846، نسائی: 2830، احمد: 3/ 362، حاکم: 1/ 452، ابن خزیمہ: 2641، ابن حبان: 980- امام حاکم رحمہ اللہ، ذہبی رحمہ اللہ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے اور علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے بڑی تفصیلی بحث سے اسے حسن یا صحیح ثابت کیا ہے۔ مرعاۃ المفاتیح: 9/ 234- 237)

[777] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ التَّيْمِيِّ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ، تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ، وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ، فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا، فَاسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ، فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ، فَأَبَوْا عَلَيْهِ، فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ، فَأَبَوْا فَأَخَذَهُ، ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبَى بَعْضُهُمْ، فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللَّهُ.

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے یہاں تک کہ جب لوگ مکہ کی راہ میں کسی جگہ پر تھے تو وہ (حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پیچھے رہ گئے جوکہ احرام باندھے ہوئے تھے اور وہ (حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) محرم نہیں تھے،انھوں (حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) نے ایک جنگلی گدھا (گورخر) دیکھا تو وہ اپنے گھوڑے پرسوار ہوگئے، پھرانھوں نے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ انھیں ان کا کوڑا پکڑا دیں لیکن انھوں نے اس پر انکار کردیا، پھرانھوں نے اُن سے اپنا نیزہ مانگا توانھوں نے انکار کردیا (نہ کوڑا پکڑایا، اور نہ ہی نیزہ)، چنانچہ انھوں نے (خود ہی نیچے اتر کر) اسے پکڑا، پھر گدھے پرحملہ کردیا اوراسے مار ڈالا، تو رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں سے کھالیا اور بعض نے انکار کردیا، پھر جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو پایا تو آپ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''یہ ایک (خاص) کھانا تھا جواللہ نے تمھیں کھلایا۔''

فائدہ: ...... یہ روایت صحیح بخاری میں تیرہ بار آئی ہے اور صحیح مسلم میں بھی بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے، اور بھی کتب حدیث میں موجود ہے۔ تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ 6ھ والے سفر میں حضرت ابوقتادہ (حارث بن ربعی انصاری) رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے، آپ ﷺ کا ارادہ بیت اللہ کا تھا (تاکہ عمرہ کریں)، جب آپ ذوالحلیفہ سے 36 میل دور رَوْحاء کے مقام تک پہنچے تو یہ اطلاع ملی کہ سمندر کی جانب (بنوغفار یا بنوثعلبہ کے علاقے میں موجود) وادی غیقہ میں کچھ دشمن موجود ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سمیت چند

[777] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ماقيل في الرماح، حديث: 2914، 1821–1824، 2570، 2854، 5407، 5490 – 5492، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب تحريم الصيد الماكول البري، حديث: 1196، ابوداؤد: 1852، ترمذي: 847، نسائي: 2818، ابن ماجه: 3093، احمد: 5/ 301 (22935)، دارمي: 1826.

صحابہ کو چنا اور فرمایا کہ تم ساحل سمندر کے راستے پر جا کر چلو، چنانچہ وہاں سے واپسی پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے سوا باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام باندھ لیا، راستے میں وادی قاحہ پر پہنچے تو وہاں شکار والا واقعہ پیش آیا، یہ جگہ سقیا نامی بستی سے ایک میل پیچھے تھی اور آپ ﷺ اس بستی میں پہنچ چکے تھے، سقیا بستی مدینہ منورہ سے تین مراحل یعنی 72 میل دور تھی......حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بیٹھا اپنا جوتا سی رہا تھا کہ میرے ساتھیوں کی نظر کچھ دور ایک ریوڑ پر پڑی، وہ ایک دوسرے کو دکھانے لگے اور گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے اور ہنسنے لگے، انھوں نے مجھے بالکل نہ بتایا، لیکن ان کا جی چاہ رہا تھا کہ میں چونکہ احرام میں نہ تھا اس لیے جانور دیکھ لوں، میں نے انھیں دیکھا تو پوچھا: کیا ہے؟ کہنے لگے کہ پتا نہیں، میں نے کہا کہ جنگلی گدھے لگتے ہیں، بولے کہ وہی محسوس ہوتے ہیں۔ میں گھوڑے پر زین رکھ کر سوار ہو گیا، میرا نیزہ اور کوڑا نیچے پڑے ہوئے تھے، میں نے اُن سے کہا کہ مجھے یہ چیزیں پکڑا دو لیکن وہ میرا ارادہ بھانپ کر کہنے لگے کہ واللہ! ہم محرم ہیں، ہم تمھاری کوئی مدد نہیں کریں گے، مجھے غصہ تو آیا لیکن خیر نیچے اُتر کر خود ہی ہتھیار پکڑے اور گھوڑا دوڑا دیا اور جنگلی گدھوں پر حملہ کر دیا، وہ بھاگ اٹھے۔ میں نے ایک ٹیلے کے پیچھے ایک جنگلی گدھی کو پالیا اور اس پر حملہ کر کے زخمی کر دیا، میں واپس آیا اور ساتھیوں سے کہا کہ آؤ اُسے اٹھا لائیں لیکن وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ ہم تو اُسے چھوئیں گے بھی نہیں، میں گیا، وہ جانور ٹھنڈا ہو چکا تھا، میں نے اُسے اٹھا لیا، کچھ ساتھیوں نے اس کا گوشت کھایا، کچھ نے پرہیز کیا، جنھوں نے کھایا وہ بھی بعد میں شک میں پڑ گئے، اِدھر ہمیں خطرہ لاحق ہوا کہ ہم باقی لشکر سے پیچھے ہیں، کہیں ہم پر حملہ نہ ہو جائے، میں نے ہمت کی اور گھوڑے کو کبھی تیز اور کبھی آہستہ بھگاتا آگے بڑھ گیا، رات کے وقت ایک غفاری شخص کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ سقیا نامی مقام پر قیلولہ فرما رہے تھے، میں وہاں پہنچ گیا، ساتھیوں کی طرف سے سلام بھی کہا اور ان کے یہاں پہنچنے تک انتظار کی درخواست بھی کی، پھر جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا، اِدھر ساتھی بھی پہنچ گئے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے اسے اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا یا اشارہ کیا تھا یا کسی قسم کی شرکت و معاونت کی تھی؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، تو فرمایا: ''اس میں سے کچھ بچا ہوا ہے؟'' انھوں نے کہا کہ جی ہاں، تو فرمایا: اسے کھا لو، یہ اللہ کی طرف سے خاص کھانا ہے، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے پاس اس جانور کی ٹانگ باقی ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کندھے اور کہنی کے درمیان کا گوشت چھپا رکھا تھا، بہرحال آپ ﷺ نے اسے پکڑا اور تناول فرمایا حتی کہ مبارک دانتوں کے ساتھ ہڈی سے گوشت نوچا (کھایا)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی عرض کیا کہ حضور! میں نے اسے آپ ﷺ کے لیے شکار کیا تھا تو آپ نے یہ سن کر نہ کھایا اور ساتھیوں کو کھانے کا کہہ دیا۔ (ابن ماجہ: 3093، احمد: 5/ 304، بیہقی: 5/ 190، عبدالرزاق: 4/ 430، ابن خزیمہ، دارقطنی۔ اس کی سند صحیح ہے) امام ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ اس کا گوشت آپ ﷺ نے پہلے تو کھا لیا تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اُسے خاص آپ ﷺ کے لیے شکار کیا گیا تھا تو پھر خود نہ کھایا اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کا حکم دے

دیا۔ رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے احرام کیوں نہیں باندھا تھا تو اس کی مختلف توجیہات منقول ہیں، مثلاً 1- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی بطور محافظ ساتھ شامل تھے تاکہ دشمن کے متعلق کہیں سے خبر ملے تو انھیں ادھر بھیج دیا جائے۔ 2- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا عمرے کا قصد ہی نہ تھا۔ 3- یہ واقعہ مواقیت مقرر ہونے سے پہلے کا ہے۔ 4- ابن حبان رحمہ اللہ، بزار رحمہ اللہ اور طحاوی رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں زکاۃ اکٹھی کرنے پر مقرر کیا ہوا تھا، چونکہ راستہ ایک ہی تھا اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ساتھ ہی نکل پڑے اور راستے میں دشمن کی طرف بھی جانا پڑ گیا، واللہ اعلم بالصواب۔

[778] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ كَانَ يَتَزَوَّدُ صَفِيفَ الظِّبَاءِ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ (اُن کے والد) حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہرنیوں کے خشک کیے ہوئے گوشت کے ٹکڑے حالت احرام میں زاد راہ کے طور پر ساتھ رکھتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالصَّفِيفُ الْقَدِيدُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (روایت کے لفظ) "صَفِيْف" سے مراد قَدِید ہے۔

فائدہ: ......صفیف یا قدید گوشت کے ان لمبے لمبے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جو خشک کرنے کے لیے دھوپ میں رکھے جائیں یا آگ یا پتھر پر رکھ کر بھونیں جائیں، مقصد یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار کرنا تو درست نہیں لیکن پہلے سے شکار شدہ گوشت حالت احرام میں کھایا جا سکتا ہے، جمہور کے نزدیک اس میں شرط یہ ہے کہ یہ گوشت خاص احرام والے سفر کی نیت سے خشک نہ کیا گیا ہو۔

[779] وَحَدَّثَنِي، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ فِي الْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي النَّضْرِ، إِلَّا أَنَّ فِي حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں عطاء بن یسار رحمہ اللہ نے جنگلی گدھے کے متعلق حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح ہی بیان کیا جو (اس باب کی پہلی حدیث میں امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) ابونضر رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے، سوائے اس کے کہ زید بن اسلم رحمہ اللہ کی (اس) روایت میں

---

[778] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 189 (9915)، عبدالرزاق: 4/ 434 (8348)، ابن ابی شیبه: 3/ 294 (14464)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[779] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ماجاء فی التصید، حدیث: 5491، جامع الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی اکل الصید للمحرم، حدیث: 848، مسند احمد: 5/ 301 (22936).

یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''کیا تمھارے پاس اس گدھے کے گوشت میں سے کچھ ہے؟''

فائدہ: ...... چنانچہ آپ ﷺ کو ران کا گوشت پیش کیا گیا جس کے متعلق ایک روایت میں "رِجـــل" (ٹانگ) کا لفظ ہے جسے لے کر آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔ (بخاری: 2854، مسلم: 1196/ 63) ایک روایت میں "عَضُد" (کندھے اور کہنی کے درمیان کا گوشت، جانوروں میں یہ لفظ ران کے لیے مستعمل ہے)، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے اپنے دندان مبارک سے نوچ کر کھایا۔ (بخاری:2570) بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خود بھی کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ۔'' (احمد، ابوداود طیالسی بحواله زرقانی: 2/ 388) بعض روایات میں ہے کہ جب آپ ﷺ کو یہ پتا چلا کہ آپ ہی کے لیے اسے شکار کیا گیا تھا تو آپ نے نہ کھایا۔ (ابن ماجه: 3093، دارقطنی، ابن خزیمه، بیهقی۔ اس کی سند صحیح ہے) بعض علماء نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے، بعض نے یہ تطبیق دی ہے کہ پہلے تو آپ ﷺ نے اسے کھایا، پھر بعد میں جب معلوم ہوا کہ اسے آپ ہی کے لیے شکار کیا گیا ہے تو مزید بچا ہوا گوشت نہ کھایا، امام نووی رحمہ اللہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ یہ جدا جدا دو واقعات ہیں۔ (المجموع شرح المهذب)

[780] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيُّ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَلَمَةَ الضَّمْرِيِّ، عَنِ الْبَهْزِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ يُرِيدُ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالرَّوْحَاءِ، إِذَا حِمَارٌ وَحْشِيٌّ عَقِيرٌ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: دَعُوهُ، فَإِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ صَاحِبُهُ. فَجَاءَ الْبَهْزِيُّ وَهُوَ صَاحِبُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَأْنَكُمْ بِهَذَا الْحِمَارِ. فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

حضرت (زید بن کعب) بہزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ (حجۃ الوداع کے لیے) مکہ کا ارادہ کرتے ہوئے اس حال میں نکلے کہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ روحاء کے مقام پر پہنچے تو اچانک (وہاں) ایک زخمی جنگلی گدھا (موجود) تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُسے چھوڑ دو، کیونکہ یقیناً امید ہے کہ اس (کو زخمی کرنے والا اس) کا مالک آ ہی جائے۔'' تو حضرت بہزی رضی اللہ عنہ جو کہ اس کے مالک تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس گدھے کے متعلق اپنے معاملے کو لازم

[780] (مرفوع صحيح) سنن النسائى، كتاب مناسك الحج، باب مايجوز للمحرم اكله من الصيد، حديث: 2820، احمد: 3/ 452 (15836)، عبدالرزاق: 4/ 431 (8339)، ابن حبان: 11/ 511 (5111)، بيهقى: 6/ 171۔ شیخ سلیم ہلالی نے نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے، سنن النسائى: 2642۔

أَبَا بَكْرٍ فَقَسَمَهُ بَيْنَ الرِّفَاقِ، ثُمَّ مَضَى حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْأُثَايَةِ - بَيْنَ الرُّوَيْثَةِ وَالْعَرْجِ - إِذَا ظَبْيٌ حَاقِفٌ فِي ظِلٍّ فِيهِ سَهْمٌ، فَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يَقِفَ عِنْدَهُ، لَا يَرِيبُهُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ حَتَّى يُجَاوِزَهُ.

پکڑیں (میں اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کر رہا ہوں۔ اب آپ جو چاہیں اس کے متعلق فیصلہ فرما دیجیے) چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انھوں نے اسے (یعنی اس کے گوشت کو) سفر کے سب رفقاء کے درمیان تقسیم کر دیا، پھر آپ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ جب اُثایا نامی جگہ پر پہنچے جو کہ رُوَیثہ اور عرج کے درمیان میں ہے تو اچانک ایک ہرن اپنا سر جھکائے (اپنی ٹانگوں میں منہ ڈالے ہوئے) سائے میں (کھڑا) تھا، اس میں ایک تیر (بھی پیوست) تھا، حضرت بہزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ اس کے پاس کھڑا رہے (تاکہ) لوگوں میں سے کوئی بھی اسے نہ چھیڑے یہاں تک کہ وہ سب اس کے پاس سے آگے گزر جائیں۔

فائدہ: ......کیونکہ محرم کے لیے شکار کو بھگانا درست نہیں، الغرض کسی قسم کا تعاون کرنا بھی ممنوع ہے۔

[781] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ أَقْبَلَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالرَّبَذَةِ وَجَدَ رَكْبًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ مُحْرِمِينَ، فَسَأَلُوهُ عَنْ لَحْمِ صَيْدٍ وَجَدُوهُ عِنْدَ أَهْلِ الرَّبَذَةِ، فَأَمَرَهُمْ بِأَكْلِهِ قَالَ: ثُمَّ إِنِّي شَكَكْتُ فِيمَا أَمَرْتُهُمْ بِهِ، فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ عُمَرُ: مَاذَا أَمَرْتَهُمْ بِهِ؟ فَقَالَ: أَمَرْتُهُمْ بِأَكْلِهِ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَوْ أَمَرْتَهُمْ بِغَيْرِ ذَلِكَ لَفَعَلْتُ بِكَ. يَتَوَاعَدُهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بحرین سے (مدینہ کی طرف) روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ (مدینہ کے قریب) رَبَذَہ مقام پر پہنچے تو اہل عراق کے ایک شتر سوار قافلے کو (وہاں) پایا جو حالت احرام میں تھے، انھوں نے آپ سے شکار کے گوشت کے متعلق سوال کیا جسے انھوں نے ربذہ کے (رہنے) والوں کے پاس پایا تھا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اسے کھا لینے کا حکم دے دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر یقیناً مجھے اس میں شک سا گزرا جو میں نے انھیں حکم دیا تھا، چنانچہ جب میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے فرمایا کہ تم نے انھیں کیا حکم دیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ میں نے انھیں اسے کھا لینے کا حکم دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر تم نے انھیں اس کے

[781] (موقوف صحيح) بيهقى: 9/ 254، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 2/ 174، عبدالرزاق: 8342، 8344، ابن ابى شيبه: 14463۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

علاوہ کوئی اور حکم دیا ہوتا تو میں تمھارے ساتھ (ایسا ایسا) کرتا، وہ اس لفظ کے ساتھ انھیں ڈرا رہے تھے۔

[782] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ: أَنَّهُ مَرَّ بِهِ قَوْمٌ مُحْرِمُونَ بِالرَّبَذَةِ، فَاسْتَفْتَوْهُ فِي لَحْمِ صَيْدٍ، وَجَدُوا نَاساً أَحِلَّةً يَأْكُلُونَهُ، فَأَفْتَاهُمْ بِأَكْلِهِ، قَالَ: ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: بِمَ أَفْتَيْتَهُمْ؟ قَالَ: فَقُلْتُ أَفْتَيْتُهُمْ بِأَكْلِهِ. قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: لَوْ أَفْتَيْتَهُمْ بِغَيْرِ ذَلِكَ لأَوْجَعْتُكَ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سنا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بیان فرما رہے تھے کہ بے شک اُن کے پاس سے ربذہ کے مقام پر کچھ لوگ گزرے، انھوں نے آپ سے اس شکار کے گوشت کے بارے میں فتویٰ طلب کیا کہ انھوں نے کچھ غیرمحرم لوگوں کو اسے کھاتے ہوئے پایا تھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں اسے کھا لینے کا فتویٰ دے دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آیا تو میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے پوچھا کہ تم نے انھیں کیا فتویٰ دیا تھا؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں نے انھیں اسے کھا لینے کا فتویٰ دیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تم نے انھیں اس کے علاوہ فتویٰ دیا ہوتا تو میں ضرور تمھیں سزا دیتا۔

فائدہ: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ مسئلہ مشہور و معروف ہے، ہزاروں لوگوں کے مجمع میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر شکار کا گوشت محرم لوگوں میں تقسیم کروایا تھا، اسی لیے انھوں نے ذرا سرزنش والا انداز اپنایا ورنہ مجتہد پر کوئی ملامت نہیں کی جاتی۔

[783] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ كَعْبَ الأَحْبَارِ أَقْبَلَ مِنَ الشَّامِ فِي رَكْبٍ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ وَجَدُوا لَحْمَ صَيْدٍ، فَأَفْتَاهُمْ كَعْبٌ بِأَكْلِهِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کعب احبار رحمہ اللہ ایک شتر سوار قافلے میں ملک شام سے روانہ ہوئے، وہ سب (اہل قافلہ) حالت احرام میں تھے، یہاں تک کہ جب وہ راستے میں (مدینہ کے پاس سے گزرنے سے بھی پہلے) کسی جگہ پر تھے تو انھوں نے وہاں شکار کا گوشت پالیا، کعب رحمہ اللہ

[782] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 189، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 174۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[783] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 4/ 435 (8350)، بیهقی: 5/ 189، ابن ابی شیبه: 24570۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِالْمَدِينَةِ ذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ ، فَقَالَ : مَنْ أَفْتَاكُمْ بِهَذَا ؟ قَالُوا : كَعْبٌ . قَالَ : فَإِنِّي قَدْ أَمَّرْتُهُ عَلَيْكُمْ حَتَّى تَرْجِعُوا ، ثُمَّ لَمَّا كَانُوا بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ ، مَرَّتْ بِهِمْ رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ ، فَأَفْتَاهُمْ كَعْبٌ أَنْ يَأْخُذُوهُ فَيَأْكُلُوهُ ، فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ذَكَرُوا لَهُ ذَلِكَ ، فَقَالَ : مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ تُفْتِيَهُمْ بِهَذَا ؟ قَالَ : هُوَ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ . قَالَ: وَمَا يُدْرِيكَ ؟ قَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، إِنْ هِيَ إِلَّا نَثْرَةُ حُوتٍ ، يَنْثُرُهُ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّتَيْنِ .

نے انھیں اسے کھالینے کا فتویٰ دے دیا۔عطاء بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر جب وہ مدینہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ان کے سامنے اس کا تذکرہ کیا،انھوں نے پوچھا کہ کس نے تمھیں یہ فتویٰ دیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ کعب رحمہ اللہ نے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یقیناً میں نے اسے تم پر امیر مقرر کردیا ہے یہاں تک کہ تم (یہاں سے مکہ جاکر حج سے فارغ ہوکر پھر میرے پاس)لوٹ آؤ (تاکہ یہ تمھارے امام اور مفتی بنے رہیں)، پھر (مدینہ سے آگے مکہ کی طرف جاتے ہوئے)جب وہ مکہ کے راستے میں کسی جگہ پر تھے تو ان کے پاس سے ٹڈیوں کا لشکر (ٹڈی دل) گزرا، تو کعب احبار رحمہ اللہ نے انھیں حکم دیا کہ انھیں پکڑو اور کھالو۔عطاء بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر جب وہ (اہل قافلہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس (واپسی کے سفر میں) آئے تو انھوں نے ان کے سامنے اس (ٹڈیوں کے واقعے) کا تذکرہ کیا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (کعب رحمہ اللہ سے) پوچھا:تمھیں کس چیز نے آمادہ کیا کہ تم نے انھیں یہ فتویٰ دے دیا؟ تو وہ کہنے لگے کہ یہ سمندر کا شکار ہے(اور سمندر کا شکار محرم کے لیے جائز ہے)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمھیں (یہ) کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہنے لگے کہ اے امیر المومنین!اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ ٹڈی دل مچھلی کی چھینک کے سوا کچھ نہیں جسے وہ ہر سال دوبار چھینک مار کر نکالتی ہے۔

فائدہ :......کعب احبار رحمہ اللہ کا اس فتویٰ سے رجوع بھی ثابت ہے،چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کی صحیح یا حسن درجے کی سند والی ایک روایت میں ہے کہ کعب احبار رحمہ اللہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بیت المقدس سے عمرے کے لیے آئے،راستے میں کعب احبار رحمہ اللہ نے دوٹڈیوں کو مارڈالا، پھر کفارے میں دو درہم ادا کیے۔(زرقانی: 2/ 392) ٹڈی دل کا مچھلی میں سے ہونا یا سمندر کا شکار ہونا بعض احادیث میں بھی مروی ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی، نیز ان کی طرف سے کفارے کی ادائیگی یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ خشکی کا شکار ہے......یاد رہے کہ اگر ٹڈیوں کا لشکر اس قدر کثرت سے گزرے کہ ان میں سے کوئی ٹڈی خود بخود وہی پاؤں کے نیچے آکر مر جائے تو پھر کفارہ نہیں ہوگا......ملک شام مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ہے،شام سے مکہ آتے ہوئے راستے میں مدینہ آتا ہے۔شامی قافلے مکہ کو جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے عموماً مدینہ میں پڑاؤ کرتے ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّا يُوجَدُ مِنْ لُحُومِ الصَّيْدِ عَلَى الطَّرِيقِ، هَلْ يَبْتَاعُهُ الْمُحْرِمُ ؟ فَقَالَ : أَمَّا مَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ يُعْتَرَضُ بِهِ الْحَاجُّ، وَمِنْ أَجْلِهِمْ صِيدَ، فَإِنِّي أَكْرَهُهُ وَأَنْهَى عَنْهُ، فَأَمَّا أَنْ يَكُونَ عِنْدَ رَجُلٍ لَمْ يُرِدْ بِهِ الْمُحْرِمِينَ، فَوَجَدَهُ مُحْرِمٌ فَابْتَاعَهُ، فَلَا بَأْسَ بِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے شکار کے اس (مختلف قسم کے) گوشت کے متعلق سوال کیا گیا جو (حاجیوں کے) راستے میں پایا جائے، کیا محرم اُسے خرید سکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: رہا اُن میں سے وہ گوشت جو صرف حاجیوں کے لیے شکار کیا گیا ہو اور انھی (کو بیچنے) کے لیے اُسے شکار کیا گیا ہو تو میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور (احرام والوں کو) اُس (کو خریدنے اور کھانے) سے منع کرتا ہوں اور رہا وہ (گوشت) جو کسی ایسے شخص کے پاس ہو جس نے (خاص) احرام باندھنے والوں (کو بیچنے یا کھلانے) کا ارادہ نہ کیا ہو، پھر اسے کوئی محرم پالے، پھر اُسے خرید لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ أَحْرَمَ وَعِنْدَهُ صَيْدٌ قَدْ صَادَهُ أَوِ ابْتَاعَهُ : فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ، وَلَا بَأْسَ أَنْ يَجْعَلَهُ عِنْدَ أَهْلِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اُس شخص کے متعلق فرمایا جس نے احرام باندھا اور (اس وقت) اس کے پاس شکار موجود تھا جسے اُس نے (احرام باندھنے سے پہلے) شکار کیا تھا یا خریدا تھا تو اس پر لازم نہیں کہ وہ اس (شکار شدہ زندہ جانور) کو چھوڑ دے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اسے اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑ جائے۔

فائدہ :......شکار شدہ جانور یا تو آدمی کے ہاتھ میں ہو سکتا ہے یا پنجرے میں یا گھر میں، یہ سب چیزیں اس شکار پر آدمی کی ملکیت ظاہر کرتی ہیں، جمہور علماء وفقہائے کرام کا موقف یہ ہے کہ اگر تو حالت احرام میں یہ شکار پکڑا ہو، خواہ مواقیت سے پہلے یا ان سے گزر کر تو ہر صورت میں اس پر یہ واجب ہے کہ اُسے آزاد کر دے، وہ اس پر کسی صورت میں اپنی ملکیت قائم نہیں رکھ سکتا، رہا وہ جانور جسے اُس نے احرام باندھنے سے قبل حرم سے باہر شکار کیا، پھر احرام باندھا تو احرام باندھنے سے اُس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، البتہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے نہیں پکڑ سکتا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي صَيْدِ الْحِيتَانِ فِي الْبَحْرِ وَالْأَنْهَارِ وَالْبِرَكِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ : إِنَّهُ حَلَالٌ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَصْطَادَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے سمندر، دریاؤں (نہروں)، حوضوں (تالابوں) میں موجود مچھلیوں اور جو ان کے مشابہ جانور ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ بلاشبہ محرم کے لیے حلال ہے کہ ان کا شکار کرے۔

فائدہ :......(وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ) ''اور جو ان کے مشابہ جانور ہیں'' میں یا تو مچھلیوں کی طرف اشارہ ہے یا پانی کی طرف، پہلی صورت میں یہ مفہوم ہے کہ امام مالک نے پانی میں رہنے والی مچھلیوں اور ان جیسے دوسرے جانور جن

کی زندگی کا انحصار صرف پانی پر ہو مثلاً کیکڑا اور پانی میں رہنے والا کچھوا وغیرہ، توان سب کے متعلق فرمایا کہ یہ سمندر کا شکار ہے اور محرم کے لیے انھیں پکڑنا جائز ہے......دوسری صورت میں مفہوم یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ تو صرف مچھلیوں کے بارے میں دیا ہے، خواہ وہ کہیں بھی رہتی ہوں مثلاً سمندروں، نہروں اور حوضوں میں یا ان کے مشابہ دوسری جگہوں میں، مثلاً جھیلوں، ندیوں، نالوں، کھالوں، کنوؤں، تالابوں، چشموں، آبشاروں وغیرہ میں۔

25- بَابٌ: مَا لَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ أَكْلُهُ مِنَ الصَّيْدِ

اس شکار کا بیان جسے کھانا محرم کے لیے جائز نہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع اور دو موقوف جو سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[784] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ، أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حِمَاراً وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا فِي وَجْهِي قَالَ: إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ.

حضرت صَعْب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک جنگلی گدھا ہدیے میں پیش کیا، اس حال میں کہ آپ ﷺ ابواء یا ودان نامی جگہ پر تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے وہ انھیں واپس کر دیا، حضرت صعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے وہ (ملال اور پریشانی کی) کیفیت دیکھی جو میرے چہرے میں تھی تو فرمایا: ''یقیناً ہم نے اسے تم پر (کسی اور وجہ سے) نہیں لوٹایا مگر صرف اس وجہ سے کہ بے شک ہم حالت احرام میں ہیں۔''

فائدہ: ......بعض روایات میں یہ وضاحت ہے کہ گوشت پیش کیا گیا تھا، چنانچہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ کی اپنی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((اَهْدَيْتُ لَهُ مِنْ لَحْمِ حِمَارِ وَحْشٍ)) ''میں نے آپ کو جنگلی گدھے کا گوشت ہدیہ کیا۔'' (مسلم: 1193/ 52) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک جانب پیش کی، بعض راویوں نے مزید وضاحت سے یہ لفظ بولا کہ ''ٹانگ'' پیش کی، اور بعض نے مزید وضاحت سے یہ لفظ بیان کیے ہیں: ((عَجُزَ حِمَارِ وَحْشٍ يَقْطُرُ دَمًا)) ''جنگلی گدھے کا سُرین (پیش کیا) جس سے خون بہہ

[784] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب اذا اهدى للمحرم حمارا وحشيا حيا لم يقبل، حديث: 1825، 2573، 2596، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب تحريم الصيد الماكول البرى، حديث: 1193، ترمذی: 849، نسائی: 2821، ابن ماجه: 3090، احمد: 3/ 38(16537)، دارمی: 1830.

رہا تھا۔'' (مسلم: 1194/ 54) اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو شکار کے گوشت کا ایک عضو پیش کیا گیا۔ (مسلم: 1195)۔

ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے اور یہ جُحفہ سے 23 میل پہلے مدینہ کی جانب ہے اور ودان تو جُحفہ سے صرف آٹھ میل پہلے ہے......اس حدیث مبارکہ میں تین اہم بحثیں ہیں: 1- جانور زندہ تھا یا ذبح شدہ؟ کیا یہ مکمل زندہ جانور تھا یا ذبح شدہ گوشت؟ چنانچہ بعض علماء نے امام مالک رحمہ اللہ کی روایت کے لفظ "حِمَارًا" سے زندہ جانور مراد لے کر اسے صحیح مسلم کی روایات کے متعارض قرار دیا ہے جن میں گوشت وغیرہ کے الفاظ ہیں، پھر انھوں نے اس تعارض کا حل تطبیق یا ترجیح سے کیا ہے، چنانچہ i- امام شافعی، امام بخاری، امام ترمذی، امام بیہقی، ابن حجر، البانی (شارح موطا) اور ابن العربی رحمہ اللہ وغیرہ نے امام مالک رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دے کر یہ کہا ہے کہ وہ زندہ جانور تھا، امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث: 1825 پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔'' جب کوئی شخص محرم کو زندہ جنگلی گدھا دے تو وہ قبول نہ کرے۔'' ii- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کے برعکس گوشت والی روایات کو راجح قرار دیا ہے۔ iii- بعض علماء مثلاً ابن قیم رحمہ اللہ، ابن ہمام رحمہ اللہ اور زرقانی رحمہ اللہ وغیرہ نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرتے ہوئے یہ تطبیق دی ہے کہ پیش تو گوشت ہی کیا گیا تھا اور "حِمَارًا" (گدھا) کا لفظ مجازاً بولا گیا ہے یعنی کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے۔ iv- امام قرطبی رحمہ اللہ نے تطبیق دیتے ہوئے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ ذبح شدہ مکمل جانور لائے تھے، پھر انھوں نے اس کا گوشت کاٹ کر خدمت نبوی ﷺ میں پیش کیا، چنانچہ جس نے "حِمَارًا" کا لفظ بولا تو اس نے مکمل ذبح شدہ جانور مراد لیا ہے اور جنھوں نے گوشت کا لفظ بولا انھوں نے صرف خدمت نبوی ﷺ میں پیش کردہ چیز مراد لی ہے۔ v- امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ پہلے پہل وہ زندہ جانور لائے، جب آپ ﷺ نے اُسے واپس کر دیا تو وہ اس کا گوشت کاٹ کر لے آئے لیکن آپ ﷺ نے اُسے بھی رد کر دیا۔ vi- ابن بطال رحمہ اللہ نے اس سے متعدد واقعات مراد لیے ہیں، ہمارے نزدیک ان میں سے تیسرا حل راجح ہے، واللہ اعلم۔ 2- ہدیہ قبول ہوا یا نہیں؟ عام روایات میں یہ ہدیہ قبول نہ کیے جانے کا ذکر ہے مگر بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے جُحفہ کے مقام پر جنگلی گدھے کا سرین خدمت نبوی ﷺ میں ہدیہ کیا تو آپ ﷺ نے اس سے خود بھی کھایا اور لوگوں نے بھی کھایا۔ (بیہقی: 5/ 193۔ اس کی سند حسن ہے۔) امام بیہقی نے خود ہی یوں تطبیق دی ہے کہ اگر یہ روایت بھی محفوظ ہو تو ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زندہ جانور کو رد کر دیا ہو اور گوشت کو قبول کر لیا ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر یہ ساری سندوں والی روایات محفوظ ہوں تو پھر ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار زندہ جانور کو اس لیے رد کیا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے شکار کیا گیا تھا، دوسری بار اس کا گوشت بھی اسی وجہ سے رد کیا اور تیسری بار گوشت قبول فرمایا، یہ جان کر کہ وہ خاص آپ ﷺ ہی کے لیے شکار نہیں کیا گیا تھا......حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ممکن ہے کہ یہ ہدیہ رد کرنے کا معاملہ مکہ کی طرف جاتے

ہوئے پیش آیا کیونکہ اس وقت آپ ﷺ محرم تھے اور یہ واقعہ ابواء یا ودان نامی جگہ میں پیش آیا جبکہ قبول کرنے کا واقعہ مکہ سے واپسی پر جحفہ میں رونما پذیر ہوا کیونکہ اس وقت آپ ﷺ محرم نہ تھے، علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس آخری تطبیق کو راجح قرار دیا ہے۔ (زرقانی: 2/ 395، مرعاة: 9/ 216)، 3۔محرم کے لیے شکار کھانا کیسا ہے؟ موطا والی روایت سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو محرم کے لیے شکار کھانا ہر صورت میں حرام سمجھتے ہیں خواہ وہ محرم کے لیے کیا گیا ہو یا نہ......لیکن جمہور نے مختلف روایات کے ساتھ تطبیق دینے کے لیے اس روایت کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ شکار محرم لوگوں کے لیے کیا گیا تھا اسی لیے قبول نہ کیا گیا ورنہ اگر ہر صورت میں ممانعت ہوتی تو حضرت بہزی رضی اللہ عنہ والی روایت (موطا: 779) میں آپ ﷺ لوگوں کے مابین شکار کا گوشت تقسیم نہ کرواتے، احناف کے لیے یہ روایت دردِسر ہے کیونکہ وہ تو کہتے ہیں کہ شکار خواہ محرم کے لیے ہی کیا گیا ہو تب بھی جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی اس روایت کو مضطرب قرار دیتے ہیں، کبھی مرجوح کہتے ہیں، کبھی سد ذرائع پر محمول کرتے ہیں اور کبھی اس سے زندہ جانور مراد لیتے ہیں۔

[785] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِالْعَرْجِ، وَهُوَ مُحْرِمٌ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ، قَدْ غَطَّى وَجْهَهُ بِقَطِيفَةِ أُرْجُوَانٍ، ثُمَّ أُتِيَ بِلَحْمِ صَيْدٍ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: كُلُوا. فَقَالُوا: أَوَلَا تَأْكُلُ أَنْتَ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنَّمَا صِيدَ مِنْ أَجْلِي.

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ''عرج'' مقام پر دیکھا وہ اس وقت سخت گرم دن میں احرام باندھے ہوئے تھے، انھوں نے اپنا چہرہ ارغوانی (گہرے سرخ) رنگ کی جھالردار اُونی چادر سے ڈھانپ رکھا تھا، پھر ان کے پاس شکار کا گوشت لایا گیا تو انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم اسے کھالو، انھوں نے عرض کیا کہ آپ نہیں کھائیں گے؟ وہ فرمانے لگے: یقیناً میں تم جیسا نہیں ہوں، بلاشبہ یہ تو شکار ہی میری وجہ سے کیا گیا ہے۔

فائدہ:......یعنی میں چونکہ خلیفہ ہوں اس لیے یہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے یا محض میری عزت افزائی کے لیے شکار کیا گیا ہے......رہا مسئلہ کہ اگر کوئی شکار کسی خاص محرم کے لیے کیا گیا ہو، وہ خاص اُس کے لیے تو حرام ہے، کیا وہ دوسرے محرم افراد کے لیے جائز ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی کے قائل تھے، اور یہی راجح ہے کیونکہ مسند احمد (5/304)، بیہقی (5/190)، عبدالرزاق (4/430)، دارقطنی اور ابن خزیمہ کی صحیح روایت میں ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ میں نے یہ شکار آپ کے لیے کیا تھا تو آپ ﷺ نے خود نہ کھایا اور صحابہ

[785] (موقوف صحيح) الشافعي في المسند: 1/ 536، وفي الام: 7/ 241، بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 54، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 200(3189)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

کو دے کر فرمایا کہ وہ اسے کھالیں......بہر حال موالک کے مشہور قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول کے برعکس) یہ موقف رکھتے تھے کہ ہر وہ شکار جو کسی متعین محرم کے لیے ہو یا غیر متعین محرم کے لیے اسے بالکل نہیں کھایا جائے گا......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بیان کرنے والے راوی کا نام متعدد نسخوں میں عبدالرحمٰن ہے مثلاً ہندی نسخہ، زُرقانی کا متن (2/396) اور المعجم المفهرس لالفاظ الحديث (8/174) میں بھی اسی کا تذکرہ ہے لیکن دیگر متعدد نسخوں میں راوی کا نام عبدالرحمٰن بن عامر مذکور ہے، مثلاً شرح زرقانی (2/396)، موطا مع تخریج شیخ سلیم ہلالی (2/462)، واللہ اعلم۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اسعاف المبطا برجال الموطا میں صرف عبداللہ بن عامر کا ذکر کیا ہے، عبدالرحمٰن بن عامر کا نہیں۔

[786] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ لَهُ: يَا ابْنَ أُخْتِي، إِنَّمَا هِيَ عَشْرُ لَيَالٍ، فَإِنْ تَخَلَّجَ فِي نَفْسِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ. تَعْنِي أَكْلَ لَحْمِ الصَّيْدِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے (عروہ رحمہ اللہ سے) کہا: اے میرے بھتیجے: یقیناً یہ تو صرف اور صرف دس راتیں ہیں، لہٰذا اگر تمھارے دل میں کوئی چیز کھٹکے تو اسے چھوڑ دو، وہ شکار کا گوشت کھانا مراد لے رہی تھیں۔

فائدہ: ......یعنی تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ شک و شبہ والی چیز، کام اور معاملے سے پرہیز کیا جائے اور یہ گوشت کی پابندی والا معاملہ کوئی لمبے عرصے کا تو نہیں ہے، اگر ذوالحج کے آغاز میں احرام باندھا ہو تو صرف دس دن بعد کھل جائے گا، اگر آٹھ ذوالحج کو احرام باندھا تو صرف تین دن بعد کھل جائے گا، لہٰذا اس عرصے میں اگر ہر قسم کے شکار کے گوشت سے پرہیز کر لیا جائے تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں، کوئی اجازت دیتا تو کوئی منع کرتا، اس لیے کئی لوگ شک میں رہتے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے شک والے معاملے کا بہترین حل بتایا ہے......ہاں اگر کسی شخص کو یقینی علم حاصل ہو جائے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات سے قطعی ثبوت مل جائے تو پھر ان کی روشنی میں اسے کھالینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ الْمُحْرِمِ يُصَادُ مِنْ أَجْلِهِ صَيْدٌ، فَيُصْنَعُ لَهُ ذَلِكَ الصَّيْدُ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ مِنْ أَجْلِهِ صِيدَ: فَإِنَّ عَلَيْهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس محرم شخص کے متعلق فرمایا جس کی خاطر کوئی شکار کیا جائے، پھر اس شکار (کے گوشت) کو اس کے لیے تیار کیا جائے، چنانچہ وہ اس سے کچھ کھالے، اس

[786] (موقوف صحيح) بيهقي: 5/ 194 (9940)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے

جَزَاءَ ذَلِكَ الصَّيْدِ كُلِّهِ .

حال میں کہ اُسے علم ہو کہ یقیناً اُسی کے لیے یہ شکار کیا گیا ہے تو بلاشبہ اس پر اس مکمل شکار کی جزا بدل لازم ہے۔

فائدہ:......اگر چہ اس نے کھایا تھوڑا سا ہے لیکن چٹی پورے جانور کی بھرے گا، یہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے جبکہ بعض فقہاء کھائی جانے والی مقدار کے برابر جزا (جرمانہ کے طور پر قیمت) کو لازم قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کے کھانے پر کچھ بھی جرمانہ نہیں، اس بنا پر کہ یہ جرمانہ تو اس محرم پر پڑتا ہے جس نے خود قتل کیا ہو، اور مذکورہ صورت میں ایسا نہیں، لہٰذا وہ صرف گناہ گار ہوگا اور بس۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يُضْطَرُّ إِلَى أَكْلِ الْمَيْتَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ، أَيَصِيدُ الصَّيْدَ فَيَأْكُلُهُ ، أَمْ يَأْكُلُ الْمَيْتَةَ ؟ فَقَالَ : بَلْ يَأْكُلُ الْمَيْتَةَ ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمْ يُرَخِّصْ لِلْمُحْرِمِ فِي أَكْلِ الصَّيْدِ ، وَلَا فِي أَخْذِهِ عَلَى حَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ ، وَقَدْ أَرْخَصَ فِي الْمَيْتَةِ عَلَى حَالِ الضَّرُورَةِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مردار کھانے پر مجبور ہو جائے اور وہ احرام باندھے ہوئے ہو تو کیا وہ شکار کر کے اسے کھا سکتا ہے یا کہ مردار ہی کھائے گا؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ مردار ہی کھائے گا اور یہ (فتویٰ) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے محرم کو کسی بھی حالت میں نہ تو شکار کھانے کی رخصت دی ہے اور نہ شکار پکڑنے کی، اور (البتہ) اس نے مجبوری کے عالم میں مردار کھانے کی رخصت یقیناً عطا فرمائی ہے۔

فائدہ:......امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی مشہور روایت بھی یہی ہے کہ مذکورہ صورت میں شکار کی نسبت مردار اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے، یہی راجح ہے، چنانچہ کسی بھی محرم کے لیے شکار کی استثنائی اجازت نہیں ہے، (المائدہ 5:95، 96) لیکن مردار کھانے کی استثنائی رخصت قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے جس میں ہر مجبور شامل ہے خواہ محرم ہو یا کوئی اور۔ دیکھیے سورۃ بقرہ 2:173، المائدۃ 5:3، الانعام 6:145۔ النحل 16:115۔

قَالَ مَالِكٌ : وَأَمَّا مَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ أَوْ ذَبَحَ مِنَ الصَّيْدِ فَلَا يَحِلُّ أَكْلُهُ لِحَلَالٍ وَلَا لِمُحْرِمٍ ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِذَكِيٍّ كَانَ خَطَأً أَوْ عَمْدًا ، فَأَكْلُهُ لَا يَحِلُّ ، وَقَدْ سَمِعْتُ ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ وَاحِدٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور رہا وہ شکار جسے محرم قتل کر دے یا ذبح کرے تو اس کا کھانا نہ کسی غیر محرم کے لیے جائز ہے اور نہ کسی محرم کے لیے، کیونکہ وہ تو (شرعی طریقہ کے مطابق) مذبوح ہی نہیں ہے، خواہ وہ غلطی سے (ایسا کر رہا) ہو یا جان بوجھ کر، اس کا کھانا (کسی کے لیے بھی) حلال نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً میں نے کئی ایک اہل علم سے یہی بات سنی ہے۔

فائدہ:......اور جو جانور شریعت کی روشنی میں ذبح نہ ہوا ہو وہ مردار اور حرام ہی شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس کا کھانا

ہر کسی کے لیے حرام ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ وَالَّذِي يَقْتُلُ الصَّيْدَ، ثُمَّ يَأْكُلُهُ إِنَّمَا عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ، مِثْلُ مَنْ قَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس (محرم) شخص کے متعلق فرمایا جو شکار کو قتل کرتا ہے، پھر اسے کھالیتا ہے تو یقیناً اس پر صرف اور صرف ایک ہی کفارہ پڑے گا، (بالکل) اس شخص کی طرح جس نے اس شکار کو قتل کیا اور (لیکن) اس میں سے کچھ نہ کھایا۔

فائدہ:...... جمہور کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ کفارہ یعنی جرمانے میں کوئی جانور یا قیمت دینا تو صرف شکار مارنے والے پر لازم ہے۔ رہا اُسے کھانے کا معاملہ تو یہ گناہ تو ہے لیکن اس پر کوئی کفارہ قرآن وسنت سے ثابت نہیں، اگرچہ بعض فقہاء نے بعض صورتوں میں اس پر جرمانہ ڈالا ہے جیسا کہ اس سے پہلے تیسرے فتویٰ میں مذکور ہے لیکن مذکورہ فتویٰ کی صورت میں کھانے کا الگ جرمانہ جمہور کے ہاں لازم نہیں ہوتا۔

26- بَابٌ: أَمْرُ الصَّيْدِ فِي الْحَرَمِ

حرم میں شکار کی صورتحال کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا صرف ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: كُلُّ شَيْءٍ صِيدَ فِي الْحَرَمِ، أَوْ أُرْسِلَ عَلَيْهِ كَلْبٌ فِي الْحَرَمِ فَقُتِلَ ذَلِكَ الصَّيْدُ فِي الْحِلِّ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ، وَعَلَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ جَزَاءُ الصَّيْدِ، فَأَمَّا الَّذِي يُرْسِلُ كَلْبَهُ عَلَى الصَّيْدِ فِي الْحِلِّ فَيَطْلُبُهُ، حَتَّى يَصِيدَهُ فِي الْحَرَمِ، فَإِنَّهُ لَا يُؤْكَلُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ جَزَاءٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَرْسَلَهُ عَلَيْهِ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنَ الْحَرَمِ فَإِنْ أَرْسَلَهُ قَرِيبًا مِنَ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر وہ چیز جسے حرم میں شکار کیا گیا ہو (خواہ اُسے شکار کرنے والا محرم ہو یا غیر محرم) یا حرم میں اس پر کتا چھوڑا گیا ہو (خواہ اسے چھوڑنے والا محرم ہو یا نہ ہو) پھر وہ شکار حِلّ (یعنی حرم سے باہر کی جگہ) میں جا کر قتل ہو (تیر تو حرم میں لگایا کتا حرم ہی میں اس کے پیچھے لگا لیکن شکار کی موت حرم سے باہر جا کر ہوئی) تو بلاشبہ اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور جس شخص نے بھی ایسا کیا اس پر شکار کی جزا (جرمانہ) لازم ہے...... رہا وہ شخص جو اپنے کتے کو شکار پر حل (حرم سے باہر والی جگہ) میں چھوڑتا ہے اور وہ اس کا پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (کتا) اسے حرم میں (داخل ہوکر) شکار کرتا ہے تو بلاشبہ وہ بھی کھایا (تو) نہ جائے گا (کیونکہ اس کی موت حرم میں ہوئی) لیکن اس پر اس (عمل) میں کوئی جزا بھی لازم نہیں ہے، الا یہ کہ اس نے کتے کو اس شکار پر اس حال میں چھوڑا ہو کہ وہ حرم کے قریب ہی تھا، لہٰذا اگر اس نے حرم سے قریب ہی کتے کو (شکار پر) چھوڑا تو

اس پر جزا لازم ہوگی۔

فائدہ: ...... کیونکہ اس کے حرم سے قریب ہونے کی بنا پر ہی حرم کی حرمت پامال ہوئی، لہٰذا یہ اس کا اپنا گناہ شمار ہوگا اور اسے جرمانہ دینا پڑے گا، یہ بات تو پکی ہے کہ ہر جانور تیر لگنے ہی سے نہیں مرتا بلکہ ان میں سے اکثر پھر بھی بھاگتے رہتے ہیں اور کافی خون نکلنے کے بعد نڈھال ہوکر گرتے اور مرتے ہیں اور کتے نے تو بھگا بھگا کر ہی پکڑنا ہوتا ہے، لہٰذا حرم کے معاملے میں یہ دیکھا جائے گا کہ شکار کا آغاز کہاں سے ہوا ہے۔

27- بَابٌ: الْحُكْمُ فِي الصَّيْدِ

شکار میں (جزا، جرمانے کا) فیصلہ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں بھی کوئی روایت نہیں ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوی جات اس میں مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّداً فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَاماً لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ [المائدة: 95].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ (المائدۃ 95:5) ''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار کو قتل کرے گا تو جو جانور اس نے مارا ہو، اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے شخص کریں گے، یہ فدیہ بطور ہدی (قربانی) کعبہ تک پہنچایا جائے گا یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔''

فائدہ: ......آیت کا باقی ماندہ حصہ یہ ہے: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (المائدۃ 95:5) ''جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا اللہ نے اسے معاف کیا اور جو کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے گا تو اللہ اس سے انتقام (بدلہ) لے گا اور اللہ خوب غالب (اور) انتقام لینے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (وَاَنْتُمْ حُرُمٌ) کے مفہوم میں تین اقوال ہیں: i- تم احرام باندھے ہوئے ہو، ii- تم حرم میں داخل ہو چکے ہو، iii- حالت احرام اور حرم میں داخل ہونا دونوں ہی مراد ہیں اور یہی آخری بات راجح ہے...... آیت میں (مُتَعَمِّدًا) ''جان بوجھ کر'' کی قید اتفاقی ہے،''جان بوجھ کر'' کا تقاضا تو یہی ہے کہ خطا یا نسیان کی صورت میں فدیہ نہ دینا پڑے، قید اتفاقی

کے لیے کوئی واضح دلیل نظر سے نہیں گزری۔ یعنی اسے غالب احوال کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے، بطور شرط کے نہیں ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک بھول کر یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہے، نیز اس لفظ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ گناہ صرف عمداً قتل کی صورت میں ہے اور آیت کے اخیر کے الفاظ ''اللہ اس سے انتقام لے گا'' یہ شکار کے عمداً قتل ہی کے متعلق ہے، الغرض کفارے کے معاملے میں عمداً اور خطاً یا نسیاناً برابر ہیں اور گناہ کے معاملے میں الگ الگ ہیں کہ وہ صرف عمداً قتل ہی کی صورت میں ہوگا۔ ارشادِ الٰہی: (مِثْلُ مَا قَتَلَ) ''جو اس نے قتل کیا اُسی کی مثل (فدیہ ہے)'' میں مِثْلِیّت یعنی مماثلت سے امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے خلقت (قد وقامت) اور ہیئت (ڈھانچ) میں مشابہت مراد لی ہے مثلاً ہرن میں بکری، شتر مرغ میں اونٹ، ہاتھی میں دوکوہان والا اونٹ، جنگلی گدھے اور نیل گائے وغیرہ میں گائے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ مماثلت قیمت میں مراد ہے۔

(ذَوَا عَدْلٍ) ''دو عدل والے'' یعنی دو دیانتدار شخص یہ فیصلہ کریں گے کہ فلاں جانور اس شکار کی مثل اور مساوی ہے، اگر مساوی اور برابر درجے کا جانور نہ مل سکے تو اتنی قیمت اس کی مثل ہے، پھر اس قیمت سے غلہ خرید کر حرم کے فقراء ومساکین میں تقسیم کیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : فَالَّذِي يَصِيدُ الصَّيْدَ وَهُوَ حَلَالٌ، ثُمَّ يَقْتُلُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، بِمَنْزِلَةِ الَّذِي يَبْتَاعُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، ثُمَّ يَقْتُلُهُ، وَقَدْ نَهَى اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهِ، فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: تو جو شخص اس حال میں کوئی شکار کرتا (ہے اور اسے زندہ پکڑتا) ہے کہ وہ حلال (غیر محرم) ہوتا ہے، پھر وہ اسے اس حال میں قتل کرتا (اور ذبح کرتا) ہے کہ احرام باندھ چکا ہوتا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہی ہے جو اسے اس حال میں خریدتا ہے کہ وہ محرم ہوتا ہے پھر (اسے خرید کر) قتل (ذبح) کر دیتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو اس (شکار) کو (حالت احرام میں) قتل کرنے سے منع کیا ہے، لہٰذا اس پر جزا (فدیہ) لازم ہے۔

فائدہ: ......محرم اگر شکار کا زندہ جانور خرید کر ذبح کرے تو اگر چہ اس نے حالت احرام میں شکار نہیں کیا، لیکن اسے مارا ضرور ہے، لہٰذا اس پر فدیہ لازم ہے تو اسی طرح فتویٰ میں مذکور شخص نے بھی حالت احرام میں شکار تو نہیں کیا لیکن مارا ضرور ہے، لہٰذا اس پر بھی جرمانہ عائد ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّ مَنْ أَصَابَ الصَّيْدَ وَهُوَ مُحْرِمٌ حُكِمَ عَلَيْهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ جو شخص بھی شکار کو پہنچے (یعنی شکار کرے) اس حال میں کہ وہ محرم ہو تو اس پر (جزا یعنی جرمانے اور فدیے کا) حکم لگایا جائے گا۔

فائدہ: ......خواہ اس نے اکیلے ہی یہ شکار کیا ہو یا کسی سے مل کر، امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے

نزدیک ایک جانور کے شکار میں جتنے لوگ بھی شریک ہوں گے سب پر الگ الگ مکمل فدیہ لازم ہے اور امام شافعی ؒ کے نزدیک ان سب پر صرف ایک جانور کی مشترکہ جزا اور فدیہ لازم ہے، اور امام احمد ؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الَّذِي يَقْتُلُ الصَّيْدَ فَيُحْكَمُ عَلَيْهِ فِيهِ : أَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ الَّذِي أَصَابَ ، فَيُنْظَرَ كَمْ ثَمَنُهُ مِنَ الطَّعَامِ ، فَيُطْعِمَ كُلَّ مِسْكِينٍ مُدًّا ، أَوْ يَصُومَ مَكَانَ كُلِّ مُدٍّ يَوْماً ، وَيُنْظَرَ كَمْ عِدَّةُ الْمَسَاكِينِ ، فَإِنْ كَانُوا عَشَرَةً صَامَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ ، وَإِنْ كَانُوا عِشْرِينَ مِسْكِيناً ، صَامَ عِشْرِينَ يَوْماً ، عَدَدَهُمْ مَا كَانُوا ، وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ سِتِّينَ مِسْكِيناً .

امام مالک ؒ نے فرمایا: سب سے بہتر بات جو میں نے اس شخص کے متعلق سنی ہے جو شکار کرتا ہے، پھر اس پر اس جانور کے متعلق (فدیے اور جرمانے کا حکم) صادر کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ اس شکار کے جانور کی قیمت لگائی جائے گی جو اس نے شکار کیا ہے، پھر دیکھا جائے گا کہ اس کی قیمت کتنا غلہ اور اناج بنتی ہے، پھر وہ آدمی (اس اناج کے لحاظ سے) ہر مسکین کو ایک ایک مد (تقریباً 525 گرام، آدھ کلو سے کچھ زائد) کھانا کھلائے گا یا ہر مد کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھے گا اور دیکھا جائے گا کہ مسکینوں کی تعداد کتنی بنتی ہے، چنانچہ اگر وہ دس ہوں تو دس روزے رکھے گا، اگر وہ بیس ہوں تو بیس روزے رکھے گا، ان کی تعداد جس قدر بھی ہوگی (اسی قدر روزے رکھنا پڑیں گے) اگرچہ وہ ساٹھ مسکینوں سے بھی بڑھ جائیں۔

فائدہ :...... عام طور پر کفاروں میں مسکینوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ساٹھ سامنے آتی ہے لیکن اس شکار کی سزا میں یہ تعداد کافی زیادہ بڑھ سکتی ہے، جمہور کے نزدیک ہر مسکین کو ایک مد کے حساب سے کھانا تقسیم کیا جائے گا یا روزے رکھے جائیں گے لیکن احناف اور محققین اہل حدیث کے نزدیک "فی مسکین دو مد" کے حساب سے حکم لگایا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج ہی کے موقع پر بال کٹوانے کے فدیے میں ہر مسکین کو دو مد یعنی نصف صاع دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ (بخاری: 1816، مسلم: 1201/ 85) یاد رہے کہ غلے کی قیمت کا حساب مکہ مکرمہ کے ریٹ اور بھاؤ کے مطابق ہوگا، دوسرے علاقوں کے اعتبار سے نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : سَمِعْتُ أَنَّهُ يُحْكَمُ عَلَى مَنْ قَتَلَ الصَّيْدَ فِي الْحَرَمِ وَهُوَ حَلَالٌ ، بِمِثْلِ مَا يُحْكَمُ بِهِ عَلَى الْمُحْرِمِ الَّذِي يَقْتُلُ الصَّيْدَ فِي الْحَرَمِ وَهُوَ مُحْرِمٌ .

امام مالک ؒ نے فرمایا: میں نے یہ سنا ہے کہ جو شخص اس حال میں حرم (کی حدود) میں شکار کو قتل کرے کہ وہ خود حلال (غیر محرم) ہو تو اس پر بھی اسی طرح حکم لگایا جائے گا جس طرح کہ اس محرم پر حکم لگایا جاتا ہے جو اپنی حالت احرام میں حرم میں شکار کو قتل کرتا ہے۔

فائدہ :...... حرم سے مراد حرم مکہ ہے نہ کہ حرم مواقیت، شکار کی جزا اور فدیہ کے متعلق کچھ مزید بیان آگے

باب: 76، 77 میں بھی آ رہا ہے۔

28- بَابٌ: مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

ان جانوروں کا بیان جنھیں محرم قتل کر سکتا ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع اور ایک موقوف ہے اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[787] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ: الْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جانوروں میں سے پانچ ایسے ہیں کہ ان کے قتل میں محرم شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے، (اور وہ یہ ہیں:) کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔''

[788] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ مَنْ قَتَلَهُنَّ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ: الْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْغُرَابُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ قسم کے جانور ایسے ہیں کہ جس شخص نے ان کو اس حال میں قتل کیا کہ وہ احرام باندھے ہوئے ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے: بچھو، چوہا، کاٹنے والا کتا، چیل اور کوا۔''

[789] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ: الْفَأْرَةُ،

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ جانور فاسق (شرارت والے اور نقصان دہ) ہیں، انھیں حل (حرم

[787] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ما یقتل المحرم من الدواب، حدیث: 1826، صحیح مسلم، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب، حدیث: 1199، ابوداود: 1846، نسائی: 2831، ابن ماجہ: 3088، احمد: 2/ 8 (3543)، دارمی: 1816۔

[788] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب فی شراب احد کم، حدیث: 3315، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب، حدیث: 1199/ 79۔

[789] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ما یقتل المحرم من الدواب، حدیث: 1829، 3314، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مایندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب، حدیث: 1198/ 68 - 71، ترمذی: 837، نسائی: 2832، ابن ماجہ: 3087، احمد: 6/ 33 (24553)، دارمی: 1817۔

وَالْعَقْرَبُ، وَالْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ. سے باہر پوری زمین) اور حرم میں بھی قتل کیا جائے: چوہا، بچھو، کوا، چیل اور کاٹنے والا کتا۔"

فائدہ:...... "اَلْفَأْرَةُ" کا لفظ ہر قسم کے نر یا مادہ چوہے پر بولا جاتا ہے۔ "اَلْغُرَابُ" کوے کی بہت ساری اقسام ہیں حتی کہ بعض نسلوں کے کالے رنگ میں کمر یا پیٹ پر سفیدی سی ہوتی ہے، بعض کی چونچ اور پاؤں سرخ ہوتے ہیں بہر حال ہروہ کوا جو مردار کھائے اسے حرم میں بھی مارنا جائز ہے، عرب میں پائے جانے والے ایک قسم کے کوے کو سب علماء نے مستثنیٰ قرار دیا ہے جسے وہ "کھیتی کا کوا" کہتے ہیں اور وہ صرف دانے کھاتا ہے۔ "فاسق" کے لغوی معنی حد سے نکل جانے والے کے ہیں اور یہ سارے جانور بھی تجاوز کرتے ہوئے انسان کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔

[790] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ فِي الْحَرَمِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حرم میں سانپوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

فائدہ:...... رسول اللہ ﷺ سے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے گزشتہ پانچ چیزوں کے ساتھ ساتھ سانپ کو قتل کرنا بھی روایت کیا ہے۔ (مسلم: 1198/ 66، 67، 1200/ 75)

قَالَ مَالِكٌ فِي الْكَلْبِ الْعَقُورِ الَّذِي أُمِرَ بِقَتْلِهِ فِي الْحَرَمِ: إِنَّ كُلَّ مَا عَقَرَ النَّاسَ وَعَدَا عَلَيْهِمْ وَأَخَافَهُمْ، مِثْلُ الأَسَدِ، وَالنَّمِرِ، وَالْفَهْدِ، وَالذِّئْبِ، فَهُوَ الْكَلْبُ الْعَقُورُ، وَأَمَّا مَا كَانَ مِنَ السِّبَاعِ لَا يَعْدُو، مِثْلُ الضَّبُعِ، وَالثَّعْلَبِ، وَالْهِرِّ، وَمَا أَشْبَهَهُنَّ مِنَ السِّبَاعِ، لَا يَقْتُلُهُنَّ الْمُحْرِمُ، فَإِنْ قَتَلَهُ فَدَاهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ((اَلْكَلْبُ الْعَقُوْرُ)) "کاٹنے والا کتا" جسے حرم میں بھی قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کے متعلق فرمایا کہ (چونکہ "عَقْرٌ" زخمی کرنے کو کہتے ہیں اس لیے) ہروہ (درندہ) جانور جو لوگوں کو زخمی کرے، ان پر حملہ کرے اور انھیں ڈرائے مثلاً شیر، چیتا، تیندوا اور بھیڑیا، تو وہ "كَلْبِ عَقُوْر" ہے، رہا وہ جانور جو درندوں میں سے (تو) ہے اور (لیکن انسانوں پر) حملہ آور نہیں ہوتا، مثلاً بجو، لومڑی، بلا اور وہ درندے جو ان کے مشابہ ہیں تو محرم انھیں قتل نہیں کرسکتا، چنانچہ اگر اس نے اسے قتل کر دیا تو اس کا فدیہ دے گا۔

فائدہ:...... احناف کے نزدیک یہ دوسری قسم کے جانور اگر حملہ آور ہوں تو انھیں قتل کرنے میں کوئی جرمانہ نہیں، بصورت دیگر جزا یعنی فدیہ و جرمانہ لازم ہے، امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک محرم پر

[790] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 443 (8380 - 8382)، ابن ابی شیبہ: 14826، 14827، 14836، بیہقی: 5/ 211 (10053)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

''صید'' یعنی شکار کو قتل کرنا ممنوع ہے اور ان کے ہاں ''صید'' میں ماکول اللحم کی شرط بھی ملحوظ ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، باب :24 کا ابتدائی فائدہ) اس لیے ان کے ہاں بلی اور لومڑی کو قتل کرنے پر جرمانہ عائد نہیں ہوگا۔ ہاں ''ضَبُعٌ'' یعنی بجو کو چونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے صید اور شکار قرار دیا ہے اور ماکول اللحم بھی شمار کیا ہے۔ (ترمذی: 851، نسائی: 2839، ابن ماجہ: 3236۔ اس کی سند صحیح ہے) اس لیے اس کو قتل کرنے پر فدیہ لازم ہے، بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے محرم پر اس کے قتل کرنے میں ایک مینڈھا بطور فدیہ لازم قرار دیا تھا۔ (ابوداود: 3801، ابن ماجہ: 3085۔ اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ : وَأَمَّا مَا ضَرَّ مِنَ الطَّيْرِ ، فَإِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَقْتُلُهُ ، إِلَّا مَا سَمَّى النَّبِيُّ ﷺ : الْغُرَابُ ، وَالْحِدَأَةُ ، إِنْ قَتَلَ الْمُحْرِمُ شَيْئًا مِنَ الطَّيْرِ سِوَاهُمَا فَدَاهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ پرندہ جو ضرر پہنچائے تو بلاشبہ محرم اسے قتل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جس کا نبی کریم ﷺ نے نام لے دیا ہے، یعنی کوا اور چیل، چنانچہ اگر محرم پرندوں میں سے ان دونوں کے علاوہ کسی کو بھی قتل کرے گا تو اس کا فدیہ دے گا۔

فائدہ :......احناف و موالک میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ اگر کوئی شکاری پرندہ محرم پر حملہ کر دے تو اسے قتل کرنے پر کوئی فدیہ نہ ہوگا، البتہ جمہور علماء کے ہاں ہر وہ پرندہ جو ماکول اللحم نہیں ہے اسے قتل کرنے پر جرمانہ ہے ہی نہیں۔

29- بَابٌ: مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَفْعَلَهُ

اس کام کا بیان جسے کرنا محرم کے لیے جائز ہے

خلاصة الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، چار موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور سب کی سندیں صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی اس میں مذکور ہیں۔

[791] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ : أَنَّهُ رَأَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُقَرِّدُ بَعِيراً لَهُ ، فِي طِينٍ بِالسُّقْيَا وَهُوَ مُحْرِمٌ .

ربیعہ بن ابی عبداللہ بن ہدیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ ''سُقیا'' نامی مقام پر اپنے اونٹ کی چچڑیاں اتار کر مٹی میں پھینک رہے تھے اس حال میں کہ وہ محرم تھے۔

[791] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 5/ 212 (10058)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 235 (3240)، عبدالرزاق: 4/ 449 (8409)، ابن ابی شیبہ: 15269، الشافعی فی الام: 7/ 237۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَأَنَا أَكْرَهُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں اس عمل کو ناپسند کرتا ہوں۔

فائدہ : ...... مالکیہ کے ہاں چونکہ ایسا کرنے سے چچڑیاں مرجاتی ہیں لہٰذا یہ عمل درست نہیں، ہاں اگر ان کی وجہ سے اونٹ کو ضرر پہنچے تو پھر انھیں دور کرکے ایک مٹھی اناج فدیہ میں دینا لازم ہے لیکن جمہور کے ہاں چچڑیاں اتار کر پھینکنا جائز ہے اور ان کے مارنے پر کوئی فدیہ بھی لازم نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں فدیہ تب لازم ہوگا جب "صید" کو مارا جائے اور "صید" کے لیے ماکول اللحم (حلال گوشت والا جانور) ہونا لازم ہے......احناف کے نزدیک مچھر، چیونٹی، چچڑی اور پسو جیسی چیزوں کو مارنے پر کوئی فدیہ نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں نہ تو کسی کے جسم کا حصہ ہوتی ہیں اور نہ ہی یہ "صید" یعنی شکار میں شامل ہیں، البتہ جوؤں کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ یہ چونکہ انسانی جسم کی میل کچیل سے پیدا ہوتی ہیں اس لیے گویا انسانی جسم کا حصہ ہیں لہٰذا انھیں قتل کرنے پر فدیہ لازم ہے جو اپنی مرضی سے جتنا چاہو ادا کردو۔

[792] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ أَنَّهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تُسْأَلُ عَنِ الْمُحْرِمِ، أَيَحُكُّ جَسَدَهُ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ فَلْيَحْكُكْهُ وَلْيَشْدُدْ، وَلَوْ رُبِطَتْ يَدَايَ وَلَمْ أَجِدْ إِلَّا رِجْلَيَّ لَحَكَكْتُ .

علقمہ بن ابی علقمہ رحمہ اللہ اپنی والدہ (مرجانہ رحمہا اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ کو سنا، ان سے محرم کے متعلق سوال کیا جارہا تھا جو اپنے جسم کو کھجاتا ہے، (اور ایسا کرنے سے بال اُترنے کا خطرہ ہوتا ہے) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اُسے چاہیے کہ اپنے جسم پر خارش کرے اور چاہیے کہ زور زور سے کھجائے، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر میرے دونوں ہاتھ باندھ دیے جائیں اور میں اپنے پاؤں کے سوا کچھ نہ پاؤں تو اسی سے کھجاؤں۔

فائدہ : ...... یہ اُسی صورت میں ہے کہ جب بال گرنے کا خطرہ نہ ہو، اگر یہ اندیشہ ہو تو آرام سے خارش کرنی چاہیے، نیز حنفیہ و مالکیہ کے ہاں اگر کھجانے کی وجہ سے جوئیں مرجائیں تو فدیہ دینا لازم ہے۔

[793] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ نَظَرَ فِي الْمِرْآةِ لِشَكْوٍ كَانَ بِعَيْنَيْهِ، وَهُوَ مُحْرِمٌ .

ایوب بن موسیٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آئینے میں اپنی اس تکلیف کو دیکھا جو ان کی آنکھوں میں تھی، اس حال میں کہ وہ محرم تھے۔

---

[792] (موقوف حسن) بیهقی: 5/ 64 (9141)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

[793] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 64 (9144)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 32 (2877)، الشافعی فی المسند :1/ 524۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ: ...... حالت احرام میں اپنے بدن کو دیکھنا، اسی طرح آئینے میں دیکھنا جائز ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بلاضرورت آئینہ دیکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ محرم اپنے پراگندہ بال دیکھ کر ان کی اصلاح کرنا شروع کر دے گا۔

[794] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَنْزِعَ الْمُحْرِمُ حَلَمَةً، أَوْ قُرَاداً عَنْ بَعِيرِهِ اَوْيَحُكَّهُ.
قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ ناپسند فرماتے تھے کہ محرم اپنے اونٹ (کے بدن) سے بڑی چچڑی یا چھوٹی چچڑی اتارے، یا اُسے کھجائے۔
امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میرے نزدیک یہی وہ سب سے محبوب بات ہے جو میں نے اس بارے میں سنی ہے۔

فائدہ: ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ چچڑی اتار دیتے تھے لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور امام مالک رحمہ اللہ اسے ناپسند کرتے تھے، بعض نسخوں میں اس روایت کے اخیر میں یہ لفظ موجود نہیں ہے (اَوْيَحُكَّهُ) ''یا وہ اسے کھجائے (خارش کرے)۔''

[795] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ: أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ ظُفُرٍ لَهُ انْكَسَرَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَقَالَ: سَعِيدٌ اقْطَعْهُ.

محمد بن عبداللہ بن ابی مریم رحمہ اللہ سے روایت ہے انھوں نے سعید بن میسب رحمہ اللہ سے اپنے اس ناخن کے بارے میں پوچھا جو ٹوٹ گیا تھا اس حال میں کہ وہ محرم تھے تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: اُسے کاٹ ڈالو۔

فائدہ: ...... مالکیہ کے نزدیک جب ٹوٹ کر لٹکتا ہوا ناخن اذیت دے رہا ہو تو اسے کاٹ دینے میں کوئی فدیہ نہیں، لیکن حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس موقف کی تائید نہیں کرتی کیونکہ انھوں نے بھی مجبوراً بال کٹوائے تھے لیکن فدیہ بھی ادا کیا تھا۔ (بخاری: 1814، مسلم: 1201)

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَشْتَكِي أُذُنَهُ أَيَقْطُرُ فِي أُذُنِهِ مِنَ الْبَانِ الَّذِي لَمْ يُطَيَّبْ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ: لَا أَرَى بِذَلِكَ بَأْساً، وَلَوْ جَعَلَهُ فِي فِيهِ لَمْ أَرَ بِذَلِكَ بَأْساً.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنے کان میں تکلیف محسوس کر رہا ہو تو کیا وہ اپنے کان میں بان کا تیل ڈال سکتا ہے جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو، اس حال میں کہ وہ محرم ہو؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس میں

[794] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 448 (8401، 8402) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

[795] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبہ: 12755۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

کوئی حرج محسوس نہیں کرتا اور اگر وہ اسے اپنے منہ میں ڈال لے تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا۔

فائدہ:......مقصد یہ ہے کہ ہر علاج درست ہے بشرطیکہ حالت احرام کے خلاف چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔ اس فتویٰ میں "اَلْبَان" کا لفظ دراصل "بان" (اجوف واوی) ہے جس پر الف لام داخل ہے، یہ ایک لمبا سا درخت ہوتا ہے جس کے پتے بید کے پتوں جیسے ہوتے ہیں اور اس کے بیج سے خوشبو دار تیل نکلتا ہے، اردو میں اسے "بید مشک" کہتے ہیں بعض نسخوں میں یہ لفظ "اَلْاَلْبَـــان" لَبَنٌ (دودھ) کی جمع استعمال ہوا ہے، اس صورت میں کسی بھی درخت کا تیل مراد ہے کیونکہ درختوں کے دودھ سے مراد ان کا پانی ہوتا ہے اور مجازاً یہ لفظ تیل اور روغن کے لیے بھی بول دیتے ہیں۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَلَا بَـأْسَ أَنْ يَبُطَّ الْمُحْـرِمُ خُـرَاجَـهُ ، وَيَـفْـقَـأَ دُمَّلَهُ ، وَيَقْطَعَ عِرْقَهُ إِذَا احْتَاجَ إِلَى ذَلِكَ .

امام مالک ؒ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم اپنے (پھوڑے اور) زخم کو چیر دے اور آبلے کو پھوڑ دے اور اپنی رگ کو کاٹ دے، جس وقت کہ وہ اس کی ضرورت محسوس کرے۔

فائدہ:......رگ کو کاٹنے سے مراد فصد کھلوانا ہے یعنی حالت احرام میں علاج ممنوع نہیں ہے، نیز جسم سے خون نکالنے پر کوئی فدیہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی حالت احرام میں سچھنے لگوائے تھے اور اس عمل سے خون ہی تو نکالا جاتا ہے جیسا کہ پیچھے روایت: 774 میں گزرا ہے۔

30- بَابُ : الْحَجُّ عَمَّنْ يُحَجُّ عَنْهُ

اس حج کا بیان جو کسی کی طرف سے کیا جارہا ہو

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔

[796] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ (ان کے بڑے بھائی) حضرت فضل بن عباس ؓ (مزدلفہ

---

[796] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج ،باب وجوب الحج وفضله، حديث :1513، 1854، 1855، 4399، 6228، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحو هما، حديث: 1334، ابوداؤد: 1809، ترمذي: 928، نسائى: 2642، ابن ماجه: 2909، احمد: 1/ 212 (1812)، دارمى: 1831.

بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ تَسْتَفْتِيهِ ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الآخَرِ ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخاً كَبِيراً ، لا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ ؟ قَالَ : نَعَمْ . وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ .

سے منیٰ تک) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے، (اسی دوران) خثعم قبیلے کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی وہ آپ ﷺ سے فتویٰ طلب کررہی تھی، حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی تو رسول اللہ ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری جانب پھیرنے لگے، پھر وہ کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یقیناً اللہ کے بندوں پر فرض کردہ حج نے میرے باپ کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ بہت ہی زیادہ بوڑھے ہیں، وہ اونٹ پر بھی ثابت رہنے (جم کر بیٹھنے) کی طاقت نہیں رکھتے، تو کیا میں اُن کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' اور یہ (قصہ) حجۃ الوداع میں ہوا۔

فائدہ :......معلوم ہوا کہ جو شخص حج کے سفر کی طاقت نہ پائے تو اس کی زندگی ہی میں اس کی طرف سے حج بدل ہوسکتا ہے، یہی موقف ہے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور اہل حدیث کا لیکن امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ زندہ شخص کی طرف سے حج بدل جائز نہیں......میت کی طرف سے حج کرنا تو بالاتفاق جائز اور ثابت ہے۔ (بخاری: 1852) لیکن حج بدل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے خود اپنا فرض حج ادا کرلیں۔ (ابو داود: 1811، ابن ماجہ: 2903 ۔اس کی سند صحیح ہے ارواء الغلیل: 994) امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ یہ شرط نہیں لگاتے، اور امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ جو شخص اپنا حج کیے بغیر حج بدل کرتا ہے تو نہ وہ اس کی اپنی طرف سے ہوتا ہے اور نہ دوسرے کی طرف سے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول راجح ہے، نیز جو شخص اپنا حج کیے بغیر کسی کی طرف سے حج بدل کررہا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی نیت بدل کر اپنے لیے حج کرے اور بعد میں حج بدل کرلے۔ (ابن ماجہ: 2903، دارقطنی، ابن حبان، اس کی سند صحیح ہے)

اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اور وہ حج پر جانے کی قدرت واستطاعت رکھتا ہو تو وہ کسی سے اپنا حج بدل نہیں کراسکتا، یہی حال نذر والے حج کا ہے، رہا نفلی حج تو اس کی تین صورتیں ہیں: (1) جس شخص نے اسلام کا رکن اور فریضہ حج ابھی ادا نہ کیا ہو وہ کسی سے نفلی حج نہیں کراسکتا۔ (2) جس شخص نے فرض حج کرلیا ہو اور اب مکہ جانے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ کسی سے نفلی حج بدل کراسکتا ہے۔ (3) جس نے فرض حج تو ادا کرلیا ہو، اب نفلی حج کے لیے مکہ جانے کی قدرت بھی رکھتا ہو لیکن پھر بھی وہ اس کی جگہ حج بدل کرانا چاہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے اور

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں اقوال مروی ہیں۔

31- بَابٌ: مَا جَاءَ فِيمَنْ أُحْصِرَ بِعَدُوٍّ

اس شخص کا بیان جو دشمن کی وجہ سے (حج یا عمرے سے) روک دیا جائے

خلاصة الباب اس باب میں دو مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... احرام باندھنے والے کا کسی وجہ سے حرم تک نہ پہنچ پانا ''احصار'' کہلاتا ہے اور ایسے شخص کو محصر کہتے ہیں، یہ احصار کسی بھی رکاوٹ کی وجہ سے ہو سکتا ہے مثلاً دشمن، بیماری، جنگ، سیلاب یا کوئی اور آفت وحادثہ، احناف اور اہل حدیث کے نزدیک ان میں سے ہر صورت احصار ہی کی ہے لیکن امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک صرف دشمن ہی کی صورت میں احصار ہو سکتا ہے...... احصار جہاں بھی ہو وہیں احرام کھول دیا جائے گا اور احرام کی تمام پابندیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور اگر قربانی بھی ساتھ موجود ہو تو وہیں ذبح کر دی جائے گی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کے جانور کا حرم ہی میں ذبح ہونا لازمی ہے، پھر جمہور احصار کی صورت میں قربانی کے وجوب کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں یہ واجب نہیں ہے، مزید تفصیل آگے باب: 49 میں آرہی ہے۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ قَالَ: مَنْ حُبِسَ بِعَدُوٍّ فَحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، فَإِنَّهُ يَحِلُّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، وَيَنْحَرُ هَدْيَهُ، وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ حَيْثُ حُبِسَ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص کو دشمن کی وجہ سے روک دیا گیا، چنانچہ وہ دشمن اس کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گیا تو اسے جہاں روکا گیا ہے وہیں وہ ہر چیز سے حلال ہو جائے گا (اور احرام کھول دے گا)، اپنے قربانی کے جانور کو قربان کر دے گا، اور اپنے سر کو منڈوا دے گا اور اس پر کوئی قضا بھی لازم نہ ہوگی۔

فائدہ: ...... جمہور یعنی امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث اور مشہور قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قضا لازم ہے۔

[797] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَلَّ هُوَ وَأَصْحَابُهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ، فَنَحَرُوا الْهَدْيَ، وَحَلَقُوا

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ خود بھی اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حدیبیہ کے مقام پر حلال ہو گئے (سب نے احرام کھول دیا)، چنانچہ انھوں نے

[797] (مرفوع صحیح لغیرہ) بیہقی: 5/ 219 (10089)، شواہد کے لیے دیکھیے: بخاری: 2731، 2732۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

رُؤُوسَهُمْ، وَحَلُّوا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ أَنْ يَطُوفُوا بِالْبَيْتِ، وَقَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ الْهَدْيُ، ثُمَّ لَمْ يُعْلَمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ أَحَداً مِنْ أَصْحَابِهِ، وَلا مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ أَنْ يَقْضُوا شَيْئاً وَلا يَعُودُوا لِشَيْءٍ.

قربانی کے جانور قربان کیے، اپنے سر منڈوا دیے اور ہر چیز سے حلال ہو گئے، پہلے اس سے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے اور پہلے اس سے کہ قربانی بیت اللہ تک پہنچتی، پھر ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو یا ان میں سے کسی کو جو آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، یہ حکم دیا ہو کہ وہ کوئی قضائی دیں اور نہ یہ (حکم دیا) کہ وہ کسی چیز کا اعادہ کریں۔

[798] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ حِينَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعْتَمِراً فِي الْفِتْنَةِ: إِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ، صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ. ثُمَّ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ نَظَرَ فِي أَمْرِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ نَفَذَ حَتَّى جَاءَ الْبَيْتَ، فَطَافَ طَوَافاً وَاحِداً، وَرَأَى ذَلِكَ مُجْزِياً عَنْهُ وَأَهْدَى.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب فتنہ کے زمانے میں (مدینہ سے) مکہ کی طرف نکلے، اس حال میں کہ وہ عمرہ کرنا چاہتے تھے (اور اس وقت حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہ سنگ باری بھی کرتا رہتا تھا) تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں بیت اللہ (تک پہنچنے) سے روک دیا گیا تو ہم وہی کریں گے جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کیا تھا، چنانچہ انھوں نے عمرے کا احرام باندھ لیا، اس وجہ سے کہ حدیبیہ والے سال رسول اللہ ﷺ نے بھی عمرے کا احرام باندھا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے معاملے میں نظر دوڑائی تو فرمانے لگے کہ ان دونوں (حج و عمرے) کا معاملہ تو بالکل ایک جیسا ہی ہے، میں تم سب کو گواہ بناتا (ہوں اور تمھارے سامنے یہ نیت کرتا) ہوں کہ بے شک میں نے حج کو عمرے کے ساتھ واجب کر لیا ہے، پھر وہ چلتے رہے (یہاں تک کہ) بیت اللہ کے پاس آئے، پھر اس کا ایک بار طواف کیا اور خیال کیا کہ یہی (ایک طواف) ان (کے حج و عمرہ) کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور انھوں نے قربانی بھی کی۔

---

[798] (مرفوع صحیح) صحیح البخاري، کتاب المحصر، باب من قال لیس علی المحرم بدل، حدیث: 1813، 1639، 1640، 1693، 1708، 1806- 1808، 1810، 1812، 4183- 4185، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز التحلل بالا حصار وجواز القران، حدیث: 1230، نسائی: 2747، احمد:2/ 138 (6227)، دارمی: 1893.

فائدہ :......امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک حج قران کرنے والوں کے لیے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے (بخاری: 1556، مسلم: 1211) البتہ احناف کے نزدیک حج قران والوں پر دو طواف اور دو بار صفا و مروہ کی سعی کرنا لازم ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : فَهَـذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ أُحْصِرَ بِعَدُوٍّ، كَمَا أُحْصِرَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص کے متعلق یہی حکم ہے جو دشمن کی وجہ سے روک دیا جائے، جس طرح نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ روک دیے گئے۔

فائدہ :......یعنی دشمن جہاں بھی روکے گا وہیں احرام کھول دیا جائے گا۔

فَأَمَّا مَنْ أُحْصِرَ بِغَيْرِ عَدُوٍّ ، فَإِنَّهُ لا يَحِلُّ دُونَ الْبَيْتِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جو دشمن کے علاوہ کسی اور وجہ سے روک دیا گیا تو بے شک وہ بیت اللہ (تک پہنچنے) سے پہلے حلال نہیں ہوگا۔

فائدہ :......یعنی اس پر لازم ہے کہ وہ پیش آمدہ عذر کے زائل ہونے کا انتظار کرے اور پھر حرم میں جا کر عمرہ ادا کر کے ہی احرام کھولے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، البتہ ان دونوں کے نزدیک اگر احرام باندھتے وقت یہ شرط لگائی گئی ہو کہ میں جہاں روک دیا جاؤں وہیں احرام کھول دوں گا پھر وہ بغیر عمرہ کیے بھی احرام کھول سکتا ہے......امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک احصار جس طرح دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے اسی طرح دوسری رکاوٹوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے جس کی دلیل حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((مَنْ كُسِـرَ اَوْعَرِجَ اَوْمَرِضَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ)) ''جس کا عضو ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے یا بیمار ہو جائے تو اس کا احرام کھل گیا اور اس پر اگلے سال حج فرض ہے۔'' (ابو داود: 1862، 1863، ترمذی: 940، نسائی: 2863، 2864، ابن ماجہ: 3077، 3078، مسند احمد: 3/ 450، مستدرك حاكم: 1/ 483، بیہقی: 5/ 220، دارقطنی: 279۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔) یاد رہے کہ اگر یہ رکاوٹ فرض حج کے سفر میں آئی ہو تو پھر فرض حج کی قضائی دینا لازم ہے، بصورت دیگر کوئی قضا واجب نہیں، مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک ایک قول یہی منقول ہے، جبکہ احناف اور وہ فقہاء جو کوئی بھی کام شروع کرنے کے بعد اس کے پورا کرنے کو واجب کہتے ہیں خواہ وہ کام پہلے نفلی ہی کیوں نہ ہو، تو ان کے نزدیک اس نفلی حج یا عمرے کی قضا ذمے میں رہے گی۔

32- بَابٌ: مَا جَاءَ فِيمَنْ أُحْصِرَ بِغَيْرِ عَدُوٍّ

اس شخص کا بیان جو دشمن کے علاوہ کسی اور سبب سے روک دیا جائے

خلاصة الباب اس باب میں پانچ موقوف روایات (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سب سنداً صحیح ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... باب کے عنوان میں بیان کردہ شخص اہل حدیث اور احناف کے نزدیک دشمن والے محصر جیسا ہی شمار ہوتا ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اس جیسا نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک وہ بغیر عمرہ ادا کیے احرام نہیں کھول سکتا (اِلا یہ کہ اس نے احرام باندھتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ جہاں روکا جاؤں گا احرام کھول دوں گا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے یہ استثناء کیا ہے) پہلا موقف راجح ہے جیسا کہ گزشتہ باب کے آخری فائدہ میں مذکور ہوا، چونکہ امام مالک رحمہ اللہ دوسرا موقف رکھتے ہیں اس لیے اپنے موقف کی تائید میں آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نقل کر رہے ہیں لیکن بہر حال فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

[799] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ قَالَ: الْمُحْصَرُ بِمَرَضٍ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَيَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَإِذَا اضْطُرَّ إِلَى لُبْسِ شَيْءٍ مِنَ الثِّيَابِ الَّتِي لَا بُدَّ لَهُ مِنْهَا، أَوِ الدَّوَاءِ، صَنَعَ ذَلِكَ وَافْتَدَى.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ بیماری کی وجہ سے روک دیا جانے والا شخص حلال نہیں ہوگا (احرام نہیں کھولے گا) یہاں تک کہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لے، اگر وہ (احرام کے دوران سلے ہوئے ممنوع) کپڑوں میں سے کسی کو پہننے پر یا (ممنوع) دوائی لینے پر مجبور کر دیا جائے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو وہ ایسا کر لے اور فدیہ دے۔

فائدہ :...... جس طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے حالت احرام میں مجبوراً بال کٹوائے اور پھر فدیہ دیا۔ (بخاری: 1814، مسلم: 1201) لیکن اہل حدیث کے ہاں چونکہ مذکورہ شخص کا احرام احصار والی جگہ پر ہی ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا نہ پابندیاں رہتی ہیں اور نہ کوئی جرمانہ پڑتا ہے۔

---

[799] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 219 (10092)، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 242 (3253)، الشافعى فى الام: 2/ 163، وفى المسند: 1/ 596، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 2/ 251۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔

[800] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: الْمُحْرِمُ لا يُحِلُّهُ إِلَّا الْبَيْتُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے، یقیناً وہ کہا کرتی تھیں کہ محرم کو بیت اللہ کے سوا کوئی چیز حلال نہیں کرتی۔

فائدہ:......یعنی جس نے احرام باندھ لیا وہ بیت اللہ تک پہنچے بغیر اپنا احرام نہیں کھول سکتا، اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے دشمن کے علاوہ باقی رکاوٹوں کے ساتھ روکے جانے پر محمول کیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں ذکر کیا ہے لیکن ابن جریر رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ایک مستقل فتویٰ اور قول شمار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ''إحصار'' معتبر ہی نہیں ہے۔

[801] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ كَانَ قَدِيماً، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ إِلَى مَكَّةَ حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ كُسِرَتْ فَخِذِي، فَأَرْسَلْتُ إِلَى مَكَّةَ، وَبِهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَالنَّاسُ، فَلَمْ يُرَخِّصْ لِي أَحَدٌ أَنْ أَحِلَّ، أَقَمْتُ عَلَى ذَلِكَ الْمَاءِ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ، حَتَّى أَحْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ.

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی رحمہ اللہ، اہل بصرہ میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں، جو ایک بوڑھا آدمی تھا، اس (بوڑھے بصری شخص) نے کہا کہ میں مکہ کی طرف (عمرہ کرنے کے لیے) نکلا، یہاں تک کہ جب میں راستے کے کسی مقام پر (واقع ایک چشمے پر) تھا تو میری ران ٹوٹ گئی، چنانچہ میں نے مکہ پیغام بھیجا، وہاں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ بھی تھے تو (ان میں سے) کسی نے مجھے یہ رخصت نہ دی کہ احرام کھول دوں، لہٰذا میں اسی پانی (کے چشمے) پر سات ماہ ٹھہرا رہا، یہاں تک کہ میں نے عمرہ کرکے ہی احرام کھولا۔

فائدہ:......اہل بصرہ کے اس شخص سے مراد ابوقلابہ رحمہ اللہ ہیں جو ایوب سختیانی کے شیخ ہیں۔ (زرقانی، ابن عبدالبر)

---

[800] (موقوف صحیح) سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب هل یوجب تقلید الهدی احراما، حدیث: 2797، احمد: 6/ 85 (25064)، بیهقی: 5/ 220 (10079)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[801] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 219، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 243 (3255)، الشافعی فی الام: 2/ 164۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[802] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ حُبِسَ دُونَ الْبَيْتِ بِمَرَضٍ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے بیت اللہ (تک پہنچنے) سے پہلے ہی روک دیا جائے تو یقیناً وہ حلال نہیں ہوگا (اور اپنا احرام نہیں کھولے گا) یہاں تک کہ (عذر ختم ہونے کے بعد) بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرلے۔

[803] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ حُزَابَةَ الْمَخْزُومِيَّ صُرِعَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَسَأَلَ مَنْ يَلِي عَلَى الْمَاءِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ، فَوَجَدَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَمَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، فَذَكَرَ لَهُمُ الَّذِي عَرَضَ لَهُ، فَكُلُّهُمْ أَمَرَهُ أَنْ يَتَدَاوَى بِمَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ وَيَفْتَدِيَ، فَإِذَا صَحَّ اعْتَمَرَ فَحَلَّ مِنْ إِحْرَامِهِ، ثُمَّ عَلَيْهِ حَجٌّ قَابِلٍ وَيُهْدِي مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن حزابہ مخزومی رحمہ اللہ مکہ کے راستے میں کہیں سواری سے گر پڑے، اس حال میں کہ وہ محرم تھے، تو انھوں نے اسی پانی (کے چشمے) پر جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان علماء کے متعلق سوال کیا جو قریب (موجود) تھے، چنانچہ انھوں نے (وہاں) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور مروان بن حکم کو پالیا، پھر ان کے سامنے وہ عذر ذکر کیا جو انھیں پیش آیا تھا تو ان سب نے انھیں یہی حکم دیا کہ اس (ممنوع دوا) کے ساتھ علاج کروالیں جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور (پھر اس کا) فدیہ ادا کر دیں، پھر جب وہ تندرست ہوں تو عمرہ کریں، پھر اپنے احرام سے حلال ہو جائیں (احرام کھول دیں) پھر ان پر آئندہ سال حج لازم ہوگا اور انھیں جو قربانی میسر ہو اسے قربان کریں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى هٰذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ أُحْصِرَ بِغَيْرِ عَدُوٍّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہی حکم ہے اس شخص کے متعلق جو دشمن کے علاوہ کسی اور وجہ سے روکا گیا ہو۔

[802] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 219 (10092)، وفي السنن الصغير: 2/ 208 (1765)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 242 (3252)، الشافعي في الام: 2/ 163، طحاوي: 2/ 252۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[803] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 220 (10096)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 243 (3254)، الشافعي في الام: 2/ 164۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ وَ هَبَّارَ بْنَ الْأَسْوَدِ، حِينَ فَاتَهُمَا الْحَجُّ، وَأَتَيَا يَوْمَ النَّحْرِ أَنْ يَحِلَّا بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ يَرْجِعَا حَلَالاً، ثُمَّ يَحُجَّانِ عَاماً قَابِلاً وَيُهْدِيَانِ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے (اپنے موقف کی تائید میں) فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت ہبار بن اسود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جس وقت کہ ان دونوں سے حج فوت ہوگیا تھا اور وہ (نو ذوالحج کو میدان عرفہ میں نہ پہنچ سکے تھے اور) قربانی کے دن (دس ذوالحج کو) آئے تھے، (تو انھیں حکم دیا) کہ وہ عمرہ کرکے احرام کھول دیں پھر اسی حالت میں واپس لوٹ جائیں، پھر اگلے سال حج ادا کریں اور قربانی دیں، پھر جو قربانی نہ پاسکے تو تین دن کے روزے ایام حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹ جائے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ مَنْ حُبِسَ عَنِ الْحَجِّ بَعْدَ مَا يُحْرِمُ، إِمَّا بِمَرَضٍ أَوْ بِغَيْرِهِ، أَوْ بِخَطَإٍ مِنَ الْعَدَدِ، أَوْ خَفِيَ عَلَيْهِ الْهِلَالُ، فَهُوَ مُحْصَرٌ، عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُحْصَرِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہر وہ شخص جو احرام باندھ لینے کے بعد حج سے روک دیا جائے خواہ بیماری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے یا (چاند کی تاریخوں کی) گنتی میں غلطی کا شکار ہوجانے کی وجہ سے یا اس پر چاند مخفی رہ جائے (چاند کی کم تاریخ کو چاند نہ دیکھ سکے اور پھر تاریخوں کو ایک دن کی تاخیر کے ساتھ شمار کرتا رہے اور حاجیوں سے ایک دن پیچھے رہ جائے) تو وہ محصر ہے اور اس پر وہی احکام لازم ہیں جو محصر پر ہوتے ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ أَهَلَّ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ بِالْحَجِّ، ثُمَّ أَصَابَهُ كَسْرٌ، أَوْ بَطْنٌ مُنْخَرِقٌ أَوِ امْرَأَةٌ تَطْلُقُ؟ قَالَ: مَنْ أَصَابَهُ هَذَا مِنْهُمْ فَهُوَ مُحْصَرٌ، يَكُونُ عَلَيْهِ مِثْلُ مَا عَلَى أَهْلِ الْآفَاقِ إِذَا هُمْ أُحْصِرُوا.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا، پھر اسے عضو ٹوٹنے کا عارضہ یا اسہال والا پیٹ (یعنی پیچش کا مرض) لاحق ہوگیا یا عورت کو دردزہ لاحق ہوگیا تو (امام مالک رحمہ اللہ نے ایسے افراد کے متعلق) فرمایا: اہل مکہ میں سے بھی جس شخص کو یہ (اس طرح کا مرض) لاحق ہوتو وہ بھی محصر ہے اور اس پر بھی وہی کچھ لازم ہوگا جو اہل آفاق (مکہ سے باہر رہنے والے افراد) پر لازم ہوتا ہے جب کہ وہ محصر ہوجائیں۔

فائدہ: ...... دراصل بعض تابعین مثلاً امام زہری، عروہ بن زبیر نیز امام محمد اور امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اہل مکہ پر محصر کے احکام لاگو نہیں ہوتے لیکن جمہور کے نزدیک وہ محصر شمار ہوسکتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ قَدِمَ مُعْتَمِراً فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، حَتَّى إِذَا قَضَى عُمْرَتَهُ أَهَلَّ بِالْحَجِّ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو مکہ میں اس حال میں آیا کہ وہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے والا تھا (اور حج

مِنْ مَكَّةَ، ثُمَّ كُسِرَ، أَوْ أَصَابَهُ أَمْرٌ لَا يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَحْضُرَ مَعَ النَّاسِ الْمَوْقِفَ. قَالَ مَالِكٌ: أَرَى أَنْ يُقِيمَ حَتَّى إِذَا بَرَأَ خَرَجَ إِلَى الْحِلِّ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى مَكَّةَ فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ، وَيَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يَحِلُّ، ثُمَّ عَلَيْهِ حَجُّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ.

تمتع کرنا چاہتا تھا)، یہاں تک کہ جب اس نے اپنا عمرہ پورا کر لیا تو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھ لیا، پھر (یوں ہوا کہ) اس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا اُسے کوئی ایسا معاملہ (اور عارضہ) پہنچا کہ (اب) وہ لوگوں کے ہمراہ وقوف کی جگہ (عرفات) میں حاضر ہونے کی قدرت نہیں پاتا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ (مکہ ہی میں) ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ جب صحت یاب ہو تو حِل کی طرف (یعنی حرم سے باہر) چلا جائے پھر مکہ کی طرف لوٹ آئے، بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، پھر احرام کھول دے، پھر اس پر آئندہ حج اور قربانی لازم ہوگی۔

فائدہ :...... مالکیہ کے نزدیک عمرے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ حرم اور حل کو جمع کیا جائے۔ اب چونکہ اس نے عمرہ کر کے احرام کھولنا ہے اس لیے اُسے حِل کی طرف لازماً جانا ہوگا کیونکہ جو احرام اس نے بیماری کے وقت باندھا ہوا تھا وہ صرف حج کے لیے تھا، عمرے کے لیے نہیں تھا، جمہور کے نزدیک یہ لازم نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ، ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ مَرِضَ فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَحْضُرَ مَعَ النَّاسِ الْمَوْقِفَ. قَالَ مَالِكٌ: إِذَا فَاتَهُ الْحَجُّ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ خَرَجَ إِلَى الْحِلِّ فَدَخَلَ بِعُمْرَةٍ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، لِأَنَّ الطَّوَافَ الْأَوَّلَ لَمْ يَكُنْ نَوَاهُ لِلْعُمْرَةِ، فَلِذَلِكَ يَعْمَلُ بِهَذَا وَعَلَيْهِ حَجُّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے مکہ سے حج کا احرام باندھا، پھر بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کر لی (اگر چہ یہ اس پر لازم نہیں کیونکہ طواف قدوم باہر سے آنے والوں کے لیے مشروع ہے اس کے یہ طواف اور سعی نفلی شمار ہوں گے) پھر وہ بیمار ہو گیا اور وہ یہ استطاعت نہ پاسکا کہ لوگوں کے ساتھ موقف (وقوف کی جگہ یعنی عرفات) میں حاضری دے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب اس سے حج فوت ہو چکا تو اب اگر وہ طاقت پاتا ہے تو حل کی طرف (حرم سے باہر) جائے پھر عمرہ (کے احرام) کے ساتھ (مکہ میں) داخل ہو، پھر بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، کیونکہ اس نے پہلے کیے ہوئے طواف سے عمرہ کی نیت نہیں کی تھی، (اور اب امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ وہ عمرہ کر کے ہی احرام کھول سکتا ہے) اس لیے وہ یہ عمل کرے گا (کہ حرم کے باہر سے احرام باندھ کر آئے اور طواف و سعی کرے) اور اس پر آئندہ سال حج اور قربانی لازم ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ كَانَ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ مَكَّةَ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر وہ مذکورہ شخص اہل مکہ کے

فَأَصَابَهُ مَرَضٌ حَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَجِّ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَطَافَ بِالْبَيْتِ طَوَافاً آخَرَ، وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، لأَنَّ طَوَافَهُ الْأَوَّلَ، وَسَعْيَهُ إِنَّمَا كَانَ نَوَاهُ لِلْحَجِّ، وَعَلَيْهِ حَجُّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ.

علاوہ سے ہو، پھر اسے ایسا مرض پہنچے جو اس کے درمیان اور حج کے درمیان میں حائل ہو جائے اور اس نے بھی بیت اللہ کا طواف اور صفاومروہ کے درمیان سعی کر لی ہو تو وہ بھی عمرہ کر کے احرام کھولے اور (از سرِ نو) بیت اللہ کا ایک اور طواف کرے اور صفاومروہ کے درمیان سعی کرے، کیونکہ اس کے پہلے طواف اور سعی سے اس نے صرف اور صرف حج کی نیت کی تھی (نہ کہ عمرہ کی) اور اس پر آئندہ حج اور قربانی لازم ہوں گے۔

فائدہ: ......الغرض مکی اور غیر مکی کے لیے مذکورہ فتویٰ میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ کا رہنے والا ایسی صورت میں حرم سے باہر جا کر عمرے کا احرام باندھے گا جبکہ غیر مکی (آفاقی) شخص باہر جائے بغیر ہی طواف وسعی کر کے عمرہ کر لے گا۔

33- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي بِنَاءِ الْكَعْبَةِ

خانہ کعبہ کی تعمیر کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ......خانہ کعبہ کی چار بار تعمیر تو صحیح ثابت ہے: (1) حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تعمیر۔ (2) پھر 1675 سال بعد قریش مکہ کی تعمیر جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود رکھنے کا معاملہ حل فرمایا تھا۔ اس تعمیر میں حطیم والی جانب سے خانہ کعبہ کی عمارت چھ ہاتھ کم کر دی گئی اور ایک دروازہ ختم کر کے دوسرا دروازہ کافی اونچا کر دیا گیا۔ (3) پھر 82 سال بعد حجاج بن یوسف کی سنگباری سے عمارت کو نقصان پہنچنے پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ابراہیمی بنیادوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ (4) پھر جیسے ہی حجاج بن یوسف نے انھیں قتل کر دیا تو پھر اسے قریش کی طرح تعمیر کر دیا اور تب سے اب تک اس میں تبدیلی نہیں ہوئی...... رہی فرشتوں کی، حضرت آدم علیہ السلام اور شیث علیہ السلام کی تعمیر کعبہ تو وہ صحیح روایات سے منقول نہیں اور اسی طرح بنو جرہم، بنو عمالقہ اور قُصیّ کی تعمیر کی محض تاریخی بات ہے اور ویسے بھی وہ مکمل عمارت کی تعمیر کی بجائے صرف ترمیم تک محدود تھی، بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ اس زمین پر سب سے پہلے بیت اللہ ہی تعمیر کیا گیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران 3:96) ''یقیناً لوگوں کے لیے جو سب سے پہلا گھر بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، جو جہان والوں کے لیے

برکت اور ہدایت کا باعث ہے۔"

[804] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَخْبَرَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ حِينَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ اقْتَصَرُوا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَفَعَلْتُ. قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، مَا أُرَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ، إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیری قوم (قریش) نے جب خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا تو انھوں نے ابراہیمی بنیادوں میں کمی کر دی تھی۔" وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! تو کیا آپ اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام والی بنیادوں پر نہیں لوٹا دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تیری قوم کا کفر کے ساتھ زمانہ تازہ نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا۔" (ان میں اسلام ابھی پختہ نہیں ہوا، اور انھیں کفر چھوڑے بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا، کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اُن کے دل میں کوئی غلط خیال ڈال دے، حدیث کے راوی عبداللہ بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ نے) کہا کہ پھر (مجھ سے یہ حدیث سن کر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ اگر واقعی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ ﷺ نے (بیت اللہ کے) حطیم کے قریب والے دونوں کونوں کو چھونا (کسی اور وجہ سے) چھوڑا ہو مگر صرف اسی وجہ سے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام والی بنیادوں پر مکمل نہ کیا گیا تھا (اور یہ دونوں کونے ابراہیمی بنیادوں پر واقع نہیں ہیں)۔

فائدہ:...... خانہ کعبہ کا جو حصہ تعمیر سے رہ گیا تھا اس کے گرد آدمی کے قد کے برابر دیوار تعمیر کر دی گئی ہے اس کو حطیم کہتے ہیں اس میں سے صرف چھ ہاتھ جگہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے، باقی نہیں، اس حطیم کے شروع اور آخر والے بیت اللہ کے کونوں کو "رُکْنَيْنِ شَامِيَّيْنِ" (شامی کونے) کہتے ہیں، ان میں سے پہلے کا خاص نام رُکن عراقی بھی ہے، نبی کریم ﷺ طواف کے دوران انھیں ہاتھ نہیں لگاتے تھے جبکہ دوسرے دونوں کونوں کو آپ طواف کے دوران ہاتھ لگاتے تھے، جنھیں رُكْنَيْنِ يَمَانِيَّيْنِ (یمنی کونے) کہتے ہیں جن کے خاص نام رُکن اسود (حجر اسود والا کونہ) اور رُکن

[804] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، حديث: 1583 - 1586، 126، 3368، 4484، 7243، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، حديث: 1333، ترمذي: 875، نسائي: 2903، احمد: 6/ 113 (25338)، دارمي: 1868.

یمانی (حجر اسود سے پیچھے والا کونہ) ہیں، اس چھونے کے عمل کو "استلام" کہتے ہیں، رُکن یمانی کو صرف ہاتھ لگانا ثابت ہے جبکہ حجر اسود کو بوسہ دینا یا اُسے کوئی چیز لگا کر اُس کو بوسہ دینا ثابت ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی فتنے یا نقصان کے اندیشے کے پیش نظر مباح اور جائز کام چھوڑے جاسکتے ہیں، بلکہ بعض اوقات انھیں چھوڑنا ضروری ہوتا ہے۔

[805] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: مَا أُبَالِي أَصَلَّيْتُ فِي الْحِجْرِ أَمْ فِي الْبَيْتِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اس میں کوئی پروانہیں کرتی کہ حطیم میں نماز پڑھوں یا بیت اللہ کے اندر۔

فائدہ: ......کیونکہ حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے، لیکن یاد رہے کہ حطیم میں دیوار سے صرف چھ ہاتھ سے کچھ آگے تک بیت اللہ کا حصہ ہے۔ (مسلم: 1333/ 401) یہ جگہ چھ ہاتھ سے تھوڑی سی زیادہ ہے، اس لیے بعض نے کسر ختم کر کے چھ ہاتھ بیان کی ہے اور بعض نے کسر پوری کر کے سات ہاتھ بیان کی، نیز حطیم کی دیوار اور بیت اللہ کے کونے کے درمیان تھوڑا سا خلا تھا، اسی لیے بعض نے اُسے نکال کر پانچ ہاتھ کا ذکر کیا ہے۔

[806] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ بَعْضَ عُلَمَائِنَا يَقُولُ: مَا حُجِرَ الْحِجْرُ، فَطَافَ النَّاسُ مِنْ وَرَائِهِ، إِلَّا إِرَادَةَ أَنْ يَسْتَوْعِبَ النَّاسُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ كُلِّهِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض علمائے کرام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حطیم کے گرد جو دیوار بنائی گئی ہے، پھر لوگ اس کے پیچھے سے طواف کرتے ہیں تو یہ صرف اور صرف اس مقصد کی خاطر ہے کہ لوگ مکمل بیت اللہ کا طواف کرسکیں۔

فائدہ: ......اگر حطیم والی دیوار نہ بنائی جاتی تو بہت سے لوگ خانہ کعبہ کی موجودہ دیواروں کے ساتھ ساتھ طواف کرتے اور بیت اللہ کی مکمل جگہ کے گرد طواف کے چکر لگانے سے محروم ہوجاتے۔

34- بَابٌ: الرَّمَلُ فِي الطَّوَافِ

طواف میں رمل کرنے کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں، ایک مرفوع، تین موقوف اور ایک مقطوع روایت ہے اور

[805] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 5/ 130 (9155)، ابن ابی شیبہ: 8530، مسند ابی یعلیٰ: 7/ 328- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[806] (مقطوع صحیح) بیہقی فی المعرفۃ :4/ 72 (2966)، الشافعی فی الام: 2/ 176- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

سب کی سندیں صحیح ہیں۔

فائدہ :...... رَمَل کے لغوی معنی تو قریب قریب قدم رکھتے ہوئے تیز تیز چلنے کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ کندھوں کو ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح یوں چلنا جیسے آدمی دوڑ رہا ہو لیکن درحقیقت دوڑا نہ جائے...... جب صلح حدیبیہ کے نتیجے میں اگلے سال 7ھ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ عمرہ کے لیے مکہ گئے تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ وہ لوگ آرہے ہیں جن کو یثرب (مدینہ) کے وبائی بخار نے کمزور کررکھا ہے، کچھ مشرک حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ جبل قُـعَیْقعان پر، ان لوگوں کی نگاہ بیت اللہ کی تین جانب پڑ رہی تھی لیکن بالکل مخالف سمت یعنی "رُکْـنَیـنِ یمانِیَیْن" (حجر اسود اور اس سے پچھلے کونے رُکن یمانی) کے درمیان وہ نہیں دیکھ رہے تھے کیونکہ بیت اللہ کی پوری عمارت آڑے آجاتی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا کہ کندھے ہلا ہلا کر اپنی قوت کا اظہار کرتے ہوئے تین چکر لگاؤ تا کہ مشرکین پر رعب پڑے، البتہ رُکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان میں پیدل چلنے کا حکم ارشاد فرمایا، اور آپ ﷺ نے باقی چار چکر معمول کے مطابق لگائے۔ (بخاری: 1602، 4256، 4257، مسلم: 1263) لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ جب بھی آئے تو ابتدائی تین چکر مکمل چکروں میں رَمَل کیا، اگرچہ رَمَل کا آغاز ایک خاص سبب کی بنا پر ہوا لیکن بعد از اں یہ عمل ہمیشہ کے لیے (پیدل طواف کرنے والے اور استطاعت رکھنے والے مرد حضرات کے لیے) سنت بن گیا، جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے فرمایا تھا۔ (ابوداود: 1887، ابن ماجہ: 2952۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔)

[807] حَـدَّثَـنِـي يَـحْـيَـى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَـعْـفَـرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَـالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَمَـلَ مِـنَ الْـحَجَرِ الأَسْوَدِ حَتَّى انْتَهَى إِلَيْهِ، ثَـلاثَةَ أَطْوَافٍ.

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے تین چکروں میں حجر اسود سے رَمَل (کو شروع) کیا یہاں تک کہ (رَمَل کرتے کرتے گھوم کر) اسی (حجر اسود) تک پہنچ گئے۔

فائدہ :...... یہ 10ھ حجۃ الوداع کی بات ہے، لہٰذا حضرت ابن عباس ؓ والی 7ھ کی روایت منسوخ ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے عمرہ کرتے وقت پورے چکر میں رَمَل نہیں کیا تھا، یوں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کہ ابتدا میں واقعی صحابہ کرام ؓ کمزور تھے اس لیے از راہ شفقت پورے چکر میں رَمَـــل نہ کیا، بعد میں یہ عذر ختم ہوگیا تو رَمَـــل

[807] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب الرمل فى الطواف فى العمرة، حديث: 1263، جامع الترمذى، كتاب الحج، باب ماجاء فى الرمل من الحجر الى الحجر، حديث: 857، نسائى: 2947، ابن ماجه: 2951، احمد: 3/ 340، (14716)، دارمى: 1840.

بھی مکمل ہو گیا۔

[808] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرْمُلُ مِنَ الْحَجَرِ الأَسْوَدِ إِلَى الْحَجَرِ الأَسْوَدِ، ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ، وَيَمْشِي أَرْبَعَةَ أَطْوَافٍ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجر اسود سے (شروع کرکے) حجر اسود تک تین چکروں میں رمل کرتے اور چار چکر عام حالت کی طرح پیدل چل کر لگاتے۔

[809] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: أَنَّ أَبَاهُ كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ يَسْعَى الأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ لا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَا وَأَنْتَ تُحْيِي بَعْدَ مَا أَمَتَّا يَخْفِضُ صَوْتَهُ بِذَلِكَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو تین چکر دوڑ کر (رَمَــــــل کی شکل میں) لگاتے (اور ساتھ ساتھ) یہ کہتے جاتے: اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور تو ہی زندہ فرمائے گا بعد اس کے کہ تو فوت کرے گا، وہ ان الفاظ کے ساتھ اپنی آواز کو پست ہی رکھتے۔

فائدہ: ......تا کہ دوسروں کے اذکار میں خلل واقع نہ ہو، دراصل وہ ان الفاظ کو یوں مسجع بنا کر کہتے کہ شعر محسوس ہوتا۔ اللّٰهُمَّ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَا وَأَنْتَ تُحْيِي بَعْدَ مَا أَمَتَّا. یاد رہے کہ شعروں میں اور مقفیٰ و مسجع عبارتوں میں دعا مانگنا اگر تکلف سے ہو تو مکروہ ہے اور اگر بلا تکلف ہو تو جائز ہے۔

[810] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ مِنَ التَّنْعِيمِ. قَالَ: ثُمَّ رَأَيْتُهُ يَسْعَى حَوْلَ الْبَيْتِ الأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (اپنے بڑے بھائی) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، انھوں نے تنعیم سے احرام باندھا، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے انھیں دیکھا کہ بیت اللہ کے گرد تین چکروں میں وہ رَمَل کرتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔

---

[808] (موقوف صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرمل فی الطواف، حدیث: 1262/ 234، سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فی الرمل، حدیث: 1891، نسائی: 2943، ابن ماجہ: 2950، احمد: 2/ 13 (4618)، دارمی: 1842.

[809] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[810] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[811] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا أَحْرَمَ مِنْ مَكَّةَ لَمْ يَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتَّى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى، وَكَانَ لَا يَرْمُلُ إِذَا طَافَ حَوْلَ الْبَيْتِ إِذَا أَحْرَمَ مِنْ مَكَّةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب (حج کے لیے) مکہ ہی سے احرام باندھتے تو نہ بیت اللہ کا طواف کرتے اور نہ صفاومروہ کے درمیان چکر لگاتے، یہاں تک کہ وہ (10 ذوالحج کو) منیٰ سے لوٹ آتے اور جب وہ مکہ ہی سے احرام باندھتے تھے تو جب بیت اللہ کے گرد چکر لگاتے تو رَمَل نہ کرتے تھے۔

فائدہ :...... رَمَل عمرے کے طواف میں بھی مسنون ہے اور حج کے طواف میں بھی لیکن حج کے حوالے سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ یہ صرف اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد صفاومروہ کی سعی بھی ہو اور محققین کے نزدیک رَمَل صرف اور صرف طواف قدوم میں ہے جو مکہ میں پہنچتے ہی سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔(بخاری: 1617)

35- بَابٌ: اَلْإِسْتِلَامُ فِي الطَّوَافِ.

طواف میں استلام کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع روایات میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے جبکہ ایک مقطوع روایت سنداً صحیح ہے۔

فائدہ :...... استلام چھونے اور بوسہ دینے کو کہتے ہیں، بیت اللہ کے مشرقی کونے یعنی رُکن اسود اور جنوبی کونے رُکن یمانی کا استلام ثابت ہے، رُکن یمانی کو صرف ہاتھ لگایا جاتا ہے جبکہ حجر اسود کو چومنا اور بوسہ دینا بھی ثابت ہے (بخاری: 1597، مسلم: 1270)، اسے چھڑی لگا کر چھڑی کو چومنا بھی ثابت ہے۔(بخاری: 1607، مسلم: 1272، 1275)، اُسے ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومنا بھی ثابت ہے۔(مسلم: 1268/ 246) اور اگر ہجوم کی وجہ سے دور ہو تو دُور سے صرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ اکبر کہنا بھی ثابت ہے۔(بخاری: 1632) رہا بسم اللہ کہنا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ثابت نہیں البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔(بیہقی: 5/ 79- اس کی سند صحیح ہے) حجر اسود کی سیدھ میں سبز لائٹ لگا دی گئی ہے تاکہ ہر کسی کو پتا چل سکے کہ وہ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے سامنے پہنچ گیا ہے اور وہ وہیں سے طواف کا چکر شروع کرے اور وہیں پر ختم کرے۔

---

[811] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 5/ 84 (9285)، وفی معرفۃ السنن والآثار: 4/ 65 (2948)، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 198- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[812] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَضَى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ ، وَرَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ ، وَأَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ الأَسْوَدَ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ کا طواف مکمل کر لیتے اور (طواف کے بعد والی) دو رکعتیں ادا کر لیتے اور صفا و مروہ کی طرف نکلنے کا ارادہ فرماتے تو نکلنے سے پہلے حجر اسود کا استلام کرتے (اُسے چھوتے اور بوسہ دیتے۔)

[813] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ : كَيْفَ صَنَعْتَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ فِي اسْتِلَامِ الرُّكْنِ ؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ : اسْتَلَمْتُ وَتَرَكْتُ . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَصَبْتَ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں ، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابومحمد! تم نے حجر اسود کے استلام کے متعلق کیا کیا؟'' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے (جب قدرت پائی تو) اس کا استلام بھی کیا اور (جب موقع نہ مل سکا تو) اس کا استلام ترک بھی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''تم نے درست کیا۔''

فائدہ :......الغرض حجر اسود کو چھونا ، ہاتھ لگانا اور چومنا طواف کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ محض فضائل میں سے ہے ، چنانچہ جب ہجوم زیادہ ہو تو دھکم پیل میں الجھنے سے بچنا اور بچانا زیادہ بہتر ہے ، اگرچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف تھا اور وہ کسی بھی صورت میں استلام کو ترک نہ کرتے تھے لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ حجر اسود کو چھونا اور چومنا محض سنت ہے جبکہ کسی مومن کو ایذا نہ پہنچانا واجب ہے ، تو یہ بالکل درست نہیں کہ واجب کو چھوڑ کر سنت پر عمل کیا جائے بلکہ راجح موقف کے مطابق یہ استلام سنت بھی اسی صورت میں ہے جب کسی کو ایذا نہ پہنچائی جائے اور جب رش نہ ہو ، اگر زیادہ رش ہو تو دور سے اشارہ کرنا سنت ہے۔

[812] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب حجة النبی ﷺ : حدیث: 1218 ، سنن ابی داود ، کتاب المناسک ، باب صفة حجة النبی ﷺ :حدیث: 1905 ، نسائی: 2942 ، ابن ماجه: 3074 ، احمد: 3/ 320، 321 (14493) ، دارمی: 1850 .

[813] (مرفوع ضعیف) عبدالرزاق: 5/ 34 (8900) ، حاکم: 3/ 306 ، ابن حبان: 9/ 131 (3823) ، بیهقی :5/ 80 (9263) ، معرفة السنن والآثار: 4/ 60 (2933)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[814] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: أَنَّ أَبَاهُ كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ، يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا، وَكَانَ لَا يَدَعُ الْيَمَانِيَ، إِلَّا أَنْ يُغْلَبَ عَلَيْهِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ان کے والد (عروہ رحمہ اللہ) جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو (اس کے) تمام کونوں کو ہاتھ لگاتے اور رکن یمانی کو (چھونا) تو وہ چھوڑتے ہی نہیں تھے الا یہ کہ جب وہ مغلوب (اور رش کی وجہ سے مجبور) ہو جاتے (تو پھر نہ چھوتے)۔

فائدہ: ...... دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کے چاروں کونوں کو ہاتھ لگانے کا آغاز کیا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ سنت صرف یہ ہے کہ حجر اسود اور اس سے پچھلے کونے رکن یمانی کو چھوا جائے۔ (بخاری: 1608، ترمذی: 858) نیز دیکھیے پیچھے موطا کی روایت: 734۔

36- بَابٌ: تَقْبِيلُ الرُّكْنِ الْأَسْوَدِ فِي الِاسْتِلَامِ

استلام کرتے وقت حجر اسود کو بوسہ دینے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ: ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حجر اسود جنت سے نازل ہوا ہے اور وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا، پھر بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے وہ کالا ہو گیا۔'' (ترمذی: 877، نسائی: 2938، اس کی سند حسن صحیح ہے، الصحیحۃ: 2618) انھی سے یہ فرمان نبوی ﷺ بھی منقول ہے: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پتھر (حجر اسود) کو اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان بھی ہوگی جس سے وہ کلام کرے گا اور جس کسی نے بھی اسے سچے دل سے ہاتھ لگایا ہوگا اُس کے حق میں گواہی دے گا۔'' (ترمذی: 961، ابن ماجہ: 2944۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان مصطفیٰ ﷺ روایت کیا ہے: ''بلاشبہ حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت (ہیرا نما قیمتی پتھر) ہیں، اللہ نے ان کا نور ختم کر دیا ہے ورنہ اگر وہ اسے نہ مٹاتا تو یہ دونوں مشرق و مغرب کے درمیان (پوری کائنات) کو منور رکھتے۔'' (ترمذی: 878، ابن حبان: 1004، مستدرك حاكم: 1/ 456۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی ہے: ''یقیناً حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانا گناہوں کا کفارہ ہے۔'' (ترمذی: 959، ابن حبان: 1003، طبرانی فی المعجم الکبیر: 3/ 201۔ اس کی سند صحیح ہے۔ الصحیحۃ: 2725)

[814] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 8948، ابن ابی شیبہ: 14993۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[815] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ لِلرُّكْنِ الأَسْوَدِ: إِنَّمَا أَنْتَ حَجَرٌ، وَلَوْلَا إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ، ثُمَّ قَبَّلَهُ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود (کو مخاطب کر کے اس) سے فرمایا: اس حال میں کہ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، (فرمایا:) کہ بلاشبہ تو صرف اور صرف ایک پتھر ہے، نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع، اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ ﷺ تجھے بوسہ دے رہے تھے تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بوسہ دیا۔

فائدہ:...... یہ تھا وہ عقیدہ توحید جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر سب کے سامنے یہ بات اس لیے کہی تا کہ لوگ اس پتھر کے ساتھ محبت وعقیدت میں حد سے تجاوز نہ کرلیں، لوگ زمانہ جاہلیت میں پتھروں ہی کے پجاری تھے اس لیے خدشہ تھا کہ وہ حجر اسود کو بھی نفع ونقصان کا مالک سمجھ لیتے، چنانچہ انھوں نے علی الاعلان اس باطل عقیدے کی تردید فرمائی۔ جب حجر اسود کچھ نہیں کرسکتا تو بھلا درباروں اور مزاروں میں یہ خاصیت کیسے آسکتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّ إِذَا رَفَعَ الَّذِي يَطُوفُ بِالْبَيْتِ يَدَهُ عَنِ الرُّكْنِ الْيَمَانِي، أَنْ يَضَعَهَا عَلَى فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بعض اہل علم کو سنا وہ مستحب جانتے تھے کہ وہ شخص جو بیت اللہ کا طواف کر رہا ہو جب وہ (حجر اسود سے پچھلے کونے) رکن یمانی (کو چھوکر اس پر) سے ہاتھ اٹھائے تو اُسے اپنے منہ پر رکھ لے لیکن بوسہ نہ دے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بعد میں ہاتھ چومنے کے قائل ہیں لیکن راجح موقف یہ ہے کہ صرف ہاتھ لگایا جائے اور بس، نیز اگر رکن یمانی کو چھونے کا موقع نہ ملے تو نبی کریم ﷺ سے اس کی طرف اشارہ کرنا ثابت نہیں۔

37- بَابٌ: رَكْعَتَا الطَّوَافِ

طواف کی دو رکعتوں کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت (اثرِ تابعی) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام

[815] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود، حدیث: 1597، 1605، 1610، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف، حدیث: 1270، ابو داود: 1873، ترمذی: 860، نسائی: 2900، ابن ماجہ: 2943، احمد: 1/ 16 - 17.

مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... ہر طواف کے سات چکر پورے کر لینے کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، جیسا کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ انھیں واجب کہتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف مکمل کر لینے کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرة 2:125) ''اور تم مقام ابراہیم علیہ السلام کو نماز کی جگہ بناؤ'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا کیں کہ مقام ابراہیم علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلے کے درمیان میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی، پھر حجر اسود کا استلام کر کے صفا پہاڑی کی طرف سعی کرنے کے لیے چلے گئے۔ (مسلم: 1218) پہلے پہل مقام ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ ہی پڑا ہوتا تھا، بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجوم کے پیش نظر طواف اور نماز میں لوگوں کی سہولت کے لیے اسے دیوار سے کافی پیچھے ہٹا دیا جہاں اب تک وہ موجود ہے، پھر اس کے گرد ستون کھڑے کر کے جالی لگا دی گئی اور اوپر چھت ڈال دی گئی لیکن شاہ فیصل نے اسے ختم کروا کر 18 رجب 1387ھ کو ہفتے کے روز عصر کے بعد اسے شیشے کے گنبد میں رکھ دیا، چنانچہ آج ہر شخص بآسانی اس کے پاس کھڑا ہو کر اس کے اندر موجود پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان دیکھ سکتا ہے۔

[816] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ كَانَ لَا يَجْمَعُ بَيْنَ السُّبْعَيْنِ لَا يُصَلِّي بَيْنَهُمَا، وَلٰكِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ كُلِّ سُبْعٍ رَكْعَتَيْنِ: فَرُبَّمَا صَلَّى عِنْدَ الْمَقَامِ، أَوْ عِنْدَ غَيْرِهِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کوئی بھی دو طواف (سات سات چکروں کے دو مجموعے) اس طرح جمع نہ کرتے تھے کہ ان کے درمیان میں نماز نہ پڑھتے ہوں، بلکہ وہ ہر سات چکروں کے مجموعے کے بعد دو رکعتیں (ضرور) پڑھتے تھے، پھر کبھی تو مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ نماز پڑھتے تھے اور کبھی اس کے علاوہ (جگہ میں اسے ادا کرتے)۔

فائدہ :...... افضل و اولیٰ تو یہی ہے کہ طواف کی دو رکعتیں مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر اس طرح ادا کی جائیں کہ وہ نمازی اور قبلے کے درمیان میں ہو یعنی نمازی کے سامنے مقام اور اس سے آگے بیت اللہ ہو لیکن چونکہ ہجوم کی وجہ سے ہر وقت ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے اس کے پاس دائیں بائیں جانب یا آگے کھڑے ہو کر دو رکعتیں

[816] (مقطوع صحيح) ابن ابی شیبہ (ص 396- القسم المفقود)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

پڑھی جا سکتی ہیں اور وہاں جگہ نہ ملے تو پورے حرم میں کہیں بھی یہ دو رکعتیں ادا کی جا سکتی ہیں چونکہ نبی کریم ﷺ نے کبھی ایسا طواف نہیں کیا کہ جس کے فوراً بعد دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں، (بخاری، قبل از حدیث : 1623) اسی لیے امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہ اللہ، اہل حدیث اور بعض شافعیہ وحنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک دو یا زیادہ طوافوں کو اکٹھا کر کے بعد میں ان کی رکعتیں اکٹھی ادا کرنا مکروہ ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ ،امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں بلاکراہت جائز ہے، نیز اکثر احناف کے ہاں اگر چہ اس طرح اکٹھا کرنا مکروہ ہے لیکن فجر اور عصر کے بعد ان کے ہاں ایسا کرنے میں کراہت بھی نہیں ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الطَّوَافِ، إِنْ كَانَ أَخَفَّ عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يَتَطَوَّعَ بِهِ، فَيَقْرُنَ بَيْنَ الأُسْبُوعَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، ثُمَّ يَرْكَعَ مَا عَلَيْهِ مِنْ رُكُوعِ تِلْكَ السُّبُوعِ؟ قَالَ: لَا يَنْبَغِي ذَلِكَ، وَإِنَّمَا السُّنَّةُ أَنْ يُتْبِعَ كُلَّ سُبْعٍ رَكْعَتَيْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے طواف کے متعلق سوال کیا گیا کہ اگر آدمی کے لیے یہ عمل زیادہ آسان اور خفیف ہو کہ وہ نفلی طواف کرتے ہوئے دو یا زیادہ طوافوں (سات چکروں کے مجموعوں) کو ملا لے پھر (بعد میں) ان سب طوافوں کی رکعتیں ادا کی جائیں۔ انھوں نے کہا یہ مناسب نہیں، سنت یہی ہے کہ وہ ہر سات چکروں کے بعد دو رکعت پڑھ لے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ فِي الطَّوَافِ فَيَسْهُو، حَتَّى يَطُوفَ ثَمَانِيَةَ أَوْ تِسْعَةَ أَطْوَافٍ. قَالَ: يَقْطَعُ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ قَدْ زَادَ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَعْتَدُّ بِالَّذِي كَانَ زَادَ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَبْنِيَ عَلَى التِّسْعَةِ، حَتَّى يُصَلِّيَ سُبْعَيْنِ جَمِيعاً، لِأَنَّ السُّنَّةَ فِي الطَّوَافِ: أَنْ يُتْبِعَ كُلَّ سُبْعٍ رَكْعَتَيْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو طواف میں داخل ہوتا ہے، پھر بھول جاتا ہے اور آٹھ یا نو چکر لگا لیتا ہے (تو وہ کیا کرے؟) انھوں نے فرمایا: جیسے ہی اُسے علم ہو کہ وہ اضافہ کر چکا ہے تو وہ وہیں طواف ختم کر دے، پھر دو رکعتیں ادا کرے اور (ایک طواف میں رکعتوں سے پہلے) جتنے چکر زائد لگا چکا ہو ان کو شمار نہ کرے اور (یاد آنے کے بعد) یہ بھی درست نہیں کہ وہ ان نو چکروں پر بنیاد رکھے (اور پانچ چکر مزید لگا کر دو طواف پورے سمجھ لے) یہاں تک کہ پھر دونوں طوافوں کی اکٹھی نماز ادا کرے، (یہ درست نہیں) کیونکہ طواف میں سنت یہ ہے کہ ہر سات چکروں کے بعد دو رکعتیں پڑھی جائیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ شَكَّ فِي طَوَافِهِ بَعْدَ مَا يَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ، فَلْيَعُدْ فَلْيُتَمِّمْ طَوَافَهُ عَلَى الْيَقِينِ، ثُمَّ لِيُعِدِ الرَّكْعَتَيْنِ، لِأَنَّهُ لَا صَلَاةَ لِطَوَافٍ إِلَّا بَعْدَ إِكْمَالِ السُّبْعِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جو شخص طواف کی دو رکعتیں ادا کر لینے کے بعد اپنے طواف کے متعلق شک میں پڑ جائے (کہ ایک یا دو چکر ابھی باقی ہیں) تو اسے چاہیے کہ (وہیں سے طواف کی طرف) لوٹ جائے پھر (شک والے عدد کو

چھوڑ کر جتنے چکر لگا لینے کا اسے یقین ہو اس) یقین پر (بنیاد رکھتے ہوئے) اپنا طواف پورا کرے، پھر دوبارہ (اسی طواف کی) دو رکعتیں ادا کرے کیونکہ طواف کی نماز سات چکروں کو پورا کر لینے کے بغیر نہیں ہوتی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ بِنَقْضِ وُضُوئِهِ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ ، أَوْ يَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، أَوْ بَيْنَ ذَلِكَ ، فَإِنَّهُ مَنْ أَصَابَهُ ذَلِكَ وَقَدْ طَافَ بَعْضَ الطَّوَافِ أَوْ كُلَّهُ ، وَلَمْ يَرْكَعْ رَكْعَتَي الطَّوَافِ ، فَإِنَّهُ يَتَوَضَّأُ وَيَسْتَأْنِفُ الطَّوَافَ وَالرَّكْعَتَيْنِ . قَالَ مَالِكٌ : وَأَمَّا السَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، فَإِنَّهُ لَا يَقْطَعُ ذَلِكَ عَلَيْهِ مَا أَصَابَهُ مِنِ انْتِقَاضِ وُضُوئِهِ ، وَلَا يَدْخُلُ السَّعْيَ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ بِوُضُوءٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص کو کوئی ایسی چیز پہنچ جائے جس کی بنا پر اس کا وضو ٹوٹ جائے، اس حال میں کہ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا ہو، یا صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہا ہو یا ان (دونوں طواف و سعی) کے درمیان میں ہو (تو فرمایا) بے شک جس شخص کو بھی یہ معاملہ لاحق ہو تو، درآنحالیکہ وہ طواف کا کچھ حصہ یا مکمل طواف ادا کر چکا ہو اور طواف کی دو رکعتیں باقی ہوں تو یقیناً وہ وضو کرے گا اور نئے سرے سے طواف کرے گا اور رکعتیں ادا کرے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا صفا و مروہ کے درمیان سعی کا معاملہ تو بلاشبہ وضو ٹوٹنا آدمی کی اس سعی کو باطل نہیں کرتا البتہ وہ سعی کا آغاز صرف اس حال میں کرے کہ وہ باوضو ہو۔

فائدہ: ......طواف کے لیے باوضو ہونا شرط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وضو کر کے طواف کیا تھا۔ (بخاری: 1641) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ)) ''بیت اللہ کے گرد طواف، نماز ہی کی طرح ہے، البتہ اس میں تم گفتگو کر سکتے ہو، چنانچہ جو کوئی اس (طواف) میں کلام کرے تو وہ بھلائی کے علاوہ ہرگز کچھ نہ بولے۔'' (ترمذی :960، مستدرك حاكم: 1/ 459- اس کی سند صحیح ہے، ارواء الغلیل: 121) احناف کے ہاں مذکورہ بالا صورت میں آدمی صرف باقی ماندہ طواف ادا کر سکتا ہے جس طرح کہ ان کے نزدیک نماز میں بھی وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں گزشتہ نماز پر بنیاد رکھ کر صرف باقی ماندہ نماز ادا کرنے کا فتویٰ ہے، اہل حدیث کے نزدیک چونکہ طواف کو نماز سے تشبیہ دی گئی ہے اور جس طرح نماز ٹوٹ جائے تو وضو کرنے کے بعد گزشتہ نماز پر بنیاد نہیں رکھی جاتی، بلکہ نئے سرے سے نماز کو مکمل دہرایا جاتا ہے اسی طرح طواف بھی نئے سرے سے شروع کرنا پڑے گا، البتہ طواف اور رکعتوں کے درمیان میں وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر کے صرف رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی کیونکہ یہ رکعتیں اگرچہ طواف کے لیے مشروع ہیں لیکن بالاتفاق طواف کا حصہ نہیں ہیں، نیز صفا و مروہ کی سعی کے لیے طہارت شرط نہیں بلکہ صرف مستحب ہے کہ اسے باوضو حالت میں کیا جائے، اگر کوئی شخص وضو ٹوٹنے کے بعد نیا وضو کر کے سعی کو بھی نئے سرے سے شروع کر لے تو یہ بہتر

ہے لیکن اگر صرف باقی ماندہ کو ادا کرلے تو بھی درست ہے اور اگر بغیر نیا وضو کیے باقی ماندہ سعی کو پورا کرلے یا سعی کا آغاز ہی بغیر وضو کے کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔

38- بَابٌ: الصَّلَاةُ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ فِي الطَّوَافِ

نماز فجر وعصر کے بعد طواف کی نماز پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... متعدد صحابہ وتابعین، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز طواف مکروہ ہے، البتہ شافعیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے کیونکہ حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبد مناف کی اولاد! کسی ایسے شخص کو ہرگز منع نہ کرنا جو اس بیت اللہ کا طواف اور نماز، دن یا رات کی جس گھڑی میں بھی چاہے ادا کرے۔'' (ابوداود: 1894، ترمذی: 868، نسائی: 2927، ابن ماجہ: 1254۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[817] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ طَافَ بِالْبَيْتِ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى عُمَرُ طَوَافَهُ نَظَرَ فَلَمْ يَرَ الشَّمْسَ طَلَعَتْ، فَرَكِبَ حَتَّى أَنَاخَ بِذِي طُوًى، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

عبدالرحمٰن بن عبد رحمہ اللہ جو قارہ قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، سے روایت ہے کہ انھوں نے نماز فجر کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بیت اللہ کا طواف کیا، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا طواف مکمل کیا تو (آسمان کی طرف) دیکھا، انھوں نے سورج کو طلوع ہوچکنے والا نہ دیکھا تو (اونٹ پر) سوار ہوگئے، (اور واپس مدینہ چل پڑے) یہاں تک کہ وادی ذی طُویٰ میں اونٹ کو بٹھایا پھر (طواف والی) دو رکعتیں ادا کیں۔

[818] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ

ابو زبیر مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے

---

[817] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 2/ 463، 5/ 91 (9327)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 78 (2974)، عبدالرزاق: 5/ 63 (9008)، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 187۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[818] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 91 (9327)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ يَطُوفُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَدْخُلُ حُجْرَتَهُ فَلَا أَدْرِي مَا يَصْنَعُ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ نماز عصر کے بعد طواف کرتے تھے، پھر وہ اپنے حجرے میں داخل ہو جاتے تو میں نہیں جانتا کہ وہ (وہاں) کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ...... آیا وہ حجرے میں جا کر طواف کی دو رکعتیں پڑھ لیتے یا سورج غروب ہونے کا انتظار کرتے، امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی روایت میں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو زبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نماز پڑھتے دیکھا تھا، ہو سکتا ہے کہ کبھی دیکھا ہو اور کبھی معلوم نہ ہو سکا ہو۔ (زرقانی: 2/ 430)

[819] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ الْبَيْتَ يَخْلُو بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَبَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَا يَطُوفُ بِهِ أَحَدٌ.

ابو زبیر مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے بیت اللہ کو دیکھا کہ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد خالی ہو جاتا تھا۔ کوئی بھی اس کا طواف نہیں کرتا تھا۔

فائدہ: ...... اہل حدیث، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ان اوقات میں نہ طواف مکروہ ہے نہ نماز طواف اور احناف کے ہاں اس وقت نماز تو مکروہ ہے لیکن طواف کو وہ بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ بَعْضَ أُسْبُوعِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ، أَوْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَإِنَّهُ يُصَلِّي مَعَ الإِمَامِ، ثُمَّ يَبْنِي عَلَى مَا طَافَ حَتَّى يُكْمِلَ سُبْعاً، ثُمَّ لَا يُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبَ. قَالَ: وَإِنْ أَخَّرَهُمَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْمَغْرِبَ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سات میں سے کچھ چکر لگا لیے ہوں، پھر فجر یا عصر کی نماز کھڑی ہوگئی ہو تو بلاشبہ وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرے گا، پھر جو چکر پہلے لگا چکا تھا ان پر بنیاد رکھ کر باقی طواف کرے گا یہاں تک کہ سات پھیرے مکمل کر لے گا، پھر وہ (طواف کی) نماز نہیں پڑھے گا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے یا غروب ہو جائے اور اگر وہ ان دونوں رکعتوں کو اتنا مؤخر کر دے یہاں تک کہ نماز مغرب بھی پڑھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ...... امام صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ طواف کی دو رکعتیں غروب سے پہلے نہ پڑھی جائیں، البتہ سورج غروب ہوتے ہی اذان کے دوران یا نماز کھڑی ہونے سے پہلے پڑھ لی جائیں اور یہ افضل ہے لیکن اگر نماز مغرب سے مؤخر کر دی جائیں تو بھی گنجائش ہے لیکن اگر نماز مغرب کے بعد نماز طواف سے پہلے کوئی اور نوافل شروع کر دیے جائیں تو مالکیہ کے نزدیک طواف ہی باطل ہو جائے گا۔ (زرقانی: 2/ 431)

[819] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلا بَأْسَ أَنْ يَطُوفَ الرَّجُلُ طَوَافاً وَاحِداً بَعْدَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ ، لا يَزِيدُ عَلَى سُبْعٍ وَاحِدٍ ، وَيُؤَخِّرُ الرَّكْعَتَيْنِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، كَمَا صَنَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، وَيُؤَخِّرُهُمَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ ، فَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ صَلَّاهُمَا إِنْ شَاءَ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَّرَهُمَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْمَغْرِبَ لا بَأْسَ بِذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اوراس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ آدمی نماز فجر اور نماز عصر کے بعد صرف ایک ایک طواف کرے۔ سات چکروں سے زیادہ نہ لگائے (کیونکہ ہر طواف کے بعد نماز طواف بھی پڑھنی ہے اوران اوقات میں نماز مکروہ ہے اوراس نماز سے پہلے دوسرا طواف بھی درست نہیں) اور وہ اس (فجر کے بعد والے طواف) کی دو رکعتوں کو مؤخر کردے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور ان رکعتوں کو نماز عصر کے بعد بھی مؤخر کردے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، پھر اگر چاہے تو (غروب ہوتے ہی نماز سے پہلے) پڑھ لے اور اگر چاہے توان کو اور مؤخر کردے یہاں تک کہ نماز مغرب بھی پڑھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

39- بَابٌ : وَدَاعُ الْبَيْتِ

بیت اللہ سے الوداع ہونے (اورطواف الوداع کرنے) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دوموقوف روایات میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے جبکہ ایک مقطوع روایت سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دوفتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... بیت اللہ کے پاس سے رخصت ہوتے وقت حاجیوں پر طواف الوداع کرنا واجب ہے، سوائے حیض والی عورت کے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور اہل حدیث رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے، چنانچہ اسے ادا نہ کرنے پر ایک جانور ذبح کرنا لازم ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں یہ محض سنت ہے اور اسے نہ کرنے پر کچھ لازم نہیں آتا۔

[820] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : لا يَصْدُرَنَّ أَحَدٌ مِنَ الْحَاجِّ حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ ، فَإِنَّ آخِرَ النُّسُكِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حاجیوں میں سے کوئی شخص ہرگز واپس نہ لوٹے یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرلے کیونکہ بلاشبہ حج کی آخری عبادت بیت اللہ کا طواف ہی ہے۔

---

[820] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 161، 162 (9747)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 146 (3097)، الشافعي في الام: 2/ 180، وفي المسند: 1/ 575۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي قَوْلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: فَإِنَّ آخِرَ النُّسُكِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ: إِنَّ ذَلِكَ فِيمَا نُرَى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، لِقَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج: 32] وَقَالَ: ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ [الحج: 33] فَمَحِلُّ الشَّعَائِرِ كُلِّهَا وَانْقِضَاؤُهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان: ''کیونکہ حج کی آخری عبادت بیت اللہ کا طواف ہی ہے۔'' (کی وضاحت) میں فرمایا کہ ہماری رائے کے مطابق - اور حقیقت حال سے تو اللہ ہی خوب باخبر ہے...... یہ (الوداعی طواف) اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج 22:32) ''اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلاشبہ یہ دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ (الحج 22:33) ''پھران (قربانیوں) کے حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے پاس ہے۔'' لہٰذا حج کے تمام افعال سے حلال (اور فارغ) ہونے کی جگہ اور ان کی انتہاء (واختتام) بیت عتیق (خانہ کعبہ) کی طرف ہے۔

فائدہ: ......یعنی ''اِلٰی'' کے معنی میں ''انتہائے غایت'' کا مفہوم ہے لہٰذا حج کے افعال کی انتہا بیت اللہ پر ہونی چاہیے اور اگرچہ آیت میں مَحِلُّهَا سے مراد حلال اور ذبح ہونے کی جگہ ہے لیکن دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے اس لفظ سے ''فارغ ہونے کی جگہ'' مراد لی گئی ہے، اسی طرح شَعَائِرَ کے لفظ سے اگرچہ جانوروں کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ لفظ اللہ کی عظمت کی تمام نشانیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اَلْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کے معنیٰ ''قدیم گھر'' کے بھی ہیں اور واقعی بیت اللہ اس زمین پر سب سے پہلے بننے والا گھر ہے، اس کے معنیٰ ''آزاد گھر'' کے بھی ہیں کیونکہ بیت اللہ کفار کے تسلط سے آزاد ہے۔ قرآن مجید میں یہ دونوں آیات اکٹھی ہیں، اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ نے ان کے عمومی مفہوم کو ملحوظ رکھ کر ان سے طواف الوداع کے متعلق استنباط کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی (حاجی) ہرگز (واپسی کے لیے) نہ نکلے یہاں تک کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں صرف ہو۔'' (مسلم: 1327) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض میں مبتلا عورتوں کے لیے تخفیف فرمائی ہے کہ وہ بغیر طواف الوداع کے واپس جاسکتی ہیں۔ (بخاری: 328، 1755، مسلم: 1328)

[821] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَدَّ رَجُلاً مِنْ مَرِّ الظَّهْرَانِ، لَمْ يَكُنْ وَدَّعَ الْبَيْتَ، حَتَّى

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ''مَرُّ الظَّہران'' نامی جگہ سے واپس لوٹا دیا، اس نے بیت اللہ کا طواف الوداع نہیں کیا تھا،

[821] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 162 (9748)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 146 (3098)، الشافعي في الام: 7/ 238- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

وَدَّعَ الْبَيْتَ.

یہاں تک کہ اس شخص نے طواف الوداع کرلیا۔

فائدہ: ......وادی "مَرُّ الظَّھران" مکہ مکرمہ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

[822] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَفَاضَ فَقَدْ قَضَى اللّٰهُ حَجَّهُ، فَإِنَّهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ حَبَسَهُ شَيْءٌ، فَهُوَ حَقِيقٌ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَإِنْ حَبَسَهُ شَيْءٌ، أَوْ عَرَضَ لَهُ، فَقَدْ قَضَى اللّٰهُ حَجَّهُ.

ہشام بن عُروہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ جس شخص نے (دس ذوالحج والا) طواف افاضہ کرلیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کا حج پورا کردیا، (لیکن پھر بھی) بلاشبہ اگر اُسے کوئی شے روک نہ رہی ہو (کوئی امر مانع نہ ہو) تو وہ اس لائق ہے کہ (مکہ میں) اس کا آخری وقت بیت اللہ کا طواف (کرتے ہوئے گزر رہا) ہو، اور اگر کوئی چیز اسے روک لے یا اُسے کوئی عارضہ لاحق ہوجائے (جس کی بنا پر طواف الوداع رہ جائے) تو یقیناً اللہ نے اس کا حج تو پورا کر ہی دیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ أَنَّ رَجُلاً جَهِلَ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، حَتَّى صَدَرَ، لَمْ أَرَ عَلَيْهِ شَيْئاً، إِلَّا أَنْ يَكُونَ قَرِيباً فَيَرْجِعَ فَيَطُوفَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ يَنْصَرِفَ إِذَا كَانَ قَدْ أَفَاضَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اس بات سے ناواقف ہو کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں صرف ہونا چاہیے، یہاں تک کہ وہ (گھر) واپس لوٹ آیا تو میں اس پر کوئی چیز (جرمانہ وفدیہ کے طور پر لازم) خیال نہیں کرتا الا یہ کہ وہ (مکہ سے) قریب ہی ہو (اور وہاں اُسے اس طواف کی مشروعیت کا علم ہو) تو وہ لوٹ جائے اور بیت اللہ کا طواف (الوداع) کرلے، پھر واپس (اپنے علاقے میں) چلا جائے، بشرطیکہ وہ طواف افاضہ کرچکا ہو۔

فائدہ: ......کیونکہ طواف افاضہ تو فرض اور حج کا اہم رکن ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے سوا باقی سب کے نزدیک طواف الوداع ترک کرنے پر ایک خون بہانا لازم ہے۔

40- بَابٌ: جَامِعُ الطَّوَافِ

طواف کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو سنداً صحیح ہے اور دو موقوف (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

[822] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ : ......عمرے میں صرف ایک طواف فرض ہے، حج میں تین طواف ہوتے ہیں، جن میں سے ایک مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا جاتا ہے اسے طواف قُدُوم کہتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک یہ واجب ہے جس کی عدم ادائیگی پر ایک جانور ادا کرنا لازم ہے، البتہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور اہل حدیث رحمہم اللہ کے نزدیک یہ طواف سنت ہے جس کے ترک پر کچھ لازم نہیں، حج تمتع اور حج قران والے جب طواف قدوم کرتے ہیں تو وہ طوافِ عمرہ بھی ہوتا ہے...... پھر 10 ذوالحج کو طواف افاضہ کیا جاتا ہے جو کہ حج کا ایک اہم رُکن اور فرض ہے، اسے ادا کیے بغیر حج پورا نہیں ہوسکتا، اسے طواف زیارۃ اور طواف حج بھی کہتے ہیں، حج تمتع کرنے والوں پر بالاتفاق اس طواف میں صفاومروہ کی سعی بھی لازم ہوتی ہے، البتہ احناف کے نزدیک حج قران کرنے والے بھی اس طواف کے ساتھ سعی کریں گے...... پھر وطن واپسی یا مکہ سے نکلتے وقت طواف الوداع کرنا بھی لازم ہے جس کا تفصیلی بیان گزشتہ باب میں گزر چکا ہے ۔ان چار قسم کے علاوہ ہر طواف، عام نفلی طواف کی حیثیت رکھتا ہے، الا یہ کہ کسی نے اکیلے طواف کی نذر مانی ہو تو وہ اس پر واجب ہو جائے گا جس کی عدم ادائیگی پر اُسے کفارۂ نذر یعنی کفارۂ قسم دینا ہوگا۔

[823] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ، أَنَّهَا قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ: طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ. قَالَتْ: فَطُفْتُ رَاكِبَةً بَعِيرِي، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَئِذٍ يُصَلِّي إِلَى جَانِبِ الْبَيْتِ، وَهُوَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ.

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور یہ شکایت کی کہ بے شک میں بیمار ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے پیچھے سے اس حال میں طواف کر لے کہ تُو سوار ہو۔'' وہ کہتی ہیں کہ پھر میں نے (سواری پر بیٹھ کر) طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت بیت اللہ کے ایک جانب نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ سورۃ وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ کی تلاوت فرما رہے تھے۔

فائدہ : ...... یہ طواف الوداع تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا تھا کہ ''جب نمازِ فجر کھڑی ہو جائے تو اپنے اونٹ پر طواف کر لینا''، چنانچہ انھوں نے طواف کیا اور وہ نماز میں شامل نہ ہوئیں یہاں تک کہ حرم سے باہر نکل گئیں۔ (بخاری: 1626) اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں پر نماز باجماعت پڑھنا فرض نہیں ہے۔

[823] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب طواف النساء مع الرجال، حدیث: 1619، 464، 1626، 1633، 4853، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر وغیرہ، حدیث: 1276، ابوداود: 1882، نسائی: 2928، ابن ماجہ: 2961، احمد: 6/ 290(27018).

[824] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ: أَنَّ أَبَا مَاعِزٍ الْأَسْلَمِيَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ جَالِساً مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ تَسْتَفْتِيهِ فَقَالَتْ: إِنِّي أَقْبَلْتُ أُرِيدُ أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِبَابِ الْمَسْجِدِ هَرَقْتُ الدِّمَاءَ، فَرَجَعْتُ حَتَّى ذَهَبَ ذَلِكَ عَنِّي، ثُمَّ أَقْبَلْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ هَرَقْتُ الدِّمَاءَ، فَرَجَعْتُ حَتَّى ذَهَبَ ذَلِكَ عَنِّي، ثُمَّ أَقْبَلْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ هَرَقْتُ الدِّمَاءَ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: إِنَّمَا ذَلِكِ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَاغْتَسِلِي، ثُمَّ اسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ، ثُمَّ طُوفِي.

حضرت ابو ماعز اسلمی عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے، (اتنے میں) اُن کے پاس ایک عورت آئی، وہ آپ سے فتویٰ لینا چاہتی تھی، چنانچہ وہ کہنے لگی کہ بے شک میں (حرم کعبہ کی طرف) متوجہ ہوئی، میرا ارادہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کروں، یہاں تک کہ جب میں مسجد کے دروازے کے پاس پہنچی تو مجھے کافی زیادہ خون آنا شروع ہوگیا، میں واپس لوٹ گئی، یہاں تک کہ وہ خون مجھ سے ختم ہوگیا، میں پھر متوجہ ہوئی یہاں تک کہ جب میں مسجد کے دروازے کے پاس آئی تو مجھے کافی خون آنے لگا، میں پھر لوٹ گئی یہاں تک کہ وہ خون مجھ سے چلا گیا، میں نے پھر (مسجد کا) رخ کیا یہاں تک کہ جب میں مسجد کے دروازے کے قریب ہوئی تو پھر مجھے بہت خون آنے لگا، (اب میں کیا کروں؟) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یقیناً یہ تو شیطان کی ٹھوکر ہے، لہٰذا تم غسل کرلو، پھر کپڑے کے ساتھ لنگوٹ باندھ لو، پھر طواف کرلو۔

فائدہ: ...... یعنی یہ خون حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے جو نماز وطواف سے مانع نہیں ہے، شیطان عورت کے پیٹ میں لات مار کر کوئی رگ پھاڑ دیتا ہے تا کہ عورت اسے حیض سمجھ کر عبادتوں سے رُکی رہے، لیکن اسلام نے شیطان کی یہ سازش ناکام بنادی ہے اور عورتوں کو اس بیماری میں عبادت کا طریقہ بتادیا ہے...... موطا امام مالک رحمہ اللہ کے دوسرے نسخوں میں ہے کہ یہ فتویٰ پوچھنے والی ایک بوڑھی عورت تھی اور ظاہر بات ہے کہ بوڑھی عورتوں کو حیض تو نہیں آتا، رہا غسل کا حکم تو وہ اس لیے تھا کہ طواف کے لیے غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ امام مالک اور مالکیہ کا یہ موقف ہے۔

[825] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَ إِذَا دَخَلَ مَكَّةَ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مکہ میں اس حال میں آتے کہ (9 ذوالحج کا دن ختم

[824] (موقوف ضعیف) بیہقی: 5/ 88۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[825] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

مُرَاهِقاً، خَرَجَ إِلَى عَرَفَةَ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يَطُوفُ بَعْدَ أَنْ يَرْجِعَ .

ہورہا ہوتا اور) انھیں وقوف عرفہ کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوتا تو وہ (سیدھے) عرفات کی طرف نکل جاتے، پہلے اس لیے کہ بیت اللہ کا طواف اور صفاومروہ کے درمیان سعی کریں، پھر وہ (عرفات سے) واپس آنے کے بعد ہی طواف کرتے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ وَاسِعٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ (طواف قدوم کا ترک کرنا تنگیٔ وقت کے پیش نظر) جائز ہے، ان شاء اللہ۔

فائدہ :...... دراصل طواف قدوم سنت ہے، واجب نہیں ہے جیسا کہ جمہور کا موقف ہے اور 9 ذوالحج کو عرفات میں ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے، لہٰذا جب وقت کم ہو تو واجب کی خاطر سنت کو ترک کرنا لازم ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ هَلْ يَقِفُ الرَّجُلُ فِي الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ الْوَاجِبِ عَلَيْهِ يَتَحَدَّثُ مَعَ الرَّجُلِ ؟ فَقَالَ : لَا أُحِبُّ ذَلِكَ لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا آدمی اس طواف میں جو اس پر واجب ہو، کھڑا ہو کر دوسرے شخص کے ساتھ بات چیت کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کے لیے یہ عمل پسند نہیں کرتا۔

فائدہ :...... یہ عمل مکروہ ہے، البتہ بوقت ضرورت خیر کی بات کی جائے تو کراہت بھی نہیں ہے، چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''بیت اللہ کے گرد طواف نماز ہی کی طرح ہے، مگر تم اس میں کلام کر لیتے ہو، چنانچہ جو شخص بھی طواف کے دوران میں کلام کرے تو بھلائی کے علاوہ کچھ اور ہرگز نہ بولے۔'' (ترمذی: 960، مستدرك حاكم: 1/ 459۔ اس کی سند صحیح ہے، ارواء لغلیل: 121)

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَطُوفُ أَحَدٌ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی بیت اللہ کا طواف اور صفاومروہ کے درمیان چکر نہ لگائے مگر اس حال میں کہ وہ باوضو ہو۔

فائدہ :......طواف کے لیے طہارت شرط ہے اور سعی کے لیے مستحب ہے، مزید تفصیل کے لیے پیچھے باب: 37 کا آخری مسئلہ اور فائدہ دیکھیے۔

41- بَابٌ: الْبَدْءُ بِالصَّفَا فِي السَّعْيِ

سعی کرتے وقت صفا پہاڑی سے آغاز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ) اور ایک موقوف (اثر صحابی) ہے اور سب سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ: ...... جمہور کے نزدیک سعی فرض ہے اور حج وعمرہ کا رُکن ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سعی واجب ہے اور اس کے ترک پر ایک جانور کا خون بہانے سے کمی پوری ہو جاتی ہے، سعی کی فرضیت کے متعلق اہم دلیل یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: (اِسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ) ''سعی کیا کرو، کیونکہ بلاشبہ اللہ نے تم پر سعی کو فرض قرار دیا ہے۔'' (احمد: 6/ 421، حاکم: 4/ 70، بیهقی: 5/ 98، ارواء الغلیل: 1072۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کا حج اور عمرہ پورا ہی نہیں کیا جس نے صفا ومروہ کے درمیان چکر نہ لگائے ہوں (مسلم: 1277) عصر حاضر کی جدید تعمیر میں ان دونوں پہاڑیوں کو ختم کر کے صرف ان کے نشانات باقی رکھے گئے ہیں اور وہ جگہ جہاں دوڑا جاتا ہے وہ چند میٹر ہی ہے اور اس کی تعیین کے لیے اس کے آغاز واختتام پر سبز لائٹیں لگا دی گئی ہیں۔

[826] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ حِينَ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَهُوَ يُرِيدُ الصَّفَا وَهُوَ يَقُولُ: نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ. فَبَدَأَ بِالصَّفَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جس وقت کہ آپ ﷺ مسجد حرام سے نکل رہے تھے اور صفا پہاڑی کا ارادہ کر رہے تھے، آپ فرما رہے تھے: ''ہم (عمل کرتے وقت) اسی چیز کے ساتھ آغاز کریں گے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے (تذکرہ کرنے میں) آغاز کیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے صفا پہاڑی کے ساتھ (اپنی سعی کا) آغاز فرمایا۔

فائدہ: ...... ایک روایت میں یہ حکم بھی ہے: (فَابْدَءُوْا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ) ''تو تم اسی سے ابتدا کرو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابتدا کی ہے۔'' (نسائی: 2965)

[827] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب صفا پر کھڑے ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے اور فرماتے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

---

[826] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، سنن ابى داود، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905، ترمذى: 862، نسائى: 2972، ابن ماجه: 3074، احمد: 3/ 388 (15237، 15238).

[827] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، سنن ابى داود، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905، نسائى: 2975، ابن ماجه: 3074.

الـصَّـفَـا يُـكَبِّرُ ثَـلَاثاً وَيَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْـدَهُ لَا شَـرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُـوَ عَـلَـى كُـلِّ شَـيْءٍ قَـدِيرٌ. يَصْنَعُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَـرَّاتٍ وَيَـدْعُو، وَيَصْنَعُ عَلَى الْمَرْوَةِ مِثْلَ ذَلِكَ.

الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے سب حمد ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔'' آپ ﷺ تین بار یہی (عمل) کرتے اور دعا مانگتے اور مروہ پہاڑی پر بھی اسی طرح ہی کرتے۔

فائدہ :...... تفصیلی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر اتنا اونچا چڑھتے کہ بیت اللہ پر نظر پڑنے لگی، پھر آپ ﷺ نے قبلے کی جانب رخ کیا، اللہ کی توحید وکبریائی بیان کی اور پھر (لَاإِلَـــهَ الـلّٰـــهُ وَحْـدَهٗ لَاشَـرِيْكَ لَـهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) کا وظیفہ پڑھ کر ساتھ یہ بھی پڑھا: (لَاإِلَهَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ، اَنْجَزَوَعْدَهٗ، وَنَصَرَعَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ) ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے ہی لشکروں کو شکست دی۔'' تین بار یہ عمل کیا اور درمیان میں دعائیں مانگتے رہے۔ (مسلم: 1218) یعنی تکبیر وتہلیل کرکے دعا کرتے، پھر تکبیر وتہلیل پڑھتے، پھر دعا کرتے اور تکبیر وتہلیل کرتے۔

[828] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ سَـمِـعَ عَبْـدَ الـلّٰـهِ بْنَ عُمَرَ وَهُوَ عَلَى الصَّفَا يَـدْعُـو يَـقُـولُ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ: ﴿ادْعُونِي أَسْتَـجِـبْ لَكُمْ﴾ [غافر: 60] وَإِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ، وَإِنِّي أَسْأَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِي لِلْإِسْلَامِ أَنْ لَا تَنْزِعَهُ مِنِّي حَتَّى تَتَوَفَّانِي وَأَنَا مُسْلِمٌ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سنا، اس حال میں کہ وہ صفا پر تھے، اور یہ کہتے رہے تھے: اے اللہ! یقیناً تو نے فرمایا: ﴿ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المؤمن 60:40) ''تم مجھے پکارو، میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔'' اور بلاشبہ تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور بے شک میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جیسے تو نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی ہے، اسی طرح اسے (یعنی اسلام کو موت تک باقی رکھنا) مجھ سے نکال نہ لینا، یہاں تک کہ تو مجھے اس حال میں فوت کرے کہ میں مسلمان ہی ہوں۔

[828] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 94 (9345)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 80 (2796)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

42- بَابٌ: جَامِعُ السَّعْيِ

سعی کے بارے میں متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں اور ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......عمرہ اور حج مُفرد کرنے والوں پر صرف ایک بار سعی لازم ہے جو وہ پہلے طواف میں کریں گے، البتہ حج تمتع والا چونکہ دوبارا الگ الگ سے احرام باندھتا ہے اس لیے وہ دوبار سعی کرے گا، ایک طواف قدوم کے ساتھ اور دوسرا طواف افاضہ کے ساتھ، اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ حج قران کے متعلق اختلاف ہے، احناف اس میں بھی دو سعی کرنا لازم قرار دیتے ہیں جبکہ باقی تمام فقہاء و محدثین کے ہاں اس میں صرف ایک سعی ہے۔

[829] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [البقرة: 158] فَمَا عَلَى الرَّجُلِ شَيْءٌ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَلَّا، لَوْ كَانَ كَمَا تَقُولُ، لَكَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ، كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ، وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ، وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے (اپنی خالہ) اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، اس حال میں کہ میں ان دنوں نوعمر ہی تھا، (میں نے کہا کہ) مجھے اس فرمان الٰہی کے متعلق بتایئے: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرة2:158) ''بے شک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔'' (یعنی ان دونوں کے درمیان سعی کے چکر لگائے......تو کیا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ) آدمی پر اس میں (بھی) کچھ گناہ نہیں ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان چکر نہ لگائے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز نہیں، اگر

[829] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب العمرة، باب يفعل بالعمرة مايفعل بالحج، حديث: 1790، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان ان السعي بين الصفاوالمروة ركن، حديث: 1277، ابوداود: 1901، ترمذي: 2965، نسائي: 2971، ابن ماجه: 2986، احمد: 6/ 144 (25625).

سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ .

اس کا مفہوم اس طرح ہوتا جیسا کہ تو کہہ رہا ہے تو آیت یوں ہوتی: ((فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّايَطَّوَّفَ بِهِمَا)) ''اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس میں کہ وہ ان دونوں کے درمیان چکر نہ لگائے۔'' (دراصل بات یہ ہے کہ) بلاشبہ یہ آیت تو صرف اور صرف انصار کے متعلق نازل ہوئی تھی جو (اسلام سے قبل) مَنَاۃ بت کے نام کا احرام باندھتے (اور اس کا حج کرتے تھے) اور مناۃ بت قُدَید جگہ کے سامنے تھا اور وہ (انصار دورِ جاہلیت میں) صفا و مروہ کے درمیان چکر لگانے میں حرج (اور گناہ) محسوس کرتے تھے، چنانچہ جب اسلام آیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرۃ 2:158)

فائدہ :...... دراصل (لَاجُنَاحَ عَلَيْهِ) ''اُس پر کوئی گناہ نہیں'' کے الفاظ عموماً ایسے کام کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جو مباح اور جائز ہو (فرض واجب نہ ہو) جس کے کرنے یا نہ کرنے میں گناہ لازم نہ آئے، اسی لیے عروہ ؒ نے مذکورہ سوال کیا تو سیدہ عائشہ ؓ نے پہلے تو سعی کی شرعی حیثیت اور فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے صفا و مروہ کی سعی نہ کی، اللہ اس کا حج اور عمرہ ہی پورا نہیں کرتا۔ (مسلم: 1277/ 259)...... پھر انھوں نے فقہی انداز میں بھانجے کے سوال کا رد کیا کہ جو مطلب تم نکال رہے ہو یہ اس صورت میں ہوتا جب عبارت (اَنْ يَّطَّوَّفَ) کی بجائے (اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ) ہوتی...... پھر سیدہ عائشہ ؓ نے اصل حقیقت بتلائی کہ آیت میں (لَاجُنَاحَ عَلَيْهِ) کے الفاظ کا تعلق شانِ نزول سے ہے، یعنی جن لوگوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا وہ دورِ جاہلیت میں سعی کو گناہ سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتقاد کی نفی اور تردید کے لیے یہ الفاظ نازل فرمائے...... یہ مذکورہ وضاحت کہ دورِ جاہلیت میں انصار مدینہ اسے گناہ سمجھتے تھے، سیدہ عائشہ ؓ کی بیان کردہ ہے جبکہ حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت میں ہے کہ دورِ جاہلیت میں ہم (انصار مدینہ) یہ سعی کرتے تھے اور اسلام لانے کے بعد اسے گناہ سمجھنے لگے تو اللہ نے اس گمان کی تردید فرمائی، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم صفا و مروہ کی سعی کو جاہلیت کے شعائر اور عبادات میں شمار کرتے تھے اور اسلام لانے کے بعد ان سے رک گئے اور اس عمل میں کراہت محسوس کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ (بخاری: 1648، 4496، مسلم: 1278) بلکہ سیدہ عائشہ ؓ کی ایک روایت سے بھی یہ دوسری توجیہ معلوم ہوتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ دورِ جاہلیت میں انصار مدینہ ساحلِ سمندر پر واقع دو بتوں ''اساف اور نائلہ'' کے نام کا احرام باندھتے تھے، پھر وہاں سے مکہ جاتے اور صفا و مروہ کی سعی کرتے، چنانچہ اسلام لانے کے بعد انھوں نے اسے عملِ جاہلیت سمجھ کر مکروہ جانا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی۔ (مسلم: 1277/ 259)

الغرض انصار مدینہ جب مناۃ بت کا احرام باندھتے تو سعی کو گناہ سمجھتے اور جب اساف اور نائلہ بتوں کا احرام باندھتے تو سعی کو لازم سمجھتے جسے انھوں نے اسلام میں دورِ جاہلیت کے عمل کی بنا پر گناہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اعتقادات وتصورات کی نفی کے لیے (لا جُناحَ علیه) کے الفاظ نازل کیے۔

[830] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ كَانَتْ عِنْدَ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، فَخَرَجَتْ تَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ مَاشِيَةً، وَكَانَتِ امْرَأَةً ثَقِيلَةً، فَجَاءَتْ حِينَ انْصَرَفَ النَّاسُ مِنَ الْعِشَاءِ، فَلَمْ تَقْضِ طَوَافَهَا حَتَّى نُودِيَ بِالْأُولَى مِنَ الصُّبْحِ، فَقَضَتْ طَوَافَهَا فِيمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ، وَكَانَ عُرْوَةُ إِذَا رَآهُمْ يَطُوفُونَ عَلَى الدَّوَابِّ يَنْهَاهُمْ أَشَدَّ النَّهْيِ، فَيَعْتَلُّونَ بِالْمَرَضِ حَيَاءً مِنْهُ، فَيَقُولُ لَنَا فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ: لَقَدْ خَابَ هَؤُلَاءِ وَخَسِرُوا.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی "سودہ رحمہا اللہ" (میرے والد) عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں، وہ حج یا عمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان میں پیدل چکر لگانے کے لیے نکلیں، وہ بھاری بدن والی عورت تھیں، چنانچہ وہ (سعی کے لیے اس وقت) آئیں جب لوگ نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے، پھر وہ اپنے (سعی والے) یہ چکر پورے نہ کر پائیں یہاں تک کہ فجر کی پہلی اذان ہوگئی، یوں انھوں نے نمازِ عشاء سے لے کر اذانِ فجر تک کے درمیان میں اپنی سعی کو پورا کیا۔ (بھاری بدن اور پیدل چلنے کی دشواری کے باوجود ان کے خاوند عروہ رحمہ اللہ نے انھیں سواری کی اجازت نہ دی) اور عروہ رحمہ اللہ جب لوگوں کو دیکھتے کہ وہ جانوروں پر سعی کر رہے ہیں تو وہ انھیں بہت سختی سے منع کرتے تو وہ (لوگ) اُن سے حیا کرتے ہوئے بیماری کا عذر پیش کرتے تو عروہ رحمہ اللہ ہمارے اور اپنے درمیان (بات کو خاص رکھتے ہوئے اور خاص ہم ہی کو مخاطب کرتے ہوئے) ہم سے کہتے کہ یقیناً یہ لوگ ناکام ہوگئے اور گھاٹے میں رہے۔

فائدہ: ...... یاد رہے کہ چونکہ اقامت کو بھی اذان کہتے ہیں، اس لیے اقامت کے مقابلے میں اذان کو پہلی پکار کہا جاتا ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ چونکہ حرم کعبہ میں سحری کی اذان بھی روزانہ دی جاتی ہے جسے تہجد کی اذان بھی کہتے ہیں اس لیے پہلی اذان سے مراد وہی ہو...... رہا سوار ہو کر سعی کا مسئلہ تو یہ عذر کے موقع پر بلا کراہت جائز ہے اور بلا عذر سب کے نزدیک مکروہ ہے حتیٰ کہ احناف کے ہاں تو بلا عذر سوار ہو کر سعی کرنے پر ایک دم یعنی جانور دینا لازم ہے ...... بہرحال نبی کریم ﷺ سے اکثر روایات میں تو پیدل ہی سعی کرنا ثابت ہے مگر حضرت قدامہ بن عمار رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ کے سوار ہو کر سعی کرنے کا تذکرہ ہے۔ (بیہقی: 5/ 101۔ اس کی سند کو صحیح قرار دیا گیا ہے، یہ روایت مشکاۃ المصابیح میں کتاب الحج کے تیسرے باب کی دوسری فصل کے اخیر میں موجود ہے۔ اس روایت میں حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ سے ایمن بن نابل

[830] (مقطوع صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 4/ 90 (2992)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

روایت کرتے ہیں اور ایمن کے شاگردوں کی کثیر تعداد نے یہ سوار ہونا "رمی جمار" کے وقت ذکر کیا ہے جبکہ صرف دو شاگردوں نے صفا ومروہ کی سعی کے وقت سوار ہونا بیان کیا ہے چونکہ یہ دونوں بھی ثقہ راوی ہیں اس لیے امام بیہقی اور علامہ البانی رحمہ اللہ وغیرہ نے دونوں قسم کے الفاظ کو صحیح تسلیم کیا ہے، واللہ اعلم۔ مزید دیکھیے مرعاۃ: 8/ 489)

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: مَنْ نَسِيَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فِي عُمْرَةٍ، فَلَمْ يَذْكُرْ حَتَّى يَسْتَبْعِدَ مِنْ مَكَّةَ، أَنَّهُ يَرْجِعُ فَيَسْعَى، وَإِنْ كَانَ قَدْ أَصَابَ النِّسَاءَ فَلْيَرْجِعْ فَلْيَسْعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتَّى يُتِمَّ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ عَلَيْهِ عُمْرَةٌ أُخْرَى وَالْهَدْيُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص عمرے میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا بھول جائے، پھر اسے یاد بھی نہ آئے یہاں تک کہ وہ مکہ سے دور چلا جائے۔ (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) یقیناً وہ واپس لوٹے گا پھر سعی کرے گا (اور تبھی اس کا عمرہ مکمل ہوگا) اور اگر وہ (اس بھول کے دوران) بیویوں سے مباشرت کر چکا ہو تو اسے چاہیے کہ پھر بھی واپس لوٹے، اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرے تاکہ وہ حصہ بھی پورا ہو جائے جو اس کے عمرے میں سے باقی تھا (لیکن چونکہ مباشرت کی بنا پر یہ عمرہ فاسد ہو چکا ہے اس لیے پھر اس پر دوسرا عمرہ بھی اور (فدیہ کے طور پر) ہدی کا جانور قربان کرنا بھی لازم ہے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور (صحیح ترین روایات کے مطابق) امام احمد رحمہ اللہ سعی کو بھی رُکن قرار دیتے ہیں۔ اس کی عدم ادائیگی سے نہ عمرہ پورا ہوتا ہے اور نہ حج لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور احناف کے ہاں "سعی" رکن نہیں ہے، بلکہ وہ اسے واجب کہتے ہیں جس کے چھوڑنے پر ایک جانور ذبح کرنا لازم ہے، پہلا موقف راجح ہے جس کے دلائل گزشتہ باب کے آغاز میں مذکور ہیں...... نیز فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج یا عمرے کو فاسد کرنے والا کم از کم عمرے کے افعال (طواف اور سعی) پورے کر کے ہی احرام کھولے گا، پھر ایک جانور بھی فدیے میں قربان کرے گا، اور اگر وہ حج یا عمرہ فرض ہوں تو راجح موقف کے مطابق قضائی بھی لازم ہے ورنہ نہیں، البتہ احناف اور وہ فقہاء جو کام شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب قرار دیتے ہیں اُن کے نزدیک نفل وفرض ہر دو کی قضا لازم ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَلْقَاهُ الرَّجُلُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَيَقِفُ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ؟ فَقَالَ: لَا أُحِبُّ لَهُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جسے دوسرا شخص صفا ومروہ کی سعی کے درمیان میں ملتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو کر اس سے باتیں کرنے لگتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس کے لیے یہ کام پسند نہیں کرتا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ نَسِيَ مِنْ طَوَافِهِ شَيْئاً، أَوْ شَكَّ فِيهِ، فَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا وَهُوَ يَسْعَى بَيْنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص اپنے (بیت اللہ کے گرد) طواف میں سے کچھ (چکر) بھول جائے یا اس میں سے

الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَإِنَّهُ يَقْطَعُ سَعْيَهُ، ثُمَّ يُتِمُّ طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عَلَى مَا يَسْتَيْقِنُ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَي الطَّوَافِ، ثُمَّ يَبْتَدِئُ سَعْيَهُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

اسے شک لاحق ہو، پھر وہ اسے یاد نہ آئے مگر اس حال میں (یاد آئے) کہ وہ صفاومروہ کے درمیان سعی کر رہا ہو تو (فرمایا کہ) بلاشبہ وہ اپنی سعی کو (وہیں پر) ختم کر دے گا، پھر جس تعداد پر اسے یقین ہے اس پر (بنیاد رکھ کر) بیت اللہ کا (باقی ماندہ) طواف مکمل کرے گا، پھر طواف کی دو رکعتیں ادا کرے گا، پھر صفاومروہ کے درمیان سعی کا (نئے سرے سے) آغاز کرے گا۔

[831] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا نَزَلَ مِنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مَشَى، حَتَّى إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِي سَعَى، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْهُ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب صفاومروہ کے درمیان (پہاڑی سے) اُترنے لگتے تو پیدل (معمول کے مطابق) چلتے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے مبارک قدم وادی کے نشیب میں پڑتے تو آپ ﷺ دوڑنے لگتے، یہاں تک کہ اس وادی سے نکل جاتے (اور دوسری پہاڑی پر چڑھنے لگتے تو پھر پیدل چلنے لگتے)۔

فائدہ :...... اب تو دونوں پہاڑیاں ختم کر کے وادی کے نشیبی حصے کے بالکل برابر اور ہموار راستہ بنا دیا گیا ہے، البتہ ان دونوں کے درمیان جو اصل وادی کی جگہ تھی اس کی تعیین کے لیے آغاز واختتام پر سبز لائٹیں لگا دی گئی ہیں، اس جگہ کے اوپر بھی کئی منزلیں تعمیر کر دی گئی ہیں اور وہاں بھی دوڑنے کے مقام پر سبز لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ جَهِلَ فَبَدَأَ بِالسَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ. قَالَ: لِيَرْجِعْ فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لِيَسْعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَإِنْ جَهِلَ ذَلِكَ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ مَكَّةَ وَيَسْتَبْعِدَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ إِلَى مَكَّةَ، فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو (مسئلے سے) ناواقف تھا تو اس نے (اپنے حج وعمرہ میں) صفاو مروہ کے درمیان سعی کے ساتھ آغاز کر لیا، پہلے اس سے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اُسے چاہیے کہ وہ واپس لوٹ جائے، پھر بیت اللہ کا طواف کرے، پھر (بعد میں) صفاومروہ کے درمیان سعی کرے،

[831] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث:1218، سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب صفة حجة النبی ﷺ، حدیث: 1905، ترمذی:862، نسائی: 2984، ابن ماجه: 3074، احمد:3/ 388 (15234)، دارمی:1850.

وَالْمَرْوَةِ، وَإِنْ كَانَ أَصَابَ النِّسَاءَ، رَجَعَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتَّى يُتِمَّ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ عَلَيْهِ عُمْرَةٌ أُخْرَى وَالْهَدْيُ .

اور اگر وہ اس مسئلے سے لاعلم ہی رہا یہاں تک کہ وہ مکہ سے نکل گیا اور دور چلا گیا پھر بھی یقیناً وہ واپس مکہ آئے گا، پھر بیت اللہ کا طواف (پہلے) کرے گا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی (اس کے بعد) کرے گا اور اگر وہ (اس واپسی کے دوران) عورتوں سے ہم بستری کر چکا ہو تو (پھر بھی) واپس لوٹے، پھر بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرے تاکہ وہ حصہ پورا ہو جائے جو (ترتیب کے لحاظ سے) اس کے عمرے میں سے باقی رہ گیا تھا، پھر (اس فاسد عمرے کے بدلے) اس پر ایک اور عمرہ اور ہدی کا جانور لازم ہے۔

فائدہ :...... امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک طواف سے پہلے کی گئی سعی کفایت نہیں کرتی بلکہ اس کا اعادہ کرنا لازم ہے، البتہ عطاء بن ابی رباح، اوزاعی اور بعض محدثین رحمہم اللہ اس پہلے کی گئی سعی کو کافی سمجھتے ہیں، راجح موقف جمہور ہی کا ہے۔

43- بَابٌ: صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ

یوم عَرَفہ (9 ذوالحج) کے روزے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک حدیث نبوی ﷺ اور ایک اثر صحابی ہے اور دونوں سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ :...... حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن کے روزے کی فضیلت یوں بیان فرمائی: (يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ) "یہ روزہ گزشتہ سال اور آئندہ سال (کے گناہوں) کا کفارہ بن جاتا ہے۔" (مسلم: 1162)

[832] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صِيَامِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ

حضرت اُمِّ الفضل (لبابہ) بنت حارث سے روایت ہے کہ بے شک (حجۃ الوداع میں) کچھ لوگوں نے ان کے پاس عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزہ رکھنے کے متعلق شک کیا، چنانچہ ان میں سے بعض کہنے لگے کہ آپ روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کا روزہ نہیں ہے تو

[832] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب الوقوف على الدابة بعرفة، حديث: 1661، 1658، 1988، 5604، 5618، 5636، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب الفطر للحاج بعرفات يوم عرفة، حديث: 1123، ابو داود: 2441، احمد: 6/ 340 (24719).

بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ بِعَرَفَةَ، فَشَرِبَ.

(وہ کہتی ہیں کہ) میں نے دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، اس حال میں کہ آپ ﷺ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر ٹھہرے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے اسے نوش فرما لیا۔

فائدہ:...... کچھ روایات میں ہے کہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے پیالہ بھیجا تھا، دراصل یہ دونوں بہنیں تھیں، اور حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ہی اپنی بہن سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو پیالہ بھیجنے کا کہا تھا یا اس کے برعکس کا بھی احتمال ہے، بہرحال میدان عرفات میں روزہ نہ رکھنا اعمال حج کی ادائیگی کے لیے حصول قوت کا باعث ہے، البتہ غیر حاجیوں کے لیے یہ روزہ رکھنا افضل ہے، اگر کوئی حاجی بھی اسے رکھنا چاہے تو اسے حرام نہیں کہہ سکتے کیونکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت ملتا ہے، رہی وہ روایت جس میں ہے کہ میدان عرفات میں موجود حاجی یہ روزہ نہ رکھیں (ابوداود: 2440، ابن ماجہ: 1732) تو وہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں مہدی نامی راوی مجہول ہے، اگرچہ امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اس صورت میں یہ ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ واللہ اعلم۔

[833] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ كَانَتْ تَصُومُ يَوْمَ عَرَفَةَ. قَالَ الْقَاسِمُ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهَا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ يَدْفَعُ الإِمَامُ، ثُمَّ تَقِفُ حَتَّى يَبْيَضَّ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ مِنَ الأَرْضِ، ثُمَّ تَدْعُو بِشَرَابٍ فَتُفْطِرُ.

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (ان کی پھوپھی جان) اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (حج میں بھی) عرفہ کے دن کا روزہ رکھا کرتی تھیں، قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو عرفہ کی شام کے وقت دیکھا، امام (میدان عرفات سے) واپس لوٹ جاتا، وہ پھر بھی وہیں ٹھہری رہتیں، یہاں تک کہ ان کے درمیان اور لوگوں کے درمیان زمین خالی ہو جاتی، پھر وہ کوئی پینے کی چیز منگواتیں اور روزہ افطار کر دیتیں۔

فائدہ:...... یوم عرفہ 9 ذوالحج کا سورج غروب ہوتے ہی میدان عرفات سے واپس لوٹ کر میدان مزدلفہ میں جانا ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس لیے رک جاتیں کہ رش بھی ذرا کم ہو جائے اور روزہ افطار کرنے کے لیے چہرہ کھولنے کی ضرورت پڑے تو لوگوں کی نظر بھی نہ پڑے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میدان عرفات میں اس روزے کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج کیا تو آپ ﷺ نے یہ روزہ نہ رکھا، پھر حضرت ابوبکر، پھر حضرت

[833] (موقوف صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 428 (2578، 2579)، ابن ابی شیبه: 3/ 190 (13393)، شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عمر، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھی حج کیے اور انھوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا اور میں بھی تو نہ اس دن کا روزہ رکھتا ہوں اور نہ اس کے رکھنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے منع کرتا ہوں۔ (ترمذی: 751- اس کی سند حسن ہے۔)

44- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي صِيَامِ أَيَّامِ مِنًى

منیٰ کے دنوں (ایام تشریق) کے روزوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں جو سب سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ......حجاج کرام جب 10 ذوالحج کو رمی (کنکریاں مارنے) نحر (قربانی کرنے)، حلق (سر مونڈنے) اور طواف افاضہ سے فارغ ہو جاتے ہیں تو اگلے تین دن انھوں نے میدان منیٰ میں ٹھہرنا ہوتا ہے، یہ دن ایام تشریق یا ایام عید کہلاتا ہے جن میں روزہ رکھنا حرام ہے،

[834] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ أَيَّامِ مِنًى.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے منیٰ کے دنوں کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

[835] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حُذَافَةَ أَيَّامَ مِنًى يَطُوفُ يَقُولُ: إِنَّمَا هِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو منیٰ کے دنوں میں (لوگوں کی طرف) بھیجا، وہ (ان میں) گھوم پھر کر (اعلان کرتے ہوئے) کہہ رہے تھے: بلاشبہ یہ دن تو صرف کھانے، پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن مالک اور حضرت اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کو بھی تقریباً یہی اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔ (مسلم: 1142) اور حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فرمان نبوی نقل کیا ہے کہ ''ایام تشریق تو کھانے، پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں'' (مسلم: 1141)

---

[834] (مرفوع صحيح لغيره) نسائی فی الکبریٰ: 2/ 166، 2876، 2877، احمد: 3/ 450 (15827)، ابن ابی شیبۃ: 4/ 21، بیہقی فی معرفۃ السنن والآثار: 3/ 440 (2603)، طحاوی: 2/ 244- شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[835] (مرفوع صحيح لغيره) نسائی فی الکبریٰ: 2/ 167 (2884)- شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[836] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ، يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الأَضْحَى.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے دودنوں کے روزے سے منع فرمایاہے، ایک عیدالفطر کا دن اوردوسرا عیدالاضحیٰ کا دن۔

فائدہ: ...... پورے سال میں پانچ دنوں کے روزے بالاتفاق ممنوع ہیں،ایک عیدالفطر کا دن اور چار عیدالاضحیٰ کے دن، یادرہے کہ حج تمتع اور حج قران کرنے والوں پر قربانی واجب ہے اوراگروہ قربانی نہ کرسکیں تووہ تین روزے حج کے دوران میں اورسات روزے واپس گھر جاکر رکھیں گے،اب اگرکوئی شخص نوذوالحج تک اپنے تین روزے نہ رکھ سکے تووہ کیا کرے گا؟ اس تاریخ کے بعدحج کےصرف چاردن باقی رہ جاتے ہیں اوروہی دن عید کے بھی ہیں جن میں روزہ حرام ہے تومذکورہ شخص کوامام مالک رحمہ اللہ ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت دیتے ہیں،امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی ہے،البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اوراکثر اہل حدیث کے نزدیک ان دنوں میں روزہ بالکل کسی کے لیے جائزنہیں،امام شافعی رحمہ اللہ کا جدیدقول بھی یہی ہے،امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔

[837] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ، أُخْتِ عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِيهِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، فَوَجَدَهُ يَأْكُلُ، قَالَ: فَدَعَانِي، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ إِنِّي صَائِمٌ. فَقَالَ هَذِهِ الأَيَّامُ الَّتِي نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِنَّ وَأَمَرَنَا بِفِطْرِهِنَّ.
قَالَ مَالِكٌ: هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمروبن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے توان کوکھانا کھاتے ہوئے پایا،حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھے بھی کھانے کی دعوت دی،وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ یقیناً میں تو روزہ دارہوں تووہ فرمانے لگے کہ کیاان دنوں میں(تم روزہ رکھے ہوئے ہو)جن کے روزے سے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا ہےاورہمیں ان دنوں میں افطار کیے رکھنے کاحکم دیا ہے۔
امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ تشریق کے دن تھے۔

[836] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب تحريم صوم يومى العيدين، حديث: 1138، نسائى فى الكبرى:2795، احمد:2/ 511 (10642).

[837] (مرفوع صحيح) سنن ابى داود، كتاب الصيام، باب الصيام ايام التشريق، حديث: 2418، نسائى فى الكبرى: 2900، احمد: 4/ 197(17920)، ابن خزيمه: 2916، حاكم: 1/ 435، بيهقى: 4/ 260، 297- شیخ سلیم ہلالی اورشیخ احمدعلی سلیمان نے اس حدیث کوصحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ :...... ''تشریق'' کے لغوی معنی ہیں: ''گوشت کے ٹکڑے کرکے اسے دھوپ میں خشک کرنا اور چونکہ اہل عرب دس ذوالحج کو قربانیاں کرکے آئندہ دنوں میں گوشت خشک کیا کرتے تھے اس لیے 11، 12، 13 ذوالحج کا نام ہی ایام تشریق پڑ گیا۔

45- بَابٌ: مَا يَجُوزُ مِنَ الْهَدْيِ

اس ہدی کے جانور کا بیان جو (قربانی کے لیے) جائز ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں، دو احادیث نبویہ، تین آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور دو آثار تابعین ہیں اور سب سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ :...... جو جانور بھی حرم میں ذبح کرنے کے لیے بھیجا جائے یا اپنے ساتھ لے جایا جائے وہ ہدی کہلاتا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ (المائدۃ:5: 95) ''قربانی کعبہ کو پہنچنے والی۔''

[838] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَهْدَى جَمَلاً كَانَ لأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ.

عبداللہ بن ابی بکر (بن محمد بن عمرو) بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ حج یا عمرے میں ہدی کے طور پر اس اونٹ کو لے کر گئے جو ابوجہل بن ہشام کا تھا۔

فائدہ :...... دوسری روایات میں وضاحت ہے کہ یہ عمرے کا موقع تھا اور یہ حدیبیہ والے سال کی بات ہے، یہ اونٹ جنگ بدر میں غنیمت میں ملا تھا اور اس کی ناک میں چاندی یا سونے کی نکیل تھی، آپ ﷺ اس طرح مشرکین کو غصہ دلانا چاہتے تھے، (ابو داود: 1749) کیونکہ یہ اونٹ مشہور تھا اور اسے دیکھ کر واقعۂ بدر میں مشرکین کے عبرتناک انجام کی طرف ذہن چلا جاتا تھا، ابوجہل کا اصل نام عمرو تھا۔

[839] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

---

[838] (مرفوع صحيح لغيره) سنن ابی داود، كتاب المناسك، باب في الهدى، حديث: 1749، سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب الهدى من الاناث والذكور، حديث: 3100، احمد: 1/ 261، ابن خزيمه: 2897، بيهقى: 5/ 230۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ اور شیخ احمد علی سلیمان نے حسن کہا ہے۔

[839] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الحج، باب ركوب البدن، حديث: 1689، 1706، 2755، 6160، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز ركوب البدنة المهداة لمن احتاج اليها، حديث: 1322، ابوداود: 1760، نسائی: 2801، ابن ماجه: 3103، احمد: 2/ 487، (10320).

الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلاً يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ: ارْكَبْهَا. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا بَدَنَةٌ. فَقَالَ: ارْكَبْهَا وَيْلَكَ. فِي الثَّانِيَةِ أَوِ الثَّالِثَةِ.

اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو ہدی کا اونٹ ہانک رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا'' اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً یہ تو ''بَدَنہ'' یعنی حرم میں قربانی کے لیے خاص کیا ہوا اونٹ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا، تیری خرابی ہو'' (یہ ارشاد) دوسری یا تیسری باری میں (اسے حکم دیتے ہوئے فرمایا)۔

فائدہ: ...... ایک روایت میں یہ وضاحت ہے کہ وہ شخص پیدل چلنے کی وجہ سے مشقت میں مبتلا تھا۔ (نسائی: 2803) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ہے: ''جب تم مجبور ہو جاؤ تو اس (ہدی کے اونٹ) پر معروف طریقے کے مطابق سواری کرلو، یہاں تک کہ تم کوئی اور سواری کا جانور پالو۔'' (مسلم: 1324) اونٹ کے بھاری بھرکم بدن کی وجہ سے اُسے ''بَدَنہ'' کہتے ہیں۔

[840] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ: أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يُهْدِي فِي الْحَجِّ بَدَنَتَيْنِ بَدَنَتَيْنِ، وَفِي الْعُمْرَةِ بَدَنَةً بَدَنَةً. قَالَ: وَرَأَيْتُهُ فِي الْعُمْرَةِ يَنْحَرُ بَدَنَةً وَهِيَ قَائِمَةٌ، فِي دَارِ خَالِدِ بْنِ أَسِيدٍ، وَكَانَ فِيهَا مَنْزِلُهُ. قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ طَعَنَ فِي لَبَّةِ بَدَنَتِهِ، حَتَّى خَرَجَتِ الْحَرْبَةُ مِنْ تَحْتِ كَتِفِهَا.

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کرتے تھے، وہ حج میں دو دو اونٹ ہدی کے طور پر لے جاتے اور عمرے میں ایک ایک، عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور میں نے ان کو عمرے کے موقع پر دیکھا کہ وہ حضرت خالد بن اسید رضی اللہ عنہ کے گھر میں اپنے ہدی کے اونٹ کو نحر (قربان) کر رہے تھے، اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا اور اسی گھر میں اُن کی رہائش (ہوتی) تھی، عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یقیناً میں نے انھیں عمرے میں دیکھا کہ انھوں نے اپنے اونٹ کی گردن (کے نچلے گڑھے) میں (نیزہ) مارا، یہاں تک کہ نیزہ اونٹ کے کندھے کے نیچے سے باہر نکل آیا۔

فائدہ: ...... اونٹ کو کھڑا کر کے اس کا ایک گھٹنا باندھ دیتے ہیں، پھر اس کی گردن اور سینے کے درمیان والے گڑھے میں نیزہ، برچھی، خنجر یا چھرا وغیرہ زور سے مار کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں، ہر اونٹ کو قربان کرنے کا سنت طریقہ یہی ہے اور اسی کو ''نحر'' کہا جاتا ہے، حضرت خالد بن اسید رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حج یا عمرے کے لیے آتے تو ان کے گھر ہی میں پڑاؤ ڈالا کرتے تھے، یا شاید صرف اسی موقع پر ان کے

[840] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 3/ 238 (13897)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

گھر میں انھوں نے پڑاؤ کیا تھا جب عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ نے یہ منظر دیکھا تھا۔ واللہ اعلم۔

[841] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَهْدَى جَمَلاً فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حج یا عمرے میں ایک اونٹ کو ہدی کے طور پر لائے۔

[842] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِئِ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيَّ أَهْدَى بَدَنَتَيْنِ، إِحْدَاهُمَا بُخْتِيَّةٌ.

ابوجعفر قاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ دو اونٹوں کو ہدی کے طور پر لائے، اُن میں سے ایک بختی تھا۔

فائدہ: ......خراسانی اونٹ کو بختی کہتے ہیں، یہ بہت سخت جان، عمدہ اور دو کوہانوں والا ہوتا ہے۔

[843] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا نُتِجَتِ النَّاقَةُ، فَلْيُحْمَلْ وَلَدُهَا حَتَّى يُنْحَرَ مَعَهَا، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ لَهُ مَحْمَلٌ، حُمِلَ عَلَى أُمِّهِ حَتَّى يُنْحَرَ مَعَهَا.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب (ہدی والی) اونٹنی بچہ جنے تو اس کے بچے کو ساتھ اٹھا کر لے جایا جائے یہاں تک کہ اُسے اس کے ساتھ ہی نحر (قربان) کر دیا جائے، پھر اگر اس بچے کو اٹھانے کے لیے کوئی اور جانور نہ پایا جائے تو اُسے اس کی ماں ہی پر سوار کر دیا جائے یہاں تک کہ اُسے اس کے ساتھ ہی نحر کیا جائے۔

فائدہ: ...... نیا نیا پیدا شدہ بچہ خود لمبا سفر نہیں کر سکتا اور اس کی پیدائش جس سفر میں ہوئی اسے اسی راستے میں پیش کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے اسے بھی ساتھ لے جایا جائے گا خواہ کسی جانور پر لاد کر ہی لے جانا پڑے۔

[844] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: إِذَا اضْطُرِرْتَ إِلَى

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ان کے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) نے فرمایا: جب تو اپنے ہدی کے

---

[841] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[842] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 3/ 238 (13898) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[843] (موقوف صحیح) بیھقی: 5/ 237 (10211)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[844] (مقطوع صحیح) بیھقی: 5/ 237 (10212)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

بَدَنَتِكَ فَارْكَبْهَا رُكُوباً غَيْرَ فَادِحٍ ، وَإِذَا اضْطُرِرْتَ إِلَى لَبَنِهَا فَاشْرَبْ بَعْدَ مَا يَرْوَى فَصِيلُهَا ، فَإِذَا نَحَرْتَهَا فَانْحَرْ فَصِيلَهَا مَعَهَا .

اونٹ کی طرف مجبور کردیا جائے تو اس پر سوار ہو جا، ایسے انداز میں کہ جو اس پر بہت بوجھل نہ ہو، انھوں نے (یہ بھی) فرمایا: اور جب تو اس کے دودھ کی طرف مجبور کردیا جائے تو اسے پی لے (لیکن) بعد اس کے کہ اس کا بچہ سیراب ہو جائے، (اور جو وہ باقی چھوڑے اُسے پی لے،) پھر جب تو اُسے نحر کرے تو اس کے بچے کو بھی اس کے ساتھ ہی نحر کردے۔

46- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي الْهَدْيِ حِينَ يُسَاقُ

جب ہدی کے جانور کو ہانکنا مقصود ہو تو اس کے طریقہ کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں آٹھ روایات ہیں، سات موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور ایک مقطوع (اثرِ تابعی رحمہ اللہ) ہے اور سب سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[845] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَهْدَى هَدْياً مِنَ الْمَدِينَةِ قَلَّدَهُ وَأَشْعَرَهُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ، يُقَلِّدُهُ قَبْلَ أَنْ يُشْعِرَهُ ، وَذٰلِكَ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ ، وَهُوَ مُوَجَّهٌ لِلْقِبْلَةِ ، يُقَلِّدُهُ بِنَعْلَيْنِ ، وَيُشْعِرُهُ مِنَ الشِّقِّ الْأَيْسَرِ ، ثُمَّ يُسَاقُ مَعَهُ ، حَتَّى يُوقَفَ بِهِ مَعَ النَّاسِ بِعَرَفَةَ ، ثُمَّ يَدْفَعُ بِهِ مَعَهُمْ إِذَا دَفَعُوا ، فَإِذَا قَدِمَ مِنًى غَدَاةَ النَّحْرِ نَحَرَهُ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ ، وَكَانَ هُوَ يَنْحَرُ هَدْيَهُ بِيَدِهِ يَصُفُّهُنَّ قِيَاماً ، وَيُوَجِّهُهُنَّ إِلَى الْقِبْلَةِ ، ثُمَّ يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ہدی کا جانور مدینہ سے لے کر جاتے تو ذوالحلیفہ مقام پر اُسے قلادہ بھی ڈالتے اور اشعار بھی کرتے، اسے اشعار کرنے سے پہلے قلادہ ڈال دیتے تھے اور یہ دونوں کام ایک ہی جگہ پر اس حال میں کرتے کہ اس جانور کا منہ قبلہ کی سمت ہوتا تھا، وہ اس کے گلے میں دو جوتیاں لٹکاتے اور اس کی بائیں جانب اشعار کرتے (زخم لگا کر خون صاف کرتے) پھر اسے ان کے ساتھ ہی لے جایا جاتا تھا یہاں تک کہ اسے لوگوں کے ساتھ میدان عرفات میں ٹھہرایا جاتا، پھر اسے لوگوں کے ساتھ ہی واپس لایا جاتا جس وقت کہ لوگ واپس ہوتے، پھر جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یوم نحر (10 ذوالحج) کی صبح کو میدان منیٰ میں آجاتے تو وہ اپنا سر منڈوانے یا بال کتروانے سے پہلے اسے نحر کردیتے اور وہ اپنے ہدی کے اونٹوں کو خود اپنے ہاتھ سے نحر کرتے تھے، وہ انھیں قطار میں کھڑا کردیتے اور ان کا منہ قبلہ کی طرف کردیتے، پھر خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔

[845] (موقوف صحيح) بيهقي: 5/ 232 (10171)، بغوي في شرح السنة: 7/ 200 (1959)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

فائدہ: ...... کیونکہ ارشادالٰہی ہے: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ (الحج 22:28)
''پھر تم (خود بھی) ان کا گوشت کھاؤ اور ہر لاچار فاقہ کش فقیر کو بھی کھلاؤ۔''
گوشت کھانا اور کھلانا، ہدی کے جانور دو قسم کے ہوتے ہیں: نفلی اور واجب، واجب ہدی حج تمتع، حج قران، نذر یا جرمانے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نفلی ہدی میں سے حج اور عمرہ کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ حرم میں پہنچ جائے، اگر اسے راستے ہی میں اس کے عاجز آ جانے کی صورت میں ذبح کرنا پڑے تو پھر خود نہیں کھا سکتا۔ رہا واجب قربانیوں کا معاملہ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں سے کسی سے بھی کچھ بھی کھانا جائز نہیں، امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف حج تمتع اور حج قران والی قربانی میں سے کھا سکتا ہے اور کسی سے نہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تین کے علاوہ سب سے کھانا جائز ہے، اور وہ تین یہ ہیں: شکار کا فدیہ، کسی تکلیف کی بنا پر بال وغیرہ کٹانے کا فدیہ اور نذر کی قربانی...... راجح موقف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا اور ایک واجب قربانی کے ساتھ ساتھ 99 مزید اونٹ قربان کیے اور سب کے گوشت میں سے کھایا۔ (مسلم: 1218) اور آپ ﷺ کی سب ازواج مطہرات حج تمتع کر رہی تھیں سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے، کہ انھوں نے بھی حج قران کیا تھا تو ان سب امہات المومنین نے اپنی قربانیوں میں سے کھایا اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تینوں قسم کے حج کر رہے تھے اور سب کو اپنے جانوروں میں سے کھانے کی اجازت تھی۔ (بخاری: 1719، 1720، مسلم: 1972) لہٰذا نفلی قربانی اور حج تمتع نیز حج قران کی قربانیوں میں سے کھانا جائز ہے اور ان کے علاوہ کسی اور قربانی میں سے کھانے کا ثبوت نہیں ملا، لہٰذا نہ کھانا ہی احوط اور اظہر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ (قلادہ) قلادہ ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ جانور کے گلے میں ہار کی شکل میں رسی ڈال کر اس کے ساتھ جوتا وغیرہ لٹکا دینا، اس عمل کو تقلید کہتے ہیں۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ہدی کا جانور جب اونٹ یا گائے کی جنس سے ہو تو قلادہ ڈالنا مسنون ہے، البتہ بھیڑ بکری کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اُسے مسنون نہیں کہتے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک انھیں قلادہ ڈالنا بھی مسنون ہے کیونکہ بہت سی احادیث مبارکہ میں بکریوں کو قلادہ ڈالنا بھی ثابت ہے (بخاری: 1702، 1703، مسلم: 1321/ 367، 368) پھر امام شافعی رحمہ اللہ دو جوتے لٹکانے کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ ایک جوتے کے ساتھ کفایت ہو جانے کے قائل ہیں، کیونکہ بعض روایات میں ایک جوتے کا بھی ذکر ہے۔ (بخاری: 1706) اور دو جوتے لٹکانا بھی ثابت ہے، (مسلم: 1243) جوتے لٹکانے میں حکمت یہ ہے کہ جوتا سفر اور مشقت کی علامت ہے، نیز جوتے انسان کے لیے سواری کا کام دیتے ہیں تو ان جوتوں کو جانور کے گلے میں لٹکانے کے ساتھ یہ اشارہ کیا جاتا ہے کہ آدمی اللہ کی خاطر اپنی سواری کے جانور سے دست بردار ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم...... (اِشعار) رہا اشعار تو اس کے لغوی معنیٰ علامت مقرر کرنے کے ہیں اور شرعی معنی یہ ہیں کہ ہدی کے جانور کی کوہان کی

ایک جانب نیزے وغیرہ کے ساتھ اتنا زخم لگایا جائے کہ خون نکل آئے، پھر اسے صاف کر دیا جائے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ جانور حرم کعبہ میں قربان ہونے کے لیے جا رہا ہے، چنانچہ اس علامت کے ساتھ دوسرے جانوروں میں ہونے کے باوجود اس کی شناخت ہوتی رہتی ہے، وہ گم بھی نہیں ہوتا کیونکہ عرب ایسے جانور کا رخ حرم کی طرف کر دیتے تھے اور چور بھی اسے نہیں چھیڑتے تھے اور اگر یہ جانور راستے میں مرنے کے قریب ہو جائے تو اسے وہیں ذبح کر کے صرف فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے اور حج وعمرہ والے اس میں سے کچھ نہیں کھا سکتے......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ تمام ائمہ کرام حتی کہ خود ان کے شاگردوں امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اشعار ایک مسنون عمل ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے بدعت اور مکروہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ عمل مثلہ اور جانور کو ایذاء دینا شمار ہوتا ہے اور وہ حرام ہے حالانکہ تمام کتب احادیث میں یہ عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اسی لیے احناف اپنے امام کا دفاع کرنے میں بہت مشکل کا شکار ہوتے ہیں اور عجیب عجیب تاویلات کرتے ہیں، البتہ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ، ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ اور بعض دوسرے علمائے احناف کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اصل اشعار کے تو قائل تھے اور یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ احادیث سے ثابت شدہ ایک مشہور مسئلے کو مکروہ جانیں، ہاں انھوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو اشعار میں جب مبالغے سے کام لیتے ہوئے دیکھا تو سد ذرائع کے طور پر صرف عوام کے لیے یہ عمل مکروہ جانا جبکہ جو شخص صحیح اور مسنون طریقے کے مطابق اشعار کر سکتا ہو تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے، واللہ اعلم۔

یاد رہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک ہدی کا جانور اگر بھیڑ بکری کی نسل سے ہو تو اُس کے ضعف کی وجہ سے اسے اشعار نہیں کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بکریوں کو اشعار کرنا ثابت نہیں ہے، رہا گائے بیل کا مسئلہ تو اشعار کے قائل تمام علماء اس کے بھی قائل ہیں سوائے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ کی طرح گائے میں بھی اشعار نہیں ہے، امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ ہر قسم کے اونٹوں اور گائیوں میں اشعار کے قائل ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ان اونٹوں اور گائیوں میں اشعار ہوگا جن کی کوہان ہو۔ (اونٹ کی کوہان کمر کے درمیان میں اور گائے کی کوہان گردن پر محسوس ہوتی ہے۔)

رہا یہ مسئلہ کہ کوہان کی کس جانب میں اشعار کیا جائے تو امام مالک رحمہ اللہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ وہ بائیں جانب ہو جیسا کہ موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت میں ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ دائیں جانب کے قائل ہیں، راجح یہ ہے کہ اشعار دونوں طرف ہو سکتا ہے لیکن دائیں جانب کرنا افضل ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دائیں جانب اشعار کا تذکرہ ہے۔ (بخاری قبل از حدیث: 1649) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دائیں جانب اشعار کرنا ثابت ہے۔ (مسلم: 1243 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت میں پہلے

قلادہ اور پھر اشعار کا بیان ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے اشعار پھر قلادہ ڈالنا ثابت ہے۔ (مسلم: 1243) اگرچہ دونوں عمل جائز ہیں مگر عمل نبوی ﷺ بہر حال افضل اور راجح ہے۔

[846] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا طَعَنَ فِي سَنَامِ هَدْيِهِ ، وَهُوَ يُشْعِرُهُ قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے ہدی کے اونٹ کی کوہان میں زخم لگاتے، اس حال میں کہ وہ اس کا اشعار کر رہے ہوتے تو یہ پڑھتے: (بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) "اللہ کے نام کے ساتھ، اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔"

فائدہ: ...... یہ وظیفہ نبی کریم ﷺ سے تو صرف ذبح کے وقت ثابت ہے، باقی کاموں کے لیے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔

[847] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : الْهَدْيُ مَا قُلِّدَ وَأُشْعِرَ وَوُقِفَ بِهِ بِعَرَفَةَ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: "ہدی" وہ جانور ہوتا ہے جس کے گلے میں کچھ لٹکایا جائے اور اُسے اشعار کیا جائے اور اُسے عرفات میں ٹھہرایا جائے۔

فائدہ: ...... یہ اشعار صرف اونٹ اور گائے میں ہو سکتا ہے، بھیڑ بکری میں صرف قلادہ ڈالا جائے گا، نیز ہدی کو عرفات میں بھی ساتھ لے جانا صرف امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے اور وہ بھی صرف اس وقت جب اُسے حرم کے باہر سے ساتھ لایا گیا ہو۔

[848] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُجَلِّلُ بُدْنَهُ الْقُبَاطِيَّ وَالْأَنْمَاطَ وَالْحُلَلَ ، ثُمَّ يَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْكَعْبَةِ فَيَكْسُوهَا إِيَّاهَا .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ہدی کے اونٹوں کو مصری (روئی کے بنے ہوئے پتلے اور باریک) کپڑے، جھالردار رنگین اونی کپڑے اور عمدہ کپڑوں کے جوڑے کے طور پر پہناتے،

---

[846] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 232 (10172)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[847] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 232 (10174)، الخلافیات للبیهقی: 2/ 266۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

[848] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 233 (10185)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

پھر (قربانی کے بعد) وہ ان کپڑوں کو کعبہ کی طرف بھیج دیتے، پھر وہ کپڑے کعبہ کو پہنا دیتے۔

فائدہ :......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ہدی کے جانوروں پر خوبصورتی کے لیے نہایت اعلیٰ اور قیمتی کپڑے ڈالتے تاکہ اللہ کے لیے مخصوص جانور مزید ممتاز ہوں، بعدازاں یہ کپڑے خانہ کعبہ پر پردوں کی شکل میں ڈال دیتے تاکہ دہرا اجر اور دہری فضیلت پائیں، اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ ہدی کے جانوروں کی ہر چیز راہ الٰہی میں خرچ کی جائے گی حتیٰ کہ ان کے جھول، کپڑے، رسیاں اور نکیل بھی اللہ ہی کے لیے ہے، انھیں بطور اجرت کے نہ قصاب کو دیا جائے گا اور نہ دوبارہ اپنے پاس رکھا جائے گا۔

[849] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ دِينَارٍ : مَا كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَصْنَعُ بِجِلَالِ بُدْنِهِ حِينَ كُسِيَتِ الْكَعْبَةُ هَذِهِ الْكِسْوَةَ ؟ فَقَالَ: كَانَ يَتَصَدَّقُ بِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے یہ سوال کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ہدی کے اونٹوں کے جھول (والے کپڑے) کیا کرتے تھے جب کہ خانہ کعبہ کو یہ غلاف پہنا دیا جانے لگا؟ تو انھوں نے (عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ نے) فرمایا: وہ انھیں صدقہ کر دیتے تھے۔

فائدہ :......موطا کے مصری نسخوں میں نیز موطا امام محمد میں ہے کہ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے یہ سوال خود امام مالک رحمہ اللہ ہی نے کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدی کے اونٹوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان کے گوشت، جھول اور کھالیں سب صدقہ کر دیں اور قصاب کو بطور مزدوری کے یہ چیزیں نہ دیں۔ (بخاری: 1707، مسلم: 1317)

[850] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : فِي الضَّحَايَا وَالْبُدْنِ ، الثَّنِيُّ فَمَا فَوْقَهُ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قربانیوں اور ہدی کے جانوروں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ وہ دو دانتا ہو یا اس سے زیادہ عمر والا۔

فائدہ :......"ثَنِيٌّ" وہ جانور ہے جس کے سامنے والے دو دانت یعنی "ثنایا" (دودھ کے دانت) گر گئے ہوں جسے پنجابی میں "دوندا" کہتے ہیں، عموماً اونٹ کے پانچ سال پورے ہونے کے بعد، گائے کے دو سال کے بعد اور بکری بھیڑ کے ایک سال کے بعد یہ دانت گرتے ہیں، اسے عربی میں "مُسِنّہ" بھی کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ)) "تم دو دانتے کے

[849] (موقوف صحيح) بيهقى: 5/ 233 (10186)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[850] (موقوف صحيح) بيهقى: 5/ 229 (10154)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

سوا کوئی جانور (قربانی میں) ذبح نہ کرو، الا یہ کہ وہ تم پر مشکل ہو جائے (ملتا ہی نہ ہو یا زیادہ مہنگا ہو) تو پھر بھیڑ بکری کی نسل سے ایک کھیرا جانور ذبح کرلو (جس کے دودھ والے دانت ابھی نہ گرے ہوں)۔'' (مسلم: 1963) اگرچہ تمام فقہاء وائمہ اور جمہور نے اس روایت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے لیکن اس حدیث کے الفاظ بالکل واضح ہیں اور باقی روایات جو مطلق ہیں انھیں اس پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ اصول ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، اسی لیے اکثر اہل حدیث اسے نہی تحریمی قرار دیتے ہیں اور بغیر تنگی کے کھیرا جانور قربانی میں درست نہیں سمجھتے، یاد رہے کہ اس حدیث میں دو پابندیاں واضح مذکور ہیں: i- تنگی کے بغیر کھیرا جانور قربانی میں نہیں لگے گا اور ii- وہ کھیرا صرف ''ضان'' یعنی بھیڑ یا دُنبے کی نسل ہی سے ہوگا، اس کھیرے جانور کی عمر کی تعیین حدیث میں تو بیان نہیں ہوئی، البتہ اہل لغت اور شوافع کے ہاں ایک سال اور احناف وحنابلہ کے ہاں کم از کم چھ ماہ کا ہونا چاہیے۔

[851] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَشُقُّ جِلَالَ بُدْنِهِ، وَلَا يُجَلِّلُهَا حَتَّى يَغْدُوَ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہدی کے اونٹوں کے جھول (مکمل) نہیں پھاڑتے تھے اور وہ انھیں جھول نہیں پہناتے تھے یہاں تک کہ (9 ذوالحج کو) منیٰ سے عرفات کی طرف صبح کے وقت روانہ ہوتے (تو اس وقت جھول پہنا دیتے)۔

فائدہ: ...... اس طرح وہ خراب نہیں ہوتے تھے، 9 ذوالحج کو پہنا کر 10 ذوالحج کو ذبح کر کے اتار لیے جاتے تھے، اگر کافی دن پہلے یہ کپڑے اونٹوں پر ڈالے جائیں تو جانور انھیں استعمال کے قابل ہی نہ چھوڑیں، اتارتے وقت انھیں اس لیے نہیں پھاڑا جاتا تا کہ وہ فقراء کے استعمال میں آسکیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ صرف کوہان کی جگہ سے جھول کو پھاڑتے تھے اور جب نحر کرنے لگتے تو انھیں اتار لیتے تا کہ خون لگنے سے خراب نہ ہوں، پھر وہ انھیں صدقہ کر دیتے۔

[852] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِبَنِيهِ: يَا بَنِيَّ لَا يُهْدِيَنَّ أَحَدُكُمْ لِلّٰهِ مِنَ الْبُدْنِ شَيْئاً، يَسْتَحْيِي أَنْ يُهْدِيَهُ لِكَرِيمِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَكْرَمُ الْكُرَمَاءِ، وَأَحَقُّ مَنِ اخْتِيرَ لَهُ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے: اے میرے بیٹو! تم میں سے کوئی بھی ہدی کے اونٹوں میں کوئی ایسی چیز اللہ کے لیے نہ لے کر جائے کہ جسے وہ (اس کی کمزوری یا گھٹیا پن کی بنا پر) اپنے کسی معزز دوست

[851] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 233 (10187)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔
[852] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 4/ 386 (8158)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

کو تحفے میں دیتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام عزت والوں میں سب سے زیادہ عزت والی ذات ہے اور وہ سب سے زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اُس کے لیے چُن کر (اور پسند کر کے بہترین اور منتخب) چیز دی جائے۔

فائدہ: ...... بہرحال بہترین جانور قربان کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کرنا ہے اور ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج : 32:22) ''اور جو شخص اللہ کی عظمت کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلاشبہ یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔''

47- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي الْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ أَوْ ضَلَّ

جب ہدی کا جانور تھک (کر چلنے سے عاجز آ) جائے یا گم ہو جائے تو اس وقت میں کیے جانے والے عمل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو سنداً صحیح ہے، دو موقوف ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے اور دو مقطوع روایات سنداً صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[853] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ صَاحِبَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُّ بَدَنَةٍ عَطِبَتْ مِنَ الْهَدْيِ فَانْحَرْهَا، ثُمَّ أَلْقِ قَلَادَتَهَا فِي دَمِهَا، ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُونَهَا.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے جانور لے جانے والے شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس جانور کے ساتھ کیا کروں جو ان ہدی کے جانوروں میں سے تھک کر چلنے سے عاجز آ جائے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہدی کے جانوروں میں سے جو اونٹ بھی تھک جائے اُسے (وہیں) نحر (قربان) کر دینا، پھر اس کے قلادے (ہار) کو اس کے خون میں ڈال دینا، پھر اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان جگہ خالی چھوڑ دینا (تا کہ) وہ اسے کھالیں۔''

فائدہ: ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس کے جوتے اس کے خون میں رنگ کر اس کے پہلو پر رکھ دے اور تو اور تیرے رُفقاء (اہلِ قافلہ) میں سے کوئی بھی اس میں سے کچھ نہ کھائے۔'' (مسلم:1325) رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر حضرت ذؤیب ابوقبیصہ خزاعی رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ (مسلم:

[853] (مرفوع صحيح) سنن ابي داود، كتاب المناسك، باب الهدى اذا عطب قبل ان يبلغ، حديث: 1762، جامع الترمذي، كتاب الحج، باب ماجاء اذا عطب الهدى ما يصنع به، حديث: 910، سنن ابن ماجه: 3106، نسائي في الكبرى: 4137، احمد: 4/ 334 (9151)، شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

1326) کبھی آپ حضرت ناجیہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجتے۔ (ابوداود: 1762) اور کبھی ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو اس کام پر روانہ کرتے۔ (ترمذی:910، ابن ماجہ: 3106) اہل قافلہ کو اس ذبح شدہ ہدی کے جانور کا گوشت کھانے سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس طرح سے بہانوں کا دروازہ بند کر دیا جائے، اگر یہ ممانعت نہ ہوتی تو جب کبھی قافلے والوں کا دل چاہتا وہ اونٹ کے تھکنے کا بہانہ بنا کر اسے ذبح کر کے کھانے لگ جاتے یا تھوڑی بہت تکلیف دیکھ کر ذبح کر لیتے ..... نبی کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے یہ ہدی کے اونٹ نفلی ہدی ہی کے تھے کیونکہ فرض ہدی تو صرف حج قران والے کے ساتھ ہوتی ہے یا نذر ماننے کی صورت میں ہوسکتی ہے......اس حدیث مبارکہ میں اس ہدی کے کھانے والوں کے لیے "النَّاس" کا لفظ آیا ہے اور صرف اہل قافلہ کو منع کیا گیا ہے، الغرض ایسی نفلی ہدی کو ہدی بھیجنے والے، اسے لے جانے والے اور اہل قافلہ کے سوا ہر شخص کھا سکتا ہے خواہ مالدار ہو یا فقیر، البتہ اکثر حنابلہ اور بعض شوافع کے نزدیک مذکورہ افراد کے ساتھ ساتھ باقی تمام مالداروں پر بھی یہ نفلی ہدی حرام ہے، احناف کے نزدیک صرف بھیجنے والے پر اور تمام مالداروں پر حرام ہے جبکہ تمام فقراء کے لیے جائز ہے خواہ وہ قافلے ہی میں شامل ہوں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف بھیجنے والے اور لے جانے والے پر حرام ہے، باقی تمام فقراء واغنیاء کے لیے جائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور قول کے مطابق کسی پر بھی حرام نہیں بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ہدی کا مالک خود بھی اسے کھا سکتا ہے، کھلا بھی سکتا ہے اور بیچ بھی سکتا ہے اور اس پر کوئی جرمانہ بھی نہیں ہوگا لیکن یہ مذکورہ بالا احادیث فقہاء کے مذکورہ اقوال میں سے کسی کی بھی تائید نہیں کرتیں......رہا فرض ہدی کا معاملہ جو حرم میں پہنچنے سے پہلے ہی عاجز آ جانے کی وجہ سے ذبح ہو جائے تو یہ حدیث اس کے متعلق خاموش ہے، جمہور کے نزدیک ہر کسی کے لیے اُسے کھانا جائز ہے کیونکہ اس جانور کے عاجز آ جانے کے بعد بھی واجب چیز تو پھر بھی واجب الادا ہی رہے گی، اگر یہ جانور تھک گیا ہے تو اس کی جگہ کوئی اور جانور بھیجنا پڑے گا، لہٰذا یہ تھکا ہوا جانور ایسے شمار ہوگا کہ گویا آدمی کا یہ قربانی یا ہدی کے علاوہ کوئی اور مال ہے کیونکہ یہ اب حرم میں جا کر ذبح ہونے کے قابل نہیں رہا......البتہ ایسی واجب ہدی کے متعلق صرف یہ اختلاف ہے کہ کیا مالک اُسے بیچ سکتا ہے یا نہیں، جمہور اسے بھی جائز قرار دیتے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ اس سے منع کرتے ہیں۔

[854] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ سَاقَ بَدَنَةً تَطَوُّعاً فَعَطِبَتْ فَنَحَرَهَا، ثُمَّ خَلَّى بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُونَهَا، فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَإِنْ أَكَلَ مِنْهَا أَوْ أَمَرَ مَنْ يَأْكُلُ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جو شخص نفلی ہدی کا اونٹ ہانک کر لے جائے پھر وہ (راستے ہی میں) تھک جائے تو وہ اسے (وہیں) نحر کر دے، پھر اس کو لوگوں کے لیے ویسے ہی چھوڑ دے (تاکہ) وہ اسے کھالیں تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں (نہ اس کا بدل اور نہ

[854] (مقطوع صحیح) بیہقی: 5/ 243 (10254)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

مِنْهَا غَرِمَهَا .

کوئی تاوان) اور اگر وہ اس میں سے کھا لے یا کسی کو حکم دے کہ وہ اس میں سے کھالے تو پھر وہ اس کا تاوان (بدل) ادا کرے گا۔

فائدہ:...... موالک کے نزدیک نفلی ہدی کا مالک اسے خود کھالے یا کسی کو کھلا دے یا کسی بھی فقیر وامیر کو کھانے کا حکم دے دے تو اس پر مکمل جانور فدیہ میں دینا لازم ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جتنا کھایا یا کھانے کا حکم دیا اس کے برابر قیمت صدقہ کرنا پڑے گی۔

[855] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ مِثْلَ ذَلِكَ .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی (سعید بن میسب رحمہ اللہ کے فتویٰ) کی مثل مروی ہے۔

[856] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، أَنَّهُ قَالَ : مَنْ أَهْدَى بَدَنَةً ، جَزَاءً أَوْ نَذْراً ، أَوْ هَدْيَ تَمَتُّعٍ ، فَأُصِيبَتْ فِي الطَّرِيقِ ، فَعَلَيْهِ الْبَدَلُ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا ہے کہ جوشخص (شکار کی) جزا، نذر یا حج تمتع کی ہدی کا اونٹ لے کر جائے، پھر وہ راستے ہی میں ہلاک ہوجائے تو اس پر اس کا بدل (اور عوض ادا کرنا) لازم ہے۔

فائدہ:...... جمہور کا یہی موقف ہے کہ ہر فرض ہدی کا جانور جب تک حرم میں نہ پہنچ جائے آدمی کے ذمے واجب الادا رہتا ہے خواہ تمتع کا ہو یا قران کا، نذر کا ہو یا شکار وغیرہ کے فدیے کا۔

[857] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ قَالَ : مَنْ أَهْدَى بَدَنَةً ، ثُمَّ ضَلَّتْ أَوْ مَاتَتْ ، فَإِنَّهَا إِنْ كَانَتْ نَذْراً أَبْدَلَهَا ، وَإِنْ كَانَتْ تَطَوُّعاً ، فَإِنْ شَاءَ أَبْدَلَهَا ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهَا .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جوشخص ہدی کا اونٹ لے کر گیا، پھر وہ گم ہوگیا یا مر گیا، چنانچہ اگر تو وہ نذر (یا کسی اور واجب ہدی) کا تھا تو وہ اس کا عوض دے گا اور اگر وہ نفل تھا تو چاہے تو اس کا عوض دے اور چاہے تو ترک کردے (اُسے اختیار ہے)۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: انھوں نے اہل علم کو یہ کہتے ہوئے

[855] (موقوف ضعیف) بیهقی : 5/ 243 (10255)، ابن ابی شیبه: 3/ 382۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[856] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[857] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 243 (10256)، وفی السنن الصغیر: 2/ 218 (1798)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

يَقُولُونَ: لَا يَأْكُلُ صَاحِبُ الْهَدْيِ مِنَ الْجَزَاءِ وَالنُّسُكِ. سنا کہ ہدی لے جانے والا شخص جزا اور نسک سے نہ کھائے۔

فائدہ: ...... جزا سے مراد شکار کا جرمانہ ہے اور نسک سے مراد حالت احرام میں بال وغیرہ کٹوانے کا جرمانہ ہے جس کا تذکرہ سورۂ بقرہ کی آیت: 196 میں ہے، نیز دیکھیے پیچھے حدیث: 844 کے فائدے کا شروع والا حصہ۔

48- بَابٌ: هَدْيُ الْمُحْرِمِ إِذَا أَصَابَ أَهْلَهُ

حالت احرام میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے والے کی ہدی کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں ایک موقوف ضعیف اور ایک مقطوع صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[858] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ سُئِلُوا عَنْ رَجُلٍ أَصَابَ أَهْلَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِالْحَجِّ؟ فَقَالُوا: يَنْفُذَانِ، يَمْضِيَانِ، لِوَجْهِهِمَا حَتَّى يَقْضِيَا حَجَّهُمَا، ثُمَّ عَلَيْهِمَا حَجُّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ. قَالَ: وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: وَإِذَا أَهَلَّا بِالْحَجِّ مِنْ عَامٍ قَابِلٍ تَفَرَّقَا حَتَّى يَقْضِيَا حَجَّهُمَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حالت احرام میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لیتا ہے تو سب نے فرمایا: وہ دونوں (خاوند اور بیوی) اپنے مقصود کے لیے جاری رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنا حج پورا کر لیں، پھر ان دونوں پر آئندہ سال حج اور ہدی لازم ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ جب وہ آئندہ سال حج کا احرام باندھیں گے تو جدا جدا رہیں گے یہاں تک کہ اپنا حج مکمل کر لیں۔

فائدہ: ...... یہ جدائی والی بات محض احتیاط کے لیے کہی گئی ہے ورنہ لازم نہیں ہے، جمہور کا موقف یہی ہے کہ حج وعمرہ کو فاسد کرنے والا بطور جرمانے کے اس حج وعمرہ کے ارکان بھی ادا کرے گا، پھر بعد میں حج وعمرہ کی قضائی دینا بھی لازم ہوگا اور ایک جانور بھی ذبح کرنا پڑے گا۔

---

[858] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 167 (9779)، وفي السنن الصغير: 2/ 158 (1554)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 154 (3112)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[859] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: مَا تَرَوْنَ فِي رَجُلٍ وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ الْقَوْمُ شَيْئاً. فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنَّ رَجُلاً وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَبَعَثَ إِلَى الْمَدِينَةِ يَسْأَلُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا إِلَى عَامٍ قَابِلٍ. فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: لِيَنْفُذَا لِوَجْهِهِمَا فَلْيُتِمَّا حَجَّهُمَا الَّذِي أَفْسَدَاهُ، فَإِذَا فَرَغَا رَجَعَا، فَإِنْ أَدْرَكَهُمَا حَجٌّ قَابِلٌ فَعَلَيْهِمَا الْحَجُّ وَالْهَدْيُ، وَيُهِلَّانِ مِنْ حَيْثُ أَهَلَّا بِحَجِّهِمَا الَّذِي أَفْسَدَاهُ. وَيَتَفَرَّقَانِ حَتَّى يَقْضِيَا حَجَّهُمَا.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: تمھارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو محرم ہونے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کرلے تو لوگوں (شاگردوں) نے انھیں کوئی جواب نہ دیا، پھر سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ حالت احرام میں صحبت کرلی، پھر اس نے مدینہ منورہ میں (کسی کو) بھیجا کہ وہ اس مسئلے کے متعلق (وہاں کے علمائے کرام سے) پوچھ کر آئے، تو (ان علماء) لوگوں میں سے کسی نے یہ جواب دیا تھا کہ ان دونوں میں آئندہ سال تک جدائی ڈال دی جائے گی، (لیکن چونکہ یہ جواب درست نہ تھا اس لیے اس کا ردّ کرتے ہوئے) سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ دونوں اپنے (حج والے) کام میں جاری رہیں اور اس حج کو پورا کریں جسے انھوں نے فاسد کردیا ہے، پھر جب وہ فارغ ہوں تو واپس لوٹ جائیں، پھر اگر ان کو (زندگی میں) آئندہ حج پالے تو ان پر حج کرنا اور ہدی (قربان کرنا) لازم ہے اور وہ وہیں سے احرام باندھیں گے جہاں سے انھوں نے اس حج کا احرام باندھا تھا جسے وہ (پچھلے سال) فاسد کر چکے، اور وہ دونوں جدا جدا رہیں گے یہاں تک کہ اپنا حج مکمل کرلیں۔

قَالَ مَالِكٌ: يُهْدِيَانِ جَمِيعاً بَدَنَةً بَدَنَةً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ وہ دونوں ایک ایک اونٹ ہدی (کے طور پر قربان کرنے کے لیے) لے جائیں۔

فائدہ: ......امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہ سزا میں سختی کے طور پر ہے، ورنہ کم از کم مقدار والی ہدی بھی کر سکتے ہیں اور وہ ایک بکری ہے۔ جیسا کہ احناف کا موقف ہے اور یہی راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ فِي الْحَجِّ، مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْ يَدْفَعَ مِنْ عَرَفَةَ وَيَرْمِيَ الْجَمْرَةَ، إِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ الْهَدْيُ وَحَجُّ قَابِلٍ، قَالَ: فَإِنْ كَانَتْ إِصَابَتُهُ أَهْلَهُ بَعْدَ رَمْيِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو حج کے موقع پر اپنی بیوی سے مباشرت کرلے، (احرام باندھنے سے لے کر) میدان عرفات سے لوٹنے اور (10 ذوالحج کو بڑے ستون) جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک کے درمیان (کسی

[859] (مقطوع صحیح) بیہقی: 5/ 168(9789)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

الْجَمْرَةِ، فَإِنَّمَا عَلَيْهِ أَنْ يَعْتَمِرَ وَيُهْدِيَ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ حَجٌّ قَابِلٍ.

بھی وقت جماع کر لے) تو بلاشبہ اس پر ہدی (قربان کرنا) بھی واجب ہے اور آئندہ سال حج کرنا بھی، ہاں اگر اس کا اپنی بیوی سے صحبت کرنا جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد تھا تو پھر اس پر صرف یہ لازم ہے کہ عمرہ کرلے اور ہدی قربان کر دے اور اس پر آئندہ حج لازم نہیں ہوگا۔

فائدہ: ...... کیونکہ حج کا اہم رکن وقوف عرفہ بھی ادا ہو چکا ہے اور کنکریاں مارنے کے بعد احرام کھولنا بھی جائز ہو جاتا ہے اس لیے حج تو فاسد نہ ہوا لیکن چونکہ ابھی مزید اعمال باقی تھے جن سے پہلے بیوی سے جماع کرنا ممنوع تھا تو اس لیے حج میں نقص ضرور واقع ہوا ہے جس کی تلافی عمرہ اور قربانی سے پوری ہو جائے گی...... امام مالک رحمہ اللہ کے مذکورہ فتویٰ کا یہ آخری حصہ اس صورت میں ہے کہ ابھی طواف افاضہ باقی ہو اور 10 ذوالحج کا سورج غروب نہ ہوا ہو...... امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں عمرہ بھی واجب نہیں ہوتا، صرف ہدی لازم ہوتی ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ وقوف عرفات سے قبل ہونے والے جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے، البتہ وقوف عرفہ کے بعد رمی کرنے سے پہلے یا رمی کے بعد طواف افاضہ سے پہلے جماع کرنے کے ساتھ حج فاسد ہونے میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وقوف عرفہ کے بعد اور رمی سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے، جبکہ احناف کے نزدیک اس صورت میں حج فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: (اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ، الْحَجُّ عَرَفَاتٌ، الْحَجُّ عَرَفَاتٌ) "حج عرفات ہے، حج عرفات ہے، حج عرفات (میں ٹھہرنا) ہے۔" (ترمذی: 2975، ابوداود: 1949، ابن ماجه: 3015۔ اس کی سند حسن صحیح ہے) البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسے شخص پر اونٹ واجب کرتے ہیں...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی تفصیل ہے کہ وقوف عرفہ کے بعد اگر یوم النحر (10 ذوالحج) کا سورج غروب ہونے سے پہلے رمی نہ کی اور جماع کر لیا تو پھر فاسد ہے، البتہ اگر اس دن رمی کر کے طواف افاضہ سے قبل مباشرت کی تو حج فاسد نہ ہوگا (جیسا کہ ان کی مشہور روایت میں ہے) اور اگر رمی تو نہ کی لیکن سورج غروب ہونے کے بعد مباشرت کی تو پھر بھی حج فاسد نہ ہوگا، البتہ اس پر ہدی کے دو جانور لازم ہوں گے، ایک مباشرت کا اور ایک رمی کو مؤخر کرنے کا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَالَّذِي يُفْسِدُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ، حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ الْهَدْيُ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، الْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَاءٌ دَافِقٌ. قَالَ: وَيُوجِبُ ذَلِكَ أَيْضاً الْمَاءُ الدَّافِقُ، إِذَا كَانَ مِنْ مُبَاشَرَةٍ، فَأَمَّا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ چیز جو حج یا عمرے کو فاسد کرتی ہے اور پھر آدمی پر اس حج و عمرے میں ہدی واجب ہوتی ہے اس چیز سے مراد مرد و عورت کے ختنوں کے مقام کا باہم مل جانا ہے، اگرچہ اچھل کر نکلنے والا پانی نہ نکلے (یعنی اگرچہ انزال نہ ہو، صرف مرد کے عضو کا اگلا حصہ عورت کی شرم گاہ

رَجُلٌ ذَكَرَ شَيْئاً حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ مَاءٌ دَافِقٌ، فَلَا أَرَى عَلَيْهِ شَيْئاً.

میں داخل ہونے سے حج وعمرہ فاسد ہوجاتے ہیں، ہاں اگر محض بوس و کنار اور معانقہ وغیرہ ہوا اس مذکورہ حد تک دخول نہ ہوا اور انزال بھی نہ ہو تو حج فاسد نہ ہوگا) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اچھل کر نکلنے والا پانی (منی کا نکل پڑنا) بھی اس بات (ہدی اور فساد حج) کو واجب کردے گا جس وقت کہ وہ جسم کے ساتھ جسم ملانے کی وجہ سے نکلے (یعنی دخول نہ ہو اور محض لمس یا معانقہ یا چھیڑ چھاڑ ہی سے منی خارج ہوجائے تو یہ بھی جماع کے حکم سے ہے جس سے حج فاسد ہوجائے گا۔) رہا وہ شخص جسے کچھ یاد آئے (دل میں شہوانی خیالات آئیں) یہاں تک کہ اس سے اچھلنے والا پانی نکل آیا (انزال ہوگیا) تو میں اس پر کچھ جرمانہ واجب نہیں سمجھتا۔

فائدہ: ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک دخول نہ ہو حج فاسد نہیں ہوتا، خواہ انزال ہو یا نہ، البتہ شہوانی حرکات کی وجہ سے ہدی واجب ہوجاتی ہے، رہا استمناء یعنی خود منی نکالنا تو بالاتفاق اس سے حج فاسد ہوجاتا ہے اور قوم لوط علیہ السلام والے عمل کا حکم بھی جماع والا ہی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَوْ أَنَّ رَجُلاً قَبَّلَ امْرَأَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ مِنْ ذَلِكَ مَاءٌ دَافِقٌ, لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ فِي الْقُبْلَةِ إِلَّا الْهَدْيُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو بوسہ دیا اور اس سے منی خارج نہ ہوئی تو پھر اس بوسے کی وجہ سے آدمی پر صرف اور صرف ہدی لازم ہوگی۔

فائدہ: ......اور اگر انزال ہوجائے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حج فاسد ہوگا، جمہور کے ہاں فاسد نہ ہوگا......اور اگر صرف مذی خارج ہو یا وہ بھی خارج نہ ہو تو پھر بھی (شہوت سے) بوسہ دینے سے ہدی لازم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ الَّتِي يُصِيبُهَا زَوْجُهَا وَهِيَ مُحْرِمَةٌ مِرَاراً، فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، وَهِيَ لَهُ فِي ذَلِكَ مُطَاوِعَةٌ، إِلَّا الْهَدْيُ وَحَجُّ قَابِلٍ إِنْ أَصَابَهَا فِي الْحَجِّ، وَإِنْ كَانَ أَصَابَهَا فِي الْعُمْرَةِ، فَإِنَّمَا عَلَيْهَا قَضَاءُ الْعُمْرَةِ الَّتِي أَفْسَدَتْ وَالْهَدْيُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ احرام والی عورت جس سے اس کا خاوند حج یا عمرے میں بار بار مباشرت کرتا ہے اور وہ بھی اس کام میں رضامندی سے اس کا ساتھ دیتی ہے تو اس پر صرف (ایک) ہدی لازم ہے، اور بار بار مباشرت کی وجہ سے زیادہ جانور لازم نہ ہوں گے) اور آئندہ حج بھی لازم ہوگا جس وقت خاوند نے اس سے حج میں مباشرت کی ہو، اور اگر اس نے عمرہ میں اس سے ہم بستری کی ہو تو اس پر اپنے فاسد کیے ہوئے عمرے کی صرف قضا اور (ایک) ہدی لازم ہوگی۔

فائدہ: ...... یہی موقف ہے جمہور کا، ہاں اگر ایک بار جرمانہ ادا کرنے کے بعد پھر دوبارہ وہ یہی حرکت کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پھر نیا جرمانہ پڑے گا، امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک قول اسی طرح منقول ہے، اور

دوسرا قول یہ ہے کہ خواہ پہلے جرمانہ ادا کیا ہو یا نہ، وہ جتنی بار بھی جماع کرے گا، ہر بار کا ایک الگ الگ جرمانہ اس کے ذمے لازم ہوتا رہے گا...... اگر عورت کی رضامندی کے بغیر ہی خاوند اُسے مجبور کر کے مباشرت کرے تو پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت پر تو کوئی تاوان نہیں ہے البتہ خاوند اس کی طرف سے بھی جرمانہ ادا کرے گا...... احناف کے ہاں رضامندی، اکراہ وزبردستی، نینداور بھول، ہر صورت میں عورت خود ہی اپنے جرمانے کی ذمہ دار ہے اور حج بھی دونوں کا فاسد ہے...... جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر عورت پر زبردستی کی جائے یا اس کی حالت نیند میں خاوند نے اس سے جماع کر لیا تو پھر عورت کا حج فاسد نہیں ہوگا اور اسی طرح بھولنے والے مرد و عورت کا حج بھی فاسد نہیں ہوگا۔ یہی بات راجح لگ رہی ہے...... لیکن باقی تمام علماء فقہاء اور جمہور کے نزدیک حج کے فاسد ہونے اور جرمانے لاحق ہونے میں سہواً اور عمداً کا کوئی فرق نہیں ہے، ہاں گناہ لازم ہونے یا نہ ہونے کا فرق ہے۔

49- بَابٌ: هَدْيُ مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ

اس شخص کی ہدی کا بیان جس سے حج رہ جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور دونوں ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ: ...... جو شخص راستے میں لیٹ ہو جائے یا چاند کی تاریخوں میں غلطی کی بنا پر مقررہ وقت میں میدان عرفات میں نہ آ سکے تو بالاتفاق ایسا شخص احرام کھولنے سے پہلے عمرہ ضرور ادا کرے گا...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر ہدی کا جانور لازم نہیں ہے، البتہ آئندہ سال حج لازم ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر ہدی لازم ہے...... رہا قضائی کا معاملہ تو اس کی تفصیل پیچھے باب: 31 کے آخر میں گزر چکی ہے۔

[860] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ: أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ خَرَجَ حَاجًّا، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالنَّازِيَةِ مِنْ طَرِيقِ مَكَّةَ أَضَلَّ رَوَاحِلَهُ، وَإِنَّهُ قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَوْمَ النَّحْرِ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ حج کرنے کے لیے نکلے یہاں تک کہ جب وہ مکہ کے راستے میں "نازیہ" نامی جگہ پر پہنچے (جو کہ وادئ صفراء کے قریب ایک چشمے کا نام ہے) تو وہ اپنی سواریاں گم کر بیٹھے، (چنانچہ وہ ان کو ڈھونڈنے اور پھر پیدل سفر کرنے کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے اور 9

---

[860] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الكبرى: 5/ 174 (9821، 9822)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 170 (3133)، الشافعی فی الام: 2/ 166، وفی المسند: 1/ 596۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

عُمَرُ : اصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْمُعْتَمِرُ، ثُمَّ قَدْ حَلَلْتَ، فَإِذَا أَدْرَكَكَ الْحَجُّ قَابِلاً فَاحْجُجْ وَأَهْدِ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ .

ذوالحج کو میدان عرفات میں نہ آسکے) اور بلاشبہ وہ یوم نحر (10 ذوالحج) کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس (منیٰ یا مکہ میں) پہنچے اور ان کے سامنے یہ ماجرا ذکر کیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اُن سے) فرمایا: وہی کچھ کیجیے جو عمرہ کرنے والا کرتا ہے (یعنی طواف اور سعی) پھر آپ کا احرام کھل جائے گا، پھر جب آئندہ سال حج آپ کو پالے تو حج بھی کر لیجیے گا اور جو میسر ہو ہدی کا جانور بھی لے آئیے گا۔

[861] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ هَبَّارَ بْنَ الأَسْوَدِ جَاءَ يَوْمَ النَّحْرِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَنْحَرُ هَدْيَهُ ، فَقَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَخْطَأْنَا الْعِدَّةَ ، كُنَّا نُرَى أَنَّ هَذَا الْيَوْمَ يَوْمُ عَرَفَةَ . فَقَالَ : عُمَرُ اذْهَبْ إِلَى مَكَّةَ ، فَطُفْ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ ، وَانْحَرُوا هَدْياً إِنْ كَانَ مَعَكُمْ ، ثُمَّ احْلِقُوا أَوْ قَصِّرُوا وَارْجِعُوا . فَإِذَا كَانَ عَامٌ قَابِلٌ فَحُجُّوا وَأَهْدُوا ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ .

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ہبار بن اسود رحمہ اللہ قربانی کے دن (10 ذوالحج) کو اس حال میں (میدان منیٰ میں) آئے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی ہدی کو نحر کر رہے تھے، عرض کرنے لگے کہ اے امیر المومنین! ہم نے تاریخ شمار کرنے میں غلطی کی، ہم سمجھ رہے تھے کہ آج کا دن یوم عرفہ (9 ذوالحج) ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مکہ کی طرف چلے جاؤ پھر تم اور جو لوگ تمھارے ساتھ ہیں (سب بیت اللہ کا) طواف کرو اور اگر تمھارے پاس ہدی ہو تو اسے نحر کر دو، پھر سر منڈواؤ یا بال کترواؤ اور (اپنے گھروں کو) واپس لوٹ جاؤ، پھر جب آئندہ سال آئے تو حج بھی کرو اور ہدی بھی لاؤ، پھر جو شخص قربانی نہ پا سکے تو وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب گھر لوٹ جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ، ثُمَّ فَاتَهُ الْحَجُّ فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ قَابِلاً ، وَيَقْرِنُ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ ، وَيُهْدِي هَدْيَيْنِ ، هَدْياً لِقِرَانِهِ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ ، وَهَدْياً لِمَا فَاتَهُ مِنَ الْحَجِّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جس شخص نے حج و عمرہ اکٹھا کیا (حج قران کا احرام باندھا) پھر اس سے حج فوت ہو گیا تو اس پر لازم ہے کہ آئندہ سال حج کرے اور حج و عمرہ کو (ملا کر حج قران کی صورت میں) اکٹھا کرے اور ہدی کے دو جانور ساتھ لائے، ایک ہدی حج کو عمرہ کے ساتھ ملانے کی

[861] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 171، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 171 (3134، 3135)، الشافعي في الام: 2/ 166، المسند: 596/1۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

(کیونکہ حج قران اور حج تمتع والوں پر ہدی واجب ہے) اور دوسری ہدی (گزشتہ) حج کے فوت ہو جانے کی۔

فائدہ: ......امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حج قران لازم نہیں، بلکہ حج افراد کے سوا کچھ عائد نہیں کیونکہ عمرہ تو وہ پہلے سال ہی کر گیا تھا۔

50- بَابٌ: مَنْ أَصَابَ أَهْلَهُ قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ

طواف افاضہ سے پہلے ہی اپنی بیوی سے مباشرت کرنے والے (کی ہدی) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......طواف افاضہ بھی حج کا رکن ہے، 10 ذوالحج کے دن جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے، قربانی کرنے اور سر منڈوا لینے کے بعد احرام تو کھل جاتا ہے لیکن مباشرت کی پابندی باقی رہتی ہے، چنانچہ اسی دن کے آخری کام طواف افاضہ (طواف زیارت) کی ادائیگی کے بعد یہ پابندی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

[862] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ وَقَعَ بِأَهْلِهِ وَهُوَ بِمِنًى قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْحَرَ بَدَنَةً.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو طواف افاضہ کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے صحبت کر لے اس حال میں کہ وہ منیٰ ہی میں ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُسے حکم دیا کہ وہ ایک اونٹ (جرمانے کے طور پر) نحر کرے۔

[863] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَا أَظُنُّهُ إِلَّا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: الَّذِي يُصِيبُ أَهْلَهُ قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ يَعْتَمِرُ وَيُهْدِي.

ثور بن زید دیلی رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، ثور کہتے ہیں کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ (عکرمہ رحمہ اللہ) اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: جو شخص طواف افاضہ سے قبل ہی اپنی بیوی سے ہم بستری کر لیتا ہے تو وہ عمرہ بھی کرے اور ہدی بھی دے۔

---

[862] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 171، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 160 (3120)، الشافعی فی الأم: 7/ 244، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[863] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 171 (9802)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[864] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقُولُ فِي ذَلِكَ مِثْلَ قَوْلِ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ (المعروف ربیعہ رائی رحمہ اللہ) کو سنا، وہ اس مسئلے میں عکرمہ رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہی بیان کررہے تھے جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بارے میں میں نے جو کچھ (اہل علم سے) سنا ہے، اس میں سے یہ مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ الإِفَاضَةَ حَتَّى خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَرَجَعَ إِلَى بِلَادِهِ؟ فَقَالَ: أَرَى إِنْ لَمْ يَكُنْ أَصَابَ النِّسَاءَ فَلْيَرْجِعْ فَلْيُفِضْ، وَإِنْ كَانَ أَصَابَ النِّسَاءَ فَلْيَرْجِعْ فَلْيُفِضْ، ثُمَّ لِيَعْتَمِرْ وَلْيُهْدِ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ هَدْيَهُ مِنْ مَكَّةَ وَيَنْحَرَهُ بِهَا، وَلَكِنْ إِنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَهُ مَعَهُ مِنْ حَيْثُ اعْتَمَرَ، فَلْيَشْتَرِهِ بِمَكَّةَ، ثُمَّ لِيُخْرِجْهُ إِلَى الْحِلِّ فَلْيَسُقْهُ مِنْهُ إِلَى مَكَّةَ، ثُمَّ يَنْحَرُهُ بِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو طواف افاضہ بھول گیا یہاں تک کہ وہ مکہ سے نکل گیا اور اپنے گھر لوٹ گیا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس نے عورتوں سے مباشرت نہیں کی تو وہ (مکہ کی طرف) واپس لوٹ آئے اور طواف افاضہ کرلے، اور اگر وہ اپنی بیویوں سے مباشرت کرچکا ہے تو پھر بھی واپس آئے اور طواف افاضہ کرے، پھر (حج کے اعمال کے دوران مباشرت کے جرمانے میں) عمرہ کرے اور ہدی کا جانور دے اور (اس صورت میں) اس کے لیے مناسب نہیں کہ مکہ مکرمہ ہی سے ہدی خرید کر اُسے مکہ ہی میں نحر کرے بلکہ (مکہ کے باہر سے لے کر آئے اور) اگر وہ اُسے وہاں سے اپنے ساتھ ہانک کر نہ لایا ہو جہاں سے اس نے عمرے کا احرام باندھا ہے تو پھر اسے مکہ ہی سے خرید لے، پھر اُسے (مکہ سے باہر) حل کی طرف لے کر جائے، پھر وہاں سے اُسے اپنے ساتھ چلا کر لائے، پھر اُسے مکہ میں نحر کردے۔

فائدہ:...... مذکورہ فتوی میں وہ شخص جب طواف افاضہ کے لیے مکہ واپس آئے گا تو بغیر احرام باندھے آئے گا کیونکہ اس کا احرام تو وقوف عرفات کے بعد رمی نحر اور حلق کر لینے سے ختم ہو جاتا ہے اور یہ سارے کام تو اس نے پہلے ہی ادا کر لیے تھے، البتہ واپس آتے ہوئے وہ عورتوں اور شکار سے پرہیز کرے گا، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خوشبو سے بھی پرہیز کرے گا۔

[864] (مقطوع صحیح) بیہقی: 5/ 171- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

51- بَابٌ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

اس ہدی کا بیان جو میسر ہو

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین موقوف ہیں جن میں سے ایک ضعیف ہے اور ایک روایت مقطوع ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... اللہ تعالیٰ نے حج وعمرہ سے روک دیے جانے والے شخص پر لازم ہونے والی قربانی اور حج تمتع نیز حج قران کرنے والوں پر واجب ہونے والی قربانی کے لیے الگ الگ مستقل طور پر فرمایا: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرة 2:196) ''تو جو ہدی کا جانور میسر ہو (وہ اس پر لازم ہے)۔'' چنانچہ اس ہدی کا کم از کم درجہ ایک بکری ہے اور اعلیٰ درجہ اونٹ یا پھر بیل یا گائے ہے۔

[865] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةٌ.

جعفر (صادق) بن محمد رحمہ اللہ اپنے والد (محمد باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: (مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) سے مراد ایک بکری ہے۔

[866] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: (مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) ''وہ ہدی جو میسر (اور آسانی سے مہیا) ہوتی ہے۔'' سے مراد ایک بکری ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ، لأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہی (ایک بکری والا قول) میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ

[865] (موقوف ضعيف) بيهقي: 5/ 24 (8896)، سنن سعيد بن منصور: 3/ 753، طبری فی جامع البيان: 2/ 126- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[866] (موقوف صحيح لغيره) بيهقي: 5/ 24، سنن سعيد بن منصور: 3/ 749، 756، طبری فی جامع البيان: 2/ 126- شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

مِنْكُمْ هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَاماً لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ [المائدة: 95] فَمِمَّا يُحْكَمُ بِهِ فِي الْهَدْيِ شَاةٌ، وَقَدْ سَمَّاهَا اللّٰهُ هَدْياً، وَذٰلِكَ الَّذِي لا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا، وَكَيْفَ يَشُكُّ أَحَدٌ فِي ذٰلِكَ وَكُلُّ شَيْءٍ لا يَبْلُغُ أَنْ يُحْكَمَ فِيهِ بِبَعِيرٍ أَوْ بَقَرَةٍ، فَالْحُكْمُ فِيهِ شَاةٌ، وَمَا لا يَبْلُغُ أَنْ يُحْكَمَ فِيهِ بِشَاةٍ فَهُوَ كَفَّارَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ إِطْعَامِ مَسَاكِينَ.

مِنكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ (المائدة 95:5) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ کرو اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر (حالت احرام میں) شکار کو قتل کرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے شخص کریں، یہ فدیہ قربانی کے طور پر کعبہ میں پہنچایا جائے گا، یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے تا کہ وہ اپنے کیے کا وبال چکھے۔ تو ہدی کے بارے میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں بکری بھی شامل ہے، (شکار والے جانور کا بدل اور جزا کبھی کبھار بکری ہوتی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس (عوض میں دیے جانے والے بدل اور جزا) کو ہدی کا نام دیا ہے اور یہ وہ بات ہے کہ جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے اور بھلا کوئی شخص اس میں کس طرح شک کر سکتا ہے، ہر وہ (شکار کی ہوئی) چیز جو اُس مقدار کو نہ پہنچے کہ جس میں اونٹ یا گائے کا فیصلہ صادر کیا جائے تو اس میں فیصلہ وحکم بکری ہی کا ہوگا، اور وہ چیز جو اس حد کو نہ پہنچے کہ اس میں بکری کا حکم لگایا جا سکے تو اس میں صرف روزوں سے کفارہ ادا کیا جائے گا یا مسکینوں کو کھانا کھلا کر (فدیہ دیا جائے گا۔)

[867] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ بَدَنَةٌ أَوْ بَقَرَةٌ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ (مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ) سے مراد اونٹ یا گائے ہے۔

فائدہ:...... ہندی نسخوں میں ''شاۃ: بکری'' کا تذکرہ غلطی سے چھپ گیا ہے، جبکہ باقی تمام نسخوں میں اس کی جگہ (بَدَنَةٌ) ''اونٹ'' کا لفظ ہے، موطا کے باقی تمام نسخوں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایات اور فتاویٰ جات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ طاقت کے موافق اور آسانی سے میسر ہونے والی ہدی سے اونٹ یا گائے ہی مراد لیتے تھے، یہ الگ بات ہے کہ ان کا یہ قول مرجوح ہے۔

[867] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 24، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 526 (2742)، الشافعي في الام: 7/ 252، وفي المسند: 1/ 572۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[868] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ مَوْلَاةً لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُقَالُ لَهَا رُقَيَّةُ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا خَرَجَتْ مَعَ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِلَى مَكَّةَ، قَالَتْ: فَدَخَلَتْ عَمْرَةُ مَكَّةَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَأَنَا مَعَهَا، فَطَافَتْ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ دَخَلَتْ صُفَّةَ الْمَسْجِدِ فَقَالَتْ: أَمَعَكِ مِقَصَّانِ؟ فَقُلْتُ: لَا. فَقَالَتْ: فَالْتَمِسِيهِ لِي، فَالْتَمَسْتُهُ حَتّٰى جِئْتُ بِهِ، فَأَخَذَتْ مِنْ قُرُونِ رَأْسِهَا، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَتْ شَاةً.

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی آزاد کردہ لونڈی جسے رُقیہ کہا جاتا تھا، نے انھیں بتایا کہ بے شک وہ (اپنی مالکن) عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ کے ہمراہ مکہ کی طرف نکلی، اس نے بتایا کہ عمرہ مکہ میں یوم ترویہ (آٹھ ذوالحج) کو داخل ہوئیں، میں بھی ان کے ہمراہ تھی، چنانچہ انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان بھی چکر لگائے، پھر وہ مسجد کے (چھت دار) پچھلے حصے میں داخل ہوئیں، پھر (مجھ سے) کہنے لگیں کہ کیا تمھارے پاس قینچی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، تو وہ کہنے لگیں کہ پھر اُسے تلاش کرکے میرے لیے لے کر آؤ، میں نے اُسے ڈھونڈا یہاں تک کہ میں اُسے لے آئی، پھر میں نے اُن کے سر کی مینڈھیوں میں سے کچھ کاٹ دیا، پھر جب یوم نحر (10 ذوالحج) آیا تو انھوں نے ایک بکری ذبح کی۔

فائدہ: ...... مکہ میں آتے ہی عمرہ کرکے بال کاٹنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ حج تمتع کر رہی تھیں جس میں ایک ہدی کا جانور ذبح کرنا لازم ہے جو بھی آسانی سے مہیا ہو جائے اور چونکہ اس کی کم از کم مقدار ایک بکری ہے اسی لیے انھوں نے اسے ذبح کیا...... "تَـرْوِيـه" کے معنی ہیں سیراب کرنا، چونکہ پہلے زمانے میں لوگ آٹھ ذوالحج کو حج کا سفر شروع کرتے وقت منیٰ کی طرف جانے سے پہلے اپنے اونٹوں کو خوب سیراب کر لیتے تھے اس لیے اس دن کا نام ہی "یوم ترویہ" پڑ گیا۔

52- بَابٌ: جَامِعُ الْهَدْيِ

ہدی کے متعلق متفرق روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں، جن میں سے دو صحیح اور ایک حسن ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[869] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

صدقہ بن یسار مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اہل یمن

[868] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[869] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ الْمَكِّيِّ : أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ جَاءَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، وَقَدْ ضَفَرَ رَأْسَهُ فَقَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنِّي قَدِمْتُ بِعُمْرَةٍ مُفْرَدَةٍ . فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : لَوْ كُنْتُ مَعَكَ أَوْ سَأَلْتَنِي لأَمَرْتُكَ أَنْ تَقْرِنَ . فَقَالَ الْيَمَانِيُّ : قَدْ كَانَ ذٰلِكَ . فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ خُذْ مَا تَطَايَرَ مِنْ رَأْسِكَ وَأَهْدِ . فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ : مَا هَدْيُهُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ؟ فَقَالَ : هَدْيُهُ . فَقَالَتْ لَهُ : مَا هَدْيُهُ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : لَوْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا أَنْ أَذْبَحَ شَاةً ، لَكَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَصُومَ .

میں سے ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے اپنے بالوں کی مینڈھیاں (اور لٹیں) بنا رکھی تھیں، چنانچہ وہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت سے مخاطب کر کے) کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمٰن! بے شک میں اکیلا عمرہ کرنے کی نیت سے آیا ہوں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: اگر میں (تیرے احرام باندھنے کے وقت) تیرے ساتھ ہوتا یا تو (احرام باندھنے سے قبل) مجھ سے سوال کر لیتا تو میں تجھے حکم دیتا کہ تو حج قران کر، وہ یمنی شخص بولا کہ (جو ہونا تھا وہ تو) اب ہو چکا، (اب کیا کروں؟) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تیرے سر میں سے جو ادھر اُدھر بکھرے ہوئے بال ہیں انھیں کاٹ لے (تا کہ باقی بال حج کے اخیر میں منڈوا سکے) اور ایک ہدی قربانی کر، اہل عراق میں سے ایک عورت کہنے لگی کہ اے عبدالرحمٰن! اس کی ہدی کیا ہوگی؟ انھوں نے فرمایا: (جو) اس کی ہدی (بنتی ہے)، تو اس عورت نے پھر ان سے کہا کہ وہ کیا ہدی ہے؟ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ پاؤں کہ بکری کو ذبح کروں تو یقیناً یہ (بکری ذبح کرنے کا عمل) میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ روزے رکھوں۔

فائدہ: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے حج تمتع کی نسبت حج مفرد یا حج قران پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کے راجح ہونے کا اشارہ کیا لیکن حج تمتع سے منع نہ فرمایا۔ بہر حال حج تمتع اور حج قران پر ہدی لازم ہوتی ہے اور اگر ہدی نہ مل سکے تو پھر دس روزے رکھنا ہوتے ہیں، ہدی میں اونٹ، گائے اور بکری سب شامل ہیں اور اس کی کم از کم مقدار ایک بکری ہے، اسی لیے انھوں نے فرمایا کہ جب بکری کی گنجائش ہو تو پھر روزوں کی کیا ضرورت؟

[870] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ إِذَا حَلَّتْ لَمْ تَمْتَشِطْ حَتَّى تَأْخُذَ مِنْ قُرُونِ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ احرام والی عورت جب (احرام کھول کر) حلال ہو تو وہ کنگھی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے

[870] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

رَأْسِهَا ، وَإِنْ كَانَ لَهَا هَدْيٌ لَمْ تَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهَا شَيْئاً حَتَّى تَنْحَرَ هَدْيَهَا .

سر کی مینڈھیوں میں سے کچھ (بال) کتر لے ، اور اگر اس کے پاس ہدی کا جانور ہوتو (پھروہ حج قران والی شمار ہوگی۔اسی لیے) وہ اپنے بالوں میں سے کچھ بھی نہ کاٹے گی یہاں تک کہ اپنی ہدی کو قربان کر لے۔

فائدہ :...... کیونکہ 10 ذوالحج کے دن میں کیے جانے والے چار کاموں کی ترتیب اس طرح ہے کہ سب سے پہلے کنکریاں ، پھر قربانی ، پھر بال کاٹنا یا مونڈنا اور آخر میں طواف افاضہ ہے،البتہ اگر ترتیب میں فرق آجائے تو کوئی حرج اور گناہ نہ ہوگا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ : لا يَشْتَرِكُ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهُ فِي بَدَنَةٍ وَاحِدَةٍ ، لِيُهْدِ كُلُّ وَاحِدٍ بَدَنَةً بَدَنَةً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: انھوں نے بعض اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مرد وعورت (خاوند بیوی) ہدی والے ایک اونٹ میں شریک نہیں ہوسکتے ،ان میں سے ہر کسی کو چاہیے کہ (ایک ایک) ہدی کا اونٹ لے کر آئے۔

فائدہ :...... لیکن جمہور کے نزدیک اونٹ اور گائے میں سات سات افراد اکٹھے شریک ہوسکتے ہیں جیسا کہ خود امام مالک رحمہ اللہ سے بھی بعض روایات میں یہی منقول ہے اوران شرکاء میں خاوند بیوی بھی اکٹھے ہوسکتے ہیں،چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی متعدد بیویوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔(بخاری: 1709) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ آدمی ہدی میں خواہ پورا اونٹ قربان کرے یا گائے یا بکری یا (اونٹ یا گائے میں) کسی کے ساتھ شرکت کرے۔(بخاری: 1688) نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرے میں بھی اور حجۃ الوداع میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور ایک ایک اونٹ اور گائے میں ہم میں سے سات سات افراد شریک ہوئے۔(مسلم:1318)

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ بُعِثَ مَعَهُ بِهَدْيٍ يَنْحَرُهُ فِي حَجٍّ وَهُوَ مُهِلٌّ بِعُمْرَةٍ، هَلْ يَنْحَرُهُ إِذَا حَلَّ ، أَمْ يُؤَخِّرُهُ حَتَّى يَنْحَرَهُ فِي الْحَجِّ وَيُحِلُّ هُوَ مِنْ عُمْرَتِهِ ؟ فَقَالَ : بَلْ يُؤَخِّرُهُ حَتَّى يَنْحَرَهُ فِي الْحَجِّ وَيُحِلُّ هُوَ مِنْ عُمْرَتِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کے ہمراہ (کسی نے) ہدی کا جانور بھیجا تا کہ وہ اسے حج میں لے جاکر قربان کرے اور وہ (ہدی لے جانے والا شخص خود) صرف عمرے کا احرام باندھے ہوئے ہو (تا کہ حج تمتع ادا کر سکے)،چنانچہ جب وہ (عمرہ کر کے) احرام کھول دے گا (جس وقت ہزاروں حاجی ابھی حج کا احرام باندھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اس نے حج کا احرام نہیں باندھا ہوتا) تو کیا وہ اس ہدی کو نحر کرسکتا ہے یا وہ اسے مؤخر کرے گا یہاں

تک کہ (اپنے) حج (کا احرام باندھ کر حالت احرام میں) قربان کرے گا (کیونکہ اس سے یہی وعدہ لیا گیا تھا) اور خود وہ (اسے نحر کرنے سے قبل) عمرہ کر کے احرام کھول دے گا۔

فائدہ: ...... کیونکہ یہ ہدی اس کے اپنے حج کی نہیں ہے اور دوسرے شخص کی ہدی کو اپنے حج میں نحر کرنے کے عہد کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہدی اس کی ہوگئی اور وہ احرام نہ کھول پائے، ہاں اگر وہ اپنی ہدی ساتھ لایا ہوتو پھر اس کا حج قران لازم ہو جاتا اور وہ عمرہ کر کے احرام نہ کھول سکتا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالَّذِي يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِالْهَدْيِ فِي قَتْلِ الصَّيْدِ، أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ هَدْيٌ فِي غَيْرِ ذَلِكَ، فَإِنَّ هَدْيَهُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِمَكَّةَ، كَمَا قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: 95] وَأَمَّا مَا عُدِلَ بِهِ الْهَدْيُ مِنَ الصِّيَامِ أَوِ الصَّدَقَةِ، فَإِنَّ ذَلِكَ يَكُونُ بِغَيْرِ مَكَّةَ، حَيْثُ أَحَبَّ صَاحِبُهُ أَنْ يَفْعَلَهُ فَعَلَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور وہ شخص جس پر شکار کے قتل کی وجہ سے ہدی کا حکم لگایا گیا ہو یا اس پر اس کے علاوہ کسی صورت میں ہدی واجب ہو تو بلاشبہ اس کی یہ ہدی مکہ کے علاوہ کہیں قربان نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ (المائدة 95:5) ''قربانی کعبہ کو پہنچنے والی۔'' رہے وہ روزے یا صدقہ جو اس ہدی کے (نہ ہونے کی صورت میں اس کے) برابر (لازم) قرار دیے گئے ہیں تو وہ (دونوں روزہ اور صدقہ) مکہ کے علاوہ بھی ادا ہو سکتے ہیں جہاں بھی (اُن کو ادا کرنے والا) آدمی اُن کو ادا کرنا پسند کرے وہ وہیں انھیں ادا کر سکتا ہے۔

فائدہ: ...... کیونکہ ان کے ساتھ حرم کعبہ کی شرط نہیں لگائی گئی، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ، صرف حرم کعبہ کے فقراء ہی میں تقسیم ہوگا۔

[871] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيِّ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ فَخَرَجَ مَعَهُ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَمَرُّوا عَلَى حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَهُوَ مَرِيضٌ بِالسُّقْيَا، فَأَقَامَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ حَتَّى إِذَا خَافَ الْفَوَاتَ خَرَجَ،

ابو اسماء رحمہ اللہ جو کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ بے شک وہ (ابو اسماء رحمہ اللہ) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پھر وہ ان کے ہمراہ (خلیفہ سوئم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قافلہ حج میں) مدینہ سے نکلے تو اُن کا گزر (اپنے چچا زاد بھائی ،نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، اس حال میں کہ وہ ''سقیا'' مقام پر بیمار (پڑے ہوئے) تھے تو

[871] (موقوف حسن) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 218 (1088)، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 244 (3259)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

وَبَعَثَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ وَهُمَا بِالْمَدِينَةِ، فَقَدِمَا عَلَيْهِ، ثُمَّ إِنَّ حُسَيْناً أَشَارَ إِلَى رَأْسِهِ، فَأَمَرَ عَلِيٌّ بِرَأْسِهِ فَحُلِقَ، ثُمَّ نَسَكَ عَنْهُ بِالسُّقْيَا، فَنَحَرَ عَنْهُ بَعِيراً. قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: وَكَانَ حُسَيْنٌ خَرَجَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فِي سَفَرِهِ ذَلِكَ إِلَى مَكَّةَ.

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ (ان کی دیکھ بھال کے لیے) ان کے پاس ہی ٹھہر گئے (جبکہ باقی قافلہ آگے روانہ ہوگیا) یہاں تک کہ جب انھیں حج کے فوت ہوجانے کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ (وہاں سے) نکل کھڑے ہوئے اور انھوں نے (اپنے چچا) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور (اپنی والدہ) حضرت اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا (جو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آ چکی تھیں،) کی طرف (پیغام) بھیج دیا، وہ دونوں مدینہ منورہ ہی میں تھے، چنانچہ وہ دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر کے بارے میں حکم دیا تو اسے مونڈ دیا گیا، پھر انھوں نے (حالت احرام میں بال کٹانے کے فدیے میں) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''سقیا'' مقام پر ہی ایک جانور ذبح کر دیا، چنانچہ انھوں نے ان کی طرف سے ایک اونٹ نحر (قربان) فرمایا۔

فائدہ: ...... مذکورہ صورت میں صرف ایک بکری واجب ہے لیکن اگر کوئی اس عائد ہونے والی فرض مقدار سے زیادہ، بہتر اور بڑا جانور ذبح کرنا چاہے تو جائز ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ محصر (حج سے روکا جانے والا) جہاں روک دیا جائے وہ وہیں اپنا جانور ذبح کرسکتا ہے...... یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اپنے اس سفر میں مکہ کی طرف حج کے لیے نکلے تھے۔

53- بَابٌ: الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ

عرفات اور مزدلفہ میں وقوف (ٹھہرنے) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... حجاج کرام آٹھ ذوالحج کو شروع دن میں مکہ مکرمہ سے نکل کر منیٰ میں پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے نو ذوالحج کا سورج چڑھتے ہی عرفات کا رخ کرتے ہیں، راستے میں آنے والے میدان مزدلفہ میں ابھی پڑاؤ نہیں کرتے، اس سے گزر کر عرفات کے پاس جا کر وادیٔ نمرہ وغیرہ میں ٹھہرتے ہیں، پھر سورج ڈھلتے ہی عرفات کی مسجد میں پہنچ کر حج کا خطبہ سن کر ظہر وعصر کی نمازیں جمع تقدیم کی صورت میں اکٹھی پڑھتے ہیں اور پھر مغرب تک میدان عرفات میں ٹھہرتے ہیں، یہی ٹھہرنا ''وقوف عرفہ'' کہلاتا ہے، یہ حج کا سب سے بڑا اور اہم رکن ہے...... یاد رہے کہ مسجد عرفہ کا اگلا حصہ وادیٔ

عرنہ میں ہے جو کہ میدان عرفات کا حصہ نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی یہیں پر خطبہ دیا تھا......۹ ذوالحج کا سورج غروب ہوتے ہی بغیر نماز ادا کیے اس میدان سے واپس مڑا جاتا ہے اور مزدلفہ پہنچ کر وہاں مغرب وعشاء کی نمازیں جمع تاخیر کی صورت میں ادا کرتے ہیں اور فوراً سو جاتے ہیں، پھر فجر کا وقت ہوتے ہی فوراً نماز فجر ادا کر کے روشنی پھیلنے تک مزدلفہ ہی میں ٹھہرا جاتا ہے اور پھر سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہاں سے واپس منیٰ کا رخ کرتے ہیں، یوں مزدلفہ میں ۱۰ ذوالحج کی رات کا ٹھہرنا ''وقوف مزدلفہ'' کہلاتا ہے۔

[872] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عرفہ (کا میدان) سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے اور (میدان عرفات کے آغاز سے متصل پہلے) عرنہ کے نشیب سے آگے بڑھ جاؤ (کیونکہ وادیٔ عرنہ میدان عرفات کا حصہ نہیں ہے) اور مزدلفہ (بھی) سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے اور محسر کے نشیب سے آگے بڑھ جاؤ (کیونکہ وادیٔ محسر میدان مزدلفہ کا حصہ نہیں ہے)۔''

فائدہ: ......دراصل وادیٔ محسر جہاں ابرہہ کا لشکر تباہ ہوا تھا منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان میں ہے اور دونوں میں سے کسی کا بھی حصہ نہیں ہے اس لیے وقوف مزدلفہ اس وادی میں نہیں ہوگا......یاد رہے کہ یہ روایت صحیح مسلم میں متصل سند سے موجود ہے، مگر اس میں دونوں جگہ (وَارْتَفِعُوْا) والا حکم مذکور نہیں ہے۔

[873] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: اعْلَمُوا أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ، وَأَنَّ الْمُزْدَلِفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ.

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، یقیناً وہ کہا کرتے تھے: جان رکھو کہ عرفات سارے کا سارا جائے وقوف ہے سوائے وادی عرنہ کے، اور بلاشبہ مزدلفہ سارے کا سارا ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے وادیٔ محسر کے۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

---

[872] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب الموقف بعرفات، حديث: 3012، 3048، ابو داود: 1907، نسائي: 3018، 3048.

[873] (موقوف صحيح) ابن ابي شيبه: 3/ 236، 237، ابن ابي حاتم في التفسير: 1/ 349- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[البقرة: 197] قَالَ: فَالرَّفَثُ إِصَابَةُ النِّسَاءِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ﴾ [البقرة: 187] قَالَ: وَالْفُسُوقُ الذَّبْحُ لِلْأَنْصَابِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿أَوْ فِسْقاً أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ [الأنعام: 145] . قَالَ: وَالْجِدَالُ فِي الْحَجِّ، أَنَّ قُرَيْشاً كَانَتْ تَقِفُ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِقُزَحَ، وَكَانَتِ الْعَرَبُ وَغَيْرُهُمْ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ، فَكَانُوا يَتَجَادَلُونَ، يَقُولُ هَؤُلَاءِ: نَحْنُ أَصْوَبُ، وَيَقُولُ هَؤُلَاءِ: نَحْنُ أَصْوَبُ، فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ﴾ [الحج: 67] فَهَذَا الْجِدَالُ فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَقَدْ سَمِعْتُ ذَلِكَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

(البقرة 2:197) ”تو حج کے دوران میں (حاجی) نہ کوئی جنسی باتیں کرے اور نہ کوئی نافرمانی کرے اور نہ ہی کوئی جھگڑا کرے۔“ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رَفَثَ سے مراد عورتوں سے مباشرت کرنا ہے اور (اصل مفہوم تو) اللہ ہی خوب جاننے والا ہے، (اور ہم نے یہ مفہوم اس لیے مراد لیا ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ (البقرة 2:187) ”تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔“ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (فُسُوْق) سے مراد بتوں کے نام پر (جانور) ذبح کرنا ہے، اور اللہ ہی (اصل مفہوم کو) خوب بہتر جانتا ہے (اور ہم نے یہ مطلب اس لیے اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ (الانعام 6: 145) ”یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔“ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حج میں جھگڑنے سے مراد (وقوف کی جگہ میں جھگڑنا ہے جس کی تفصیل) یہ ہے کہ یقیناً (مکہ کے) قریش (حج کے موقع پر عرفات میں جانے کی بجائے) مزدلفہ ہی میں مشعر حرام کے پاس یعنی قزح پہاڑی کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور (باقی سارے اہل) عرب اور غیر عرب عرفات میں ٹھہرا کرتے تھے تو یوں وہ آپس میں جھگڑتے تھے، یہ کہتے کہ ہم زیادہ درستی پر ہیں اور وہ کہتے کہ ہم زیادہ صحیح راہ پر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے (اس نزاع اور جدال کے حوالے سے) فرمایا: ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلٰى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الحج 22:67) ”ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا طریقہ مقرر فرمایا ہے، وہ اس پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا وہ اس معاملے میں آپ سے ہرگز نہ جھگڑیں اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیجیے، یقیناً آپ راہ راست پر ہیں۔“ الغرض ہماری رائے کے مطابق حج میں جھگڑنے سے یہی مراد ہے اور (اصل حقیقت سے تو) اللہ ہی خوب واقف ہے، یقیناً میں نے اہل علم سے یہ تفسیر سنی ہے۔

فائدہ: ......آیت کا مفہوم اس مذکورہ مفہوم سے بھی کہیں وسیع ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے صرف ایک پہلو ذکر

کیا ہے،انھوں نے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کا بہترین اسلوب اختیار کیا ہے کہ تین قرآنی الفاظ کی تشریح میں مزید تین آیات قرآنیہ ذکر کر دیں...... (لَا جِدَالَ) اور (فَـلَا يُنَا زِعُنَّكَ) تقریباً ہم معنیٰ ہیں......قریش مکہ حرم کے پاسبان، بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے خود کو''حُمس'' (بہادر اور گرم جوش) کہتے تھے اور ان کا نظریہ تھا کہ حج کے موقع پر حدود حرم سے باہر جانا ہمارے شایانِ شان نہیں اور چونکہ عرفات حرم مکہ سے باہر ہے اس لیے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے اور وہیں سے واپس منیٰ لوٹ آتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم فرمایا: ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (البقرة 2:199) ''پھر تم بھی وہیں سے (جا کر) لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں،قریش مکہ کہتے تھے کہ ہم نے چونکہ حرم ہی کو لازم پکڑا ہے اس لیے ہم ہی زیادہ درست ہیں جبکہ باقی لوگ کہتے کہ ہم نے قدیم طریقہ حج ہی کو اختیار کیا ہے اور بدعت ایجاد نہیں کی لہٰذا ہم ہی زیادہ درست ہیں......ان کی اس حجت بازی کو جدال اور نزاع سے تعبیر کر کے انھیں اس سے منع فرمایا گیا ہے اور صحیح راہ بتادی گئی ہے......''مَشْعَرِ حَرَام'' کے لفظی معنی حرمت والی علامت ونشان کے ہیں اور یہ حج کی خاص نشانیوں اور عبادت کی جگہوں میں سے ایک ہے اور یہ حقیقت میں تو ''قُزَح'' پہاڑی ہی کا لقب ہے لیکن مجازاً پورے مزدلفہ کو مشعر حرام کہتے ہیں۔

54- بَابٌ: وُقُوفُ الرَّجُلِ وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ وَوُقُوفُهُ عَلَى دَابَّتِهِ

بے وضو آدمی کے (عرفات ومزدلفہ میں) ٹھہرنے اور سواری پر وقوف کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے،البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ هَلْ يَقِفُ الرَّجُلُ بِعَرَفَةَ، أَوْ بِالْمُزْدَلِفَةِ، أَوْ يَرْمِي الْجِمَارَ، أَوْ يَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ؟ فَقَالَ: كُلُّ أَمْرٍ تَصْنَعُهُ الْحَائِضُ مِنْ أَمْرِ الْحَجِّ، فَالرَّجُلُ يَصْنَعُهُ وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ، ثُمَّ لَا يَكُونُ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي ذَلِكَ، وَالْفَضْلُ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ طَاهِراً، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَعَمَّدَ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی شخص بغیر وضو کے عرفات یا مزدلفہ میں ٹھہر سکتا ہے یا ستونوں کو کنکریاں مار سکتا ہے یا صفاومروہ کے درمیان سعی کر سکتا ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حج کا ہر وہ کام جو حیض والی عورت کر سکتی ہے تو آدمی بھی اسے اس حال میں ادا کر سکتا ہے کہ وہ بے وضو ہو،پھر اس پر اس عمل میں کوئی چیز (جرمانہ،فدیہ کی صورت میں واجب) نہ ہوگی اور البتہ فضیلت اسی میں ہے کہ آدمی ان تمام امور میں باوضو رہے اور اس کے لیے مناسب نہیں کہ عمداً بے وضو رہے۔

فائدہ: ......حیض والی عورت کے لیے صرف طواف کعبہ منع ہے کیونکہ وہ مسجد میں ہی ہو سکتا ہے اور حیض والی

عورت مسجد میں نہیں جا سکتی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ لِلرَّاكِبِ أَيَنْزِلُ، أَمْ يَقِفُ رَاكِباً؟ فَقَالَ: بَلْ يَقِفُ رَاكِباً، إِلَّا أَنْ يَكُونَ بِهِ أَوْ بِدَابَّتِهِ عِلَّةٌ، فَاللّٰهُ أَعْذَرُ بِالْعُذْرِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے سوار آدمی کے لیے عرفات میں وقوف کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ سواری سے اتر جائے یا سوار ہو کر ہی ٹھہرا رہے؟ تو انھوں نے فرمایا: بلکہ وہ سواری کی حالت میں وقوف کرسکتا ہے الا یہ کہ خود اُسے یا اس کے جانور کو کوئی عذر لاحق ہو (تو پھر نیچے اتر کر وقوف کرے) اور اللہ تعالیٰ عذر کو خوب قبول کرنے والا ہے۔

فائدہ: ......یعنی عذر کے ساتھ تو واجبات بھی ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ عمل تو محض مندوب اور مباح ہے، یہ تو بوقت عُـذر بـالاوّلـی ساقط ہوگا، دراصل رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں تو مسلسل سواری ہی پر موجود رہے اور جب واپس مزدلفہ میں پہنچے تو سواری سے اتر کر مغرب وعشاء ادا کر کے سو گئے، پھر نماز فجر کے بعد سواری کے اوپر ہی مشعر حرام پہاڑی کے پاس ٹھہرے رہے اور قبل از طلوع آفتاب وہاں سے واپس منیٰ روانہ ہوئے، جبکہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سواریاں نہ تھیں، انھوں نے بغیر سواری کے دونوں وقوف کیے، لہٰذا یہ معاملہ وسعت والا ہے۔

55- بَابٌ: وُقُوفُ مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ بِعَرَفَةَ

اس شخص کے عرفہ میں وقوف کا بیان جس سے (وقوف کے باوجود) حج فوت ہو جائے

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......اس باب میں بتایا جائے گا کہ وہ کون سا وقوف ہے جو غیر معتبر ہے، دراصل میدان عرفات کے وقوف کا اصل وقت ۹ ذوالحج کے سورج کے ڈھلنے سے لے کر غروب آفتاب تک ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے لیٹ ہو جانے والوں کے لیے یہ توسیع فرمائی ہے کہ جو شخص ۱۰ ذوالحج کی فجر طلوع ہونے تک عرفات میں ایک قدم بھی رکھ آئے تو وہ حج کو پالے گا۔ (ابو داود: 1950، ترمذی: 2975، نسائی: 3019، ابن ماجہ: 3015۔ اس کی سند حسن صحیح ہے) اور جو شخص اس سے بھی لیٹ ہو جائے تو اس کا حج نہیں ہوگا۔

[874] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ لَمْ يَقِفْ بِعَرَفَةَ مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ أَنْ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جو شخص مزدلفہ کی رات (ذوالحج کی دسویں رات) میں طلوع فجر سے پہلے تک عرفات میں ٹھہر نہ

[874] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 3/ 218 (13670)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ، وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ.

سکا تو یقیناً اس سے حج فوت ہو گیا اور جو شخص مزدلفہ کی رات میں بھی میدان عرفات میں طلوع فجر سے پہلے پہلے وقوف کر لے تو یقیناً اس نے حج کو پالیا۔

[875] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَهُ الْفَجْرُ مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ، وَلَمْ يَقِفْ بِعَرَفَةَ، فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ، وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ، قَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جس شخص کو مزدلفہ کی رات والی فجر اس حالت میں پالے کہ اس نے وقوف عرفات نہ کیا ہو تو یقیناً اس سے حج رہ گیا اور جو شخص مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے پہلے عرفات میں ٹھہر لے تو یقیناً اس نے حج کو پالیا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ يُعْتَقُ فِي الْمَوْقِفِ بِعَرَفَةَ: فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَجْزِي عَنْهُ مِنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَمْ يُحْرِمْ، فَيُحْرِمُ بَعْدَ أَنْ يُعْتَقَ، ثُمَّ يَقِفُ بِعَرَفَةَ مِنْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ قَبْلَ أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ أَجْزَأَ عَنْهُ، وَإِنْ لَمْ يُحْرِمْ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ، كَانَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ، إِذَا لَمْ يُدْرِكِ الْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ، وَيَكُونُ عَلَى الْعَبْدِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ يَقْضِيهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے متعلق فرمایا جو عرفات میں ٹھہرنے کے وقت آزاد کیا جائے تو بلاشبہ (اس کا) یہ (حج) اسلام کے فرض حج کی طرف سے اُسے کافی نہ ہوگا (کیونکہ اس نے اس حج کا احرام حالت غلامی میں باندھا تھا اور غلاموں پر چونکہ حج فرض ہی نہیں اس لیے اگر وہ حج کریں تو نفلی شمار ہوتا ہے اور آزادی کے بعد ان پر حج کا فریضہ باقی رہتا ہے بشرطیکہ وہ استطاعت رکھتے ہوں) الا یہ کہ اگر اس نے (حالت غلامی میں) احرام نہ باندھا ہوا ہو، پھر وہ آزاد کیے جانے کے بعد احرام باندھ لے پھر اس (10 ذوالحج کی) رات ہی میں طلوع فجر سے پہلے پہلے عرفات میں ٹھہر لے، چنانچہ اگر وہ ایسا کر لے تو پھر اس کا یہ حج اس سے کفایت کرے گا اور اگر اس نے (آزادی کے بعد) اس طلوع فجر تک احرام نہ باندھا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس سے (اُس صورت میں) حج رہ جاتا ہے کہ جب وہ مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے قبل وقوف عرفہ نہ پاسکا اور (اس وقت اس آزاد ہونے والے) غلام پر اسلام کا (فریضہ) حج لازم رہتا ہے جسے وہ (بوقت استطاعت) ادا کرے گا۔

[875] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

56- بَابٌ: تَقْدِيمُ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ

عورتوں اور بچوں کو پہلے روانہ کر دینے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چار موقوف روایات ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور باقی صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

فائدہ: ...... 10 ذوالحج کی رات مزدلفہ میں گزارنا مناسک حج میں شامل ہے، دسویں رات کا آغاز میدان عرفات میں غروب آفتاب سے ہوجاتا ہے لیکن وہاں نماز مغرب پڑھے بغیر واپس آ کر مزدلفہ میں مغرب وعشاء اکٹھی ادا کی جاتی ہیں، پھر نماز فجر ادا کر کے مزدلفہ ہی میں روشنی پھیلنے تک ٹھہرا جاتا ہے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے واپس منیٰ کا رخ کیا جاتا ہے۔ اس عمل میں مشرکین مکہ کی مخالفت بھی ہے کیونکہ وہ سورج نکلنے کے بعد مزدلفہ سے نکلتے تھے، بہرحال لاکھوں کے مجمع میں ہجوم کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ازروئے شفقت یہ اجازت عطا فرمائی ہے کہ عورتوں، بچوں اور مریضوں وغیرہ کو رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ کر دیا جائے اور صبح کا انتظار نہ کیا جائے تاکہ وہ لوگوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار کر فارغ ہو جائیں۔

[876] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمٍ وَعُبَيْدِ اللهِ ابْنَيْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ أَبَاهُمَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُقَدِّمُ أَهْلَهُ وَصِبْيَانَهُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى، حَتَّى يُصَلُّوا الصُّبْحَ بِمِنًى، وَيَرْمُوا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ النَّاسُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں سالم رحمہ اللہ اور عبیداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں (یعنی عورتوں) اور بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آگے بھیج دیتے تھے تاکہ وہ منیٰ میں صبح کی نماز ادا کریں اور لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے کنکریاں مار لیں۔

فائدہ: ...... بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ان گھر والوں میں سے کچھ تو نماز فجر کے وقت منیٰ میں پہنچ جاتے تھے اور کچھ اس سے ذرا دیر بعد پہنچتے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اس طرح کے کمزور افراد کے لیے رسول اللہ ﷺ ہی نے رخصت عطا فرمائی ہے۔ (بخاری:1676، مسلم:1295)۔

[877] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی سے

---

[876] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من قدم ضعفة اهله بليل، حديث: 1676، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء، حديث:1295، نسائي في الكبرى: 4037، احمد: 2/ 33 (4892).

[877] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج ،باب من قدم ضعفة اهله بليل، حديث: 1679، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء، حديث: 1291، ابوداود:1943، نسائي: 3053: احمد: 6/ 347 (27480).

سَعِيدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ: أَنَّ مَوْلَاةً لِأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: جِئْنَا مَعَ أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ مِنًى بِغَلَسٍ، قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهَا لَقَدْ جِئْنَا مِنًى بِغَلَسٍ، فَقَالَتْ: قَدْ كُنَّا نَصْنَعُ ذَٰلِكَ مَعَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكِ.

روایت ہے، کہتی ہیں کہ ہم سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ منہ اندھیرے ہی منیٰ میں آ گئیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے اُن سے کہا کہ ہم تو منیٰ میں منہ اندھیرے ہی آ گئے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ ہم اس ہستی کے ہمراہ بھی ایسا ہی کرتی تھیں جو تم سے بہتر تھی۔

فائدہ:......سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اس رات کا چاند غروب ہونے کے بعد مزدلفہ سے نکلتیں اور منیٰ پہنچ کر پہلے ہی کنکریاں مارتیں پھر اپنے خیمے میں جا کر نماز فجر ادا کرتیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے لیے یہ اجازت دی ہے۔ (بخاری: 1679، مسلم: 1291) اس لونڈی کا نام معلوم نہیں ہوسکا...... بخاری و مسلم کی روایت میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے بیان کرنے والے راوی ان کے غلام عبداللہ بن کیسان ہیں، ہوسکتا ہے کہ ایک ہی سفر میں اس غلام اور اس لونڈی نے الگ الگ اُن سے سوالات کیے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی حج میں اُن کا غلام اُن کے ساتھ ہو اور کسی میں اُن کی لونڈی......مزدلفہ میں ٹھہرنے کے حوالے سے دو الگ الگ مسئلے عموماً گڈمڈ ہو جاتے ہیں، ایک ہے مزدلفہ میں رات گزارنا اور دوسرا ہے نماز فجر کے بعد مزدلفہ میں کچھ دیر ٹھہرے رہنا۔ 1- رہا پہلا مسئلہ تو یہ رات گزارنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سواریوں کے پالان اتارنے کی مقدار کے بقدر ہی مزدلفہ میں پڑاؤ ڈالنا واجب ہے خواہ وہ رات کے کسی بھی حصے میں ہو اور مشہور قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مزدلفہ میں آدھی رات تک پڑاؤ کرنا اُن لوگوں کے لیے واجب ہے جو اس وقت سے پہلے یہاں پہنچ جائیں اور جو نہ پہنچ سکیں اُن کے لیے باقی نصف رات میں ایک لمحہ بھی یہاں حاضری دے دینا کافی ہے......عصر حاضر میں انتہائی زیادہ رش کی وجہ سے بعض لوگ میدان عرفات ہی میں اتنی دیر پھنسے رہتے ہیں کہ مزدلفہ کی ساری رات گزر جاتی ہے اور اس تاخیر کا شکار عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو سواری پر سفر کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر کوئی شخص انتہائی سست رفتار میں بھی پیدل چل پڑے تو چند گھنٹوں میں بآسانی مزدلفہ پہنچ سکتا ہے۔ 2- رہا دوسرا مسئلہ کہ نماز فجر کے بعد مزدلفہ میں ٹھہرنا کیسا ہے؟ تو یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے البتہ معذور افراد یعنی بچے، عورتیں، بوڑھے، بیمار اور کمزور افراد سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ باقی تمام ائمہ کے نزدیک یہ وقوف محض سنت ہے......رہا کنکریاں مارنے کے وقت میں اختلاف تو اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے، ان شاء اللہ۔

[878] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ كَانَ يُقَدِّمُ نِسَاءَهُ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اپنی عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف (پہلے ہی)

[878] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

وَصِبْيَانَهُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى .

آگے روانہ کر دیتے تھے۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ رَمْيَ الْجَمْرَةِ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، وَمَنْ رَمَى فَقَدْ حَلَّ لَهُ النَّحْرُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے بعض اہل علم کو سنا کہ وہ جمرہ کو (دس ذوالحج کے دن ،مقررہ وقت سے پہلے) کنکریاں مارنا مکروہ جانتے تھے۔(یہ کراہت باقی رہتی ہے) یہاں تک کہ یوم نحر کی فجر طلوع ہو جائے، اور (پھر بھی) جس کسی نے (کسی وقت بھی) کنکریاں مارلیں تو اس کے لیے نحر کرنا جائز ہو گیا۔

فائدہ :...... ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ،مجاہد رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک سورج طلوع ہونے سے قبل رمی کرنا (کنکریاں مارنا) جائز ہی نہیں، ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔(ابو داود:1940، نسائی: 3066، ابن ماجہ: 3025- اس کی سند صحیح ہے) امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رمی کرنے یعنی 10 ذوالحج کو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے وقت کا آغاز طلوع فجر کے بعد ہو جاتا ہے، اگر چہ اس وقت رمی کرنا محض مباح ہے، مستحب نہیں ہے، اور اس وقت سے پہلے رمی کرنا مکروہ ہے، اور جو اس سے پہلے رمی کر لے تو اس پر لازم ہے کہ طلوع فجر کے بعد دوبارہ رمی کرے، ان کے نزدیک اس رمی کا مستحب وقت سورج طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال تک رہتا ہے، پھر زوال سے لے کر غروب تک بھی رمی کرنا جائز ہے، رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جس سے نخعی وثوری رحمہم اللہ وغیرہ نے دلیل لی ہے، تو اس میں صرف مستحب وقت کا بیان ہے جبکہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی کا جائز ہونا دوسری روایات سے ثابت ہے...... امام شافعی رحمہ اللہ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کنکریاں مارنے کے وقت کا آغاز آدھی رات کے بعد ہی ہو جاتا ہے، اگر چہ مستحب یہی ہے کہ سورج چڑھنے کا انتظار کیا جائے، یہی موقف راجح ہے......سورج چڑھنے سے پہلے بلکہ فجر کے طلوع ہونے سے بھی پہلے کنکریاں مارنے کا جواز مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے۔(بخاری: 1679، مسلم: 1291 عن اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ، ابو داود: 1942، بیہقی: 5/133 عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[879] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْمُنْذِرِ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا كَانَتْ تَرَى أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ بِالْمُزْدَلِفَةِ، تَأْمُرُ الَّذِي يُصَلِّي لَهَا وَلأَصْحَابِهَا الصُّبْحَ

فاطمہ بنت منذر سے روایت ہے کہ وہ (اپنی دادی جان) سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو مزدلفہ میں دیکھا کرتی تھیں کہ وہ اس شخص کو جو اُن کو اور اُن کے ہمراہ افراد کو نماز فجر پڑھاتا تھا، اُسے حکم دیتیں کہ وہ (مزدلفہ کی رات میں) اُنھیں اُسی

[879] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

يُصَلِّي لَهُمُ الصُّبْحَ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ، ثُمَّ تَرْكَبُ فَتَسِيرُ إِلَى مِنًى وَلَا تَقِفُ . وقت نماز فجر پڑھادے جس وقت کہ فجر طلوع ہو، پھر وہ سوار ہو جاتیں اور منیٰ کی طرف چل پڑتیں اور نہ ٹھہرتیں۔

فائدہ : ...... اس جگہ نماز فجر میں سنت عمل یہی ہے کہ پو پھوٹتے ہی اور فجر طلوع ہوتے ہی اذان کہہ کر سنتیں ادا کر کے فوراً نماز باجماعت پڑھ لی جائے، (مسلم: 1218) پیچھے جو روایت: 876 میں گزرا ہے کہ وہ منیٰ میں پہنچ کر نماز فجر پڑھتی تھیں تو یہ دراصل ان کے مختلف واقعات بیان ہو رہے ہیں، چنانچہ وہ کسی حج میں مزدلفہ ہی میں نماز فجر ادا کر کے منیٰ روانہ ہوتیں اور کبھی آدھی رات کو روانہ ہو کر منیٰ میں رمی کر کے نماز فجر پڑھتیں۔

57- بَابٌ : السَّيْرُ فِي الدَّفْعَةِ

(عرفات ومزدلفہ سے) روانگی کے وقت چلنے (کے انداز) کا بیان

خلاصۃ الباب : اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور دونوں سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[880] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ : سُئِلَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ - وَأَنَا جَالِسٌ مَعَهُ - كَيْفَ كَانَ يَسِيرُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ ، حِينَ دَفَعَ ؟ قَالَ كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ ، فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اس حال میں سوال کیا گیا کہ میں اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا، (پوچھا گیا) کہ رسول اللہ ﷺ جب حجۃ الوداع میں (عرفات سے) واپس روانہ ہوئے تو کس طرح چل رہے تھے؟ انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ "عَنَق" چال چلتے تھے (درمیانی انداز میں اونٹنی کو چلاتے، نہ تو بالکل سست رفتار اور نہ بہت تیز رفتار تھے)، پھر جب آپ ﷺ کھلی جگہ پالیتے تو (اونٹنی کو) ذرا تیز دوڑاتے۔

قَالَ مَالِكٌ : قَالَ هِشَامٌ : وَالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ "نَصّ" (نامی چال)، "عَنَق" (نامی چال) سے کچھ تیز ہوتی ہے۔

فائدہ : ...... رسول اللہ ﷺ نے عرفات سے مزدلفہ تک حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اور مزدلفہ سے منیٰ

[880] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج ، باب السير اذا دفع من عرفة ، حديث: 1666 ، 2999، 4413، صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب الافاضة من عرفات الى المزدلفة ، حديث: 1286 ، ابوداؤد: 1923، نسائي: 3026، ابن ماجه: 3017، احمد: 5/ 205 (22126)، دارمي: 1880 .

تک حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار فرمایا۔ (بخاری: 1686، مسلم: 1280)

[881] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَرِّكُ رَاحِلَتَهُ فِي بَطْنِ مُحَسِّرٍ قَدْرَ رَمْيَةٍ بِحَجَرٍ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وادیٔ محسر کے نشیب میں ایک پتھر پھینکنے کے بقدر (فاصلے میں) اپنے اونٹ کو حرکت دیتے (اور ذرا تیز رفتار کر لیتے)۔

فائدہ: ...... وادیٔ محسر، مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں والے لشکر ابرہہ کو پرندوں کے ذریعے تباہ و برباد کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ عذاب والی جگہوں سے ذرا تیزی کے ساتھ گزرتے تھے کہ کہیں دوبارہ وہی عذاب نہ شروع ہو جائے۔ (بخاری: 4419، مسلم: 2980/ 39) رسول اللہ ﷺ نے بھی وادی محسر میں اونٹنی کو کچھ تیز چلایا تھا۔ (مسلم: 1218)

58- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي النَّحْرِ فِي الْحَجِّ

حج میں نحر (جانور قربان) کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں اور تینوں روایات بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ: ...... اونٹ کو کھڑا کر کے اور اس کا ایک گھٹنا باندھ کر اس کی گردن کے نیچے والے گڑھے میں نیزہ یا برچھا مارنا ''نحر'' کہلاتا ہے جبکہ باقی تمام جانوروں کو لٹا کر ان کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے اور اس عمل کو ''ذبح'' کہا جاتا ہے، البتہ مجازاً اسے بھی نحر کہہ دیتے ہیں۔

[882] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بِمِنًى: هٰذَا الْمَنْحَرُ، وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ. وَقَالَ فِي الْعُمْرَةِ: هٰذَا الْمَنْحَرُ يَعْنِي الْمَرْوَةَ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ وَطُرُقِهَا مَنْحَرٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ کے متعلق فرمایا: ''یہ (جمرہ کے پاس جہاں میں نے اونٹ نحر کیے ہیں، یہ جگہ) نحر کرنے کی جگہ ہے اور منیٰ سارے کا سارا ہی نحر کی جگہ ہے'' اور عمرہ کے موقع پر فرمایا: ''یہ نحر کی جگہ ہے۔'' آپ ﷺ مروہ پہاڑی مراد لے رہے تھے، پھر فرمایا: ''مکہ کی تمام گلیاں اور راستے بھی نحر کی جگہ ہیں۔''

فائدہ: ...... جو لوگ عمرہ میں بھی جانور قربان کرتے ہیں اگرچہ اُن پر یہ واجب نہیں ہوتے، اور اسی طرح وہ

[881] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 126 (9528)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[882] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث: 1218، سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب الصلاة بجمع، حدیث: 1936، 1937، ابن ماجه: 3048، مسنداحمد: 3/ 326.

تمام ہدی کے جانور یا نذر کے جانور جنھیں مکہ میں یا کعبہ کے پاس ذبح کرنا ہوتا ہے تو یہ سب جانور مکہ کے حرم میں کسی بھی جگہ قربان کیے جاسکتے ہیں۔

[883] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ تَقُولُ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِخَمْسِ لَيَالٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ وَلَا نُرَى إِلَّا أَنَّهُ الْحَجُّ، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ، أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ، وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ أَنْ يَحِلَّ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ فَقَالُوا: نَحَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ. قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: فَذَكَرْتُ هَذَا الْحَدِيثَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ فَقَالَ: أَتَتْكَ وَاللّٰهِ بِالْحَدِيثِ عَلَى وَجْهِهِ.

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (اس وقت حج کے لیے) نکلے جب ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں اور ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ رہے تھے کہ یہ حج ہی ہے (اور ہم حج مکمل کر لینے کے بعد ہی احرام کھول سکیں گے لیکن) پھر جب ہم مکہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ہر اس شخص کو جس کے پاس ہدی کا جانور نہ تھا یہ حکم فرمایا کہ جب وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لے تو وہ احرام کھول دے (اور حج تمتع ادا کرے)، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یوم نحر کو ہمارے پاس گائے کا گوشت لایا گیا تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ (اور کدھر سے آیا ہے؟) تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے بھی (گائے کی) قربانی کی ہے۔ (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے یہ حدیث قاسم بن محمد رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کی تو وہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمھارے پاس اس حدیث کو اس کی اصل صورت کے ساتھ لے کر آئی ہیں۔

فائدہ: ......راجح ترین اور محقق قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ ہفتے کے دن پچیس یا چھبیس ذوالقعدہ کو حج کے لیے روانہ ہوئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روانگی کے دن کو شامل کر کے ذوالقعدہ پانچ دن باقی رہنے کا ذکر کیا ہے، یہ بات قطعی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس حجۃ الوداع میں یوم عرفہ 9 ذوالحجہ یقیناً جمعہ کے دن آیا تھا، (بخاری: 45، مسلم: 5/3017) اس اعتبار سے یقیناً یکم ذوالحجہ کو جمعرات کا دن تھا اور اس سے قبل ذوالقعدہ کے پانچ دن ہفتہ سے

[883] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب ذبح الرجل البقر عن نسائه من غير امرهن، حديث: 1709، 1720، 2952، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام، حديث: 1211؛ ابوداود: 1778، 1782، ابن ماجه: 2981، احمد: 6/ 194 (26137)، دارمي: 1904.

لے کر بدھ تک ہی بنتے ہیں اور یہ بات پکی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن اس سفر میں نہیں نکلے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے یہ سفر شروع کرتے وقت مدینہ میں ظہر کی نماز کی چار رکعتیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز کی دو رکعتیں نماز قصر کے طور پر پڑھی تھیں۔ (بخاری:1551) اگر یہ جمعہ کا دن ہوتا تو اس میں ظہر ادا نہ کی جاتی کیونکہ مدینہ کے اندر تو آپ مسافر نہ تھے کہ جمعہ چھوڑ دیں، لہٰذا ظہر کی نماز کے لیے چار رکعتوں کی تعداد کی صراحت بتاتی ہے کہ جمعہ کے دن اس سفر میں نکلنے کا قول غلط ہے اور اگر آپ ﷺ جمعرات کے دن نکلے ہوتے تو پھر بھی ابھی ذوالقعدہ کے جمعرات کے علاوہ چھ دن باقی ہوتے ......الغرض امام ابن حزم رحمہ اللہ اور بدرالدین عینی رحمہ اللہ حنفی (شارح بخاری) کا جمعرات کے دن نکلنے کا قول بھی غلط ہے۔ ابن حجر، ابن قیم اور ابن کثیر رحمہم اللہ وغیرہ بھی ہفتے کے دن کا قول ہی راجح اور متعین قرار دیتے ہیں......گائے سب ازواج مطہرات کی طرف سے ذبح کی گئی تھی، رہی وہ روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر بیوی کی طرف سے ایک ایک گائے ذبح کی تو وہ شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور رہی یہ بات کہ گائے میں تو زیادہ سے زیادہ سات حصوں کی اجازت ہے جبکہ امہات المومنین کی اس وقت تعداد نو تھی، تو کیا اس حدیث سے یہ گنجائش نکلتی ہے کہ گائے میں بھی سات سے زیادہ حصے ہو سکتے ہیں؟ اس اشکال کے جواب میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ وہ گائے صرف سات بیویوں کی طرف سے تھی اور باقی دو بیویوں کے حصے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں میں اُن کی شمولیت کی نیت کی ہوگی، لیکن یہ محض احتمال ہے، اس لیے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اس مسئلے کو ترجیح سے حل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گائے میں سات حصوں سے زائد کی شمولیت کے متعلق صرف یہی ایک روایت ہے جبکہ صرف سات حصوں ہی کی اجازت والی روایات زیادہ ہیں لہٰذا وہ مقدم ہوں گی۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، باقی امت کے لیے اجازت نہیں کہ وہ گائے میں سات سے زائد حصے شامل کرے۔ واللہ اعلم

[884] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوا وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي، فَلَا أَحِلُّ حَتَّى أَنْحَرَ.

سیدہ حفصہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے (حجۃ الوداع میں) عرض کیا: یہ لوگوں کا کیا معاملہ ہے کہ انھوں نے تو احرام کھول دیا ہے جبکہ آپ نے اپنے عمرے سے (فارغ ہو کر) احرام نہیں کھولا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں نے اپنے بالوں کی تلبید کی ہے (انھیں گوند یا کوئی بوٹی لگا کر آپس میں چپکا رکھا ہے) اور

[884] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب التمتع والاقران والافراد بالحج، حدیث: 1566، 1697، 1725، 4398، 5916، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان القارن لایتحلل الافی وقت تحلل الحاج المفرد، حدیث:1229، ابوداود: 1806، نسائی: 2683، ابن ماجه: 3046، احمد: 6/ 284، (26964).

اپنے ہدی کے جانوروں کو قلادہ ڈالا ہے، اس لیے میں احرام نہیں کھول سکتا یہاں تک کہ نحر کرلوں۔

فائدہ :......یعنی میں تو دس ذوالحج کو جانور قربان کر کے ہی احرام کھولوں گا......دراصل جو حاجی اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے کر آئے تو اس کے لیے (حج تمتع کی بجائے) حج قران لازم ہو جاتا ہے اور حج قران میں عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا جاتا، یہی موقف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا، لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آدمی احرام کھول دے گا اور مروہ پہاڑی کے پاس جانور قربان کرے گا لیکن یہ موقف صریح احادیث کے خلاف ہے۔

59- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي النَّحْرِ

نحر کرنے کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[885] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَحَرَ بَعْضَ هَدْيِهِ بِيَدِهِ، وَنَحَرَ غَيْرُهُ بَعْضَهُ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہدی کے کچھ جانور (خود) نحر کیے اور ان میں سے کچھ کو آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور نے نحر کیا۔

فائدہ :......اور وہ شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی تھے، اونٹوں کی کل تعداد 100 تھی، (بخاری: 1718، مسلم: 1218) جن میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے، (مسلم: 1218) آپ ﷺ نے 63 اونٹ نحر فرمائے اور 37 اونٹ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے۔ (مسلم: 1218) جس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک 63 برس تھی تو آپ ﷺ نے ہر سال کی طرف سے ایک اونٹ ذبح فرمایا اور ایک ضعیف روایت میں یہ سبب بھی بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ سے 63 اونٹ ہی لے کر آئے تھے۔ (ترمذی: 815)

[886] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے

---

[885] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب الهدی اذاعطب قبل ان يبلغ، حدیث: 1764، بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 4/ 262 (3288)، نسائی فی الکبری: 3/ 66 (4508)، نیز دیکھیے، مسلم: 1218- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[886] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 231 (10166)، ابن ابی شیبه: (15400، 15402)- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: مَنْ نَذَرَ بَدَنَةً فَإِنَّهُ يُقَلِّدُهَا نَعْلَيْنِ وَيُشْعِرُهَا، ثُمَّ يَنْحَرُهَا عِنْدَ الْبَيْتِ أَوْ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ، لَيْسَ لَهَا مَحِلٌّ دُونَ ذَلِكَ، وَمَنْ نَذَرَ جَزُوراً مِنَ الإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ، فَلْيَنْحَرْهَا حَيْثُ شَاءَ.

فرمایا: جس شخص نے ''بدنہ'' کی نذر مانی تو یقیناً وہ اسے دو جوتوں کا قلادہ ڈالے گا اور اسے اشعار کرے گا پھر اسے بیت اللہ کے پاس یا یوم نحر کو منیٰ میں نحر کرے گا، اس (جانور) کے حلال ہونے کی جگہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اور جس شخص نے اونٹوں یا گائیوں میں سے ''جزور'' (کا لفظ بول کر ایک جانور قربان کرنے) کی نذر مانی تو وہ جہاں چاہے اُسے قربان کرسکتا ہے۔

فائدہ:...... کیونکہ ''جزور'' کا لفظ ہدی کے لیے خاص نہیں جبکہ ''بدنہ'' کا لفظ ہدی کے لیے متعین ہے اور ہدی کا جانور خانہ کعبہ کے پاس یعنی حرم مکہ ہی میں قربان ہوتا ہے۔ (المائدہ 95:5)

[887] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَنْحَرُ بُدْنَهُ قِيَاماً.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اُن کے والد اپنے اونٹوں کو کھڑا کر کے نحر کرتے تھے۔

فائدہ:...... کیونکہ یہی طریقہ سنت نبوی ﷺ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کا ایک گھٹنا موڑ کر اُسے باندھ کر نحر کیا جائے۔ (بخاری: 1713) اور قرآن مجید میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ (الحج 36:22) ''اور قربانی کے اونٹ بھی، جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کی عظمت کی نشانیوں میں سے بنایا ہے، ان میں تمھارے لیے بہت بھلائی ہے تو تم ان پر اللہ کا نام ذکر کرو اس حال میں کہ وہ (نحر کے وقت) پاؤں بندھے قطار میں کھڑے ہوں، پھر جب اُن کے پہلو (زمین پر) گر جائیں۔''

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَجُوزُ لأَحَدٍ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ، حَتَّى يَنْحَرَ هَدْيَهُ، وَلَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يَنْحَرَ قَبْلَ الْفَجْرِ يَوْمَ النَّحْرِ، وَإِنَّمَا الْعَمَلُ كُلُّهُ يَوْمَ النَّحْرِ، الذَّبْحُ، وَلُبْسُ الثِّيَابِ، وَإِلْقَاءُ التَّفَثِ، وَالْحِلَاقُ، لَا يَكُونُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ يُفْعَلُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا سر منڈوائے یہاں تک کہ وہ اپنی ہدی (کے جانور) ذبح کرلے، اور نہ کسی کے لیے یہ لائق ہے کہ یوم نحر (10 ذوالحج) کی فجر سے پہلے قربانی کرے اور بلاشبہ (اس دن کے ساتھ منسوب) تمام اعمال نحر والے دن میں ہی ہوں گے (اور دن کا آغاز فجر صادق کے طلوع سے ہوتا ہے) مثلاً ذبح کرنا، (احرام اتار کر سلے ہوئے) کپڑے پہننا، میل کچیل دور کرنا (ناخن اتارنا وغیرہ) اور سر منڈوانا، ان میں سے کوئی بھی چیز

[887] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

یوم نحر سے پہلے نہیں ہوسکتی۔

فائدہ : ...... امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ نحر (قربانی کرنے) سے پہلے حلق (سر منڈانا) جائز نہیں، یہ صرف اس حد تک درست ہے کہ افضل ترتیب یہی ہے کہ اس دن رمی کے بعد نحر پھر حلق اور پھر طواف افاضہ ہو لیکن اگر ان میں سے کوئی عمل آگے پیچھے ہوجائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں۔'' (بخاری: 83، مسلم: 1306)

60- بَابٌ: الْحِلَاقُ

سر منڈوانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور ایک مقطوع صحیح روایت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ : ...... سر کے مکمل بال جڑ سے کاٹنے اور مونڈنے (ٹنڈ کرانے) کو حلق یا تحلیق یا حلاق کہتے ہیں جبکہ بال کچھ کم کرانے اور کتروانے کو قصر یا تقصیر کہتے ہیں، عمرہ و حج میں حلق یقیناً قصر سے افضل ہے، البتہ حج تمتع کرنے والے افراد عمرہ کر کے قصر کرائیں گے اور پھر حج کے آخر میں حلق کرائیں گے، امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک منڈواتے وقت پورے سر کو منڈوانا واجب ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور احناف کے نزدیک پورا سر منڈانا محض مستحب ہے۔ احناف کے نزدیک سر کا چوتھائی حصہ منڈانا کافی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصف سے کفایت ہوگی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین بالوں کے مونڈنے سے کفایت ہوجاتی ہے لیکن پہلا موقف ہی راجح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ''قزع'' سے منع فرمایا ہے جس کی تفسیر ہی یہ ہے کہ سر کا کچھ حصہ مونڈا جائے اور کچھ کو چھوڑا جائے۔ (بخاری: 5920، 5921، مسلم: 2120) عورت حلق کی بجائے صرف قصر کرائے گی یعنی بال کتروائے گی۔ (ابو داود: 1984، 1985- اس کی سند صحیح ہے۔)

[888] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! سر مونڈنے والوں پر رحمت فرما۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اور بال

[888] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب الحلق والتقصير عندالاحلال، حديث: 1727، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير، حديث: 1301، ابوداود: 1979، ترمذي:913، نسائي في الكبرى:4114، ابن ماجه: 3044، دارمي: 1906.

وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ . قَالَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ . قَالَ : وَالْمُقَصِّرِينَ .

کتروانے والوں پر (بھی رحمت کی دعا فرما دیجیے)، آپ ﷺ نے (پھر) فرمایا: ''اے اللہ! سر مونڈنے والوں پر رحمت فرما۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اور بال کتروانے والوں پر (بھی دعائے رحمت فرما دیجیے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اور (اے اللہ!) بال کتروانے والوں پر بھی (رحمت فرما)۔''

فائدہ: ...... دونوں عمل جائز ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دونوں پر عمل کیا اور قرآن مجید میں بھی دونوں کا تذکرہ ہے۔ (سورۂ فتح 48: 27) لیکن چونکہ حلق یعنی سر مونڈنا افضل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر مقدم رکھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اس کی فضیلت ظاہر کی اور دعا میں بھی اسے ترجیح دی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں کے تیسری بار درخواست کرنے پر آپ ﷺ نے بال کتروانے والوں کو دعا میں شامل فرمایا اور دعا دونوں کے لیے مغفرت کی فرمائی۔ (بخاری: 1728، مسلم: 1302) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں ہے کہ رحمت کی دعا میں ان کو تیسری باری میں شامل فرمایا۔ (مسلم: 1301/ 318) اور بعض میں چوتھی بار میں انھیں شامل فرمانے کا ذکر ہے۔ (بخاری: 1727) ہوسکتا ہے کہ مختلف مواقع پر یہ دعائیں فرمائی گئی ہوں، یا بعض راویوں نے ذرا اختصار سے بیان کیا ہو۔

[889] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ مَكَّةَ لَيْلاً وَهُوَ مُعْتَمِرٌ، فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَيُؤَخِّرُ الْحِلَاقَ حَتَّى يُصْبِحَ . قَالَ : وَلَكِنَّهُ لَا يَعُودُ إِلَى الْبَيْتِ فَيَطُوفُ بِهِ حَتَّى يَحْلِقَ رَأْسَهُ . قَالَ : وَرُبَّمَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَأَوْتَرَ فِيهِ، وَلَا يَقْرَبُ الْبَيْتَ .

عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رات کے وقت مکہ میں داخل ہوتے اس حال میں کہ وہ عمرہ کر رہے ہوتے تھے، چنانچہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے اور صفا و مروہ کے درمیان چکر لگاتے اور سر مونڈنے کو صبح تک مؤخر کر دیتے، اور عبدالرحمن کہتے ہیں کہ لیکن وہ بیت اللہ کی طرف دوبارہ لوٹ کر نہ جاتے تھے کہ پھر اس کا طواف کریں، یہاں تک کہ اپنا سر مونڈ لیتے (چنانچہ وہ حلق سے پہلے کوئی اور طواف نہ کرتے تھے) اور بسا اوقات وہ (حلق کرانے سے قبل رات کے آخری حصے میں) مسجد (حرام) میں داخل ہوتے، پھر نماز وتر پڑھتے اور بیت اللہ کے قریب بھی نہ جاتے۔

فائدہ: ...... کیونکہ ابھی ان کا عمرہ مکمل نہیں ہوا ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک عمرے میں ایک ہی

[889] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

طواف ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : التَّفَثُ : حِلَاقُ الشَّعرِ ، وَلُبْسُ الثِّيَابِ ، وَمَا يَتْبَعُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے (اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ (الحج 22: 29) "پھر چاہیے کہ وہ اپنی میل کچیل دور کریں" کی تفسیر میں) فرمایا: "اَلتَّفَثُ" سے مراد ہے سر مونڈنا، (احرام اتار کر سلے ہوئے) کپڑے پہننا اور جو کچھ بھی ان امور سے تعلق رکھتا ہے (مثلاً ناخن اتارنا، بغلوں کے اور زیر ناف بال اتارنا اور مونچھیں کاٹنا وغیرہ)۔

قَالَ يَحْيَى : سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ الْحِلَاقَ بِمِنًى فِي الْحَجِّ ، هَلْ لَهُ رُخْصَةٌ فِي أَنْ يَحْلِقَ بِمَكَّةَ ؟ قَالَ: ذَلِكَ وَاسِعٌ ، وَالْحِلَاقُ بِمِنًى أَحَبُّ إِلَيَّ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حج میں سر مونڈنا بھول جاتا ہے تو کیا اس کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ مکہ میں سر مونڈ لے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ معاملہ وسعت والا ہے اور منیٰ میں سر مونڈنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا: أَنَّ أَحَدًا لَا يَحْلِقُ رَأْسَهُ وَلَا يَأْخُذُ مِنْ شَعَرِهِ حَتَّى يَنْحَرَ هَدْيًا إِنْ كَانَ مَعَهُ ، وَلَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحِلَّ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ ، وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ [البقرة : 196].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ کوئی شخص نہ اپنا سر مونڈے اور نہ اپنے بال کاٹے یہاں تک کہ وہ قربانی کو نحر کر لے بشرطیکہ وہ اس کے پاس ہو (اور اگر قربانی موجود نہ ہو تو پھر کنکریاں مارنے کے فوراً بعد حلق کر سکتا ہے) اور ہر وہ چیز جو اس پر حرام ہوئی تھی وہ اس سے (ابھی) حلال نہ ہو یہاں تک کہ منیٰ میں یوم نحر کو احرام کھول دے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ (البقرة 2: 196) "اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے۔"

فائدہ: ......یعنی اللہ تعالیٰ نے حلق (سر منڈانے) کو قربانی پر موقوف کیا ہے کہ پہلے قربانی کرو پھر سر منڈاؤ، بہر حال مسنون ترتیب یہی ہے، پھر بھی اگر ترتیب الٹ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (بخاری: 83، مسلم: 1306)

61- بَابٌ: التَّقْصِيرُ

بال کتروانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، تین موقوف ہیں جو سنداً صحیح ہیں، اور دو مقطوع (آثار

تابعین رحمہم اللہ) ہیں، جن میں سے ایک صحیح ہے اور ایک ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بال کٹواتے وقت پورے سر کے بال کٹوانا واجب ہے، جبکہ احناف وشوافع کے ہاں کچھ حصہ کٹوانا بھی کافی ہے، چنانچہ احناف چوتھائی سر اور شوافع تین بالوں کو بھی کافی سمجھتے ہیں، پہلا موقف ہی راجح ہے، عورت کے لیے ایک پورے کی مقدار بالوں کو کاٹنا لازم ہے، وہ اپنے بالوں کے اخیر سے ایک ایک پورے کے بقدر بال کاٹ ڈالے۔ (المغنی :5/ 310)

[890] حَـدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ مِنْ رَمَضَانَ وَهُوَ يُرِيدُ الْحَجَّ ، لَمْ يَأْخُذْ مِنْ رَأْسِهِ وَلَا مِنْ لِحْيَتِهِ شَيْئاً ، حَتَّى يَحُجَّ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ماہ رمضان سے فارغ ہوتے اور وہ حج کا ارادہ کر رہے ہوتے تو نہ اپنے سر سے کوئی بال کاٹتے اور نہ اپنی داڑھی سے، یہاں تک کہ حج کر لیتے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگوں پر یہ عمل لازم نہیں ہے۔

فائدہ: ......بعض اہل علم سے منقول ہے کہ حج کے موقع پر جس قدر بال زیادہ اتارے جائیں گے اُسی قدر اجر بھی زیادہ ملتا ہے، لہٰذا حج سے قبل بال بڑھانا مستحب ہے۔

[891] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا حَلَقَ فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ ، أَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهِ وَشَارِبِهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ میں حلق کرتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں کے بال بھی کاٹتے۔

فائدہ: ......اہل علم میں سے کسی کے نزدیک بھی داڑھی کے بال کاٹنا اُمور حج میں شامل نہیں ہے، بلکہ حج کے علاوہ بھی داڑھی کو مونڈنا تو درکنار داڑھی کے بال کاٹنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذاتی فعل سنت مصطفیٰ ﷺ کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

[892] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ایک شخص قاسم

---

[890] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 33 (8947)، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 541 (2777)، الشافعى فى الأم: 7/ 253۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[891] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 104، وفى معرفة السنن والآثار' 4/ 92 (2997)، الشافعى فى الأم: 7/ 253، وفى المسند: 1/ 573۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[892] (مقطوع صحيح) الشافعى فى الأم: 7/ 245۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ رَجُلاً أَتَى الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ فَقَالَ: إِنِّي أَفَضْتُ وَأَفَضْتُ مَعِي بِأَهْلِي، ثُمَّ عَدَلْتُ إِلَى شِعْبٍ، فَذَهَبْتُ لأَدْنُوَ مِنْ أَهْلِي فَقَالَتْ : إِنِّي لَمْ أُقَصِّرْ مِنْ شَعَرِي بَعْدُ، فَأَخَذْتُ مِنْ شَعَرِهَا بِأَسْنَانِي، ثُمَّ وَقَعْتُ بِهَا، فَضَحِكَ الْقَاسِمُ وَقَالَ : مُرْهَا فَلْتَأْخُذْ مِنْ شَعَرِهَا بِالْجَلَمَيْنِ .

بن محمد رحمہ اللہ کے پاس آیا، پھر کہنے لگا کہ میں نے طواف افاضہ کیا اور میرے ساتھ میرے بیوی نے بھی طواف افاضہ کرلیا، پھر میں ایک گھاٹی کی طرف ہٹ گیا اور اپنی بیوی کے قریب ہونے لگا تو وہ کہنے لگی کہ میں نے ابھی تک اپنے بال نہیں کاٹے تو میں نے اپنے دانتوں سے اس کے چند بال کاٹ دیے، پھر اس سے مباشرت کرلی تو قاسم بن محمد رحمہ اللہ مسکرادیے، پھر کہنے لگے کہ اسے حکم دو کہ وہ قینچی سے اپنے بال کاٹ لے۔

فائدہ :...... چونکہ طواف افاضہ کے بعد بیوی سے صحبت کے جواز پر اتفاق ہے اس لیے انھوں نے کسی جرمانے وغیرہ کا حکم نہ دیا۔

قَالَ مَالِكٌ : أَسْتَحِبُّ فِي مِثْلِ هَذَا أَنْ يُهْرِقَ دَماً، وَذَلِكَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ : مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئاً فَلْيُهْرِقْ دَماً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس جیسی صورت میں مستحب جانتا ہوں کہ وہ ایک (جانور کا) خون بہائے (قربانی کرے) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: جو شخص حج کے امور میں سے کچھ بھول جائے تو وہ ایک خون بہادے۔

فائدہ :......یعنی واجب نہیں، بلکہ صرف مستحب ہے۔

[893] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلاً مِنْ أَهْلِهِ يُقَالُ لَهُ الْمُجَبَّرُ، قَدْ أَفَاضَ وَلَمْ يَحْلِقْ وَلَمْ يُقَصِّرْ، جَهِلَ ذَلِكَ، فَأَمَرَهُ عَبْدُ اللهِ أَنْ يَرْجِعَ فَيَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ، ثُمَّ يَرْجِعَ إِلَى الْبَيْتِ فَيُفِيضَ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے گھر والوں (عزیزوں) میں سے ایک شخص سے ملے جسے مُجَبَّر کہا جاتا تھا، اُس نے طواف افاضہ تو کرلیا لیکن نہ سر مونڈا تھا اور نہ بال کتروائے تھے، وہ اس عمل ہی سے ناواقف تھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے حکم دیا کہ وہ (منیٰ) واپس چلا جائے، پھر حلق یا قصر کرے، پھر دوبارہ بیت اللہ کی طرف جائے اور طواف افاضہ کرے۔

فائدہ :...... تاکہ سارے کاموں کی ترتیب سنت نبوی کے مطابق ہو جائے، بہر حال یہ ترتیب اگر نہ رہے تو

[893] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

حج بھی ہو جائے گا اور کوئی فدیہ بھی نہ پڑے گا اور نہ کوئی حرج اور گناہ ہوگا۔(بخاری: 83، مسلم:1306) مجبر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کا لقب تھا جوان کے بھائی عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا۔''جبر'' کے معنی پورا کرنے کے ہیں جب عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے تو اس کی پیدائش پر اس کی پھوپھی جان ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کا نام اس کے باپ کے نام پر رکھا اور یہ تمنا ظاہر کی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے باپ کی کمی پوری فرمادے، چنانچہ یہ اسی لقب سے مشہور ہوگیا، ایک قول یہ ہے کہ یہ ''جبر'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ٹوٹی ہڈی کے جوڑنے کے ہیں اور اس کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔

[894] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ دَعَا بِالْجَلَمَيْنِ فَقَصَّ شَارِبَهُ وَأَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهِ، قَبْلَ أَنْ يَرْكَبَ وَقَبْلَ أَنْ يُهِلَّ مُحْرِماً.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تو قینچی منگواتے، پھر سوار ہونے سے پہلے اور تلبیہ پڑھنے سے پہلے اپنی مونچھیں بھی کاٹتے اور داڑھی کے کچھ بال بھی کاٹتے۔

فائدہ :......اوّل تو یہ روایت ضعیف ہے اور دوسرا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

62- بَابٌ: التَّلْبِيدُ

بالوں کو چپکانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ :......احرام کے دوران میں بالوں کو بکھرے رہنے سے بچانے کے لیے ان میں کوئی چیز لگا کر مثلاً گوند یا کوئی اور بوٹی کا استعمال کر کے انھیں آپس میں چپکا لیا جاتا تھا، اس عمل کو تلبید کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کے موقع پر تلبید فرمائی تھی۔(بخاری:1566، مسلم:1229)

[895] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ ضَفَرَ رَأْسَهُ فَلْيَحْلِقْ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالتَّلْبِيدِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص مینڈھیاں بنائے تو وہ حلق ہی کروائے اور تم تلبید کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

فائدہ :...... بالوں کو مینڈھیوں کی شکل میں گوندھتے وقت ایسا انداز اختیار نہ کرو کہ تلبید سے مشابہت

[894] (مقطوع ضعيف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[895] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب التلبيد، حديث: 5914، أحمد: 2/ 121 (6027)، بيهقى: 5/ 135 (9582).

ہو جائے ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلبید کرنے والے کے لیے بال کٹوانا جائز تھا لیکن مینڈھیاں بنانے والے پر سر مونڈنا واجب تھا، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ مینڈھیوں والے لوگ سر کو مونڈنے سے بچانے کے لیے تلبید کی مشابہت نہ کریں، یہ مفہوم علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، لیکن بخاری و مسلم کے شارحین مثلاً ابن حجر رحمہ اللہ اور عینی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کا مفہوم بالکل برعکس یوں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلبید میں حلق واجب تھا تو چونکہ مینڈھیاں بنانے والا تلبید ہی کی مشابہت کرتا ہے اس لیے اس پر بھی حلق واجب کر دیا اور پھر فرمایا کہ اگر حلق سے بچنا چاہتے ہو تو تلبید کی مشابہت نہ کرو...... بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف جو بھی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق وقصر دونوں کا جائز ہونا، ان میں اختیار دیا جانا لیکن حلق کا صرف افضل ہونا ثابت ہے، نہ حلق واجب ہے اور نہ قصر، ہاں ان میں سے کوئی ایک کام کرنا واجب ہے۔

[896] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ عَقَصَ رَأْسَهُ، أَوْ ضَفَرَ، أَوْ لَبَّدَ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْحِلَاقُ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے سر کے بالوں کو گوندھا (بالوں کو اکٹھا کر کے سر کی چوٹی پر باندھا) یا مینڈھیاں بنالیں یا تلبید کر لی تو اس پر حلق واجب ہے۔

فائدہ :......یعنی ان کے نزدیک مذکورہ صورتوں میں قصر کرانا اور بال کٹوانا کفایت نہ کرے گا، اس قول سے گزشتہ فرمان کی بھی وضاحت ہوگئی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کا بیان کردہ مفہوم راجح قرار پاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مینڈھیاں بنانے اور تلبید کرنے میں حلق ہی واجب ہے اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ کا بیان کردہ مفہوم درست نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلبید میں بال کٹانا کافی سمجھتے تھے، جمہور امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور قدیم قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موقف کے قائل ہیں، البتہ احناف، اہل حدیث اور جدید قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ حلق وقصر میں اختیار ہے الا یہ کہ آدمی نذر مان کر کسی ایک کو متعین کر لے۔

63- بَابٌ: الصَّلَاةُ فِي الْبَيْتِ وَقَصْرُ الصَّلَاةِ وَتَعْجِيلُ الْخُطْبَةِ بِعَرَفَةَ

بیت اللہ میں نماز ادا کرنے، عرفات میں نماز قصر کرنے (دوگانہ پڑھنے) اور خطبہ جلدی دینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو ہی مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[896] (موقوف صحیح) بیہقی: 5/ 135 (9586)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[897] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْكَعْبَةَ، هُوَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَبِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ، فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيهَا. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَسَأَلْتُ بِلَالاً حِينَ خَرَجَ، مَا صَنَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ: جَعَلَ عَمُوداً عَنْ يَمِينِهِ، وَعَمُودَيْنِ عَنْ يَسَارِهِ، وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ، ثُمَّ صَلَّى.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ،حضرت اسامہ بن زید،حضرت بلال بن رباح اور حضرت عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہم (خانہ کعبہ کے کنجی بردار) رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے (حضرت عثمان حجبی رضی اللہ عنہ نے) خانہ کعبہ (کے دروازے) کو آپ ﷺ پر بند کر دیا اور آپ ﷺ اس میں (کچھ دیر) ٹھہرے رہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے (بیت اللہ کے اگلے ستونوں میں سے) ایک ستون کو اپنے دائیں جانب کیا، دوستونوں کو اپنے بائیں طرف کیا اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کیا۔ اور بیت اللہ اس وقت چھ ستونوں پر قائم تھا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔

فائدہ:......آپ ﷺ نے دو رکعتیں ادا کی تھیں۔(بخاری: 397) اس طرح کہ دروازے میں سے داخل ہو کر سیدھے آگے بڑھ گئے، دروازہ آپ ﷺ کی پشت کی طرف ہو گیا اور تین تین ستونوں کی دو قطاروں میں سے اگلی قطار میں اس طرح کھڑے ہوئے کہ ایک جانب دوستون اور دوسری جانب ایک ستون ہو گیا اور آپ ﷺ کے اور دیوار کے درمیان صرف تین ہاتھ جگہ تھی۔ (بخاری:506) زیادہ معتبر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دائیں جانب دوستون تھے اور بائیں جانب ایک (بخاری:505) نیز اس وقت ان میں سے دوستون خانہ کعبہ کے دروازے سے بائیں جانب پڑتے تھے اور تیسرا دائیں جانب نسبتاً ذرا دور تھا اور جو بائیں جانب والے دوستون تھے آپ ﷺ انھی کے درمیان میں کھڑے ہوئے تھے۔ (بخاری:504، مسلم: 1329/ 393) اسی لیے کئی ایک روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نے دوستونوں کے درمیان میں نماز پڑھی، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب تھا، رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھی تھی تو دراصل انھوں نے اُسے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے

[897] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة بين السواري في غير جماعة، حديث: 505، 397، 468، 504، 506، 1167، 1598، 1599، 2988، 4289، 4400، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب دخول الكعبة، حديث:1329، ابوداود: 2023، نسائى: 750، ابن ماجه: 3063، احمد: 2/ 138 (2631).

نقل کیا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دروازہ بند ہو جانے کے بعد اندھیرے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوافل کا علم نہ ہو سکا جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے کی وجہ سے معلوم ہو گیا اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز پڑھنے کا بتا دیا......کئی ایک شارحین نے یہ تطبیق بھی دی ہے کہ دخول کعبہ کا واقعہ کئی بار ہوا، کسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کسی موقع پر نہ پڑھی، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی روایت فتح مکہ کے وقت کی ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ والی روایت حجۃ الوداع یا کسی اور موقع کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[898] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَتَبَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ إِلَى الْحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ: أَنْ لَا تُخَالِفَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْحَجِّ. قَالَ: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، جَاءَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَأَنَا مَعَهُ، فَصَاحَ بِهِ عِنْدَ سُرَادِقِهِ: أَيْنَ هَذَا؟ فَخَرَجَ إِلَيْهِ الْحَجَّاجُ وَعَلَيْهِ مِلْحَفَةٌ مُعَصْفَرَةٌ، فَقَالَ: مَا لَكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ فَقَالَ: الرَّوَاحَ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ السُّنَّةَ. فَقَالَ: أَهَذِهِ السَّاعَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَنْظِرْنِي حَتَّى أُفِيضَ عَلَيَّ مَاءً، ثُمَّ أَخْرُجَ. فَنَزَلَ عَبْدُ اللَّهِ حَتَّى خَرَجَ الْحَجَّاجُ، فَسَارَ بَيْنِي وَبَيْنَ أَبِي، فَقُلْتُ لَهُ: إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ أَنْ تُصِيبَ السُّنَّةَ الْيَوْمَ، فَاقْصُرِ الْخُطْبَةَ وَعَجِّلِ الصَّلَاةَ، قَالَ: فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (خلیفہ وقت) عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ نے حجاج بن یوسف کی طرف (یہ پیغام) لکھا کہ حج کے کسی بھی معاملے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرنا، چنانچہ جب عرفہ کا دن آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تشریف لائے جب سورج ڈھل چکا تھا، میں (سالم رحمہ اللہ) بھی ان کے ہمراہ تھا، انھوں نے حجاج کو اس کے خیمے کے پاس آ کر بلند آواز سے پکارا کہ یہ حجاج کدھر ہے؟ پس حجاج اُن کی طرف نکل آیا، اس پر کُسُم کی رنگی ہوئی چادر تھی (جو کہ احرام کے علاوہ حالت میں بھی مردوں کے لیے ممنوع ہے) پھر وہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی کنیت سے مخاطب کرتے ہوئے) کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! کیا ہوا؟ وہ فرمانے لگے کہ اگر سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہو تو (ابھی میدان عرفات کی طرف) چلو۔ اس نے کہا کہ کیا ابھی اسی وقت؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، کہنے لگا کہ پھر مجھے تھوڑی سی مہلت دو تاکہ میں اپنے اوپر پانی بہالوں، پھر میں نکلتا ہوں، چنانچہ

[898] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب التهجير بالرواح يوم عرفة، حديث: 1660، 1662، 1663، سنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب الرواح يوم عرفة، حديث:3008، ابوداود: 1914، ابن ماجه:3009، احمد:2/ 25 (4782).

عُمَرَ كَيْمَا يَسْمَعَ ذَلِكَ مِنْهُ ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ عَبْدُ اللهِ قَالَ : صَدَقَ سَالِمٌ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (سواری سے) اتر پڑے، یہاں تک کہ حجاج باہر آیا، سو وہ میرے اور میرے اباجان (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کے درمیان میں ہوگیا۔ میں نے اُس سے کہا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ آج سنت طریقہ اختیار کرو تو خطبہ چھوٹا رکھنا اور نماز جلدی پڑھانا، وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنے لگا تا کہ یہی بات اُن سے بھی سن لے (اور تصدیق کرلے) چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ دیکھا تو کہا کہ اس (میرے بیٹے سالم) نے سچ کہا ہے۔

فائدہ :...... ممکن ہے کہ حجاج کے ضدی پن کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے کُسُم رنگ کے کپڑے سے منع نہ کیا ہو یا اس سے پہلے منع کر چکے ہوں اور اب خاموش رہے ہوں، جس طرح کہ انھوں نے فتنے سے بچنے کے لیے حجاج کو امیر تسلیم کر رکھا تھا۔

64- بَابٌ: الصَّلَاةُ بِمِنًى يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَالْجُمُعَةُ بِمِنًى وَعَرَفَةَ

یوم ترویہ (8 ذوالحج) کو منیٰ میں نمازیں ادا کرنے اور منیٰ وعرفہ میں جمعہ پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[899] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى ، ثُمَّ يَغْدُو إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِلَى عَرَفَةَ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھتے تھے، پھر جب سورج طلوع ہوجاتا تو عرفات کی طرف صبح ہی کو نکل پڑتے۔

فائدہ :...... اگرچہ آج کل ہجوم کی کثرت کے پیش نظر لوگوں کو سات ذوالحج ہی کو منیٰ میں پہنچانا شروع کر دیا جاتا ہے لیکن سنت یہی ہے کہ یوم ترویہ (8 ذوالحج) کو طلوع آفتاب کے بعد مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوا جائے، پھر اس دن کی ظہر وعصر بھی وہیں پڑھی جائیں اور ساتھ ہی نو ذوالحج کی رات کی مغرب وعشاء اور فجر بھی وہیں ادا کی جائیں اور جب یوم عرفہ 9 ذوالحج کا سورج نکل آئے تو عرفات کا رخ کیا جائے۔ (مسلم:1218)

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی

[899] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 112 (9440)، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 104 (3014، 3015)، الشافعی فی المسند: 1/ 561۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط کی وجہ سے صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عِنْدَنَا :أَنَّ الإِمَامَ لَا يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ ، وَأَنَّهُ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ ، وَأَنَّ الصَّلَاةَ يَوْمَ عَرَفَةَ إِنَّمَا هِيَ ظُهْرٌ ، وَإِنْ وَافَقَتِ الْجُمُعَةَ فَإِنَّمَا هِيَ ظُهْرٌ ، وَلٰكِنَّهَا قُصِرَتْ مِنْ أَجْلِ السَّفَرِ .

اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بے شک امام عرفہ کے دن ظہر کی نماز میں جہری قراءت نہیں کرے گا اور وہ عرفہ کے دن لوگوں کو خطبہ بھی دے گا اور عرفہ کے دن (کی یہ) نماز صرف اور صرف ظہر ہی کی نماز (شمار) ہے (خواہ اس دن جمعۃ المبارک ہی ہو) لیکن سفر کی وجہ سے وہ قصر (دوگانہ) کردی گئی ہے۔

فائدہ :...... کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع میں بھی یوم عرفہ 9 ذوالحج جمعہ کے دن آیا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے جمعہ نہیں پڑھایا بلکہ صرف حج کا خطبہ دیا اور بعد میں دو رکعت نماز ظہر پڑھائی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وضاحت سے یوں بیان کیا ہے: "ثُمَّ اَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ" "پھر آپ ﷺ نے (خطبہ کے بعد) اذان کہلوائی، پھر اقامت کہلوائی اور نماز ظہر پڑھی پھر اقامت کہلوائی اور نماز عصر ادا کی۔" (مسلم: 1218) امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور موقف یہ ہے کہ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں نمازوں کا قصر کرنا حج کے مناسک کا حصہ ہے، اسی لیے اہل مکہ بھی یہاں قصر کرتے ہیں، حالانکہ اُن کا سفر کسی صورت نماز قصر والا نہیں ہوتا، بہرحال امام مالک رحمہ اللہ نے نماز قصر کی وجہ سفر ہی کو قرار دیا ہے۔ (نہ کہ مناسک حج میں شمولیت کو)، شاید اس بنا پر کہ عام سفروں میں نماز قصر کے لیے فاصلے کی حد بندی کی جاتی ہے لیکن سفر حج اس تحدید سے مستثنیٰ [illegible]

قَالَ مَالِكٌ فِي إِمَامِ الْحَاجِّ إِذَا وَافَقَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ ، أَوْ يَوْمَ النَّحْرِ ، أَوْ بَعْضَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ : إِنَّهُ لَا يُجَمِّعُ فِي شَيْءٍ مِنْ تِلْكَ الْأَيَّامِ .

امام مالک [illegible] کے امام کے متعلق فرمایا: جب جمعہ [illegible]) میں آجائے یا یوم نحر (10 ذوالحج [illegible] 11، 12، 13 ذوالحج) میں سے کسی میں [illegible] وہ (امام) ان دنوں میں سے کسی میں [illegible] پڑھائے گا۔

فائدہ :...... ابن رُشد رحمہ اللہ کے بقول امام مالک رحمہ اللہ [illegible] عرفات میں جمعہ نہیں ہوگا، الا یہ کہ امام عرفات کا رہائشی ہو، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، البتہ وہ کم از کم چالیس بندوں کے اجتماع کی شرط لگاتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر امام منیٰ و عرفات میں قصر کرنے والوں میں سے نہ ہو تو وہ جمعہ پڑھائے گا اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اگر مکہ کا والی (امیر، گورنر) ہو تو وہ جمعہ پڑھائے گا۔

65- بَابٌ: صَلَاةُ الْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ میں نماز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع احادیث نبویہ ہیں جو بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں اور ایک روایت موقوف ہے جو سنداً صحیح ہے۔

[900] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيعاً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔

فائدہ:...... 9 ذوالحج کا دن عرفات میں گزار کر سورج غروب ہوتے ہی بغیر نماز پڑھے وہاں سے واپس نکل کر مزدلفہ میں پہنچ کر یہ دونوں نمازیں جمع تاخیر سے ادا کی جاتی ہیں۔

[901] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: دَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ، نَزَلَ فَبَالَ فَتَوَضَّأَ، فَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عرفات سے واپس روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب آپ گھاٹی میں آئے تو (سواری سے) نیچے اترے، پھر پیشاب کیا اور وضو کیا لیکن اچھی طرح وضو نہ کیا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (کیا) نماز (کا ارادہ ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز تمھارے آگے (مزدلفہ میں پہنچ کر) ہوگی۔" چنانچہ آپ ﷺ (قصواء اونٹنی پر) سوار ہوئے، پھر جب مزدلفہ میں آئے تو نیچے اترے اور وضو کیا تو اچھی طرح مکمل وضو کیا، پھر نماز کے لیے اقامت کہی

[900] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من جمع بينهما ولم يتطوع، حديث: 1673، 1805، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الافاضة من عرفات الى المزدلفه واستحباب صلاتي المغرب والعشاء جميعا، حديث: 1287، ابوداود: 1926، ترمذي: 887، نسائي: 607، ابن ماجه: 3021، احمد: 2/ 92 (5287).

[901] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب اسباغ الوضوء، حديث: 139، 181، 1667، 1669، 1672، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب ادامة الحاج التلبية، حديث: 1280، ابوداود: 1925، نسائي: 3027، ابن ماجه: 3019، احمد: 5/ 208 (22158)، دارمي: 1881.

بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. گئی تو آپ ﷺ نے نماز مغرب پڑھائی، پھر ہر شخص نے اپنے اپنے پڑاؤ کی جگہ میں اپنے اونٹ کو بٹھایا، پھر عشاء کی اقامت کہی گئی تو آپ ﷺ نے اسے ادا کیا اور ان دونوں (مغرب وعشاء کی نمازوں) کے درمیان میں کوئی (نفلی) نماز نہ پڑھی۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ نے زم زم کے پانی سے وضو فرمایا تھا۔ (زوائد مسند احمد، فتح الباری، بحوالہ زرقانی: 2/ 501- اس کی سند حسن ہے،) پہلی بار وضو کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے استنجا کرنا یا صرف بعض اعضائے وضو دھونا مراد ہے یا یہ کہ وہ وضو تو مکمل تھا لیکن ہلکا سا تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے آخری بات کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے: (فَتَوَضَّأَ وُضُوءًا خَفِيفًا) ''تو آپ ﷺ نے ہلکا سا وضو فرمایا۔'' (بخاری: 1669، مسلم: 1280) جس طرح کہ تہجد کے وضو کے لیے بھی بعینہ یہی الفاظ مروی ہیں۔ (بخاری: 138) اور وہاں وضو تو مکمل ہی مراد ہے لیکن اس میں بالکل تھوڑا سا پانی استعمال کیا گیا تھا...... عرفات میں ظہر وعصر جمع تقدیم سے جبکہ مزدلفہ میں مغرب وعشاء جمع تاخیر سے ادا کی گئیں، البتہ مغرب وعشاء میں صرف اتنا سا فاصلہ ہوا تھا کہ لوگوں نے اونٹوں کو بٹھا لیا، اور ابھی کجاوے بھی نہ اتارے تھے کہ عشاء کی اقامت ہونے لگی، (مسلم: 1280/ 279) موطا کی اس حدیث مبارکہ میں اذان کا ذکر نہیں ہے لیکن صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی صراحت موجود ہے کہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ یہ نمازیں جمع کیں۔ (مسلم: 1218) البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو اذانیں اور دو اقامتیں منقول ہیں اور وہ کہتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا۔ (بخاری: 1675) لیکن اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ نماز مغرب کو اپنے وقت کی بجائے مزدلفہ میں آ کر پڑھا اور نماز فجر کو طلوع فجر ہوتے ہی پڑھا۔ (بخاری: 1683) ورنہ ان کا اس روایت میں ذکر کردہ ہر عمل سنت نبوی ﷺ نہ تھا جیسا کہ انھی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مغرب وعشاء کے درمیان میں شام کا کھانا بھی کھایا تھا، اور یقیناً یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت تو نہیں ہے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اذان اور دو اقامتیں کہلوائی تھیں...... یاد رہے کہ طبرانی کی جابر جعفی (ضعیف راوی) والی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ صرف ایک اقامت کہی گئی اور احناف بھی ایک اذان اور ایک اقامت سے مزدلفہ کی دونوں نمازیں پڑھنے کو راجح سمجھتے ہیں اور یہ عمل اہل مدینہ سے بھی منقول ہے...... یہاں ایک عجیب لطیفہ سا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں اہل مدینہ کے قول کو چھوڑ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت والا موقف اختیار کیا ہے، حالانکہ ایک تو وہ موقوف روایت (عمل صحابی) ہے اور دوسرا وہ اہل کوفہ کے دلائل میں سے ہے، جبکہ اہل کوفہ (احناف) نے اہل مدینہ کے عمل کو اختیار کیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ وہ ان کے پائے کا فقیہ کسی اور کو نہیں گردانتے اور کتنے ہی

صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کے مقابلے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کو دلیل مانتے ہیں۔

[902] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ الْخَطْمِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ: أَخْبَرَهُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيعاً.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں نماز مغرب اور نماز عشاء کو میدان مزدلفہ میں اکٹھا ادا کیا۔

[903] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيعاً.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھتے تھے۔

فائدہ: ......ان روایات سے دراصل بنوامیہ کے اُن خلفاء وامراء کا رد کرنا مقصود ہے جو مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے ہی اس گھاٹی میں نماز مغرب پڑھ لیتے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ نے صرف پیشاب کیا تھا، امراء کے یہاں پڑاؤ کرنے کا تذکرہ صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (مسلم: 1280/ 279)

66- بَابٌ: صَلَاةُ مِنًى

منیٰ میں نماز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع اور دو موقوف ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......حجاج کرام کے خیمے میدان منیٰ میں لگائے جاتے ہیں، آٹھ تاریخ کو یہاں پہنچ کر ظہر وعصر، مغرب وعشاء اور نماز فجر پڑھتے ہیں، پھر دس تاریخ کو مزدلفہ سے واپس منی میں پہنچ کر رمی، نحر اور حلق کرتے ہیں، پھر اسی دن مکہ مکرمہ میں جا کر طواف افاضہ کر کے واپس منیٰ میں آجاتے ہیں اور پھر 13 ذوالحج تک یہیں پڑاؤ کرنا ہوتا ہے، تو اس دوران میں نمازیں پوری پڑھیں گے یا قصر، اس مسئلے کا یہاں بیان ہے۔

---

[902] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، حدیث: 4414، 1674، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الافاضة من عرفات الی المزدلفة، حدیث: 1287، نسائی: 606، ابن ماجه: 3020، احمد: 5/ 420(23962)، دارمی: 1883.

[903] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي أَهْلِ مَكَّةَ : إِنَّهُمْ يُصَلُّونَ بِمِنًى إِذَا حَجُّوا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، حَتَّى يَنْصَرِفُوا إِلَى مَكَّةَ .

امام مالک ؒ نے اہل مکہ کے متعلق فرمایا کہ بے شک وہ بھی جب حج کریں گے تو منیٰ میں دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ (حج سے فارغ ہوکر) مکہ واپس لوٹ جائیں۔

[904] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الصَّلَاةَ الرُّبَاعِيَةَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ صَلَّاهَا بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّاهَا بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَنَّ عُثْمَانَ صَلَّاهَا بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ شَطْرَ إِمَارَتِهِ، ثُمَّ أَتَمَّهَا بَعْدَ ذٰلِكَ .

ہشام بن عروہ ؒ اپنے والد (عروہ بن زبیر ؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں چار رکعتی نماز کی دو رکعتیں ہی ادا کیں، اور یقیناً حضرت ابوبکر ؓ نے بھی منیٰ میں اس (چار رکعتی نماز) کی دو رکعتیں ہی ادا کیں، اور بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے بھی منیٰ میں اس کی دو رکعتیں ہی پڑھیں اور حضرت عثمان بن عفان ؓ نے اپنی امارت (خلافت) کے نصف حصے (ابتدائی 6 سالہ خلافت میں) اس (چار رکعتی نماز) کو دو دو رکعتوں کے ساتھ ہی ادا کیا لیکن پھر اس کے بعد وہ اسے (چار رکعات کے ساتھ) پورا کرنے لگے۔

فائدہ :...... یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے، دراصل حضرت عثمان ؓ اور حضرت عائشہ ؓ دوران سفر نماز قصر کرنا واجب نہیں جانتے تھے جیسا کہ امام احمد ؒ، امام شافعی ؒ اور اکثر اہل حدیث حضرات کا بھی یہی موقف ہے کہ نماز قصر کرنا محض رخصت ہے، کوئی چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے، لیکن امام ابوحنیفہ ؒ، ایک قول کے مطابق امام مالک ؒ اور متعدد اہل حدیث علماء کے نزدیک نماز قصر کرنا واجب اور عزیمت ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے حدیث:333 سے پہلے مذکور فائدہ) عروہ ؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ؓ اور حضرت عائشہ ؓ نے تاویل کی تھی۔ (بخاری: 1090، مسلم: 685/ 3) یعنی انھوں نے یہ اجتہاد کیا تھا کہ نماز قصر کرنا اور پوری پڑھنا دونوں طرح ہی درست ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے ان میں سے آسان کام کو اختیار کیا تا کہ امت پر مشقت نہ ہو اور چونکہ مشقت میں اضافہ اجر میں اضافے کا باعث ہے، اس لیے حضرت عثمان اور حضرت عائشہ ؓ نے اپنے لیے مشقت کو پسند کر لیا، واللہ اعلم...... حضرت عثمان ؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ ان کے نزدیک قصر صرف اس وقت

---

[904] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب التقصیر، باب الصلاة بمنی، حدیث: 1028، 1655، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب قصر الصلاةبمنی، حدیث:694، نسائی: 1452، ابن ماجه: 1071، احمد: 2/ 140 (6255)، دارمی: 1875 .

درست ہے جب آدمی عملاً سفر میں مشغول ہو، اور اگر وہ سفر ہی میں کہیں عارضی پڑاؤ کر لے تو اُسے نماز پوری پڑھنا ہوگی۔ (مسنداحمد: 4/ 94) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نماز کو پورا پڑھنے کا تیسرا سبب یہ بھی ثابت ہے کہ بعض بدوی لوگوں نے حج کے موقع پر انھیں نماز قصر پڑھتے دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ اس نماز کی صرف دو ہی رکعتیں ہیں اور وہ سفر وحضر میں ظہر کی دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے، مذکورہ تینوں تاویلات اور اسباب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قابل حجت اسانید سے مروی ہیں۔ (مرعاۃ، زرقانی، فتح الباری وغیرہ) ایک سبب یہ منقول ہے کہ انھوں نے مکہ میں اپنا گھر بنالیا تھا لیکن اس کی سند میں عکرمہ بن ابراہیم باہلی مجہول راوی ہے اور روایت ضعیف ہے۔ (احمد: 1/ 62) مزید چند احتمالات بھی بلا دلیل مروی ہیں اور وہ محض گمان اور ظن ہی ہیں۔

[905] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ صَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ، ثُمَّ صَلَّى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَكْعَتَيْنِ بِمِنًى، وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّهُ قَالَ لَهُمْ شَيْئًا.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں کو (چار رکعتی نماز میں صرف) دو رکعتیں پڑھاتے، پھر سلام پھیر دیتے اور فرماتے: اے مکہ والو! تم اپنی نماز (چار رکعتیں) پوری کر لو، ہم تو مسافر لوگ ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منیٰ میں بھی دو رکعتیں ہی پڑھاتے اور (لیکن) ہمیں (کہیں سے) یہ خبر نہیں پہنچی کہ انھوں نے منیٰ والوں سے (نماز کے بعد) کچھ کہا ہو۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ منیٰ میں نماز کو قصر کرنا مناسک حج کا حصہ ہے اور اہل مکہ بھی وہاں قصر ہی کریں گے، باوجود اس کے کہ ان کا سفر عام قصر نمازوں والا نہیں ہوتا، اگر اہل مکہ کو وہاں بھی پوری نماز پڑھنا ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں بھی اُنھیں نماز کے بعد نماز پوری کرنے کا کہہ دیتے۔

[906] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّى لِلنَّاسِ بِمَكَّةَ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ، ثُمَّ

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد اسلم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکہ میں لوگوں کو دو رکعتیں پڑھاتے، پھر فارغ ہو کر فرماتے: اے اہل مکہ! اپنی نماز پوری کر لو، یقیناً ہم تو مسافر ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[905] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 540 (4369)، بیہقی: 3/ 126 (5328)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[906] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

صَلَّى عُمَرُ رَكْعَتَيْنِ بِمِنًى، وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّهُ قَالَ لَهُمْ شَيْئاً.

منیٰ میں بھی دو ہی رکعتیں پڑھاتے لیکن ہمیں یہ نہیں پہنچا کہ انھوں نے ان سے کچھ کہا ہو۔

فائدہ:......اس مفہوم کی ایک روایت پیچھے کتاب "قَصْرِ الصَّلَاة" میں بھی گزر چکی ہے دیکھیے روایت:346۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ أَهْلِ مَكَّةَ، كَيْفَ صَلَاتُهُمْ بِعَرَفَةَ، أَرَكْعَتَانِ أَمْ أَرْبَعٌ، وَكَيْفَ بِأَمِيرِ الْحَاجِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، أَيُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِعَرَفَةَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، أَوْ رَكْعَتَيْنِ، وَكَيْفَ صَلَاةُ أَهْلِ مَكَّةَ بِمِنًى فِي إِقَامَتِهِمْ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: يُصَلِّي أَهْلُ مَكَّةَ بِعَرَفَةَ وَمِنًى مَا أَقَامُوا بِهِمَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ يَقْصُرُونَ الصَّلَاةَ، حَتَّى يَرْجِعُوا إِلَى مَكَّةَ. قَالَ: وَأَمِيرُ الْحَاجِّ أَيْضاً إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَصَرَ الصَّلَاةَ بِعَرَفَةَ وَأَيَّامَ مِنًى.

امام مالک رحمہ اللہ سے اہل مکہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ میدان عرفات میں کس طرح نماز پڑھیں گے، دو رکعتیں یا چار؟ اور امیر الحاج (حاجیوں کا امیر) اگر اہل مکہ میں سے ہو تو وہ کس طرح کرے گا، کیا وہ میدان عرفات میں نماز ظہر وعصر کی چار رکعتیں پڑھے گا یا دو؟ اور اہل مکہ کی ان نمازوں میں کیا صورت حال ہوگی جنھیں وہ (حج کے موقع پر) منیٰ میں اقامت کے دوران پڑھیں گے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اہل مکہ میدان عرفات اور منیٰ میں جب تک ٹھہرے رہیں گے دو رکعتیں نماز قصر ہی پڑھتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ واپس مکہ لوٹ آئیں، انھوں نے فرمایا کہ حاجیوں کا امیر بھی جب کہ وہ اہل مکہ میں سے ہو عرفات میں اور منیٰ کے دنوں میں نماز قصر کرتا رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ كَانَ أَحَدٌ سَاكِناً بِمِنًى مُقِيماً بِهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ يُتِمُّ الصَّلَاةَ بِمِنًى، وَإِنْ كَانَ أَحَدٌ سَاكِناً بِعَرَفَةَ مُقِيماً بِهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ يُتِمُّ الصَّلَاةَ بِهَا أَيْضاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص منیٰ میں رہائش اور سکونت اختیار کرلے تو وہ منیٰ میں نماز کو مکمل (چار رکعتیں) پڑھے گا، انھوں نے فرمایا: اور اگر کوئی آدمی عرفات میں اقامت اور سکونت اختیار کرلے تو وہ بھی عرفات میں نماز کو مکمل ہی ادا کرے گا۔

67- بَابٌ: صَلَاةُ الْمُقِيمِ بِمَكَّةَ وَمِنًى

مکہ ومنیٰ کے رہائشی شخص کی نماز کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَدِمَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص ذوالحج کا چاند چڑھتے ہی

مَكَّةَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ فَأَهَلَّ بِالْحَجِّ ، فَإِنَّهُ يُتِمُّ الصَّلَاةَ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ مَكَّةَ لِمِنًى ، فَيَقْصُرَ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ قَدْ أَجْمَعَ عَلَى مُقَامٍ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِ لَيَالٍ .

مکہ میں آ جائے ، پھر وہ حج کا احرام باندھ لے تو وہ (مکہ میں) نماز کو مکمل پڑھتا رہے گا ، یہاں تک کہ وہ مکہ سے منیٰ کی طرف نکل جائے ، تو پھر (وہاں جا کر) وہ نماز قصر کرے گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اس نے ایک جگہ پر چار راتوں سے زیادہ قیام کرنے کا پختہ عزم کر لیا ہے۔

فائدہ : ...... کتنے دن کے پختہ قیام پر نماز کو مکمل ادا کرنا پڑتا ہے اور آدمی مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے ، اس کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے روایت : 345 کا فائدہ۔

68- بَابٌ : تَكْبِيرُ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

ایام تشریق (11 ، 12 ، 13 ذوالحج) کی تکبیرات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جو سنداً ضعیف ہے ، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ اس میں مذکور ہیں۔

[907] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ شَيْئًا فَكَبَّرَ ، فَكَبَّرَ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِ ، ثُمَّ خَرَجَ الثَّانِيَةَ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ فَكَبَّرَ ، فَكَبَّرَ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِ ، ثُمَّ خَرَجَ الثَّالِثَةَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَكَبَّرَ ، فَكَبَّرَ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِ ، حَتَّى يَتَّصِلَ التَّكْبِيرُ وَيَبْلُغَ الْبَيْتَ ، فَيُعْلَمَ أَنَّ عُمَرَ قَدْ خَرَجَ يَرْمِي .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے ، انھیں خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یوم نحر (10 ذوالحج) سے اگلے دن (11 ذوالحج کو خیمے سے اس) وقت باہر نکلے جب دن تھوڑا سا چڑھ گیا تھا ، پھر انھوں نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی ، پھر وہ اپنے اسی دن میں دوسری بار اس وقت نکلے جب دن بلند ہو گیا ، چنانچہ انھوں نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی ، پھر وہ (تیسری بار) اس وقت نکلے جب سورج ڈھل گیا ، چنانچہ انھوں نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی ، یہاں تک کہ (ایک دوسرے کو سن کر لوگ تکبیر کہتے چلے جاتے اور) تکبیر کی آواز باہم ملتی چلی جاتی اور بیت اللہ تک پہنچ جاتی تو (وہاں کے) لوگ پہچان لیتے کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کنکریاں مارنے کے لیے نکل آئے ہیں۔

[907] (موقوف ضعیف) بیہقی : 3/ 312 (6267) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ :...... 11، 12، 13 ذوالحج کو کنکریاں مارنے کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقفے وقفے سے باہر نکل کر تکبیر کہنا دراصل لوگوں کو ذکر الٰہی کی طرف متوجہ کرنے اور ترغیب دلانے کے لیے تھا...... چونکہ خانہ کعبہ کے طواف کے لیے حاجیوں کا منیٰ سے مکہ تک آمد و رفت کا سلسلہ قائم رہتا ہے کیونکہ منیٰ میں صرف رات گزارنے کی پابندی ہے، بہرحال قدم قدم پر حجاج کرام ہوتے ہیں، اس لیے اگر ایک دوسرے کو سن کر تکبیر کہی جائے تو منیٰ سے مکہ تک پہنچ جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّ التَّكْبِيرَ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، دُبُرَ الصَّلَوَاتِ، وَأَوَّلُ ذَلِكَ تَكْبِيرُ الْإِمَامِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، دُبُرَ صَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، وَآخِرُ ذَلِكَ تَكْبِيرُ الْإِمَامِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، دُبُرَ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، ثُمَّ يَقْطَعُ التَّكْبِيرَ. قَالَ مَالِكٌ : وَالتَّكْبِيرُ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ عَلَى الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ مَنْ كَانَ فِي جَمَاعَةٍ أَوْ وَحْدَهُ بِمِنًى، أَوْ بِالْآفَاقِ كُلِّهَا وَاجِبٌ، وَإِنَّمَا يَأْتَمُّ النَّاسُ فِي ذَلِكَ بِإِمَامِ الْحَاجِّ وَبِالنَّاسِ بِمِنًى، لِأَنَّهُمْ إِذَا رَجَعُوا وَانْقَضَى الْإِحْرَامُ ائْتَمُّوا بِهِمْ، حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَهُمْ فِي الْحِلِّ، فَأَمَّا مَنْ لَمْ يَكُنْ حَاجًّا، فَإِنَّهُ لَا يَأْتَمُّ بِهِمْ إِلَّا فِي تَكْبِيرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک ایام تشریق کی تکبیرات نمازوں کے بعد ہوں گی اور اس کا آغاز امام کی تکبیر سے ہوگا اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہی یوم نحر (10 ذوالحج) کی نماز فجر کے بعد کہیں گے، پھر وہ تکبیر کو منقطع کر دیں گے...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ایام تشریق کی تکبیر مردوں اور عورتوں سب پر واجب ہے خواہ ان میں سے کوئی جماعت میں (نماز پڑھتا) ہو، یا اکیلا ہو، منیٰ میں ہو یا آفاق (زمین کے باقی ملکوں اور شہروں) میں ہوں، اور یقیناً (حج نہ کرنے والے) لوگ اس عمل میں (اور تکبیرات کے آغاز واختتام میں) حاجیوں کے امام کی اور منیٰ میں موجود حاجیوں کی اقتدا کریں گے، کیونکہ وہ (حجاج کرام) جب واپس لوٹیں گے اور احرام کھول دیں گے تو وہ ان (غیر حاجیوں) کی پیروی کریں گے (یعنی وہ اور یہ برابر ہو جائیں گے) یہاں تک کہ وہ (حاجی بھی پابندیاں ختم ہونے اور) حلال ہونے میں ان (غیر حاجیوں) کی طرح ہو جائیں گے۔ (جب حاجیوں نے منیٰ سے واپسی پر غیر حاجیوں کی طرح ہو جانا ہے تو مناسب یہی ہے کہ غیر حاجی لوگ بھی کچھ عرصے کے لیے حاجیوں کی طرح ہو جائیں اور ان کی اقتدا کریں) لیکن وہ شخص جو حاجی نہیں ہے وہ ان حاجیوں کی پیروی ایام تشریق کی تکبیرات کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں کرے گا (نہ وہ تلبیہ پڑھے گا اور نہ رمی جمار کرے گا، البتہ تکبیرات میں اُن کی پیروی کر کے ان کا ساتھ دے گا)۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ نے اس فتویٰ کے آخری الفاظ میں ایک عقلی دلیل کے ذریعے تکبیرات کا آغاز

واختتام متعین کیا ہے کہ حاجی حضرات 10 ذوالحج کو کنکریاں مارنے تک تلبیہ پڑھتے رہتے ہیں اور کنکریوں کے ساتھ ہی وظیفہ تکبیر شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پہلی نماز ظہر ہی کی ہے اور پھر حاجیوں کا کنکریاں مارنے کا سلسلہ 13 ذوالحج کا سورج ڈھلنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ یہ کنکریاں سورج ڈھلتے ہی 13 ذوالحج کی نماز ظہر سے پہلے بھی ہو سکتی ہیں، اس لیے حاجیوں کی اس دن تکبیرات والی آخری نماز، فجر ہی ہو سکتی ہے ...... بہرحال اس مسئلے میں بہت اقوال ہیں، نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق صراحت سے تو کچھ منقول نہیں البتہ بعض اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ثابت ہیں جنھیں ہم آئندہ فائدے میں ذکر کر رہے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: "اَلْاَيَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ" سے مراد ایام تشریق ہیں۔

فائدہ : ...... ایام تکبیرات: قرآن مجید میں حاجیوں کے حوالے سے دو قسم کے دنوں کا تذکرہ ہے: ایام معدودات اور ایام معلومات، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (البقرۃ 2:203) "اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرلو۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایام معدودات سے مراد ایام تشریق (11، 12، 13 ذوالحج) ہیں، (بخاری قبل از حدیث: 969) دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (الحج 22:28) "اور وہ معلوم دنوں میں ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام (ذبح کرتے وقت) ذکر کریں کہ جو (چوپائے) اللہ نے انھیں عطا فرمائے ہیں۔" اگرچہ آیت میں "ایام معلومات" کو ذبح کے ساتھ متعلق کر کے ان سے ایام تشریق ہی کو مراد لیا گیا ہے لیکن پھر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سے مراد ذوالحج کے پہلے دس دن ہیں۔ (بخاری، قبل از حدیث: 969) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان دس دنوں میں تکبیرات کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، وہ بازار میں جا کر تکبیر کہتے تو لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیرات کہتے۔ (بخاری، قبل از حدیث: 969)...... ویسے بھی عشرۂ ذوالحج (یکم تا دس) میں کسی بھی نیک عمل کی فضیلت باقی پورے سال کے دنوں کے اعمال سے زیادہ ہے۔ (بخاری: 969) اور ظاہر بات ہے کہ تکبیر کہنا بھی عمل صالح ہے، نیز ان ایام کے حوالے سے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: (فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّحْمِيْدِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ) "لہٰذا تم ان دنوں میں کثرت سے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتے رہا کرو۔" (طبرانی فی المعجم الکبیر: 12/ 12326۔ علامہ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے، الترغیب والترھیب، کتاب الحج، باب: 8 کی پہلی حدیث) انھی وجوہات کی بنا پر اکثر اہل حدیث حضرات ان دس دنوں ہی میں تکبیرات کا اہتمام کرتے ہیں۔

اکثر فقہاء اور اہل علم کے ہاں تکبیرات کے آغاز واختتام میں صحیح ترین واضح قول یہ ہے کہ 9 ذوالحج کی فجر سے لے

کر 13 ذوالحج کی نماز عصر تک تکبیرات کہی جائیں، یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ (بیهقی:3/ 314، حدیث:2675، مستدرك حاكم: 1/ 299- اس کی سند صحیح ہے)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (ابن ابی شیبه: 1/ 489، 490، حدیث: 5645، 5654، مستدرك حاكم: 1/ 299- اس کی سند صحیح ہے)، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (الاوسط لابن المنذر: 4/ 300، نیل الاوطار: 2/ 621) سے ثابت ہے۔

فائدہ: ...... الفاظ تکبیرات: تکبیرات کے مندرجہ ذیل الفاظ ثابت ہیں: 1- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ پڑھا کرتے تھے: (اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَجَلُّ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ) (ابن ابی شیبه: 1/ 489، 490، حاكم: 1/ 299- اس کی سند صحیح ہے۔) 2- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ پڑھا کرتے تھے: (اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا) (بیهقی: 3/ 314، حدیث: 6282، فتح الباری: 2/ 462، نیل الاوطار: 2/ 621- اس کی سند صحیح ہے۔) 3- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں: (اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ) (تمام المنه: ص 365، ارواء الغلیل: 3/ 125، نیل الاوطار: 2/ 621، طبرانی: 9/ 355) ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی یہی الفاظ ثابت ہیں۔ (ابن ابی شیبه: 2/ 167، حدیث: 5649- اس کی سند صحیح ہے)

قربانی کب تک ہے؟ تمام فقہاء کے نزدیک ایام تشریق 11، 12، 13 ذوالحج ہیں۔ (دیکھیے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "اَلْهِدَايَة" کتاب الاضحیہ، ص: 430، آخرین طبع لکھنو، شیخ عبدالقادر جیلانی کی "غُنيةُ الطَّالِبِين"، ص: 570، مطبوعہ لاہور 1309ھ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ملحوظ رہنا چاہیے جسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: (كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذَبْحٌ) "تمام ایام تشریق ذبح (قربانی) کے دن ہیں" (مسند احمد: 4/ 82، صحیح ابن حبان: 8/ 368، بیهقی: 8/ 29، نصب الرایة: 4/ 504- اس حدیث کی بعض سندیں تو منقطع ہیں لیکن بعض بالکل متصل اور صحیح ثابت ہیں، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح الجامع الصغیر للالبانی: 2/ 834، حدیث: 4587، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: 9/ 4485، مجمع الزوائد للهیثمی: 3/ 251، الفتح الربانی: 13/ 94، الصحیحة: 5/ 617، تعلیق علی زاد المعاد لشُعَیب الارناؤط: 2/ 318، نیل الاوطار: 5/ 142، موارد الظمآن: 3/ 325) لہٰذا قربانی 13 ذوالحج تک یقیناً جائز ہے۔

69- بَابٌ: صَلَاةُ الْمُعَرَّسِ وَالْمُحَصَّبِ

مُعَرَّس اور مُحَصَّب جگہوں میں نماز کا بیان

خلاصة الباب ☜ اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف اور دونوں بخاری و مسلم میں بھی

ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ : ......"مُعَرَّس" کے لفظی معنیٰ پڑاؤ ڈالنے کی جگہ کے ہیں، اب یہ اس جگہ کا نام بن چکا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے حج سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے باہر رات گزاری تھی، یہ جگہ مدینہ سے نکلنے کے بعد مکہ کے راستے پر چھ میل کے فاصلے پر آتی ہے اور ذوالحلیفہ سے متصل پہلے اس کے نشیب میں واقع ہے، اس جگہ کو بطحاء بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ ایک نالے کی حیثیت رکھتی تھی اور ہروہ کھلا نالہ جس میں باریک کنکریاں ہوں بطحاء یا ابطح کہلاتا ہے......محصب ایک کھلے میدان جیسی وادی کا نام ہے، جسے حصباء، بطحاء، ابطح اور خیف بنی کنانہ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے، یہ جگہ مکہ سے ایک میل کے فاصلے پر مکہ ومنیٰ کے درمیان میں ہے، مکہ مکرمہ کے قبرستان "المعلیٰ" کے پاس ایک پہاڑی ہے اور یہاں سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی طرف دوسرا پہاڑ ہے، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان والی جگہ وادیٔ محصب ہے، نہ دونوں پہاڑ اس میں شامل ہیں اور نہ ہی قبرستان......رسول اللہ ﷺ نے حج سے واپس منیٰ سے سیدھے یہاں پہنچ کر قیام کیا تھا اور رات گزاری تھی اور رات کے وقت وہاں سے بیت اللہ کے طواف کے لیے بھی تشریف لے گئے تھے، ان جگہوں میں ٹھہرنا حج کے مناسک میں تو شامل نہیں لیکن اتباع نبوی ﷺ کی کامل صورت میں شامل ہے۔

[908] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَصَلَّى بِهَا قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس بطحاء (نشیبی نالے) میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا جو ذوالحلیفہ میں ہے، پھر وہاں نماز پڑھی، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ : ......رسول اللہ ﷺ جب مکہ کی طرف جاتے تو (وہاں موجود ایک) درخت والا راستہ اختیار کرتے، جہاں بعد میں مسجد ذوالحلیفہ بنائی گئی اور جب واپس آتے تو معرس والا راستہ اختیار کرتے، وہاں نماز بھی پڑھتے اور رات بھی وہیں گزار کر صبح کرتے۔ (بخاری: 484، 1533، 1799)

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُجَاوِزَ الْمُعَرَّسَ إِذَا قَفَلَ، حَتّٰى يُصَلِّيَ فِيهِ، وَإِنْ مَرَّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ واپس آرہا ہو تو معرس (میں ٹھہرے بغیر وہاں)

---

[908] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب: 14، حدیث: 1532، 484، 1799، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب النزول ببطحاء ذی الحلیفة، حدیث: 1257، بعداز 1345، ابوداود: 2044، نسائی: 2662، احمد: 2/ 28(4819).

بِهِ فِي غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ فَلْيُقِمْ حَتَّى تَحِلَّ الصَّلَاةُ، ثُمَّ صَلَّى مَا بَدَا لَهُ، لِأَنَّهُ بَلَغَنِي: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَرَّسَ بِهِ، وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَنَاخَ بِهِ.

سے آگے گزرے، یہاں تک کہ وہ اس میں (ٹھہرے اورکوئی) نماز ادا کرے اوراگر وہ وہاں سے کسی نماز کے علاوہ وقت میں گزرے تو وہاں ٹھہرا رہے یہاں تک کہ نماز پڑھنا جائز ہو جائے، پھروہ نماز پڑھے جتنی اس کے جی میں آئے، کیونکہ بلاشبہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ رات کے وقت پڑاؤ ڈالا تھااور یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں اپنا اونٹ بٹھایا تھا۔

فائدہ: ......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وہاں رات کو سور ہے تھے تو خواب میں آپ ﷺ سے فرمایا گیا: (اِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ) ''یقیناً آپ بابرکت نالے (پانی کی گزر گاہ) میں ہیں۔'' (بخاری: 1535)

[909] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُحَصَّبِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مَكَّةَ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (13 ذوالحج کو حج سے واپس ہوتے وقت) وادیٔ محصب میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء (کی نمازیں) ادا کرتے، پھر رات کے وقت (وہیں سے) مکہ میں داخل ہوتے اور بیت اللہ کا (الوداعی) طواف کرتے۔

فائدہ: ......حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وادیٔ محصب میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھیں، پھر تھوڑی دیر کے لیے سو گئے، پھر سوار ہوکر بیت اللہ کی طرف گئے اور اس کا طواف فرمایا۔ (بخاری: 1756) نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے سامان وغیرہ پر مقرر تھے، وہ کہتے ہیں کہ منیٰ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم تو نہیں دیا تھا البتہ میں نے اپنی مرضی سے ابطح یعنی وادی محصب میں آپ ﷺ کا خیمہ گاڑ دیا تھا۔ (مسلم: 1313) اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہاں پڑاؤ کرنا (حج کے مناسک میں سے) کچھ بھی نہیں ہے۔ (بخاری: 1766، مسلم: 1312) اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی تھیں کہ ابطح میں پڑاؤ کرنا سنت (ضروریہ) نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں صرف اور صرف اس لیے پڑاؤ کیا تھا کہ واپس نکلنے میں یہاں سے آسانی اور سہولت تھی۔ (بخاری: 1765، مسلم: 1311) بہر حال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے سنت سمجھتے تھے۔

---

[909] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب النزول بذي طوى قبل ان يدخل مكة، حديث: 1768، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب نزول المحصب يوم النفر، حديث: 1310، ابوداود: 2012، 2013، احمد: 2/ 100 (5756).

(مسلم: 1310/ 338) اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہاں پڑاؤ کرنے کا تھا۔ (مسلم: 1310، 1311، نیز دیکھیے، بخاری: 1768) اس لیے راجح موقف یہ ہے کہ جس شخص کو جلدی نہ ہو اس کے لیے یہاں ٹھہرنا کم از کم مستحب کا درجہ ضرور رکھتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

70- الْبَيْتُوتَةُ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى

منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے اور ایک مقطوع ہے جو سنداً صحیح ہے۔

فائدہ: ......ایام تشریق یعنی 11، 12، 13 ذوالحج کو ایام منیٰ کہتے ہیں اور ان کی راتوں کو منیٰ کی راتیں کہتے ہیں، یہ راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے، امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور مشہور قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور یہی موقف راجح ہے، اور بلا عذر یہاں رات نہ گزارنے پر ایک جانور ادا کرنا لازم ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منیٰ کی راتیں منیٰ میں نہ گزارنا محض مکروہ ہے البتہ ایسا کرنے پر کچھ لازم نہیں آتا......یاد رہے کہ آج کل کثیر ہجوم کی وجہ سے میدان منیٰ میں رہائش کی جگہ تنگ پڑ چکی ہے اس لیے مزدلفہ کا بہت سا حصہ "نیو منیٰ" کی حیثیت سے عارضی طور پر ساتھ ملا دیا جاتا ہے جس طرح نمازیوں کے لیے مسجد میں جگہ کم پڑ جائے تو باہر سڑک پر صفیں بچھالی جاتی ہیں۔

[910] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّهُ قَالَ: زَعَمُوا أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَبْعَثُ رِجَالاً يُدْخِلُونَ النَّاسَ مِنْ وَرَاءِ الْعَقَبَةِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ لوگوں نے یہ بیان کیا کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کو (مقرر کر کے) بھیجتے (اس کام کے لیے کہ) وہ لوگوں کو گھاٹی کے پیچھے سے (دھکیل کر کے منیٰ میں) داخل کریں۔

فائدہ: ......گھاٹی سے مراد وہی گھاٹی ہے جہاں ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ نے حج پر آتے ہوئے انصار مدینہ سے بیعت لی تھی، یہ گھاٹی اگرچہ منیٰ کے کنارے پر ہے لیکن منیٰ کے میدان سے باہر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند افراد کی یہ ڈیوٹی لگاتے کہ جو شخص گھاٹی کے پیچھے یعنی میدان سے باہر ہے یا مکہ میں جانے کی کوشش کر رہا ہے اُسے زبردستی منیٰ کی طرف لے آئیں۔

---

[910] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[911] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا يَبِيتَنَّ أَحَدٌ مِنَ الْحَاجِّ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ وَرَاءِ الْعَقَبَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حاجیوں میں سے کوئی بھی شخص منیٰ کی راتوں کو گھاٹی کے پیچھے ہرگز نہ گزارے۔

فائدہ: ......لیکن دو قسم کے افراد کو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت عطا فرمائی ہے، ایک زم زم کے کنویں پر متعین افراد، (بخاری: 1634، مسلم: 1315) اور دوسرے وہ افراد جو لوگوں کے جانور چرانے پر متعین ہوں۔ (ابو داؤد: 1975، ترمذی: 954، نسائی: 3071، ابن ماجہ: 3037۔ اس کی سند صحیح ہے۔) زم زم پر متعین افراد کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر دن منیٰ میں حاضر ہو کر کنکریاں ماریں جبکہ چرواہوں کے لیے یہ مزید رخصت ہے کہ وہ دس تاریخ کی کنکریاں تو وقت پر ماریں، پھر اس کے بعد کے دنوں کی کنکریاں جمع کر لیں خواہ گیارہ تاریخ کو یا بارہ کو، اگر وہاں رہیں تو تیرہ تاریخ کی کنکریاں بھی وقت پر ماریں۔

[912] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْبَيْتُوتَةِ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى: لَا يَبِيتَنَّ أَحَدٌ إِلَّا بِمِنًى.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کے متعلق فرمایا: کوئی بھی شخص منیٰ کے علاوہ ہرگز یہ راتیں کہیں اور جگہ نہ گزارے۔

71- بَابٌ: رَمْيُ الْجِمَارِ

کنکریاں مارنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں، جن میں سے پانچ موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں، ان تمام میں سے ایک موقوف روایت ضعیف جبکہ باقی سب صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......"جِمَار" جمع ہے "جَمْرَةٌ" کی، جس کے معنی انگارے یا کنکری کے ہیں، حاجی جن کنکریوں کو پھینکتا ہے انھیں جمار یا جمرات کہتے ہیں، اسی طرح کنکریوں کے جمع ہونے کی جگہ کو بھی "جمرہ" کہہ دیتے ہیں، رہے وہ ستون جنھیں کنکریاں ماری جاتی ہیں تو وہ مجازاً جمار یا جمرات کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس کنکریوں کے ڈھیر جمع ہوتے ہیں، چنانچہ ان ستونوں کا نام بھی جمار یا جمرات ہی مشہور ہو گیا ہے......میدان منیٰ کی جانب والے جمرہ کو جمرہ صُغریٰ،

[911] (موقوف صحیح) بیهقی: 5/ 153 (9690)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[912] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبه: 3/ 285 (14374)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرے کو جمرہ وسطیٰ اور مکہ کی جانب والے کو جمرہ کبریٰ یا جمرہ عقبہ کہتے ہیں، اب تو ان تمام جمرات کو چند میٹر چوڑا اور تین چار منزلہ بلند کر دیا گیا ہے کیونکہ ہمیشہ انھی کو رمی کرتے وقت حاجیوں کے رش کی وجہ سے جانیں تلف ہوا کرتی تھیں، اب کئی منزلہ ہونے کی بنا پر حجاج تقسیم ہو جاتے ہیں، نیز رش ہی کی وجہ سے کسی کو وہاں زیادہ دیر کھڑا ہی نہیں ہونے دیا جاتا۔ ان جمرات اور ستونوں کو شیطان کہنا کسی بھی واضح دلیل اور روایت سے ثابت نہیں ہے۔ ان کو کنکریاں مارنا تو محض ایک حکم الٰہی کی تعمیل ہے جس کے مقاصد اور حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ذکر الٰہی کا قیام ہو، اور یہ مختلف صورتوں میں ہوتا ہے، مثلاً ایک تو اس طرح کہ کنکریاں مارتے وقت اللہ اکبر کی صدا بلند کی جاتی ہے، دوسرے اس طرح کہ ایسا کرتے وقت دل میں بھی اللہ کی یاد اور اس کے حکم کی تعمیل کا تصور اور جذبہ موجزن ہوتا ہے اور تیسرے اس طرح کہ یہ عمل مومن کے لیے ایک تربیت اور مشق ہے اس بات کی کہ حکم الٰہی اور شریعت محمدی کے نفاذ کے لیے جہاں جہاں رمی کرنے اور دشمن کی طرف ہتھیار چلانے کا حکم ہوگا وہ اس کے لیے تیار رہے گا۔

[913] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وُقُوفاً طَوِيلاً، حَتَّى يَمَلَّ الْقَائِمُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (پہلے) دو جمروں کے پاس اتنا لمبا وقوف (اور قیام) فرماتے کہ (ان کے ساتھ) کھڑا ہونے والا شخص تھک جاتا تھا۔

فائدہ: ......منیٰ کے پڑاؤ کے مقام سے جب ان ستونوں کی طرف آتے ہیں تو پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد وہاں ایک جانب کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر لمبی دیر دعا کرتے رہنا سنت نبویہ ہے۔ (بخاری: 1753)

[914] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وُقُوفاً طَوِيلاً، يُكَبِّرُ اللَّهَ، وَيُسَبِّحُهُ وَيَحْمَدُهُ، وَيَدْعُو اللَّهَ، وَلَا يَقِفُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پہلے دو جمروں کے پاس لمبی دیر ٹھہرے رہتے، اللہ کی کبریائی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے اور اللہ سے دعا مانگتے رہتے اور وہ (تیسرے یعنی آخری اور بڑے ستون) جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔

---

[913] (موقوف ضعیف) ابن ابی شیبہ: 3/ 191 (13403)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[914] (موقوف صحیح) بیھقی: 5/ 149 (9666) نیز دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الحج، باب اذا رمی الجمرتین یقوم مستقبل القبلة، حدیث: 1751- 1753۔

فائدہ: ...... یہی عمل انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ (بخاری: 1751) اتنی دیر ٹھہرے رہتے کہ اس دوران میں سورۂ بقرۃ پڑھی جاسکتی تھی۔ (ابن ابی شیبہ بحوالہ زرقانی: 2/ 514، اس کی سند صحیح ہے۔)

[915] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُكَبِّرُ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمْرَةِ، كُلَّمَا رَمَى بِحَصَاةٍ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمروں کو کنکریاں مارتے وقت جب بھی کوئی کنکری پھینکتے تو اللہ اکبر کہتے تھے۔

فائدہ: ...... ہندی نسخوں میں اس روایت میں (مَعَ رَفْعِ الْيَدَيْنِ) کے الفاظ غلطی سے شامل ہوگئے ہیں۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ: الْحَصَى الَّتِي يُرْمَى بِهَا الْجِمَارُ مِثْلُ حَصَى الْخَذْفِ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے بعض اہل علم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: وہ کنکریاں جو جمروں (ستونوں) کو ماری جائیں وہ (اتنی سی) چھوٹی ہوں کہ (دو انگلیوں میں پکڑ کر ماری جاسکیں)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَكْبَرُ مِنْ ذَلِكَ قَلِيلاً أَعْجَبُ إِلَيَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے تھوڑی سی بڑی ہوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔

فائدہ: ...... ہمارے نزدیک امام مالک رحمہ اللہ کے موقف کی بجائے سنت نبوی کے مطابق عمل پسندیدہ ترین ہے، یعنی کنکریاں لوبیا یا چنے کے دانے کے برابر ہوں، "خَذْف" کے لغوی معنی یہ ہیں: ''انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے کناروں کے ساتھ کوئی چیز پھینکنا''، بعد میں یہ لفظ مجازاً چھوٹی کنکریوں کے لیے استعمال ہونے لگا، رسول اللہ ﷺ نے خود بھی ایسی ہی کنکریوں سے رمی کی۔ (مسلم: 1218) اور لوگوں کو بھی اسی جیسی کنکریوں سے رمی کرنے کا حکم فرمایا۔ (مسلم: 1282)

[916] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ غَرَبَتْ لَهُ الشَّمْسُ مِنْ أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَهُوَ بِمِنًى، فَلَا يَنْفِرَنَّ حَتَّى يَرْمِيَ الْجِمَارَ مِنَ الْغَدِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: وہ شخص کہ ایام تشریق کے درمیانے دن (12 ذوالحج) کا سورج اس حال میں غروب ہو کہ وہ منیٰ ہی میں موجود ہو تو وہ (اس دن) ہرگز کوچ نہ کرے گا یہاں تک کہ اگلے دن بھی جمروں کو رمی کر لے۔

فائدہ: ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

[915] (موقوف صحیح) بیہقی: 5/ 149۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔
[916] (موقوف صحیح) بیہقی: 5/ 152 (9686)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى﴾ (البقرة 2:203) ''پھر جس نے دودنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔'' اس آیت مبارکہ میں یہ اجازت ہے کہ اگر کوئی شخص 12 ذوالحج کو حج سے گھر واپس جانا چاہے تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر چہ حج میں اصل یہ ہے کہ اگلے دن 13 ذوالحج تک تاخیر کی جائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس رخصت پر عمل تبھی ہوگا جب کوئی شخص 12 ذوالحج کا دن ختم ہونے سے پہلے پہلے منی کے میدان سے نکل جائے، اور اگر منی ہی میں تیرھویں رات شروع ہوگئی تو اس آیت کے پہلے حصے میں دی ہوئی رخصت اس سے ختم ہوگئی لہٰذا اب اس پر لازم ہوگیا کہ وہ اگلے دن تک رُکا رہے اور چونکہ منیٰ میں قیام کے دوران حج کی ایک ہی اہم عبادت ہوتی ہے یعنی کنکریاں مارنا، اس لیے اب وہ 13 تاریخ کی کنکریاں مار کر ہی جا سکے گا اور اس عبادت کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے، چونکہ 12 تاریخ کو واپسی کی اجازت ہے اس لیے اس دن کا نام ''یوم النفر الاول'' ہے یعنی کوچ اور روانگی کا پہلا دن اور 13 ذوالحج کا نام ''یوم النفر الثانی'' ہے یعنی کوچ کا دوسرا دن۔

[917] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّاسَ كَانُوا إِذَا رَمَوُا الْجِمَارَ مَشَوْا، ذَاهِبِينَ وَرَاجِعِينَ، وَأَوَّلُ مَنْ رَكِبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک لوگ جب جمروں کو کنکریاں مارتے تھے تو وہ جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے پیدل ہی چلا کرتے تھے اور سب سے پہلا وہ شخص جس نے سواری کی (سوار ہو کر کنکریاں ماریں) وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ: ...... کیونکہ انھیں موٹاپے کا عارضہ لاحق تھا اور ان کے لیے پیدل چلنا دشوار تھا، یہ بات ایام تشریق کے متعلق ہے جن میں تینوں جمروں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، رہا دس ذوالحج قربانی کا دن، جس میں میدان مزدلفہ سے منیٰ پہنچ کر صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرنا ہوتی ہے تو اس دن میں سواری پر بیٹھ کر رمی کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ (مسلم: 1297) بہرحال ایام تشریق میں بھی پیدل جا کر اور سواری پر دونوں طرح رمی کرنا جائز ہے لیکن افضل اور مسنون عمل پیدل چل کر رمی کرنا ہے۔

[918] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن

[917] (مقطوع صحیح) بیهقی: 5/ 131 (9561)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[918] (مقطوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 4/ 122 (3053)، الشافعی فی الام: 7/ 245، ابن ابی شیبہ: 3/ 192 (13418)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ مِنْ أَيْنَ كَانَ الْقَاسِمُ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ ؟ فَقَالَ : مِنْ حَيْثُ تَيَسَّرَ .

قاسم رحمہ اللہ سے پوچھا کہ (تمھارے والد) قاسم رحمہ اللہ کہاں سے (کھڑے ہوکر) جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: جہاں سے آسان ہوتا۔

فائدہ :...... جمروں کو چاروں طرف سے کنکریاں مار سکتے ہیں، مگر وادی کے نشیب والی جانب سے مارنا افضل ہے، اس طرح کہ منیٰ کا میدان دائیں جانب ہو اور بیت اللہ بائیں جانب۔ (بخاری: 1747، 1749، مسلم: 1296) یعنی منیٰ والی مسجد (مسجد خیف) کی طرف پشت کر کے رمی کی جائے۔

قَالَ يَحْيَى : سُئِلَ مَالِكٌ هَلْ يُرْمَى عَنِ الصَّبِيِّ وَالْمَرِيضِ ؟ فَقَالَ : نَعَمْ ، وَيَتَحَرَّى الْمَرِيضُ حِينَ يُرْمَى عَنْهُ ، فَيُكَبِّرُ وَهُوَ فِي مَنْزِلِهِ ، وَيُهْرِيقُ دَماً ، فَإِنْ صَحَّ الْمَرِيضُ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ رَمَى الَّذِي رُمِيَ عَنْهُ ، وَأَهْدَى وُجُوباً .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا بچے اور مریض کی طرف سے کنکریاں ماری جاسکتی ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں اور مریض کو چاہیے کہ اس وقت کی جستجو کرے (اور اندازہ لگائے) جس وقت کہ اس کی طرف سے کنکریاں ماری جارہی ہوں، چنانچہ وہ (اس وقت) تکبیر کہے، درحالیکہ وہ اپنے پڑاؤ کے مقام ہی میں ہو اور (خود کنکریاں نہ مار سکنے کی وجہ سے) ایک خون بہائے (جانور قربان کرے)، پھر اگر مریض ایام تشریق کے اندر اندر تندرست ہو جائے تو وہ اس رمی کو خود کرے گا جو اس کی طرف سے کی گئی تھی اور وہ ایک ہدی کا جانور بھی لازمی طور پر قربان کرے۔

فائدہ :...... اہل حدیث کے ہاں اس صورت میں کفارہ نہیں پڑتا بشرطیکہ وہ واقعی قدرت نہیں رکھتا جس طرح کہ بچہ بھی قادر نہیں ہوتا۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا أَرَى عَلَى الَّذِي يَرْمِي الْجِمَارَ ، أَوْ يَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، وَهُوَ غَيْرُ مُتَوَضِّئٍ إِعَادَةً ، وَلَكِنْ لَا يَتَعَمَّدُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس شخص پر کوئی اعادہ خیال نہیں کرتا جو بغیر وضو کے جمروں کو رمی کرے یا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے (اُسے دوبارہ دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں) البتہ وہ جان بوجھ کر ایسا نہ کرے۔

[919] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : لَا تُرْمَى

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: (ایام تشریق کے) تین دنوں میں

[919] (موقوف صحیح) بیھقی: 5/ 149 (9666) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، نیز دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الحج ، باب رمی الجمار: 1746 ، سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی رمی الجمار ، حدیث:1972 .

الْجِمَارُ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ . جمروں کی رمی نہ کی جائے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔

فائدہ :...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر (10 ذوالحج) کو چاشت کے وقت جمرہ عقبہ کی رمی کی اور اس کے بعد باقی دنوں میں سورج ڈھلنے کے بعد رمی کی۔ (مسلم: 1299/ 314) دراصل یوم نحر اور ایام تشریق کی رمی (کنکریاں مارنے) میں تین فرق ہیں: 1- یوم نحر کو صرف ایک جمرہ (جمرہ عقبہ) کی رمی ہوتی ہے جبکہ ایام تشریق میں تینوں جمروں کو کنکریاں مارتے ہیں۔ 2- یوم نحر کو چاشت کے وقت جبکہ باقی دنوں میں زوال آفتاب کے بعد رمی ہوتی ہے۔ 3- یوم نحر کی رمی کے وقت کسی جمرہ کے پاس دعا وغیرہ کے لیے کھڑا نہیں ہوا جاتا جبکہ باقی تین دنوں میں پہلے والے دونوں جمروں کے پاس رمی کے بعد ٹھہرنا مسنون ہے۔

72- بَابٌ: الرُّخْصَةُ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ

جمروں کو رمی کرنے میں ایک رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے، ان میں سے موقوف روایت حسن جبکہ باقی صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[920] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ أَبَا الْبَدَّاحِ بْنَ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ أَخْبَرَهُ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرْخَصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ خَارِجِينَ عَنْ مِنًى ، يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ ، ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدَ ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ لِيَوْمَيْنِ ، ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ .

ابوالبداح (عدی) بن عاصم بن عدی رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو (منیٰ سے باہر) رات گزارنے میں رخصت عطا فرمائی (اور یہ بھی کہ) وہ یوم نحر 10 ذوالحج کو کنکریاں ماریں، پھر اس سے اگلے دن 11 ذوالحج یا اس سے بھی اگلے دن 12 ذوالحج (میں سے کسی ایک دن) میں دو دنوں کی (اکٹھی) کنکریاں ماریں، پھر یوم نفر (کوچ والے دن 13 ذوالحج) میں (آکر) رمی کر لیں۔

فائدہ :...... حدیث کے الفاظ میں عموم ہے کہ وہ 11، 12 تاریخوں کی رمی کسی ایک دن میں کر سکتے ہیں،

[920] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود ، کتاب المناسك، باب فی رمی الجمار ، حدیث: 1975، جامع الترمذی، کتاب الحج ، باب ماجاء فی الرخصة للرعاة ان یرموا یوما ویدعوا یوما، حدیث: 955، نسائی: 3070، ابن ماجه: 3037، احمد: 5/ 450 (24182)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، نیز ابن خزیمہ رحمہ اللہ، ابن جارود رحمہ اللہ، بغوی رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل: 4/ 280 (1080))۔

خواہ بارہ کی رمی مقدم کرلیں یا گیارہ کی رمی مؤخر کرلیں، لیکن ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء یہاں صرف جمع تاخیر کے قائل ہیں کہ گیارہ کو وہ رمی نہ کریں اور 12 ذوالحج کو آکر 11، 12 کی اکٹھی رمی کرلیں، البتہ اگر کوئی شخص جمع تقدیم کرلے یعنی گیارہ تاریخ کو بارہ کی رمی بھی کرلے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا کسی کے نزدیک اس پر کوئی جرمانہ نہیں پڑتا۔

[921] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَذْكُرُ: أَنَّهُ أُرْخِصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا بِاللَّيْلِ، يَقُولُ فِي الزَّمَانِ الْأَوَّلِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ، عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عطا کو یہ تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ چرواہوں کو یہ رخصت دی گئی تھی کہ وہ رات کو آکر رمی کرلیں، وہ مراد لے رہے تھے کہ (یہ رخصت) پہلے زمانے (یعنی عہد صحابہ رضی اللہ عنہم) میں تھی۔

فائدہ:......جمہور علماء کا یہی موقف ہے کہ رات کے وقت بھی رمی جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: تَفْسِيرُ الْحَدِيثِ، الَّذِي أَرْخَصَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ، فِي تَأْخِيرِ رَمْيِ الْجِمَارِ فِيمَا نُرَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ: أَنَّهُمْ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَإِذَا مَضَى الْيَوْمُ الَّذِي يَلِي يَوْمَ النَّحْرِ رَمَوْا مِنَ الْغَدِ، وَذَلِكَ يَوْمُ النَّفْرِ الْأَوَّلِ، فَيَرْمُونَ لِلْيَوْمِ الَّذِي مَضَى، ثُمَّ يَرْمُونَ لِيَوْمِهِمْ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ لَا يَقْضِي أَحَدٌ شَيْئاً حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ، فَإِذَا وَجَبَ عَلَيْهِ وَمَضَى، كَانَ الْقَضَاءُ بَعْدَ ذَلِكَ، فَإِنْ بَدَا لَهُمُ النَّفْرُ فَقَدْ فَرَغُوا، وَإِنْ أَقَامُوا إِلَى الْغَدِ، رَمَوْا مَعَ النَّاسِ يَوْمَ النَّفْرِ الْآخِرِ وَنَفَرُوا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو جمرات (ستونوں) کی رمی میں تاخیر کرنے کی رخصت دی ہے، ہمارے خیال میں اس کی تفسیر یہ ہے۔اور (حقیقت حال سے تو) اللہ ہی بخوبی واقف ہے۔کہ بے شک وہ چرواہے یوم نحر 10 ذوالحج کو رمی کریں گے، پھر جب وہ (11 ذوالحج کا) دن گزر جائے گا جو یوم نحر کے ساتھ ملا ہوا ہے تو وہ اس سے اگلے دن (12 ذوالحج کو) رمی کریں گے اور یہی کوچ کا پہلا دن (یوم نفر) ہے، وہ (اس دن میں آکر پہلے) اس دن کی رمی کریں گے جو گزر چکا ہے (یعنی 11 ذوالحج کی) اور پھر اپنے اس دن (12 ذوالحج) کی رمی کرلیں گے (جو گزر رہا ہے)، کیونکہ بلاشبہ کوئی بھی شخص کسی چیز کی قضائی (اس وقت تک) نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ اس پر واجب ہو جائے، چنانچہ جب وہ اس پر واجب ہو جائے گی اور اس کا وقت گزر جائے گا تو اس کے بعد ہی قضائی ہوگی، پھر اگر (اسی دن) اُن (چرواہوں) کے دل میں واپسی کوچ کرنے کا خیال آئے تو یقیناً وہ (جاسکتے ہیں کیونکہ وہ) فارغ ہو چکے ہیں، اور اگر وہ آئندہ دن (13 ذوالحج) تک ٹھہر جائیں تو وہ کوچ کے (اس) آخری دن میں لوگوں کے ساتھ مل کر رمی کریں گے

[921] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور پھر واپس روانہ ہو جائیں گے۔

[922] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ ابْنَةَ أَخٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ نُفِسَتْ بِالْمُزْدَلِفَةِ، فَتَخَلَّفَتْ هِيَ وَصَفِيَّةُ حَتَّى أَتَتَا مِنًى، بَعْدَ أَنْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ، فَأَمَرَهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَنْ تَرْمِيَا الْجَمْرَةَ حِينَ أَتَتَا، وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِمَا شَيْئاً.

ابوبکر بن نافع رحمہ اللہ اپنے والد (نافع رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ) صفیہ بنت ابی عبید رحمہ اللہ کی ایک بھتیجی کو مزدلفہ میں نفاس شروع ہوگیا (اور اس کے ہاں ولادت ہوگئی)، تو وہ (بھتیجی) اور صفیہ رحمہ اللہ پیچھے (مزدلفہ ہی میں) ٹھہر گئیں، یہاں تک کہ وہ (اگلے دن 10 ذوالحج) یوم نحر کا سورج غروب ہونے کے بعد منیٰ میں آئیں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے، جس وقت وہ دونوں منیٰ میں آئیں، اُسی وقت انھیں حکم دیا کہ جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور انھوں نے ان دونوں پر کچھ (جرمانہ) لازم نہ سمجھا۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی ایک جانور ذبح کرنا مستحب ہے کیونکہ رمی مطلوبہ وقت میں تو نہیں ہوئی۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ نَسِيَ جَمْرَةً مِنَ الْجِمَارِ فِي بَعْضِ أَيَّامِ مِنًى حَتَّى يُمْسِيَ قَالَ: لِيَرْمِ أَيَّ سَاعَةٍ ذَكَرَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، كَمَا يُصَلِّي الصَّلَاةَ إِذَا نَسِيَهَا، ثُمَّ ذَكَرَهَا لَيْلاً أَوْ نَهَاراً، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ بَعْدَ مَا صَدَرَ وَهُوَ بِمَكَّةَ، أَوْ بَعْدَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَعَلَيْهِ الْهَدْيُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو منیٰ کے دنوں میں جمروں میں سے کسی جمرے کی رمی بھول گیا، یہاں تک کہ وہ شام میں داخل ہوگیا، (پھر اسے یاد آجائے تو وہ کیا کرے؟) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اُسے چاہیے کہ رات یا دن کی جس گھڑی میں بھی اُسے یاد آئے تو وہ رمی کرلے جس طرح کہ وہ جب نماز بھول جاتا ہے، پھر وہ رات یا دن کے کسی بھی وقت میں اُسے یاد آجاتی ہے تو وہ اُسے پڑھ لیتا ہے (تو اسی طرح وہ بھولی ہوئی رمی بھی یاد آنے پر کرے گا) پھر اگر یہ (یاد آنا منیٰ سے) واپس لوٹ جانے کے بعد ہو اس حال میں کہ ابھی وہ مکے ہی میں ہے یا مکہ سے اس کے نکل جانے کے بعد (اس کی یاد آئی ہو) تو اس پر ہدی کا جانور لازم ہے۔

فائدہ: ...... یعنی اگر تو ایام تشریق کے اندر اندر اور منیٰ میں موجودگی کے دوران بھولی ہوئی رمی یاد آئے تو اس کے پاس ابھی قضائی کا وقت ہے، لہٰذا وہ قضائی دے گا اور اس پر دم (خون، فدیہ، جرمانہ) نہیں پڑے گا اور اگر قضا

[922] (موقوف حسن) بیہقی: 5/ 150 (9671)، ابن ابی شیبہ: 3/ 380 (15313)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

کا وقت نکل گیا تو صرف دم دے گا (جانور ذبح کرے گا) اور قضائی نہ دے گا۔

73- بَابٌ: طَوَافُ الْإِفَاضَةِ

طواف افاضہ کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔

[923] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِعَرَفَةَ، وَعَلَّمَهُمْ أَمْرَ الْحَجِّ، وَقَالَ لَهُمْ فِيمَا قَالَ: إِذَا جِئْتُمْ مِنًى، فَمَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَى الْحَاجِّ، إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ، لَا يَمَسَّ أَحَدٌ نِسَاءً وَلَا طِيباً، حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے میدان عرفات میں لوگوں کو خطبہ دیا اور انھیں حج کے معاملہ (ارکان اور امور حج وغیرہ) کی تعلیم دی اور انھوں نے جو کچھ بیان کیا اس میں یہ بھی کہا کہ جب تم منیٰ میں آؤ تو جو کوئی (10 ذوالحج کو بڑے) جمرہ کی رمی کرے گا اس کے لیے ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو حاجی پر حرام تھی، سوائے عورتوں (کے ساتھ مباشرت) کے اور خوشبو کے، کوئی شخص عورتوں اور خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ وہ بیت اللہ کا طواف (افاضہ) کر لے۔

[924] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ، ثُمَّ حَلَقَ أَوْ قَصَّرَ وَنَحَرَ هَدْياً، إِنْ كَانَ مَعَهُ، فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَيْهِ، إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ، حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے (10 ذوالحج کو) جمرہ عقبہ کی رمی کر لی، سر کے بال منڈوا لیے یا کتروا لیے اور ہدی کا جانور اگر اس کے پاس ہو تو اسے قربان کر لیا تو یقیناً اس کے لیے ہر وہ چیز حلال ہو گئی جو (حالت احرام میں) اس پر حرام تھی، سوائے عورتوں اور خوشبو کے، (اور یہ دونوں حرام ہی رہیں گی) یہاں تک کہ وہ بیت اللہ کا طواف کر لے۔

فائدہ: ......لیکن یہ موقف سنت نبویہ کے خلاف ہے، چنانچہ جمہور کا موقف راجح ہے کہ طواف افاضہ سے

[923] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 204، وفي الخلافيات: 3/ 218- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[924] (موقوف صحيح) بيهقي: 5/ 204، طحاوي في شرح معاني الآثار: 2/ 231- شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

پہلے رمی نحر اور حلق یا قصر کرا لینے سے تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں سوائے مباشرت کے، طواف سے پہلے خوشبو بھی جائز ہے، صرف امام مالک رحمہ اللہ مباشرت کے ساتھ خوشبو کو بھی حرام کہتے ہیں، حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو طواف افاضہ سے پہلے خوشبو لگائی تھی۔ (بخاری: 1539، مسلم: 1189) مزید تفصیل پیچھے اسی کتاب الحج کے باب: 2 کے آخری فائدہ میں گزر چکی ہے، یاد رہے کہ طواف افاضہ حج کا اہم رکن ہے جس کے بغیر حج مکمل نہیں ہو سکتا۔

74- بَابٌ: دُخُولُ الْحَائِضِ مَكَّةَ

حیض میں مبتلا عورت کے مکہ میں داخل ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع روایات ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[925] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهْلِلْ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعاً قَالَتْ: فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَشَكَوْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ قَالَتْ: فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ، أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع والے سال (حج کے لیے) نکلے، چنانچہ ہم (میں سے کچھ) نے (حج تمتع کے لیے) صرف عمرے کا احرام باندھ لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے پاس ہدی کا جانور ہے تو وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے پھر وہ حلال نہ ہو (احرام نہ کھولے) یہاں تک کہ (10 ذوالحج کو) ان دونوں سے اکٹھا ہی احرام کھولے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں مکہ میں اس حال میں آئی کہ میں حیض والی تھی، چنانچہ میں نہ بیت اللہ کا طواف کر سکی اور نہ صفا و مروہ کے درمیان چکر لگا سکی، سو میں نے اس معاملے کی شکایت رسول اللہ ﷺ کے سامنے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(احرام کی تبدیلی کے لیے) اپنا سر کھول لے اور کنگھی کر

[925] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب کیف تهل الحائض والنفساء، حدیث: 1556، 294، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان وجوه الاحرام، حدیث: 1211، ابوداود: 1781، ترمذی: 945، نسائی: 2305، ابن ماجه: 2963، احمد: 6/ 35 (24572).

الصِّدِّيقِ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَاعْتَمَرْتُ فَقَالَ: هٰذَا مَكَانُ عُمْرَتِكِ فَطَافَ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلُّوا مِنْهَا، ثُمَّ طَافُوا طَوَافاً آخَرَ، بَعْدَ أَنْ رَجَعُوا مِنْ مِنًى لِحَجِّهِمْ، وَأَمَّا الَّذِينَ كَانُوا أَهَلُّوا بِالْحَجِّ، أَوْ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافاً وَاحِداً.

لے (اور نئے احرام کا غسل کر لے) اور (صرف) حج کا احرام باندھ لے اور عمرہ چھوڑ دے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایسے ہی کرلیا، پھر جب ہم نے حج پورا کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے (میرے بھائی) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تنعیم کی طرف بھیجا، پس میں نے بھی عمرہ ادا کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ (عمرہ) تیرے (چھوٹ جانے والے) عمرے کی جگہ پر (اس کا عوض) ہے۔'' پھر وہ لوگ جنھوں نے (حج تمتع کی صورت میں) صرف عمرے کا احرام باندھ رکھا تھا، انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، پھر احرام کھول دیا، پھر انھوں نے اپنے حج کے لیے دوسرا طواف منیٰ سے واپس آنے کے بعد کیا۔ (حج تمتع والوں نے دو طواف اور دو سعی کیں) اور رہے وہ لوگ جنھوں نے صرف حج (حج مفرد) کا احرام باندھا تھا یا (حج قران کی صورت میں) حج اور عمرے کو جمع کیا تھا تو انھوں نے صرف اور صرف ایک ہی طواف کیا۔

فائدہ: ......ثابت ہوا کہ حج کے مہینوں میں جو شخص ہدی کا جانور لے کر عمرہ کرنے آئے اور وہ حج کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو وہ عمرہ کر کے احرام نہیں کھول سکتا اور یہی موقف ہے احناف اور حنابلہ اور اہل حدیث کا اور یہی موقف راجح ہے......جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر تو وہ اکیلے عمرے کی نیت تبدیل کر کے حج وعمرہ کی اکٹھی نیت کرے گا، تو پھر واقعی وہ احرام نہیں کھولے گا، اور اگر وہ حج قران کی نیت نہیں کرتا تو وہ باوجود ہدی ساتھ لانے کے اکیلا عمرہ کر کے احرام کھول دے گا، اور بعد میں حج کا احرام باندھ سکتا ہے......لیکن یہ موقف مذکورہ حدیث کے خلاف ہے، وہ اپنے موقف کے لیے جن روایات کو پیش کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں......یاد رکھیے کہ اس حدیث میں ایک واضح اشکال ہے اور وہ یہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج مفرد اور حج قران والوں کے متعلق صرف ایک طواف کی بات کی ہے، حالانکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ ان سب نے بھی مکہ پہنچتے ہی طواف کیا تھا اور پھر 10 ذوالحج کو بھی سب نے طواف افاضہ کیا تھا، تو پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف ایک طواف کی بات کیوں کی؟ اس اشکال کو مختلف طریقوں سے حل کیا گیا ہے اور ہر کسی نے اپنے اپنے موقف کے مطابق تاویلات کی ہیں، اس اشکال کے حل میں سب سے بہترین جواب ابن قیم رحمہ اللہ کا ہے، اور وہ یہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طواف سے مراد ''طواف بیت اللہ'' لیا ہی نہیں۔ وہ تو اس سے سعی مراد لے رہی تھیں کیونکہ وہ صفا ومروہ کے درمیان سعی (اور دوڑنے) کے لیے بھی احادیث نبویہ ﷺ میں طواف کا لفظ عام مستعمل ہے اور قرآن مجید میں بھی سعی کو طواف کہا گیا ہے، (البقرۃ 2:158) الغرض سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے

کہ حج تمتع والوں نے دوبارہ سعی کی اور حج مفرد والوں نے صرف ایک بار......دوسرا بہترین حل علامہ سندھی رحمہ اللہ کا ہے جو انھوں نے حاشیہ بخاری میں لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ مراد لیتی تھیں کہ حج تمتع والوں نے حج اور عمرے کے لیے دو طواف رُکن کی حیثیت سے ادا کیے تھے کیونکہ وہ حج اور عمرے کے لیے الگ الگ احرام باندھتے ہیں اور ہر احرام کے متعلقہ رُکن الگ الگ ادا کرتے ہیں، جبکہ حج مفرد اور حج قران والوں نے رکن کی حیثیت سے صرف ایک طواف کیا تھا یعنی 10 ذوالحج کا طواف افاضہ اور ان کا شروع والا طواف یعنی طواف قدوم حج کے رکن کے طور پر نہ تھا بلکہ وہ تو محض مسنون ہے۔

[926] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ بِمِثْلِ ذَلِكَ.

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔

[927] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ: قَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَشَكَوْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: افْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتَّى تَطْهُرِي.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں مکہ میں اس حال میں آئی کہ میں حیض میں مبتلا تھی، چنانچہ میں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان (سعی کے) چکر لگائے، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو وہ سب کچھ کر جو حاجی کرتا ہے، سوائے اس کے کہ تو نہ بیت اللہ کا طواف کرے گی، اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گی یہاں تک کہ تو (حیض سے) پاک ہو جائے۔“

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمَرْأَةِ الَّتِي تُهِلُّ بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ تَدْخُلُ مَكَّةَ مُوَافِيَةً لِلْحَجِّ وَهِيَ حَائِضٌ، لَا تَسْتَطِيعُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ: إِنَّهَا إِذَا خَشِيَتِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس حیض والی عورت کے حوالے سے فرمایا جو (حج تمتع کرنے کے لیے پہلے صرف) عمرے کا احرام باندھتی ہے، پھر مکہ میں اس حال میں داخل ہوتی ہے

[926] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب الحج، باب طواف القارن، حديث: 1638، 4395، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوه الاحرام، حديث: 1211/ 111.

[927] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب الحج، باب تقضى الحائض المناسك كلها الاالطواف بالبيت، حديث: 1650، 294، 305، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام، حديث: 1211/ 119- 121.

الْفَوَاتَ أَهَلَّتْ بِالْحَجِّ وَأَهْدَتْ، وَكَانَتْ مِثْلَ مَنْ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَأَجْزَأَ عَنْهَا طَوَافٌ وَاحِدٌ، وَالْمَرْأَةُ الْحَائِضُ إِذَا كَانَتْ قَدْ طَافَتْ بِالْبَيْتِ، وَصَلَّتْ قَبْلَ أَنْ تَحِيضَ، فَإِنَّهَا تَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَتَقِفُ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ، وَتَرْمِي الْجِمَارَ، غَيْرَ أَنَّهَا لَا تُفِيضُ حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا.

کہ (وہ حج پر جھانک رہی ہو) اور وہ حیض میں مبتلا ہو (جس کی بنا پر) وہ بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے، (نہ وہ عمرہ کر سکی اور نہ احرام کھول سکی اور ادھر حج بھی شروع ہو گیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ ایسی عورت جب (حیض سے فراغت کے انتظار کی صورت میں) حج کے رہ جانے کا خطرہ محسوس کرے تو وہ (عمرے کا احرام ختم کر کے) حج کا احرام باندھ لے (جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا) اور ایک ہدی جانور قربان کرے، اور یہ عورت اس شخص کی طرح (کی حیثیت پالیتی) ہے جو (ابتدا ہی سے) حج وعمرہ کو ملا کر (حج قران) کرتا ہے اور (اگر چہ خود ابتداءً حج تمتع کرنا چاہتی تھی لیکن اب وہ حج قران والی بن گئی ہے لہٰذا) اس کی طرف سے ایک طواف کفایت کر جائے گا، (اگر حج تمتع ہوتا تو اسے دو طواف یعنی دوبارہ صفا ومروہ کی سعی کرنا پڑتی) اور حیض والی عورت جب حیض شروع ہونے سے پہلے پہلے بیت اللہ کا طواف کر لے اور (طواف کی) نماز (دو رکعتیں) پڑھ لے تو بلاشبہ وہ (حالت حیض میں) صفا ومروہ کے درمیان سعی کر لے گی، عرفات ومزدلفہ میں وقوف بھی کرے گی اور جمروں کو کنکریاں بھی مارے گی (کیونکہ ان کاموں کی ادائیگی میں حیض سے پاک ہونا شرط نہیں ہے) مگر یقیناً وہ طواف افاضہ نہیں کرے گی یہاں تک کہ وہ اپنے حیض سے پاک ہو جائے (اور مسجد میں داخل ہونے کے قابل ہو جائے۔)

فائدہ: ......آج کل مسجد حرام کی توسیع کی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان والی جگہ مسجد حرام کا حصہ بن چکی ہے، اس لیے حیض والی عورت صفا ومروہ کا طواف کرے گی تو وہ مسجد میں داخل ہو گی اور یہ چیز اس لیے جائز نہیں لہٰذا آج کل وہ صفا ومروہ کا طواف نہیں کر سکتی۔

75- بَابُ إِفَاضَةِ الْحَائِضِ

حیض والی عورت کے طواف افاضہ کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چھ روایات ہیں، چار مرفوع (احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن میں سے ایک ضعیف ہے اور دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ: ......ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے لفظ ''اِفاضہ'' لغوی معنی میں مراد لے کر اس باب سے یہ ثابت کیا ہو کہ حیض والی عورت طواف الوداع کیے بغیر اپنے علاقے کو واپس لوٹ سکتی ہے، ''افاضہ'' کے لغوی معنی لوٹنے کے ہیں......اور یہ بھی احتمال ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اصطلاحی معنی یعنی ''طواف افاضہ'' مراد لے کر یہ ثابت کیا ہو کہ حیض والی عورت سے اگر چہ طواف الوداع ساقط ہو جاتا ہے لیکن 10 ذوالحج والا طواف جو کہ حج کا رکن ہے، ساقط نہیں ہوتا،

لہٰذا اس پر لازم ہے کہ حیض سے فراغت کا انتظار کرے خواہ جتنے بھی دن لگیں اور پھر یہ طواف افاضہ کرے اگرچہ ایام حج ختم ہو چکے ہوں، عورت کے اس فطری عذر کی بنا پر اُسے یہ اجازت ہے کہ ایام حج کے بعد یہ طواف کر لے.....سعودی عرب میں سرکاری سطح پر بھی اس معاملے کا خیال رکھا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی عورت حیض کی وجہ سے وقت پر طواف افاضہ نہ کر سکے اور اُدھر اُس کی واپسی روانگی والی فلائٹ کا وقت آ جائے تو وہ اس میں تاخیر کرا دیتے ہیں۔ آج کل تو عرب علماء نے حیض کی عارضی بندش کرنے والی گولیاں کھا لینے کی اجازت دے کر بھی اس مسئلے کا حل نکال رکھا ہے تا کہ عورتیں ایام حج میں اس عارضے سے محفوظ رہیں اور بین الاقوامی آمد و رفت کا معاملہ متاثر نہ ہو۔

[928] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ : أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ حَاضَتْ ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟ فَقِيلَ : إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ . فَقَالَ : فَلاَ إِذاً .

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا حیض میں مبتلا ہو گئیں، چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ کے حضور اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟'' تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یقیناً وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر (رُکنے کی کوئی بات) نہیں۔''

فائدہ: ......سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے 10 ذوالحج کو طواف افاضہ کیا، پھر 13 ذوالحج کی رات انھیں حیض شروع ہو گیا اور صبح روانگی بھی ہونا تھی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا کہ شاید اس کا طواف افاضہ باقی ہو، اور اس صورت میں نہ وہ واپس روانہ ہو سکتی ہے اور نہ ہم اُسے چھوڑ کر جا سکتے ہیں، چنانچہ ہمیں رُکنا پڑے گا، اس سے معلوم ہوا کہ طواف افاضہ حج کا رکن ہے جس کے لیے رُکنا لازم ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ طواف الوداع رُکن حج نہیں، اگرچہ حیض والی کے سوا ہر کسی کو حکم ہے کہ اُسے کرے، حیض والی مستثنیٰ ہے لیکن اگر وہ اس کے لیے بھی رکنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔

[929] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَمْرَةَ

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً

[928] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب اذا حاضت المراة بعد ما افاضت ، حديث: 1561، 1762، 1771، 1772، 4401، 5329، 6157، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض ، حديث: 1211/ 383، 384، بعد از حديث: 1328، ابوداؤد: 2003، ترمذی: 943، ابن ماجه: 3072، احمد: 6/ 38 (24602)۔

[929] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحيض، باب المراة تحيض بعد الافاضة، حديث: 328، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض ، حديث: 1211/ 385 بعد از حديث: 1328، نسائی: 391۔

بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا، أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ بِالْبَيْتِ؟ قُلْنَ: بَلَى. قَالَ: فَاخْرُجْنَ.

سیدہ صفیہ بنت حیی ؓ کو حیض آ گیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شاید کہ وہ ہمیں روک دے، کیا اس نے تمھارے ساتھ بیت اللہ کا طواف (افاضہ) نہیں کیا؟" عورتوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں (وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر نکل پڑو۔"

[930] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ كَانَتْ إِذَا حَجَّتْ، وَمَعَهَا نِسَاءٌ تَخَافُ أَنْ يَحِضْنَ، قَدَّمَتْهُنَّ يَوْمَ النَّحْرِ فَأَفَضْنَ، فَإِنْ حِضْنَ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ تَنْتَظِرْهُنَّ، فَتَنْفِرُ بِهِنَّ وَهُنَّ حُيَّضٌ، إِذَا كُنَّ قَدْ أَفَضْنَ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن ؒ سے روایت ہے کہ بے شک ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ جب حج کرتیں اور ان کے ساتھ عورتیں ہوتیں، (پھر اگر) انھیں خطرہ ہوتا کہ ان کو حیض شروع ہو جائے گا تو انھیں یوم نحر 10 ذوالحج کو (باقی لوگوں سے) پہلے ہی (مکہ کی طرف) بھیج دیتیں، چنانچہ وہ (حیض شروع ہونے سے پہلے پہلے طواف افاضہ کر لیتیں، پھر اگر اس کے بعد ان کو حیض شروع ہو جاتا تو وہ ان) (کے حیض رُکنے) کا انتظار نہ کرتیں اور ان کو لے کر (مدینہ کی طرف) چل پڑتیں، اس حال میں کہ وہ حیض میں مبتلا ہوتی تھیں، (اور یہ روانگی تبھی ہوتی تھی) جب کہ وہ عورتیں طواف افاضہ کر چکی ہوتیں۔

[931] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهَا قَدْ حَاضَتْ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَعَلَّهَا حَابِسَتُنَا؟ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ

اُم المومنین سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ ؓ کا تذکرہ فرمایا، تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ بے شک وہ تو حیض سے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ممکن ہے کہ وہ ہمیں (روانگی سے) روک دے۔" تو گھر والوں نے بتایا کہ بلاشبہ وہ طواف

[930] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 163 (9757)، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 149 (3104)، الشافعى فى الأم: 2/ 181، وفى المسند: 1/ 577۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[931] (مرفوع صحيح) سنن ابى داود، كتاب المناسك، باب الحائض تخرج بعد الافاضة، حديث: 2003، بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 162، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 148 (3101)، الشافعى فى الام: 2/ 181، وفى المسند: 1/ 577۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

اللّٰهِ ، إِنَّهَا قَدْ طَافَتْ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَلَا إِذاً .

افاضہ کرچکی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر (ہم) نہیں (رکیں گے)۔''

فائدہ :...... تفصیلی روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے مباشرت کا ارادہ فرمایا تھا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی حالت حیض کا تذکرہ کیا۔ (بخاری: 1733، مسلم: 1211/386) ...... یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو یہ علم تھا کہ انھوں نے طواف افاضہ کرلیا ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا'' کہ کیا وہ ہمیں روک دے گی؟'' اور اگر آپ ﷺ کو ان کے طواف افاضہ کا علم نہ تھا تو پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا احرام کھلنے سے پہلے مباشرت کا ارادہ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے قبل آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ سے طواف افاضہ کے لیے جانے کی رخصت لے چکی تھیں تو آپ ﷺ نے اس سے یہی سمجھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ طواف کرلیا ہوگا لیکن آپ ﷺ کو جب ان کے حیض کا علم ہوا تو آپ ﷺ کے ذہن میں آیا کہ شاید یہ حیض چند دن پہلے سے جاری ہو اور وہ طواف افاضہ نہ کر پائی ہوں، اس لیے آپ ﷺ نے اس کی تحقیق فرمائی۔

[932] قَالَ مَالِكٌ : قَالَ هِشَامٌ : قَالَ عُرْوَةُ : قَالَتْ عَائِشَةُ : وَنَحْنُ نَذْكُرُ ذٰلِكَ ، فَلِمَ يُقَدِّمُ النَّاسُ نِسَاءَ هُمْ ، إِنْ كَانَ ذٰلِكَ لَا يَنْفَعُهُنَّ ، وَلَوْ كَانَ الَّذِي يَقُولُونَ ، لَأَصْبَحَ بِمِنًى أَكْثَرُ مِنْ سِتَّةِ آلَافِ امْرَأَةٍ حَائِضٍ ، كُلُّهُنَّ قَدْ أَفَاضَتْ .

عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حال میں کہ ہم (آپس میں) اس (مسئلے) کا تذکرہ کر رہے تھے (کہ کیا عورت طواف الوداع کے لیے انتظار کرے گی یا نہیں؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:) تو پھر لوگ اپنی عورتوں کو (حیض کی آمد کے خطرے کے پیش نظر 10 ذوالحج کو عام لوگوں سے) پہلے ہی کیوں آگے (مکہ کی طرف طواف افاضہ کے لیے) بھیج دیتے ہیں؟ اگر یہ عمل ان عورتوں کو نفع نہیں دیتا (تو پھر لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟) اور اگر وہی بات ہوتی جو یہ (چند) لوگ کہہ رہے ہیں (کہ طواف الوداع کیے بغیر عورتیں نہیں جاسکتیں) تو پھر چھ ہزار سے زائد حیض والی عورتیں منیٰ میں پڑی رہتیں جو سب کی سب طواف افاضہ بھی کر چکی ہوتیں۔

فائدہ :...... بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ حیض والی عورتوں پر بھی طواف الوداع لازم ہے اور اس کے لیے انھیں انتظار کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی عورت پہلے جا کر طواف افاضہ کر بھی لے تو اس سے حیض کی بنا پر طواف الوداع ساقط نہیں ہوتا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسے لوگوں پر دو اعتراضات کرتے ہوئے الزامی جواب دیے ہیں، ایک یہ کہ اگر خصوصی اہتمام کے ساتھ بھیجنے کی مشقت برداشت کر کے ایسی عورتوں کو پہلے ہی طواف افاضہ کرا لینے سے کچھ فائدہ نہیں نکلتا تو کیا

[932] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 5/ 162، وفي معرفة السنن والآثار: 4/ 148 (3101)، شافعي في الأم: 2/ 181، وفي المسند: 1/ 577۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

وہ سارے لوگ شریعت سے جاہل اور بے وقوف ہیں جو یہ عمل کرتے ہیں، دوسرا یہ کہ اگر یہی بات ہوتی تو پھر حج ختم ہونے کے باوجود حیض والی ہزاروں عورتوں کے خیمے منیٰ میں لگے رہتے اور ان کی وجہ سے مزید ہزاروں افراد اور قافلے یہاں انتظار میں پڑے پریشان ہوتے رہتے......دراصل حضرت عمر، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما حیض والیوں کے لیے بھی طواف الوداع کو لازم قرار دیتے تھے، بعد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تو حدیث معلوم ہوجانے پر اس موقف سے رجوع کرلیا تھا، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع معلوم نہ ہوسکا۔ بہرحال حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں قول عمر رضی اللہ عنہ بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

[933] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ بِنْتَ مِلْحَانَ اسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَحَاضَتْ، أَوْ وَلَدَتْ، بَعْدَ مَا أَفَاضَتْ يَوْمَ النَّحْرِ، فَأَذِنَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَخَرَجَتْ.

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت اُم سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا، اس حال میں کہ یوم نحر 10 ذوالحج کو طواف افاضہ کرلینے کے بعد انھیں حیض شروع ہوگیا تھا، یا اُن کے ہاں ولادت ہوگئی تھی (اور نفاس کا خون آنے لگا تھا اور خون حیض اور خون نفاس مسجد میں جا کر طواف الوداع کرنے میں رکاوٹ تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی (کہ بغیر طواف الوداع کے وہ واپس جاسکتی ہیں)، چنانچہ وہ (مدینہ کی طرف) نکل کھڑی ہوئیں۔

فائدہ:...... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے متاثر ہوکر انصار مدینہ بھی حیض والیوں کے طواف الوداع کو لازم سمجھتے تھے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے لیے استثنا کے قائل تھے اور اس کا فتویٰ بھی دیتے تھے، جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نہ مانے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے قبیلے کی فلاں عورت یعنی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے دریافت کرلو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کیا حکم فرمایا تھا، چنانچہ وہ گئے اور پھر واپس آکر اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔ (مسلم:1328) حضرت زید اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہما بھی انصار میں سے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمَرْأَةُ تَحِيضُ بِمِنًى تُقِيمُ حَتَّى تَطُوفَ بِالْبَيْتِ، لَا بُدَّ لَهَا مِنْ ذٰلِكَ، وَإِنْ كَانَتْ قَدْ أَفَاضَتْ فَحَاضَتْ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ، فَلْتَنْصَرِفْ إِلَى بَلَدِهَا، فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنَا فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور وہ عورت جسے (طواف افاضہ سے پہلے ہی) منیٰ میں حیض آجائے تو وہ (وہیں) ٹھہری رہے گی، یہاں تک بیت اللہ کا طواف کرلے (کیونکہ طواف افاضہ تو حج کا رکن ہے) اس کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ

[933] (مرفوع ضعیف) شافعی فی الام: 2/ 181، اسحاق بن راھویہ فی المسند: 5/ 58 (2163)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذَلِكَ رُخْصَةٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِلْحَائِضِ . نہیں اور (ہاں) اگر وہ طواف افاضہ کر چکی ہو، پھر اس افاضہ کے بعد اُسے حیض آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے شہر کی طرف چلی جائے کیونکہ بلاشبہ ہمیں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ (کی جانب) سے حیض والی کے لیے رخصت (کی روایت) پہنچ چکی ہے۔

قَالَ : وَإِنْ حَاضَتِ الْمَرْأَةُ بِمِنًى قَبْلَ أَنْ تُفِيضَ ، فَإِنَّ كَرِيَّهَا يُحْبَسُ عَلَيْهَا ، أَكْثَرَ مِمَّا يَحْبِسُ النِّسَاءَ الدَّمُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر عورت کو منیٰ میں حیض آجائے پہلے اس سے کہ وہ طواف افاضہ کرتی تو بلاشبہ اُسے کرائے پر اپنا سواری والا جانور دینے والا شخص بھی اس کے ساتھ اس زیادہ سے زیادہ مدت تک روک لیا جائے گا جس میں خون عورتوں کو روکے رکھتا ہے۔

فائدہ : ......اور یہ مدت موالک وشوافع کے نزدیک پندرہ دن ہے جبکہ احناف اور اہلحدیث کے نزدیک دس دن ہے، اگر اس سے زیادہ خون جاری رہے تو وہ استحاضہ اور بیماری کا خون ہوتا ہے، بہرحال خونِ حیض کے اختتام میں جتنے دن بھی لگیں عورت کے طواف افاضہ کی خاطر انتظار کیا جائے گا، یہ انتظار اس کے خاوند یا کسی محرم رشتہ دار کو کرنا پڑے گا، مذکورہ فتویٰ میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں ایک اور شخص کو بھی ان کے ساتھ رُکنا ہوگا جس نے سواری کے لیے اپنا کرائے والا جانور انھیں دے رکھا ہو......جس طرح آج کل تانگوں کا سلسلہ ہے اسی طرح گزشتہ دور میں سواری والا جانور اپنے مالک سمیت کرائے پر حاصل کیا جاتا تھا تاکہ کرائے والی مدت کے دوران اس کی دیکھ بھال بھی وہی کر سکے، ظاہر بات ہے کہ کرائے کے حوالے سے مدت طے کی جاتی ہے کہ اتنے دنوں کے لیے یہ سواری مطلوب ہے اور اسی حساب سے کرایہ کی قیمت اور مقدار مقرر کی جاتی ہے......چنانچہ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کرائے کی مدّت مذکورہ بالا مسئلہ ملحوظ رکھ کر طے کی جائے گی کہ اگر حیض کے عارضے کی بنا پر عورت کو چند مزید دن طواف افاضہ کے لیے رکنا پڑا تو تم بھی ساتھ رکے رہو گے، اس انتظار کی بنا پر نہ تو کرائے کی مقدار میں جھگڑا کھڑا کرو گے اور نہ ہی بکنگ کو ختم سمجھ کر مدت معاہدہ کا تنازعہ کھڑا کرو گے......موطا کے اکثر ہندی نسخوں میں "كَرِيَّهَا" کا لفظ یاء کی بجائے ایک نقطے والی باء کے ساتھ ہے اور اگلا لفظ تاء کے ساتھ ہے، یعنی عبارت یوں ہے: ((فَإِنْ كَرِبَّهَا تُحْبَسُ)) اُس وقت معنی یوں ہوں گے: ''پھر اگر خون اُسے مسلسل جاری رہے تو اُس عورت کو روکا جائے گا (حیض کی اکثر مدت تک)''۔ مصری نسخوں میں "كَرِيَّهَا يُحْبَسُ" دونوں لفظ دو نقطوں والی یاء کے ساتھ ہیں اور یہ عبارت راجح ہے اور ہم نے بھی اسی کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ اور شرح کی ہے۔

76- بَابٌ فِدْيَةُ مَا أُصِيبَ مِنَ الطَّيْرِ وَالْوَحْشِ

اُن پرندوں اور جنگلی جانوروں کے فدیے کا بیان جو (شکار میں) مارے جائیں

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، دو موقوف اور دو مقطوع ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ:...... پیچھے باب: 24-27 میں بھی حالت احرام میں شکار کے حوالے سے بحث کی گئی ہے، اس شکار کے فدیے اور جرمانے کو قرآن مجید میں "جَزَاء" کہا گیا ہے۔ (المائدہ: 95:5) جس کی کچھ تفصیل باب: 27 میں مذکور ہے۔

[934] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَضَى فِي الضَّبُعِ بِكَبْشٍ، وَفِي الْغَزَالِ بِعَنْزٍ، وَفِي الأَرْنَبِ بِعَنَاقٍ، وَفِي الْيَرْبُوعِ بِجَفْرَةٍ.

ابو زبیر مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بجو (کے شکار کے فدیے) میں ایک مینڈھے کا، ہرن میں ایک بکری کا، خرگوش میں تقریباً ایک سالہ بھیڑ یا بکری کے مادہ بچے کا اور جنگلی چوہے میں چار ماہ کے بکری کے مادہ بچے کا فیصلہ کیا۔

فائدہ:...... "يَرْبُوْع" ایک جنگلی جانور ہے جس کی شکل چوہے جیسی ہوتی ہے، زرافے کے برعکس اس کی پچھلی ٹانگیں بڑی اور اگلی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں...... یاد رہے کہ فدیہ میں دیا جانے والا جانور بھی ہدی کی حیثیت رکھتا ہے۔ (المائدۃ 5:95) اور ہدی کا جانور وہی ہوسکتا ہے جو ہدی کے قابل ہو اور اس کی قربانی کی جاسکتی ہو اور یہ بات اہلحدیث کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ دو دانتا جانور ہونا چاہیے اور مجبوری کی صورت میں بھیڑ دنبے کی نسل سے کھیرا جانور بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا خرگوش کا شکار کیا گیا ہو یا یربوع کا، ان میں اگر تو جانور کا فدیہ دینا ہو تو دو دانتا جانور یا بھیڑ دنبے کی نسل سے کھیرا جانور ہی ہوگا، ورنہ قیمت سے کام چلایا جائے گا۔

[935] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ قُرَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، أَنَّ رَجُلاً

محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، کہنے لگا کہ بے شک میں

---

[933] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 4/ 403 (8224)، بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 183، وفى السنن الصغير: 2/ 163، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 183 (3152)، الشافعى فى الام: 2/ 192، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 2/ 164۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[935] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 4/ 406 (8239، 8240)، بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 181، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 178 (3143)، الشافعى فى الام: 2/ 207۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

جَاءَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: إِنِّي أَجْرَيْتُ أَنَا وَصَاحِبٌ لِي فَرَسَيْنِ، نَسْتَبِقُ إِلَى ثُغْرَةِ ثَنِيَّةٍ، فَأَصَبْنَا ظَبْياً وَنَحْنُ مُحْرِمَانِ، فَمَاذَا تَرَى؟ فَقَالَ عُمَرُ لِرَجُلٍ إِلَى جَنْبِهِ: تَعَالَ حَتَّى أَحْكُمَ أَنَا وَأَنْتَ، قَالَ: فَحَكَمَا عَلَيْهِ بِعَنْزٍ، فَوَلَّى الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ: هَذَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لاَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَحْكُمَ فِي ظَبْيٍ، حَتَّى دَعَا رَجُلاً يَحْكُمُ مَعَهُ. فَسَمِعَ عُمَرُ قَوْلَ الرَّجُلِ، فَدَعَاهُ فَسَأَلَهُ: هَلْ تَقْرَأُ سُورَةَ الْمَائِدَةِ؟ قَالَ: لاَ. قَالَ فَهَلْ تَعْرِفُ هَذَا الرَّجُلَ الَّذِي حَكَمَ مَعِي؟ فَقَالَ: لاَ. فَقَالَ لَوْ أَخْبَرْتَنِي أَنَّكَ تَقْرَأُ سُورَةَ الْمَائِدَةِ لأَوْجَعْتُكَ ضَرْباً، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: 95] وَهَذَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ.

نے اور میرے ایک ساتھی نے (پہاڑ کی) ایک تنگ گھاٹی کی طرف گھوڑے دوڑائے، (ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، تو (وہاں) ہم نے ایک ہرن شکار کر لیا اس حال میں کہ ہم دونوں حالتِ احرام میں تھے، لہٰذا آپ (اس بارے میں) کیا خیال کرتے ہیں؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا جو اُن کے پہلو میں تھا کہ آؤ تا کہ میں اور تم (اس شکار کی جزا اور فدیے کا) فیصلہ کر دیں، ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اُن دونوں نے ایک بکری کا فیصلہ کیا، پس وہ آدمی اس حال میں مڑا کہ کہہ رہا تھا: یہ امیر المومنین ہیں کہ ایک ہرن کے متعلق (خود اکیلے) فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، یہاں تک کہ انھوں نے ایک اور شخص کو بلایا جو ان کے ساتھ (مل کر) فیصلہ کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کی یہ بات سن لی تو اسے بلا لیا پھر فرمایا کہ کیا تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پھر فرمایا کہ کیا تو اس شخص کو پہچانتا ہے جس نے میرے ساتھ فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر تو مجھے یہ بتاتا کہ تو سورۂ مائدہ پڑھتا ہے تو میں تجھے مار کر تکلیف پہنچاتا (اور سخت سزا دیتا)، پھر فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں محرم شخص کے شکار کے تذکرے) میں فرماتے ہیں: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ (المائدة 5 : 95) ''اس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے شخص کریں گے، یہ (فدیہ) ہدی کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے گا۔'' اور یہ (میرے ساتھ مل کر فیصلہ کرنے والی شخصیت) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (ہیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے اور بدری صحابہ میں سے) ہیں۔

فائدہ: ......معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اس شخص کو دو باتوں پر تعجب تھا، ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکیلے ہی یہ فیصلہ کیوں نہ کیا، اور دوسرا یہ کہ ایک ایسے شخص کو فیصلہ کرنے میں شریک کیا جو ظاہری طور پر اس اعزاز کے قابل معلوم نہیں ہوتا تھا۔

[936] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ : أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَقُولُ : فِي الْبَقَرَةِ مِنَ الْوَحْشِ بَقَرَةٌ، وَفِي الشَّاةِ مِنَ الظِّبَاءِ شَاةٌ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ان کے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) فرمایا کرتے تھے: جنگلی گائے (نیل گائے کے شکار کے فدیے) میں ایک گائے اور ہرنیوں میں سے ایک بکری (یعنی ایک عدد ہرنی کے قتل) میں ایک بکری واجب ہے۔

فائدہ: ...... چونکہ ہرن کی شکل بکری سے ملتی جلتی ہے اس لیے انھوں نے ایک ہرنی کے لیے ایک بکری کا لفظ استعمال کیا، بہرحال احرام باندھنے والا شخص جیسی ہرنی یا گائے یا جنگلی حلال جانور شکار کرکے مارے گا اُسی کے جسم کے حساب سے گائے یا بکری وغیرہ فدیہ میں دے گا، بشرطیکہ مُسِنّہ ہو یعنی فدیہ میں دیا جانے والا جانور قربانی کے قابل ہو۔

[937] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : فِي حَمَامِ مَكَّةَ إِذَا قُتِلَ شَاةٌ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ مکہ کے کبوتر میں، جب اُسے قتل کر دیا جائے، ایک بکری ہے۔

فائدہ: ...... یہ فتویٰ صرف اور صرف حرم مکہ کے کبوتروں کے متعلق ہے اور یہ بھی محض تغلیظ اور سختی کے طور پر ہے، چنانچہ کئی ایک صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، ان کے موقف کے مطابق اگر کبوتر کا فدیہ تھوڑا مقرر کیا جائے تو ان کا قتل عام ہو جائے گا لیکن بہرحال قرآن مجید میں یہ ثابت نہیں ہے، حلال پرندوں کے قتل میں فدیہ و جرمانہ تو لازم ہے لیکن چونکہ یہ کسی چوپائے کے ہم شکل نہیں ہوتے اس لیے راجح موقف کے مطابق ان کی قیمت لگا کر فدیہ دیا جائے گا، اگر کوئی محرم حالت احرام میں مکہ کے علاوہ کہیں اور یعنی حرم مواقیت میں کبوتر مارے تو پھر اس کی صرف قیمت دینے پر اتفاق ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، وَفِي بَيْتِهِ فِرَاخٌ مِنْ حَمَامِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اہل مکہ میں سے ہو، وہ اس حال میں حج یا عمرے کا احرام باندھتا ہے کہ

[936] (مقطوع صحيح) بيهقي: 5/ 182 (9871)، عبدالرزاق: 8212، ابن ابی شيبه: 14422- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[937] (مقطوع صحيح) بيهقي: 5/ 206 (10008)، عبدالرزاق: 4/ 8272- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

مَكَّةَ ، فَيُغْلَقُ عَلَيْهَا فَتَمُوتُ . فَقَالَ : أَرَى بِأَنْ يَفْدِيَ ذَلِكَ عَنْ كُلِّ فَرْخٍ بِشَاةٍ .

اس کے گھر میں مکہ کے کبوتروں کے چوزے ہوں، (کبوتروں نے اس کے گھر میں گھونسلا بنا کر بچے دے رکھے ہوں، خواہ اسے خبر ہو یا نہ ہو) پھر وہ گھر کوان بچوں پر بند کر دیتا ہے (خواہ احرام باندھ کر گھر کے سب دروازے، کھڑکیاں اور روشندان بند کر کے چلا جائے) جس سے وہ بچے مرجائیں، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ وہ ہر چوزے کے عوض ایک ایک بکری فدیے میں دے گا۔

فائدہ :...... کیونکہ وہی ان کی موت کا سبب بنا ہے اور یہ چوزے بھی حرم کے کبوتروں میں سے تھے...... احرام باندھنے کا ذکر صرف مثال بیان کرنے کے طور پر ہے، ورنہ اس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص سفر وغیرہ کسی بھی سبب سے گھر بند کر جائے جس سے حرم کے پرندے مرجائیں تو اس پر فدیہ لازم ہے، حرم کے باسیوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر میں پرندوں کی آمدورفت کا خیال رکھیں، ان کے گھونسلوں کی حفاظت کریں۔ اگر وہ کسی بھی طرح ان کے قتل کا ذریعہ بن گئے تو ان کا فدیہ لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ : لَمْ أَزَلْ أَسْمَعُ أَنَّ فِي النَّعَامَةِ إِذَا قَتَلَهَا الْمُحْرِمُ بَدَنَةً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تو ہمیشہ سے یہی سنتا آرہا ہوں کہ بے شک شترمرغ میں جب محرم اسے قتل کر ڈالے، ایک اونٹ لازم ہے۔

فائدہ :......امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی فتویٰ منقول ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : أَرَى أَنَّ فِي بَيْضَةِ النَّعَامَةِ عُشْرَ ثَمَنِ الْبَدَنَةِ ، كَمَا يَكُونُ فِي جَنِينِ الْحُرَّةِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ ، وَقِيمَةُ الْغُرَّةِ خَمْسُونَ دِينَاراً ، وَذَلِكَ عُشْرُ دِيَةِ أُمِّهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ شترمرغ کے انڈے (کوتوڑنے) میں اونٹ کی قیمت کا دسواں حصہ لازم ہے، جس طرح کہ آزاد عورت کے پیٹ کے بچے (کے قتل) میں ایک غُرّة (پیشانی یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی) لازم ہوتی ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غُرّة (یعنی غلام یا لونڈی) کی قیمت پچاس دینار ہے اور یہ بچے کی ماں کا دیت کا دسواں حصہ ہے۔

فائدہ :......کوئی شخص کسی حاملہ عورت کو اس طرح قتل کرے کہ عورت کا بچہ بھی ضائع ہو جائے تو اس کی دیت میں ایک غلام لازم آتا ہے۔ جس کی عام قیمت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک 50 دینار تھی اور عورت بھی مرجائے تو اس کی دیت 100 اُونٹ ہے جس کا تخمینہ امام مالک رحمہ اللہ کے دور میں 500 دینار (سونے کی اشرفیاں) تھی اور 500 دینار کا دسواں حصہ 50 دینار ہی بنتے ہیں......اس فتویٰ میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو قیاس کیے ہیں، ایک یہ کہ جانور کے انڈے کو حاملہ کے حمل سے تشبیہ دی ہے اور دوسرا یہ کہ حمل کی دیت کو عورت کی دیت کا دسواں حصہ قرار دے کر

اس پر یہ قیاس کیا کہ انڈے کے توڑنے میں بھی شتر مرغ کے فدیے (اونٹ) کا دسواں حصہ لازم کیا، یعنی اونٹ کی قیمت کا دسواں حصہ ایک انڈے کا فدیہ قرار دیا ہے جو کہ کئی بکریوں کی قیمت کے برابر ہے...... ہماری رائے میں محرم کے انڈہ توڑنے میں فدیہ تب لازم ہوگا جب اس میں بچہ ہو اور وہ انڈہ توڑنے سے مرجائے، ورنہ نہیں، واللہ اعلم۔ نیز غلاموں لونڈیوں کی قیمتیں برابر نہیں ہوتیں، ان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے قیمت میں کمی زیادتی ہوتی ہے، کوئی قیمت مقرر نہیں کی جاسکتی، اِدھر آزاد آدمی کے قتل کی دیت شریعت میں سو اونٹ متعین ہے اور ممکن ہے کہ ایک غلام کی قیمت سو اونٹوں کی قیمت کا دسواں حصہ ہو یا سوواں یا ہزارواں حصہ، اس لیے انڈے کے معاملے کو غلام کی قیمت متعین کر کے اس پر قیاس نہیں کر سکتے، نیز شتر مرغ کے قتل میں اونٹ لازم کرنا بھی حدیث سے تو ثابت نہیں ہے، محض قیاس ہی کیا گیا ہے جیسا کہ ''حیات الحیوان'' میں علامہ دمیری نے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ شَيْءٍ مِنَ النُّسُورِ، أَوِ الْعِقْبَانِ، أَوِ الْبُزَاةِ، أَوِ الرَّخَمِ، فَإِنَّهُ صَيْدٌ يُودَى، كَمَا يُودَى الصَّيْدُ إِذَا قَتَلَهُ الْمُحْرِمُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کرگسوں (مردار کھانے والے پرندے یعنی گدھ)، عقابوں، بازوؤں (شکروں) اور مردار خور پرندوں میں سے ہر کوئی ''صید'' (شکار کیا جانے والا جانور ہی کہلاتا) ہے۔ اس کا بھی اسی طرح فدیہ دیا جائے گا جس طرح کہ (کسی بھی دوسرے) شکار کا فدیہ دیا جاتا ہے جس وقت کہ کوئی محرم اسے قتل کرے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر ماکول اللحم پرندوں کے شکار میں بھی محرم پر فدیہ عائد ہوتا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے ہاں ان کے مارنے پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے باب: 24 کا ابتدائی فائدہ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ شَيْءٍ فُدِيَ، فَفِي صِغَارِهِ مِثْلُ مَا يَكُونُ فِي كِبَارِهِ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ مَثَلُ دِيَةِ الْحُرِّ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، فَهُمَا بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ سَوَاءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کا فدیہ دیا جاتا ہے اس (جانور) کے چھوٹے بچوں (کے قتل) میں بھی وہی (فدیہ) لازم ہے جو اس کے بڑوں میں ہوتا ہے اور یقیناً اس کی مثال آزاد شخص کی دیت کی سی ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ دونوں برابر ایک ہی مقام پر (شمار ہوتے) ہیں۔

فائدہ: ...... خواہ آزاد نوجوان یا بوڑھا شخص قتل ہو یا نوعمر بچے یا نومولود کو قتل کیا جائے، سب کے قتل میں سو اونٹ لازم ہیں، اسی طرح بڑی ہرنی کو شکار کیا جائے یا چھوٹی کو، محرم پر اس میں ایک بکری لازم ہوگی۔

77- بَابٌ: فِدْيَةُ مَنْ أَصَابَ شَيْئاً مِنَ الْجَرَادِ وَهُوَ مُحْرِمٌ

اس شخص کے فدیے کا بیان جو حالت احرام میں ٹڈی دل میں سے کسی کو مارے

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ ؓ ہیں اور دونوں ہی ضعیف ہیں۔

فائدہ: ......ٹڈی دل سے مراد اُڑنے والی ٹڈیوں کا وہ لشکر ہے جو کبھی کبھار ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں سمندر کی جانب سے خشکی پر حملہ آور ہوتا ہے اور ہر سبزے والی چیز کو چٹ کر جاتا ہے، کچھ لوگ ان کو بھی مکڑیاں کہہ دیتے ہیں لیکن یہ معنی درست نہیں ہیں...... یہ ٹڈی دل بالاتفاق حلال ہیں۔ انھیں ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں، مچھلی کی طرح یہ بھی مردار ہونے کے باوجود حلال ہیں، محرم کے لیے ان کا شکار ممنوع ہے کیونکہ یہ خشکی کا شکار ہے نہ کہ سمندر کا۔

[938] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي أَصَبْتُ جَرَادَاتٍ بِسَوْطِي وَأَنَا مُحْرِمٌ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَطْعِمْ قَبْضَةً مِنْ طَعَامٍ.

زید بن اسلم ؒ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب ؓ کے پاس آیا، پھر کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! بے شک میں نے اپنے کوڑے کے ساتھ کچھ ٹڈیاں ماردی تھیں اس حال میں کہ محرم تھا تو حضرت عمر ؓ نے اس سے فرمایا: ''ایک مٹھی بھر کھانا کھلا دو۔

فائدہ: ......کیونکہ ٹڈی کا مشابہ چوپایہ تو کوئی ہے نہیں، اس لیے اس کی قیمت دیں گے اور ہر ٹڈی کی طرف سے ایک کھجور فدیہ میں دینا کافی ہے۔

[939] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَسَأَلَهُ عَنْ جَرَادَاتٍ قَتَلَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَقَالَ عُمَرُ لِكَعْبٍ: تَعَالَ حَتَّى نَحْكُمَ. فَقَالَ كَعْبٌ: دِرْهَمٌ. فَقَالَ عُمَرُ لِكَعْبٍ: إِنَّكَ لَتَجِدُ الدَّرَاهِمَ، لَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ.

یحییٰ بن سعید ؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب ؓ کی طرف آیا، اس نے ان سے چند ٹڈیوں کے متعلق پوچھا جسے اُس نے حالت احرام میں مار دیا تھا، تو حضرت عمر ؓ نے کعب (بن مانع، المعروف کعب احبار ؒ) سے کہا کہ ادھر آؤ، تا کہ ہم دونوں مل کر فیصلہ کریں، تو کعب ؒ نے کہا کہ ایک درہم (اس کا فدیہ ہونا چاہیے) حضرت عمر ؓ فرمانے لگے کہ یقیناً تم تو بہت سے درہم رکھتے ہو (جبکہ ہر شخص ایسا نہیں ہے، اس لیے

[938] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[939] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 8246، بيهقى: 5/ 182 (9869)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک ٹڈی کے بدلے چاندی کا سکہ ''درہم'' فدیہ مقرر کرنا مناسب نہیں، بلکہ میری رائے یہ ہے کہ) ایک ٹڈی کی طرف سے ایک کھجور (فدیہ میں دینا درہم سے) بہتر ہے۔

78- بَابٌ: فِدْيَةُ مَنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَنْحَرَ

اس شخص کے فدیے کا بیان جو نحر (جانور قربان) کرنے سے پہلے سر مونڈ لے

خلاصۃ الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......اس مطلوبہ مسئلے کی دو صورتیں ہیں، اگر تو یوم نحر 10 ذوالحج سے قبل کوئی شخص کسی مجبوری کی بنا پر یا کسی بھی وجہ سے سر مونڈ لے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور اگر 10 ذوالحج کو نحر اور حلق کی ترتیب الٹ دے تو کوئی حرج اور کفارہ نہیں ہے۔ (بخاری: 83، مسلم: 1306)

[940] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ مَالِكٍ الْجَزَرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِماً، فَآذَاهُ الْقَمْلُ فِي رَأْسِهِ، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ وَقَالَ: صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، مُدَّيْنِ مُدَّيْنِ لِكُلِّ إِنْسَانٍ، أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ، أَيَّ ذَلِكَ فَعَلْتَ أَجْزَأَ عَنْكَ.

حضرت کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ حالت احرام میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، جوؤں نے اُنھیں اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں حکم دیا کہ اپنا سر مونڈ لیں اور فرمایا: ''(اس کے فدیے میں) تین دنوں کے روزے رکھ لو، یا چھ مسکینوں میں سے ہر کسی کو دو دو مُدّ کھانا کھلا دو، یا ایک بکری قربان کر دو، تم ان میں سے جو بھی کرو گے، وہ تم سے کافی ہو جائے گا۔

فائدہ: ......ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ (البقرۃ 2:196) ''اور اپنے سر نہ مونڈو یہاں تک کہ ہدی (قربانی کا جانور) اپنے حلال ہونے کی جگہ کو پہنچ جائے، پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے وہ قربانی سے پہلے ہی سر مونڈ لے) تو فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی کرے۔'' ان تین قسم کے کفاروں میں اختیار دیا گیا ہے اور قرآن مجید کے ان الفاظ کی تشریح میں خود رسول اللہ ﷺ نے تینوں کی مقدار متعین فرما دی ہے، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ (بخاری: 1817، مسلم: 1201) ایک

[940] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز حلق الراس للمحرم اذاکان به اذی، حدیث: 1201/ 83، سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی الفدیة، حدیث: 1861، ترمذی: 953، نسائی: 2854-

مُدّ کا تحقیقی وزن 525 گرام ہے، بعض 600 یا 625 گرام بھی کہتے ہیں۔

[941] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ أَبِي الْحَجَّاجِ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ: لَعَلَّكَ آذَاكَ هَوَامُّكَ فَقُلْتُ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: احْلِقْ رَأْسَكَ، وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ.

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''شاید تمھیں تمھارے ان موذی جانوروں (جوؤں) نے تکلیف دی ہے؟'' (وہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنا سر مونڈ لو اور تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا ایک بکری ذبح کرو۔''

فائدہ: ......ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کفارہ دینے سے پہلے سر مونڈا جا چکا ہو۔

[942] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُرَاسَانِيِّ أَنَّهُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَيْخٌ بِسُوقِ الْبُرَمِ بِالْكُوفَةِ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا أَنْفُخُ تَحْتَ قِدْرٍ لِأَصْحَابِي، وَقَدِ امْتَلَأَ رَأْسِي وَلِحْيَتِي قَمْلًا، فَأَخَذَ بِجَبْهَتِي، ثُمَّ قَالَ: احْلِقْ هَذَا الشَّعَرَ، وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلِمَ أَنَّهُ لَيْسَ عِنْدِي مَا أَنْسُكُ بِهِ.

عطاء بن عبداللہ خراسانی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھے کوفہ میں ہانڈیوں کے بازار میں ایک شیخ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ میں اپنے ساتھیوں کی ہانڈیوں کے نیچے (آگ میں) پھونک لگا رہا تھا اور میرا سر اور داڑھی جوؤں سے بھرے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے میری پیشانی کو پکڑا، پھر فرمایا: ''ان بالوں کو مونڈ دو اور تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔'' اور یقیناً رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ بلاشبہ میرے پاس کوئی ایسا جانور نہیں ہے جسے میں ذبح کر سکوں۔

[941] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب قول الله تعالىٰ فمن كان منكم مريضا، حديث: 1814- 1818، 4159، 4190، 4191، 4517، 5665، 5703، 6708، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز حلق الراس للمحرم اذا كان به اذى، حديث: 1201/ 80، ابوداود: 1856، ترمذی: 953۔

[942] (مرفوع صحيح لغيره) طبرانى فى المعجم الكبير: 19/ 109، طبرى فى جامع البيان: 2/ 136، ابن العساكر فى تاريخ دمشق: 43/ 42، 43۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

فائدہ:......معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جوؤں کو مزید برداشت کرنا چاہا لیکن معاملہ بگڑ گیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا، اس حال میں کہ جوئیں (کثرت کی وجہ سے) میرے چہرے پر گر رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ تکلیف و مشقت تمھیں اس حد تک پہنچ جائیں گی جو میں دیکھ رہا ہوں، کیا تم ایک بکری پاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پھر تین ایام کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، ہر مسکین کو نصف صاع (دو مُدّ) دے دو۔'' (بخاری: 1816، مسلم: 86/1201) ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک اُن کی بیماری کی اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی انھیں بلوالیا تھا۔ (مسلم: 86/1201) پھر سر مونڈنے والے شخص کو بلا کر اس کا سر منڈوایا۔ (بخاری: 5665، مسلم: 86/1201) حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کانوں تک زُلفیں رکھی ہوئی تھیں۔ (بخاری: 4191)......جس شخص نے یہ حدیث کوفہ میں سنائی تھی، بعض نے ان کا نام عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ ہی ذکر کیا ہے جیسا کہ گزشتہ دونوں حدیثوں کی سند میں ان کا نام موجود ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن معقل رحمہ اللہ ہیں۔ (زرقانی: 2/ 538)

قَالَ مَالِكٌ فِي فِدْيَةِ الأَذَى : إِنَّ الأَمْرَ فِيهِ : أَنَّ أَحَداً لاَ يَفْتَدِي حَتَّى يَفْعَلَ مَا يُوجِبُ عَلَيْهِ الْفِدْيَةَ ، وَإِنَّ الْكَفَّارَةَ إِنَّمَا تَكُونُ بَعْدَ وُجُوبِهَا عَلَى صَاحِبِهَا ، وَأَنَّهُ يَضَعُ فِدْيَتَهُ حَيْثُ مَا شَاءَ ، النُّسُكَ ، أَوِ الصِّيَامَ ، أَوِ الصَّدَقَةَ بِمَكَّةَ ، أَوْ بِغَيْرِهَا مِنَ الْبِلاَدِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے تکلیف والے فدیے کے متعلق فرمایا: یقیناً اس میں حکم یہ ہے کہ بے شک کوئی بھی شخص فدیہ نہ دے گا یہاں تک کہ وہ اس کام کو کرلے جو اس پر فدیہ واجب کرتا ہے اور بلاشبہ کفارہ تو صرف اور صرف آدمی پر واجب ہونے کے بعد ہی (ادا) ہوا کرتا ہے اور بے شک آدمی اپنے اس فدیے کو جہاں چاہے قربانی یا روزوں یا صدقہ کی صورت میں ادا کرے، خواہ مکہ میں یا اس کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں۔

فائدہ:......شکار کے فدیہ میں ''ہدی'' کا لفظ وارد ہوا ہے، اور ہدی صرف خانہ کعبہ کے حرم میں ذبح ہوتی ہے جبکہ حالت احرام میں بال کٹوانے کے فدیہ میں ''نسک'' کا لفظ آیا ہے جس کے ذبح کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس ہونے کی شرط اور پابندی نہیں ہے......یاد رہے کہ جب عذر کی بنا پر بال کٹوانے سے کفارہ لازم آتا ہے تو جان بوجھ کر بلاعذر بال کٹوانے والے پر بالاؤلی کفارہ واجب ہے، نیز بھول کر بال کٹوانے والے کا بھی یہی حکم ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جان بوجھ کر بلاعذر بال کٹوانے پر صرف قربانی کرنا ہی لازم ہے، جبکہ راجح موقف یہ ہے کہ وہ کوئی بھی کفارہ دے سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : لاَ يَصْلُحُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَنْتِفَ مِنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: محرم کے لیے درست نہیں کہ وہ

شَعْرِهِ شَيْئاً، وَلاَ يَحْلِقَهُ, وَلاَ يُقَصِّرَهُ حَتَّى يَحِلَّ، إِلاَّ أَنْ يُصِيبَهُ أَذًى فِي رَأْسِهِ، فَعَلَيْهِ فِدْيَةٌ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، وَلاَ يَصْلُحُ لَهُ أَنْ يُقَلِّمَ أَظْفَارَهُ، وَلاَ يَقْتُلَ قَمْلَةً، وَلاَ يَطْرَحَهَا مِنْ رَأْسِهِ إِلَى الأَرْضِ، وَلاَ مِنْ جِلْدِهِ، وَلاَ مِنْ ثَوْبِهِ، فَإِنْ طَرَحَهَا الْمُحْرِمُ مِنْ جِلْدِهِ، أَوْ مِنْ ثَوْبِهِ, فَلْيُطْعِمْ حَفْنَةً مِنْ طَعَامٍ.

اپنے بالوں میں سے کسی کو اکھیڑے، نہ ہی انھیں منڈوائے اور نہ ہی کتروائے، یہاں تک کہ احرام کھول دے، إلا یہ کہ اسے سر میں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو (پھر احرام کھولنے سے قبل بھی وہ بال منڈوایا کتروا سکتا ہے اور) اس پر فدیہ لازم ہوگا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم فرمایا ہے، اور نہ ہی آدمی کے لیے یہ درست ہے کہ وہ اپنے ناخن تراشے، نہ اپنی جوئیں قتل کرے اور نہ ہی انھیں سر سے (نکال کر) زمین پر پھینکے اور نہ اپنے جسم سے اور نہ اپنے کپڑوں سے (انھیں نکال کر پھینکے)، چنانچہ اگر محرم جوؤں کو اپنے جسم سے یا اپنے کپڑوں سے اتار کر پھینکے گا تو ایک چلّو بھر کر (کسی کو) کھانا کھلا دے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جوؤں کا قتل کرنا محرم کے لیے ناجائز ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک جوؤں کو اتارنے اور مارنے کی وجہ سے کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ ممنوع شکار تو صرف ماکول اللحم جانوروں کا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ نَتَفَ شَعَراً مِنْ أَنْفِهِ، أَوْ مِنْ إِبْطِهِ، أَوِ اطَّلَى جَسَدَهُ بِنُورَةٍ، أَوْ يَحْلِقُ عَنْ شَجَّةٍ فِي رَأْسِهِ لِضَرُورَةٍ، أَوْ يَحْلِقُ قَفَاهُ لِمَوْضِعِ الْمَحَاجِمِ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، نَاسِياً أَوْ جَاهِلاً، إِنَّ مَنْ فَعَلَ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ، فَعَلَيْهِ الْفِدْيَةُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ, وَلاَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَحْلِقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی ناک سے یا اپنی بغل سے کوئی بال نوچا (اکھیڑا) یا اپنے جسم پر چونا (بال پاؤڈر) لیپ کیا یا اپنے سر میں موجود زخم کی بنا پر مجبوراً وہاں سے کچھ بال منڈوائے یا سینگی لگوانے کے لیے اپنی گدی سے کچھ بال مونڈ لیے اس حال میں کہ وہ محرم ہو، بھول کر ایسا کرے یا علم نہ ہونے کی بنا پر (ایسا کرے)، بلاشبہ جس کسی نے بھی ان میں سے کوئی کام کرلیا تو اس پر ان سب (صورتوں) میں فدیہ لازم ہے اور اس کے لیے مناسب نہیں کہ حالت احرام میں پچھنے لگوانے کے لیے گدی سے بال مونڈے۔

فائدہ: ......ان میں سے صرف یہ مستثنیٰ ہے کہ ناک کا خشک فضلہ نکالتے وقت کوئی بال ساتھ آجائے یا سر کا مسح کرتے وقت کوئی بال ہاتھ سے چپک کر اُتر جائے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ جَهِلَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ الْجَمْرَةَ افْتَدَى.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص ناواقف ہو اور (لاعلمی کی بنا پر) وہ جمرہ عقبہ کو رمی کرنے (کنکریاں مارنے) سے

پہلے اپنا سر مونڈ لے تو وہ فدیہ دے گا۔

فائدہ: ......١٠ ذوالحج کو چار کام کیے جاتے ہیں۔ پہلے رمی، پھر قربانی، پھر سر مونڈنا یا بال کتروانا، پھر طواف افاضہ کرنا۔ یہ ترتیب امام شافعی، امام احمد اور اہلحدیث کے نزدیک مستحب ہے، اگر اس میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، البتہ احناف وموالک نے بعض صورتوں میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رمی کو حلق اور طواف افاضہ پر مقدم کرنا واجب ہے، باقی سب مستحب ہے، سو اگر حلق (سر مونڈنے) کو رمی (کنکریاں مارنے) پر مقدم کر لیا تو ایک جانور کا خون بہانا بطور فدیہ لازم ہے اسی طرح ان کے نزدیک طواف افاضہ اگر رمی سے پہلے کیا جائے تو کفایت ہی نہیں کرتا اور دوبارہ کرنا لازم ہوتا ہے......احناف کے نزدیک طواف کی ترتیب لازم نہیں لیکن باقی تینوں کاموں کی ترتیب لازم ہے، چنانچہ اگر کسی بھی حاجی نے حلق کو رمی پر مقدم کیا تو اس پر ایک خون لازم ہے، اور اگر قران وتمتع والے افراد جن پر قربانی واجب ہے، انھوں نے نحر (قربانی) یا حلق کو رمی پر مقدم کیا یا حلق کو نحر پر مقدم کر لیا تو اس پر دو خون لازم ہیں لیکن یہ موقف بہت سی صحیح احادیث کے خلاف ہے، دیکھیے: بخاری: 83، مسلم: 1306 (عن عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) بخاری: 1722، 1723، 1734، مسلم: 1307، ابوداؤد: 2015 (عن اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ) حتیٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذکورہ فتویٰ کے خلاف یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ((حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ)) ''میں نے سر منڈوا لیا پہلے اس سے کہ میں کنکریاں مارتا۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِرْمِ وَلَا حَرَجَ)) ''تم رمی کر لو اور کوئی حرج نہیں ہے۔'' (مسلم: 333/1306) احناف اور موالک نے جتنی بھی تاویلات کی ہیں ان کی تردید کے لیے دیکھیے مرعاۃ المفاتیح: 9/97-112۔ کچھ مزید تفصیل آگے باب: 81 کی پہلی حدیث کے تحت آ رہی ہے۔

79- بَابٌ : مَا يَفْعَلُ مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئاً

اس عمل کا بیان جسے اپنے اعمال حج میں سے کچھ بھول جانے والا شخص کرے گا

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

[943] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئاً، أَوْ تَرَكَهُ، فَلْيُهْرِقْ

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص اپنے اعمال حج میں سے کچھ بھول جائے یا چھوڑ بیٹھے تو وہ ایک (جانور کا) خون (فدیے میں) بہائے۔ (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) ایوب

[943] (موقوف صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 3/ 537 (2766)، وفي السنن الكبرى: 5/ 30 (8925)، دارقطني: 2/ 243 (2512)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

دَماً . قَالَ أَيُّوبُ : لاَ أَدْرِي قَالَ : تَرَكَ ، أَوْ نَسِيَ .

سختیانی فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے تَرَكَ ''چھوڑ بیٹھے'' کہا تھا یا کہ نَسِيَ ''بھول جائے''۔

فائدہ : ...... یہ محدثین کی دیانتداری کا ثبوت ہے کہ اگر کہیں کوئی شک بھی پڑتا ہے تو اسے بیان بھی کر دیتے تھے اور اس میں عار محسوس نہ کرتے تھے...... حج کے اعمال تین قسم کے ہیں: ارکان، واجبات اور سنن۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذکورہ بالا فرمان دوسری قسم واجبات کے ترک کرنے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ پہلی قسم ارکان کے چھوڑ جانے سے تو حج ہی نہیں ہوتا اور تیسری قسم سنن نیز نوافل کے رہ جانے سے کچھ لازم نہیں آتا۔

قَالَ مَالِكٌ : مَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ هَدْياً فَلاَ يَكُونُ إِلاَّ بِمَكَّةَ ، وَمَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ نُسُكاً ، فَهُوَ يَكُونُ حَيْثُ أَحَبَّ صَاحِبُ النُّسُكِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (بہائے جانے والے خون) میں سے جو ''ہدی'' ہو تو وہ مکہ کے علاوہ کہیں (ذبح) نہ ہوگی اور جو اُن میں سے ''نُسُک'' ہو تو اُسے قربان کرنے والا شخص جہاں چاہے گا وہ وہیں (ادا) ہو جائے گی۔

فائدہ : ...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شکار کے فدیے (سورۂ مائدہ 95:5) اور حج تمتع یا حج قران کی واجب قربانی (بقرۃ 196:2) کے لیے ''ہدی'' کا لفظ بولا اور سر کے بال حالت احرام میں کٹوانے پر لازم آنے والے فدیے میں ''نُسُک'' کا لفظ استعمال کیا۔ (البقرۃ 196:2)

80- بَابٌ: جَامِعُ الْفِدْيَةِ

فدیے کے مختلف مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ أَرَادَ أَنْ يَلْبَسَ شَيْئاً مِنَ الثِّيَابِ الَّتِي لاَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَلْبَسَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ، أَوْ يُقَصِّرَ شَعَرَهُ ، أَوْ يَمَسَّ طِيباً مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ ، لِيَسَارَةِ مُؤْنَةِ الْفِدْيَةِ عَلَيْهِ ، قَالَ: لاَ يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ ، وَإِنَّمَا أُرْخِصَ فِيهِ لِلضَّرُورَةِ ، وَعَلَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ الْفِدْيَةُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جس نے کپڑوں میں سے کسی ایسے کپڑے کو پہننے کا ارادہ کیا کہ جنھیں حالت احرام میں اس کے لیے پہننا درست نہیں ہے یا اس نے اپنے سر کے بال کتروانے یا خوشبو لگانے کا ارادہ کیا، بغیر کسی ضرورت کے (اور بغیر کسی عذر کے) اپنے اوپر فدیہ کی (ادائیگی اور) مشقت کو آسان سمجھتے ہوئے (وہ یہ مذکورہ کام کرنا چاہتا ہے تو) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کام کرے اور ان میں تو صرف اور صرف ضرورت (اور عذر و مجبوری) کی وجہ سے رخصت دی گئی ہے اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا اس پر فدیہ لازم ہے۔

فائدہ: ......فدیہ تو سب پر واجب الادا ہوگا لیکن گناہ سب پر نہیں بلکہ صرف اس شخص پر ہے جو بلاعذر ان کاموں کا ارتکاب کرے، معذور شخص گناہ گار نہیں ہوتا۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْفِدْيَةِ مِنَ الصِّيَامِ أَوِ الصَّدَقَةِ أَوِ النُّسُكِ، أَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ فِي ذَلِكَ، وَمَا النُّسُكُ، وَكَمِ الطَّعَامُ، وَبِأَيِّ مُدٍّ هُوَ، وَكَمِ الصِّيَامُ، وَهَلْ يُؤَخِّرُ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ، أَمْ يَفْعَلُهُ فِي فَوْرِهِ ذَلِكَ؟ قَالَ مَالِكٌ: كُلُّ شَيْءٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فِي الْكَفَّارَاتِ، كَذَا أَوْ كَذَا، فَصَاحِبُهُ مُخَيَّرٌ فِي ذَلِكَ، أَيَّ شَيْءٍ أَحَبَّ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ فَعَلَ. قَالَ: وَأَمَّا النُّسُكُ فَشَاةٌ، وَأَمَّا الصِّيَامُ فَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَأَمَّا الطَّعَامُ فَيُطْعِمُ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدَّانِ، بِالْمُدِّ الْأَوَّلِ مُدِّ النَّبِيِّ ﷺ.

امام مالک رحمہ اللہ سے (تکلیف کی بنا پر بال کٹوانے والے پر واجب) روزوں یا صدقہ یا قربانی کے فدیے کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا اس کفارے والا شخص ان (تینوں کاموں) میں اختیار رکھتا ہے (یا نہیں)؟ اور "نُسُك" سے کیا مراد ہے؟ اور (صدقہ میں کھلایا جانے والا) کھانا کتنا ہونا چاہیے اور کس مُد کے ساتھ وہ شمار ہوگا اور روزے کتنے ہوں گے اور کیا وہ ان میں سے کسی چیز کو مؤخر بھی کرسکتا ہے یا وہ اُسے فی الفور ہی ادا کرے گا؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی کتاب میں مذکور کفاروں میں سے ہروہ (کفارہ) جو "اَوْ" (یا) کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اس طرح کرلو یا اس طرح، تو اس کفارے والے شخص کو ان میں اختیار ہے، وہ ان میں سے جس پر عمل کرنا پسند کرے، (اُسے) کرسکتا ہے، رہا "نُسُك" کا لفظ تو اس سے بکری مراد ہے۔ رہے روزے تو وہ تین دنوں کے ہیں، رہا کھانا تو آدمی چھ مسکینوں کو اس طرح کھلائے گا کہ ہر مسکین کے لیے دو مد ہوں گے، پہلے مد یعنی نبوی مد کے حساب سے۔

فائدہ: ...... پیچھے مذکور روایت: 939 اور اس کا فائدہ بھی دیکھ لیجیے...... یاد رہے کہ اس فتویٰ امام مالک رحمہ اللہ میں پانچ سوالات کے جوابات تو مذکور ہیں، البتہ چھٹی چیز کا جواب ذکر نہیں ہوا کہ اسے فی الفور ادا کرنا لازم ہے یا تاخیر کی گنجائش ہے، ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ یہ کفارہ جلدی ادا کرنا مستحب ہے البتہ اگر کچھ تاخیر ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ: وَسَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ: إِذَا رَمَى الْمُحْرِمُ شَيْئاً، فَأَصَابَ شَيْئاً مِنَ الصَّيْدِ لَمْ يُرِدْهُ فَقَتَلَهُ، إِنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَفْدِيَهُ، وَكَذَلِكَ الْحَلَالُ يَرْمِي فِي الْحَرَمِ شَيْئاً، فَيُصِيبُ صَيْداً لَمْ يُرِدْهُ فَيَقْتُلُهُ، إِنَّ عَلَيْهِ أَنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بعض اہل علم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب محرم کسی چیز پر (تیر چلائے یا) کچھ پھینکے، پھر وہ کسی ایسے شکار کو لگ جائے جس کا اس نے ارادہ نہ کیا تھا، چنانچہ وہ اسے مار ڈالے تو یقیناً اس پر لازم ہے کہ اس کا بھی فدیہ دے اور اسی طرح کوئی حلال یعنی غیر محرم

يَـفْدِيَهُ ، لأَنَّ الْعَمْدَ وَالْخَطأَ فِي ذَلِكَ بِمَنْزِلَةٍ سَوَاءٌ .

شخص حرم کے علاقے میں (تیر چلائے یا) کچھ پھینکے ،اور وہ ایسے شکار کو جا لگے جس کا اس نے ارادہ نہ کیا تھا، چنانچہ وہ اسے قتل کر بیٹھے تو یقیناً اس پر بھی لازم ہے کہ اس کا فدیہ دے کیونکہ اس مسئلے میں قصد اور خطا دونوں برابر (ہیں اور) ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

قَـالَ مَـالِكٌ فِي الْقَوْمِ يُصِيبُونَ الصَّيْدَ جَمِيعاً وَهُـمْ مُـحْرِمُونَ ، أَوْ فِي الْحَرَمِ ، قَالَ : أَرَى أَنَّ عَـلَـى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ جَزَاءَهُ ، إِنْ حُكِمَ عَـلَيْهِمْ بِـالْهَـدْيِ ، فَعَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ هَـدْيٌ ، وَإِنْ حُكِمَ عَلَيْهِمْ بِالصِّيَامِ كَانَ عَلَى كُـلِّ إِنْـسَـانٍ مِنْهُمُ الصِّيَامُ ، وَمِثْلُ ذَلِكَ الْقَوْمُ يَـقْتُـلُـونَ الـرَّجُلَ خَطأً ، فَتَكُونُ كَفَّارَةُ ذَلِكَ عِتْـقَ رَقَبَةٍ عَـلَـى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ ، أَوْ صِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جنھوں نے اکٹھے مل کر شکار کیا اس حال میں کہ وہ سب احرام باندھے ہوئے ہوں یا (غیر محرم ہی ہوں لیکن) وہ حرم میں شکار کرتے ہوں، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے) فرمایا: میں یہی خیال کرتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک پر (الگ الگ) جزا (فدیہ اور جرمانہ) لازم ہے، اگر ان پر ''ہدی'' (ایک جانور حرم کعبہ میں قربان کرنے) کا فیصلہ کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک پر (علیحدہ علیحدہ) ہدی لازم ہے اور اگر ان پر روزے رکھنے کا فیصلہ لاگو ہوتا ہے تو ان میں سے ہر ایک پر روزے لازم ہوں گے، اور اسی طرح وہ لوگ جو کسی شخص کو غلطی سے قتل کر دیتے ہیں تو اس کے کفارے میں اُن میں سے ہر ہر شخص پر ایک ایک گردن آزاد کرنا لازم ہے یا ان میں سے ہر کسی پر دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا واجب ہے۔

فائدہ : ...... یہی موقف ہے احناف کا، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اور مشہور قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ تمام قاتلوں پر مشترکہ طور پر صرف ایک جزا لازم قرار دیتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : مَـنْ رَمَى صَيْدًا ، أَوْ صَادَهُ بَعْدَ رَمْيِـهِ الْـجَـمْرَةَ ، وَحِلاقِ رَأْسِهِ ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يُفِضْ : إِنَّ عَلَيْهِ جَزَاءَ ذَلِكَ الصَّيْدِ ، لأَنَّ اللهَ تَبَـارَكَ وَتَـعَـالَـى قَـالَ: ﴿وَإِذَا حَـلَـلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ [المائدة : 2] وَمَنْ لَمْ يُفِضْ فَقَدْ بَقِيَ عَلَيْهِ مَسُّ الطِّيبِ وَالنِّسَاءِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی شکار پر تیر چلایا یا (فرمایا کہ) اُسے شکار کر لیا بعد اس کے کہ وہ (10 ذوالحج کو) جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکا تھا اور اپنا سر بھی مونڈ چکا تھا، مگر ابھی اس نے طواف افاضہ نہیں کیا تھا تو بلاشبہ اس پر بھی اس شکار کی جزا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (المائدة 2:5) ''اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو'' اور جس شخص نے طواف افاضہ نہ کیا ہو اس پر عورتوں سے مباشرت کرنے اور خوشبو لگانے کی پابندی ابھی باقی ہوتی ہے۔

فائدہ :......گویا امام مالک رحمہ اللہ نے (حَلَلْتُمْ) سے احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جانا مراد لیا ہے، کہ جب تمام وہ ختم ہوں گی تو شکار کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں، جبکہ باقی تمام ائمہ اور جمہور کے نزدیک رمی وحلق کے بعد اور طواف افاضہ سے پہلے تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں سوائے مباشرت کے، لہٰذا مذکورہ صورت میں جمہور کے ہاں کوئی فدیہ نہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں اس روایت میں ''طیب'' کا اضافہ ٹھیک نہیں شاذ ہے۔ حافظ ابن حجر نے درایۃ میں فرمایا ہے کہ خوشبو کے زائد لفظ شاذ ہیں لہٰذا تحلل اول کے بعد عورتوں کے علاوہ خوشبو سمیت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور یہی راجح ہے۔ (تحفة الاحوذی: ج2ص110)

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيمَا قَطَعَ مِنَ الشَّجَرِ فِي الْحَرَمِ شَيْءٌ، وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ أَحَداً حَكَمَ عَلَيْهِ فِيهِ بِشَيْءٍ، وَبِئْسَ مَا صَنَعَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: محرم پر حرم کے درخت کاٹنے میں کوئی چیز (فدیہ کی صورت میں) لازم نہ ہوگی اور ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی نے بھی اس (کاٹنے کے عمل) میں کسی چیز (اور جرمانے) کا فیصلہ صادر کیا ہو اور (البتہ) اس نے جو کیا وہ برا عمل ہے۔

فائدہ :......جبکہ باقی تمام ائمہ کے نزدیک حرم میں اذخر گھاس کے سوا کوئی بھی درخت، پودا یا گھاس کاٹنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہے، یاد رہے کہ اکثر علماء نے سنا مکی کو علاج کی شدید ضرورت کی بنا پر اذخر گھاس پر قیاس کیا ہے، نیز سبزیاں توڑنا بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَجْهَلُ، أَوْ يَنْسَى صِيَامَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، أَوْ يَمْرَضُ فِيهَا فَلَا يَصُومُهَا حَتَّى يَقْدَمَ بَلَدَهُ، قَالَ : لِيُهْدِ إِنْ وَجَدَ هَدْياً، وَإِلَّا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي أَهْلِهِ، وَسَبْعَةً بَعْدَ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جو (واجب قربانی نہ کرنے کی وجہ سے رکھے جانے والے دس روزوں میں سے) حج کے دوران تین روزے رکھنے سے ناواقف رہا یا بھول گیا یا بیمار ہو گیا، چنانچہ وہ انھیں نہ رکھ سکا یہاں تک کہ اپنے شہر پہنچ گیا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر وہ ہدی کی طاقت پاتا ہے تو ایک جانور بھیج دے، ورنہ اپنے گھر میں پہلے تین روزے رکھ لے، اور اس کے بعد باقی سات رکھ لے۔

فائدہ :......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر 9 ذوالحج تک یہ روزے نہ رکھے جا سکے تو پھر روزے ساقط ہو جائیں گے اور ایک ہدی بھیجنا اس کے ذمے لازم رہے گا......امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر نو ذوالحج تک یہ روزے نہ رکھے جائیں تو ان کی قضا واجب ہے حتیٰ کہ ایام تشریق 11، 12، 13 ذوالحج میں بھی ان کی قضا کر سکتا ہے، ہمارے نزدیک چونکہ ایام تشریق میں روزے رکھنے کی ممانعت ہے اس لیے بعد میں جب اور جہاں موقع ملے قضا کر لے۔ واللہ اعلم۔

81- بَابٌ: جَامِعُ الْحَجِّ

حج کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تیرہ روایات ہیں، سات مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے پانچ صحیح اور دو ضعیف ہیں، چار موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور تین ضعیف ہیں اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

[944] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: وَقَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِلنَّاسِ بِمِنًى وَالنَّاسُ يَسْأَلُونَهُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ أَشْعُرْ، فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: انْحَرْ وَلَا حَرَجَ . ، ثُمَّ جَاءَهُ آخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ أَشْعُرْ، فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ: ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ: فَمَا سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ، إِلَّا قَالَ: افْعَلْ وَلَا حَرَجَ .

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کے میدان میں لوگوں (کو تعلیم دینے) کے لیے (سواری پر) ٹھہرے رہے اور لوگ آپ ﷺ سے سوالات کرتے رہے، چنانچہ ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک مجھے علم نہ ہوسکا اور میں نے سر منڈوالیا پہلے اس سے کہ میں نحر (قربانی) کرتا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اب جا کر جانور) ذبح کرلو اور کوئی حرج نہیں ہے۔'' پھر آپ ﷺ کے پاس ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم نہ ہوا اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے ہی (اونٹ کو) نحر کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنکریاں مارلو اور کوئی حرج نہیں۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس دن) رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا کہ وہ پہلے کرلی گئی تھی یا مؤخر کردی گئی تھی تو آپ ﷺ نے یقیناً صرف اور صرف یہی فرمایا: ''(اب اسے) کرلو اور (اس میں) کوئی حرج نہیں ہے۔''

فائدہ: ......اس مسئلے کے متعلق کچھ بحث باب: 78 کے اخیر میں گزر چکی ہے چونکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بعض صورتوں میں ترتیب واجب ہے اور اسے ملحوظ نہ رکھنے پر وہ ایک جانور یا دو جانوروں کا خون بہانا لازم قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے، اس لیے مقلدین حنیفہ و مالکیہ نے مختلف قسم کی تاویلات کی

[944] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الفتیا وھو واقف علی الدابۃ وغیرھا، حدیث: 83، 124، 1736 – 1738، 6665، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی، حدیث: 1306، ابوداود: 2014، ترمذی: 916، نسائی فی الکبری: 4109، ابن ماجہ: 3051۔

ہیں، سب سے مشہور تاویل یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حرج کی نفی کی ہے وہ صرف آخرت کے حرج کی نفی ہے اور حرج بمعنی گناہ ہے، رہا دنیا کا حرج تو وہ باقی ہے اور آدمی کو فدیہ دینا پڑے گا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تاویل کا ایسا مسکت جواب دیا ہے کہ جامد تقلید والے ہاتھ پاؤں مارتے نظر آتے ہیں، فرماتے ہیں کہ تعجب ہے اس شخص پر جو حرج نہ ہونے سے صرف گناہ کا نہ ہونا مراد لیتے ہیں اور پھر بعض امور کے ساتھ اسے خاص کر لیتے ہیں (یعنی بعض امور میں صرف اخروی حرج کی نفی مراد لے کر دنیوی حرج اور فدیہ لازم کرتے ہیں اور بعض امور میں اخروی و دنیوی دونوں قسم کے حرج کی نفی مراد لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ترتیب کی خرابی میں ''دم'' (خون) واجب ہے اور فلاں فلاں میں نہیں) حالانکہ اگر ترتیب واجب ہے اور اس کے ترک پر ''دم'' (جانور کا خون بہانا) واجب ہے تو پھر تمام امور میں ایسا ہونا چاہیے اور اگر واجب نہیں تو (کسی میں بھی واجب نہیں پھر) بعض امور کے خاص کرنے کی کیا ضرورت ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تقدیم و تاخیر کے متعلق ہر سوال کے جواب میں (ایک ہی جملہ اور یکساں جواب دیتے ہوئے) یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں...... احناف و موالک کے ان خود ساختہ دلائل کا بودا پن دیکھتے ہوئے علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کے حاشیے میں لکھا ہے کہ صرف گناہ کی نفی پر اس حدیث کو محمول کرنا ''بعید'' ہے، کیونکہ فرمان نبوی ﷺ میں ظاہراً عموم ہی ہے کہ نہ دنیا کا حرج اور نہ آخرت کا حرج، نہ ''اِثم'' (گناہ) اور نہ ''دم'' (خون)، نیز اگر ''دم'' واجب ہوتا تو نبی کریم ﷺ اسے ضرور بیان فرماتے کیونکہ ضرورت کے موقع پر بیان کو ترک کرنا یا مؤخر کرنا آپ ﷺ کے حق میں جائز نہیں اور یہ منصب نبوت کے برخلاف ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح: 9/ 100) پھر یہ مقلدین کبھی کہتے ہیں کہ راوی کا فتویٰ اس کی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہو تو فتویٰ پر عمل ہوتا ہے، حالانکہ اول تو یہ اصول ہی نا قابل قبول ہے، دوئم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابراہیم بن مہاجر متکلم فیہ راوی ہے لہٰذا یہ فتویٰ اس روایت کے مدمقابل ہی نہیں ہوسکتا، سوئم اگر وہ صحیح ہوتا تو اس سے یہ لازم آتا کہ تمام اعمال حج میں سے ہر چیز کی ترتیب الٹنے پر ''دم'' واجب ہو حالانکہ احناف و موالک اس کے قائل نہیں، چہارم دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ، حدیث کے موافق موجود ہیں...... پھر وہ کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جواب میں ''کوئی حرج نہیں'' کہنا صرف ان سائلین کے ساتھ خاص ہے، جنھوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا، گویا ان کے نزدیک باقی ماندہ امت کے لیے یہ مسئلہ حل کرنا ان کے اماموں کے نصیب میں آیا کہ تقدیم و تاخیر کی کسی صورت میں دم واجب ہے اور کسی میں نہیں اور نبی کریم ﷺ تو اس مسئلے میں ہمیں یتیم چھوڑ گئے، (نعوذ باللہ من ذلک) ان کے علاوہ بھی عجیب و غریب قسم کی تاویلات سے ورق سیاہ کیے ہیں، پھر ان میں سے کوئی خود ساختہ تاویل گھڑ کر پیش کرتا ہے تو دوسرا فقیہ اسے خلاف عقل یا خلاف اصول قرار دے کر اس کی تردید کرتا ہے اور خود کوئی نئی تاویل پیش کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ حدیث پاک سے منہ موڑنے کا بھیانک نتیجہ ہے۔

[945] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ، أَوْ حَجٍّ، أَوْ عُمْرَةٍ، يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ، ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوے یا حج یا عمرے سے لوٹتے تو زمین کے ہر چڑھائی والے مقام (گھاٹی یا ٹیلے وغیرہ) پر تین بار اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سب بادشاہت ہے اور اسی کے لیے سب حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے، (ہم) لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے (اور) اپنے رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور (تمام کافر) لشکروں کو اکیلے ہی شکست سے دوچار فرمایا۔''

فائدہ: ...... رسول اللہ ﷺ زمان و مکان کے اعتبار سے اذکار کو منتخب فرمایا کرتے تھے، چونکہ انسان کا کسی چوٹی اور بلندی کو سر کر لینا اُسے تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا کر سکتا ہے اس لیے وہاں اللہ کی کبریائی کا اظہار فرمایا، جیسا کہ آپ ﷺ اُترائی کے وقت ''سبحان اللہ'' پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری: 2993) جس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر مخلوق کو کمال سے زوال اور بلندی کے بعد پستی سے واسطہ پڑتا رہتا ہے لیکن رب تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک ہے...... چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد از نبوت سفر تین قسم ہی کے تھے اس لیے ان کا یہاں تذکرہ آیا ہے ورنہ تو ہر قسم کے سفر سے واپسی پر مذکورہ کلمات کہنا مشروع ہے...... اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے وعدے بار بار سچ کر دکھائے ہیں مثلاً فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور 24:55) ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان سے اللہ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ضرور ضرور انھیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا۔'' نیز فرمایا: ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ﴾ (الفتح 48:27) ''اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے ضرور ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے، تم (کسی مخلوق سے) نہ ڈر رہے ہو گے۔'' نیز حدیث پاک کے آخری الفاظ سے

[945] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ما یقول اذا رجع من الحج والعمرۃ او الغزو، حدیث: ۱۷۹۷، ۲۹۹۵، ۳۰۸۴، ۴۱۱۶، ۶۳۸۵، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یقول اذا رجع من سفر الحج وغیرہ، حدیث: ۱۳۴۴، ابوداؤد: ۲۷۷۰، ترمذی: ۹۵۰، نسائی فی الکبریٰ: ۸۷۷۳، مسند احمد: ۲/ ۶۳، ۵۲۹۵.

معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا مقابلہ براہ راست اللہ سے ہے، وہی کبھی تو انھیں مہلت دیتا ہے اور کبھی شکست دے کر عبرت بنا دیتا ہے، رہے مومن تو وہ خوش نصیب ہیں کہ حکم الٰہی کی پابندی کرتے ہیں، کفار کی بجائے اللہ کے لشکر کا حصہ بنتے ہیں، اپنے گناہ بخشوانے اور درجات پانے کے لیے راہ الٰہی میں جہاد وقتال کرکے اپنا حصہ ڈالتے ہیں، ورنہ کفار کو شکست دینا اور اسلام کو غالب کرنا تو اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرکے رہتا ہے۔

[946] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ [عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ] أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِامْرَأَةٍ وَهِيَ فِي مِحَفَّتِهَا، فَقِيلَ لَهَا: هَذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخَذَتْ بِضَبْعَيْ صَبِيٍّ كَانَ مَعَهَا فَقَالَتْ: أَلِهَذَا حَجٌّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کا ایک عورت کے پاس سے گزر ہوا جو کہ اپنی پالکی (ڈولی) میں تھی، اُسے بتایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ (گزر رہے) ہیں تو وہ (اپنے) ایک بچے کو جو اس کے ساتھ تھا، اُس کے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لے آئی اور عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس کا بھی حج (شمار) ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اور تیرے لیے اس کا اجر ہے۔''

فائدہ: ...... بلوغت سے پہلے کا حج نفلی شمار ہوتا ہے اور اس کے سارے کام جو شخص کرتا ہے وہ اس کا اجر پاتا ہے، یعنی بچے اور اس شخص دونوں کے حق میں برابر اجر لکھا جاتا ہے، جمہور کے نزدیک بچے کا حج منعقد ہو جاتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نابالغ کا حج منعقد ہی نہیں ہوتا اور اُسے محض تمرین اور مشق کے لیے احرام کی پابندیاں کروائی جاتی ہیں، یہ حدیث احناف کے خلاف ہے۔

[947] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي عَبْلَةَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيزٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْماً، هُوَ فِيهِ أَصْغَرُ وَلاَ أَدْحَرُ وَلاَ أَحْقَرُ وَلاَ أَغْيَظُ، مِنْهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ، وَمَا

طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' شیطان کسی بھی دن میں اس قدر ذلیل ورسوا، شکست خوردہ، حقیر اور غصے میں مبتلا نہیں ہوتا جس قدر کہ وہ، عرفہ (9 ذوالحج) کے دن ہوتا ہے اور یہ کسی اور وجہ سے نہیں ہے مگر صرف اس سبب سے ہوتا ہے

[946] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب صفة حج الصبي واجر من حج به، حديث: 1336، سنن ابى داود، كتاب المناسك، باب فى الصبى يحج، حديث: 1736، نسائى: 2650، احمد: 1/ 219 (1898)-

[947] (مرفوع ضعيف) عبدالرزاق: 4/ 378، 5/ 71 (8832)، بيهقى فى شعب الايمان: 3/ 461 (4069)، بغوى فى شرح السنة: 7/ 158 (1930)، ابن عساكر فى تاريخ دمشق: 47/ 10- شیخ سلیم ہلالی نے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذَاكَ إِلَّا لِمَا رَأَى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ ، وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوبِ الْعِظَامِ ، إِلَّا مَا أُرِيَ يَوْمَ بَدْرٍ قِيلَ وَمَا رَأَى يَوْمَ بَدْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : أَمَا إِنَّهُ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ .

کہ وہ رحمت الٰہیہ کے نزول اور بڑے بڑے گناہوں سے اللہ کے درگزر کرنے کو دیکھتا ہے، سوائے اس صورتحال کے جو اسے جنگ بدر کے دن دکھائی گئی (اور اس دن اس ملعون کا بہت براحال ہوا)، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس نے بدر کے دن کیا دیکھا تھا؟ فرمایا: ''آگاہ رہو، یقیناً اس نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا جو فرشتوں کی صف بندی فرمارہے تھے۔''

فائدہ :......اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن جنگ بدر جس میں شیطان ایک کافر سردار اور دانشور کی حیثیت سے لشکر کفار کے ساتھ شامل ہوا تھا، کے متعلق فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَ تِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال 8:48) ''اور یاد کرو جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر کے پیش کیے اور وہ کہنے لگا: آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور بے شک میں تمھارا ساتھی ہوں، پھر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ بے شک میں تم سے بری ہوں، بے شک میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ ہی سخت سزا دینے والا ہے۔'' یوم عرفہ کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتی ہیں: ((مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ)) ''یوم عرفہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ عزوجل بندوں کو آگ سے بہت زیادہ آزاد فرماتا ہو، اور بلاشبہ وہ اس دن (بندوں کے) قریب ہوتا ہے۔ پھر ان کی وجہ سے فرشتوں پر اظہار فخر فرماتا ہے، پھر کہتا ہے کہ بھلا یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟'' (مسلم: 1348)

[948] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيزٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : أَفْضَلُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ ، وَأَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي :

طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے افضل دعا یوم عرفہ (9 ذوالحج) کی دعا ہے اور سب سے افضل بات اس میں سے جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی، یہ بات ہے: (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ) ''اللہ کے سوا کوئی

---

[948] (مرفوع صحیح لغیرہ) عبدالرزاق: 4/ 378 (8125)، بیہقی فی السنن الکبریٰ: 4/ 284 (8391)، 5/ 117 (9473)، وفی السنن الصغیر: 2/ 188 (1677)، بغوی فی شرح السنۃ: 7/ 157 (1929)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ . معبود برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔“

فائدہ: ......حسین اتفاق ہے کہ اس روایت کا ترجمہ وتشریح پاکستان میں 9 ذوالحج 1435ھ کی رات شروع ہوئی ہے الحمدللہ علی ذٰلک ۔ یہ موطا کی روایت کچھ کمزور سند کے ساتھ تھوڑے سے مختلف الفاظ سے بھی مروی ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ (ترمذی: 3585) اس حدیث کی تشریح میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس میں دو الگ الگ باتیں ذکر کی گئی ہیں اور دوسرا یہ کہ ایک ہی بات ذکر کی گئی ہے، پہلے قول کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ (الف) پوری دنیا میں یا خصوصاً میدان عرفات میں مانگی جانے والی دعاؤں میں سے افضل ترین دعائیں 9 ذوالحج کی ہیں، اور (ب) انسانی زبان سے نکلنے والی افضل ترین پکار (لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ) ہے گویا اس حدیث میں دو الگ الگ افضل چیزیں بیان ہوئی ہیں......لیکن مسند احمد، ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ اور عقیلی رحمہ اللہ کی روایات کی روشنی میں یہ کہنا راجح ہے کہ اس حدیث کے دونوں حصے باہم مربوط ہیں اور دراصل ایک ہی بات بیان کی گئی ہے کہ مذکورہ الفاظ اس وقت انتہائی افضل بن جاتے ہیں جب 9 ذوالحج یوم عرفہ کو پڑھے جائیں، چنانچہ عرفہ کے دن (لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهُ لَاشَـرِيْكَ لَهُ) کے کلمات ہی وہ افضل ترین دعائیہ کلمات ہیں جنھیں تمام انبیاء بھی یوم عرفہ کے پچھلے پہر پڑھا کرتے تھے (گرامر کی رو سے دوسرے مفہوم کے مطابق ترکیب یوں ہوگی کہ (اَلدُّعَاءِ) مبدل منہ ہے اور (دُعَاءِ يَوْمِ عَرَفَةَ) بدل بعض ہے، نیز (اَفْضَلُ الدُّعَاءِ) معطوف علیہ ہے اور (اَفْـضَلُ مَاقُلْتُ) معطوف ہے، پھر معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مبتدا بن جائے گا اور (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ) خبر ہوگی......ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: (لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) (مسند احمد: 2/ 210) رہی یہ بات کہ ان کلمات کو دعائیہ کہا جائے یا ثنائیہ یعنی تعریف وثنا والے ......تو یہ دونوں باتیں ہی ٹھیک ہیں کیونکہ یہ حمد وثنا اور تعریف پر تو واضح طور پر دلالت کر ہی رہے ہیں اور دعا اس اعتبار سے ہیں کہ دعا کے معنی پکارنے کے بھی ہوتے ہیں اور یقیناً ان کلمات میں اللہ ہی کی پکار بلند کی جاتی ہے یا اس اعتبار سے کہ جو شخص دعا کی جگہ بھی ذکر الٰہی میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں، جیسا کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ سخی مالدار سے نہ بھی مانگا جائے تو وہ محض تعریف کرنے کے بدلے انعامات سے نوازتا ہے۔

[949] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ ، عَـنِ ابْـنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے سال (فتح مکہ کے موقع پر)

[949] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح، حدیث: 4286، 1846، 3044، 5808، صحیح مسلم، کتاب الحج ، باب جواز دخول مکة بغیر احرام، حدیث: 1357، ابوداؤد: 2685، ترمذی: 1693، نسائی: 2870، احمد: 3/ 109 (12091)، دارمی: 1938-

دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اقْتُلُوهُ.

مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا، پھر جب آپ ﷺ نے اُسے (سر سے) اتارا تو آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول !ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُسے قتل کر دو۔''

قَالَ مَالِكٌ: وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ مُحْرِماً، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس دن حالت احرام میں نہیں تھے، واللہ اعلم۔

فائدہ: ......اگر آپ ﷺ محرم ہوتے تو آپ ﷺ کا سر ننگا ہوتا، جمہور کا اس عمل کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص قرار دینے کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔امام مالک رحمہ اللہ نے ''واللہ اعلم'' کے الفاظ شک کے طور پر نہیں بلکہ تبرک کے طور پر ذکر کیے ہیں ...... ہندی نسخوں میں یہ آخری الفاظ ابن شہاب رحمہ اللہ کی طرف سے غلطی سے منسوب ہوگئے ہیں اور درحقیقت یہ الفاظ خود امام مالک رحمہ اللہ کے ہیں۔(بخاری:4286) مسلم شریف کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت (مسلم: 1358) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی ، چنانچہ دونوں روایات کی تطبیق یوں ہے کہ آپ ﷺ نے خود کے نیچے یا اوپر پگڑی باندھ رکھی تھی یا پہلے صرف خود پہن رکھا تھا، بعد میں اُسے اتار کر پگڑی باندھ لی۔ نیز معلوم ہوا کہ سیاہ کپڑے کے استعمال میں بذات خود تو کوئی حرج نہیں، البتہ کسی قوم یا زندیق فرقے کے ساتھ مشابہت کے معاملے میں احتیاط برتنی چاہیے ......رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن چھ مردوں اور چار عورتوں کے سنگین جرائم کی بنا پر ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ یہ کافر تھا، پھر مسلمان ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا، ایک دفعہ آپ ﷺ نے اسے زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، اس کا آزاد کردہ مسلمان غلام اس کے ہمراہ تھا اور اس کی خدمت کرتا تھا، راستے میں ایک جگہ اس نے اپنے خادم کو ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور سو گیا، جب وہ بیدار ہوا تو اس کے خادم نے ابھی تک کچھ بھی نہ کیا تھا، ابن خطل نے اسے قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا اور اس نے گستاخ رسول ﷺ گانا گانے والیاں رکھی ہوئی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور مذمت کیا کرتی تھیں ،تو چونکہ یہ شخص مرتد ،مسلمان کا قاتل اور گستاخ رسول ﷺ تھا اس لیے حکم صادر کیا گیا کہ جہاں ملے مار ڈالا جائے، چنانچہ وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا پالیا گیا تو کئی صحابہ رضی اللہ عنہم اسے مارنے کے لیے لپکے جن میں سے حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو اسے مارنے کا اعزاز ملا، بعض کے بقول حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ بھی اس کے قتل میں شریک تھے...... امام مالک رحمہ اللہ ،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ،امام احمد رحمہ اللہ اور مشہور قول کے

مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ میقات سے گزر کر مکہ آنے والوں پر احرام باندھنا لازم ہے، پھر اگر کوئی شخص بلا احرام آ جائے تو امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کوئی فدیہ و جرمانہ لازم نہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ کرنا لازم ہے......لیکن مذکورہ احادیث مبارکہ جمہور فقہاء کے اس موقف کی تردید کے لیے کافی ہیں، بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنے کے متعلق فرما دیا تھا: ((لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ))" (یہ احرام باندھنا لازمی ہے صرف) اس شخص کے لیے جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو۔" (بخاری: 1526، مسلم: 1181) لہٰذا جو شخص حج و عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس پر احرام بھی لازم نہیں، احناف نے صرف لکڑیاں وغیرہ اکٹھی کرنے والوں کو مواقیت سے بغیر احرام کے گزرنے کی اجازت دی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حج و عمرہ کا ارادہ نہ کرنے والے ہر شخص کو عام اجازت عطا فرمائی ہے۔

[950] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِقُدَيْدٍ، جَاءَهُ خَبَرٌ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَرَجَعَ فَدَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ سے (مدینہ کی طرف) متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ "قُدَید" جگہ پر پہنچے تو ان کے پاس مدینہ سے ایک خبر پہنچی تو وہ (وہیں سے) واپس لوٹ گئے اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہو گئے۔

فائدہ: ......قُدَید جگہ عسفان کے قریب ہے جو مکہ سے 36 میل دور ہے، مدینہ سے آنے والی خبر وہاں پھیلنے والے فتنے کے متعلق تھی اور مدینہ کا پہلا مشہور فتنہ "قتل عثمان رضی اللہ عنہ" اور دوسرا "فتنہ حرہ" تھا۔ یہ وضاحت نہیں مل سکی کہ موطا کی روایت میں کون سا فتنہ مراد ہے۔

[951] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِمِثْلِ ذَلِكَ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

فائدہ: ......ابن شہاب رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، داود ظاہری اور اہلحدیث کے نزدیک مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا بلا کراہت جائز ہے۔

[952] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

محمد بن عمران انصاری رحمہ اللہ اپنے والد عمران رحمہ اللہ سے

[950] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 5/ 178، وفی معرفة السنن والآثار: 4/ 169 (3129) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[951] (مقطوع صحیح) بیهقی: 5/ 178۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[952] (مرفوع ضعیف) سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب ماذکر فی منی، حدیث: 2998، احمد: 2/ 138، بیهقی: 5/ 139۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، نیز دیکھیے الضعیفه للالبانی: 6/ 255 (2701)۔

عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِمْرَانَ الْأَنْصَارِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ : عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَأَنَا نَازِلٌ تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيقِ مَكَّةَ ، فَقَالَ مَا أَنْزَلَكَ تَحْتَ هَذِهِ السَّرْحَةِ ؟ فَقُلْتُ : أَرَدْتُ ظِلَّهَا . فَقَالَ : هَلْ غَيْرُ ذَلِكَ ؟ فَقُلْتُ : لَا مَا أَنْزَلَنِي إِلَّا ذَلِكَ . فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًى ، وَنَفَخَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ ، فَإِنَّ هُنَاكَ وَادِياً يُقَالُ لَهُ السُّرَرُ ، بِهِ شَجَرَةٌ سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُونَ نَبِيًّا .

روایت کرتے ہیں ،انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (راستے سے) ہٹ کر میری طرف آئے ،اس حال میں کہ میں مکہ کے راستے میں ایک بڑے درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، پھر وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ تجھے کس چیز نے اس درخت کے نیچے اتارا،(اور اُترنے پر آمادہ کیا) ہے؟میں نے کہا کہ میں نے اس کے سائے کا ارادہ کیا تھا، وہ فرمانے لگے کہ کیااس کے علاوہ کوئی اور سبب بھی ہے؟میں نے کہا کہ نہیں،اس (بیان کردہ) مقصد کے علاوہ کسی اور سبب نے مجھے یہاں نہیں اتارا،چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:''جب تو منیٰ کے دو پہاڑوں کے درمیان میں ہو۔'' اور فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا، (پھر فرمایا)''تو بلاشبہ وہاں ایک وادی ہے جسے ''سرر'' کہا جاتا ہے،اس میں ایک بڑا درخت ہے،جس کے نیچے ستر نبیوں کی نال کاٹی گئی تھی (اور وہاں ان کی ولادت ہوئی تھی)۔''

فائدہ : ...... پیدائش کے وقت بچے کی ناف سے نکلنے والی وہ رگ جو ماں کے ساتھ جڑی ہوتی ہے اُسے نال (اور پنجابی میں ناڑو) کہتے ہیں، ولادت کے بعد اُسے کاٹ دیا جاتا ہے،اس عبارت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ستر انبیاء کرام علیہم السلام اس درخت کے نیچے مسرور کیے گئے یعنی انھیں نبوت ملی اور وہ خوش ہوگئے ،چونکہ یہ معاملہ ''سرحۃ'' ایک بڑے درخت کے نیچے پیش آیا اور اس روایت کے راوی عمران انصاری رحمہ اللہ بھی ایک ''سرحۃ''(بڑے درخت) کے نیچے پڑاؤ کیے ہوئے تھے ، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ شاید یہی وہ درخت ہے اور عمران رحمہ اللہ کو اس کا پتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ درخت کی مناسبت سے انھوں نے سفر میں بھی علم وتعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ہو بہر حال یہ روایت ضعیف ہے۔

[953] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِامْرَأَةٍ مَجْذُومَةٍ ، وَهِيَ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقَالَ لَهَا: يَا أَمَةَ اللَّهِ لَا

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ایک عورت کے پاس سے گزرے جو بیت اللہ کا طواف کررہی تھی تو انھوں نے اس سے فرمایا:اے اللہ کی بندی! لوگوں کی اذیت کا سبب نہ

[953] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 5/ 71 (9031)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تُؤْذِي النَّاسَ، لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ . فَجَلَسَتْ، فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ لَهَا: إِنَّ الَّذِي كَانَ قَدْ نَهَاكِ قَدْ مَاتَ فَاخْرُجِي . فَقَالَتْ: مَا كُنْتُ لأُطِيعَهُ حَيًّا وَأَعْصِيَهُ مَيِّتاً .

بن، اگر تو گھر میں بیٹھی رہے (تو یہ تیرے لیے بہتر ثابت ہوگا اور محض خالص نیت ہی سے تجھے اجرل جائے گا)، چنانچہ وہ (گھر ہی میں) بیٹھ گئی (اور دوبارہ کبھی طواف کے لیے نہ آئی تا کہ لوگ پریشان نہ ہوں) پھر اس کے (کچھ عرصہ) بعد ایک آدمی اس عورت کے پاس سے گزرا اور اس سے کہنے لگا کہ یقیناً جس شخص نے تجھے منع کیا تھا وہ تو فوت ہو چکا ہے، لہٰذا (اب طواف کے لیے) نکل آؤ، تو وہ کہنے لگی کہ میں ایسی نہیں ہوں کہ اس کی زندگی میں تو اس کی اطاعت کروں اور اس کی موت کے بعد اس کی نافرمانی کروں۔

فائدہ: ......کوئی بھی بیماری خود بخود متعدی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اللہ نہ چاہے، لیکن اللہ تعالیٰ بیمار شخص سے میل جول کو بیماری لگنے کا سبب بنا سکتا ہے اس لیے خصوصاً کوڑھ کے مریض سے ذرا دوری اختیار کی جاتی ہے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیماری تو اللہ لگائے لیکن لوگ یہ عقیدہ بنالیں کہ یہ بیماری بذات خود متعدی ہو کر لگی ہے۔

[954] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: مَا بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ الْمُلْتَزَمُ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ رکن یمانی یعنی حجر اسود اور دروازے کے درمیان کی جگہ ملتزم ہے۔

فائدہ: ......ملتزم کے معنی ہیں: ''چمٹنے کی جگہ'' خانہ کعبہ کی دیوار کے مذکورہ حصے پر اپنا چہرہ، ہاتھ اور سینہ چمٹا کر حجاج کرام اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے یہاں اپنا سینہ، رخسار، بازو اور ہتھیلیاں رکھ کر پھیلا دیں پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔ (ابو داؤد: 1899، ابن ماجہ: 2962)

[955] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَذْكُرُ: أَنَّ رَجُلاً مَرَّ عَلَى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ، وَأَنَّ أَبَا ذَرٍّ سَأَلَهُ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ فَقَالَ: أَرَدْتُ الْحَجَّ . فَقَالَ: هَلْ نَزَعَكَ غَيْرُهُ؟ فَقَالَ لاَ . قَالَ فَأْتَنِفِ الْعَمَلَ . قَالَ الرَّجُلُ:

محمد بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی ''ربذہ'' مقام پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور یقیناً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ تم کہاں کا ارادہ رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے حج کا ارادہ کیا ہے تو وہ فرمانے لگے کہ کیا اس کے علاوہ کسی اور مقصد نے (تو) تمھیں (نہیں) نکالا؟ اس نے کہا کہ نہیں تو

[954] (موقوف ضعیف) بیہقی: 5/ 164 (9766)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔
[955] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

فَخَرَجْتُ حَتَّى قَدِمْتُ مَكَّةَ ، فَمَكَثْتُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ إِذَا أَنَا بِالنَّاسِ مُنْقَصِفِينَ عَلَى رَجُلٍ ، فَضَاغَطْتُ عَلَيْهِ النَّاسَ ، فَإِذَا أَنَا بِالشَّيْخِ الَّذِي وَجَدْتُ بِالرَّبَذَةِ، يَعْنِي أَبَا ذَرٍّ ، قَالَ : فَلَمَّا رَآنِي عَرَفَنِي فَقَالَ : هُوَ الَّذِي حَدَّثْتُكَ .

فرمانے لگے: پھر تم از سرِنو (اپنے) عمل (کا سلسلہ) شروع کرو (کیونکہ اخلاص والا حج مبرور گزشتہ گناہوں کا خاتمہ کر دیتا ہے اور برائیوں کا نامہ اعمال صاف ہو جاتا ہے اور پھر حج کے بعد کوئی گناہ آدمی سے سرزد ہو تو وہ گویا گناہوں کا نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے)، اس آدمی نے کہا کہ میں (وہاں سے) نکل آیا، یہاں تک کہ مکہ آ گیا، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا میں وہاں ٹھہرا رہا، پھر (ایک دن) اچانک میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کسی شخص پر ہجوم کر رہے ہیں (اور جم گھٹا باندھے اس کی زیارت اور اس سے سوال و جواب کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں)، چنانچہ میں نے اس پر (یعنی اس تک پہنچنے کے لیے) لوگوں پر ہجوم کیا (اپنی طاقت سے ان کے مجمع کو چیر کر راستہ بناتا ہوا اس آدمی تک پہنچ گیا) تو اچانک وہی بزرگ موجود تھے جنھیں میں نے ربذہ مقام پر پایا تھا یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، پھر جب انھوں نے مجھے دیکھا تو پہچان گئے اور فرمانے لگے کہ تم وہی ہو نا جسے میں نے حدیث بیان کی تھی۔

[956] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ : أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الاسْتِثْنَاءِ فِي الْحَجِّ ؟ فَقَالَ : أَوَيَصْنَعُ ذَلِكَ أَحَدٌ . وَأَنْكَرَ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے حج میں استثناء یعنی شرط لگا لینے کے متعلق سوال کیا تو وہ فرمانے لگے کہ کیا بھلا کوئی شخص ایسا کرتا ہے اور انھوں نے اس کا انکار کیا۔

فائدہ: ......شرط لگا لینے کا مطلب یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت یہ کہنا کہ اے اللہ! میں جہاں بھی روک دیا گیا تو وہیں احرام کھول دوں گا۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہ تو ایسا کرنا جائز ہے اور نہ ہی ایسی شرط لگانے والے کو کچھ فائدہ ملتا ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث اسے جائز، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اسے مستحب کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن سیدہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کو خود ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ (بخاری: 5089، مسلم: 1207) اس عمل کو ناجائز سمجھنے والے بعض لوگوں نے بخاری و مسلم کی اس روایت کو ضعیف قرار دینے کی ناکام کوشش کی، بعض نے بغیر کسی دلیل کے اس واقعہ کو خاص قرار دینے کا دعویٰ کیا، بعض نے موت مراد لی اور بعض نے کہا کہ اس روایت میں احرام کھول دینے سے مراد ''عمرہ کر کے احرام کھولنا'' ہے اور پھر اس کے لیے جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کا آخری حصہ ذکر نہیں کرتے، اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو یہ کہہ کہ اے اللہ! بے شک میں حج کا احرام باندھ رہی

[956] (مقطوع صحیح) بیهقی: 5/ 223 (10125)، شافعی فی الام: 2/ 158- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہوں بشرطیکہ تو نے مجھے اس کی توفیق بخشی ، اس میں میری اعانت فرما اور اسے میرے لیے آسان فرما، اور اگر تو نے مجھے روک لیا تو پھر یہ عمرہ ہوگا، اور اگر تو نے مجھے دونوں چیزوں (حج اور عمرہ) سے روک لیا تو میرے احرام کھولنے کی جگہ وہی ہوگی جہاں تو مجھے روکے گا۔'' (ابن خزیمہ ، بیہقی بحوالہ مرعاۃ المفاتیح: 9/ 268)

سُئِلَ مَالِكٌ : هَلْ يَحْتَشُّ الرَّجُلُ لِدَابَّتِهِ مِنَ الْحَرَمِ ؟ فَقَالَ : لَا .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی شخص اپنے جانور کے لیے حرم کی گھاس کاٹ سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔

فائدہ :...... مگر ہمارے نزدیک صحیح احادیث کی روشنی میں اذخر گھاس کی اجازت ہے۔ (بخاری: 112، 1349، مسلم: 1353، 1355)

82- بَابٌ : حَجُّ الْمَرْأَةِ بِغَيْرِ ذِي مَحْرَمٍ

محرم کے بغیر عورت کے حج کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الصَّرُورَةِ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَمْ تَحُجَّ قَطُّ : إِنَّهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا ذُو مَحْرَمٍ يَخْرُجُ مَعَهَا ، أَوْ كَانَ لَهَا فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا ، أَنَّهَا لَا تَتْرُكُ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَيْهَا فِي الْحَجِّ ، لِتَخْرُجْ فِي جَمَاعَةِ النِّسَاءِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے عورتوں میں سے روکی ہوئی (بغیر خاوند کے) عورت کے متعلق فرمایا کہ جس نے کبھی بھی حج نہ کیا ہو، (فرمایا) کہ اگر بے شک اس کا کوئی بھی محرم نہ ہو جو اس کے ساتھ (سفر میں نکل سکے) یا محرم تو ہو لیکن وہ اس کے ساتھ نکلنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو یقیناً وہ حج والے اس فریضے کو نہ چھوڑے گی جو اللہ عزوجل نے اس پر مقرر کیا ہے، اسے چاہیے کہ عورتوں کی جماعت میں نکل کھڑی ہو۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے وجوب کے لیے محرم کا ساتھ ہونا عورت کے حق میں شرط نہیں ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ، امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر اہلحدیث کے نزدیک کسی بھی سفر میں عورت کے ساتھ خاوند یا محرم کا ہونا شرط ہے، چنانچہ اگر محرم ساتھ نہ ہو تو حج ہی واجب نہیں، یہی موقف راجح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے سے روکا ہے۔ (بخاری: 1086، 1088، مسلم: 1338، 1339) اور حج بھی بغیر سفر کے نہیں ہوتا، اس لیے اس ممانعت میں حج کا سفر بھی داخل ہے...... رہی یہ بات کہ اگر کوئی عورت محرم یا خاوند کے بغیر ہی حج کر لے تو کیا اسلام کا فریضہ حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ تو اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ اس کا حج تو ادا ہو جائے گا البتہ بغیر محرم یا خاوند کے سفر کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

83- بَابٌ صِيَامُ الْمُتَمَتِّعِ

حج تمتع کرنے والے کے روزوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ: ...... یہاں تمتع کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی "فائدہ اٹھانا" اور حج کے ساتھ عمرے کا بھی فائدہ اٹھانا چونکہ حج تمتع میں بھی ہوتا ہے اور حج قران میں بھی، اس لیے یہاں دونوں کا بیان مقصود ہے، بہرحال ان دونوں قسم کا حج کرنے والوں پر قربانی واجب ہے۔ اگر وہ قربانی نہ کرسکیں تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے واپس گھر پہنچ کر رکھیں گے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ (البقرة 2:196) "تو جو کوئی حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ اٹھائے تو اس پر قربانی لازم ہے جو بھی میسر ہو، پھر جو شخص قربانی نہ پائے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات اس وقت کہ جب تم واپس لوٹ جاؤ، یہ پورے دس روزے ہوئے۔" ایام حج کا اختتام 13 ذوالحج کو ہوتا ہے اور آخری چار دنوں (10 سے 13 ذوالحج) میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ (بخاری: 1991، مسلم: 1137، 1142) لیکن اگر کوئی شخص ان ایام سے پہلے پہلے تین روزے نہ رکھ سکے تو کیا وہ ان دنوں میں انھیں رکھ سکتا ہے یا نہیں، یہاں اسی کا بیان ہے۔

[957] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: الصِّيَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ، لِمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا، مَا بَيْنَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ إِلَى يَوْمِ عَرَفَةَ، فَإِنْ لَمْ يَصُمْ، صَامَ أَيَّامَ مِنًى.

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہا کرتی تھیں کہ جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کو ملائے اور قربانی نہ کرسکے تو اس کے روزے حج کا احرام باندھنے سے لے کر یوم عرفہ (9 ذوالحج) تک کے درمیان ہوں گے، پھر اگر وہ ان میں روزے نہ رکھ سکے تو منیٰ کے ایام یعنی ایام تشریق (11، 12، 13 ذوالحج) میں روزے رکھ لے۔

[958] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي ذَلِكَ، مِثْلَ قَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بھی اس مسئلے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ہی کی طرح فرمایا کرتے تھے۔

---

[957] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صيام ايام التشريق، حديث: 1999، بيهقي: 5/ 24 (8898)۔

[958] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صيام ايام التشريق، حديث: 1999۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جدید قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان ایام تشریق میں روزے رکھنا کسی کے لیے جائز نہیں، ہمارے نزدیک بھی یہی راجح ہے، کیونکہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح نہیں پا سکتے، اس لیے جو شخص 9 ذوالحج تک اپنے تین روزے پورے نہ کر سکے وہ گھر واپس جا کر سب سے پہلے ان تین روزوں کی قضائی دے، پھر باقی ماندہ سات روزے رکھ لے۔

21

كِتَابُ الْجِهَادِ

جہاد کی کتاب

خلاصۃ الباب اس کتاب میں پچاس روایات ہیں، جن میں سے 32 مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ)، 12 موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور 6 مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں اور ان تمام میں سے 39 صحیح، ایک حسن اور 10 ضعیف ہیں، چنانچہ 32 مرفوع روایات میں سے 26 صحیح، 1 حسن اور 5 ضعیف ہیں، 12 موقوف روایات میں سے 8 صحیح اور 4 ضعیف ہیں اور 6 مقطوع روایات میں سے 5 صحیح اور 1 ضعیف ہے، نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے 22 فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... جہاد کے لغوی معنی پوری طاقت کے ساتھ محنت و مشقت کرنے کے ہیں، اسلام کی اصطلاح میں یہ لفظ عموماً قتال (کفار کے ساتھ لڑائی) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دراصل غلبہ اسلام کے لیے کی جانے والی ہر کوشش جہاد ہی ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی قلبی ہو یا لسانی، مالی ہو یا جانی قلم سے ہو یا شمشیر و سنان سے اور اسلحہ بارود سے ہو یا الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا سے، اور جہاد کا سب سے اہم، عظیم ترین اور بلند ترین شعبہ ''قتال فی سبیل اللہ'' ہے۔

جہاد کا اصل مقصود ''اعلائے کلمۃ اللہ'' ہے۔ (بخاری:123، مسلم: 1904) جب تک زمین کے چپے چپے پر اسلام کا غلبہ نہیں ہو جاتا جہاد بذریعہ قتال فرض رہے گا، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:8:39) ''اور تم اُن سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (شرک وکفر کی قوت باقی) نہ رہے اور (ہر کہیں) سارے کا سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے''...... جہاد صرف وہ مقبول ہے جو خالص رضائے الٰہی کی خاطر اور غلبہ اسلام کے لیے ہو، اور اگر ریا کاری و شہرت کی نیت ہوئی تو ایسے مجاہد کو سب سے پہلے گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (مسلم: 1905)...... جہاد اگر پوری امت مسلمہ میں نہ ہو رہا ہو تو ہر ہر مکلف شخص گناہ گار ہو گا اور اگر جہاد ادا ہو رہا ہو تو فرض کفایہ کی صورت میں مطلوبہ مقدار کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، یہ بات برحق ہے کہ جہاد قیامت تک کبھی بند نہ ہوگا، زمین کے کسی نہ کسی خطے پر کچھ نہ کچھ مجاہدین ضرور زمین کے طاغوتوں سے برسر پیکار رہیں گے، خواہ ساری دنیا ان

کے خلاف پروپیگنڈہ کرتی رہے،فرمان نبوی ﷺ ہے:((لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) ''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا،مسلمانوں کی ایک جماعت اس پر قتال کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔''(مسلم: 1922) یہ روایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،ان کے علاوہ قیامت تک کفار سے قتال جاری رہنے کے بارے میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔مثلاً حضرت جابر بن عبداللہ،حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم۔(مسلم: 1037 ، 1923 ، 1924)

جہاد بعض صورتوں میں ایک مخصوص طبقے پر فرض عین ہو جاتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں: (1) جب میدان جنگ میں کفار سے لڑائی شروع ہو جائے تو ہر حاضر مسلمان شخص پر قتال فرض ہو جاتا ہے،اس پر لازم ہے کہ کسی نہ کسی طرح جنگ میں شریک رہے اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگے۔(سورۂ انفال 8:15، 16) (2) کفار کسی شہر پر حملہ آور ہوں تو اس متاثرہ علاقہ والوں پر قتال فرض عین ہو جاتا ہے اور اگر اُن سے مطلوبہ اہداف پورے نہ ہو رہے ہوں تو ان کے اردگرد کے مسلمان علاقوں پر درجہ بدرجہ فرض ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ تمام اہل زمین پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔(3) اگر مسلمانوں کا امیر کفار کے مقابلے میں سب کو نکلنے کا حکم دے دے تو بھی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے......وہ جگہ جو کسی بھی وقت مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکی ہو اُسے کفار سے واپس چھڑانے تک جہاد لازم رہتا ہے،مسلمان قیدیوں کو جن کا جرم صرف قبول اسلام ہے،کفار سے چھڑانا بھی واجب ہے اور ان کی رہائی کی خاطر قتال بھی لازم ہے۔(سورۂ نساء 4:75)......جہاد دفاعی تو ہر صورت میں فرض عین ہوتا ہے،یعنی کفار کے حملہ آور ہونے کی صورت میں اُن سے لڑنا واجب ہوتا ہے حتی کہ حرمت والے مہینوں میں بھی۔(سورۂ بقرہ 2:194) رہا جہاد اقدامی یعنی مسلمانوں کی طرف سے کفار کے علاقوں پر غلبہ اسلام کے لیے پیش قدمی کرنا تو یہ ہمیشہ ہی فرض کفایہ رہتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ سال میں کم از کم دو بار کفار پر چڑھائی کی جائے،البتہ یہ جہاد حرمت والے مہینوں (ذوالقعدہ،ذوالحج،محرم،رجب) میں ناجائز بلکہ گناہ ہے۔(سورۂ بقرہ 2:217) صد افسوس! آج اکثر اہل اسلام ان اہم مسائل سے ناواقف ہیں۔

1- بَابٌ: التَّرْغِيْبُ فِي الْجِهَادِ

جہاد کی ترغیب کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں،پانچ مرفوع ہیں اور ایک موقوف ہے اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[959] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول

[959] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الجهاد والسیر ، باب افضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله فی سبیل الله ، حدیث: 2787 ، صحیح مسلم ، کتاب الامارة ، باب فضل الشهادة فی سبیل الله تعالیٰ ، حدیث: 1878 ، نسائی: 3129 ، احمد: 2/ 465 (10001)۔

الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الدَّائِمِ، الَّذِي لا يَفْتُرُ مِنْ صَلاَةٍ وَلاَ صِيَامٍ حَتَّى يَرْجِعَ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی مثال اس روزے دار اور تہجد گزار کی طرح ہے جو ہمیشہ عمل کرنے والا ہو جونہ (رات بھر کی) نماز سے سست پڑتا ہو اور نہ (مسلسل) روزوں سے تھکتا ہو یہاں تک کہ مجاہد واپس لوٹ آئے۔''

فائدہ: ......مجاہد کے گھر سے نکلنے سے لے کر واپس آنے تک کوئی شخص ہمیشہ دن میں روزے رکھتا رہے اور ہر رات مکمل طور پر تہجد میں مصروف رہے خصوصاً قیام کرتا رہے تو اگرچہ اس طرح روزہ و تہجد ممکن نہیں لیکن فرض کریں کہ اگر کوئی شخص ایسا کر لیتا اور جتنا اجر کماتا، اس کے بقدر زائد اجر وثواب مجاہد کو مفت میں ملتا ہے اور جہاد کا اجر تو الگ سے لکھا جا رہا ہوتا ہے......یہ صرف ایک تمثیل ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ اب مجاہد کو فرض نمازوں کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ وہ تو جہاد سے بھی زیادہ تاکید کے ساتھ فرض ہیں، اور نہ ہی اس حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ ہمیشہ کا روزہ اور پوری رات کا قیام مستحب ہے بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، سب سے بہترین روزے صوم داؤدی علیہ السلام ہیں کہ ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ ہو، اس سے زیادہ کی آپ ﷺ نے بالکل اجازت نہیں دی۔ (بخاری: 1975، مسلم: 1159) بغیر ناغہ کیے ہمیشہ روزے رکھنے والا اجر سے محروم رہتا ہے۔ (مسلم: 1162) نیز رسول اللہ ﷺ نے کبھی روزہ رکھنے اور کبھی چھوڑنے اور رات میں کچھ حصہ سونے اور کچھ حصہ تہجد پڑھنے کو اپنی سنت قرار دیا ہے پھر فرمایا: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) ''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔''
(بخاری: 1401، مسلم: 60)

[960] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ، لاَ يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ، وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ، أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، أَوْ يَرُدَّهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ضمانت لے لی ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرے (اور) اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ کے کلمات کی تصدیق کے علاوہ کوئی اور چیز اُسے اس کے گھر سے نہ نکالے (تو اللہ نے اس بات کی ضمانت لے لی ہے) کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اُسے اس

[960] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ احلت لكم الغنائم، حديث: 3123، 36، 2797، 2972، 7226، 7227، 7457، 7463، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، حديث: 1876، نسائي: 3124، احمد: 2/ 399 (9176)، دارمي: 2391-

مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ.

کے گھر میں جس سے وہ نکلا تھا اُس کے اجر یا غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے گا جو وہ حاصل کرے گا۔

فائدہ: ...... اس حدیث میں قبولیت جہاد کی دو شرائط مذکور ہیں: ایک یہ کہ خالص رضائے الٰہی کے لیے جہاد کیا جائے اور دوسری یہ کہ اللہ کے کلمات کی تصدیق کی جائے ، اس دوسری شرط کے متعدد مفہوم ممکن ہیں، مثلاً اللہ کے کلمہ، جہاد یعنی حکم جہاد و قتال کو حق ماننا اور جہاد کے حوالے سے اس کے کلمات یعنی فرامین اور وعدوں کو مبنی برصداقت تسلیم کرنا یا توحید و رسالت (والے کلمات) کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے زبان سے ان کی گواہی دینا اور لوگوں سے یہ دونوں گواہیاں لینے کے لیے راہ جہاد اختیار کرنا حتی کہ یا تو وہ بھی یہ کلمہ توحید و رسالت پڑھ لیں یا اُس کلمے کے ماننے والوں کے ماتحت رہنا پسند کر لیں......پھر جو مجاہد خلعت شہادت پالے اس کے لیے جنت کی ضمانت ہے اور جو زندہ رہے اُس کے لیے یا تو محض اجر کی ضمانت ہے جس وقت کہ اُسے غنیمت نہ ملے اور یا پھر اجر کے ساتھ ساتھ غنیمت کی بھی ضمانت ہے۔ الغرض حقیقی مجاہد کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

[961] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْخَيْلُ لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذَلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ، كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا ذَلِكَ، فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ، كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ، وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ، كَانَ ذَلِكَ لَهُ حَسَنَاتٍ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں، کوئی تو آدمی کے حق میں اجر کا باعث ہوتا ہے، کوئی آدمی کے لیے (اس کی غربت اور کمزور حالت پر) پردے کا سبب ہوتا ہے اور کوئی (گھوڑا) آدمی کے لیے (گناہ کے) بوجھ کا موجب ہوتا ہے، چنانچہ رہا وہ شخص کہ جس کے حق میں (اس کا) گھوڑا باعث اجر ہوتا ہے تو یہ ایسا شخص ہے جس نے گھوڑے کو اللہ کی راہ میں (جہاد کی تیاری کی خاطر) باندھا، پھر اس نے کسی چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی لمبی کر دی، چنانچہ وہ گھوڑا اپنی اس لمبی رسی کی وجہ سے اس چراگاہ یا باغ سے جس جس چیز کو بھی کھائے پیے گا وہ (سب کچھ) اس آدمی کے حق میں نیکیاں بنتا جائے گا، اور اگر وہ اپنی لمبی رسی

[961] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ، باب شرب الناس وسقی الدواب من الانھار، حدیث: 2371، 2860، 3646، 4962، 4963، 7356، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، حدیث: 987، نسائی: 3593، احمد: 2/ 262 (7553)

فَهِيَ لَهُ أَجْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا، وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا فِي ظُهُورِهَا، فَهِيَ لِذٰلِكَ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَهِيَ عَلَى ذٰلِكَ وِزْرٌ وَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ، فَقَالَ: لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزلة: 7، 8].

کو تڑوا لے پھر ایک یا دو ٹیلوں پر چڑھ جائے تو اس کے پاؤں کے نشانات اور اس کی لید بھی آدمی کے حق میں نیکیاں شمار ہوں گے اور اگر وہ (بھاگتا ہوا) کسی نہر کے پاس سے گزرے اور اس سے پانی پی لے درحالیکہ آدمی نے اُسے پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو تو پھر بھی وہ (پانی) اس مالک کے حق میں نیکیاں بن جائے گا، الغرض یہ گھوڑا آدمی کے لیے اجر (ہی اجر) کا باعث ہے۔ اور (دوسرا) وہ شخص جس نے (لوگوں سے) مستغنی و بے نیاز ہونے کے لیے اور مانگنے سے بچنے کے لیے (تجارت اور محنت مزدوری کی خاطر اپنے پاس) گھوڑا باندھا اور اس نے اللہ کا وہ حق نہ بھلایا جو گھوڑوں کی گردنوں اور پیٹھوں پر ہے، تو یہ گھوڑا آدمی کے لیے پردہ پوشی کا باعث ہے اور (تیسرا) وہ شخص جس نے فخر وریاکاری کے لیے اور اہل اسلام سے دشمنی کے لیے گھوڑا باندھا ہو یہ اس کے لیے باعث گناہ ہے۔'' اور نبی کریم ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا (کہ کیا اُن کا معاملہ بھی گھوڑوں ہی کی طرح ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُن کے متعلق مجھ پر کوئی (خاص) چیز (حکم اور وحی) تو نازل نہیں کی گئی سوائے اس جامع اور منفرد قسم کی آیت کے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزال: 99:7، 8] ''لہٰذا جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

فائدہ: ......یعنی گدھوں کا معاملہ ہو یا خچروں کا یا کسی بھی اور چیز کے استعمال کا تو یہ سورۂ زلزال والی جامع اور عمومی آیات اس کا حکم واضح کر دیتی ہیں کہ جس چیز کو بھی کسی نیکی یا بدی کے لیے استعمال کیا جائے گا وہ سب کا سب ریکارڈ کر کے قیامت کے دن دکھا دیا جائے گا، یہ آیات مبارکہ اپنے مفہوم میں اگر وسعت و جامعیت اور ہمہ گیری رکھتی ہیں تو اپنے موضوع اور معنی کے اعتبار سے منفرد حیثیت کی بھی مالک ہیں......گھوڑوں کی گردنوں میں اللہ کا حق یہ ہے کہ آدمی گھوڑوں کی ضروریات زندگی کا اچھی طرح خیال کرے، شفقت سے دیکھ بھال اور اعتدال سے سواری کرے، نیز چونکہ وہ جہاد کے لیے وقف ہیں تو کسی اور کو ضرورت پڑنے پر انھیں مستعار دے دے۔ اس حق سے مراد زکاۃ نہیں ہے کیونکہ زکاۃ تو تجارت والے گھوڑوں پر پڑتی ہے......گھوڑوں کی پشتوں میں اللہ کے حق کا مطلب یہ ہے کہ ان پر زائد بوجھ نہ لادے، راہ الٰہی میں سواری کی ضرورت پڑے تو منع نہ کرے اور گھوڑوں کی افزائش نسل کے معاملے میں بھی ان کا خیال رکھے۔

[962] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلاً؟ رَجُلٌ آخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلاً بَعْدَهُ؟ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي غُنَيْمَتِهِ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَيَعْبُدُ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں لوگوں میں سب سے بہترین درجہ ومقام والے شخص کی خبر نہ دوں؟ یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہو (اور) اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔ (پھر فرمایا:) کیا میں تمھیں اس کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہترین مرتبے والے شخص کی خبر نہ دوں؟ یہ وہ شخص ہے جو اپنے بکریوں کے چھوٹے سے ریوڑ میں (لوگوں سے) الگ تھلگ (اور کسی پہاڑ کی وادی، گھاٹی یا صحرا و چشمہ میں گوشہ نشین) ہو، نماز قائم کرتا ہو، زکاۃ ادا کرتا ہو اور اللہ کی عبادت کرتا ہو (اور) اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔''

فائدہ: ...... بشرطیکہ وہ فتنوں کا دور ہو۔ (بخاری: 19) ورنہ عام حالات میں لوگوں میں مل جل کر صبر سے رہنا زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ (ترمذی: 2507، ابن ماجہ: 4032۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔) رہا یہ سوال کہ جہاد کا مرتبہ اس دوسرے مرتبے سے کتنا بلند ہے تو اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم میں سے کسی کا راہ الٰہی میں (جہاد میں) کھڑے ہو جانا ہی اس کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی ستر سال کی نمازوں سے افضل ہے۔'' (ترمذی: 1652، مستدرك حاكم: 2/ 68۔ اس کی سند حسن ہے)

[963] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ،

عبادہ بن ولید رحمہ اللہ اپنے والد (ولید رحمہ اللہ) سے اور وہ اس (عبادہ بن ولید رحمہ اللہ) کے دادا (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے تنگی و آسانی اور خوشی و ناخوشی میں سمع و طاعت (بات سننے اور ماننے) پر بیعت کی اور اس پر (بھی

[962] (مرفوع صحيح) جامع الترمذى، كتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء اى الناس خير، حديث: 1652، سنن النسائى، كتاب الزكاة من يسال بالله عزوجل ولا يعطى به، حديث: 2570، احمد: 1/ 237 (2116)، دارمى: 2395، نیز دیکھیے مسلم: 1889۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[963] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب الاحكام، باب كيف يبايع الامام الناس، حديث: 7199، 7200، 7056، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فى غير معصية، حديث: 1709/ 41 بعد از: 1840، نسائى: 4154، ابن ماجه: 2866، احمد: 5/ 318 (23093)، دارمى: 2453۔

وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُولَ أَوْ نَقُومَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ.

بیعت کی) کہ ہم (امارت وحکومت کے) معاملے میں اس کے اہل (اہلیت وقابلیت رکھنے والے مسلمان حکمران) سے کھینچا تانی نہیں کریں گے اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات ہی کہیں گے یا (فرمایا:) حق پر قائم رہیں گے، (اور) اللہ کے معاملے میں (اور اس کے دین کی نصرت میں) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

فائدہ: ......جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محب اور محبوب لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ (المائدة 5:54) ''وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے''......مسلم خطوں کے اسلام کے نام لیوا حکمرانوں کے خلاف خروج وبغاوت کرنا ممنوع ہے سوائے دو صورتوں کے، ایک یہ کہ وہ نماز چھوڑ دیں۔ (مسلم: 1854، 1855) اور دوسری یہ کہ جب وہ واضح کفر کا ارتکاب کریں۔ (بخاری: 7056، مسلم: 1709، بعد از 1840) نیز حکمران یا کوئی بھی شخص جب کفار سے دوستی لگا لے یا ان کا اتحادی بن جائے تو وہ انھی میں سے شمار ہوگا۔ (المائدة 5:51) یاد رہے کہ حکمران یا امیر کی سمع وطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے، چنانچہ اگر کوئی امیر معصیت الٰہیہ کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنی جائے گی اور نہ ہی مانی جائے گی۔ (بخاری: 7144، 7257، مسلم: 1840) خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت ناجائز ہے۔ (صحیح ابن حبان: 4568، الصحيحة: 179، 188)......موطا کی مذکورہ حدیث کا باب کے عنوان کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ امیر کی اطاعت جہاد میں خصوصی طور پر لازم ہے، نیز جہاد کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کی جائے۔

[964] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ: كَتَبَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَذْكُرُ لَهُ جُمُوعًا مِنَ الرُّومِ، وَمَا يَتَخَوَّفُ مِنْهُمْ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ مَهْمَا يَنْزِلْ بِعَبْدٍ مُؤْمِنٍ مِنْ مُنْزَلِ شِدَّةٍ، يَجْعَلِ اللّٰهُ بَعْدَهُ

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو (خط) لکھا، (جس میں) وہ رومیوں کے لشکروں کا اور اس خوف کا تذکرہ کر رہے تھے جو وہ ان (رومیوں) کے معاملے سے محسوس کر رہے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا: أَمَّا بَعْدُ (حمد وصلاۃ کے بعد)، بلاشبہ شان یہ ہے کہ کسی بھی

[964] (موقوف صحيح) ابن ابی شيبه: 5/ 335، 13/ 37، حاكم: 2/ 300 (3176)، ابن المبارك في الجهاد: 217، ابوداود في الزهد: 80، بيهقي في شعب الايمان: 10010۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

فَرَجاً، وَإِنَّهُ لَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ، وَأَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [آل عمران: 200].

مومن بندے کے ساتھ کسی بھی مقام میں جو کوئی بھی سختی (و آزمائش) نازل ہو،اللہ تعالیٰ اس کے بعد (ضرور) کشادگی پیدا فرمادیتے ہیں اور یقیناً ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (ال عمران 200:3) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو اور مقابلے میں بھی صبر کرو(ثابت قدم رہو) اور مورچوں میں ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

فائدہ: ......لہٰذا تم بھی ڈٹے رہو اور رومیوں کے جتھوں کی ذرہ بھر پروا نہ کرو، ہاں تقویٰ و ایمان پر محنت کرو......''ایک تنگی اور دو آسانیوں'' دراصل یہ اصول ہے کہ اگر نکرہ کو دوبارہ دہرایا جائے تو دونوں نکروں سے الگ الگ چیز مراد ہوتی ہے جیسا کہ (يُسْــــرًا)''آسانی'' کا لفظ مذکورہ دونوں آیتوں میں نکرہ استعمال ہوا ہے لہٰذا ان سے دو الگ الگ آسانیاں مراد ہیں، اور اگر معرفہ کو دوبارہ ذکر کیا جائے تو اس سے مراد پہلے بیان کی ہوئی چیز ہی ہوتی ہے جیسا کہ (اَلْعُسْر) ''تنگی'' کا لفظ ہے، اسی اصول کے پیش نظر یہ شعر بنایا گیا ہے:

إِذَا اشْتَـدَّتْ بِكَ الْبَـلْـوىٰ فَـفَكِّرْ فِيْ اَلَمْ نَشْرَحْ
فَـعُسْـرٌ بَيْـنَ يُسْـرَيْنِ إِذَا فَـكَّرْتَـهُ فَـافْـرَحْ

''جب تم پر آزمائش سخت ہو جائے تو سورۂ الم نشرح میں غور وفکر کرو تو (وہاں) ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان میں مذکور ہے، لہٰذا جب تم اسے سوچو تو خوش ہو جایا کرو۔''

2- بَابٌ: النَّهْيُ عَنْ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ

دشمن کے علاقے میں قرآن مجید ساتھ لے کر سفر کرنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔

[965] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ.

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ قرآن مجید ساتھ لے کر دشمن کی زمین کی طرف سفر کیا جائے۔

[965] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب كراهية السفر بالمصاحف الى ارض العدو، حديث: 2990، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب النهى عن ان يسافر بالمصحف الى ارض الكفار، حديث: 1869، ابوداود: 2610، نسائى فى الكبرى: 8060، ابن ماجه: 2879، احمد: 2/ 63 (5293).

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا ذَلِكَ مَخَافَةَ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ یہ (ممانعت) صرف اس اندیشے کی بناپر ہے کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) دشمن اسے پکڑ لے (اور پھر اس کی گستاخی وتوہین کا ارتکاب کرے)۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کے یہ آخری الفاظ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہیں۔(مسلم: 1869/ 93، 94) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی صورت میں دشمن کے علاقے میں قرآن پاک لے جانا حرام ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ دشمن کی طرف سے کوئی برا اندیشہ ہو ورنہ مکروہ بھی نہیں، نیز دعوت وتبلیغ کے لیے کفار کی طرف آیات لکھ کر بھیجنا متفقہ طور پر جائز ہے۔اسی طرح اگر کوئی کافر قرآن سے متاثر ہو کر اس کا مطالعہ کرنا چاہے یا اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید ہو تو اسے قرآن مجید دینا جائز ہے۔

3- بَابٌ: النَّهْيُ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ فِي الْغَزْوِ

جنگ میں (کفار کی) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں سے تین مرفوع ہیں اور وہ بخاری ومسلم کی احادیث میں سے ہیں اور ایک روایت موقوف ہے اور وہ سنداً ضعیف ہے۔

[966] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ - قَالَ : حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ : عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ - قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ الَّذِينَ قَتَلُوا ابْنَ أَبِي الْحُقَيْقِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ ، قَالَ : فَكَانَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يَقُولُ : بَرَّحَتْ بِنَا امْرَأَةُ ابْنِ أَبِي الْحُقَيْقِ بِالصِّيَاحِ ، فَأَرْفَعُ السَّيْفَ عَلَيْهَا ، ثُمَّ أَذْكُرُ نَهْيَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَكُفُّ ، وَلَوْلَا ذَلِكَ اسْتَرَحْنَا مِنْهَا .

عبدالرحمٰن بن کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جنھوں نے ابن ابی الحقیق کو قتل کیا تھا، (آپ ﷺ نے انھیں) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا، عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ (مہم پر جانے والے) ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) میں سے ایک شخص کہا کرتے تھے کہ ابن ابی الحقیق کی ایک بیوی نے چیخ مار کر ہمارا معاملہ ظاہر کر دیا تھا، سو میں (اُسے مارنے کے لیے) اس پر تلوار اٹھاتا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی ممانعت یاد آجاتی، چنانچہ میں رُک جاتا اور اگر یہ (ممانعت) نہ ہوتی تو ہم اس (کو مار کر اس) سے راحت حاصل کر لیتے۔

فائدہ :...... ہاں اگر کفار ان بچوں یا عورتوں کو ڈھال بنالیں یا یہ ان کفار پر حملے میں رکاوٹ بنیں یا یہ عملاً

[966] (مرفوع صحيح) بيهقي: 9/ 77 (18086)، ابو عوانه: 4/ 221 (6587)، ابن ابي شيبه: 12/ 381، سعيد بن منصور: 2627، الشافعي في الأم: 4/ 239- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

لڑائی میں برابر کے شریک ہوں تو پھر معاملہ مستثنیٰ ہے اور انھیں مار دیا جائے گا جیسا کہ شبخون مارنے کے متعلق روایت میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں مارنے کی اجازت دی ہے۔ (بخاری: 3012، مسلم: 1745) رسول اللہ ﷺ نے توہین رسالت کے مرتکب دو یہودی سرداروں کو خود قتل کروایا تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد 14 ربیع الاول 3ھ کی چاندنی رات میں انصار مدینہ کے قبیلہ اوس کے حضرت عباد بن بشر، حضرت ابونائلہ (سلکان بن سلامہ)، حضرت حارث بن اوس اور حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے جنوب میں واقع بنونضیر کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قلعہ کے پاس اُسے قتل کیا۔ (بخاری: 4037) پھر غزوہ احزاب میں کفار کو مسلمانوں کے خلاف ورغلانے میں پیش پیش یہودی سردار سلام بن ابی الحقیق جو ابورافع کی کنیت سے مشہور تھا، کو قتل کرنے کے لیے قبیلہ خزرج کے حضرت عبداللہ بن انیس (یا عبداللہ بن عتبہ)، حضرت ابوقتادہ، حضرت مسعود بن سنان اور حضرت اسود بن خزاعی رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 5ھ کے آخری ایام میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے کمال مہارت سے بھیس بدل کر قلعے میں گھس کر اکیلے ہی اُسے قتل کیا، تفصیل کے لیے دیکھیے بخاری: 4038-4040۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق صرف حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا تھا اس لیے موطا کی روایت میں بھی وہی مراد ہیں۔

[967] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ [عَنِ ابْنِ عُمَرَ] أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ امْرَأَةً مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ ذٰلِكَ وَنَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنے غزوات میں سے کسی (غزوۂ فتح مکہ) میں ایک مقتول عورت کو دیکھا تو اس کا انکار فرمایا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے روک دیا۔

[968] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعَثَ جُيُوشاً إِلَى الشَّامِ، فَخَرَجَ يَمْشِي مَعَ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ - وَكَانَ أَمِيرَ رُبْعٍ مِنْ تِلْكَ الْأَرْبَاعِ

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی طرف لشکر روانہ فرمائے، پھر خود پیدل چلتے ہوئے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور وہ (حضرت یزید رضی اللہ عنہ) ان علاقوں سے

[967] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب قتل الصبیان فی الحرب، حدیث: 3014، 3015، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، حدیث: 1744، ابوداود: 2668، ترمذی: 1569، نسائی فی الکبری: 8618، ابن ماجه: 2841، دارمی: 2462۔

[968] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 9/ 89، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 28 (5416)، عبدالرزاق: 5/ 199 (9375)، ابن ابی شیبه: 3311۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

فَزَعَمُوا أَنَّ يَزِيدَ قَالَ لأَبِي بَكْرٍ: إِمَّا أَنْ تَرْكَبَ، وَإِمَّا أَنْ أَنْزِلَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا أَنْتَ بِنَازِلٍ، وَمَا أَنَا بِرَاكِبٍ، إِنِّي أَحْتَسِبُ خُطَايَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: إِنَّكَ سَتَجِدُ قَوْماً زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَّسُوا أَنْفُسَهُمْ لِلَّهِ، فَذَرْهُمْ وَمَا زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَّسُوا أَنْفُسَهُمْ لَهُ، وَسَتَجِدُ قَوْماً فَحَصُوا عَنْ أَوْسَاطِ رُؤُوسِهِمْ مِنَ الشَّعَرِ، فَاضْرِبْ مَا فَحَصُوا عَنْهُ بِالسَّيْفِ، وَإِنِّي مُوصِيكَ بِعَشْرٍ: لاَ تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً، وَلاَ صَبِيًّا، وَلاَ كَبِيراً هَرِماً وَلاَ تَقْطَعَنَّ شَجَراً مُثْمِراً، وَلاَ تُخَرِّبَنَّ عَامِراً، وَلاَ تَعْقِرَنَّ شَاةً وَلاَ بَعِيراً، إِلاَّ لِمَأْكُلَةٍ، وَلاَ تَحْرِقَنَّ نَخْلاً، وَلاَ تُغَرِّقَنَّهُ، وَلاَ تَغْلُلْ، وَلاَ تَجْبُنْ.

ایک علاقے کے امیر تھے،لوگ کہتے ہیں کہ حضرت یزید رضی اللہ عنہ (جوسواری پر تھے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کرنے لگے کہ یا تو آپ بھی سوار ہوجایئے یا پھر میں نیچے اتر تا ہوں،تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ تم اترو اور نہ میں سوار ہوں گا، بے شک میں اللہ کی راہ میں اٹھنے والے اپنے ان قدموں سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، پھرانھوں نے ان سے فرمایا: یقیناً تم کچھ ایسے لوگوں (راہبوں اور درویشوں وغیرہ) کو پاؤ گے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے روک (کرخود کو وقف) کررکھا ہے،لہٰذا تم ان کو اوران کے اس کام (عبادت درسوم وغیرہ) کو چھوڑ دینا جس کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے انھوں نے خودکوروک رکھا ہے (ان سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ لشکر اسلام کے مدمقابل نہیں آتے) اور یقیناً تم کچھ ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے سروں کے درمیان سے کچھ بال منڈا رکھے ہوں گے (جو مجوسیوں کی یا عیسائی سرداروں کی علامت تھی) تو جو انھوں نے منڈا رکھا ہے تم وہاں تلوار مارنا (اوران کوقتل کرڈالنا)اور بلاشبہ میں تمھیں دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں: نہ کسی عورت کوقتل کرنا، نہ کسی بچے کو، اور نہ کسی بہت زیادہ عمر رسیدہ بوڑھے کو مارنا، کسی پھلدار درخت کو ہرگز نہ کاٹنا،کسی بستی کو ہرگز نہ اجاڑنا، نہ کسی بکری کی اور نہ کسی اونٹ کی پچھلی ٹانگیں کاٹنا(یعنی جانور بھی قتل نہ کرنا) سوائے (اس کے کہ تم) کھانے کے لیے (انھیں ذبح کر سکتے ہو)اور شہد کی مکھیوں کو ہرگز نہ جلانا، نہ انھیں اڑا کرمتفرق کرنا، نہ مال غنیمت میں خیانت کرنا اور نہ بزدلی دکھانا۔

فائدہ: ......شام کی طرف جانے والے اس لشکر کے باقی تین حصوں کے سرداراور سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عمرو بن عاص، اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم تھے۔

[969] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن

[969] (مقطوع ضعیف،مرفوع صحیح) مرفوع کے لیے دیکھیں صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب تامير الامام الامراء على البعوث، حديث: 1731، ابوداود: 2613، ترمذی: 1408، نسائی فی الکبری: 8586، ابن ماجه: 2858، احمد: 5/ 352 (23366)، دارمی: 2439۔

عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ إِلَى عَامِلٍ مِنْ عُمَّالِهِ : أَنَّهُ بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً يَقُولُ لَهُمْ: اغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ، فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، تُقَاتِلُونَ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيداً وَقُلْ ذٰلِكَ لِجُيُوشِكَ وَسَرَايَاكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ .

عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عاملوں (گورنروں، سرکاری عہدیداروں) میں سے ایک عامل کی طرف لکھا کہ بلاشبہ ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ جب کسی دستے کو روانہ کرنے لگتے تو ان سے فرماتے: ''اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑائی کے لیے نکلو، تم ہر اس شخص سے لڑو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، نہ مال غنیمت میں خیانت کرو، نہ عہد شکنی کرو، نہ مُثلہ کرو (لاشوں کے ناک کان وغیرہ نہ کاٹو) اور نہ کسی بچے کو قتل کرو اور نہ کسی عورت کو۔'' اور تم اپنے تمام لشکروں اور دستوں سے یہ باتیں کہہ دینا، ان شاء اللہ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

فائدہ: ...... یہ آخر میں ان شاء اللہ بطور تبرک ہے۔

4- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْوَفَاءِ بِالْأَمَانِ

پناہ اور امان دینے پر پاسداری و وفاداری کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ (التوبة 9:6) ''اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔'' اسی طرح فرمان ربانی ہے: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل 17:34) ''اور تم عہد پورا کرو کیونکہ بلاشبہ عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔'' فرمان نبوی ﷺ ہے: ''جس شخص نے کسی کو امان دی، پھر اسے قتل کر ڈالا تو وہ قیامت کے دن عہد شکنی کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوگا۔'' (ابن ماجه: 2688، مسند احمد: 5/ 223۔ اس کی سند صحیح ہے، الصحيحة: 440)

[970] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

اہل کوفہ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کے عامل (امیر)

[970] (موقوف ضعيف) الشافعي في الام: 7/ 241، بيهقي في السنن الكبرى: 9/ 96 (18180) وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 38 (5429)، عبدالرزاق: 9429، ابن ابي شيبه: 33389۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

كَتَبَ إِلَى عَامِلِ جَيْشٍ ، كَانَ بَعَثَهُ : إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالاً مِنْكُمْ يَطْلُبُونَ الْعِلْجَ ، حَتَّى إِذَا أَسْنَدَ فِي الْجَبَلِ وَامْتَنَعَ ، قَالَ رَجُلٌ : مَطْرَسْ - يَقُولُ لاَ تَخَفْ - ، فَإِذَا أَدْرَكَهُ قَتَلَهُ ، وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ أَعْلَمُ مَكَانَ وَاحِدٍ فَعَلَ ذَلِكَ ، إِلاَّ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ .

جسے انھوں نے روانہ فرمایا تھا، کو لکھا کہ یقیناً مجھے خبر پہنچی ہے کہ بلاشبہ تم میں سے کچھ لوگ کسی عجمی کافر کا تعاقب کرتے ہیں، (وہ ہاتھ نہیں آتا) پھر جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور محفوظ ہو جاتا ہے تو کوئی (مسلمان) شخص (اس سے فارسی زبان میں) کہتا ہے: مَطْرَس (مَتَرس) یعنی مت ڈر۔ (مجھ سے نہ ڈر، میں تمھیں امان دیتا ہوں) پھر جب وہ اسے پالیتا ہے تو (پناہ دینے کا اقرار توڑ کر اسے) قتل کر دیتا ہے اور بلاشبہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں جس کسی کو بھی ایسا کرتے ہوئے جان لوں گا میں ضرور ضرور اس کی گردن مار ڈالوں گا۔

فائدہ : ......یعنی مذکورہ صورت میں کافر کے قتل کے بدلے مسلمان کو قتل کر دوں گا، اگرچہ یہ فعل حرام ہی ہے لیکن تغلیظ کے طور پر ایسا کہا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مذکورہ صورت میں مسلمان سے قصاص لینا درست نہیں، اور یہی راجح ہے کہ اسلامی قوانین میں کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے کیونکہ یہ فرمان نبوی ہے: وَأَنْ لاَ يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ ''اور کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔'' (بخاری:111، 1870، ابوداود: 4530، ترمذی: 1412، نسائی: 4748) بہر حال مستامن (امان دیے ہوئے شخص) کو قتل کرنا متفقہ طور پر ناجائز ہے، اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ اس کے قاتل مسلمان سے قصاص لینا کیسا ہے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : لَيْسَ هَذَا الْحَدِيثُ بِالْمُجْتَمَعِ عَلَيْهِ ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی اس حدیث پر (اہل علم کا) اجماع واتفاق نہیں ہے اور نہ ہی اس پر عمل (ہوتا) ہے۔

قَالَ: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الإِشَارَةِ بِالأَمَانِ ، أَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْكَلاَمِ ؟ فَقَالَ : نَعَمْ وَإِنِّي أَرَى أَنْ يُتَقَدَّمَ إِلَى الْجُيُوشِ : أَنْ لاَ تَقْتُلُوا أَحَداً أَشَارُوا إِلَيْهِ بِالأَمَانِ ، لأَنَّ الإِشَارَةَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ الْكَلاَمِ ، وَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ : مَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلاَّ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ .

امام مالک رحمہ اللہ سے ''اشارے کے ساتھ امان دینے'' کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا (یہ معتبر ہے اور کیا) یہ اشارہ، کلام کے قائم مقام ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں اور بے شک میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ یہ بات (تمام) لشکروں تک پہنچا دی جائے کہ کسی ایسے شخص کو مت قتل کریں جس کی طرف انھوں نے امان کا اشارہ کیا ہو کیونکہ بلاشبہ میرے نزدیک اشارہ بھی کلام ہی کے قائم مقام ہے اور اس لیے بھی کہ یقیناً

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو قوم عہد کو توڑ دیتی ہے تو ضرور ان پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔(طبرانی فی المعجم الکبیر: 11/ 10992، الترغیب والترھیب: 1111، اس کی سند صحیح لغیرہ ہے) یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔(ابن ماجہ:4019، بیہقی:3/ 346، نیز دیکھیے الترغیب والترھیب، کتاب الصدقات، باب: 2، حدیث:1110) موطا میں یہ روایت موقوف ہی ہے جو آگے تیرھویں باب میں آ رہی ہے۔ (موطا:983)

5- بَابٌ: الْعَمَلُ فِيمَنْ أَعْطَى شَيْئًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اس طریقہ کار کا بیان جو اللہ کی راہ میں کوئی چیز دینے والا اختیار کرے

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[971] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَعْطَى شَيْئاً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ: إِذَا بَلَغْتَ وَادِيَ الْقُرَى فَشَأْنَكَ بِهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک جب وہ اللہ کی راہ میں (کسی کو جہاد کے لیے) کوئی چیز دیتے تو اس چیز (کو لینے) والے شخص سے فرماتے: جب تو وادیٔ قریٰ میں پہنچ جائے تو اس چیز کے ساتھ اپنی حالت کو لازم پکڑ (اور جس طرح چاہے استعمال کر)۔

فائدہ: ...... اس دور میں ملک شام کی حدود خیبر کے قریب وادی قریٰ سے شروع ہوتی تھیں اور یہ جگہ جہادی سرگرمیوں کا مرکز تھی، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی مجاہد کو جہاد کے متعلقہ کوئی چیز دیتے تو مذکورہ بالا بات اس لیے کہتے تاکہ وہ شخص اسے کسی اور جگہ استعمال نہ کرے، اس طرح وہ جہاد سے بھی منہ نہ موڑے گا، کیونکہ جہادی معرکوں کے مقام پر پہنچنے والے مجاہد کے متعلق ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ اب وہ جہاد میں عملاً بھی شریک ہو جائے گا اور وہ چیز بھی وہیں صرف ہوگی جہاں استعمال کرنے کے لیے صدقہ کی گئی ہے، بہرحال ایسا کرنا جائز ہے، جس طرح کہ کوئی شخص کسی کو کوئی چیز دے کر کہتا ہے کہ اسے رمضان المبارک ہی میں استعمال کرنا یا فلاں کام ہی میں خرچ کرنا، وغیرہ۔

---

[971] (موقوف صحیح) عبدالرزاق:9668، ابن ابی شیبہ:33490، سعید بن منصور:2359۔ شیخ سلیم نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[972] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ: إِذَا أُعْطِيَ الرَّجُلُ الشَّيْءَ فِي الْغَزْوِ، فَيَبْلُغُ بِهِ رَأْسَ مَغْزَاتِهِ فَهُوَ لَهُ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جب کوئی شخص غزوے میں شرکت کے لیے کوئی چیز دے، پھر وہ (وصول کرنے والا شخص) اسے لے کر اپنے غزوے کے مقام (دارالجہاد، ارض جہاد میں) پہنچ جائے تو وہ چیز اس کی ہو جاتی ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ الْغَزْوَ، فَتَجَهَّزَ حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ مَنَعَهُ أَبَوَاهُ، أَوْ أَحَدُهُمَا، فَقَالَ: لَا يُكَابِرْهُمَا، وَلَكِنْ يُؤَخِّرُ ذَلِكَ إِلَى عَامٍ آخَرَ، فَأَمَّا الْجِهَازُ فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَرْفَعَهُ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ، فَإِنْ خَشِيَ أَنْ يَفْسُدَ بَاعَهُ وَأَمْسَكَ ثَمَنَهُ، حَتَّى يَشْتَرِيَ بِهِ مَا يُصْلِحُهُ لِلْغَزْوِ، فَإِنْ كَانَ مُوسِراً يَجِدُ مِثْلَ جِهَازِهِ إِذَا خَرَجَ، فَلْيَصْنَعْ بِجِهَازِهِ مَا شَاءَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے اوپر غزوہ (جہاد) کو واجب کر لیا، (جہاد کرنے کی قسم کھالی یا نذر مان لی) پھر اس نے سامان بھی تیار کر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس کے والدین نے یا ان میں سے کسی ایک نے اسے روک دیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ وہ ان کی مخالفت کرے، بلکہ وہ جہاد کو کسی دوسرے سال تک مؤخر کر دے، رہا تیاری کا سامان تو بے شک میری رائے یہ ہے کہ اُسے رکھ چھوڑے یہاں تک کہ (آئندہ سال) اُسے لے کر نکلے، پھر اگر اسے خدشہ ہو کہ وہ خراب ہو جائے گا تو اسے بیچ ڈالے اور اس کی قیمت کو (سنبھال کر) روک رکھے یہاں تک کہ اس کے ساتھ وہی کچھ خریدے جو جہاد کے لیے اسے قابل بنا سکے (اور جس کی جہاد میں ضرورت بھی ہو)، پھر اگر ایسا شخص مالدار ہو اور جس وقت وہ (آئندہ سال جہاد کے لیے) نکلے گا تو (اپنی مالداری کی وجہ سے) اسی سامان کی طرح (بآسانی نیا سامان خرید کر) پالے گا تو وہ اپنے اس (تیار شدہ) سامان کے ساتھ جو چاہے کرے۔

فائدہ: ...... چاہے تو سنبھال رکھے، چاہے تو صدقہ کر دے، چاہے تو جہاد میں بھیج دے اور چاہے تو بیچ کر قیمت سنبھال رکھے۔

6- بَابٌ: جَامِعُ النَّفْلِ فِي الْغَزْوِ

جہاد میں (غنیمت میں سے) زائد حصہ ملنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو صحیحین میں بھی موجود

[972] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 9671، سعیدبن منصور: 2358۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ہے اور ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... "نَـفَـل" کا لفظ کبھی مال غنیمت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ انفال کے آغاز میں ہے اور اس کا خاص مفہوم یہ ہے کہ بعض مجاہدین کو ان کے حسنِ کارکردگی یا زائد محنت یا اضافی ذمہ داری نبھانے پر مال غنیمت کے حصے کے علاوہ کوئی زائد انعام دیا جائے گا اور یہ انعام مال غنیمت کے اس خُمس (پانچویں حصے) سے دیا جائے گا جو اللہ و رسول ﷺ کے لیے یعنی بیت المال کے لیے نکالا جاتا ہے۔

[973] حَـدَّثَـنِـي يَـحْيَـى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَـافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَـعَـثَ سَـرِيَّةً فِيهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قِبَلَ نَـجْـدٍ، فَغَنِمُوا إِبِلاً كَثِيرَةً، فَكَانَ سُهْمَانُهُمُ اثْـنَـيْ عَشَـرَ بَـعِـيراً، أَوْ أَحَـدَ عَشَـرَ بَعِيراً، وَنُفِّلُوا بَعِيراً بَعِيراً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے نجد کی جانب ایک جہادی دستہ (بڑے لشکر سے منتخب کر کے) روانہ فرمایا، جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، چنانچہ انھوں نے بہت زیادہ اونٹ غنیمت میں حاصل کیے اور ان (تمام مجاہدین) کے حصوں میں بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ آئے اور ان (منتخب مجاہدین) کو ایک ایک اونٹ (نَفَل کے طور پر) زائد عطا کیا گیا۔

فائدہ: ...... ابن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ یہ مکمل لشکر چار ہزار مجاہدین کا تھا اور ابن سعید رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ اس لشکر میں سے پندرہ مجاہدین کا ایک دستہ کسی اور مہم پر بھی روانہ کیا گیا، تفصیلی روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس دستے کا حاصل کردہ مال غنیمت بھی مشترکہ مال غنیمت میں شامل کیا گیا، پھر مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے الگ کیا گیا اور باقی چار حصے مجاہدین میں برابر تقسیم کیے گئے تو سب کو بارہ بارہ اونٹ ملے۔ (بخاری: 4338، مسلم: 1749/ 37) پھر ان پندرہ مجاہدین کو بیت المال والے حصے میں سے ایک ایک اونٹ مزید دیا گیا۔ (مسلم: 1750) یہ انعام امیر لشکر نے دیا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے بحال رکھا۔ (ابو داود: 2743) اسی لیے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

[974] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن

[973] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، باب ومن الدليل على ان الخمس لنوائب المسلمين، حديث: 3134، 4338، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب الانفال، حديث: 1749، ابوداود: 2744، احمد: 2/ 62 (5288)، دارمي: 2481۔

[974] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

سَعِيدٍ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ فِي الْغَزْوِ إِذَا اقْتَسَمُوا غَنَائِمَهُمْ، يَعْدِلُونَ الْبَعِيرَ بِعَشْرِ شِيَاهٍ.

مسیب کو یہ فرماتے ہوئے سنا: لوگ جہاد میں جب اپنی غنیمتیں تقسیم کرتے تھے تو ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیتے تھے۔

فائدہ: ...... یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔(مسلم:1968/21، ابوداود:2821، نسائی: 4396، ابن ماجہ:3137)

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي الأَجِيرِ فِي الْغَزْوِ: إِنَّهُ إِنْ كَانَ شَهِدَ الْقِتَالَ، وَكَانَ مَعَ النَّاسِ عِنْدَ الْقِتَالِ، وَكَانَ حُرًّا، فَلَهُ سَهْمُهُ، وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلاَ سَهْمَ لَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مزدور کے متعلق فرمایا جو (کفار کے ساتھ) لڑائیوں میں (کسی کی جگہ اجرت لے کر جنگ میں شامل) ہوتا ہے، (فرمایا:) اگر تو وہ لڑائی میں حاضر ہوا اور لڑائی کے وقت لوگوں کے ساتھ رہا ہو اور آزاد ہو تو اس کے لیے (مال غنیمت میں سے) اس کا حصہ ہوگا، پھر اگر اس نے ایسا نہ کیا (اور لڑائی میں شریک نہ ہوا) تو اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

فائدہ: ...... جنگوں میں دو قسم کے مزدور رکھے جاتے تھے، خدمت کے لیے اور لڑنے کے لیے، چنانچہ خدمت گار کو تو کوئی حصہ نہیں ملتا، اُسے تو بس طے شدہ مزدوری ہی ملے گی اور اگر وہ خدمت والا مزدور لڑائی میں شامل ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اُسے حصہ ملے گا لیکن امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اُسے مال غنیمت میں سے کچھ نہ ملے گا...... رہا وہ مزدور جو لڑائی ہی کے لیے اجرت طے کر کے شامل ہوا ہو تو موالک واحناف کے نزدیک اُسے غنیمت سے حصہ نہ ملے گا، امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ اُسے صرف طے شدہ اجرت ملے گی، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس مزدور پر جہاد واجب نہ ہو تو اُسے صرف اجرت ومزدوری ہی ملے گی اور اگر اس پر جہاد واجب ہو تو وہ مجاہد شمار ہوگا اور غنیمت سے حصہ بھی پائے گا البتہ مزدوری سے محروم رہے گا۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: وَأَرَى أَنْ لاَ يُقْسَمَ إِلاَّ لِمَنْ شَهِدَ الْقِتَالَ مِنَ الأَحْرَارِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہی خیال کرتا ہوں کہ (مال غنیمت کی) تقسیم نہیں کی جائے گی مگر صرف اس کے لیے جو لڑائی میں حاضر ہوا اور آزاد افراد میں سے ہو۔

فائدہ: ...... چنانچہ نہ کسی غلام کو مال غنیمت کا حصہ ملتا ہے اور نہ کسی غیر حاضر شخص کو۔

7- بَابٌ: مَا لَا يَجِبُ فِيهِ الْخُمُسُ

اس مال کا بیان جس میں خُمس واجب نہیں

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ وُجِدَ مِنَ الْعَدُوِّ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ بِأَرْضِ الْمُسْلِمِينَ، فَزَعَمُوا أَنَّهُمْ تُجَّارٌ، وَأَنَّ الْبَحْرَ لَفَظَهُمْ، وَلاَ يَعْرِفُ الْمُسْلِمُونَ تَصْدِيقَ ذَلِكَ، إِلاَّ أَنَّ مَرَاكِبَهُمْ تَكَسَّرَتْ، أَوْ عَطِشُوا فَنَزَلُوا بِغَيْرِ إِذْنِ الْمُسْلِمِينَ: أَرَى أَنَّ ذَلِكَ لِلإِمَامِ يَرَى فِيهِمْ رَأْيَهُ، وَلاَ أَرَى لِمَنْ أَخَذَهُمْ فِيهِمْ خُمُساً.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سمندر کے ساحل پر مسلمانوں کے علاقے میں کچھ دشمنوں کو پا لے، جو یہ کہیں کہ بے شک وہ تو تاجر ہیں اور یقیناً سمندر نے انھیں (یہاں) لا پھینکا ہے اور مسلمان اس بات کی سچائی کو (کسی باوثوق اور پختہ ذریعے سے) نہ جان سکیں، سوائے اس کے کہ ان کی کشتیاں ٹوٹی ہوئی پڑی ہوں یا (وہ دشمن یہ عذر بیان کرے کہ) وہ پیاسے تھے جس کی وجہ سے انھوں نے مسلمانوں کی اجازت کے بغیر (پیاس سے مجبور ہو کر اس ساحل پر) پڑاؤ ڈالا ہے، (امام مالک رحمہ اللہ نے ان کے متعلق فرمایا:) میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ معاملہ امام (مسلمانوں کے امیر اور حاکم) پر موقوف ہے، وہ ان کے متعلق اپنی (کوئی بھی) رائے اختیار کر سکتا ہے، (چاہے تو انھیں آزاد کر دے یا پھر قید کر دے) اور جن لوگوں نے انھیں گرفتار کیا ہے ان کے لیے ان (کے مال) میں کوئی خمس نہیں دیکھتا۔

فائدہ :...... چونکہ یہ افراد بغیر لڑائی کے گرفتار ہوئے اور ان کا ارادہ بھی لڑنے کا نہ تھا، بس طوفان یا پیاس کی مجبوری آن پڑی تھی، اس لیے یہ لوگ اور ان کا مال، عام مال غنیمت کی حیثیت نہیں رکھتا، چنانچہ جب وہ مال غنیمت ہی نہیں تو نہ اس کا خمس (پانچواں حصہ) بیت المال کے لیے نکالیں گے اور نہ مجاہدین اسے باہم تقسیم کریں گے، البتہ اگر امام انھیں گرفتار رکھنا چاہے تو ان کا مال، مالِ فے شمار ہوگا، جو سارے کا سارا بیت المال کا حق ہے۔

8- بَابٌ: مَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ أَكْلُهُ قَبْلَ الْخُمُسِ

اس چیز کا بیان جسے خمس نکالنے سے قبل ہی مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات ذکر کیے گئے ہیں۔

فائدہ :...... اگرچہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چھپانا یا استعمال کرنا خیانت کہلاتا ہے اور سنگین جرم ہے اور پھر سب سے پہلے مال غنیمت میں سے خمس نکال کر بعد ہی میں مجاہدین میں تقسیم شروع ہوتی ہے لیکن کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں خمس نکالنے اور تقسیم سے قبل بھی کھا لینا درست ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لاَ أَرَى بَأْساً أَنْ يَأْكُلَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا دَخَلُوا أَرْضَ الْعَدُوِّ مِنْ طَعَامِهِمْ، مَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ جب مسلمان دشمن کی زمین میں داخل ہوں تو وہ ان

وَجَدُوا مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ، قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِي الْمَقَاسِمِ.

کی کھانے کی چیزوں میں سے کچھ بھی پائیں سب میں سے کھا سکتے ہیں، پہلے اس سے کہ وہ کھانا مال غنیمت کی تقسیم میں داخل ہو۔

فائدہ :...... چونکہ مجاہدین اوران کے جانوروں کوکھانے اورقوت حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس لیے کفار سے حاصل شدہ اشیائے خوردونوش کوقبل ازتقسیم بھی استعمال کرلینا جائز قرار دیا گیا ہے،خواہ وہ پھل ہوں یا مشروبات یا آگ کی پکی ہوئی چیزیں، نیز اس کے لیے حکمران یا سپہ سالار سے خاص اجازت حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ یہ شرط ہے کہ بقدرِ ضرورت کھانا استعمال کیا جائے اور باقی ماندہ دوسرے مجاہدین کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ (ابوداود:2704، احمد: 4/ 354۔اس کی سند صحیح ہے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :ہمیں جنگوں میں شہد اورانگور وغیرہ ہاتھ لگتے تو ہم انھیں کھا پی لیتے لیکن انھیں اٹھا کر نہ لے جاتے۔ (بخاری:3154) اوران میں سے ابھی خمس (پانچواں حصہ) نکالا نہیں گیا تھا۔ (ابوداود:2701، بیہقی: 9/ 59، ابن حبان:4825۔اس کی سند صحیح ہے) نیز اگر وہ کافر اہل کتاب میں سے ہوں تو ان کے ذبح شدہ جانوروں اوران کے گوشت اور چربی سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال بھی درست ہے۔ (بخاری:3153، مسلم:1772)

قَالَ مَالِكٌ : وَأَنَا أَرَى الإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ، يَأْكُلُ مِنْهُ الْمُسْلِمُونَ إِذَا دَخَلُوا أَرْضَ الْعَدُوِّ، كَمَا يَأْكُلُونَ مِنَ الطَّعَامِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اورمیں اونٹوں، گائیوں اور بکریوں کوبھی کھانے ہی کی طرح خیال کرتا ہوں، مسلمان جب دشمن کی زمین میں داخل ہوں تو وہ انھیں (ذبح کرکے) کھاسکتے ہیں جس طرح کہ وہ ان (دوسری قسموں کا) کھانا کھالیتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ أَنَّ ذَلِكَ لاَ يُؤْكَلُ حَتَّى يَحْضُرَ النَّاسُ الْمَقَاسِمَ، وَيُقْسَمَ بَيْنَهُمْ، أَضَرَّ ذَلِكَ بِالْجُيُوشِ، فَلاَ أَرَى بَأْساً بِمَا أُكِلَ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ، وَلاَ أَرَى أَنْ يَدَّخِرَ أَحَدٌ مِنْ ذَلِكَ شَيْئاً يَرْجِعُ بِهِ إِلَى أَهْلِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اوراگر لوگوں کے تقسیم کے موقع پر حاضر ہونے اور تقسیم ہوجانے تک یہ چیزیں نہ کھائی جائیں (اوران کے استعمال کی اجازت نہ دی جائے) تو یہ (ممانعت،اسلامی) لشکروں کونقصان پہنچائے گی،لہٰذا میں تو اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ لوگ معروف طریقے کے مطابق اورحاجت کے مطابق ان تمام مذکورہ چیزوں سے کھالیں، اور (البتہ) میں یہ (درست) خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کوذخیرہ کرلے اوراس (ذخیرہ شدہ یا باقی ماندہ زائد کھانے) کواپنے گھروالوں کے پاس لے جائے۔

فائدہ : ...... جمہور کے نزدیک کفار کے جانوروں کو ذبح کر کے کھانا درست ہے، خواہ دوسرے کھانے موجود ہوں یا نہ ہوں، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب کوئی اور کھانا نہ ہو تو پھر ہی ان کے جانور بقدر ضرورت ذبح کیے جا سکتے ہیں، اسی طرح جمہور کے نزدیک مال غنیمت کی تقسیم سے قبل اس میں سے جانوروں کا چارہ اور چولھوں کا ایندھن استعمال کرنا بھی جائز ہے، نیز دوران جنگ ان کا تیل لگانا، ان کے کپڑے پہننا، اسلحہ اور سواری استعمال کرنا بھی جائز ہے لیکن ان چیزوں کی جنگ ختم ہونے پر مال غنیمت میں لوٹانا ضروری ہے۔

قَالَ : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يُصِيبُ الطَّعَامَ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ وَيَتَزَوَّدُ، فَيَفْضُلُ مِنْهُ شَيْءٌ، أَيَصْلُحُ لَهُ أَنْ يَحْبِسَهُ فَيَأْكُلَهُ فِي أَهْلِهِ، أَوْ يَبِيعَهُ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ بِلَادَهُ فَيَنْتَفِعَ بِثَمَنِهِ ؟ قَالَ مَالِكٌ : إِنْ بَاعَهُ وَهُوَ فِي الْغَزْوِ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَجْعَلَ ثَمَنَهُ فِي غَنَائِمِ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنْ بَلَغَ بِهِ بَلَدَهُ فَلَا أَرَى بَأْساً أَنْ يَأْكُلَهُ وَيَنْتَفِعَ بِهِ إِذَا كَانَ يَسِيراً تَافِهاً .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو دشمن کے علاقے میں کھانا حاصل کر لیتا ہے پھر اس میں سے کچھ لیتا ہے اور (کچھ) زادِ راہ بنا لیتا ہے، پھر بھی اس میں سے کچھ زائد بچ جاتا ہے تو کیا اس کے لیے یہ درست ہے، کہ اُسے (اپنے پاس) روکے رکھے پھر (واپس گھر لوٹ کر) اسے اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے یا اپنے علاقے میں آنے سے قبل (راستے ہی میں) اسے بیچ ڈالے پھر اس کی قیمت سے نفع حاصل کرے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تو اس نے اسے اس حال میں بیچا کہ وہ جنگ میں مصروف تھا تو بے شک میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس کی قیمت مسلمانوں کی غنیمتوں میں شامل کرے اور اگر اسے لے کر اپنے علاقے میں پہنچ گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ وہ اسے کھا لے اور اس سے نفع اٹھا لے، بشرطیکہ وہ (کھانے کی چیز) بہت کم اور گھٹیا سی ہو۔

فائدہ : ...... چنانچہ اگر وہ کھانے کی چیز زیادہ مقدار میں ہو یا قیمتی ہو تو پھر اسے لے جانا یا بیچ دینا درست نہیں، امام احمد رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باقی ماندہ ہر چیز خواہ کم ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا ردی، وہ مال غنیمت میں لوٹائی جائے گی۔

9- بَابٌ: مَا يُرَدُّ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ الْقَسْمُ مِمَّا أَصَابَ الْعَدُوُّ

جو چیز دشمن نے چھین رکھی تھی اُسے تقسیم سے قبل (اس کے مالک کی طرف) لوٹانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مرفوع روایت (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ : ...... کسی مسلمان کا کوئی مال کافروں کے ہاتھ لگ جائے، پھر وہ مال غنیمت میں مسلمانوں کو واپس مل

جائے تو کیا وہ چیز اس کے اصل مالک ہی کا حق ہے یا باقی مال غنیمت کے ساتھ سب مجاہدین کے لیے مشترکہ شمار ہوگی اس کا یہاں بیان مقصود ہے۔

[975] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْداً لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَبَقَ، وَأَنَّ فَرَساً لَهُ عَارَ، فَأَصَابَهُمَا الْمُشْرِكُونَ، ثُمَّ غَنِمَهُمَا الْمُسْلِمُونَ، فَرُدَّا عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تُصِيبَهُمَا الْمَقَاسِمُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک غلام فرار ہو گیا اور یقیناً اُن کا ایک گھوڑا بھی بھاگ گیا، سو مشرکین نے ان دونوں کو قابو کر لیا، پھر مسلمانوں نے ان دونوں کو غنیمت میں پالیا تو وہ دونوں چیزیں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس لوٹا دی گئیں، اور یہ (واپس کیا جانا) مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہوا۔

فائدہ: ...... گھوڑے کا واقعہ عہد نبوی ﷺ میں جبکہ غلام کا واقعہ عہد صدیقی میں پیش آیا۔ (بخاری: 3067)

قَالَ وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: فِيمَا يُصِيبُ الْعَدُوُّ مِنْ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ: إِنَّهُ إِنْ أُدْرِكَ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِيهِ الْمَقَاسِمُ فَهُوَ رَدٌّ عَلَى أَهْلِهِ، وَأَمَّا مَا وَقَعَتْ فِيهِ الْمَقَاسِمُ فَلَا يُرَدُّ عَلَى أَحَدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے ان اموال کے متعلق فرمایا جنھیں دشمن حاصل کر لیتا ہے، (فرمایا:) کہ بلاشبہ اگر وہ تقسیم جاری ہونے سے قبل پالی گئی ہو تو وہ اپنے مالک کی طرف لوٹے گی اور رہی وہ چیز جس میں تقسیم واقع ہو چکی ہو تو وہ کسی پر نہیں لوٹائی جائے گی (بلکہ مشترکہ ہی شمار ہوگی)۔

فائدہ: ...... بعد از تقسیم اگر اس کا مالک اسے لینا چاہے تو قیمتاً ہی خرید سکتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ لیکن راجح موقف امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے کہ جب وہی چیز ہو بہو مل جائے تو پھر اصلی مالک ہی اس کا زیادہ مستحق ہے، خواہ تقسیم ہو چکی ہو یا نہ، اگر تقسیم ہو چکی ہو تو جس شخص کے حصے میں وہ چیز آئی ہو وہ اسے اصل مالک کی طرف لوٹا دے گا اور اسے بیت المال سے اس چیز کی قیمت ادا کی جائے گی۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ حَازَ الْمُشْرِكُونَ غُلَامَهُ، ثُمَّ غَنِمَهُ الْمُسْلِمُونَ قَالَ مَالِكٌ: صَاحِبُهُ أَوْلَى بِهِ، بِغَيْرِ ثَمَنٍ، وَلَا قِيمَةٍ، وَلَا غُرْمٍ، مَا لَمْ تُصِبْهُ الْمَقَاسِمُ، فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهِ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کا غلام مشرکین نے قبضے میں لے لیا ہو پھر مسلمانوں نے اُسے غنیمت میں پالیا ہو تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مالک ہی زیادہ حقدار ہے، بغیر کسی ثمن (مالی معاوضے) کے

[975] (مرفوع وموقوف صحيح) صحيح البخاری، كتاب الجهاد والسير، باب اذا غنم المشركون مال المسلم ثم وجده المسلم، حديث: 3067، 3068، سنن ابی داود، كتاب الجهاد، باب فی المال يصيبه العدو من المسلمين، حديث: 2698، 2699، ابن ماجه: 2847۔

الْمَقَاسِمُ فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَكُونَ الْغُلَامُ لِسَيِّدِهِ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ.

اور بغیر کسی قیمت (نقدی) کے اور بغیر کسی تاوان (چٹی) کے، بشرطیکہ جب تک اس کو (مال غنیمت کی) تقسیم نہ پہنچی ہو، چنانچہ اگر اس میں تقسیم واقع ہو چکی ہو (اور تقسیم کے بعد اصل مالک کو علم ہوا ہو) تو بلاشبہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ غلام اپنے آقا کو قیمتاً ہی مل سکتا ہے، اگر وہ (اصل مالک) چاہے (تو جس کے حصے میں وہ غلام آیا ہو اس مجاہد کو قیمت دے کر اپنا غلام وصول کر لے)۔

فائدہ :...... قیمت سے مراد ہر دن کا طے شدہ متعین بھاؤ ہوتا ہے جو نقدی یعنی سونا چاندی اور کرنسی کی شکل میں ہوتا ہے، جبکہ ''ثمن'' سے مراد کوئی مالی معاوضہ بھی ہوسکتا ہے جو فریقین میں طے پا جائے یا دہ بھاؤ بھی مراد ہوسکتا ہے جو بائع اور مشتری باہم طے کر کے لین دین کریں...... چٹی وتاوان کا مطلب یہ ہے کہ اصل مالک سے نان ونفقہ اور ان اخراجات کا مطالبہ نہ کیا جائے جو قبضہ کرنے والوں نے اس غلام پر کیے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي أُمِّ وَلَدِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَازَهَا الْمُشْرِكُونَ، ثُمَّ غَنِمَهَا الْمُسْلِمُونَ، فَقُسِمَتْ فِي الْمَقَاسِمِ، ثُمَّ عَرَفَهَا سَيِّدُهَا بَعْدَ الْقَسْمِ: إِنَّهَا لَا تُسْتَرَقُّ وَأَرَى أَنْ يَفْتَدِيَهَا الْإِمَامُ لِسَيِّدِهَا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَى سَيِّدِهَا أَنْ يَفْتَدِيَهَا وَلَا يَدَعَهَا، وَلَا أَرَى لِلَّذِي صَارَتْ لَهُ أَنْ يَسْتَرِقَّهَا، وَلَا يَسْتَحِلَّ فَرْجَهَا، وَإِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْحُرَّةِ، لِأَنَّ سَيِّدَهَا يُكَلَّفُ أَنْ يَفْتَدِيَهَا إِذَا جَرَحَتْ، فَهَذَا بِمَنْزِلَةِ ذَلِكَ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَلِّمَ أُمَّ وَلَدِهِ تُسْتَرَقُّ وَيُسْتَحَلُّ فَرْجُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے کسی شخص کی اس اُمّ وَلَد لونڈی کے متعلق فرمایا جسے مشرکین نے پکڑ لیا پھر اسے مسلمانوں نے غنیمت میں پالیا تو وہ تقسیم کردی گئی، پھر تقسیم کے بعد اس کے مالک نے اسے پہچان لیا، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ وہ قیدی نہ بنائی جائے گی اور میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ اس کے پہلے (اور اصل) آقا کی طرف سے امام (امیر) فدیہ دے کر اس لونڈی کو چھڑا لے (جس کے حصے میں وہ ام ولد لونڈی آئی ہو امیر لشکر اُسے قیمت ادا کر کے لونڈی واپس لے لے) پھر اگر امام ایسا نہ کرے تو اس کے آقا پر لازم ہے کہ اسے فدیہ دے کر چھڑا لے اور اُسے اس کے پاس نہ چھوڑے رکھے اور میں یہ درست نہیں سمجھتا کہ جس (مجاہد) کے حصے میں وہ ام ولد آئی ہو وہ اسے اپنی لونڈی بنا کر رکھے اور نہ ہی وہ اس کی شرم گاہ کو حلال جانے کیونکہ یہ لونڈی تو آزاد عورت کی طرح ہے (اور مسلمانوں کی کوئی آزاد عورت کفار کے پاس قید میں ہو اور مسلمان کفار پر غلبہ پا کر اسے حاصل کرلیں تو وہ مسلمانوں کی قیدی اور لونڈی نہیں بنتی اور مذکورہ مسئلے میں بھی یہ ام ولد جس شخص کے حصے میں آئی ہے اس کی لونڈی نہیں بن سکتی اور اگر وہ بغیر کسی عوض کے اسے اصل مالک کو لوٹا دیتا ہے تو اس کا اپنا حصہ غنیمت فوت ہو جاتا ہے، اس لیے امام کو چاہیے کہ نہ لونڈی کو اس کے پاس رہنے دے اور نہ مجاہد کو اس کے حصے سے محروم

ہونے دے، لیکن اگر وہ خود یہ کام نہ کرے تو اصل مالک کے ذمے ہے کہ اس لونڈی کو اس کی قیمت ادا کر کے حاصل کر لے۔) کیونکہ بلاشبہ ام ولد لونڈی جب (کسی کو) زخمی کر دے تو اس کا مالک اس بات کا مکلف اور پابند ہوتا ہے کہ اس کا فدیہ دے (اور مظلوم زخمی شخص کو دیت ادا کر کے اس لونڈی کی جان چھڑائے) تو یہ (گزشتہ صورت یعنی کسی مجاہد کے حصے میں چلی جانا اور اس کے پاس پھنس جانا) بھی اس (مذکورہ صورت یعنی زخمی کر کے پھنس جانے) کی طرح ہی ہے، لہٰذا اس (پہلے آقا) کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ام ولد لونڈی کو بے یار و مددگار چھوڑ دے کہ اسے لونڈی بنایا جا رہا ہو اور اس کی شرمگاہ کو حلال سمجھا جا رہا ہو (اور یہ خاموش بیٹھا رہے)۔

فائدہ: ...... اُمّ ولد وہ لونڈی ہوتی ہے جو اپنے آقا کی اولاد کو جنم دے چکی ہو، ایسی لونڈی اپنے آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، اس لونڈی کی دو حیثیتیں بن جاتی ہیں، ایک یہ کہ اب اس نے آزاد ہونا ہوتا ہے، اب یہ کسی اور کی لونڈی نہیں بنے گی لیکن اس کی آزادی خاوند کی موت تک مکمل نہیں ہوتی اور دوسری حیثیت لونڈی ہی کی ہوتی ہے اسی لیے تو آقا اس سے مباشرت بھی کرتا ہے...... بہرحال فتویٰ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ پہلی حیثیت کے اعتبار سے یعنی اپنی آزادی، اگرچہ ناقص ہی ہے، کے اعتبار سے کسی اور شخص کے قبضے میں نہیں رہ سکتی اور اس کی دوسری حیثیت کے اعتبار سے اس کا پرانا آقا اُسے چھڑانے کا ذمہ دار ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَخْرُجُ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ فِي الْمُفَادَاةِ، أَوْ فِي التِّجَارَةِ، فَيَشْتَرِي الْحُرَّ أَوِ الْعَبْدَ، أَوْ يُوهَبَانِ لَهُ. فَقَالَ: أَمَّا الْحُرُّ فَإِنَّ مَا اشْتَرَاهُ بِهِ دَيْنٌ عَلَيْهِ وَلاَ يُسْتَرَقُّ، وَإِنْ كَانَ وُهِبَ لَهُ فَهُوَ حُرٌّ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ أَعْطَى فِيهِ شَيْئاً مُكَافَأَةً، فَهُوَ دَيْنٌ عَلَى الْحُرِّ، بِمَنْزِلَةِ مَا اشْتُرِيَ بِهِ. وَأَمَّا الْعَبْدُ، فَإِنَّ سَيِّدَهُ الْأَوَّلَ مُخَيَّرٌ فِيهِ، إِنْ شَاءَ أَنْ يَأْخُذَهُ وَيَدْفَعَ إِلَى الَّذِي اشْتَرَاهُ ثَمَنَهُ فَذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يُسْلِمَهُ أَسْلَمَهُ، وَإِنْ كَانَ وُهِبَ لَهُ فَسَيِّدُهُ الْأَوَّلُ أَحَقُّ بِهِ، وَلاَ شَيْءَ عَلَيْهِ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ أَعْطَى فِيهِ شَيْئاً مُكَافَأَةً، فَيَكُونُ مَا

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مسلمانوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے معاملے میں یا تجارت کے حوالے سے دشمن کی طرف جاتا ہے، چنانچہ وہ (دشمنوں سے) کسی آزاد شخص کو یا کسی غلام ہی کو خرید لیتا ہے یا وہ اسے ہبہ کر دیے جاتے ہیں (اور وہ انھیں لے کر واپس آ جاتا ہے) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا آزاد شخص تو بے شک وہ قیمت (اور مال) جس کے بدلے اُس (خریدنے والے) نے اُسے خریدا تھا، وہ (قیمت) اُس (خریدار) کے حق میں اس (خریدے جانے والے آزاد شخص) پر قرض ہے، چنانچہ اُس کو غلام نہ بنایا جائے گا اور اگر وہ (دشمن سے حاصل شدہ آزاد مسلمان) ہبہ میں (مفت ہی) دیا گیا تھا تو وہ آزاد ہو گا اور اس پر کوئی چیز (قرض کے طور پر) لازم نہ ہوگی (وہ لانے والے شخص کو بغیر کوئی عوضانہ دیے آزاد ہو جائے

أَعْطَى فِيهِ غُرْماً عَلَى سَيِّدِهِ إِنْ أَحَبَّ أَنْ يَفْتَدِيَهُ . گا) اِلَّا یہ کہ اس (لانے والے) نے اس کے بدلے میں (بھی کافروں کو) کوئی چیز (ہبہ میں) دی ہو تو وہ اس (لائے جانے والے) آزاد شخص پر قرض ہوگی جس طرح کہ وہ (قیمت اور عوضانہ اس آزاد شخص پر قرض شمار ہوتا ہے) جس کے بدلے اس نے اسے خریدا تھا......اور رہا غلام تو بے شک اس کا پہلا مالک اختیار رکھتا ہے، اگر چاہے تو اسے حاصل کرلے اور اسے خرید کر لانے والے کو اس کی قیمت ادا کردے، یہ بھی اس کے لیے جائز ہے اور اگر وہ یہ پسند کرکہ اُسے چھوڑے رکھے تو چھوڑ دے (اور واپس نہ لے) اور اگر یہ غلام اس کو ہبہ میں ملا ہو تو پھر اس کا پہلا آقا اس کا زیادہ حق رکھتا ہے اور اس پر کوئی چیز بھی لازم نہ ہوگی، الا یہ کہ (لانے والے) آدمی نے اس غلام کے بدلے میں کوئی چیز (شکریے کے طور پر کافروں کو) دی ہو، تو جو چیز اس نے دی ہوگی وہ اس کے پہلے آقا پر تاوان یعنی قرض ہوگی، چنانچہ اگر وہ پسند کرے تو (کفار سے لانے والے شخص کو یہ قرض دے کر) اس غلام کو چھڑا لے (اور اگر ایسا نہ کرنا چاہے تو نہ کرے، اس کی مرضی ہے)۔

فائدہ: ...... یہ فتویٰ اس پس منظر میں ہے کہ کفار نے مسلمانوں میں سے کسی آزاد شخص کو گرفتار کرکے اپنا غلام یا قیدی بنالیا پھر کسی دوسرے مسلمان نے کفار کے ساتھ کوئی ڈیل (معاملہ) کرکے اسے وصول کرلیا، خواہ قیمتاً یا تحفتاً تو اسے خرید کر یا فدیہ دے کر یا مفت میں حاصل کرنے والا یہ دوسرا شخص اس پہلے شخص کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا کیونکہ وہ کفار کے قبضے میں جانے سے پہلے آزاد مسلمان فرد تھا، لہٰذا اب بھی آزاد ہی رہے گا، البتہ اس کی واپسی میں کفار کو جو کچھ دینا پڑے وہ اسی کے ذمے قرض ہوگا جو اسے لانے والے کو دیا جائے گا اور اگر یہ پہلا شخص کفار کی طرف سے ہبہ کے طور پر دوسرے شخص کو مفت میں مل جائے تو پھر بھی یہ شخص نہ غلام بنے گا اور نہ کچھ ادا کرے گا کیونکہ اس کی واپسی مفت میں ہوگئی تھی، ہاں اگر لانے والے دوسرے شخص نے ہبہ کے بدلے حسن سلوک کے طور پر کفار کو کوئی چیز دی تو خرید کر یا فدیہ دے کر یا مفت میں لائے گئے شخص پر قرض ہوگی ......خواہ وہ غلام لانے والے کا رہے یا پہلے آقا کا، لیکن پرانے آقا کو اسے لینے کا زیادہ حق تبھی ملے گا جب یہ غلام مفت میں واپس آیا ہو، اور اگر اس کی واپسی پر اخراجات آئے ہوں تو پھر غلام کی پرانے آقا کے پاس واپسی ان اخراجات کی ادائیگی پر موقوف ہے......امام مالک رحمہ اللہ کے اس فتوے کا اور اسی باب کے دوسرے فتویٰ یا حدیث کا تقابل کیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ غنیمت میں واپس مل جانے والے غلام کا معاملہ اس غلام جیسا نہیں ہے جسے کسی ڈیل کے ذریعے کوئی مسلمان کفار سے حاصل کرتا ہے۔

10- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي السَّلَبِ فِي النَّفَلِ

مقتول کافر سے چھینے ہوئے مال کو زائد انعام کے طور پر دینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی

موجود ہے اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... "نَـفَـل" کا بیان پیچھے چھٹے باب میں گزر چکا ہے کہ بعض مجاہدین کو خاص معرکہ آرائی اور حسن کارکردگی کا جو زائد انعام ملتا ہے اُسے "نفل" کہتے ہیں جو کہ بیت المال کے لیے نکالے جانے والے خمس (پانچویں حصے) میں سے دیا جاتا ہے، اب یہ بیان کیا جارہا ہے کہ بسااوقات مجاہدین میں جوش و رغبت پیدا کرنے کے لیے ایک اور زائد انعام کا اعلان بھی کیا جاسکتا ہے جو کہ خمس میں سے نہیں ہوتا بلکہ اسے "سلب" کہتے ہیں اور اس سے مراد ہے مقتول کافر سے چھینا ہوا مال، چنانچہ اگر سلب کا اعلان ہوجائے تو پھر ہر مجاہد جس کافر کو قتل کرنے کے بعد اس کا مال مثلاً گھوڑا، ساز و سامان اور ہتھیار وغیرہ قابو کرتا جائے گا وہ مجموعی مال غنیمت میں شامل نہ ہوگا، بلکہ اس مجاہد کے لیے ہی خاص ہوگا۔

[976] حَـدَّثَـنِـي يَـحْـيَـى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَـحْـيَـى بْـنِ سَـعِـيـدٍ، عَـنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرِ بْنِ أَفْلَحَ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْـنِ رِبْـعِـيٍّ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُـولِ اللّٰهِ ﷺ عَـامَ حُـنَيْـنٍ، فَـلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ، قَالَ: فَرَأَيْتُ رَجُلاً مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلاَ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ، قَـالَ: فَـاسْتَـدَرْتُ لَـهُ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ، فَـضَـرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ، فَأَقْبَلَ عَـلَـيَّ فَـضَـمَّـنِـي ضَـمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْـمَوْتِ، ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِي، قَالَ: فَـلَـقِيتُ عُـمَـرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ: مَا بَالُ الـنَّـاسِ؟ فَـقَـالَ: أَمْـرُ اللّٰهِ. ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَـعُـوا، فَـقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَتَلَ

حضرت ابوقتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ حنین والے سال (آٹھ ہجری) میں نکلے، چنانچہ جب ہماری ان (کافروں) سے مڈبھیڑ ہوئی تو مسلمانوں میں کچھ افراتفری مچ گئی، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مشرکین میں سے ایک شخص کو دیکھا جو مسلمانوں میں سے ایک شخص پر غالب آچکا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں اس کی طرف گھوم گیا، یہاں تک کہ میں اس کے پیچھے سے آیا اور (اس کی گردن اور کندھے کے درمیان میں) اس کے کندھے کی رگ پر میں نے تلوار ماری تو وہ (دشمن) میری طرف متوجہ ہوگیا اور اس نے مجھے اس زور سے دبایا کہ اس (دبانے) سے میں موت کی خوشبو پانے لگا (مجھے موت نظر آنے لگی لیکن اتنی دیر میں میری تلوار کے لگے ہوئے کاری وار سے نکلنے والا خون اپنا کام کرگیا اور) پھر موت نے اسے آلیا، سواُس نے مجھے چھوڑ دیا،

[976] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، باب من لم يخمس الاسلاب، حديث: 3142، 2100، 4321، 4322، 7170، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، حديث: 1751، ابوداؤد: 2717، ترمذی: 1562، ابن ماجه: 2837، احمد: 5/ 306 (22981)، دارمی: 2485۔

قَتِيلاً، لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ، فَلَهُ سَلَبُهُ قَالَ: فَقُمْتُ، ثُمَّ قُلْتُ: مَنْ يَشْهَدُ لِي، ثُمَّ جَلَسْتُ. ثُمَّ قَالَ: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً، لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ، فَلَهُ سَلَبُهُ قَالَ: فَقُمْتُ، ثُمَّ قُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي، ثُمَّ جَلَسْتُ، ثُمَّ قَالَ: ذَلِكَ الثَّالِثَةَ فَقُمْتُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ قَالَ: فَاقْتَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: صَدَقَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَسَلَبُ ذَلِكَ الْقَتِيلِ عِنْدِي، فَأَرْضِهِ مِنْهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: لاَ هَاءَ اللّٰهِ، إِذَنْ لاَ يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِ اللّٰهِ، يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، فَيُعْطِيكَ سَلَبَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: صَدَقَ فَأَعْطِهِ إِيَّاهُ فَأَعْطَانِيهِ، فَبِعْتُ الدِّرْعَ، فَاشْتَرَيْتُ بِهِ مَخْرَفاً فِي بَنِي سَلِمَةَ، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الإِسْلاَمِ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملا تو کہا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ (ان میں افراتفری اور بھگدڑ کیوں مچی ہوئی ہے؟) انھوں نے فرمایا کہ یہ اللہ کا امر ہے، (تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے، خواہ اس کا سبب ہمارے گناہ ہی ہوں) پھر بے شک (جلد ہی) لوگ واپس لوٹ آئے۔ (اور اللہ نے فتح بھی عطا فرمادی اور مال غنیمت بھی اکٹھا ہوگیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی مقتول (کافر) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کے متعلق کوئی دلیل ہو تو اس سے چھینا ہوا مال اُسی کا ہے۔'' وہ (حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ کون میرے حق میں گواہی دے گا؟ پھر میں بیٹھ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوبارہ) فرمایا: ''جس شخص نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کے متعلق کوئی دلیل ہو تو اس سے چھینا ہوا مال اسی کا ہے۔'' وہ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ کون ہے جو میرے حق میں گواہی دے؟ پھر میں بیٹھ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار بھی وہی فرمایا تو میں کھڑا ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھ سے) فرمانے لگے کہ ''ابوقتادہ! تمھیں کیا ہوگیا ہے؟'' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قصہ سنا دیا، تو لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے سچ کہا ہے اور اس مقتول سے چھینا ہوا مال میرے پاس ہے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! (وہ مال میرے پاس ہی رہنے دیجیے اور) اسے اپنی طرف سے (کچھ اور مال دے کر) راضی فرما دیجیے تو (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ نہیں، اللہ کی قسم! (ایسا نہیں ہوگا، اگر اس بہادری کے پیکر نے واقعی اُسے مارا ہے) تب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ قصد نہ کریں گے کہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لڑتا ہو (اُسے چھوڑ دیں اور) پھر تجھے وہ چھینا ہوا مال دے دیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر نے سچ کہا ہے، لہٰذا تم اس (ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) کو وہ مال دے دو۔'' چنانچہ اس نے مجھے وہ مال دے دیا، پھر میں نے (اُس سے ایک) زرہ کو فروخت کیا تو اس کے بدلے بنوسلمہ کے محلے میں ایک باغ خرید لیا، پس یقیناً یہ وہ سب سے پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں حاصل کیا۔

فائدہ: ...... فتح مکہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ بارہ ہزار کا لشکر لے کر بنوہوازن قبیلے کی طرف بڑھے اور وادی حنین میں اُن سے جنگ کی، ابتدائے جنگ میں مسلمانوں میں بھگڈر مچ گئی تھی جو دراصل اللہ کی طرف سے اس بات پر سزا ملی تھی کہ کئی ایک مجاہدین کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ آج ہم تعداد میں زیادہ ہیں اور دشمن کے چار ہزار کے لشکر سے تین گناہ بڑھ کر ہیں، قرآن مجید کی سورۂ توبہ کی آیت :25 سے آیت :27 تک اسی غزوے پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک "سلب" کا معاملہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے، چاہے تو دے اور چاہے تو نہ دے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک امام چاہے یا نہ چاہے ہر صورت میں مقتول کافروں کا سلب انھیں مارنے والے مجاہدین کو ملے گا، پہلا موقف راجح ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے سلب کا ثبوت ہر جنگ میں نہیں مل سکا۔

[977] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلاً يَسْأَلُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْأَنْفَالِ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْفَرَسُ مِنَ النَّفَلِ، وَالسَّلَبُ مِنَ النَّفَلِ. قَالَ: ثُمَّ عَادَ الرَّجُلُ لِمَسْأَلَتِهِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ذَلِكَ أَيْضاً، ثُمَّ قَالَ الرَّجُلُ: الْأَنْفَالُ الَّتِي قَالَ اللهُ فِي كِتَابِهِ مَا هِيَ؟ قَالَ: الْقَاسِمُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ حَتَّى كَادَ أَنْ يُحْرِجَهُ، ثُمَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَتَدْرُونَ مَا مَثَلُ هَذَا، مَثَلُ صَبِيغٍ الَّذِي ضَرَبَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ.

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو سنا، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے انفال (نفل، زائد انعام یا مال غنیمت) کے متعلق سوال کر رہا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: گھوڑا بھی نفل میں سے ہے اور سلب (باقی چھینا ہوا مال) بھی نفل میں سے ہے، قاسم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنا سوال پھر دہرایا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی وہی جواب دیا، پھر وہ شخص کہنے لگا کہ (میری مراد) وہ "انفال" (ہیں) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (کی سورۂ انفال کے آغاز) میں تذکرہ فرمایا ہے، ان سے کیا مراد ہے؟ قاسم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ شخص مسلسل یہ سوال کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ قریب تھا کہ ان کو (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو) تنگی میں ڈال دے (اور وہ تنگ آ ہی گئے) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس شخص کی کیا مثال ہے؟ (اس کی مثال) صبیغ کی طرح ہے جس کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خوب پٹائی کی تھی۔

فائدہ: ...... یعنی یہ سائل بھی اب مار کھانے کے قابل ہو چکا ہے، دراصل یہ شخص ہٹ دھرم قسم کا تھا، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تفصیلی جواب نہ دیا تا کہ وہ مزید بحث میں الجھانے اور معاملات کو کریدنے کا موقع

[977] (موقوف صحیح) ابن المنذر فی الاوسط: 11/ 128 (6516)، ابن ابی شیبہ: 12/ 427، بیھقی: 6/ 312، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 3/ 230۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہی نہ پا سکے، ورنہ تو تفصیلی روایات میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ سورۂ انفال میں مذکور ''انفال'' سے مراد زائد انعامات نہیں بلکہ غنیمتیں مراد ہیں۔ (ابوداود: 2737، ابن حبان، حاکم بحوالہ زرقانی: 3/ 36) صبیغ کالفظ عظیم کے وزن پر اور زبیر کے وزن پر صبیغ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ شخص اہل عراق میں سے تھا، مدینہ میں آ کر قرآن مجید کی متشابہ آیات کے متعلق سوال کر کے لوگوں کو الجھانے لگا حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے ہی سوالات کرنے لگا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھجور کی چھڑیاں تیار کروائیں، پھر اسے بار بار اتنا مارا کہ اس کا سر خون آلود ہو گیا اور اسے قید میں ڈال دیا گیا، آخر کار وہ مار کھا کھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ آپ مجھے مارنا ہی چاہتے ہیں تو پھر جلدی سے (جان ہی سے) مار ڈالیے، یہ اذیت نہ دیجیے، اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے شفا مل جائے اور میرے سر کا فتور ختم ہو جائے تو وہ ختم ہو چکا ہے اور آپ میری شفا کا سبب بن گئے ہیں، اللہ آپ کو بھی شفا نصیب فرمائے رکھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ''بصرہ'' کی طرف جلا وطن کر دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ اسے لوگوں کے پاس مت بیٹھنے دینا، یہ اس قدر خطرناک ہے کہ ہم سو بندے بھی اکٹھے ہوں تو یہ انھیں جدا جدا کر دے گا، بہر حال اس طرح اس کا مرض ختم ہو گیا، چنانچہ انھوں نے اس کی حالت درست ہونے کی اطلاع مدینہ منورہ بھیج دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سے پابندیاں ختم کر دیں لیکن پھر بھی یہ شخص لوگوں کی نگاہ میں رسوا اور گھٹیا ہی رہا۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ قَتَلَ قَتِيلاً مِنَ الْعَدُوِّ، أَيَكُونُ لَهُ سَلَبُهُ بِغَيْرِ إِذْنِ الإِمَامِ؟ قَالَ: لاَ يَكُونُ ذَلِكَ لأَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنِ الإِمَامِ، وَلاَ يَكُونُ ذَلِكَ مِنَ الإِمَامِ إِلاَّ عَلَى وَجْهِ الاجْتِهَادِ، وَلَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً، فَلَهُ سَلَبُهُ إِلاَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے دشمنوں میں سے کسی مقتول کو قتل کر ڈالا، تو کیا اُسے امام کی اجازت کے بغیر ہی اس سے چھینا ہوا مال مل جائے گا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں، یہ مال امام کی اجازت کے بغیر کسی شخص کا نہیں ہوتا، اور یہ امام کی طرف سے اجتہاد ہی کے طور پر ہوتا ہے (کہ جہاں مناسب سمجھے اس کا اعلان کر دے، ہر جگہ لازم نہیں ہے) اور مجھے ایسی کوئی خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین والے دن کے علاوہ (کسی اور موقع پر بھی) فرمایا ہو کہ ''جس نے کسی مقتول کو مارا تو اس کے لیے اس کا سلب ہے۔''

فائدہ: ...... یہ امام صاحب کا فتوی ان کی اپنی معلومات کی بنا پر ہے ورنہ اور بھی کئی مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ''سلب'' کا فیصلہ فرمایا، مثلاً جنگ بدر میں ابوجہل کا سلب اس کو قتل کر کے زندہ بچ جانے والے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیا۔ (بخاری: 3141، مسلم: 1752) ایک جاسوس کا سلب حضرت سلمہ بن اکوع کو دیا۔ (بخاری: 3051، مسلم: 1754) جنگ موتہ کے واقعے میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (مسلم: 1753) مزید

تفصیل کے لیے دیکھیے زرقانی:3/37...... بہر حال سلب دینے یا نہ دینے کا فیصلہ امام اور امیر لشکر کی رائے پر منحصر ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی مقتول کافر کا مال بہت ہی زیادہ ہوسکتا ہے اور بعض اوقات کسی کے قتل میں مختلف مجاہد شریک ہوسکتے ہیں اور نزاع کا خدشہ ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

11- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي إِعْطَاءِ النَّفْلِ مِنَ الْخُمُسِ

خمس میں سے نفل دیے جانے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

فائدہ :......عنوان میں مذکور مسئلے کے متعلق کچھ بحث پیچھے چھٹے باب کے آغاز میں حدیث:972 کے تحت گزر چکی ہے۔

[978] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُعْطَوْنَ النَّفَلَ مِنَ الْخُمُسِ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ لوگوں کو خمس میں سے نفل دیا جاتا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں نے اس مسئلے میں جو کچھ بھی سنا ہے اس میں سب سے بہترین (فتویٰ) یہی ہے۔

فائدہ :......جیسا کہ مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ (مسلم:1750) کہ مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ یعنی خمس اللہ اور رسول ﷺ کے حق کے طور پر بیت المال کے لیے نکالا جاتا ہے، اس میں سے کسی مجاہد کو زائد انعام یعنی نفل دیا جائے گا۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ النَّفَلِ، هَلْ يَكُونُ فِي أَوَّلِ مَغْنَمٍ؟ قَالَ: ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الاجْتِهَادِ مِنَ الإِمَامِ، وَلَيْسَ عِنْدَنَا فِي ذَلِكَ أَمْرٌ مَعْرُوفٌ مَوْقُوفٌ إِلَّا اجْتِهَادُ السُّلْطَانِ، وَلَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَفَّلَ فِي مَغَازِيهِ كُلِّهَا،

امام مالک رحمہ اللہ سے نفل کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا یہ مال غنیمت (کی تقسیم) کے شروع میں ہوتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ تو محض امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، ہمارے نزدیک اس کا کوئی معروف اور مقرر و پختہ قاعدہ اور اصول (متعین) نہیں ہے سوائے بادشاہ کے اجتہاد کے اور مجھے

[978] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 6/ 314 (12812)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 124 (3958)، الشافعي في الام: 4/ 143، ابن ابي شيبه: 33284، سعيد بن منصور: 2706۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّهُ نَفَّلَ فِي بَعْضِهَا يَوْمَ حُنَيْنٍ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الاجْتِهَادِ مِنَ الإِمَامِ فِي أَوَّلِ مَغْنَمٍ، وَفِيمَا بَعْدَهُ.

تو ایسی خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام کے تمام غزوات میں نفل (زائد انعام) عطا کیا ہو، ہاں مجھے تو یہی خبر ملی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض غزوات میں یعنی حنین کے دن ہی نفل دیا تھا اور (بہرحال) یہ تو صرف امام کے اجتہاد پر منحصر ہے، خواہ غنیمت (کی قسم) کے آغاز میں دے یا اس کے بعد دے۔

12- بَابٌ: الْقَسْمُ لِلْخَيْلِ فِي الْغَزْوِ

جہاد میں گھوڑوں کے لیے (حصوں کی) تقسیم کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں بھی صرف ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی یہاں مذکور ہیں۔

[979] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَانَ يَقُولُ: لِلْفَرَسِ سَهْمَانِ، وَلِلرَّجُلِ سَهْمٌ. قَالَ مَالِكٌ: وَلَمْ أَزَلْ أَسْمَعُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ گھوڑے کے لیے دو حصے ہیں اور آدمی کے لیے ایک حصہ۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں بھی ہمیشہ یہی سنتا آرہا ہوں۔

فائدہ: ......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے شہسوار کو اس کے لیے اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے دیے، ایک اس کا اور دو گھوڑے کے۔ (بخاری: 2863، مسلم: 1762)

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ يَحْضُرُ بِأَفْرَاسٍ كَثِيرَةٍ، فَهَلْ يُقْسَمُ لَهَا كُلِّهَا؟ فَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْ بِذَلِكَ، وَلَا أَرَى أَنْ يُقْسَمَ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ، الَّذِي يُقَاتِلُ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو (میدان جنگ میں) بہت سارے گھوڑوں کے ساتھ حاضر ہوا تو کیا ان سب کے لیے (الگ الگ حصے نکال کر) تقسیم کی جائے گی؟ تو انھوں نے فرمایا: میں نے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا اور میں (درست) نہیں سمجھتا کہ (سب گھوڑوں کے لیے) تقسیم کی جائے گی، سوائے اس ایک گھوڑے کے جس پر وہ شخص قتال کرتا رہا ہو۔

فائدہ: ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ دو گھوڑوں کے لیے حصے نکالنے کی اجازت دیتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا أَرَى الْبَرَاذِينَ وَالْهُجُنَ إِلَّا مِنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تو ''براذین'' (ترکی گھوڑوں)

[979] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

الْخَيْلِ، لأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ [النحل: 8] وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ [الأنفال: 60] فَأَنَا أَرَى الْبَرَاذِينَ وَالْهُجُنَ مِنَ الْخَيْلِ، إِذَا أَجَازَهَا الْوَالِي، وَقَدْ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَسُئِلَ عَنِ الْبَرَاذِينَ: هَلْ فِيهَا مِنْ صَدَقَةٍ؟ فَقَالَ: وَهَلْ فِي الْخَيْلِ مِنْ صَدَقَةٍ.

اور "هُجُن" (مخلوط النسل یعنی ترکی و عربی گھوڑا اور گھوڑی سے پیدا شدہ گھوڑوں) کو گھوڑوں میں سے ہی سمجھتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً﴾ (النحل 8:16) ''اور (اسی نے) گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا فرمائے) تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے (بھی انھیں پیدا فرمایا ہے)۔'' اور (اللہ نے) فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال 8: 60) ''اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو، جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرائے رکھو گے۔'' لہٰذا میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ ''براذین'' اور ''ہجن'' بھی ''خیل'' (یعنی گھوڑوں کی جنس) میں سے ہی ہیں، بشرطیکہ جب حاکم ان کو (جنگ میں لانا) جائز قرار دے دے، اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بھی جب ''براذین'' کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا ان میں زکاۃ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا تھا کہ کیا بھلا ''خیل'' یعنی گھوڑوں میں بھی زکاۃ ہوتی ہے۔

فائدہ: ......سوال ''براذین'' کے متعلق ہوا لیکن جواب میں ''خیل'' کا لفظ بول کر واضح کر دیا کہ براذین یعنی ترکی گھوڑے بھی ''خیل'' یعنی گھوڑوں ہی کی جنس میں سے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے پہلی آیت سے یوں استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور اس کے ہم شکل جانوروں کے فوائد کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف دو جانوروں کو ''خیل'' یعنی گھوڑوں سے الگ جنس قرار دیا ہے، ایک ''بغال'' یعنی خچر اور دوسرے ''حمیر'' یعنی گدھے، اگر براذین اور ھجین کی بھی الگ جنس ہوتی تو ان کا بھی الگ ذکر کر دیا جاتا......اور دوسری آیت میں ''الخیل'' کا لفظ عام آیا ہے اور اس کے عموم میں براذین اور ہجن بھی شامل ہیں، نیز ہر وہ کام اور خوبی جو عام گھوڑوں سے وابستہ ہے وہی ان دونوں میں بھی ہو بہو پائی جاتی ہے۔

13- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْغُلُولِ

مال غنیمت میں خیانت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، ان میں سے چار مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جن میں سے

ایک سنداً صحیح، ایک حسن اور دو ضعیف ہیں، اور ایک روایت موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے۔

فائدہ :......ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران 3:161) ''اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا تو اس نے جو خیانت کی ہوگی وہ اسے لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

[980] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ صَدَرَ مِنْ حُنَيْنٍ وَهُوَ يُرِيدُ الْجِعِرَّانَةَ سَأَلَهُ النَّاسُ حَتَّى دَنَتْ بِهِ نَاقَتُهُ مِنْ شَجَرَةٍ، فَتَشَبَّكَتْ بِرِدَائِهِ حَتَّى نَزَعَتْهُ عَنْ ظَهْرِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: رُدُّوا عَلَيَّ رِدَائِي، أَتَخَافُونَ أَنْ لاَ أَقْسِمَ بَيْنَكُمْ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ سَمُرِ تِهَامَةَ نَعَماً، لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ، ثُمَّ لاَ تَجِدُونِي بَخِيلاً وَلاَ جَبَاناً وَلاَ كَذَّاباً فَلَمَّا نَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ: أَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ، فَإِنَّ الْغُلُولَ عَارٌ، وَنَارٌ، وَشَنَارٌ عَلَى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ: ثُمَّ تَنَاوَلَ مِنَ الأَرْضِ وَبَرَةً مِنْ بَعِيرٍ أَوْ شَيْئاً، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا لِي مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَلاَ مِثْلَ هٰذِهِ، إِلاَّ الْخُمُسُ،

عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب حنین سے واپس ہوئے اور آپ ﷺ جعرانہ مقام کا قصد فرما رہے تھے تو (اعرابی، بدوی) لوگ آپ ﷺ سے (مال وغیرہ) مانگنے لگے، یہاں تک کہ (ان کے ہجوم اور رکاوٹ بن جانے کی وجہ سے) آپ ﷺ کی اونٹنی آپ ﷺ کو (ببول یعنی کیکر کے) ایک درخت کے قریب لے گئی تو وہ (درخت اپنے کانٹوں کی وجہ سے) آپ ﷺ کی چادر مبارک سے الجھ گیا (اور چادر اس کے کانٹوں میں اٹک گئی) یہاں تک کہ اس (درخت) نے آپ ﷺ کی چادر آپ ﷺ کی کمر مبارک سے اتار دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری چادر مجھے لوٹا دو، کیا تمھیں یہ خطرہ ہے کہ میں اس (غنیمت کے) مال کو تم میں تقسیم نہ کروں گا جو اللہ نے تم پر لوٹایا (اور تمھیں عطا فرمایا) ہے؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر اللہ تعالیٰ تمھیں تہامہ کے کانٹے دار درختوں کے برابر اونٹ عطا فرما دے تو میں انھیں تم میں تقسیم کر دوں گا، پھر تم مجھے (اس کے بعد بھی) نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل اور نہ کذاب۔'' پھر رسول

[980] (مرفوع حسن) سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، حدیث: 2694، سنن النسائی، کتاب قسم الفئی، حدیث: 4144، احمد: 2/ 184 (6829)، بیهقی: 6/ 336، ابن المنذر: 11/ 200 (6594)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ.

اللہ ﷺ سواری سے نیچے اترے تو لوگوں میں کھڑے ہوئے پھر فرمایا: ''(مال غنیمت کا) دھاگہ اورسوئی بھی ادا کرو۔'' کیونکہ بلاشبہ مال غنیمت کی خیانت قیامت کے دن خیانت کرنے والوں پر عار بھی ہوگی، آگ بھی اورعیب بھی۔'' راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے زمین سے اونٹ یا بکری کا ایک بال پکڑا، پھر فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے !اللہ نے تمھیں جو کچھ (مال غنیمت) عطا فرمایا ہے، میرے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے اور (حتیٰ کہ) اس بال کے برابر بھی نہیں ہے، سوائے خمس (پانچویں حصے) کے اور وہ خمس بھی تم ہی میں لوٹا دیا جانے والا ہے۔''

فائدہ :......یعنی یہ پانچواں حصہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے لیے مخصوص ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال پوری امت کے مجموعی کاموں مثلاً رفاہ عامہ کے کام، جہاد وغیرہ اور مستحق افراد ہی میں ہوتا ہے، ارشادالٰہی ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (الانفال 8:41) ''اور (اے مسلمانو!) جان لوکہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اورمسافروں کے لیے ہے۔'' عار، نار (آگ) اور شنار میں سے بعض شارحین نے عار اور شنار سے (عیب) کو دنیا کے ساتھ متعلق قرار دیا ہے، بہر حال یہ حقیقت ہے کہ خیانت وچوری بندے کوشرم اور عار میں مبتلا کر دیتی ہے ،اس کی آخرت کے لیے نار ہی نارمختص کر دیتی ہے اوراس کی شخصیت کو داغدار اورعیب دار بنا دیتی ہیں...... تہامہ سے مراد وہ علاقہ ہے جو حجاز اورساحلی سمندر کے درمیان میں واقع ہے، یمن سے شروع ہوکر طائف، مکہ، مدینہ اور خیبر وغیرہ سے آگے تک شمالاً وجنوباً ایک پہاڑی پٹی سی ہے جس پر شہر آباد ہیں، یہ آباد علاقے حجاز کہلاتے ہیں، حجاز سے مشرق کی جانب کا علاقہ ''نجد'' کہلاتا ہے اور حجاز سے مغرب کی جانب ساحل سمندر تک کا علاقہ تہامہ کہلاتا ہے مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں کو بھی مجازاً تہامہ کہہ دیتے ہیں، اس علاقے میں کیکر نما خاردار درخت بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔

[981] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ يَوْمَ حُنَيْنٍ، وَإِنَّهُمْ ذَكَرُوهُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ،

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین (درست ''جنگ خیبر'' ہے) والے دن ایک آدمی فوت ہوگیا اورلوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم

[981] (مرفوع ضعیف) سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی تعظیم الغلول، حدیث: 2710، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی من غل، حدیث: 1961، ابن ماجه: 2848، احمد: 4/ 114 (17156)، بیهقی: 9/ 101۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فَزَعَمَ زَيْدٌ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ ، فَزَعَمَ زَيْدٌ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ : فَفَتَحْنَا مَتَاعَهُ ، فَوَجَدْنَا خَرَزَاتٍ مِنْ خَرَزِ يَهُودَ مَا تُسَاوِينَ دِرْهَمَيْنِ .

خود اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھ لو (میں نہیں پڑھوں گا)۔" یہ سن کر لوگوں کے چہرے (حیرت واستعجاب اور غم کے مارے) متغیر ہو گئے ،حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (پھر) بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً تمھارے اس ساتھی نے اللہ کی راہ (جہاد) میں مال غنیمت میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔" وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اس کا سامان کھولا تو اس میں یہودیوں (سے حاصل شدہ ان) کے موتیوں میں سے چند موتی تھے جو دو درہموں کے برابر (قیمت کے) بھی نہ تھے۔

فائدہ :......اس روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد یحییٰ رحمہ اللہ سے یہ خطا ہوئی ہے کہ انھوں نے خیبر کی جگہ حنین کا نام ذکر کر دیا ہے جبکہ باقی تمام راویوں نے خیبر ہی کا نام ذکر کیا ہے جس کے درست ہونے کی ایک دلیل اس روایت کے اخیر میں یہودیوں کا تذکرہ ہے جو کہ خیبر میں آباد تھے نہ کہ حنین میں ......اگر چہ یہ روایت سنداً کمزور ہے لیکن متعدد روایات سے ثابت ہے کہ کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب شخص کا جنازہ اہل فضل حضرات اور امام وقت کو ادا نہ کرنا چاہیے تا کہ باقی لوگوں کو اس جرم کی قباحت کا احساس ہو۔

[982] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ الْكِنَانِيِّ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَتَى النَّاسَ فِي قَبَائِلِهِمْ يَدْعُو لَهُم ، وَأَنَّهُ تَرَكَ قَبِيلَةً مِنَ الْقَبَائِلِ ، قَالَ : وَإِنَّ الْقَبِيلَةَ وَجَدُوا فِي بَرْدَعَةِ رَجُلٍ مِنْهُمْ عِقْدَ جَزْعٍ غُلُولاً ، فَأَتَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَكَبَّرَ عَلَيْهِمْ ، كَمَا يُكَبِّرُ عَلَى الْمَيِّتِ .

عبداللہ بن مغیرہ بن ابی بُردہ کنانی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس ان کی جماعتوں میں تشریف لائے ،آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرما رہے تھے ،آپ ﷺ نے ان قبائل میں سے ایک قبیلہ چھوڑ دیا (اور اس کا نام نہ لیا) راوی کہتے ہیں کہ بے شک اس قبیلے نے (آپ ﷺ کی ناراضی محسوس کر کے اپنا محاسبہ کیا تو انھوں نے) اپنے ایک (آدمی کے) پالان کے (نیچے بچھائے جانے والے) ٹاٹ میں مال غنیمت میں سے چرایا ہوا (یمنی سیاہ وسفید) موتیوں کا ایک ہار پایا ،پھر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان پر یوں تکبیر کہی جیسے میت پر تکبیر کہا کرتے تھے۔

فائدہ :......کیونکہ ان لوگوں کا معاملہ مردوں جیسا ہی ہو گیا تھا کہ جن پر نہ وعظ ونصیحت کا اثر ہوتا ہے، نہ وہ احکامات کی تعمیل کرتے ہیں اور نہ ممنوعات سے اجتناب کرتے ہیں۔

[982] (مرفوع ضعیف) ابن عبدالبر فی الاستذکار: 14/ 196۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[983] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ سَالِمٍ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ:خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ، فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَباً وَلاَ وَرِقاً، إِلاَّ الأَمْوَالَ الثِّيَابَ وَالْمَتَاعَ، قَالَ:فَأَهْدَى رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ غُلاَماً أَسْوَدَ، يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ، فَوَجَّهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى وَادِي الْقُرَى, حَتَّى إِذَا كُنَّا بِوَادِي الْقُرَى، بَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، إِذْ جَاءَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَأَصَابَهُ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ النَّاسُ: هَنِيئاً لَهُ الْجَنَّةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَلاَّ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَ يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَاراً قَالَ: فَلَمَّا سَمِعَ النَّاسُ ذَلِكَ، جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: شِرَاكٌ، أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر والے سال (جنگ کے لیے) نکلے تو ہم نے (وہاں) نہ سونا غنیمت میں پایا نہ چاندی، مگر سامان اور کپڑوں کی صورت میں مال اسباب (اور جانوروں وغیرہ کو غنیمت میں پایا)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (بنو جُذام قبیلہ کی شاخ بنوضبیب سے تعلق رکھنے والے) حضرت رفاعہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سیاہ فام غلام ہدیے میں پیش کیا جسے ''مدعم'' کہا جاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ کا رخ فرمایا، یہاں تک کہ جب ہم وادی قریٰ میں تھے تو اسی دوران میں کہ مدعم رسول اللہ ﷺ کا پالان (اونٹ کا کجاوہ) اتار رہا تھا کہ اچانک ایک نامعلوم تیر آ کر اُسے لگا اور اُس نے اسے مار ڈالا، لوگ کہنے لگے کہ اسے جنت کی مبارک ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن مال غنیمت سے چوری کر لی تھی، جسے ابھی تقسیم نہ کیا گیا تھا، وہ یقیناً اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے، چنانچہ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یا دو تسمے لے کر آیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(یہ) ایک یا دو تسمے آگ کے (تھے)۔''

فائدہ:......حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک دوسرے غلام ''کرکرہ'' کا تذکرہ ہے جو ہوزہ بن علی نے ہدیہ دیا تھا، جب وہ مرا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آگ میں ہے۔'' لوگوں نے اس کی تلاشی لی تو مال غنیمت سے چرائی ہوئی ایک چادر اس سے برآمد ہوئی تھی۔ (بخاری:3074)

[983] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4234، 6707، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب غلظ تحريم الغلول، حديث:115، ابوداود:2711، نسائی:3858-

[984] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، إِلَّا أُلْقِيَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ، وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ قَطُّ، إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ، وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ الْحَقِّ، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الدَّمُ، وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ، إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ''جس قوم میں بھی کسی بھی وقت مال غنیمت کی چوری ظاہر ہو جائے تو ضرور ان کے دلوں میں (دشمن کا) رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس کسی قوم میں کبھی زنا پھیل جائے تو ضرور ان میں موتوں کی کثرت ہو جاتی ہے، اور جس کسی قوم نے ماپ اور تول میں کمی کی تو ضرور ان سے رزق منقطع کر دیا جاتا ہے اور جو کوئی قوم ناحق فیصلے کرتی ہے تو ضرور ان میں خون (اور قتل وغارت کا سلسلہ) پھیل جاتا ہے، اور جو کوئی قوم عہد کو توڑ دیتی ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ ان پر دشمن مسلط کر دیتے ہیں۔

فائدہ: ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک تفصیلی حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((خَمْسٌ بِخَمْسٍ)) ''پانچ چیزیں پانچ چیزوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔'' عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کا کیا مطلب ہے کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلے میں ہوتی ہیں؟ فرمایا: ((مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ إِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُمْ، وَمَا حَكَمُوا بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْفَقْرُ، وَلَا ظَهَرَتْ فِيهِمُ الْفَاحِشَةُ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا مَنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا حُبِسَ عَنْهُمُ الْقَطْرُ، وَلَا طَفَّفُوا الْمِكْيَالَ إِلَّا حُبِسَ عَنْهُمُ النَّبَاتُ وَأُخِذُوا بِالسِّنِينَ)) ''جس کسی قوم نے عہد کو توڑا تو ضرور ان پر ان کا دشمن مسلط کر دیا گیا، اور جس قوم والوں نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ (کسی اور قانون) کے ساتھ فیصلے کیے تو ضرور ان میں فقیری پھیل گئی، اور جن لوگوں میں بے حیائی ظاہر ہوگئی ضرور ان میں موت پھیل گئی، اور جن لوگوں نے زکاۃ روک لی تو ضرور ان سے بارش روک دی گئی، اور جن لوگوں نے ناپ تول میں کمی کی تو ضرور ان سے پیداوار روک لی گئی، اور وہ قحط سالی میں گرفتار کر دیے گئے۔''

(طبرانی: 11/ 10992، الترغیب والترهیب، کتاب الصدقات، باب: 2، حدیث: 1111، اس کی سند صحیح لغیرہ ہے۔)

14- بَابٌ: الشُّهَدَاءُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اللہ کی راہ میں شہادت پانے والوں کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں سات روایات ہیں، ان میں سے چھ مرفوع (احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن میں

[984] (موقوف صحیح لغیرہ) بیهقی: 3/ 346۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، الصحیحۃ: 1/ 219۔

سے چار صحیح ہیں اور بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں جبکہ دو ضعیف ہیں، اور ایک روایت موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[985] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا فَأُقْتَلُ فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُ ثَلَاثًا: أَشْهَدُ بِاللّٰهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں لڑوں پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل (شہید) کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (یہ حدیث بیان کر کے) تین بار فرماتے ہیں: میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

فائدہ : ...... ہمارے آقا علیہ السلام نبی بھی ہیں، رسول بھی ہیں، عمر بھی ساٹھ کے لگ بھگ تھی اور نو بیویاں تھیں پھر بھی رتبہ شہادت کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے بار بار شہادت کی تمنا کر رہے ہیں، بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے چار بار شہادت کی تمنا کی۔ (بخاری: 2797) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسا شخص نہیں جو جنت میں داخل ہو اور پھر دنیا میں لوٹنے کو پسند کرے خواہ زمین کی ہر نعمت اسے ملے، سوائے شہید کے کہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ دنیا کی طرف لوٹ جائے، پھر دس بار قتل کیا جائے، اور یہ تمنا اس عزت وتکریم کی بنا پر ہوگی جس کا وہ نظارہ کر رہا ہوگا۔'' (بخاری: 2817، مسلم: 1877)

[986] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ، كِلاهُمَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دو شخصوں پر مسکرائیں گے جن میں سے ایک شخص دوسرے شخص کو قتل کرتا ہے (لیکن) پھر (بھی) دونوں جنت میں داخل ہو جاتے

[985] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب التمنی، باب ماجاء فی التمنی ومن تمنی الشهادة، حدیث: 7227، 36، 2797، 7226، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللہ، حدیث: 1876، نسائی: 3153، ابن ماجه: 2753، احمد: 2/ 231 (7157)۔

[986] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الکافر یقتل المسلم ثم یسلم فیسدد، حدیث: 2826، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان الرجلین یقتل احدهما الآخر یدخلان الجنة، حدیث: 1890، نسائی: 3168، ابن ماجه: 191، احمد: 2/ 464 (9977)۔

يَـدْخُـلُ الْـجَـنَّةَ ، يُـقَاتِلُ هٰذَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُـقْـتَـلُ ، ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ ، فَيُقَاتِلُ فَيُسْتَشْهَدُ .

ہیں، (اسی طرح کہ) یہ (دوسرا شخص) اللہ کی راہ میں لڑتا ہے تو (پہلے شخص کے ہاتھوں) قتل کر دیا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس قاتل پر شفقت فرماتے ہیں (اور اسے توبہ کی توفیق دے کر اسلام کی نعمت عطا کرتے ہیں) پھر وہ بھی (راہ الٰہی میں) لڑتا ہے تو شہید کر دیا جاتا ہے۔

[987] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ ، عَنْ أَبِـي الـزِّنَـادِ ، عَـنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَا يُـكْـلَـمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُـكْـلَـمُ فِـي سَبِـيـلِـهِ ، إِلَّا جَـاءَ يَوْمَ الْقِيَـامَةِ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَماً ، اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ ، وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں زخمی کر دیا جائے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے تو ضرور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا زخم (تازہ) خون بہہ رہا ہوگا، (اس کا) رنگ تو خون ہی کا ہوگا لیکن اس کی خوشبو کستوری کی ہوگی۔

[988] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْـلَـمَ : أَنَّ عُـمَـرَ بْـنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَقُولُ : الـلّٰهُـمَّ لَا تَـجْعَلْ قَتْلِي بِيَدِ رَجُلٍ صَلَّى لَكَ سَـجْدَةً وَاحِدَةً ، يُـحَـاجُّـنِي بِهَا عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ (دعائیہ کلمات) کہا کرتے تھے: اے اللہ! میرا قتل ایسے آدمی کے ہاتھ سے نہ کرانا جس نے تیرے لیے ایک بھی سجدہ کیا ہو کہ (پھر) وہ اس سجدے کی وجہ سے قیامت کے دن تیرے پاس مجھ سے جھگڑا کرنے لگے۔

فائدہ: ...... کیونکہ اگر وہ قاتل سجدہ کرنے والا ہوا اور اس نے اخلاص سے ایک بھی سجدہ کر رکھا ہو اور ہو بھی مومن تو پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ اللہ چاہے تو اس کے تمام جرائم کو بغیر سزا دیے بھی بخش سکتا ہے، چنانچہ ایسا مسلمان شخص اگر قتل کرے تو یہ احتمال ممکن ہے کہ وہ بھی شاید کوئی دلیل رکھتا ہو اور پھر اس بارے میں حجت بازی کی

---

[987] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من یخرج فی سبیل الله عزوجل، حدیث: 2803، 237، 5533، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل الله، حدیث: 105/1876، ترمذی: 1656، نسائی: 3149، ابن ماجه: 2795، احمد: 2/ 242 (7300)، دارمی: 2406۔

[988] (موقوف صحیح) اسحاق بن راهویه فی مسنده کما فی المطالب العالیة: 9/ 249 (4313)، ابن ابی شیبه فی تاریخ المدینه: 3/ 903، ابونعیم فی حلیة الاولیاء: 1/ 53۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

نوبت آجائے، اس لیے یہ دعا فرمائی کہ ان کا قاتل کافر اور پکا جہنمی ہو اور ظاہر ہے کہ کافر کے ہاتھوں مرنا شہادت ہی کہلاتا ہے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ ابولولو فیروز مجوسی کے ہاتھوں شہید ہوئے، چنانچہ حملے کے بعد انھوں نے کہا تھا کہ ''اللہ کا شکر ہے جس نے میری موت کسی ایسے شخص کے ہاتھوں نہ بنائی جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو۔'' (بخاری: 3700)

[989] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، صَابِرًا مُحْتَسِبًا، مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ، أَيُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّي خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ فَلَمَّا أَدْبَرَ الرَّجُلُ نَادَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، أَوْ أَمَرَ بِهِ فَنُودِيَ، لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ قُلْتَ؟ فَأَعَادَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: نَعَمْ إِلَّا الدَّيْنَ، كَذٰلِكَ قَالَ لِي جِبْرِيلُ.

عبداللہ بن ابی قتادہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں اس حال میں کہ (صبر اور) ثابت قدمی دکھانے والا ہوں، ثواب کی امید رکھنے والا ہوں آگے بڑھنے والا ہوں، پیٹھ پھیرنے والا نہ ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ مجھ سے میرے گناہوں کو مٹا دیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' پھر جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو اسے (آپ ﷺ نے خود) آواز دی یا اس کے متعلق (کسی کو) حکم فرمایا تو اسے آپ ﷺ کی طرف (آنے کی) آواز دی گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے (ابھی ابھی سوال کرتے ہوئے) کیسے کہا تھا؟'' اُس نے آپ ﷺ کے سامنے اپنی بات دہرادی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'، اللہ (سب گناہ ختم کر دے گا) سوائے قرض کے، جبرئیل علیہ السلام نے (ابھی ابھی) مجھ سے ایسے ہی کہا ہے۔''

فائدہ:...... یہ حدیث مبارکہ قرض کے معاملے کی اہمیت ونزاکت کو خوب اجاگر کر رہی ہے کہ بے شمار فضائل و درجات کا مستحق شہید بھی قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں جنت میں جانے سے محروم رہے گا۔

[990] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ — ابونضر رحمہ اللہ (سالم بن ابی اُمیہ) جو کہ عمر بن عبیداللہ رحمہ اللہ

[989] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب من قتل فی سبیل اللّٰہ کفرت خطایاہ الا الدین، حدیث: 1885، جامع الترمذی، کتاب الجهاد، باب ماجاء فیمن یستشهد وعلیه دین، حدیث: 1712، نسائی: 3158، احمد: 5/ 297 (22909)، دارمی: 2412۔

[990] (مرفوع ضعیف) عبدالرزاق: 6634، 9581۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِشُهَدَاءِ أُحُدٍ: هٰؤُلَاءِ أَشْهَدُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: أَلَسْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ بِإِخْوَانِهِمْ، أَسْلَمْنَا كَمَا أَسْلَمُوا، وَجَاهَدْنَا كَمَا جَاهَدُوا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَلَى، وَلٰكِنْ لَا أَدْرِي مَا تُحْدِثُونَ بَعْدِي فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ بَكَى، ثُمَّ قَالَ: أَئِنَّا لَكَائِنُونَ بَعْدَكَ.

کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کے متعلق فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق میں (خود) گواہی دوں گا۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم بھی ان کے بھائی نہیں ہیں، ہم بھی اسی طرح اسلام لائے جس طرح وہ اسلام لائے اور ہم نے بھی اسی طرح جہاد کیا جس طرح انھوں نے جہاد کیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں (تم بھی ان کے بھائی ہی ہو) اور (لیکن) میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے؟'' راوی کہتے ہیں کہ پھر (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے پھر (اور) روئے، پھر کہنے لگے کہ کیا ہم آپ کے بعد (زندہ) رہنے والے ہیں؟

فائدہ: ......یعنی کیا ہمیں آپ ﷺ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑے گا اور کیا ہم آپ کی رفاقت سے محروم ہو جائیں گے...... جنگ احد کے شہداء اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے کہ وہ اسلام لانے کے بعد دنیوی انعامات کی فراوانی نہ دیکھ سکے، چنانچہ نہ انھوں نے دنیا کی طرف دھیان دیا اور نہ دنیا انھیں اپنی طرف کھینچ سکی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نو بیٹیاں چھوڑ کر خوشی اور شوق سے شہید ہوئے، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سرداری اور دولت کو اسلام کی خاطر قربان کر کے یوں دفن ہوئے کہ انھیں کفن کے لیے ایک مکمل چادر بھی نہ مل سکی، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اعلان سنتے ہی نئی نویلی دلہن کی آغوش سے جدا ہو کر میدان جہاد میں پہنچے اور غسل تک نہ کر پائے تاوقتیکہ بعد از شہادت فرشتوں نے انھیں غسل دیا، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ ستر سے زائد زخم کھا کر جنت کی خوشبو محسوس کرتے ہوئے آقائے کائنات ﷺ کو سلام بھیج کر خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے، حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ احد کے پار خوشبوئے جنت کی مہک میں محو اسی سے زائد زخم کھا کر جام شہادت نوش فرما گئے، حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ بڑھاپے میں بھی اپنی صرف ایک ٹانگ پر چوکڑیاں بھرتے ہوئے یہ دعا کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ الٰہی! مجھے گھر واپس نہ لوٹانا، حضرت یمان اور حضرت ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود میدان کارزار میں پہنچے اور چمنستان اسلام کی آبیاری اپنے لہو سے کرتے رہے...... بعد والے لوگ خواہ وہ جس قدر بھی فضائل و مناقب کے حامل تھے، لیکن دنیوی انعامات کی فراوانی بسا اوقات ان کے لیے پریشانی کا باعث بنتی رہتی تھی...... یاد رہے کہ اول تو یہ مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے، دوسرے اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو یہ محض فکر آخرت، زہد و ورع اور خوف الٰہی کے پس منظر میں دیے ہوئے بیان پر محمول ہوتی کیونکہ بے شمار آیات اور احادیث مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے دلائل، ان کے درجات کی بشارتیں

اور کتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام متعین کر کے انھیں جنتوں کی سعادتیں اور ضمانتیں سنائی گئی ہیں۔

[991] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِساً وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِينَةِ، فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ، فَقَالَ: بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بِئْسَ مَا قُلْتَ فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنِّي لَمْ أُرِدْ هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّمَا أَرَدْتُ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا مِثْلَ لِلْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَا عَلَى الْأَرْضِ بُقْعَةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَكُونَ قَبْرِي بِهَا مِنْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور مدینہ منورہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی کہ (اتنے میں) ایک شخص نے قبر میں جھانکا، پھر کہنے لگا کہ مومن کی یہ آرام گاہ بری ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تونے جو کہا وہ برا ہے۔'' وہ آدمی کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں یہ مراد نہیں لے رہا تھا، یقیناً میں نے تو صرف اور صرف اللہ کی راہ میں قتل (کے ساتھ موازنہ) مراد لیا ہے (کہ اس کے مقابلے میں عام موت کا درجہ بہت کم ہے)، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(واقعی) اللہ کی راہ میں قتل ہونے جیسی چیز کوئی اور نہیں ہے (لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ میں موت آنے کے حوالے سے یہ بات بھی برحق ہے کہ پوری) زمین پر کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جو میرے نزدیک مدینہ سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہو (اس معاملے میں) کہ میری قبر وہاں ہو۔'' (آپ ﷺ نے) تین بار (یہی فرمایا کہ مدینہ میں قبر کا ملنا مجھے پوری روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے۔)

فائدہ: ......یعنی افضل ترین موت شہادت کی ہے، اس کے بعد اعلیٰ موت مدینہ منورہ میں فوت ہونا ہے بشرطیکہ حالت اسلام میں آئے اور اگر مدینہ ہی میں شہادت بھی مل جائے تو یہ سونے پہ سہاگہ ہے......رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: جو شخص یہ موقع پاسکتا ہے کہ اس کی موت مدینہ میں آئے تو وہ یہیں مرے کیونکہ بلاشبہ میں اس شخص کی سفارش کروں گا، جو مدینہ میں مرتا ہے۔ (ترمذی: 3917، ابن ماجہ: 3112۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز فرمان پیغمبر ﷺ ہے: ''میری امت کا جو شخص بھی مدینہ منورہ کی مشقت وشدت کے باوجود صبر کرے (اور یہیں ڈیرے ڈالے رکھے) تو میں ضرور قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔'' (مسلم: 1363، 1374، 1377، 1378) نیز آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! تونے مکہ میں جو برکت نازل فرمائی ہے مدینہ میں اس سے دوگنا زیادہ برکت نازل فرما۔'' (بخاری: 1885، مسلم: 1369، 1373) اور یہ دعا بھی فرمائی: ((اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ)) ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ محبوب بنادے جس طرح کہ ہم مکہ مکرمہ سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ (محبت دے)۔'' (بخاری: 1889، مسلم: 1376)

[991] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

15- بَابٌ: مَا تَكُونُ فِيهِ الشَّهَادَةُ

اس چیز کا بیان جس میں شہادت ہوتی ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف دو موقوف روایات ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

فائدہ:...... اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ میدان معرکہ والی شہادت بھی صرف وہی معتبر ہے جو خالص رضائے الٰہی کے لیے راہ الٰہی میں ہو۔

[992] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَوَفَاةً بِبَلَدِ رَسُولِكَ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ (دعائیہ الفاظ بھی) کہا کرتے تھے: اے اللہ! یقیناً میں تجھ سے تیری راہ میں شہادت اور تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں وفات کا سوال کرتا ہوں۔

فائدہ:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا مدینہ منورہ سے شدید محبت اور شہادت کی قلبی تمنا پر دلالت کرتی ہے، اللہ نے بھی ان کو یہ دونوں سعادتیں عطا فرمادیں، کافر مجوسی کے ہاتھوں قتل ہو کر شہادت سے سرفراز ہوئے اور مدینہ منورہ کے مبارک مقام پر بعداز شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں آپ کے ساتھ دفن ہوئے۔

[993] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: كَرَمُ الْمُؤْمِنِ تَقْوَاهُ، وَدِينُهُ حَسَبُهُ، وَمُرُوءَتُهُ خُلُقُهُ، وَالْجُرْأَةُ وَالْجُبْنُ غَرَائِزُ يَضَعُهَا اللَّهُ حَيْثُ شَاءَ، فَالْجَبَانُ يَفِرُّ عَنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ، وَالْجَرِيءُ يُقَاتِلُ عَمَّا لَا يَئُوبُ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ، وَالْقَتْلُ حَتْفٌ مِنَ الْحُتُوفِ، وَالشَّهِيدُ مَنِ احْتَسَبَ نَفْسَهُ عَلَى اللَّهِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: مومن کی عزت وتکریم (کا معیار) اس کا تقویٰ ہے، اور اس کا دین (اس کا حسب اور اس کی (خاندانی شرافت سے بھی اعلیٰ) شرافت ہی ہے، اس کی مروّت اس کا اخلاق (ہی) ہے، اور جرات و بزدلی (وہبی اور پیدائشی) اوصاف (اور طبیعتیں) ہیں، اللہ انھیں جہاں چاہے رکھ دیتا ہے، (یہ دونوں صفات کسی خاص خاندان یا فرد کی میراث نہیں ہیں،) بزدل تو اپنے باپ اور ماں سے بھی بھاگ جاتا ہے اور جرأت مند ایسے شخص کی طرف سے بھی (دفاع کرتا ہے اور) لڑتا ہے جسے وہ اپنے گھر لے

[992] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینۃ، باب: 12، حدیث: 1890، عبدالرزاق: 9550، 19637.

[993] (موقوف ضعیف) بیہقی: 9/ 170، ابن ابی شیبہ: 19512۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

کر نہیں جاتا (اور اپنوں اور بیگانوں سب کی زندگیوں کا محافظ ہوتا ہے،) قتل تو موتوں میں سے ایک موت (ہی کا نام) ہے اور (میدان معرکہ میں قتل ہونے کی بنا پر) شہید صرف وہ (شمار) ہوتا ہے جو اپنی جان کے ثواب کی امید اللہ پر لگائے۔

فائدہ: ...... یعنی اسے نہ لوگوں میں شہرت و تعریف مقصود ہو اور نہ اہل دنیا سے کسی قسم کا مفاد مطلوب ہو...... مروّت دراصل ایسے اخلاق حسنہ کو کہتے ہیں جو انسان کی طبیعت میں رچ بس جائیں، یہ لفظ مردانگی اور ملنساری کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

16- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي غُسْلِ الشَّهِيدِ

شہید کو غسل دینے کے عمل کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

[994] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غُسِّلَ وَكُفِّنَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ، وَكَانَ شَهِيداً يَرْحَمُهُ اللّٰهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اور کفن بھی پہنایا گیا اور ان پر نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور وہ شہید بھی تھے، اللہ ان پر رحمت فرمائے۔

فائدہ: ...... جو شہید میدان معرکہ کے علاوہ کسی اور جگہ فوت ہو، اس کا یہی معاملہ ہے۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ: الشُّهَدَاءُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يُغَسَّلُونَ، وَلَا يُصَلَّى عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ، وَإِنَّهُمْ يُدْفَنُونَ فِي الثِّيَابِ الَّتِي قُتِلُوا فِيهَا.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں اہل علم کے متعلق یہ خبر پہنچی کہ وہ کہا کرتے تھے: اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی پر جنازہ پڑھا جائے گا اور بلاشبہ وہ اپنے انھی کپڑوں میں دفن کیے جائیں گے جن میں وہ قتل کیے گئے ہوں۔

فائدہ: ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اور مذکورہ فتویٰ میں تعارض ہے جسے امام صاحب آئندہ سطور میں حل کر رہے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتِلْكَ السُّنَّةُ فِيمَنْ قُتِلَ فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی (غسل و جنازہ کا نہ ہونا)

[994] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 4/ 16، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 146(2102)، الشافعي في الام: 1/ 268، وفي المسند: 1/ 378۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

الْـمُـعْتَرَكِ فَلَمْ يُدْرِكْ حَتَّى مَاتَ . قَالَ : وَأَمَّا مَنْ حُـمِـلَ مِـنْـهُـمْ فَـعَاشَ مَا شَاءَ اللّٰهُ بَعْدَ ذٰلِكَ ، فَـإِنَّهُ يُغَسَّلُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ ، كَمَا عُمِلَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ .

سنت ہے اس شہید کے بارے میں جو میدان معرکہ میں قتل کیا جائے ، پھر اُسے (علاج معالجہ کے لیے) نہ پایا جاسکے یہاں تک کہ وہ (وہیں) فوت ہو جائے اور رہا وہ شہید جسے ان میں سے اٹھا لیا جائے (اور علاج معالجے کے لیے کہیں منتقل کر دیا جائے) اور وہ اس کے بعد جتنی دیر اللہ چاہے زندہ رہے (اور پھر فوت ہو جائے) تو بلاشبہ اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی جس طرح کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا۔

فائدہ :...... (شہید کی نماز جنازہ) شہید معرکہ کے متعلق اس بات پر تو اجماع ہے کہ نہ ان کو غسل دیا جائے گا اور نہ ان کے کپڑے تبدیل کیے جائیں گے ، رہا نماز جنازہ کا مسئلہ تو امام مالک رحمہ اللہ ، امام شافعی رحمہ اللہ ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک شہید پر جنازہ ثابت نہیں ہے ، اس کے لیے صرف دعا کی جائے گی ، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور متعدد اہلحدیث حضرات شہید کی نماز جنازہ کے بھی قائل ہیں ...... دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کی روایات ثابت ہیں ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کا جنازہ ادا نہیں کیا تھا۔ (بخاری:1343) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا تھا۔ (ابو داود:3137۔ اس کی سند حسن ہے۔) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا تو باقی شہداء کا جنازہ بھی ادا کیا۔ (احکام الجنائز ، للألبانی: ص 106 ، شرح معانی الآثار: 1/ 290۔ اس کی سند حسن ہے) ایک مہاجر اعرابی صحابی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ان کا جنازہ پڑھایا۔ (نسائی:1955۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے بالکل آخری ایام میں شہدائے احد پر آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھی ، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ (بخاری:4042 ، مسلم:2296/ 31) ...... جو علماء شہید معرکہ کی نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں وہ ان تمام روایات کے (صَـلّـى عَـلَيْهِ) جیسے الفاظ کا ترجمہ جنازے کی بجائے "دعا مانگنا" کرتے ہیں ، جیسا کہ درود پاک میں بھی اسی جیسے الفاظ کے معنی بھی دعا والے ہیں اور جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت :103 میں ہے : (صَـلِّ عَلَيْهِمْ) "آپ ان کے لیے دعا کیجیے۔" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب اس طرح کے الفاظ زندہ افراد کے لیے ہوں تو ان سے مراد دعا ہوتی ہے اور اگر انبیاء اور ان کے ساتھ ہی ان کی امت کے لیے یہ الفاظ مستعمل ہوں تو بھی درود اور دعائے رحمت مراد ہوتی ہے لیکن جب ان کا استعمال فوت شدگان کے لیے ہو تو نماز جنازہ مراد ہوتی ہے ، نیز حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ تر روایات میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ (فَـصَـلّٰـى عَـلٰـى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ) "تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر یوں نماز پڑھی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت پر نماز جنازہ پڑھتے تھے۔" (بخاری:1344 ، 3596 ، 4085 ، 6426 ،

6590، مسلم: 2296/ 30) انھوں نے یہ تشبیہ نماز کی نماز کے ساتھ دی ہے اور جس روایت میں آٹھ سال بعد کا تذکرہ ہے وہاں نماز کی بات نہیں بلکہ صرف الوداع کرنے کے لیے ہی دعا مراد ہے'' کوئی حیثیت نہیں رکھتا..... ویسے اس کے جواب میں الزامی طور پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کیا عام میت کے لیے آٹھ سال بعد ہی دعا ہوتی ہے، نیز اگر عام میت کے لیے جس طرح دعا میں الوداعیہ کلمات کہے جاسکتے ہیں اسی طرح نماز جنازہ میں بھی کہے جا سکتے ہیں ،الغرض یہ مسئلہ تشدد اور تعصب اختیار کرنے والا نہیں ہے بلکہ اس میں بہت وسعت اور گنجائش ہے، شہید کے لیے محض دعا بھی کافی ہے اور نماز جنازہ بھی درست ہے، جنازہ فوراً بھی پڑھا جاسکتا ہے اور دیر سے بھی ،ایک بار پڑھا جاسکتا ہے اور بار بار بھی ،یہی وجہ ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن: 4/ 295 میں اور عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تحفۃ الاحوذی: 3/ 116 میں شہید کا جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے میں اختیار اور دونوں کا جواز ذکر کیا ہے، امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار: 2/ 697 میں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے احکام الجنائز: ص 108 میں دونوں طریقے جائز قرار دیے ہیں البتہ پڑھنے کو بہتر اور افضل قرار دیا ہے...... امام بخاری رحمہ اللہ نے ''شہید پر جنازہ'' کا عنوان بنا کر دونوں طرح روایات ذکر کی ہیں۔ (1343، 1344)، امام ابوداود نے بھی دونوں قسم کی روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں۔ (ابو داود: 3135، 3137) امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''شہید پر نماز جنازہ ترک کرنے'' کا عنوان قائم کر کے گویا خود تو جنازہ نہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے لیکن پھر سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے شہید کی نماز جنازہ ادا کرنے کا جواز نقل کیا ہے اور ان کی دلیل ذکر کر کے اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ (ترمذی: 1036) امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ''شہید کی نماز پڑھنے'' کا عنوان قائم کر کے گویا جنازہ پڑھنے کے موقف کو ترجیح دی ہے اور دونوں قسم کی روایات ذکر کی ہیں ،امام نسائی رحمہ اللہ نے دونوں عنوان الگ الگ قائم کر کے دونوں کا جواز ثابت کیا ہے اور ان میں سے نماز پڑھنے کے متعلق باب مقدم کر کے اور اس میں دو روایات پیش کر کے گویا شہید کا جنازہ پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ (نسائی، کتاب الجنائز، باب: 61، 62، حدیث: 1955-1957) واللہ اعلم بالصواب۔

17- بَابٌ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الشَّيْءِ يُجْعَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اس چیز (دھوکے) کا بیان جسے اللہ کی راہ میں اختیار کرنا ناپسندیدہ امر ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے۔

[995] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر

[995] (موقوف ضعيف) ابن سعد في الطبقات الكبرى: 3/ 302، ابن شبه في تاريخ المدينة: 2/ 35(1424)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَحْمِلُ فِي الْعَامِ الْوَاحِدِ عَلَى أَرْبَعِينَ أَلْفِ بَعِيرٍ، يَحْمِلُ الرَّجُلَ إِلَى الشَّامِ عَلَى بَعِيرٍ، وَيَحْمِلُ الرَّجُلَيْنِ إِلَى الْعِرَاقِ عَلَى بَعِيرٍ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَقَالَ: احْمِلْنِي وَسُحَيْماً. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: نَشَدْتُكَ اللَّهَ أَسُحَيْمٌ زِقٌّ؟ قَالَ لَهُ: نَعَمْ.

بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک سال میں چالیس ہزار اونٹ سواری کے لیے دیا کرتے تھے، شام کی طرف جانے والے ایک شخص کو ایک اونٹ دیتے (فی کس ایک اونٹ) اور عراق کی طرف جانے والے دو شخصوں کو ایک اونٹ دیتے (فی کس نصف اونٹ)، چنانچہ اہل عراق میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اور سحیم (کالی رنگت والے) کو سواری دیجیے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اپنی فراست و ذہانت اور فطانت ودانشمندی کی بنا پر) اس سے پوچھا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (سچ سچ بتاؤ) کہ کیا سحیم سے مراد مشک ہے؟ (جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے) تو اس نے کہا کہ جی ہاں۔

فائدہ: ......اس شخص نے توریہ اور حیلہ کرنا چاہا کہ جھوٹ بھی نہ بنے اور اکیلے کو سواری بھی مل جائے، چنانچہ اس نے مشک کا تذکرہ اس انداز میں کیا کہ گویا وہ کسی شخص کا نام لے رہا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنھیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے الہام اور ربانی فراست رکھنے والے افراد کے ساتھ تذکرہ کیا تھا۔ (بخاری: 3689، مسلم: 2398) وہ معاملے کی تہہ تک جا پہنچے...... چونکہ ملک شام دور بھی تھا، راستہ بھی دشوار تھا اور وہاں دشمن کی کثرت کی بنا پر جہاد بھی عام تھا اس لیے ادھر جانے والے حاجتمندوں یا مجاہدین وغیرہ کو فی کس ایک ایک اونٹ دیا جاتا تھا تاکہ اونٹ کم بوجھ کے ساتھ زیادہ سفر کر سکے جبکہ عراق کا راستہ نسبتاً آسان بھی تھا اور آباد بھی نیز وہ مکمل کا مکمل اسلامی ریاست میں شامل تھا اس لیے دو عراقیوں کے لیے ایک اونٹ کافی سمجھا جاتا، بہرحال یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

18- بَابٌ: التَّرْغِيبُ فِي الْجِهَادِ

جہاد کی ترغیب کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں، چار مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور باقی صحیح ہیں، اور ایک موقوف روایت بھی صحیح ہے۔

فائدہ: ...... پیچھے کتاب الجہاد کا پہلا باب بھی بعینہ انھی الفاظ اور اسی عنوان کے ساتھ گزر چکا ہے، دراصل امام مالک رحمہ اللہ کا موطا امام مالک رحمہ اللہ میں یہ اصول چلا آ رہا ہے کہ ہر اہم موضوع اور کتاب کے بالکل اخیر میں یا آخر سے ایک دو باب قبل متفرق احادیث کو ایک یا دو ابواب میں ذکر کرتے ہیں جیسا کہ "جامع الصلاۃ" اور "جامع الترغیب فی الصلاۃ" اسی طرح "جامع الجنائز" یا "جامع الصیام" یا "کتاب الحج" میں "جامع ماجاء فی العمرۃ"، "جامع الطواف"، "جامع الهدی"، "جامع الفدیه" اور "جامع الحج" کے

ابواب مذکور ہیں، اسی طرح کتاب الجهاد میں بھی یہ باب ''جامع الترغيب في الجهاد'' یا ''جامع الجهاد'' کے عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔

[996] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءٍ، يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ، فَتُطْعِمُهُ، وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْماً، فَأَطْعَمَتْهُ وَجَلَسَتْ تَفْلِي فِي رَأْسِهِ، فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْماً، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكاً عَلَى الأَسِرَّةِ، أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الأَسِرَّةِ يَشُكُّ إِسْحَاقُ. قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ. فَدَعَا لَهَا، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يُضْحِكُكَ؟ قَالَ: نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مُلُوكاً عَلَى الأَسِرَّةِ، أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قبا کی طرف جاتے تو سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس چلے جاتے، سو وہ آپ ﷺ کو کھانا کھلاتیں، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے تو انھوں نے آپ ﷺ کو کھانا کھلایا اور بیٹھ کر آپ ﷺ کے بال دیکھنے لگیں (کہ کہیں جوئیں نہ پڑ گئی ہوں)، پھر رسول اللہ ﷺ (وہیں) سو گئے، پھر آپ ﷺ اس حال میں بیدار ہوئے کہ مسکرا رہے تھے، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سی چیز آپ کو مسکرانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ فرمایا: ''میری امت میں سے کچھ لوگ مجھ پر اس حال میں پیش کیے گئے ہیں (اور خواب میں دکھائے گئے) کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں، اس سمندر (کے وسط میں اس) کی پشت پر سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں یا (فرمایا کہ میں انھیں) بادشاہوں کی طرح (بیٹھے ہوئے دیکھا جو اپنے اپنے) تخت پر (ہوتے ہیں)'' (حدیث کے راوی) اسحاق کو (اس لفظ میں) شک ہوا ہے (کہ آپ ﷺ نے (مُلُوكًا) فرمایا یا (مِثْلَ الْمُلُوكِ) فرمایا تھا) وہ

[996] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء، بالجهاد والشهادة للرجال والنساء، حديث: 2788، 2799، 2877، 2894، 6282، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضل الغزو في البحر، حديث: 1912، ابوداود: 2490، 2491، ترمذی: 1645، نسائی: 3173، ابن ماجه: 2776، احمد: 3/ 240 (135544)، دارمی: 2412۔

الْأَسِرَّةِ كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى ، قَالَتْ : فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ . فَقَالَ : أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ قَالَ : فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ .

(سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! اللہ سے دعا فرما دیجیے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرما دی، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک نیچے رکھا اور (دوبارہ) سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ فرمایا: ''میری امت کے کچھ اور لوگ مجھ پر اس حال میں پیش کیے گئے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں (اور اپنے اپنے) تخت پر (جلوہ افروز دیکھا)۔ (اگرچہ راوی کو شک ہے لیکن بہرحال آپ ﷺ نے اس بار بھی وہی فرمایا) جیسا کہ پہلی دفعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پہلے (خواب والے لوگوں میں سے ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ (سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سمندر پر سوار ہوئیں، چنانچہ جب وہ سمندر سے باہر آئیں تو اپنے سواری کے جانور سے نیچے گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔

فائدہ:...... رسول اللہ ﷺ عموماً ہر ہفتے کے دن پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا کی طرف جاتے تھے اور وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ (دیکھیے پیچھے حدیث:402 کا فائدہ، بخاری:1193، 1194، مسلم:1399) وہاں بنونجار کا خاندان آباد تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ننھیال تھے، اس اعتبار سے کہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو اسی خاندان سے تھیں اور عبدالمطلب کا بچپن دس بارہ برس کی عمر تک وہیں گزرا تھا، اور پھر جب ان کے چچا نوفل نے مکہ میں ان کے گھر پر قبضہ کیا تو مدینہ منورہ سے ان کا ماموں ابوسعد بنونجار کے اسی سوار لے کر آیا اور اس نے قبضہ چھڑوایا۔

الغرض اس خاندان کی بوڑھی عورتیں رسول اللہ ﷺ کی خالائیں لگتی تھیں اور محرم شمار ہوتی تھیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کے باپ دادا کی بھی محرم رشتہ دار تھیں...... حضرت ام حرام حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت ملکہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے اور سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے تو ظاہر بات ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ سے قبا آتے جہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا پورا خاندان تھا اور جنھیں رسول اللہ ﷺ کے ننھیال ہونے کا شرف بھی حاصل تھا تو یقیناً حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ قبا چلے آتے ہوں گے، یہ تینوں عورتیں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کرتی رہتی تھیں، آپ ﷺ ان کے گھروں میں نفلی نماز با جماعت بھی ادا فرما لیتے تھے۔ (پیچھے حدیث:360 کا فائدہ) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا اصل نام رمیصاء تھا جبکہ ان کی ہمشیرہ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کا نام معلوم نہیں ہو سکا، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح اس مذکورہ خواب نبوی ﷺ کے بعد ہوا تھا۔ (مسلم

:1912/ 161) مذکورہ روایت میں مجازاً (ما آل یعنی مستقبل کے اعتبار سے) انھیں ان کی بیوی کہا گیا ہے یا محض تعارف کے لیے اس کا تذکرہ ہوا ہے...... ''تخت پر بادشاہ'' کے الفاظ سے یا تو یہ مراد ہے کہ خواب میں وہ مجاہدین پر خطر اور مشکل قسم کا سمندری جہاد کرتے وقت بھی انتہائی خوش وخرم اور بادشاہوں کی طرح ہشاش بشاش نظر آرہے تھے یا یہ مقصد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امت کی اس قدر قوت وکثرت اور خوشحالی دکھائی گئی کہ سمندری جہاد کرنے والے افراد شاہانہ مال ومتاع اور ہتھیاروں سے لیس نظر آرہے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی حالت (جہاد والی) دنیا سے متعلقہ ہو اور دوسری حالت (تخت پر بیٹھنے والی) جنت سے متعلقہ ہو، موطا کی اس روایت کے اخیر میں اختصار ہے اور دوسرے خواب والے مجاہدین کے جہاد کی جگہ اس میں مذکور نہیں، چنانچہ دوسری روایات میں دوسرا خواب بھی سمندری جہاد ہی کے متعلق بیان ہوا ہے۔ (بخاری: 6282) "ثَبَج" کے معنی پشت کے ہیں جب کہ بعض روایات میں اس کی جگہ "ظَھر" (پشت) کا لفظ وارد ہوا ہے۔ (مسلم: 1912/ 161، 162) سمندر سے مراد بحر اخضر ہے۔ (بخاری: 2799، مسلم: 1912/126) جو کہ افریقہ ویورپ کے درمیان میں واقع ہے، اسے بحیرہ روم اور ''میڈیٹرینین سی'' (Mediterranean Sea) بھی کہتے ہیں، حدیث کے لفظ (زَمَانِ مُعَاوِیَۃَ) سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ام حرام ؓ کی شہادت کا واقعہ حضرت معاویہ ؓ کے دور خلافت 40ھ تا 60ھ میں پیش آیا، حالانکہ ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے خاوند حضرت عبادہ بن صامت ؓ کے ہمراہ اس جنگ میں نکلیں جو مسلمانوں نے سب سے پہلی بار حضرت معاویہ ؓ کے ہمراہ لڑی تھی۔ (بخاری: 2799) اور یہ تاریخ میں مسلم ہے کہ پہلا بحری جہاد حضرت عثمان ؓ کے دور خلافت کے چھٹے سال 28ھ میں ہوا تھا، لہٰذا زمان معاویہ سے مراد زمانۂ خلافت معاویہ ؓ نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے سپہ سالاری اور بحری جہاد میں امارت کا زمانہ مراد ہے، اس سفر میں حضرت ام حرام ؓ کے ہمراہ بنت قرظہ نے جزیرہ قبرص (Cyprus، سائپرس) کا قصد کیا تھا، یہ جزیرہ ملک شام کے ساحل سے مغربی جانب اور ترکی کے ساحل سے جنوب میں واقع ہے، غزوے سے واپسی پر جب یہ قافلہ ساحل شام پر پہنچا تو حضرت ام حرام ؓ کا واقعہ شہادت پیش آیا۔ (بخاری: 2799) جس جانور سے گر کر ان کی گردن ٹوٹی تھی وہ ایک مادہ خچر تھی۔ (مسلم: 1912/ 161) اس حدیث میں بیان کردہ پہلے لشکر کی تعیین تو حضرت ام حرام ؓ کی شمولیت سے ہو جاتی ہے، دوسرے خواب والے لشکر کی تعیین مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے جسے خود سیدہ ام حرام ؓ نے اس سفر میں ملک شام کے شہر حمص کے ساحل پر پڑاؤ کے دوران بیان کیا، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْ جَبُوْا)) قَالَتْ اُمُّ حَرَامٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَنَا فِیْھِمْ؟ قَالَ: (اَنْتِ فِیْھِمْ) ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: (اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَھُمْ) فَقُلْتُ اَنَا فِیْھِمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: (لَا) ''میری امت کا وہ سب سے پہلا لشکر جو سمندر میں غزوہ کرے گا، انھوں نے (اپنے لیے جنت) واجب کر لی (اور یہ سعادت

لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ہاں) تم ان میں (شامل) ہو۔'' پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا وہ سب سے پہلا لشکر جو قیصر (شاہ روم) کے شہر (قسطنطنیہ) کے خلاف لڑے گا ان کے لیے بخشش فرما دی گئی ہے۔'' (سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ کیا میں بھی ان میں ہوں گی اے اللہ کے رسول ﷺ!؟ تو فرمایا: ''نہیں''۔ (بخاری: 2924) گویا یہ دوسرا لشکر اس پہلے لشکر سے درجہ میں کچھ نیچے ہے کیونکہ مسلمہ بات ہے کہ وہ قسطنطنیہ (موجودہ ترکی کا شہر استنبول) جسے اہل فارس بھی فتح نہ کر سکے اور مسلمان بھی کئی سو سال لڑنے کے بعد ترک سلطان محمد فاتح کے دور میں اسے حاصل کر پائے، اس پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تقریباً آخر میں 58ھ میں ہوا، اسی غزوے کے دوران حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے جو باوجود شدید بڑھاپے کے جہاد سے پیچھے نہ ہٹے اور انھیں اسی شہر کے دروازے کے پاس دفنا دیا گیا، اس لشکر کی قیادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید رحمہ اللہ نے کی، یہ حدیث مبارکہ اس لشکر کی مغفرت کی خوشخبری سنا رہی ہے، لہٰذا ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرمان نبوی ﷺ برحق ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کا استثناء نہیں فرمایا، اس لیے ہم پر لازم ہے کہ کسی سیاسی دباؤ یا نظریاتی جھکاؤ یا معاشرتی لگاؤ اور تعصب و تنگ نظری میں مبتلا نہ ہوں اور کسی کا استثناء نہ کریں، خواہ وہ یزید رحمہ اللہ ہو یا کوئی اور، نیز لفظ مغفرت خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اگرچہ وہ گناہ گار ہوں گے لیکن اس عظیم عمل اور بحری جہاد کی بنا پر انھیں معافی عطا کر دی جائے گی، یقیناً اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے خواہ وہ صحابہ و اہل بیت ہی کیوں نہ ہوں، رضی اللہ عنھم اجمعین، اور جن افراد کے لیے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ کی زبان نبوت سے مستحق جنت اور مغفور ہونے اور بخش دیے جانے کی خبر صادر ہوا نھیں کافر و ملعون کہنا قطعاً درست نہیں۔

[997] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَحْبَبْتُ أَنْ لاَ أَتَخَلَّفَ عَنْ سَرِيَّةٍ تَخْرُجُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَلَكِنِّي لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، وَلاَ يَجِدُونَ مَا يَتَحَمَّلُونَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو یقیناً میں یہ محبوب جانتا کہ کسی ایسے سریہ (اور جہادی دستے) سے پیچھے نہ رہوں جو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے، لیکن میں وہ (مطلوبہ تعداد میں سواریاں) نہیں پاتا جو ان میں (جہاد کے شوقین اور اتباع رسول ﷺ کے خوگر امتیوں) کو سواری کے

[997] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجهادوالسیر، باب الجعائل والحملان فی السبیل، حدیث: 2972، 2797، 7226، 7227، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجهادوالخروج فی سبیل الله، حدیث: 1876، نسائی: 3153، ابن ماجہ: 2753، احمد: 2/ 424(9476)۔

عَلَيْهِ، فَيَخْرُجُونَ، وَيَشُقُّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا بَعْدِي، فَوَدِدْتُ إِنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا فَأُقْتَلُ .

لیے دے سکوں۔'' اور نہ خود ایسی چیز پاتے ہیں جس پر وہ سوار ہوسکیں (اور بوجھ لاد سکیں) پھر وہ (پیدل ہی) نکل کھڑے ہوں (تو یہ بھی مشقت ہی مشقت ہے) اور ان پر یہ بھی شاق (اور گراں) ہے کہ وہ میرے (جہاد میں نکل جانے کے) بعد پیچھے بیٹھے رہیں (اس تمام صورت حال کے باوجود) میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔''

[998] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِي؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَطُوفُ بَيْنَ الْقَتْلَى، فَقَالَ لَهُ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ مَا شَأْنُكَ، فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: بَعَثَنِي إِلَيْكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِآتِيَهُ بِخَبَرِكَ. قَالَ: فَاذْهَبْ إِلَيْهِ فَأَقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ إِنِّي قَدْ طُعِنْتُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ طَعْنَةً، وَأَنِّي قَدْ أُنْفِذَتْ مَقَاتِلِي، وَأَخْبِرْ قَوْمَكَ أَنَّهُ لَا عُذْرَ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ، إِنْ قُتِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَوَاحِدٌ مِنْهُمْ حَيٌّ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب جنگ احد کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو میرے پاس حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی خبر لائے؟'' ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں (ایسا کروں گا) اے اللہ کے رسول! چنانچہ وہ شخص گیا (اور) شہداء کے درمیان گھومنے لگا تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ (جو ابھی آخری سانسیں لے رہے تھے) نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ شخص ان سے کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس تمہاری خبر لاؤں؟ وہ فرمانے لگے: تو پھر آپ ﷺ کے پاس چلے جاؤ اور آپ ﷺ کو میری طرف سے سلام کہنا اور آپ ﷺ کو بتا دینا کہ بلاشبہ مجھے نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور بلاشبہ مجھے قتل کرنے والے یہ آلے مجھ میں سے پار گزر گئے ہیں اور اپنی قوم کو بھی یہ بتا دو کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس حال میں قتل کر دیے جائیں کہ ان میں سے ایک شخص بھی زندہ ہو تو اللہ کے ہاں ان کا کوئی عذر نہ ہوگا۔

فائدہ: ......لہٰذا جب تک جسم میں جان ہے آپ ﷺ کی بھرپور حفاظت کرتے رہو اور اپنے جیتے جی کسی دشمن کو آپ ﷺ کے پاس بھی نہ پھٹکنے دو۔ ابن عبدالبر اور ابن اثیر نے خبر لانے والے شخص کا نام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے، مستدرک حاکم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام ہے، واقدی نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا نام بیان کیا ہے، ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا ہو...... حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ انصار

[998] (مرفوع ضعیف) سعید بن منصور: 2842۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا تو انھوں نے اپنا سارا مال حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا اور یہ بھی کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، آپ جسے پسند کریں گے میں اُسے طلاق دے دیتا ہوں پھر عدت کے بعد اس سے شادی کر لینا.....مغازی ابن اسحاق، زادالمعاد اور الرحیق المختوم وغیرہ کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ لمبے نیزے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک خبر لانے والے کو بھیجا اور کہا کہ اگر وہ زندہ مل جائیں تو انھیں میرا اسلام کہنا اور ان سے پوچھنا کہ خود کو کس حال میں محسوس کر رہے ہو؟ قاصد نے جا کر انھیں بار بار آوازیں دیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کمزور اور نحیف آواز سے جواب دیا، کیونکہ انھیں بارہ لمبے نیزوں نے تو جسم سے آر پار ہو کر 12 زخم لگائے تھے جبکہ تیر و تلوار کے زخم ملا کر ستر سے زائد تھے، بہرحال انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو جوابی پیغام بھیجا اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کہنا کہ اللہ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے جو وہ کسی نبی کو اپنی امت کی طرف سے عطا فرماتا ہے اور آپ ﷺ کو بتانا کہ میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی ہلتی رہے اور اس کے جیتے جی دشمن آپ ﷺ تک پہنچ گیا تو تمھارے لیے اللہ کے ہاں کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ (زرقانی: 3/ 63، 64، الرحیق المختوم: ص 380، زاد المعاد: 2/ 96)

[999] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَغَّبَ فِي الْجِهَادِ، وَذَكَرَ الْجَنَّةَ وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَأْكُلُ تَمَرَاتٍ فِي يَدِهِ، فَقَالَ: إِنِّي لَحَرِيصٌ عَلَى الدُّنْيَا إِنْ جَلَسْتُ حَتَّى أَفْرُغَ مِنْهُنَّ، فَرَمَى مَا فِي يَدِهِ، فَحَمَلَ بِسَيْفِهِ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے جہاد کی ترغیب دلائی اور جنت کا ذکر فرمایا، اس وقت انصار میں سے ایک شخص اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجوریں کھا رہا تھا، وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ میں تو یقیناً دنیا پر حریص (شمار) ہوں گا اگر (اتنی دیر) بیٹھا رہوں یہاں تک کہ ان کھجوروں سے فارغ ہو جاؤں، چنانچہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس نے اسے پھینک دیا، پھر اپنی تلوار کے ساتھ (دشمن پر) حملہ آور ہو گیا، پھر وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

فائدہ: .....حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ احد کا واقعہ ہے۔ (بخاری: 4046، مسلم: 1899) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے دن بھی فرمایا تھا: ''اٹھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے۔'' تو حضرت عمیر بن حمام خزرجی رضی اللہ عنہ تعجب سے کہنے

[999] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة احد، حديث: 4046، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث: 1899، نسائي: 3156، احمد: 3/ 308 (14365)۔

لگے کہ واہ واہ، آپ ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو کہنے لگے کہ جنتیوں میں شامل ہونے کی امید پر میں نے واہ واہ کہا ہے، آپ ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت دی تو وہ اپنے تھیلے سے کھجوریں (نکال کر) کھانے لگے، پھر کہنے لگے کہ اگر میں اتنی دیر زندہ رہوں کہ یہ کھجوریں کھالوں تو یہ بلاشبہ بہت لمبی زندگی ہے، چنانچہ انھوں نے کھجوریں پھینک دیں، پھر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (مسلم: 1901)

[1000] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّهُ قَالَ: الْغَزْوُ غَزْوَانِ، فَغَزْوٌ تُنْفَقُ فِيهِ الْكَرِيمَةُ، وَيُيَاسَرُ فِيهِ الشَّرِيكُ، وَيُطَاعُ فِيهِ ذُو الأَمْرِ، وَيُجْتَنَبُ فِيهِ الْفَسَادُ، فَذَلِكَ الْغَزْوُ خَيْرٌ كُلُّهُ، وَغَزْوٌ لاَ تُنْفَقُ فِيهِ الْكَرِيمَةُ، وَلاَ يُيَاسَرُ فِيهِ الشَّرِيكُ، وَلاَ يُطَاعُ فِيهِ ذُو الأَمْرِ، وَلاَ يُجْتَنَبُ فِيهِ الْفَسَادُ، فَذَلِكَ الْغَزْوُ، لاَ يَرْجِعُ صَاحِبُهُ كَفَافاً.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: جہاد کی دو قسمیں ہیں، پس ایک جہاد تو وہ ہے جس میں عمدہ چیز خرچ کی جاتی ہے، اس میں (اپنے ساتھ) شریک (اور رفیق مجاہد) کے ساتھ آسانی و نرمی اختیار کی جاتی ہے اس میں امیر کی اطاعت کی جاتی ہے اور اس جہاد میں فساد سے اجتناب کیا جاتا ہے، تو یہ ایسا غزوہ (اور جہاد) ہے کہ جو سارے کا سارا خیر ہی خیر ہے اور دوسرا جہاد وہ ہے جس میں نہ عمدہ مال خرچ کیا جاتا ہے، نہ اس میں ساتھی کے ساتھ نرم برتاؤ کیا جاتا ہے، نہ امیر کا حکم مانا جاتا ہے اور نہ اس میں فساد سے پرہیز کیا جاتا ہے، تو یہ ایک ایسا جہاد ہے جس کا کرنے والا برابر برابر بدلے کے ساتھ بھی نہیں لوٹ پاتا۔

فائدہ: ...... اور وہ سراسر خسارے میں رہتا ہے کیونکہ درجات تین ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اجر وثواب زیادہ ہو اور گناہ کم ہو، یہ سب سے بہتر ہے، دوسرا یہ کہ ثواب اور گناہ برابر ہوں، اس کا کم از کم یہ فائدہ ضرور ہے کہ بندہ سزا سے بچ جاتا ہے اور تیسرا یہ کہ گناہ زیادہ ہو اور ثواب کم ہو یا بالکل ہی نہ ہو، اس درجے والا شخص سراسر خسارے میں رہتا ہے ...... مذکورہ روایت کے مفہوم والی حدیث رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور اس میں پہلی قسم کے جہاد کے متعلق یہ چیز بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی رضامندی کی تلاش میں ہو، چنانچہ ایسے شخص کا سونا اور جاگنا بھی سب کا سب خیر ہی خیر ہے اور دوسری قسم کے جہاد کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے فخر کے اظہار، ریاکاری اور مشہوری کی نیت سے جہاد کیا (تو ناکامی ہی مقدر بنے گی)۔ (ابو داود: 2515، نسائی: 3190۔ اس کی سند حسن ہے۔) ایسے جہاد کو صرف ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے جہاد کہا گیا ہے۔

[1000] (موقوف صحيح) سنن ابي داود، كتاب الجهاد، باب في من يغزو ويلتمس الدنيا، حديث: 2515، سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب فضل الصدقة في سبيل الله عزوجل، حديث: 3190، احمد: 5/ 234 (22392)، دارمی: 2417۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

19- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْخَيْلِ وَالْمُسَابَقَةِ بَيْنَهَا وَالنَّفَقَةِ فِي الْغَزْوِ

گھوڑوں اور گھڑ دوڑ نیز جہاد میں مال خرچ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں، جن میں سے پانچ مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں اور ایک مقطوع (قول تابعی رحمہ اللہ) ہے اور سب سنداً صحیح ہیں۔

[1001] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں میں قیامت تک کے لیے خیر باندھ دی گئی ہے۔''

فائدہ: ......حضرت عروہ بن جعد بارقی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس خیر سے مراد اجر اور مال غنیمت ہے۔ (بخاری:2852، مسلم: 1872) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اسی (اعزاز) کی وجہ سے آپ ﷺ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو پیار و محبت سے بل دیا کرتے تھے۔ (مسلم:1872) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''برکت تو گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں میں ہے۔'' (بخاری: 1851، مسلم:1874) یہ حدیث مبارکہ جہاں گھوڑوں کی شان نیز اجر وثواب اور برکت وغنیمت کی بشارت دے رہی ہے وہیں بانگ دہل یہ اعلان بھی کر رہی ہے کہ جہاد بھی اور جہادی گھوڑے بھی قیامت تک موجود رہیں گے۔

[1002] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أُضْمِرَتْ، مِنَ الْحَفْيَاءِ، وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کی دوڑ لگوائی جو (تضمیر شدہ تھے اور) گھڑ دوڑ کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ (یہ دوڑ) حفیا نامی جگہ سے (شروع ہوئی) اور اس کی انتہا ''ثَنِيَّةُ الْوَدَاع'' گھاٹی پر ہوئی اور جو گھوڑے گھڑ دوڑ کے لیے تیار نہ کیے گئے

[1001] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الخيل معقود في نواصيها الخير الى يوم القيامة، حديث: 2849، 3644، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الخير وان الخير معقود بنواصيها، حديث: 1871، نسائی: 3603، ابن ماجه: 2787، احمد: 2/ 112 (5908)۔

[1002] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بنی فلان، حديث: 420، 2868، 2870، 7336، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب المسابقة بين الخيل وتضميرها، حديث: 1870، ابوداود: 2575، ترمذی: 1699، نسائی: 3614، ابن ماجه: 2877، احمد: 2/ 5 (4487)، دارمی: 2429۔

إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ مِمَّنْ سَابَقَ بِهَا.

تھے ان کی دوڑ "ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ" جگہ سے مسجد بنی زُریق تک لگوائی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے (یہ دوسری) دوڑ لگائی۔

فائدہ: ...... اِضمار یا تضمیر سے مراد ہے کہ گھوڑے کو کچھ عرصہ خوب کھلا پلا کر موٹا کیا جائے، پھر آہستہ آہستہ اس کی خوراک کم کر دی جائی، نیز کسی کمرے میں داخل کر کے اس پر جھول ڈال دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ اُسے خوب پسینہ آتا ہے اور اس عرصے میں اسے دوڑاتے ہیں، چنانچہ جب اس کی خوراک کم کرتے ہیں تو دوڑ اسی طرح ہی جاری رکھتے ہیں جس سے گھوڑے کا جسم پتلا اور مضبوط ہونے لگتا ہے، ایسا گھوڑا چھریرے بدن والا، پھرتیلا اور ٹریننگ یافتہ شمار ہوتا ہے، حفیا نامی سے ثنیۃ الوداع کا فاصلہ پانچ یا چھ یا سات میل ہے جبکہ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک ایک میل کی مسافت ہے۔ (بخاری: 2868، 2870) معلوم ہوا کہ گھڑ دوڑ کے مقابلے جہاد کی تیاری کی نیت سے کرانا سنت رسول اللہ ﷺ ہے، نیز جانوروں کو ان کی حیثیت اور طاقت وسعت کے لحاظ سے کام میں لگایا جائے، یہ بھی ثابت ہوا کہ مسجدوں کے نام کسی شخصیت یا قبیلے کی طرف منسوب کر کے رکھے جا سکتے ہیں ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اعلیٰ درجے کے مجاہد، عبادت گزار، متبع رسول ﷺ اور محدث تھے، اس گھڑ دوڑ میں وہ پہلے نمبر پر آئے تھے اور ان کا گھوڑا تیزی کی وجہ سے انھیں لے کر مسجد کی دیوار بھی پھلانگ گیا تھا۔ (مسلم: 1870، ترمذی: 1699) ثنیۃ الوداع کے معنی ہیں: ''الوداع والی گھاٹی''۔ اہل مدینہ اپنے مسافروں کو اس جگہ آ کر الوداع کیا کرتے تھے۔

[1003] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: لَيْسَ بِرِهَانِ الْخَيْلِ بَأْسٌ إِذَا دَخَلَ فِيهَا مُحَلِّلٌ، فَإِنْ سَبَقَ أَخَذَ السَّبَقَ، وَإِنْ سُبِقَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ گھڑ دوڑ کی شرط (اور بازی) لگانے میں کوئی حرج نہیں جب محلل (اس دوڑ کے حلال ہونے کا باعث بننے والا) گھوڑا ان میں شامل ہو جائے، پھر اگر وہ سبقت لے جائے تو انعام وصول کر لے اور اگر ہار جائے (اس سے سبقت کر لی جائے) تو اس پر کچھ (چٹی و جرمانہ وغیرہ) لازم نہیں۔

فائدہ: ...... اگر دو شخص کسی مقابلے میں شرکت کریں اور ان کا انعام کسی تیسرے شخص کے ذمے ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شخص انعام اپنے ذمے لے لے تو بھی جمہور کے نزدیک جائز

[1003] (مقطوع صحيح) بيهقي: 10/ 20 (19772)، ابن ابي شيبه: 33540۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ہے، سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے، اور اگر مقابلے میں شریک دونوں افراد یا زیادہ افراد مل کر انعام تیار کریں جیسا کہ انٹری فیس کی صورت میں ایسا ہوتا ہے تو یہ بالاتفاق حرام ہے اور جوا کہلاتا ہے، ہاں اگر مقابلے میں شریک بعض افراد مل کر انعام کے لیے حصہ ڈالیں اور ان کے ہمراہ ایک یا زیادہ ایسے افراد بھی مقابلے میں شریک ہو جائیں جنھوں نے انعام کی تیاری میں کچھ حصہ نہ ڈالا ہو تو ان کی شمولیت سے یہ دوڑ اور مقابلہ جائز ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اگر انعام کی تیاری میں حصہ نہ ڈالنے والے بعض شرکاء اگر مقابلے جیت لیں تو انعام کے حقدار ٹھہریں اور ہار جائیں تو کسی بھی چٹی سے محفوظ رہیں، یہ بعض شرکاء محلل کہلاتے ہیں یعنی ان کی شرکت سے یہ مقابلہ حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر بعض شرکاء انٹری فیس جمع نہ کرائیں لیکن جیت کی صورت میں انعام کے حقدار ہوں اور ہار کی صورت میں بھی ان پر کچھ جرمانہ لازم نہ آتا ہو تو بھی وہ مقابلہ جائز ہے اور دوسرے شرکاء کی انٹری فیس والی رقم انعام میں استعمال کرنا درست ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

[1004] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رُئِيَ وَهُوَ يَمْسَحُ وَجْهَ فَرَسِهِ بِرِدَائِهِ، فَسُئِلَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: إِنِّي عُوتِبْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْخَيْلِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے گھوڑے کے چہرے کو اپنی چادر مبارک سے صاف فرما رہے تھے، چنانچہ آپ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''یقیناً آج رات (خواب میں یا بیداری میں) گھوڑوں کے متعلق (خبر گیری نہ کر سکنے پر) میری فہمائش کی گئی تھی۔

[1005] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ خَرَجَ إِلَى خَيْبَرَ أَتَاهَا لَيْلاً، وَكَانَ إِذَا أَتَى قَوْماً بِلَيْلٍ، لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا: مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب (6ھ میں یہودیوں کے گڑھ) خیبر کی طرف (غزوہ کے لیے) نکلے تو رات کے وقت اس کے پاس پہنچے، اور آپ ﷺ جب کسی قوم کے پاس رات کے وقت پہنچتے تو حملہ نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ صبح میں داخل ہو جاتے، چنانچہ (صبح کے وقت) یہودی اپنی کسیاں (بیلچے

[1004] (مرفوع صحیح لغیرہ) سعید بن منصور: 2438، ابوداود طیالسی فی مسندہ: 2/ 385 (1155)، ابن عبدالبر فی التمہید: 24/ 100۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، نیز دیکھیے الصحیحۃ: 7/ 567۔

[1005] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث: 4197، 371، 610، 947، 2945، 2991، 3647، 4200، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ خیبر، حدیث: 1365/ 120، بعداز: 1801، ترمذی: 1550، نسائی: 548، 3382، احمد: 2/ 268 (7621)۔

مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ .

اور پھاوڑے) اور اپنے ٹوکرے لے کر نکلے، سو جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ (یہ تو) محمد (ﷺ ہیں) اللہ کی قسم! محمد اور پورا لشکر (بھی ساتھ) ہے، تو رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ، (اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اب تو) خیبر خراب ہو گیا، یقیناً ہم کسی (قوم کے) صحن میں (حملے کے لیے) پڑاؤ ڈالتے ہیں تو ڈرائے جانے والے (کافر) لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔"

فائدہ : ......رسول اللہ ﷺ صبح کا انتظار اس لیے فرماتے تھے کہ شاید اس قوم کا کوئی شخص مسلمان ہو چکا ہو اور نماز کے لیے اذان دیتا ہو، چنانچہ اذان سنتے تو حملہ نہ کرتے اور اذان نہ سنتے تو حملہ فرما دیتے اور خیبر سے اذان کی آواز نہیں آئی تھی۔ (بخاری: 610) مساحی جمع ہے مسحاۃ کی، جسے پنجابی میں "کئی" اور اردو میں "کسی" کہتے ہیں، "خمیس" کے لفظی معنی ہیں" پانچ حصوں والا" اور عموماً لشکر پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، مقدمہ (ہراول دستہ، آگے آگے رہنے والا)، ساقہ (پیچھے چلنے والا)، قلب (درمیان والا حصہ، مرکز) میمنہ (دایاں حصہ) اور میسرہ (بایاں حصہ) اللہ اکبر، خربت خیبر سجع کلامی پر مشتمل ایک نعرہ ساتھ۔

[1006] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ نُودِيَ فِي الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا عَلَى مَنْ يُدْعَى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے اللہ کی راہ میں ایک جوڑا خرچ کیا (مثلاً دو گھوڑے، دو اونٹ، دو برتن، دو سکے وغیرہ) تو اسے جنت (کے دروازے) میں (سے یہ) آواز دی جائے گی کہ اے اللہ کے بندے! یہ (دروازہ تیرے حق میں) خیر ہے (لہٰذا اپنا اجر و ثواب پانے کے لیے ادھر آجاؤ) پھر جو کوئی نماز والوں میں سے ہو گا اسے باب صلاۃ (نماز کے دروازے) سے پکارا جائے گا اور جو کوئی اہل جہاد میں سے ہو گا اسے باب جہاد (جہاد کے دروازے) سے بلایا جائے گا اور جو کوئی صدقہ (زکاۃ) دینے والوں میں سے ہو گا اسے باب صدقہ سے آواز دی جائے گی اور جو کوئی روزے

[1006] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1897، 2841، 3216، 3666، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل من ضم الى الصدقة غيرها من انواع البر، حديث: 1027، ترمذي: 3674، نسائي: 3185۔

مِنْ هَـٰذِهِ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ هَـٰذِهِ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا ؟ قَالَ : نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ .

رکھنے والوں میں سے ہوگا اسے ''باب الریان'' سے آواز دی جائے گی،تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول !جس شخص کو(اپنے تمام اعمال کی وجہ سے) ان سب دروازوں سے بلایا جائے گا تو اس کی ضرورت تو نہیں ہے(کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے لیے تو ایک دروازہ ہی کافی ہے البتہ یہ ایک مقام ومرتبہ،شرف ومنزلت اور اعزاز واکرام ضرور ہے)تو کیا کسی شخص کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ہاں اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ انھیں میں سے ہیں۔''

فائدہ:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوال کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جس شخص کو اس کے عمل والے خصوصی دروازے سے بلایا جائے گا تو اب اس کو یہ ضرورت نہیں کہ کسی اور دروازے سے بھی بلایا جائے ،لیکن پھر بھی کیا ایسا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ہاں...... یہ حدیث جہاں مناسبت سے ہے کہ اس میں مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہوا ہے۔ریان کے لغوی معنی ہیں:''سیراب کرنے والا''اور روزے دار کے لیے دروازے کا نام ''ریان'' اس لیے ہے کہ وہ پیاس برداشت کرتا ہے تو مذکورہ نام میں روزے داروں کے عمل کی قدر نیز عزت افزائی کا اظہار ہے...... جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔(بخاری:3257)

20- بَابٌ: إِحْرَازُ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ أَرْضَهُ

ذمیوں (اقلیتوں) میں سے اسلام قبول کرنے والے کا اپنی سرزمین پر مالک رہنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں روایت تو کوئی نہیں ہے،البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ:...... احراز کے لفظی معنی جمع کرنے اور محفوظ کرنے کے ہیں،اور یہاں اس سے مراد ''مالک بنے رہنا'' ہے گویا مذکورہ شخص کا اسلام اس کی زمین کو اس کے قبضے میں محفوظ کردیتا ہے ،ذمیوں سے مراد وہ کفار ہیں جو مسلمانوں کے علاقے میں جزیہ (ٹیکس) دے کر رہتے ہیں اور ان کی حفاظت کا ذمہ اسلامی حکومت پر ہوتا ہے۔

قَـالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ إِمَامٍ قَبِلَ الْجِزْيَةَ مِنْ قَوْمٍ، فَكَانُوا يُعْطُونَهَا، أَرَأَيْتَ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ، أَتَكُونُ لَهُ أَرْضُهُ، أَوْ تَكُونُ لِلْمُسْلِمِينَ، وَيَكُونُ لَهُمْ مَالُهُ ؟ فَقَالَ مَالِكٌ : ذَلِكَ يَخْتَلِفُ، أَمَّا أَهْلُ الصُّلْحِ، فَإِنَّ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ فَهُوَ أَحَقُّ بِأَرْضِهِ وَمَالِهِ، وَأَمَّا

امام مالک رحمہ اللہ سے اس امام (امیر،مسلمان حکمران)کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کسی قوم سے جزیہ لینا قبول کرلیا،سو وہ اسے ادا کرتے رہے،آپ اس شخص کے متعلق ہمیں خبر دیجیے جو ان میں سے مسلمان ہوجائے تو کیا اس کی زمین اسی کی (ملکیت)ہوجائے گی یا وہ مسلمانوں کی (مشترکہ زمین ہی شمار)ہوگی اور(کیا)اس کا مال بھی ان

أَهْلُ الْعَنْوَةِ، الَّذِينَ أُخِذُوا عَنْوَةً، فَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ، فَإِنَّ أَرْضَهُ وَمَالَهُ لِلْمُسْلِمِينَ، لأَنَّ أَهْلَ الْعَنْوَةِ قَدْ غُلِبُوا عَلَى بِلاَدِهِمْ، وَصَارَتْ فَيْئاً لِلْمُسْلِمِينَ، وَأَمَّا أَهْلُ الصُّلْحِ، فَإِنَّهُمْ قَدْ مَنَعُوا أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ حَتَّى صَالَحُوا عَلَيْهَا، فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ إِلاَّ مَا صَالَحُوا عَلَيْهِ .

کے لیے (مشترکہ) ہوگا؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی مختلف صورتیں ہیں، رہے صلح والے (جنھوں نے اپنی خوشی سے جزیہ دینے پر صلح کر لی تھی) تو بلاشبہ ان میں سے کوئی مسلمان ہو گا وہ اپنی زمین اور مال کا زیادہ حقدار ہوگا، اور رہے مغلوب ہونے والے جنھیں (جنگ، قوت اور زور سے) غلبہ پا کر زبردستی پکڑا گیا (اور اسلام کا ماتحت بنایا گیا اور وہ مغلوب ہونے کے بعد ہی جزیہ دینے لگے) چنانچہ ان میں سے جو کوئی مسلمان ہوگا تو بے شک اس کی زمین اور مال تمام مسلمانوں کا (مشترکہ) ہوگا کیونکہ ان مغلوب ہونے والوں کے علاقوں پر غلبہ پایا جا چکا تھا اور وہ علاقے (ان کفار کے قبضے سے نکل کر) مسلمانوں کی غنیمت بن گئے تھے (کفار کی ملکیت ختم ہو چکی تھی، پھر ان میں سے جو شخص اپنی ملکیت کھو دینے کے بعد مسلمان ہو تو اس کے متعلق مسلمانوں کے ہاتھوں سے جزیہ کے عوض) محفوظ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ان (مالوں اور جانوں) پر باہم مصالحت کر لی تھی، لہٰذا ان پر اس چیز کے سوا کچھ نہ ہوگا جس پر انھوں نے صلح کر لی تھی۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس فتوی میں صلح کرنے والوں کا دوبار ذکر کیا ہے، پہلے انھوں نے ان کا صرف حکم بیان کیا تھا اور دوبارہ تذکرے میں اس سبب اور وجہ کو بیان کرنا مقصود ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی زمین اور مال کے مالک رہتے ہیں۔

21- بَابٌ: الدَّفْنُ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ ضَرُورَةٍ وَإِنْفَاذُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِدَةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

ضرورت کے وقت ایک سے زائد میتوں کو ایک قبر میں دفن کرنے اور وفات مصطفی ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کے وعدے نبھانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، دوسری مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ سنداً ضعیف ہے نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[1007] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، أَنَّهُ بَلَغَهُ،

عبدالرحمٰن (بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن) بن ابی صعصعہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمرو

[1007] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْجَمُوحِ ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّيْنِ ، ثُمَّ السُّلَمِيَّيْنِ كَانَا قَدْ حَفَرَ السَّيْلُ قَبْرَهُمَا ، وَكَانَ قَبْرُهُمَا مِمَّا يَلِي السَّيْلَ ، وَكَانَا فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ ، وَهُمَا مِمَّنِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ ، فَحُفِرَ عَنْهُمَا لِيُغَيَّرَا مِنْ مَكَانِهِمَا ، فَوُجِدَا لَمْ يَتَغَيَّرَا ، كَأَنَّهُمَا مَاتَا بِالْأَمْسِ ، وَكَانَ أَحَدُهُمَا قَدْ جُرِحَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جُرْحِهِ ، فَدُفِنَ وَهُوَ كَذَلِكَ ، فَأُمِيطَتْ يَدُهُ عَنْ جُرْحِهِ ، ثُمَّ أُرْسِلَتْ ، فَرَجَعَتْ كَمَا كَانَتْ ، وَكَانَ بَيْنَ أُحُدٍ وَبَيْنَ يَوْمَ حُفِرَ عَنْهُمَا سِتٌّ وَأَرْبَعُونَ سَنَةً .

بن جموح اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جوکہ دونوں ہی انصاری صحابی تھے اور بنوسلمہ سے تعلق رکھتے تھے، دونوں کی قبر کو پانی کے بہاؤ نے کھود (کرا کھیڑ) ڈالا تھا، ان دونوں کی قبر پانی کے بہاؤ والی جانب تھی اور دونوں ایک ہی قبر میں تھے اور وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جو جنگ احد کے دن شہید کردیے گئے تھے، چنانچہ ان دونوں کی قبر کو کھودا گیا تاکہ انھیں ان کی اس جگہ سے (کہیں اور) تبدیل (منتقل) کردیا جائے، تو وہ دونوں اس حال میں پائے گئے کہ (ان کے جسم) بالکل ہی متغیر نہیں ہوئے تھے، یوں لگتا تھا کہ گویا وہ دونوں کل ہی فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک (اپنی شہادت سے قبل) زخمی ہوگیا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا (اور اسی حالت میں وہ شہید ہوا) تو اسے اسی حالت میں دفنا دیا گیا، پھر (اب قبر سے نکالتے وقت) اس کا ہاتھ اس کے زخم سے ہٹایا گیا، پھر چھوڑا گیا تو وہ وہیں لوٹ گیا جہاں تھا اور جنگ احد اور ان کی قبر کھودنے کے دن کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ تھا۔

فائدہ : ...... یہ روایت ضعیف ہے......حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے اور دونوں گہرے دوست بھی تھے، حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں سمیت اپنی ایک ٹانگ پر شوق سے چوکڑیاں بھرتے ہوئے جنگ میں شامل ہوئے اور وہ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے گھر واپس نہ لوٹانا، وہ کافی مالدار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں پر ولیمے کا انتظام عموماً وہی کرتے تھے......حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی نو بیٹیوں کی پروا کیے بغیر شریک جنگ ہوئے۔ ان کے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس جنگ میں سب سے پہلے شہادت پائی اور میں نے اپنے والد کو ان کی شہادت کے چھ ماہ بعد الگ قبر میں دفن کردیا تھا۔ (بخاری: 1351) اگر موطا کی روایت صحیح ثابت ہوتی تو پھر یہ تطبیق ممکن تھی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بالکل قریب ہی الگ دفن کیا تھا، اس لیے دونوں کی قبروں کو ایک شمار کیا جاتا رہا، یا پھر اندر سے دونوں قبریں ایک ہوچکی تھیں اسی لیے وہ چھیالیس سال بعد اکٹھے باہر نکالے گئے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا بَأْسَ أَنْ يُدْفَنَ الرَّجُلَانِ وَالثَّلَاثَةُ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ ضَرُورَةٍ ، وَيُجْعَلَ الْأَكْبَرُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ضرورت کی وجہ سے دو یا تین افراد کو ایک ہی قبر میں دفن کردیا جائے اور (البتہ) ان میں سے (درجے میں) بڑے شخص کو قبلہ کی

جانب کیا جائے گا۔

فائدہ: ...... اور یہ تبھی ہوگا جب اسے قبر میں پہلے داخل کیا جائے ......''اکبر'' سے مراد درجے میں بڑا شخص ہوتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے شہدائے احد کے متعلق فرمایا تھا''کہ دو دو یا تین تین شہیدوں کو ایک قبر میں رکھو۔'' (ابو داود:3215۔اس کی سند صحیح ہے) نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں جمع کرتے اور پھر دریافت فرماتے کہ ان میں سے کس کو زیادہ قرآن یاد ہے، چنانچہ اسے قبر میں پہلے داخل فرماتے۔ (بخاری:1343) اور بعض چھوٹی عمر والے زیادہ قرآن یاد کرنے والے ہوتے ہیں۔

[1008] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ مَالٌ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأْيٌ، أَوْ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِي، فَجَاءَهُ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، فَحَفَنَ لَهُ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بحرین سے مال آیا تو انھوں نے فرمایا: جس کسی کا رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی وعدہ تھا (آپ ﷺ نے اسے کچھ دینے کا وعدہ کر رکھا تھا لیکن آپ ﷺ پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے) تو وہ ہمارے پاس آجائے (ہم اس وعدہ نبوی کو پورا کریں گے) چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو انھوں نے انھیں تین لپیں بھر کر دیں۔

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ''اگر بحرین سے مال آیا تو میں تمھیں اس طرح دوں گا''، یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر لپ بنائی اور تین بار اسی طرح اشارہ کر کے یہی بات دہرائی، پھر مال آنے سے قبل ہی آپ ﷺ فوت ہو گئے، پھر عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں جب یہ مال پہنچا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ وعدہ ایفاء کیا، پہلے انھوں نے درہموں کی ایک لپ بھرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ انھیں گن لو، وہ پانچ سو تھے، پھر فرمایا کہ اس کی دو مثل اور لے لو، تو یوں انھیں 1500 درہم ملے۔ (بخاری:2296، 2683) رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے جزیہ پر صلح کر رکھی تھی اور حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا تھا، رسول اللہ ﷺ کے دور میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وہاں سے جزیہ اکٹھا کر کے لائے تھے۔ (بخاری:3158، 2961) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی یہ مال بحرین کے امیر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہی آیا تھا۔ (بخاری:2683، مسلم: 61/2314) ...... جہاد (کے مسائل) کی کتاب مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ

[1008] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا فليس له ان يرجع، حديث: 2296، 2598، 2683، 3137، 3164، 4383، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2314، احمد:3/ 307، 308 (14352)۔

22

كِتَابُ النُّذُورِ وَالأَيْمَانِ

نذروں (قسموں) کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں نو ابواب اورانیس روایات ہیں،جن میں سے 7مرفوع(احادیث نبویہ ﷺ)، 8 موقوف (آثارصحابہ رضی اللہ عنہم)اور4 مقطوع (آثارتابعین رحمہم اللہ) ہیں، ان تمام میں سے پندرہ صحیح،ایک حسن اورتین ضعیف ہیں، چنانچہ سات مرفوع روایات سب کی سب صحیح ہیں ،آٹھ موقوف روایات میں سے 6 صحیح ،ایک حسن اورایک ضعیف ہے اورچارمقطوع روایات میں سے 2 صحیح اور2ضعیف ہیں،نیز اس باب میں20 فتاویٰ امام مالک رحمہ اللہ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ:...... کسی غیر واجب کام کواپنے اوپر واجب کرلینے کونذرکہتے ہیں،نذرپوری کرنا عبادت ہے،ارشادالٰہی ہے:﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (الدھر 7:76)''وہ(نیک لوگ) نذرپوری کرتے ہیں۔''اورفرمایا: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (الحج 29:22) ''اوران(حاجیوں) کوچاہیے کہ اپنی نذریں پوری کریں۔''...... یادرہے،نذرپوری کرنا توعبادت ہے لیکن ابتداءً نذرماننا مستحسن نہیں ہے،فرمان نبوی ﷺ ہے:''بے شک یہ نذر(تقدیر میں طے شدہ) کسی چیز کونہ آگے کرسکتی ہے اورنہ پیچھے ،اور بلاشبہ نذر کے ساتھ توصرف بخیل شخص سے مال نکلوایا جاتا ہے۔''(بخاری: 6692، 6694، مسلم: 1639، 1640) بخیل آدمی ویسے توخرچ نہیں کرتا لیکن نذرماننے کے بہانے اس کا مال خرچ ہوتا رہتا ہے،جومومن خودکوبخیل نہیں کہلوانا چاہتا اسے نذر ماننے کی ضرورت نہیں کیونکہ جومال نذرمان کرنکلنا ہوتا ہے وہ بغیر نذرمانے ہی اسے نکالتا رہتا ہے......نذرکوپوراکرنا واجب ہے بشرطیکہ شریعت کے خلاف بھی نہ ہواوربشری استطاعت کے مطابق ہو،ورنہ اگرنذرکوعمداً پورانہ کیا ، یاوہ انسانی طاقت سے باہر ہویا شریعت کے خلاف ہوتونذر کا کفارہ دینالازم ہے اوروہ قسم والا کفارہ ہی ہے،یعنی دس مسکینوں کودرمیانی قسم کا کھانا کھلانا یاانھیں کپڑے پہنانا یاایک غلام آزادکرنا اوراگران تینوں میں سے کسی کی بھی طاقت نہ ہوتوپھرتین روزے رکھنا۔(سورۃ مائدۃ 89:5)

1- بَابٌ: مَا يَجِبُ مِنَ النُّذُورِ فِي الْمَشْيِ

پیدل چلنے کی ان نذروں کا بیان جنھیں پورا کرنا واجب ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے، مرفوع صحیح جبکہ باقی دونوں سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

[1009] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ وَلَمْ تَقْضِهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اقْضِهِ عَنْهَا.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے فتوی طلب کیا اور عرض کیا کہ بے شک میری والدہ فوت ہو چکی ہیں اور ان پر ایک نذر (واجب) تھی جسے انھوں نے پورا نہیں کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اس کی طرف سے پورا کرو۔''

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نذر صرف اس صورت میں پوری کی جائے گی جب مرنے والا اس کی وصیت کر گیا ہو، ورنہ نہیں، جمہور کے نزدیک اگر نذر کا تعلق مال سے ہو تو وہ میت کے ترکے سے ادا کی جائے گی اور غیر مالی ہو تو اسے پورا کرنا ہی واجب نہیں، جبکہ اہل ظاہر اور اکثر اہلحدیث کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں ہر قسم کی شرعی نذر کو پورا کرنا ورثاء کے ذمے لازم ہے خواہ میت وصیت کرے یا نہ کرے، الا یہ کہ کوئی مانع ہو تو اس صورت میں نذر کا کفارہ ادا کریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کی وفات ربیع الاول 5ھ میں اس وقت ہوئی جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ دومۃ الجندل کے لیے گئے ہوئے تھے۔ (نسائی:3680۔ طبقات ابن سعد) اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نذر مان لی جائے لیکن اس کی تعیین نہ کی جائے تو پھر بھی اسے پورا کیا جائے گا یعنی اس کی طرف سے کفارہ ادا کیا جائے گا، بعض روایات میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے غلام آزاد کرنے کا پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے کافی قرار دیا۔ (نسائی:3686۔ اس کی سند صحیح ہے) ایک روایت کے مطابق انھوں نے پانی کا صدقہ جاریہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ (نسائی:3694۔ اس کی سند صحیح ہے) بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے مخراف نامی باغ صدقہ کیا۔ (بخاری:2756) دراصل انھوں نے اپنی والدہ کی نذر (جس کی تعیین نہ ہو سکی تھی) کے بدلے میں کفارہ ادا کیا تھا جس کی اعلیٰ شکل غلام آزاد

[1009] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب مایستحب لمن توفی فجاءۃ ان یتصدقوا عنه، حدیث: 2761، 6698، 6959، صحیح مسلم، کتاب النذر باب الامر بقضاء النذر، حدیث: 1638، ابوداود: 3307، ترمذی: 1546، نسائی: 3848، ابن ماجه: 2132، احمد: 1/ 219(1893)۔

کرتا ہے، پھر انھوں نے والدہ مرحومہ کی جانب سے پانی بھی جاری کیا اور باغ بھی صدقہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ والی روایت آگے کتاب العتق کے باب:8 کے آغاز میں (1278) اور کتاب الاقضیۃ کے باب:41 میں (1464) بھی موجود ہے۔

[1010] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمَّتِهِ، أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ عَنْ جَدَّتِهِ: أَنَّهَا كَانَتْ جَعَلَتْ عَلَى نَفْسِهَا مَشْيًا إِلَى مَسْجِدِ قُبَاءٍ، فَمَاتَتْ وَلَمْ تَقْضِهِ، فَأَفْتَى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ ابْنَتَهَا أَنْ تَمْشِيَ عَنْهَا.

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ (بن محمد بن عمرو بن حزم) اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے عبداللہ کی دادی جان کے متعلق انھیں بتایا کہ بے شک انھوں نے مسجد قبا کی طرف سے پیدل چل کر جانا اپنے اوپر لازم کرلیا، پھر وہ فوت ہوگئیں اور اس نذر کو پورا نہ کرسکیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس (دادی) کی بیٹی (عبداللہ رحمہ اللہ کی پھوپھی) کو حکم دیا کہ اس کی طرف سے پیدل چلے (اور نذر پوری کرے)۔

فائدہ:...... اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے صیغہ جزم کے ساتھ معلق روایت میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو اس کی ماں کی طرف سے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی نذر پوری کرنے کا حکم دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا۔ (بخاری، قبل از حدیث:6698) اور یہی بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قصے سے سامنے آتی ہے، بلکہ ایک روایت میں ہے کہ میت کی طرف سے نذر پوری کرنا بعد میں جاری رہنے والی سنت اور طریقہ بن گیا۔ (بخاری:6698)

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: لَا يَمْشِي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے پیدل نہ چلے۔

فائدہ:...... ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا تو یہ موقف ہے کہ بیت اللہ کے سوا کسی بھی اور جگہ کی طرف سے پیدل چل کر جانے کی نذر ماننا درست نہیں، ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ کسی خاص جگہ کو متبرک سمجھ کر وہاں حاضری کے لیے جانا، تین مسجدوں کی طرف جائز ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد اقصیٰ۔ (بخاری:1864، مسلم: 427) نیز مسجد قبا کی طرف جانا بھی ثابت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ان کی طرف پیدل جانے کی نذر مان لے تو ٹھیک ہے اور اگر وہ استطاعت سے بالاتر ہو تو پھر سوار ہو کر وہاں جائے اور کفارۂ نذر بھی ادا کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

[1010] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1011] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي حَبِيبَةَ قَالَ: قُلْتُ لِرَجُلٍ وَأَنَا حَدِيثُ السِّنِّ مَا عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يَقُولَ: عَلَيَّ مَشْيٌ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ، وَلَمْ يَقُلْ عَلَيَّ نَذْرُ مَشْيٍ. فَقَالَ لِي رَجُلٌ: هَلْ لَكَ أَنْ أُعْطِيَكَ هٰذَا الْجِرْوَ - لِجِرْوِ قِثَّاءٍ فِي يَدِهِ - وَتَقُولُ: عَلَيَّ مَشْيٌ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ، قَالَ: فَقُلْتُ نَعَمْ، فَقُلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ، ثُمَّ مَكَثْتُ حَتَّى عَقَلْتُ، فَقِيلَ لِي: إِنَّ عَلَيْكَ مَشْياً، فَجِئْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ لِي: عَلَيْكَ مَشْيٌ. فَمَشَيْتُ.

عبداللہ بن ابی حبیبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے کہا، اس حال میں کہ میں اس وقت کم عمر تھا، (میں نے پوچھا کہ) آدمی پر اس وقت کیا لازم آتا ہے جب وہ یہ الفاظ بولے: (عَلَيَّ مَشْيٌ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ) (مجھ پر بیت اللہ کی طرف سے پیدل چل کر جانا لازم ہے) اور وہ یہ الفاظ نہ بولے: (عَلَيَّ نَذْرُ مَشْيٍ) (مجھ پر پیدل چلنے کی نذر ہے) تو وہ آدمی (میری کم عمری اور بچگانہ حرص سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے) اپنے ہاتھ میں موجود ایک چھوٹی سی ککڑی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ کیا تم اس بات میں رغبت رکھتے ہو کہ میں تجھے یہ ککڑی دے دوں اور تم یہ الفاظ کہہ دو کہ مجھ پر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنا لازم ہے؟ عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ہاں، چنانچہ میں نے یہ الفاظ کہہ دیے اس حال میں کہ میں اس وقت کم عمر تھا، پھر میں کچھ عرصہ ٹھہرا رہا یہاں تک کہ صاحب عقل و شعور بن گیا تو مجھ سے کہا گیا کہ یقیناً تم پر پیدل چل کر جانا لازم ہے، سو میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ (واقعی) مجھ پر (بیت اللہ کی طرف) پیدل چلنا لازم ہے، چنانچہ میں پیدل چل کر (وہاں) گیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک (بھی) یہی حکم ہے۔

فائدہ :...... اگرچہ نابالغ بچہ احکامات شرعیہ کا مکلف نہیں لیکن وہ نفلی طور پر عبادات کو سرانجام دے سکتا ہے اور اگر نذر مان لے تو پوری کر سکتا ہے، پوری نہ کرے تو کفارہ دے سکتا ہے...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی شخص بیت اللہ کی طرف سے چلنے کو خود پر لازم کر لے تو خواہ نذر کا لفظ بولے یا نہ بولے دونوں صورتوں میں یہ الفاظ اس کے حق میں نذر ہی شمار ہوں گے، یاد رہے کہ بیت اللہ کی طرف سے پیدل چلنے سے مراد حج یا عمرہ ہے، لہٰذا بیت اللہ کی طرف چلنے کی نذر ماننے سے حج یا عمرہ لازم آتا ہے۔

[1011] (مقطوع ضعیف) بخاری فی التاریخ الکبیر: 5/ 75، ابن ابی شیبۃ 12337، 12421۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

2- بَابٌ :مَا جَاءَ فِيمَنْ نَذَرَ مَشْياً إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ فَعَجَزَ

اس شخص کا بیان جو بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر مان لے پھر یہ کام نہ کر سکے

خلاصة الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف ہے جو کہ حسن ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین ﷭) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک ﷫ کے چار فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1012] حَـدَّثَـنِـي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أُذَيْنَةَ اللَّيْثِيِّ ، أَنَّهُ قَالَ : خَرَجْتُ مَعَ جَدَّةٍ لِي عَلَيْهَا مَشْيٌ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَجَزَتْ, فَأَرْسَلَتْ مَوْلًى لَهَا يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ، فَخَرَجْتُ مَعَهُ ، فَسَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : مُرْهَا فَلْتَرْكَبْ ، ثُمَّ لْتَمْشِ مِنْ حَيْثُ عَجَزَتْ .

عروہ بن اُذَینہ لیثی ﷫ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں اپنی دادی کے ساتھ نکلا، ان پر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر تھی، یہاں تک کہ جب ہم راستے کے کسی مقام پر تھے کہ وہ چلنے سے عاجز آ گئیں، تو انھوں نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام کو بھیجا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے (اس کے متعلق) پوچھے، چنانچہ میں بھی اس کے ساتھ ہی (مسئلہ دریافت کرنے کے لیے) نکلا، اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ اسے حکم دو، وہ سوار ہو جائے، پھر (آئندہ کبھی موقع ملنے پر) وہاں سے پیدل چلے جہاں سے عاجز آئی تھی۔

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : وَنَرَى عَلَيْهَا مَعَ ذٰلِكَ الْهَدْيَ .

امام مالک ﷫ نے فرمایا: اور ہم اس کے ساتھ ساتھ اس پر ہدی کا جانور بھی (لازم) خیال کرتے ہیں۔

فائدہ :...... امام ابوحنیفہ ﷫ کا موقف یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں آدمی سواری کرے اور ایک ہدی کا جانور قربان کرے اور اس پر یہ لازم نہیں کہ دوبارہ وہیں سے پیدل چلے جہاں سے آدمی عاجز آیا ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ" اللہ تعالیٰ تیری بہن کے پیدل چلنے سے مستغنی و بے پرواہ ہے۔" (ابو داود: 3297۔ اس کی سند صحیح ہے) اگر چہ پیدل چلنے کی نذر جائز ہے لیکن عورت کے لیے سینکڑوں میل کا پیدل سفر اس کی استطاعت سے باہر ہے اس لیے اسے چاہیے کہ سواری کرے اور اپنی نذر کا کفارہ دے دے۔

[1013] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ

امام مالک ﷫ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سعید بن مسیب ﷫

[1012] (موقوف حسن) بيهقي: 10/ 81 (20128)، الشافعي في الام: 7/ 257، وفي المسند: 2/ 146، معرفة السنن والآثار: 7/ 345 (5843)، عبدالرزاق: 15863، ابن ابی شیبة: 12412۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

[1013] (مقطوع ضعیف) ابن ابی شیبة: 12337، 12421، عبدالرزاق: 15880۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَانَا يَقُولَانِ : مِثْلَ قَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ .

اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول ہی کی طرح فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ :...... جو گزشتہ بالا روایت میں بیان ہوا ہے۔

[1014] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ عَلَيَّ مَشْيٌ، فَأَصَابَتْنِي خَاصِرَةٌ، فَرَكِبْتُ حَتَّى أَتَيْتُ مَكَّةَ، فَسَأَلْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ وَغَيْرَهُ، فَقَالُوا: عَلَيْكَ هَدْيٌ . فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ سَأَلْتُ عُلَمَاءَهَا، فَأَمَرُونِي أَنْ أَمْشِيَ مَرَّةً أُخْرَى مِنْ حَيْثُ عَجَزْتُ، فَمَشَيْتُ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھ پر (ایک نذر کے سلسلے میں) پیدل چلنا لازم تھا، پس مجھے پہلو کا درد شروع ہو گیا تو میں سوار ہو گیا، یہاں تک کہ مکہ آ گیا، پھر میں نے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ علماء سے (اس بارے میں) پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کہ تم پر ہدی کا جانور لازم ہے (مزید کچھ نہیں)، پھر جب میں مدینہ آیا تو میں نے علمائے مدینہ سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں جس جگہ سے عاجز آیا تھا وہاں سے ایک بار پھر پیدل چل کر جاؤں (اور انھوں نے ہدی کا حکم نہ دیا)، چنانچہ میں پھر پیدل چلا۔

فائدہ :...... بہرحال امام مالک رحمہ اللہ اور اہل مدینہ کا موقف مرجوح ہے اور اہل مکہ کا موقف راجح ہے، نہ تو (اہل مدینہ کا موقف) دوبارہ پیدل چلنا لازم ہے نہ (امام مالک رحمہ اللہ کا موقف) دوبارہ پیدل چلنا اور ہدی دینا لازم ہے اور نہ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف) صرف ہدی دینا لازم ہے بلکہ محض کفارہ نذر لازم ہے اور بس۔ واللہ اعلم

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ : فَالأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ يَقُولُ : عَلَيَّ مَشْيٌ إِلَى بَيْتِ اللهِ، أَنَّهُ إِذَا عَجَزَ رَكِبَ، ثُمَّ عَادَ فَمَشَى مِنْ حَيْثُ عَجَزَ، فَإِنْ كَانَ لَا يَسْتَطِيعُ الْمَشْيَ فَلْيَمْشِ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيَرْكَبْ، وَعَلَيْهِ هَدْيُ بَدَنَةٍ، أَوْ بَقَرَةٍ، أَوْ شَاةٍ، إِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا هِيَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص یہ کہے کہ مجھ پر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنا (لازم) ہے تو اس کے متعلق ہمارے ہاں یہ حکم ہے کہ بے شک جب وہ شخص (پیدل چلنے سے) عاجز آ جائے تو سواری کر لے، پھر وہ (دوبارہ) نکلے اور اس پر ایک ہدی لازم ہے، خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری، جس وقت کہ وہ اس بکری کے سوا کچھ اور نہ پائے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَقُولُ لِلرَّجُلِ : أَنَا أَحْمِلُكَ إِلَى بَيْتِ اللهِ ؟ فَقَالَ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ (أَنَا أَحْمِلُكَ إِلَى بَيْتِ

[1014] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 10/ 81(20131)، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 345 (5844)، عبدالرزاق: 15874، ابن ابي شيبة: 13581۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

مَـالِكٌ : إِنْ نَـوَى أَنْ يَحْمِلَهُ عَلَى رَقَبَتِهِ ، يُرِيدُ بِـذَلِكَ الْـمَشَـقَّةَ وَتَـعَبَ نَفْسِهِ ، فَلَيْـسَ ذَلِكَ عَـلَيْـهِ ، وَلْيَمْشِ عَلَى رِجْلَيْهِ وَلْيُهْدِ ، وَإِنْ لَمْ يَـكُـنْ نَـوَى شَيْـئـاً ، فَـلْيَـحْـجُجْ وَلْيَرْكَبْ ، وَلْيَحْجُجْ بِذَلِكَ الرَّجُلِ مَعَهُ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ قَالَ: أَنَـا أَحْمِلُكَ إِلَى بَيْتِ اللهِ ، فَإِنْ أَبَى أَنْ يَحُجَّ مَعَهُ ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ ، وَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ .

الـلّٰـهِ) ''میں تجھے بیت اللہ تک اٹھاؤں گا'' تو انھوں نے فرمایا: اگر تو اس نے یہ مراد لیا ہے کہ اسے اپنی گردن پر سوار کرے گا ، وہ اس عمل کے ذریعے مشقت کا اور اپنے آپ کو تھکاوٹ میں ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ اس پر لازم نہیں ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پاؤں پر چل کر جائے اور ایک ہدی کا جانور قربان کردے (اور دوسرے شخص کو ساتھ لے جانا بھی ضروری نہیں کیونکہ اس کی نیت صرف خود کو مشقت و تکلیف میں ڈالنے کی تھی جو محض پیدل چلنے سے حاصل ہوجائے گی) اور اگر اس نے کوئی بھی نیت نہ کی ہو تو اسے چاہیے کہ سوار ہوکر حج کرے اور دوسرے شخص کو بھی اپنے ساتھ حج کرائے، اور یہ اس لیے ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میں تجھے بیت اللہ تک اٹھاؤں گا (یعنی ساتھ لے جاؤں گا)، پھر اگر وہ دوسرا شخص اس کے ہمراہ حج پر جانے سے انکار کردے تو اس (نذر ماننے والے) پر کوئی چیز (کفارہ وغیرہ) لازم نہ ہوگی اور (کیونکہ) اس نے اس عمل کو پورا کرلیا ہے جو اس پر لازم تھا۔

فائدہ :...... یعنی اس نے اپنی ذمہ داری ادا کردی، اب اگر دوسرا شخص نہیں جانا چاہتا تو اس کا کوئی قصور نہیں، نیز چونکہ نذر ماننا صرف ان عبادات میں جائز ہے جو شریعت میں ثابت ہیں اس لیے گردن پر اٹھانے کی نذر ماننا درست ہی نہیں اور ویسے بھی یہ بشری استطاعت سے بالاتر ہے، لہٰذا اس میں کفارہ ہی لازم ہوگا، نذر پوری نہ کی جائے گی...... حج کے ساتھ تعلق رکھنے والی نذر میں بھی وہی کفارہ ہوتا ہے جو دوسری نذروں کا کفارہ ہے لیکن حج کی مناسبت سے جانور ذبح کرنا مستحسن سمجھا جاتا ہے کیونکہ حرم کے فقراء اور موسم حج کے مساکین کے لیے صدقہ کرنے کی یہ بہترین صورت ہے، واللہ اعلم۔

قَـالَ يَـحْـيَى : سُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَحْلِفُ بِنُذُورٍ مُـسَـمَّاةٍ مَشْيـاً إِلَـى بَيْتِ اللهِ ، أَنْ لاَ يُكَلِّمَ أَخَاهُ أَوْ أَبَاهُ بِكَذَا وَكَذَا ، نَذْراً لِشَيْءٍ لاَ يَـقْـوَى عَـلَيْـهِ ، وَلَوْ تَكَلَّفَ ذَلِكَ كُلَّ عَامٍ ، لَـعُرِفَ أَنَّهُ لاَ يَبْلُغُ عُمْرُهُ مَا جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ ذَلِكَ ، فَقِيلَ لَهُ : هَلْ يُجْزِيهِ مِنْ ذَلِكَ نَذْرٌ وَاحِـدٌ أَوْ نُذُورٌ مُسَمَّاةٌ ؟ فَـقَـالَ مَـالِكٌ : مَا

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو کچھ متعین نذروں کے ساتھ بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر جانے کی قسم اٹھالیتا ہے کہ (مثلاً) وہ اپنے بھائی سے یا اپنے والد سے کلام نہیں کرے گا، وغیرہ وغیرہ۔ (وہ مختلف کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالیتا ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ اگر میں نے اس پر عمل نہ کیا تو مجھ پر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنا واجب ہوگا،) وہ ایسی چیز کی نذر مان

أَعْلَمُهُ يُجْزِئُهُ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا الْوَفَاءُ بِمَا جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ، فَلْيَمْشِ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ مِنَ الزَّمَانِ، وَلْيَتَقَرَّبْ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى بِمَا اسْتَطَاعَ مِنَ الْخَيْرِ.

لیتا ہے کہ جس (کو پورا کرنے) کی طاقت بھی نہیں پاتا، اور اگر وہ ہر سال بھی اس عمل کی تکلیف اٹھائے (یعنی ہر نذر کی طرف سے ہر سال ایک ایک حج یا عمرہ کرنا چاہے) تو یہ بات معروف ہی ہے کہ اس کی عمر اس مقدار کو نہیں پہنچ سکتی جو وہ اپنے اوپر لازم کر چکا ہے، (مثلاً اس نے کئی سو یا ہزاروں کاموں پر ایسی قسم اور نذر متعین کر لی کہ فلاں فلاں کام کے کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں مجھ پر حج لازم ہوگا) چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا اسے ان تمام کی طرف سے ایک نذر کفایت کر جائے گی یا کہ وہ تمام نذریں لازم ہوں گی جن کا نام لیا گیا ہو؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ (مناسب) نہیں سمجھتا کہ وہ ایک نذر ان تمام سے کفایت کرے، بلکہ میں تو صرف اور صرف یہی جانتا ہوں کہ ان تمام کو پورا کرنا لازم ہے جنھیں اس نے اپنے اوپر لازم کیا، لہٰذا (اپنی عمر کے) جتنے زمانے اور وقت پر اسے قدرت حاصل ہے اس میں وہ پیدل چلتا رہے (اور نذریں پوری کرتا رہے) اور جس خیر کے کام کی بھی وہ استطاعت رکھتا ہے اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتا رہے۔

فائدہ: ...... یعنی کفارہ تو لازم نہیں البتہ اس بے احتیاطی کی تلافی کے لیے استطاعت بھر نیکیاں اللہ کے حضور پیش کرتا رہے...... میری (شارح کی) رائے یہ ہے کہ ان میں سے جتنی نذروں کو بآسانی پورا کیا جا سکے تو ان کو پورا کرے اور باقی کی طرف سے کفارہ ادا کرے، واللہ اعلم۔

3- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي الْمَشْيِ إِلَى الْكَعْبَةِ

کعبہ کی طرف پیدل چلنے کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی مذکور ہیں۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: أَنَّ أَحْسَنَ مَا سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الرَّجُلِ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ، أَوِ الْمَرْأَةِ فَيَحْنَثُ أَوْ تَحْنَثُ، أَنَّهُ إِنْ مَشَى الْحَانِثُ مِنْهُمَا فِي عُمْرَةٍ، فَإِنَّهُ يَمْشِي حَتَّى يَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَإِذَا سَعَى فَقَدْ فَرَغَ، وَأَنَّهُ إِنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ مَشْياً فِي الْحَجِّ، فَإِنَّهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً وہ سب سے بہتر فیصلہ جو اہل علم سے اس مرد یا عورت کے متعلق سنایا گیا ہے جو بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کے ساتھ کوئی قسم کھا لیتے ہیں (کہ مثلاً اللہ کی قسم! ہم ایسا ایسا کریں گے ورنہ ہم پر بیت اللہ کی طرف پیدل جانا لازم ہوگا)، پھر وہ مرد یا عورت قسم توڑ بیٹھتے ہیں تو (ان کے متعلق بہترین فیصلہ یہ سنایا گیا ہے کہ) اگر ان دونوں مرد و عورت میں سے قسم توڑنے والا عمرہ

يَمْشِي حَتَّى يَأْتِيَ مَكَّةَ ، ثُمَّ يَمْشِي حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الْمَنَاسِكِ كُلِّهَا ، وَلَا يَزَالُ مَاشِياً حَتَّى يُفِيضَ .

کے لیے پیدل چلے گا تو بے شک وہ صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے تک پیدل چلے گا، پھر جب وہ سعی کر لے گا تو یقیناً (عمرہ سے) فارغ ہو جائے گا اور بلاشبہ اگر اس نے اپنے اوپر حج کے لیے پیدل چلنا لازم کیا تھا تو بے شک وہ پیدل چلتا رہے گا یہاں تک کہ مکہ آئے گا، پھر حج کے اعمال پیدل چل کر ادا کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ تمام اعمال حج سے فارغ ہو جائے اور وہ طواف افاضہ کرنے تک پیدل چلتا رہے گا۔

فائدہ :...... کیونکہ حج کا آخری رکن یہی ہے جو کہ دس ذوالحج کو ادا کیا جاتا ہے اور اگر ہجوم زیادہ ہو تو آئندہ دو یا تین دنوں کے اندر اندر ادا کیا جاتا ہے...... ہماری رائے یہ ہے کہ اگرچہ طواف افاضہ سے احرام کھل جاتا ہے لیکن ابھی بارہ یا تیرہ ذوالحج تک کنکریاں مارنا بھی اس پر لازم ہے اور وہ بھی اعمال حج ہی ہیں لہٰذا کنکریاں مارنے کے لیے بھی اسے پیدل ہی چلنا چاہیے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَكُونُ مَشْيٌ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پیدل چلنے کی نذر حج یا عمرے کے سوا ہوتی ہی نہیں۔

فائدہ :...... یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے، ہمارے نزدیک بیت المقدس، مسجد نبوی اور مسجد قبا کی طرف بھی ہو سکتی ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم توڑنے پر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کی نذر کو پورا کرنا ہر حال میں لازم رہتا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ قسم توڑنے کا کفارہ دے دو اور بیت اللہ نہ جاؤ، اگرچہ فقہاء کی ایک جماعت نے یہ اجازت دی ہے کہ طلاق اور آزادی کے علاوہ کسی بھی چیز کی نذر ماننے پر اپنی قسم کو معلق کیا جائے (کہ مثلاً اللہ کی قسم! میں فلاں کام کروں گا ورنہ مجھ پر فلاں نذر ہے) تو اس قسم پر عمل پیرا نہ ہونے کی صورت میں اگر وہ متعین نذر پوری نہ بھی کی جائے بلکہ صرف کفارہ ہی ادا کر دیا جائے تو یہ کافی ہے، ہاں اگر قسم پوری نہ کرنے پر طلاق واقع ہو جانے یا غلام لونڈی کے آزاد ہو جانے کی بات کی تھی تو پھر طلاق ہی دینا ہوگی اور غلام کو آزاد کرنا پڑے گا، کفارے سے کام نہیں چلے گا۔

4- بَابٌ: مَا لَا يَجُوزُ مِنَ النُّذُورِ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

اللہ کی نافرمانی والی نذروں کے ناجائز ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، جن میں سے دو مرفوع اور وہ بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں اور ایک موقوف ہے جو کہ سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ

اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے چاہیے کہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اس کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔'' (بخاری: 6696) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''معصیت کی نذر کو بھی پورا نہ کیا جائے گا اور اس نذر کو بھی کہ بندہ جس کی اطاعت نہ پائے۔'' (مسلم: 1641) نیز فرمایا: معصیت کے کام میں نذر (جائز ہی) نہیں ہوتی۔'' (مسلم: 1641) چنانچہ متعدد واقعات میں معصیت کی نذر اور استطاعت بشری سے بالاتر نذر پوری کرنے سے روک کر کفارہ ادا کروانا ثابت ہے۔

[1015] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ وَثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، وَأَحَدُهُمَا يَزِيدُ فِي الْحَدِيثِ عَلَى صَاحِبِهِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلاً قَائِماً فِي الشَّمْسِ فَقَالَ : مَا بَالُ هَذَا ؟ فَقَالُوا : نَذَرَ أَنْ لاَ يَتَكَلَّمَ ، وَلاَ يَسْتَظِلَّ مِنَ الشَّمْسِ ، وَلاَ يَجْلِسَ وَيَصُومَ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ ، وَلْيَسْتَظِلَّ ، وَلْيَجْلِسْ ، وَلْيُتِمَّ صِيَامَهُ .

حمید بن قیس رحمہ اللہ اور ثور بن زید دیلی رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک، اس حدیث میں دوسرے سے زیادہ الفاظ بیان کرتا ہے، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑے ہوئے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ ''اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟'' تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے یہ نذر مان رکھی ہے کہ نہ تو (کسی سے) کلام کرے گا، نہ ہی سایہ حاصل کرے گا، نہ بیٹھے گا اور روزہ رکھے گا۔ تو رسول اللہ نے فرمایا: ''اسے حکم دو کہ گفتگو بھی کرے، سایہ بھی حاصل کرے اور بیٹھ بھی جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔''

فائدہ: ......اس شخص کو ابو اسرائیل کہا جاتا تھا۔ (بخاری: 6704) اور یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ (ابن ماجة: 2136)

قَالَ مَالِكٌ : وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَهُ بِكَفَّارَةٍ ، وَقَدْ أَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُتِمَّ مَا كَانَ لِلّٰهِ طَاعَةً ، وَيَتْرُكَ مَا كَانَ لِلّٰهِ مَعْصِيَةً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے (کسی سے) نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس شخص کو) کفارہ دینے کا حکم فرمایا ہو اور (ہاں) رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ حکم دیا کہ اس کام کو پورا کرے جو اللہ کی اطاعت ہے اور اس کام کو ترک کرے جو اللہ کی معصیت و نافرمانی ہے۔

[1015] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب فیما لایملك وفی معصیة، حدیث: 6704، سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب النذور فی المعصیة، حدیث: 3300، ابن ماجه: 2136، احمد: 4/ 168 (17673)۔

فائدہ: ......لیکن دوسری احادیث سے کفارہ ثابت ہے۔ (ابو داود: 3272، 3292، 3297، نسائی: 3876، الصحیحۃ: 479، ان کی سندیں صحیح ہیں۔)

[1016] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: أَتَتِ امْرَأَةٌ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَتْ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ ابْنِي . فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا تَنْحَرِي ابْنَكِ، وَكَفِّرِي عَنْ يَمِينِكِ . فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَكَيْفَ يَكُونُ فِي هَذَا كَفَّارَةٌ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَالَ: ﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ [المجادلة: 2]، ثُمَّ جَعَلَ فِيهِ مِنَ الْكَفَّارَةِ مَا قَدْ رَأَيْتَ .

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہنے لگی کہ بے شک میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اپنے بیٹے کو قربان کروں گی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تو اپنے بیٹے کو نحر (ذبح) نہ کر اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود ایک بزرگ کہنے لگے کہ بھلا اس صورت میں کفارہ کیسے پڑے گا (یہ تو معصیت کی نذر ہے اور وہ تو لغو شمار ہوتی ہے) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ (المجادلة 2:58) ''وہ لوگ جو تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔'' (ظہار کرنا بھی ایک معصیت ہے) پھر اللہ نے اس میں بھی وہ کفارہ مقرر کیا ہے جو تمھیں معلوم ہی ہے۔

فائدہ: ......اپنی بیوی کو یہ کہہ دینا کہ تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں، اس سے طلاق تو واقع نہیں ہوتی البتہ کفارہ پڑتا ہے، اس معاملے کو مسئلہ ظہار کہا جاتا ہے جس کے متعلق فرمان الٰہی ہے: ﴿وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا﴾ (المجادلة 2:58) ''اور بلاشبہ وہ تو یقیناً ایک منکر (ناگوار) بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔'' الغرض ظہار کرنا برائی، جھوٹ اور معصیت ہے لیکن پھر بھی اس پر کفارہ رکھا گیا ہے تو اسی طرح معصیت کی نذر پر بھی کفارہ لازم ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ہدی کا جانور قربان کرنا لازم ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اسے لغو قرار دے کر اس پر کچھ بھی کفارہ نہیں ڈالتے، اہلحدیث کے نزدیک تو راجح یہ ہے کہ جس نذر کو پورا نہ کیا جائے یا شریعت اسے پورا کرنے سے روک دے تو اس پر کفارہ لازم ہے...... یاد رہے مذکورہ روایت میں متن موطا کے اندر آیت کے شروع میں واؤ لکھا گیا ہے جو کہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

[1016] (موقوف صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 10/ 72 (20079)، وفی الصغری: 4/ 114 (4070)، عبدالرزاق: 8/ 459 (15903)، ابن ابی شیبة: 3/ 104 (12514)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1017] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْأَيْلِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الصِّدِّيقِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ.

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔''

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: مَعْنَى قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ أَنْ يَنْذِرَ الرَّجُلُ أَنْ يَمْشِيَ إِلَى الشَّامِ، أَوْ إِلَى مِصْرَ، أَوْ إِلَى الرَّبَذَةِ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، مِمَّا لَيْسَ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ، إِنْ كَلَّمَ فُلَاناً، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ، إِنْ هُوَ كَلَّمَهُ، أَوْ حَنِثَ بِمَا حَلَفَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلّٰهِ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ طَاعَةٌ، وَإِنَّمَا يُوَفَّى لِلّٰهِ بِمَا لَهُ فِيهِ طَاعَةٌ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا یہ جو فرمان ہے کہ ''جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے''، اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص یہ نذر مان لے کہ وہ ملک شام یا مصر یا ربذہ یا ان جیسی کسی جگہ کی طرف پیدل چل کر جائے گا، وہ (جگہیں) کہ جن (تک پیدل جانے) میں اللہ کی اطاعت نہیں ہے، (اور وہ اس طرح کی نذر ماننے سے پہلے یہ کہتا ہے کہ) اگر اس نے فلاں شخص سے کلام کیا یا اس کے مشابہ کوئی اور بات کہی (تو مصر یا شام وغیرہ تک پیدل جاؤں گا)، چنانچہ اگر وہ اس سے کلام کرلے یا جس بات پر قسم اٹھائی تھی اس (کے خلاف عمل کر کے اس) کو توڑ دے تو اس پر ان میں سے کسی بھی چیز میں کچھ بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ ان اشیاء میں اللہ کی اطاعت نہیں ہے اور اللہ کے لیے تو اس چیز کو پورا کیا جاتا ہے جس میں اس کی اطاعت ہو۔

فائدہ: ...... امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ اور فقہائے حجاز کے نزدیک صرف وہ نذر معتبر ہے جس میں اللہ کی عبادت ہو جبکہ معصیت کے کام والی یا محض مباح چیز والی نذر معتبر ہی نہیں بلکہ وہ لغو قرار پاتی ہے۔

5- بَابٌ: اَللَّغْوُ فِي الْيَمِينِ

لغو قسم کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثر صحابی ؓ) ہے جو کہ بخاری شریف میں بھی ہے، نیز امام مالک ؒ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1017] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، حدیث: 6696، 6700.

فائدہ: ......ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ (البقرة 2: 225، المائدة 5:89) ''اللہ تعالیٰ تمھاری لغو قسموں پر تمھارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا۔'' قسم کی تین قسمیں ہوتی ہیں: لغو، منعقدہ اور غموس۔ یمین لغو (لغو قسم) تکیہ کلام بن جانے والی یا اپنے یقین کی روشنی میں اصل صورت کے برعکس کھائی جانے والی قسم ہے جس پر نہ کفارہ ہے اور نہ توبہ، البتہ اس سے بچنا بہتر ہے، یمین منعقدہ کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے، بایں طور کہ آدمی آئندہ کچھ کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے، چنانچہ اگر تو وہ شریعت کے خلاف نہ ہو اور بشری استطاعت میں ہو تو اسے پورا کرنا لازم ہے اور اگر آدمی اسے خود ہی پورا نہ کرے یا شریعت اسے پورا کرنے سے روک دے تو اس پر کفارہ لازم ہے، یمین غموس کا تعلق ماضی سے ہے اور اسی کو جھوٹی قسم کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ ماضی کے کسی کام یا گزشتہ بات کے برعکس جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی جائے تو یہ دنیا میں گناہ میں ڈبو دیتی ہے اور آخرت میں جہنم میں ڈبوئے گی، ایسی قسم پر توبہ لازم ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوتا۔

[1018] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: لَغْوُ الْيَمِينِ قَوْلُ الْإِنْسَانِ: لَا وَاللّٰهِ، بَلَى وَاللّٰهِ .

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہا کرتی تھیں کہ لغو قسم سے مراد آدمی کا (بات بات پر) یہ کہنا ہے کہ (لَا وَاللّٰهِ) ''نہیں، اللہ کی قسم!'' (بَلَى وَاللّٰهِ) ''کیوں نہیں، اللہ کی قسم!''

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مذکورہ تفسیر کے متعلق فرمایا کرتی تھیں کہ آیت ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ (البقرة2:225) اسی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بخاری: 4613) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جو قسم تکیہ کلام بن جائے اور بغیر سوچے سمجھے بات بات پر عادتاً منہ سے نکلتی رہے اسے ''لغو قسم'' شمار کیا جاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي هَذَا: أَنَّ اللَّغْوَ حَلِفُ الْإِنْسَانِ عَلَى الشَّيْءِ يَسْتَيْقِنُ أَنَّهُ كَذَلِكَ، ثُمَّ يُوجَدُ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ، فَهُوَ اللَّغْوُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بارے میں سب سے بہتر بات جو میں نے سنی، یہ ہے کہ لغو سے مراد آدمی کا کسی (ایسی) چیز پر قسم اٹھانا ہے (جس کے متعلق) وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ چیز اسی طرح ہی ہے (جیسے وہ کہہ رہا ہے لیکن) پھر وہ چیز اس کے برعکس پائی جاتی ہے تو یہ (قسم) لغو (شمار ہوتی) ہے۔

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام مالک رحمہ اللہ کی بیان کردہ وضاحت سے لغو قسم کی دو تفسیریں سامنے آتی ہیں اور دونوں درست ہیں۔

[1018] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، تفسیر سورة المائدة، باب قوله لایؤاخذکم اللّٰه باللغو فی ایمانکم، سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب لغو الیمین، حدیث: 3254، نسائی فی الکبری: 11149۔

قَالَ مَالِكٌ : وَعَقْدُ الْيَمِينِ، أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنْ لاَ يَبِيعَ ثَوْبَهُ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ، ثُمَّ يَبِيعَهُ بِذَلِكَ، أَوْ يَحْلِفَ لَيَضْرِبَنَّ غُلاَمَهُ، ثُمَّ لاَ يَضْرِبُهُ، وَنَحْوَ هَذَا، فَهَذَا الَّذِي يُكَفِّرُ صَاحِبُهُ عَنْ يَمِينِهِ، وَلَيْسَ فِي اللَّغْوِ كَفَّارَةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: منعقدہ ہونے والی قسم (یمین منعقدہ) یہ ہے کہ (مثلاً) آدمی یہ قسم کھائے کہ وہ اپنا کپڑا دس دینار میں فروخت نہیں کرے گا (لیکن) پھر وہ اسے اسی قیمت میں بیچ دیتا ہے، یا یہ قسم کھاتا ہے کہ وہ اپنے غلام کو ضرور ضرور مارے گا (لیکن) پھر وہ اسے نہیں مارتا اور اسی طرح کی ہر قسم (یمین منعقدہ کہلاتی ہے) تو یہی وہ قسم ہے جس کو اٹھانے والا اپنی قسم (پوری نہ کرنے پر اس) کا کفارہ دیتا ہے اور لغو قسم میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا الَّذِي يَحْلِفُ عَلَى الشَّيْءِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ آثِمٌ، وَيَحْلِفُ عَلَى الْكَذِبِ وَهُوَ يَعْلَمُ، لِيُرْضِيَ بِهِ أَحَداً، أَوْ لِيَعْتَذِرَ بِهِ إِلَى مُعْتَذَرٍ إِلَيْهِ، أَوْ لِيَقْطَعَ بِهِ مَالاً، فَهَذَا أَعْظَمُ مِنْ أَنْ تَكُونَ فِيهِ كَفَّارَةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جو کسی (گزشتہ کام یا) چیز پر (جھوٹی) قسم کھاتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یقیناً وہ (جھوٹ بولنے کی وجہ سے) گناہ گار ہے اور وہ جھوٹ پر قسم اٹھالیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے کسی کو خوش کرے یا اس کے ذریعے عذر پیش کرے یا اس شخص کے سامنے کہ جس کے روبرو معذرت کی جارہی ہو، اس لیے کہ وہ اس (قسم) کے ساتھ کسی کا مال دبا لے تو یہ قسم اس سے کہیں بڑی ہے کہ اس میں کوئی کفارہ ہو۔

فائدہ: ..... یعنی یہ اس قدر عظیم اور کبیرہ گناہ ہے کہ کفارہ اس کو دھو ہی نہیں سکتا، اس لیے ایسی قسم پر صرف توبہ ہی لازم ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے کبیرہ گناہوں میں چوتھے نمبر پر بیان فرمایا: (بخاری: 6675) ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بہت غضبناک ہوں گے۔ (بخاری: 2356، مسلم: 138) خصوصاً جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو نظر رحمت سے نوازیں گے، نہ اس سے (شفقت والا) کلام فرمائیں گے اور نہ ہی اسے پاک کریں گے اور اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (بخاری: 2672، مسلم: 106، 108)

6- بَابٌ : مَا لَا تَجِبُ فِيهِ الْكَفَّارَةُ مِنَ الْأَيْمَانِ

ان قسموں کا بیان جن میں کفارہ واجب نہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1019] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : مَنْ قَالَ : وَاللّٰهِ ، ثُمَّ قَالَ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ لَمْ يَفْعَلِ الَّذِي حَلَفَ عَلَيْهِ ، لَمْ يَحْنَثْ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! پھر اس نے "ان شاء اللہ" کہہ دیا، پھر وہ کام نہ کیا جس پر اس نے قسم کھائی تھی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی (اور اس پر کفارہ بھی نہ پڑے گا)۔

فائدہ :......یہی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ (ابوداود: 3262، ترمذی: 1531۔ اس کی سند حسن ہے) دراصل "إِنْ شَاءَ اللّٰه" کہہ دینے کی وجہ سے اس قسم میں بندے کا عزم وارادہ کالعدم ہو جاتا ہے اور وہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت کے ساتھ ہی وابستہ ہو جاتی ہے، چنانچہ جس کام پر قسم اٹھائی گئی ہو اگر وہ ہو جائے تو اللہ ہی کی مشیت سے ہوگا اور اگر نہ ہو تو بھی اللہ کی مشیت ہی سے نہ ہوگا، اس لیے آدمی وہ کام کرے یا نہ کرے اس کی قسم بحال رہتی ہے کیونکہ ہر کام کا ہونا یا نہ ہونا بہر حال مشیت الٰہی کے تابع ہوتا ہے، "إِنْ شَاءَ الله" کہنے کو "استثناء کرنا" بھی کہا جاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الثُّنْيَا ، أَنَّهَا لِصَاحِبِهَا مَا لَمْ يَقْطَعْ كَلَامَهُ ، وَمَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ نَسَقاً يَتْبَعُ بَعْضُهُ بَعْضاً ، قَبْلَ أَنْ يَسْكُتَ ، فَإِذَا سَكَتَ وَقَطَعَ كَلَامَهُ ، فَلَا ثُنْيَا لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: استثناء یعنی قسم میں ان شاء اللہ کہنے کے بارے میں سب سے اچھی بات جو میں نے سنی، وہ یہ ہے کہ بے شک یہ (استثناء) آدمی کے حق میں (اس وقت تک معتبر) ہے جب تک کہ وہ اپنی گفتگو کو ختم نہ کر دے اور جب تک کہ یہ (دونوں چیزیں قسم اور استثناء) باہم مربوط ہوں (سلسلہ کلام جاری ہو اور کلام کا) بعض حصہ بعض کے (متصل) پیچھے آ رہا ہو، پہلے اس سے کہ آدمی خاموش ہو، چنانچہ اگر وہ (قسم کھا کر) خاموش ہو جائے اور اپنا کلام منقطع کر دے (پھر کچھ دیر اور وقفے کے بعد ان شاء اللہ کہے) تو اس کے لیے کوئی استثناء (معتبر) نہیں ہوگا۔

قَالَ يَحْيَى : وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ : كَفَرَ بِاللّٰهِ ، أَوْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ ، ثُمَّ يَحْنَثُ : إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ ، وَلَيْسَ بِكَافِرٍ وَلَا مُشْرِكٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اللہ کے ساتھ کفر کرے یا اللہ کے ساتھ شرک کرے، پھر حانث ہو جائے (مثلاً کہے کہ اللہ کی قسم! میں یہ کام نہیں کروں گا،

[1019] (موقوف صحيح) سنن ابی داود، كتاب الايمان والنذور، باب الاستثناء فی اليمين، حديث: 3262، جامع الترمذی، كتاب النذور والايمان، باب ماجاء فی الاستثناء فی اليمين، حديث: 1530، نسائی: 3824، ابن ماجہ: 2105، احمد: 2/ 6(4510)، دارمی: 2342۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حَتّٰی یَکُونَ قَلْبُہُ مُضْمِراً عَلَی الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ ، وَلْيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ، وَلَا يَعُدْ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ، وَبِئْسَ مَا صَنَعَ . اگر میں نے ایسا کیا تو میں کافر یا مشرک ہو جاؤں گا، پھر اس نے وہ کام کر بھی لیا) تو بلا شبہ اس پر نہ تو کفارہ ہوگا اور نہ ہی وہ کافر یا مشرک قرار پائے گا یہاں تک کہ (واقعی) اس کا دل شرک وکفر کو چھپائے ہوئے ہو (چنانچہ اگر اس کے دل میں کفر وشرک نہ ہو بلکہ اس نے محض قسم کی پختگی وتاکید کی خاطر مذکورہ بات کہی تو وہ قسم توڑنے کی صورت میں مرتد شمار نہ ہوگا) اور اسے چاہیے کہ اللہ سے استغفار کرے اور اس طرح کی کوئی چیز (اور عمل) دوبارہ نہ کرے اور جو اس نے کیا برا ہی کیا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ایسی قسم پر کوئی کفارہ نہیں ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں اگر تو یہ قسم ماضی کے کسی کام سے متعلق ہو اور گزشتہ کام کے برعکس کھائی گئی ہو تو یہ یمین غموس ہے جس پر توبہ لازم ہوتی ہے، کفارہ نہیں ہوتا، ہاں اگر آئندہ کسی کام کے حوالے سے یمین منعقدہ کے طور پر یہ قسم کھائی گئی ہو اور بعد میں اسے توڑا گیا ہو تو کفارہ لازم ہے، رہی یہ بات کہ اس طرح کی قسم سے بندہ کافر ومشرک کیوں نہیں ہوتا تو اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے لات اور عزیٰ کے نام کے ساتھ قسم کھائی تو وہ لا الہ الا اللہ کہے۔'' (بخاری:4860، مسلم:1647) آپ ﷺ نے اس کے لیے توحید ورسالت دونوں کی گواہی کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ صرف لا الہ الا اللہ کہلوا کر نقصان کی تلافی کی ہے، اسی طرح فتوی میں مذکور آدمی بھی اسلام وایمان کی شان میں بے اعتنائی، بے پروائی اور بے احتیاطی برتتا ہے کہ ایک قسم پر اسے داؤ پر لگا دیتا ہے، یہ عمل اچھا نہیں ہے، اس سے پرہیز ہی لازم ہے، اگر اس کا ارتکاب ہو جائے تو اس سے توبہ کر لینی چاہیے کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ کبیرہ گناہ شمار ہوگا، یہ ارتداد بہر حال نہیں ہے، رہی وہ حدیث مبارکہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔ (ابو داود:3251، ترمذی:1535۔اس کی سند حسن ہے) تو یہ محض تغلیظ، سخت سرزنش اور شدید وعید پر محمول ہے جیسا کہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے تحت اس کی وضاحت کی ہے اور کچھ دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ الغرض یہ کفرانِ نعمت اور کفر دُونَ کُفر والا مسئلہ ہے، اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ ''جس شخص نے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھاتے ہوئے اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے ساتھ قسم کھائی (کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی یا عیسائی ہوں گا) تو وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے کہا۔'' (بخاری:1363، مسلم:110) تو یہ بھی تغلیظ وتشدید اور تہدید ہی ہے، بہر حال ایسے شخص کو توبہ کر لینی چاہیے۔

7- بَابٌ: مَا يَجِبُ فِيهِ الْكَفَّارَةُ مِنَ الْأَيْمَانِ

ان قسموں کا بیان جن میں کفارہ واجب ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، نیز اس میں

امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... کفارہ صرف یمین منعقدہ پر پڑتا ہے جس کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾ (المائدۃ 5: 89) ''اور لیکن وہ ان قسموں پر تمھارا مؤاخذہ ضرور کرے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن آزاد کرنا ہے، پھر جو اس (مذکورہ کفارے) کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دنوں کے روزے رکھنا ہوں گے، یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔'' یہ قسم مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کھائی جاتی ہے، چنانچہ اگر اسے پورا نہ کیا جائے یا شریعت اسے پورا کرنے سے روک دے تو کفارہ لازم ہے۔

[1020] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ، فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْراً مِنْهَا، فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ، وَلْيَفْعَلِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے (کسی کام پر) کوئی قسم کھائی، پھر اس نے (کسی اور کام کو) اس سے بہتر خیال کیا تو اسے چاہیے کہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ کام کرے جو اس سے بہتر ہو۔''

فائدہ: ...... حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کفارہ پہلے ادا کرے اور قسم بعد میں توڑے، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ جائز ہے کیونکہ متعدد احادیث میں اس طرح کے الفاظ بھی مروی ہیں اور قسم کے بعد کفارہ بھی درست ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے وہ بہتر کام کر کے قسم توڑی جائے گی اور بعد ہی میں کفارہ دیا جائے گا، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے: (بَابُ الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ وَبَعْدَهُ) ''قسم توڑنے سے پہلے اور بعد میں بھی کفارہ دینے کا بیان'' پھر انھوں نے دونوں قسم کی روایات ذکر کی ہیں۔ (بخاری: 6721، 6722، نیز دیکھیے 1652/1649) اور امام نسائی نے بھی دونوں باب الگ الگ قائم کر کے دونوں قسم کی روایات ان میں ذکر کی ہیں۔ (سنن النسائي، كتاب الايمان والنذور، باب: 15، 16)

[1020] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب ندب من حلف يمينا فراى غيرها خيرا منها، حديث: 1650، جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ماجاء في الكفارة قبل الحنث، حديث: 1530، نسائي في الكبرى: 4722، احمد: 2/ 361۔

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : مَنْ قَالَ عَلَيَّ نَذْرٌ، وَلَمْ يُسَمِّ شَيْئاً، إِنَّ عَلَيْهِ كَفَّارَةَ يَمِينٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے (صرف) یہ کہہ دیا کہ ''مجھ پر نذر ہے'' اور (اس نذر میں) کسی (خاص) چیز کا نام نہ لیا تو بلاشبہ اس پر قسم کا کفارہ (لازم) ہے۔

فائدہ :...... کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ)) ''جب نذر کا نام نہ لیا جائے تو اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہی ہے۔'' (ترمذی: 1528۔ اس کی سند حسن صحیح ہے) اسے نذر مطلق یا یمین مطلق کہتے ہیں جس کے متعلق راجح موقف یہی ہے کہ اس پر کفارہ پڑتا ہے، کیونکہ آدمی اس طرح کی نذر یا قسم میں کسی کام کو متعین تو کرتا نہیں اس لیے وہ پورا کس کو کرے اور چونکہ نذر تو مانی ہے اس لیے اسے پورا نہ کرسکنے پر کفارہ دینا ہوگا، بہرحال اس کفارے کے وجوب سے نذر اور قسم کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ انھیں کھیل تماشا نہ بناؤ۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا التَّوْكِيدُ، فَهُوَ حَلِفُ الْإِنْسَانِ فِي الشَّيْءِ الْوَاحِدِ مِرَاراً يُرَدِّدُ فِيهِ الْأَيْمَانَ، يَمِيناً بَعْدَ يَمِينٍ، كَقَوْلِهِ : وَاللّٰهِ لَا أَنْقُصُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا، يَحْلِفُ بِذٰلِكَ مِرَاراً ثَلَاثاً، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ . قَالَ : فَكَفَّارَةُ ذٰلِكَ، كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ، مِثْلُ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی (قسم کی) تاکید، تو وہ یہ ہے کہ انسان کسی ایک ہی چیز کی قسم کھائے اور اس میں یکے بعد دیگرے کئی بار قسم کو دہرائے مثلاً کہے کہ اللہ کی قسم! میں اُسے فلاں چیز میں سے کم نہ دوں گا، وہ یہی قسم تین بار یا اس سے زیادہ بار اٹھا لیتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ ایک قسم کے کفارے ہی کی طرح ہے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ہی چیز پر کئی بار کھائی ہوئی قسموں سے اگر تاکید اور پختگی کی نیت ہو تو پھر صرف ایک کفارہ لازم ہے اور اگر ہر بار سے الگ الگ مستقل قسم مراد ہو تو پھر ہر قسم کا الگ الگ کفارہ ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نیت خواہ تاکید کی ہو یا مستقل قسم کی، ہر صورت میں الگ الگ قسموں پر الگ الگ کفارہ ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں روایات مروی ہیں، ہمارے نزدیک پہلا موقف راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ حَلَفَ رَجُلٌ مَثَلاً فَقَالَ : وَاللّٰهِ لَا آكُلُ هٰذَا الطَّعَامَ، وَلَا أَلْبَسُ هٰذَا الثَّوْبَ، وَلَا أَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ، فَكَانَ هٰذَا فِي يَمِينٍ وَاحِدَةٍ، فَإِنَّمَا عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ، وَإِنَّمَا ذٰلِكَ كَقَوْلِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ : أَنْتِ الطَّلَاقُ إِنْ كَسَوْتُكِ هٰذَا الثَّوْبَ، وَأَذِنْتُ لَكِ إِلَى الْمَسْجِدِ، يَكُونُ ذٰلِكَ نَسَقاً مُتَتَابِعاً، فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر کوئی آدمی (کئی کاموں پر صرف ایک قسم کھاتے ہوئے یوں) کہے کہ اللہ کی قسم! میں نہ تو یہ کھانا کھاؤں گا، نہ یہ کپڑا پہنوں گا اور نہ اس گھر میں داخل ہوں گا، چنانچہ یہ سب ایک ہی قسم میں (کہا گیا) ہو تو اس پر صرف اور صرف ایک ہی کفارہ ہوگا اور بلاشبہ اس کی مثال تو آدمی کے اس قول کی طرح ہے جو وہ اپنی بیوی سے (یوں) کہتا ہے کہ تجھے طلاق ہو (جائے) اگر میں تجھے یہ

كَلَامٍ وَاحِدٍ، فَإِنْ حَنِثَ فِي شَيْءٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَٰلِكَ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِيمَا فَعَلَ بَعْدَ ذَٰلِكَ حِنْثٌ، إِنَّمَا الْحِنْثُ فِي ذَٰلِكَ حِنْثٌ وَاحِدٌ.

کپڑا پہناؤں اور (اگر) تجھے میں مسجد جانے کی اجازت دوں (وغیرہ، اور) یہ سارے الفاظ ایک ہی کلام کے دوران ایک ہی سیاق میں پے درپے کہے جائیں، پھر اگر وہ ان میں سے کسی ایک چیز میں حانث ہوجائے (خلاف ورزی کر بیٹھے مثلاً کپڑا پہنادے) تو اس پر ایک طلاق واجب ہوجائے گی اور وہ اس کے بعد جو کچھ بھی کرے گا (خواہ ایک اور کپڑا پہنائے یا مسجد جانے کی اجازت دے) تو اس پر قسم کا ٹوٹنا لازم نہ آئے گا (اور دوسری طلاق واقع نہ ہوگی) کیونکہ بلاشبہ اس (مذکورہ صورت) میں صرف ایک قسم ٹوٹنا ہی لازم آتا ہے۔

فائدہ: ......بعض ہندی نسخوں میں (أَذِنْتُ) سے پہلے (لَا) لکھ دیا گیا ہے جو کہ غلطی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي نَذْرِ الْمَرْأَةِ، إِنَّهُ جَائِزٌ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا، يَجِبُ عَلَيْهَا ذَٰلِكَ وَيَثْبُتُ، إِذَا كَانَ ذَٰلِكَ فِي جَسَدِهَا، وَكَانَ ذَٰلِكَ لَا يَضُرُّ بِزَوْجِهَا، وَإِنْ كَانَ ذَٰلِكَ يَضُرُّ بِزَوْجِهَا فَلَهُ مَنْعُهَا مِنْهُ، وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَيْهَا حَتَّى تَقْضِيَهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں عورت کی نذر کے متعلق حکم یہ ہے کہ بے شک وہ اس کے لیے اس کے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے (اور) وہ اس پر واجب اور ثابت ہوگی، بشرطیکہ وہ (نذر) اس کے جسم سے تعلق رکھتی ہو اور اس کے خاوند کے لیے نقصان دہ نہ ہو، چنانچہ اگر وہ اس کے خاوند کے لیے ضرر رساں ہو تو خاوند اُسے اس نذر سے منع کرسکتا ہے اور (البتہ) وہ اس عورت کے ذمے (واجب) رہے گی یہاں تک کہ وہ (موقع ملنے پر) اسے پورا کرے گی۔

فائدہ: ......اگر تو عورت کی نذر جسمانی عبادت کے متعلق ہے تو ٹھیک ہے لیکن اس میں بھی شرط ہے کہ خاوند کو تکلیف نہ ہو، مثلاً خاوند کسی دن مباشرت کا ارادہ رکھتا ہو اور عورت اسی دن روزے کی نذر مان لے تو یہ درست نہیں، اسے چاہیے کہ کسی اور دن روزہ رکھ لے، اس طرح اگر عورت کی نذر کا اس کے اپنے مال سے تعلق ہو اور وہ تہائی حصے تک خرچ کرنے کی نذر مان لے تو کوئی حرج نہیں، البتہ اس سے زیادہ کی نذر مان لے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خاوند اُسے روک سکتا ہے کیونکہ اس عمل میں یہ شبہ اور الزام ہے کہ عورت اپنے ورثاء کو حق وراثت سے محروم کرنا چاہتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عورت اپنے تہائی مال سے زیادہ کی نذر بھی مان سکتی ہے کیونکہ وہ اس کا اپنا مال ہے وہ اس میں جو چاہے کرسکتی ہے...... ہمارے نزدیک اگر عورت قریب الموت ہے تو تہائی مال سے زیادہ کی نذر نہیں مان سکتی اور اس سے قبل وہ زیادہ کی نذر بھی مان سکتی ہے، واللہ اعلم۔

8- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ

قسموں کے کفارے (کی ادائیگی) کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

[1021] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ فَوَكَّدَهَا، ثُمَّ حَنِثَ فَعَلَيْهِ عِتْقُ رَقَبَةٍ، أَوْ كِسْوَةُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، وَمَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ فَلَمْ يُؤَكِّدْهَا، ثُمَّ حَنِثَ، فَعَلَيْهِ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ مِنْ حِنْطَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے کوئی قسم کھائی اور اس میں تاکید پیدا کی (یعنی اُسے دو تین بار کہا) پھر اُسے توڑ دیا تو اس پر ایک گردن آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا لازم ہے اور جس کسی نے قسم کھائی لیکن اس میں تاکید پیدا نہ کی پھر اسے توڑ ڈالا تو اس پر دس مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے، ہر مسکین کے لیے گندم کا ایک ایک مُدّ (525 گرام لازم) ہے پھر جو شخص (ان مذکورہ کفاروں میں سے کسی کی طاقت) نہ پائے تو (اس پر) تین دن کے روزے (لازم) ہیں۔

فائدہ: ...... اس فتوی میں کفاروں کی تقسیم کو استحباب پر محمول کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں عموم ہے اور ہر قسم کی قسم کے لیے کفاروں کا یکساں بیان ہے، ہاں اگر کوئی شخص یہ مناسب خیال کرے کہ میں نے بڑے کام کی قسم کھائی تھی یا زیادہ تاکید والی قسم کھائی تھی لہٰذا کفارہ بھی زیادہ ادا کروں تو وہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنا دے اور اگر تھوڑا خرچ کرنا چاہے تو دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلا دے، بہر حال ان تینوں امور میں ہر طرح کی قسم والے کو اختیار ہے کہ جسے چاہے منتخب کرے، ہاں اگر ان میں سے کچھ بھی نہ ہو سکے تو پھر تین روزے رکھنا لازم ہے، اگرچہ یہ روزے الگ الگ بھی رکھے جا سکتے ہیں لیکن زیادہ مناسب اور افضل یہی ہے کہ انھیں پے در پے رکھا جائے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں اس کا ثبوت ہے۔ (موطا:625)

[1022] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے

[1021] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 10/ 56(19980)، وفی معرفۃ السنن والآثار: 7/ 324 (5814، 5815)، الشافعی فی الام: 7/ 257، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 3/ 118۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[1022] (مقطوع صحیح) بیہقی فی معرفۃ السنن والآثار: 5/ 538(4545)، وفی السنن الکبری: 10/ 55 (19976)، ابن ابی شیبہ: 3/ 74(12207)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ إِذَا أَعْطَوْا فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ أَعْطَوْا مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ، بِالْمُدِّ الأَصْغَرِ، وَرَأَوْا ذَلِكَ مُجْزِئاً عَنْهُمْ۔

لوگوں کو اس حال میں پایا کہ جب وہ قسم کا کفارہ دیتے تو چھوٹے مُدّ کے حساب سے گندم کا ایک مُدّ دیتے تھے، اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ اُن سے کفایت کر جائے گا۔

فائدہ: ...... چھوٹے مُدّ سے مراد مدینہ منورہ میں رائج مُدّ نبوی (مُدّ حجازی) ہے جس کی مقدار تقریباً 525 گرام ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الَّذِي يُكَفِّرُ عَنْ يَمِينِهِ بِالْكِسْوَةِ، أَنَّهُ إِنْ كَسَا الرِّجَالَ كَسَاهُمْ ثَوْباً ثَوْباً، وَإِنْ كَسَا النِّسَاءَ كَسَاهُنَّ ثَوْبَيْنِ ثَوْبَيْنِ، دِرْعاً وَخِمَاراً، وَذَلِكَ أَدْنَى مَا يُجْزِي كُلاًّ فِي صَلاَتِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ سب سے بہتر بات جو میں نے اس شخص کے متعلق سنی جو اپنی قسم کا کفارہ کپڑے پہنانے کی صورت میں دیتا ہے، یہ ہے کہ وہ مردوں کو کپڑے پہنائے تو انھیں ایک ایک کپڑا دے اور اگر عورتوں کو پہنائے تو انھیں دو دو کپڑے یعنی ایک قمیص اور ایک اوڑھنی پہننے کے لیے دے اور یہ کم از کم مقدار ہے جو ہر کسی کو اس کی نماز میں کفایت کرتی ہے۔

فائدہ: ...... الغرض درمیانی قسم کا کفارہ دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص ذرا اعلیٰ چیز لے کر کفارہ دینا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

[1023] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُكَفِّرُ عَنْ يَمِينِهِ بِإِطْعَامِ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ مِنْ حِنْطَةٍ، وَكَانَ يَعْتِقُ الْمِرَارَ إِذَا وَكَّدَ الْيَمِينَ.

نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک وہ اپنی قسم (کو پختہ اور مؤکد نہ کرتے تو اس) کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا کر دیتے تھے، ہر مسکین کے لیے گندم کا ایک مُدّ ہوتا تھا، وہ بہت دفعہ (کفارے میں غلام) آزاد بھی کرتے تھے جس وقت کہ انھوں نے قسم میں تاکید کی ہوتی تھی۔

[1023] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 10/ 55 (19973)، وفي السنن الصغير: 4/ 104 (4030)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 538 (4545)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

9 - بَابٌ: جَامِعُ الْأَيْمَانِ

قسموں کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع ہیں اور ایک موقوف ہے اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1024] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، وَهُوَ يَسِيرُ فِي رَكْبٍ، وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس حال میں پایا کہ وہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) ایک شتر سوار قافلے میں چل رہے تھے اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تمھیں اس سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسمیں کھاؤ، لہٰذا جو کوئی قسم کھانا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

فائدہ:...... اگر کسی کی زبان پر بلاقصد کسی غیر اللہ کی قسم آجائے تو وہ لغو شمار ہوگی اور کسی بھی غیر اللہ کی قسم قصداً کھائی جائے تو یہ حرام ہے خواہ ماں باپ کی ہو یا کعبہ و رسول کی، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کفر و شرک قرار دیا ہے۔(ابوداؤد: 3251، ترمذی: 1535۔ اس کی سند حسن ہے) اگرچہ یہ روایت تغلیظ و تشدید اور سختی کے طور پر ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے باب: 6 کا آخری فائدہ۔

[1025] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ: لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ یہ قسم کھایا کرتے تھے: (لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ) ''قسم ہے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے کی!''

فائدہ:...... اسی طرح کبھی آپ ﷺ فرماتے: (وَاللّٰهِ) ''اللہ کی قسم!'' (بخاری: 6623، 6625،

[1024] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الايمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائكم، حديث: 6646، 2679، 3836، 6108، 6648، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالىٰ، حديث: 1646، ابوداود: 3249، ترمذی: 1534، نسائی: 3797، ابن ماجه: 2094، احمد: 2/ 7 (4523)، دارمی: 3341۔

[1025] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الايمان والنذور، باب يحول بين المرء وقلبه، حديث: 6617، 6628، 7391، سنن ابی داود، كتاب الايمان والنذور، باب ماجاء في يمين النبي ﷺ ما كانت، حديث: 3263، ترمذی: 1540، نسائی: 3792، ابن ماجه: 2092، احمد: 2/ 25 (4788)، دارمی: 2350۔

6631، مسلم: 901، 1649، 1655) کبھی فرماتے: (وَايْمُ اللّٰهِ) ''اللہ کی قسم!'' (بخاری: 6627، مسلم: 2426)، کبھی کبھار فرماتے: (وَرَبِّ الْكَعْبَةِ) ''رب کعبہ کی قسم!'' (بخاری: 6638، مسلم: 990) اکثر یوں فرماتے: (وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ) ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!'' (بخاری: 6629، 6632، 6635، 6640، 6643-6645، مسلم: 155، 1252، 1697، 1779، 2749، 2750، 2874، 2908) بہت دفعہ آپ ﷺ یوں فرماتے: (وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ) ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!'' (بخاری: 6630، 6636، 6637، 6641، 6642، مسلم: 153، 426، 2300، 2364، 2469) کبھی کبھی یوں قسم کھاتے: (وَايْمُ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ) ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!'' (بخاری: 6639) اور کبھی یوں کہتے: (وَالَّذِيْ لَاإِلٰهَ غَيْرُهُ) ''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے!'' (مسلم: 26/1676)

[1026] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حَفْصِ بْنِ عُمَرَ بْنِ خَلْدَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ أَبَا لُبَابَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُنْذِرِ حِينَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَهْجُرُ دَارَ قَوْمِي الَّتِي أَصَبْتُ فِيهَا الذَّنْبَ، وَأُجَاوِرُكَ وَأَنْخَلِعُ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُولِهِ, فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُجْزِيكَ مِنْ ذَلِكَ الثُّلُثُ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے مروی ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ پر جب اللہ نے شفقت فرمائی (اور ان کی توبہ قبول کی) تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی قوم والا وہ گھر چھوڑ دوں جس میں مجھ سے گناہ سرزد ہوا اور میں آپ ﷺ کے پڑوس میں آجاؤں اور اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف صدقہ کر کے اس سے الگ ہو جاؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس (مال) میں سے (صرف) تیسرا حصہ (صدقہ کرنا ہی) کافی ہے۔''

فائدہ :...... معلوم یہ ہوتا ہے کہ پہلے دو سوالوں پر رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار کر کے اور انکار نہ فرما کر ان کی تائید فرما دی اور تیسرے سوال کے حوالے سے اصلاح فرما دی۔ 5ھ میں غزوہ خندق کے دوران مدینہ منورہ کے پاس آباد یہودی قبیلے بنوقریظہ نے عہد شکنی کی تھی جس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ان کا سختی سے محاصرہ کر لیا، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ انصار مدینہ کے قبیلہ اوس سے تھے جو قبل از اسلام بنوقریظہ کے حلیف تھے، بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف درخواست ارسال کی کہ آپ ﷺ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے مشورہ کر سکیں،

[1026] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب من نذران یتصدق بماله، حدیث: 3320، احمد: 3/ 452 (15842)، دارمی: 1658، ابن حبان: 3371۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو عورتوں اور بچوں کا رونا پیٹنا دیکھ کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا رازدارانہ فیصلہ گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ظاہر کر دیا کہ تمھیں ذبح کیا جائے گا، پھر وہ اس راز کے افشاء کر دینے پر اس قدر نادم اور پشیمان ہوئے کہ وہاں سے سیدھے مسجد نبوی ﷺ گئے اور خود کو ایک ستون سے باندھ لیا جو آج بھی ''اُسطوانہ توبہ'' (توبہ والا ستون) کے نام سے مشہور ہے اور وہ کہنے لگے کہ میں اسی طرح بندھا ہوا ہی رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالیں یا میں اسی حالت میں مرجاؤں گا، بہرحال چند دن بعد ان کی توبہ قبول ہوئی، لوگ انھیں کھولنے لگے تو انھوں نے منع کر دیا، آخر کار خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انھیں کھولا...... قبولیت توبہ پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مان رکھی تھی، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اپنا کچھ مال روک کے رکھو۔''

(بخاری: 2757، مسلم: 2769)

[1027] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحَجَبِيِّ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ رَجُلٍ قَالَ: مَالِي فِي رِتَاجِ الْكَعْبَةِ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِينَ.

سیدہ عائشہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو یہ کہتا ہے کہ میرا مال خانہ کعبہ کے دروازے کے لیے وقف ہے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس بات کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ایسی نذر کی اصلاح کی جائے گی اور صرف تہائی مال اللہ کی راہ میں نکالا جائے گا اور مزید کچھ کفارہ نہ ہوگا، واللہ اعلم...... اس فتوے کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میرا مال کعبہ کے لیے ہدیہ ہو جائے گا، پھر اس نے وہ کام کر لیا تو اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ (زرقانی) امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قسم کا کفارہ لازم ہوگا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سب کچھ کعبہ کے لیے ہو جائے گا، البتہ وہ تھوڑا سا مال روک لے پھر وسعت ملنے کے بعد اس روکے ہوئے مال کے برابر بھی صدقہ کر دے...... ''رِتاج'' بڑے دروازے کو کہتے ہیں، اس روایت میں یہ لفظ صرف تعظیماً بولا گیا ہے اور اس سے مراد مکمل خانہ کعبہ ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَقُولُ: مَالِي فِي سَبِيلِ امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو (کوئی قسم

[1027] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 8/ 483 (15988)، ابن ابی شیبه: 12342، بیهقی فی السنن الکبری: 10/ 65 (20036)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 330 (5821)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اللّٰهِ ، ثُمَّ يَحْنَثُ ، قَالَ : يَجْعَلُ ثُلُثَ مَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَذٰلِكَ لِلَّذِي جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي أَمْرِ أَبِي لُبَابَةَ .

کھا کر) کہتا ہے کہ (اگر میں نے فلاں کام کیا تو) میرا مال اللہ کی راہ میں چلا جائے گا، پھر وہ قسم توڑ دیتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے مال کا صرف تہائی حصہ اللہ کی راہ میں دے گا، اور یہ فیصلہ اس حدیث کی وجہ سے ہے جو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔

فائدہ: ...... اور یہی بات راجح ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر صرف کفارہ قسم لازم ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے سارا مال نکالنا پڑے گا، صرف ستر ڈھانپنے کے لیے کچھ رکھ لے اور بعد میں وسعت ملے تو اُسے بھی صدقہ کردے۔

23

كِتَابُ الذَّبَائِحِ

ذبح کے مسائل کی کتاب

فائدہ :......مصری نسخوں میں یہاں ''کتاب الذبائح'' کا عنوان مذکور ہے۔

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں چار ابواب اور دس روایات ہیں، جن میں سے تین مرفوع، چار موقوف اور تین مقطوع ہیں، اور تمام کی تمام سنداً صحیح ہیں، سوائے ایک موقوف روایت کے، جوضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس کتاب میں مذکور ہے۔

1- بَابٌ : مَا جَاءَ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الذَّبِيحَةِ

ذبیحے پر بسم اللہ پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، جن میں سے ایک مرفوع اور ایک مقطوع ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ :......امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا سنت ہے جس کے ترک کر دینے کے باوجود ذبیحہ جائز ہوتا ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نیز جمہور کے نزدیک اسے پڑھنا واجب ہے اور اسے عمداً چھوڑنے پر ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے، البتہ بھول کر رہ جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ بھول اور خطا معاف ہے، مسنون یہ ہے کہ بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر جانور کو ذبح کیا جائے۔ (بخاری: 5565، مسلم: 1966) یاد رہے کہ مشرک شخص کے ذبیحے سے بچنا لازم ہے، کیونکہ ذبح کرنا ایک عبادت ہے اور مشرک کی عبادت کالعدم اور نا قابل قبول ہے، لہٰذا جس جانور پر ذبح کی عبادت والا عمل ہی ثابت نہ ہو وہ کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔

[1028] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے

[1028] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی اکل اللحم لایدری اذکر اسم اللّٰہ علیہ ام لا، حدیث: 2829، بیہقی فی السنن الکبری: 9/ 239، وفی الخلافیات: 2/ 286۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ يَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ وَلَا نَدْرِي هَلْ سَمَّوُا اللّٰهَ عَلَيْهَا أَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهَا، ثُمَّ كُلُوهَا.

روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک (صحراو جنگل میں رہنے والے) بدوی لوگوں میں سے کچھ ہمارے پاس (جانوروں کے) گوشت لے کر آتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے (ذبح کرتے وقت) ان پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم خود ان پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو، پھر انھیں کھالیا کرو۔''

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اسلام کے آغاز کی بات ہے۔

فائدہ: ......یعنی اس آیت کے نزول سے پہلے کی بات ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (الانعام 6: 121) ''اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو''......امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کی روشنی میں شروع اسلام میں بسم اللہ پڑھے بغیر بھی ذبیحہ درست تھا، بعد میں اس آیت کا نزول ہوا تو اس سے منع کر دیا گیا، لیکن امام مالک رحمہ اللہ کی یہ بات قابل قبول نہیں اس لیے کہ مذکورہ آیت تو یقیناً مکی ہے اور قبل از ہجرت نازل ہوئی تھی جبکہ یہ حدیث ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے کھانے کے ساتھ بسم اللہ کا جو حکم دیا وہ اس لیے نہیں تھا کہ یہ ذبح والی بسم اللہ کے قائم مقام ہو جائے گی بلکہ اس حکم میں کھانا کھاتے وقت کی بسم اللہ ہی ہے جواز روئے تبرک پڑھی جاتی ہے اور جس کی وجہ سے شیطان کھانے میں شریک نہیں ہوتا، اور آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان کا ذبیحہ درست ہے، ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے، لہٰذا جس شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے اور اس کی تحقیق کی بھی ضرورت نہیں کہ اس نے بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں...... یاد رہے کہ ذبیحہ کے جواز کے لیے دو شرطیں لازم ہیں: (1) بسم اللہ پڑھنا اور (2) ذبح کرنے والے کا توحید پرست مسلمان یا کتابی ہونا۔

یعنی اہل اسلام یا اہل کتاب میں سے ہونا......ان میں سے ایک بھی شرط پوری نہ ہو تو ذبیحہ حرام ہوگا، اہل اسلام یا اہل کتاب میں سے اگر کوئی شخص مشرک ہو تو اس کا ذبیحہ بلاشبہ حرام ہے، کیونکہ ذبح کرنا عبادت ہے اور مشرک کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، لہٰذا مشرک کا ذبیحہ بھی عبادت نہیں بن سکتا، اس لیے اس کا ذبح شدہ جانور بھی حرام موت ہی مرتا ہے، کاش! اہل توحید اس نقطے کو سمجھ لیں، آج مشرک طبقہ جگہ جگہ قصابوں کی شکل میں مسلمانوں کو حرام گوشت کھلا رہا ہے، ایسے لوگوں سے احتیاط کیجیے اور زندہ جانور لے کر خود ذبح کر لیا کریں۔

[1029] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيَّ أَمَرَ غُلَامًا لَهُ أَنْ يَذْبَحَ ذَبِيحَةً، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَذْبَحَهَا قَالَ لَهُ: سَمِّ اللّٰهَ . فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ : قَدْ سَمَّيْتُ . فَقَالَ لَهُ : سَمِّ اللّٰهَ وَيْحَكَ . قَالَ لَهُ : قَدْ سَمَّيْتُ اللّٰهَ . فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَيَّاشٍ : وَاللّٰهِ لَا أَطْعَمُهَا أَبَدًا .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ رحمہ اللہ نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ وہ ایک جانور ذبح کرے، چنانچہ جب اس نے اُسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اس سے فرمانے لگے کہ بسم اللہ پڑھ لے، وہ غلام ان سے کہنے لگا کہ میں نام لے چکا ہوں تو عبداللہ (ذرا غصے سے) فرمانے لگے کہ تیری ہلاکت ہو، بسم اللہ پڑھ لے، تو وہ کہنے لگا کہ میں نے (اللہ کا) نام لے لیا ہے تو عبداللہ بن عیاش فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں اس ذبیحے کو کبھی نہ کھاؤں گا۔

فائدہ :...... دراصل وہ چاہتے تھے کہ میں اپنے کانوں سے اسے پڑھتے ہوئے سن لوں اور انھیں اس پر شبہ تھا کہ وہ جان بوجھ کر بسم اللہ کو ترک کر رہا ہے کیونکہ وہ (سَمَّيْتُ، سَمَّيْتُ) کہے جا رہا تھا لیکن بسم اللہ کے الفاظ نہیں بول رہا تھا، چنانچہ یہ باتیں کرتے کرتے اس نے ذبح کر دیا، اس لیے انھوں نے وہ ذبیحہ نہ کھایا...... بہر حال علماء وفقہاء کے نزدیک اگر ذبح کرنے والا کہہ دے کہ میں نے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو ذبیحے کے جواز کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

2- بَابٌ : مَا يَجُوزُ مِنَ الذَّكَاةِ فِي حَالِ الضَّرُورَةِ

ذبح کے اس طریقے کا بیان جو مجبوری کے وقت جائز ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، دو مرفوع، دو موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب سنداً صحیح ہیں سوائے ایک موقوف کے جو ضعیف ہے۔

فائدہ :...... اگر جانور قابو میں ہو تو پھر اس کے گلے پر تیز دھار چھری وغیرہ پھیر کر، یا اونٹ کی گردن میں سینے کے پاس والے گڑھے میں نیزہ وغیرہ مار کر نحر کرنا ہی درست اور سنت طریقہ ہے، لیکن اگر کوئی جانور وحشی ہو جائے یا ڈر کر قابو سے باہر ہو جائے یا اچانک زخمی ہو کر مرنے کے قریب پہنچ جائے تو بسم اللہ پڑھ کر کسی بھی نوکدار یا دھار والی چیز کو اس کے جسم میں کہیں بھی مار دینا کہ جس سے اس کا خون بہہ نکلے تو اس طریقے سے بھی جانور کا ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔

[1029] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[1030] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ كَانَ يَرْعَى لِقْحَةً لَهُ بِأُحُدٍ، فَأَصَابَهَا الْمَوْتُ، فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ، فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ، فَكُلُوهَا.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے بنوحارثہ خاندان کا ایک شخص اپنی دودھ والی اونٹنی کو اُحد پہاڑ کے پاس چرا رہا تھا کہ (اتنے میں اچانک) اُسے موت آنے لگی (اور وہ مرنے کے قریب پہنچ گئی) تو اُس نے اُسے نوک دار لکڑی (یا میخ) کے ساتھ ذبح کر دیا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں، تم اُسے کھالو۔''

فائدہ :......اونٹ کے گلے میں صرف سوراخ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ اس نے ایسا کر دیا جس سے اس کا خون بہہ گیا اور وہ حلال ہو گئی۔ ''شِظَاظ'' سے مراد وہ لکڑی ہے جس کے ایک جانب لوہا لگا کر نوکیلی دھار بنائی گئی ہو اور چونکہ اس کی شکل میخ اور کیل جیسی بن جاتی ہے اس لیے اُسے ''وَتَد'' یعنی میخ بھی کہہ دیتے ہیں، عطاء بن یسار رحمہ اللہ نے اس روایت کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نسائی: 4407)

[1031] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ سَعْدٍ، أَوْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ: أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَانَتْ تَرْعَى غَنَماً لَهَا بِسَلْعٍ، فَأُصِيبَتْ شَاةٌ مِنْهَا، فَأَدْرَكَتْهَا فَذَكَّتْهَا بِحَجَرٍ، فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهَا فَكُلُوهَا.

حضرت معاذ بن سعد یا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی (مدینہ کے) سَلْع پہاڑ کے پاس حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرا رہی تھی، اُن میں سے ایک بکری کو موت شروع ہو گئی تو اُس لونڈی نے اُسے (مرنے سے پہلے ہی) پالیا اور اسے ایک (دھاری دار) پتھر سے ذبح کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسے کھالو۔''

فائدہ :......معلوم ہوا کہ مسلمان عورت کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ احناف اور ایک قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ

[1030] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب فی الذبیحۃ بالمروۃ، حدیث: 2823، سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب اباحۃ الذبح بالعود، حدیث: 4407، عبدالرزاق: 4/ 497 (8626، 8627)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1031] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ذبیحۃ المراۃ والامۃ، حدیث: 5505، بیہقی: 9/ 282، 283 (19157)۔

اسے مکروہ خیال کرتے ہیں۔

[1032] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ ذَبَائِحِ نَصَارَى الْعَرَبِ؟ فَقَالَ: لاَ بَأْسَ بِهَا، وَتَلاَ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ، ان سے عرب کے عیسائیوں کے ذبح کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ [المائدة 5: 51] ''اور تم میں سے جو کوئی ان سے (دلی) دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔''

فائدہ: ...... مقصد یہ ہے کہ اُن سے صرف قلبی تعلق رکھنا ممنوع ہے، ان کا ذبیحہ حرام نہیں، نیز اگرچہ ان کا ذبیحہ درست ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن سے دوستیاں پروان چڑھائی جائیں اور انھیں اپنے جانور ذبح کرانے پر متعین کرلیا جائے، اہل کتاب کے کھانے اور ذبیحے کے جواز کی اصل دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (المائدة 5:5) ''اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اُن کے کھانے سے مراد اُن کے ذبیحے ہیں۔'' (بخاری: قبل از حدیث: 5508) نیز رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودن عورت کی دعوت قبول فرمائی۔ (ابو داود: 3781۔ اس کی سند صحیح ہے۔) لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ کسی غیر اللہ (مثلاً عیسیٰ علیہ السلام یا مریم علیہا السلام وغیرہ) کے نام پر ذبح نہ کریں بلکہ صرف اللہ کے نام پر ذبح کریں۔

[1033] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: مَا فَرَى الأَوْدَاجَ فَكُلُوهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جو چیز (ذبیحے کی) رگوں کو کاٹ دے تو اس (ذبیحے) کو کھالو۔

فائدہ: ...... چنانچہ ذبح کے لیے صرف چھری یا چاقو یا خنجر ہی لازم نہیں بلکہ دھاری دار لکڑی، پتھر اور شیشہ وغیرہ بھی کفایت کرسکتے ہیں۔

[1032] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 9/ 217، وفي معرفة السنن والآثار: 7/ 143 (5557، 5558)، الشافعي في المسند: 2/ 373، عبدالرزاق: 4/ 486 (8573)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1033] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 4/ 497 (8624)، بيهقي: 9/ 282 (19151)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1034] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : مَا ذُبِحَ بِهِ إِذَا بَضَعَ ، فَلاَ بَأْسَ بِهِ إِذَا اضْطُرِرْتَ إِلَيْهِ .

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جس چیز سے بھی (جانور کو) ذبح کیا جائے، چنانچہ جب وہ (حلق کی رگوں کو) کاٹ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جس وقت کہ تو اس کی طرف مجبور کر دیا جائے۔

فائدہ: ......یعنی بلاضرورت عام طریقہ ذبح سے نہیں ہٹنا چاہیے، آلہ ذبح تیز ہونا چاہیے۔ (مسلم:1967) اور ذبح کرتے وقت جانور پر احسان کرنا چاہیے۔ (مسلم:1955) یاد رہے کہ ہر کاٹنے والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے سوائے دانت اور ناخن کے، کیونکہ ان سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (بخاری:5543، مسلم:1968) امام مالک رحمہ اللہ ہر ہڈی سے ذبح کو جائز سمجھتے تھے شاید انھیں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔

3- بَابٌ : مَا يُكْرَهُ مِنَ الذَّبِيحَةِ فِي الذَّكَاةِ

اس ذبیحے کا بیان (جس کا کھانا) مکروہ ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

[1035] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ شَاةٍ ذُبِحَتْ ، فَتَحَرَّكَ بَعْضُهَا ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْكُلَهَا ، ثُمَّ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ ، فَقَالَ : إِنَّ الْمَيْتَةَ لَتَتَحَرَّكُ وَنَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ .

ابومُرّہ رحمہ اللہ جو کہ عقیل بن ابی طالب کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بکری کے متعلق سوال کیا جو ذبح کی گئی تو اس (کے جسم) کے کچھ حصے نے حرکت کی، پس انھوں نے ان کو حکم دیا کہ اُسے کھالیں، پھر ابومُرّہ رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ بے شک مردہ بھی حرکت کرتا ہے، انھوں نے ابومُرّہ کو اسے کھانے سے روک دیا۔

فائدہ: ...... ذبیحے کی روح نکلنے کے بعد بھی کچھ دیر تک بعض اعضائے جسم کا پھڑکتے رہنا عام طور پر مشاہدے میں آتا رہتا ہے...... مذکورہ سوال میں جس قریب الموت بکری کے متعلق سوال پوچھا گیا تھا اس نے ذبح کے وقت صحیح حرکت نہ کی بلکہ اس کی صرف ٹانگ نے حرکت کی تھی (ابن عبدالبر) جس کی بنا پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

[1034] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق:4/ 498(8629)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[1035] (موقوف صحیح) بیہقی: 9/ 250(18953، 18954)، عبدالرزاق: 4/ 500(8637)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

نے اُسے مردہ شمار کیا جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی حرکت کو زندگی کی علامت قرار دیا...... ہمارے تجربے اور مشاہدے میں یہ بات ہے کہ جس جانور اور ذی روح کو طبعی موت واقع ہو تو وہ روح نکلنے کے بعد حرکت نہیں کرتا، البتہ جس جانور کو قتل یا ذبح کیا جائے تو وہ شہ رگ کٹ جانے کے باوجود کچھ دیر تک حرکت کرتا رہتا ہے خواہ سارا جسم حرکت کرے یا کچھ، لہٰذا ابو مُرّہ رحمہ اللہ کے سوال والی بکری کا تھوڑی سی حرکت کر لینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی طبعی موت ابھی نہیں آئی تھی اور وہ حلال ہی تھی، یہی وجہ ہے کہ کسی اور صحابی کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ اُس نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس مسئلے میں موافقت کی ہو۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ، عَنْ شَاةٍ تَرَدَّتْ فَتَكَسَّرَتْ، فَأَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَذَبَحَهَا, فَسَالَ الدَّمُ مِنْهَا وَلَمْ تَتَحَرَّكْ ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ ذَبَحَهَا وَنَفَسُهَا يَجْرِي، وَهِيَ تَطْرِفُ فَلْيَأْكُلْهَا.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس بکری کے متعلق سوال کیا گیا جو (بلندی سے) نیچے گر پڑی، جس سے اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو اس کے مالک نے اُسے پالیا اور ذبح کر دیا، چنانچہ اس سے خون بہہ پڑا اور (لیکن) اس نے حرکت نہ کی، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تو اس نے اُسے اس حال میں ذبح کیا تھا کہ اس کا سانس جاری تھا اور اس کی آنکھ حرکت کر رہی تھی تو اسے چاہیے کہ اُسے کھالے۔

فائدہ: ...... زندگی کی علامت صرف ہاتھ پاؤں کا حرکت کرنا ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی ایک علامات ہیں اور مذکورہ بکری کے حرکت نہ کرنے کا سبب شاید یہ ہو کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں اور وہ بے بس ہو، بوقت ذبح خون کا بہنا بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح سے پہلے جانور کی روح قبض نہ ہوئی تھی کیونکہ روح نکلنے کی صورت میں خون نہیں بہتا۔

4- بَابٌ: ذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِ الذَّبِيحَةِ

ذبیحے کے پیٹ میں موجود بچے کے ذبح کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

[1036] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا نُحِرَتِ النَّاقَةُ، فَذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِهَا فِي

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اونٹنی کو نحر (قربان) کر دیا جائے تو اس کے پیٹ کے بچے کا ذبح اس (کی ماں) کا ذبح ہونا ہی ہے، جس

[1036] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 9/ 335(19493)، وفي الخلافيات: 2/ 297، عبدالرزاق: 4/ 501(8642)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

ذَكَاتِهَا، إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ، وَنَبَتَ شَعَرُهُ، فَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ ذُبِحَ، حَتَّى يَخْرُجَ الدَّمُ مِنْ جَوْفِهِ.

وقت کہ اس بچے کی تخلیق (جسمانی بناوٹ) پوری ہو چکی ہو اور اس کے بال اُگ چکے ہوں، پھر جب وہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے (زندہ سلامت) نکل آئے تو اُسے ذبح کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے پیٹ سے خون نکل آئے۔

فائدہ: ...... اونٹنی یا کسی دوسرے مادہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے مردہ بچہ برآمد ہو تو وہ ماں کے ساتھ ہی ذبح شدہ جانور شمار ہوگا، کیونکہ وہ بھی اپنی ماں کے جسم کے اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے اور ہر ہر جزو کو الگ الگ ذبح نہیں کیا جاتا، البتہ زندہ نکلنے کی صورت میں اسے ذبح کرنا پڑے گا۔

[1037] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: ذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِ الذَّبِيحَةِ فِي ذَكَاةِ أُمِّهِ، إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ وَنَبَتَ شَعَرُهُ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ پیٹ کے بچے کا ذبح کرنا اس کی ماں کے ذبح کرنے میں ہے، بشرطیکہ اس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو اور اس کے بال اُگ چکے ہوں۔

فائدہ: ...... بالوں کے اگنے کی شرط صرف امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور جمہور کے ہاں ایسی کوئی شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک بچہ جس حال میں بھی ماں کے پیٹ سے برآمد ہو وہ ماں کے ساتھ ہی ذبح کیا ہوا شمار ہوتا ہے الا یہ کہ زندہ نکل آئے، رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک پیٹ والا بچہ صرف ایک ہی صورت میں جائز ہے اور وہ یہ کہ بچہ زندہ نکلے اور ذبح کیا جائے، بصورت دیگر حرام ہے، جمہور کا موقف حدیث نبوی ﷺ کے عین مطابق ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ)) ''پیٹ کے بچے کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہی ہے۔'' (ابو داود: 2828، ترمذی: 1476، ابن ماجہ: 3199 ۔ اس کی سند صحیح ہے) اب جس کا دل کرتا ہے تو کھا لے، اس حدیث مبارکہ میں بال اُگنے کی شرط بھی نہیں لگائی گئی ہے۔

[1037] (مقطوع صحیح) بیهقی فی الخلافیات: 2/ 297۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

24

كِتَابُ الصَّيْدِ
شکار کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الباب اس کتاب میں سات ابواب اور پندرہ روایات ہیں، جن میں سے مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) پانچ، موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) آٹھ اور مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) دو ہیں اور ان تمام روایات میں سے دس صحیح، دو حسن اور تین ضعیف ہیں، چنانچہ پانچ مرفوع روایات میں سے چار صحیح اور ایک ضعیف ہے، آٹھ موقوف روایات میں سے چھ صحیح اور دو حسن ہیں، جبکہ دونوں مقطوع روایات ضعیف ہیں، نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے سترہ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

1- بَابٌ: تَرْكُ أَكْلِ مَا قَتَلَ الْمِعْرَاضُ وَالْحَجَرُ

اس شکار کو نہ کھانے کا بیان جسے نوکدار لکڑی اور پتھر (نکر سے) قتل کریں

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ان میں سے ایک موقوف ہے جو سنداً صحیح ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں جو کہ ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... "مِعْرَاض" سے مراد وہ لکڑی ہے جس کے ایک کنارے پر لوہے کی نوکیلی دھار لگی ہوئی ہو، اسی طرح وہ تیر جس کا پھل نہ ہو، معراض کا حکم رکھتا ہے، چنانچہ اگر تو لکڑی اپنی نوک سے شکار کو مارے تو پھر شکار حلال ہے اور اگر نوک کی بجائے چوڑائی کے بل یا کسی اور طریقے سے شکار کے ساتھ ٹکرائے اور اس زوردار ٹکر سے شکار مر جائے تو وہ حرام ہے اور ﴿الْمَوْقُوذَةُ﴾ (المائدۃ 3:5) "چوٹ سے مرنے والا" کے حکم میں ہے، رسول اللہ ﷺ سے بھی یہ فرمان ثابت ہے کہ "اُسے کھالو جسے اس (لکڑی) نے (دھار کے ذریعے) پھاڑا ہو اور جس شکار کو وہ اپنی چوڑائی سے پہنچے (چوڑائی کے بل ٹکرائے اور وہ مر جائے) تو اُسے نہ کھاؤ۔" (بخاری: 5477، مسلم: 1929) یاد رہے کہ تیر، نیزہ، برچھا، خنجر یا معراض وغیرہ کو پھینک کر شکار کرنا ہو تو آلے کو پھینکنے سے پہلے بِسْمِ اللہ پڑھنا لازم ہے، چنانچہ اگر وہ شکار اس آلے کی نوک سے مر جائے تو وہ حلال ہے، ہاں اگر شکاری اس جانور تک اس حال میں پہنچے کہ وہ ابھی زخمی اور

تڑپ رہا ہو تو اُسے ذبح کرنا لازم ہے، اگر ذبح کا وقت پا لینے کے باوجود اسے ذبح نہ کیا گیا تو وہ مردار اور حرام ہوگا۔

[1038] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: رَمَيْتُ طَائِرَيْنِ بِحَجَرٍ وَأَنَا بِالْجُرْفِ، فَأَصَبْتُهُمَا، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَمَاتَ، فَطَرَحَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَمَّا الآخَرُ فَذَهَبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُذَكِّيهِ بِقَدُومٍ، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهُ، فَطَرَحَهُ عَبْدُ اللّٰهِ أَيْضاً.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے دو پرندوں پر ایک پتھر پھینکا، اس حال میں کہ میں (مدینہ کے مقام) جُرُف پر تھا، میں نے ان دونوں کو (پتھر سے) شکار کر لیا، ان میں سے ایک مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے پھینک دیا، رہا دوسرا (پرندہ جو ابھی زندہ تھا)، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسے تیشے (بسولے) سے ذبح کرنے لگے تو وہ بھی مر گیا پہلے اس سے کہ وہ اُسے ذبح کرتے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے بھی پھینک دیا۔

[1039] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ كَانَ يَكْرَهُ مَا قَتَلَ الْمِعْرَاضُ وَالْبُنْدُقَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک قاسم بن محمد رحمہ اللہ اس شکار کو ناپسند کرتے تھے جسے معراض اور مٹی کے سخت روڑا نے مارا ہوتا۔

فائدہ: ......معراض والا شکار صرف اس وقت حرام ہے جب وہ اس کی چوڑائی کے بل ضرب اور چوٹ لگنے سے مرے، اسی طرح بندوق کی گولی کے حوالے سے بھی علماء کے مابین اختلاف ہے، اکثر نے اس کا شکار حرام جبکہ بعض نے حلال قرار دیا ہے ہمارے نزدیک معراض والی حدیث اس مسئلے کا حل کرتی ہے، چنانچہ اس کی گولی اور چھرے کو دیکھا جائے گا، اگر تو وہ نوکدار ہو تو پھر اس کا شکار حلال ہے اور اگر نوکدار نہ ہو بلکہ اس کی چوٹ سے جانور مرے تو پھر حرام ہے......چھرے کے نوکدار نہ ہونے کے باوجود شکار میں سے اس کے گزر جانے کا سبب اس آلے کی بے پناہ قوت ہے جو اسے پھینکتا ہے جس طرح کہ منجنیق سے کوئی پتھر پھینکیں اور وہ پوری قوت سے کسی چیز سے ٹکرائے اور اس میں سوراخ کر دے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے نوک سے اسے پھاڑا ہے بلکہ چوٹ نے اُسے پھاڑا ہے، یہی صورت حال غلیل اور اس کے اندر استعمال ہونے والے پتھر یا مٹی کے روڑے کی ہے۔

[1040] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سعید بن مسیب رحمہ اللہ

[1038] (موقوف صحیح)بیھقی: 2/ 249(18947)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1039] (مقطوع ضعیف)ابن ابی شیبہ:19720، 19725۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[1040] (مقطوع ضعیف)عبدالرزاق: 8522، 8523۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ تُقْتَلَ الإِنْسِيَّةُ، بِمَا يُقْتَلُ بِهِ الصَّيْدُ مِنَ الرَّمْيِ وَأَشْبَاهِهِ.

یہ ناپسند کرتے تھے کہ انسانوں سے مانوس (پالتو گھریلو) جانوروں کو اس چیز کے ساتھ قتل کیا جائے جس سے شکار کو مارا جاتا ہے، مثلاً تیراندازی اور اس جیسی دوسری چیزیں۔

فائدہ: ...... الا یہ کہ اُن میں سے کوئی وحشی اور بے قابو ہو جائے تو پھر اسے تیر یا نیزہ پھینک کر مارا جاسکتا ہے۔(بخاری: 5544، مسلم: 1968) بہرحال عام حالات میں جانوروں کو چھری وغیرہ سے ذبح ہی کرنا چاہیے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا أَرَى بَأْساً بِمَا أَصَابَ الْمِعْرَاضُ، إِذَا خَسَقَ وَبَلَغَ الْمَقَاتِلَ أَنْ يُؤْكَلَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا جسے معراض نے شکار کیا ہو جب وہ اسے (اپنی نوک سے) پھاڑ دے اور وہ موت کو پہنچ جائے تو (میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ) اسے کھالیا جائے۔

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ﴾ [المائدة: 94]. قَالَ: فَكُلُّ شَيْءٍ نَالَهُ الإِنْسَانُ بِيَدِهِ أَوْ رُمْحِهِ، أَوْ بِشَيْءٍ مِنْ سِلَاحِهِ فَأَنْفَذَهُ وَبَلَغَ مَقَاتِلَهُ: فَهُوَ صَيْدٌ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى.

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ﴾ (المائدة 94:5) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور تمھیں کچھ ایسے شکار کے ساتھ آزمائے گا جس تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں۔'' چنانچہ ہر وہ چیز (جانور) جسے انسان اپنے ہاتھ یا اپنے نیزے یا اپنے اسلحے میں سے کسی چیز کے ساتھ پالیتا ہے، پھر اُسے اس میں سے پار گزار دیتا ہے یعنی اس کے قتل کو پہنچ جاتا ہے تو وہ صید (شکار) ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: إِذَا أَصَابَ الرَّجُلُ الصَّيْدَ، فَأَعَانَهُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ، مِنْ مَاءٍ أَوْ كَلْبٍ غَيْرِ مُعَلَّمٍ لَمْ يُؤْكَلْ ذَلِكَ الصَّيْدُ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ سَهْمُ الرَّامِي قَدْ قَتَلَهُ، أَوْ بَلَغَ مَقَاتِلَ الصَّيْدِ، حَتَّى لَا يَشُكَّ أَحَدٌ فِي أَنَّهُ هُوَ قَتَلَهُ، وَأَنَّهُ لَا يَكُونُ لِلصَّيْدِ حَيَاةٌ بَعْدَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یقیناً انھوں نے اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب کوئی آدمی شکار کو (تیر وغیرہ) مار دیتا ہے، پھر اس کے علاوہ کوئی اور چیز اس شکار پر اس کی مدد کرتی ہے مثلاً پانی (جس میں زخمی شکار ڈوب گیا) یا ایسا کتا جو (شکار کا علم) سکھایا ہوا نہ ہو، تو اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا الا یہ کہ (پانی میں گرنے سے یا کتے کے پہنچنے سے پہلے پہلے) شکاری کے تیر نے اُسے مار ڈالا ہو یا تیر شکار کے قتل کو (اس طرح لگا ہوا اُسے) پہنچ چکا ہو، یہاں تک کہ کوئی شخص اس بات میں شک نہ کرے کہ واقعی اُسی نے اسے مارا ہے اور

بلاشبہ اُس کے لگنے کے بعد شکار میں زندگی باقی نہیں رہی تھی۔

فائدہ :......رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر تم اپنے کتے کے ساتھ کسی اور کتے کو پالو جسے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر نہ چھوڑا گیا ہو (یا وہ غیر شکاری ہو) اور جانور مر چکا ہو تو اُسے نہ کھاؤ کیونکہ تمھیں یہ علم نہیں کہ کس کتے نے اسے مارا ہے۔'' نیز فرمایا: ''اگر وہ پانی میں گر جائے تو اُسے نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اُسے پانی نے قتل کیا ہے یا تمھارے تیر نے۔'' (بخاری: 5484، 2/1929، 6، 7) ......شکار کے جواز کے لیے متعدد شرطیں ہیں، چنانچہ اگر تیر یا نیزے وغیرہ سے شکار کرنا مقصود ہو تو (1)-اسے بسم اللہ پڑھ کر پھینکا جائے۔(2)-وہ آلہ اپنی نوک سے شکار کو قتل کرے۔(3)-شکار کی موت اسی آلے سے ہونا یقینی ہو۔(4)-اور اگر آدمی اس کی موت سے پہلے اس تک پہنچ جائے اور ذبح کرنے کا وقت اور قدرت پالے تو اُسے ذبح کرے......اگر ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو شکار حرام ہے، چنانچہ اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے یا وہ ہتھیار اپنی نوک کی بجائے اپنی سائیڈ سے شکار کو چوٹ لگا کر قتل کرے یا موت سے پہلے وہ شکار پانی میں گر کر ڈوب جائے یا کسی ایسے جانور کے ہتھے چڑھ جائے جو شکار کا علم نہ رکھتا ہو یا اُسے بسم اللہ پڑھ کر نہ چھوڑا گیا ہو یا شکار کی موت سے پہلے آدمی نے اُسے ذبح کرنے کی قدرت اور وقت پالیا لیکن اُسے ذبح نہ کیا تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں شکار شدہ جانور حرام ہے......اگر ایک یا زیادہ جانوروں کے ذریعے شکار کرنا مقصود ہو تو اس کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں: ☆ہر شکاری جانور شکار کا علم رکھتا ہو۔ ☆اُسے بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا گیا ہو۔ ☆وہ شکار کو پکڑ کر کھانا نہ شروع کرے۔ ☆اس جانور کے ساتھ کوئی اور جانور شکار کرنے میں شریک نہ ہو اور ☆اگر شکار کیے ہوئے جانور کی موت سے قبل آدمی اُسے ذبح کرنے کا موقع پالے تو اسے ذبح کرے، اگر کسی کتے کو شکار کا علم نہ سکھایا گیا ہو تو خواہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ہی چھوڑا جائے اُس کا قتل کیا ہوا شکار حرام ہے، ہاں اگر اس کی موت سے پہلے اُسے ذبح کر لیا جائے تو پھر حلال ہے......کچھ مزید وضاحتیں آئندہ باب میں آ رہی ہیں۔

قَالَ وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ : لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الصَّيْدِ ، وَإِنْ غَابَ عَنْكَ مَصْرَعُهُ ، إِذَا وَجَدْتَ بِهِ أَثَرًا مِنْ كَلْبِكَ ، أَوْ كَانَ بِهِ سَهْمُكَ ، مَا لَمْ يَبِتْ ، فَإِذَا بَاتَ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ أَكْلُهُ .

امام مالک ؒ نے فرمایا: شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ اس کا پچھاڑا جانا تم سے (کچھ دیر) غائب رہے بشرطیکہ تم اس میں صرف اپنے کتے کا نشان پاؤ یا اس میں تمھارا تیر (موجود) ہو، جب تک کہ اس پر رات نہ گزرے، چنانچہ رات گزر جائے تو پھر بے شک اس کا کھانا حرام ہے۔

فائدہ :......عموماً جب ہرن وغیرہ کو تیر لگتا ہے تو وہ زخمی ہو کر بھی بھاگتا رہتا ہے اور کبھی وہ غائب ہو جاتا ہے اور خون نکلنے کی وجہ سے کسی جگہ مر جاتا ہے، ایسی صورت کے متعلق امام مالک ؒ فرماتے ہیں کہ اگر رات پڑنے سے پہلے پہلے وہ مل جائے تو اس کا کھانا درست ہے لیکن حضرت عدی بن حاتم ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اور اگر تم نے شکار کو تیر مارا، پھر اسے ایک یا دو دن بعد اس حال میں (مردہ) پالیا کہ اس میں تمھارے تیر کے سوا کوئی نشان نہ تھا تو تم

اسے کھالو۔'' (بخاری: 5484، مسلم: 6/1929) بلکہ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ یہ فرمان نبوی نقل کرتے ہیں: ''اگر تین دن بعد وہ جانور ملے اور اس میں بدبو نہ پڑی ہو تو اسے کھالو۔'' (مسلم: 1931)، ایک روایت میں ہے کہ دو یا تین دن بعد ملے تو اگر چاہو تو کھا سکتے ہو۔ (بخاری: 5485) امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ان احادیث کے خلاف ہے جو رات گزرنے سے پہلے پہلے کی قید لگاتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف تو حدیث سے بہت ہی دور ہے، وہ کہتے ہیں کہ جانور کا پیچھا کرتے رہنا شرط ہے چنانچہ جیسے ہی آدمی زخمی شکار کا تعاقب چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول ہوا اور بعد میں اُسے مردہ پالے تو وہ حرام ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو شرطیں لگائی ہیں، ایک یہ کہ زخمی شکار میں تمھارے ہی شکار والے آلے کا نشان ہو اور دوسری یہ کہ اس میں بدبو نہ پڑی ہو، باقی وقت کے اعتبار سے عموم ہے کہ خواہ ایک دن بعد ملے یا دو دن یا زیادہ عرصے بعد۔

2- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْمُعَلَّمَاتِ

سکھائے ہوئے جانوروں کے شکار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین موقوف روایات (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں، جن میں سے دو سنداً صحیح اور ایک حسن ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات بھی یہاں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... سکھائے ہوئے جانوروں سے یہاں درندے اور پرندے مراد ہیں، درندوں میں کتا، چیتا اور شیر وغیرہ شامل ہیں اور پرندوں میں باز، عقاب، شکرا اور شاہین وغیرہ شامل ہیں...... شکار کے علم میں تین باتیں لازمی اور ضروری ہیں: ☆ اُس کو جب شکار پر جھپٹنے کے لیے چھوڑا جاتا ہے تو وہ سیدھا اُدھر ہی کا رخ کرے۔ ☆ اُسے روکا جائے تو فوراً رُک جائے اور ☆ شکار پکڑنے کے بعد مالک کے لیے روک لے، اُسے کھانا نہ شروع کر دے...... رہا شکاری جانور چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ واجب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں یہ شرط نہیں ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قدرت رکھنے والے اور یاد رکھنے والے کے لیے یہ شرط ہے اور بھولنے والے اور عاجز شخص کے لیے شرط نہیں ہے، امام احمد رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے کیونکہ قرآن وحدیث دونوں میں بسم اللہ پڑھ کر چھوڑنے کا تذکرہ ہے۔ (سورۂ مائدہ 4:5، بخاری: 5478، 5483، مسلم: 1929، 1930) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (المائدۃ 4:5) ''تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور وہ شکاری جانور بھی (یعنی ان کا کیا ہوا شکار بھی حلال ہے) جنھیں تم سدھا لیتے ہو، تم انھیں اس کے مطابق (شکار کا علم) سکھاتے ہو جو اللہ نے تمھیں سکھایا ہے پس تم اُس شکار میں سے کھالو جسے وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں اور اس پر اللہ کا

نام ذکر کرو۔'' غور کیجیے کہ کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے سات بار دھونا لازم ہے لیکن یہی کتا اگر شکار کا علم حاصل کر لے پھر شکار کو پکڑتے پکڑتے اُسے زخمی کر دے یا مار بھی ڈالے تو وہ جانور حلال ہے، صرف اُس کے دانتوں کے نشان والی جگہ کو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا...... یہاں سے علم کی فضیلت بھی آشکار ہوئی کہ شکار کا علم نہ رکھنے والا کتا خواہ ہزار بار بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے تو پھر بھی اس کا مارا ہوا شکار حرام ہے لیکن علم شکار والا کتا جسے ایک بار بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے وہ اگر اسے پکڑتے پکڑتے مار بھی ڈالے تو وہ حلال ہے، یہ تو صرف شکار کے علم اور کتے کی بات ہے اور اگر علم قرآن وحدیث کا ہو اور سیکھنے انسان ہوں تو ایسے شخص کی فضیلت کے کیا کہنے۔

[1041] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ: كُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ إِنْ قَتَلَ، وَإِنْ لَمْ يَقْتُلْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ سکھائے ہوئے شکاری کتے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اُسے کھالو جسے وہ تم پر (تمھارے لیے) روک رکھے (اور خود نہ کھائے)، خواہ اُس نے (شکار کو) قتل کر دیا ہو یا قتل نہ کیا ہو۔

[1042] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَمَّنْ سَمِعَ نَافِعًا يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: وَإِنْ أَكَلَ، وَإِنْ لَمْ يَأْكُلْ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر چہ کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔

فائدہ:...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، امام مالک رحمہ اللہ اور موالک کے نزدیک کتا اگر شکار میں سے کچھ کھائے تو پھر بھی اُسے کھانا ہمارے لیے جائز ہے اور یہ حضرات ممانعت والی روایات کو صرف اور صرف کراہت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں جبکہ جمہور یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک اگر کتا شکار میں سے کچھ کھالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایات میں اس سے صراحتاً منع کیا گیا ہے، البتہ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ والی بعض روایات میں اس کی اجازت مذکور ہے۔ (ابو داود: 2857) اور اس کی سند کو بھی حسن قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ موالک نے تو یوں تطبیق دی ہے کہ ممانعت سے مراد کراہت تنزیہی ہے یعنی وہ شکار حرام تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ ضرور ہو جاتا ہے چنانچہ اس سے بچنا بہتر ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ والی روایت مرجوح ہے کیونکہ اُسے معلول اور ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے جبکہ ممانعت والی روایات بخاری ومسلم میں موجود ہیں، لہٰذا وہی راجح ہیں، واللہ اعلم...... رہا شکاری پرندوں کا معاملہ تو اس میں اکثر اہل علم یہ شرط

[1041] (موقوف صحيح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[1042] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 9/ 237 (18879)، وفى الخلافيات: 2/ 284، عبدالرزاق: 8516۔ شیخ سلیم ہلالی نے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

نہیں لگاتے کہ وہ شکار میں سے نہ کھائے لیکن محققین کے نزدیک ان کے لیے بھی یہ شرط موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شکاری جانوروں خواہ وہ پرندے ہوں یا درندے سب کا اکٹھا تذکرہ کیا ہے،ان کے احکامات بھی اکٹھے ہی بیان فرمائے ہیں لہٰذا جب شکاری کتوں کے لیے یہ شرط ہے تو شکاری پرندوں میں بھی ہے، واللہ اعلم۔ چنانچہ قرآن مجید میں سب شکاری جانوروں کے لیے یہ شرط مذکور ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ (المائدۃ 4:5) ''تو تم اس میں سے کھالو جسے وہ (شکاری جانور) تم پر روک رکھیں۔'' اور اسی کی تفسیر میں یہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے کہ اگر وہ جانور شکار میں سے کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ کیونکہ ((فَإِنَّهُ لَمْ يُمْسِكْ عَلَيْكَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ)) ''یقیناً اس نے شکار کو تم پر نہیں روکا بلکہ اس نے تو بلاشبہ صرف اور صرف اپنے لیے روکا ہے۔'' (بخاری: 5476، مسلم: 3/1929)

[1043] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ إِذَا قَتَلَ الصَّيْدَ، فَقَالَ سَعْدٌ: كُلْ وَإِنْ لَمْ تَبْقَ إِلَّا بِضْعَةٌ وَاحِدَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سدھائے ہوئے کتے کے متعلق سوال کیا گیا کہ جب وہ شکار کو مار ڈالے (تو کیا کریں؟) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے کھالو اگرچہ اس میں سے ایک ٹکڑے کے سوا کچھ باقی نہ بچا ہو۔

فائدہ: ......اس فتویٰ کے متعلق تفصیل گزشتہ فائدے میں مذکور ہے۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُونَ فِي الْبَازِي وَالْعُقَابِ وَالصَّقْرِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ: أَنَّهُ إِذَا كَانَ مُعَلَّمًا، يَفْقَهُ كَمَا تَفْقَهُ الْكِلَابُ الْمُعَلَّمَةُ، فَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ مَا قَتَلَتْ، مِمَّا صَادَتْ، إِذَا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَى إِرْسَالِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے بعض اہل علم کو باز، عقاب، شکرہ اور ان کے مشابہ پرندوں کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا: جب یہ (شکاری پرندہ شکار کا علم) سکھایا ہوا ہو، وہ (بات کو) اسی طرح سمجھتا ہو جس طرح سکھائے ہوئے کتے سمجھتے ہیں تو پھر اس شکار کو کھانے میں کوئی حرج نہیں جسے ان پرندوں نے شکار کر کے قتل کر دیا ہو جس وقت کہ انھیں (شکار پر) چھوڑتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الَّذِي يَتَخَلَّصُ الصَّيْدَ مِنْ مَخَالِبِ الْبَازِي، أَوْ مِنَ الْكَلْبِ، ثُمَّ يَتَرَبَّصُ بِهِ فَيَمُوتُ، أَنَّهُ لَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سب سے اچھی بات جو میں نے اس (شکاری) شخص کے بارے میں سنی ہے کہ (جس کا) شکار باز کے پنجوں سے یا کتے کے منہ سے چھوٹ کر بھاگ جائے

[1043] (موقوف حسن) بیهقی فی السنن الکبری: 9/ 237 (18880)، وفی الخلافيات: 2/ 284، عبدالرزاق: 8518۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

يَحِلُّ أَكْلُهُ .

پھر وہ (شکاری) اس کا انتظار کرتا رہے (یعنی دیکھتا رہے)، چنانچہ وہ مرجائے تو بلاشبہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ :...... کیونکہ اس نے ذبح کرنے پر قدرت، وقت اور موقع پا کر بھی اُسے ذبح نہیں کیا، لہٰذا وہ مردار ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ كُلُّ مَا قُدِرَ عَلَى ذَبْحِهِ ، وَهُوَ فِي مَخَالِبِ الْبَازِي ، أَوْ فِي الْكَلْبِ ، فَيَتْرُكُهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى ذَبْحِهِ ، حَتَّى يَقْتُلَهُ الْبَازِي أَوِ الْكَلْبُ ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی طرح ہی ہر اس شکار کا معاملہ ہے جس پر شکاری کو ذبح کر لینے کی قدرت حاصل ہوگئی ہو اور (خواہ) وہ شکار ابھی باز کے پنجوں میں یا کتے کے منہ میں ہو، چنانچہ اگر آدمی نے اُسے چھوڑ دیا حالانکہ وہ اسے ذبح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، یہاں تک کہ باز یا کتے نے اُسے مارڈالا تو بے شک اس کا کھانا بھی حلال نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ الَّذِي يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَنَالُهُ وَهُوَ حَيٌّ فَيُفَرِّطُ فِي ذَبْحِهِ حَتَّى يَمُوتَ ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہی اس شخص کا معاملہ ہے جو شکار کو تیر مارتا ہے، پھر اُسے اس حال میں پالیتا ہے کہ وہ زندہ ہوتا ہے، لیکن وہ اسے ذبح کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے تو یقیناً اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔

فائدہ :...... کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((فَإِنْ أَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ)) ''پھر اگر تم اسے زندہ پالو تو اسے ذبح کرو۔'' (مسلم: 6/1929)

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَرْسَلَ كَلْبَ الْمَجُوسِيِّ الضَّارِيَ ، فَصَادَ أَوْ قَتَلَ ، إِنَّهُ إِذَا كَانَ مُعَلَّماً ، فَأَكْلُ ذَلِكَ الصَّيْدِ حَلَالٌ لَا بَأْسَ بِهِ ، وَإِنْ لَمْ يُذَكِّهِ الْمُسْلِمُ ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ يَذْبَحُ بِشَفْرَةِ الْمَجُوسِيِّ ، أَوْ يَرْمِي بِقَوْسِهِ ، أَوْ بِنَبْلِهِ فَيَقْتُلُ بِهَا فَصَيْدُهُ ذَلِكَ ، وَذَبِيحَتُهُ حَلَالٌ لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع اور اتفاق ہے، یہ ہے کہ بے شک مسلمان شخص جب کسی مجوسی آدمی کے شکاری کتے کو شکار پر چھوڑے، پھر وہ اسے شکار کرلے یا قتل کردے تو بلاشبہ وہ (شکار کا علم) سکھایا ہوا ہے، سو اس شکار کا کھانا حلال ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ مسلمان اُسے ذبح نہ کرپائے اور یقیناً اس کی مثال تو اس مسلمان کی طرح جو مجوسی کی چھری کے ساتھ (کسی جانور کو) ذبح کرتا ہے یا اس کی کمان یا تیر کو استعمال کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ اُس (شکار) کو قتل کردیتا ہے تو اس کا یہ شکار اور ذبیحہ حلال ہے، اُسے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: ......بس شرط یہ ہے کہ اُس تیر کو چلانے والا اور شکاری جانور کو چھوڑنے والا مسلمان ہو اور بسم اللہ پڑھ کر اُسے چھوڑے۔ یہ کوئی شرط نہیں کہ اس تیر کو بنانے والا یا شکاری جانور کو علم سکھانے والا بھی مسلمان ہو اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ اس تیر یا شکاری جانور پر ملکیت بھی کسی مسلمان کی ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا أَرْسَلَ الْمَجُوسِيُّ كَلْبَ الْمُسْلِمِ الضَّارِيَ عَلَى صَيْدٍ فَأَخَذَهُ، فَإِنَّهُ لاَ يُؤْكَلُ ذَلِكَ الصَّيْدُ إِلاَّ أَنْ يُذَكَّى، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ مَثَلُ قَوْسِ الْمُسْلِمِ وَنَبْلِهِ، يَأْخُذُهَا الْمَجُوسِيُّ فَيَرْمِي بِهَا الصَّيْدَ فَيَقْتُلُهُ، وَبِمَنْزِلَةِ شَفْرَةِ الْمُسْلِمِ يَذْبَحُ بِهَا الْمَجُوسِيُّ، فَلاَ يَحِلُّ أَكْلُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب (گزشتہ صورت کے برعکس) مجوسی شخص، مسلمان آدمی کے شکاری کتے کو کسی شکار پر چھوڑے، پھر وہ اسے پکڑ لے تو یقیناً وہ شکار نہ کھایا جائے گا، الا یہ کہ (وہ شکار زندہ پکڑ کر کسی مسلمان کے ہاتھ سے) ذبح کیا جائے، اور بلاشبہ اس کی مثال تو مسلمان کی اس کمان اور تیر کی طرح ہے جسے مجوسی پکڑ لے، پھر شکار پر تیر چلا دے اور اُسے مار ڈالے نیز (اس کی مثال) مسلمان کی اس چھری کی طرح ہے جس کے ساتھ مجوسی شخص (کسی جانور کو) ذبح کرتا ہے لہٰذا ان میں سے کسی بھی چیز کو کھانا (اہل اسلام کے لیے) حلال نہیں ہے۔

3- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبَحْرِ

سمندر کے شکار کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار موقوف روایات (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے تین سنداً صحیح اور ایک حسن ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

فائدہ: ......سمندر میں رہنے والے اور پانی ہی میں زندگی گزارنے والے جانور خواہ کسی بھی شکل میں ہوں حلال ہیں، خواہ وہ خود بخود مر جائیں یا اُن کو شکار کیا جائے حتیٰ کہ احرام باندھنے والے افراد کے لیے بھی سمندر کا شکار حلال ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ (المائدۃ:96:5) ''تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، یہ تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔'' نیز سمندر کے متعلق فرمانِ نبوی ﷺ ہے: ((وَالطَّهُورُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ)) ''اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔'' (ابو داود:83، ترمذی:69، نسائی:333، ابن ماجہ: 386۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اس فرمانِ نبوی ﷺ میں کافی عموم ہے، شکار کے علاوہ سمندر میں مرنے والا جانور دو قسم کا ہوتا ہے: ☆ طبعی موت مرنے والا اور ☆ کسی سبب سے مرنے والا، مثلاً اسے پکڑا جائے تو وہ مر جائے یا سخت گرمی یا سردی سے مر جائے یا کوئی اور سمندری جانور

اسے قتل کردے یا پانی خشک ہونے سے وہ مرجائے یا سمندر اُسے زندہ باہر پھینک دے اور وہ مرجائے......امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کا سمندری مردار حلال ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف وہ مردار حلال ہے جو کسی سبب سے مرے، احناف کے نزدیک سمندر کا وہ مردار حرام ہے جو طبعی موت مرے یا سمندر اُسے مردہ حالت میں باہر پھینکے۔ احناف کے ساتھ مشہور اختلافی مسئلہ "طافی مچھلی" کا ہے یعنی وہ مچھلی جو طبعی موت مرکر سمندر میں تیرنے لگے، احناف اور اکا دُکا اہلحدیث علماء بھی اسے حرام کہتے ہیں اور یہ روایت دلیل میں پیش کرتے ہیں: ((مَاأَلْقَى الْبَحْرُ أَوْجَزَرَعَنْهُ فَكُلُوْهُ وَمَامَاتَ فِيْهِ وَطَفَافَلَاتَأْكُلُوْهُ)) "جسے سمندر پھینک دے یا اس سے خشک ہوجائے تو اسے کھالو اور جو اس میں (خود بخود) مرجائے اور تیرنے لگے تو اسے نہ کھاؤ" (ابوداود: 3815، ابن ماجہ: 3247) لیکن امام ابوداود رحمہ اللہ نے خود ہی اس روایت پر جرح کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے سنداً صحیح ثابت نہیں ہے بلکہ ثقات راویوں نے اسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کیا، نیز یاد رہے کہ اس کی سند میں دو اور خرابیاں بھی ہیں، ایک یہ کہ اس میں یحییٰ بن سُلیم طائفی سَیِّئُ الْحِفْظ راوی ہے اور دوسری یہ کہ ابوزبیر مدلس راوی ہے اور "عن" سے بیان کررہا ہے جو روایت کے ضُعف کی علامت ہے، نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اَلطَّافِيْ حَلَالٌ) "مرکر تیرنے والی مچھلی حلال ہے۔" (بخاری، قبل از حدیث:5493)

[1044] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي هُرَيْرَةَ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَمَّا لَفَظَ الْبَحْرُ، فَنَهَاهُ عَنْ أَكْلِهِ. قَالَ نَافِعٌ: ثُمَّ انْقَلَبَ عَبْدُ اللهِ فَدَعَا بِالْمُصْحَفِ فَقَرَأَ: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ [المائدة: 96] قَالَ نَافِعٌ: فَأَرْسَلَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ: إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً عبدالرحمٰن بن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس جانور کے بارے میں پوچھا جسے سمندر باہر پھینک دے تو انھوں نے اُسے اس کے کھانے سے روک دیا، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس (گھر) پلٹے اور قرآن مجید منگوایا، پھر اس میں یہ پڑھا: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ (المائدۃ: 96) "تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کردیا گیا ہے" نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس (یہ پیغام اور فتویٰ دے کر) بھیجا کہ بلاشبہ اس (سمندر کے باہر پھینکے ہوئے جانور) کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے (کیونکہ وہی تو سمندر کا طعام ہے)۔

فائدہ:......یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کی دو چیزیں حلال کی ہیں ایک شکار اور دوسری طعام، اور چونکہ طعام

[1044] (موقوف صحیح) بیهقی: 9/ 255 (18986)، عبدالرزاق: 7669۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

کو شکار کے مدمقابل ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس سے مراد ہر وہ سمندری جانور ہے جو شکار کیے بغیر مرے، خواہ طبعی طور پر یا کسی سبب سے اور خواہ سمندر کے اندر یا باہر مرے۔

[1045] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ سَعْدٍ الْجَارِيِّ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ الْحِيتَانِ يَقْتُلُ بَعْضُهَا بَعْضاً، أَوْ تَمُوتُ صَرَداً؟ فَقَالَ: لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ. قَالَ سَعْدٌ: ثُمَّ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ.

سعد جاری رحمہ اللہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان مچھلیوں کے متعلق سوال کیا جو ایک دوسری کو مار ڈالتی ہیں یا سخت سردی سے مر جاتی ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ ان (کے کھانے) میں کوئی حرج نہیں ہے، سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے بھی (یہ مسئلہ) پوچھا تو انھوں نے بھی اسی جیسا جواب دیا۔

[1046] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّهُمَا كَانَا لاَ يَرَيَانِ بِمَا لَفَظَ الْبَحْرُ بَأْساً.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ دونوں (سمندر کے) اس (جانور کے کھانے) میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے جسے سمندر نے (باہر) پھینک دیا ہو۔

[1047] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ نَاساً مِنْ أَهْلِ الْجَارِ قَدِمُوا، فَسَأَلُوا مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ عَمَّا لَفَظَ الْبَحْرُ، فَقَالَ: لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ، وَقَالَ: اذْهَبُوا إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَاسْأَلُوهُمَا عَنْ ذَلِكَ، ثُمَّ ائْتُونِي

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (مدینہ منورہ کے قریب سمندر کی جانب آباد) ''جار'' علاقے والوں میں سے کچھ لوگ مروان بن حکم کے پاس آئے (جو اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے) اُن لوگوں نے اُن سے اس (مردہ) جانور کے بارے میں پوچھا جسے سمندر باہر پھینک دے تو

[1045] (موقوف حسن) بیہقی: 9/ 255 (18987)، ابن ابی شیبۃ: 19765، 19767۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

[1046] (موقوف صحیح) بیہقی: 9/ 254 (18980، 18981)، عبدالرزاق: 8664، 8665، ابن ابی شیبۃ: 19755، 19759۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[1047] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فَـأَخْبِـرُونِـي مَـاذَا يَـقُولاَنَ، فَـأَتَوْهُمَا فَسَـأَلُوهُمَا، فَقَالاَ: لاَ بَأْسَ بِهِ. فَأَتَوْا مَرْوَانَ فَأَخْبَرُوهُ. فَقَالَ مَرْوَانُ: قَدْ قُلْتُ لَكُمْ.

مروان رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور کہا کہ تم حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے (یہی مسئلہ) پوچھو، پھر میرے پاس آ کر مجھے بھی بتانا کہ وہ دونوں کیا کہتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ ان دونوں کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا تو ان دونوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر وہ مروان رحمہ اللہ کے پاس آئے اور انھیں (اس کی) خبر دی تو مروان رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے (بھی تو) تم سے (یہی کچھ) کہہ دیا تھا۔

قَـالَ مَـالِكٌ: لاَ بَأْسَ بِأَكْلِ الْحِيتَانِ يَصِيدُهَا الْـمَـجُوسِيُّ، لأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ فِي الْبَحْرِ: هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ، الْحِلُّ مَيْتَتُهُ. قَالَ مَـالِكٌ: وَإِذَا أُكِـلَ ذَلِكَ مَيْتـاً فَلاَ يَـضُرُّهُ مَنْ صَادَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان مچھلیوں کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جنھیں مجوسی آدمی شکار کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب اُسے مردہ ہونے کی حالت میں کھایا جا سکتا ہے تو پھر اسے جو کوئی بھی شکار کرے (اُس میں) کوئی ضرر (اور حرج) نہیں ہے۔

فائدہ:...... اہل کتاب کے تو عام ذبیحے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو یقیناً ان کے سمندر والے شکار کو کھانا بھی بالاولیٰ جائز ہے، ہاں مشرک و مجوسی لوگوں کا ذبیحہ تو جائز نہیں ہے اس لیے ان کے سمندری شکار کے متعلق سوال پیدا ہوا کہ جائز ہے یا نہیں تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اُن کے شکار کو زیادہ سے زیادہ مردار ہی کا لقب ملے گا اور سمندر کے مردار کو بھی شریعت میں حلال رکھا گیا ہے لہٰذا اسے کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

4- بَابٌ: تَحْرِيمُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ

کچلی والے ہر درندے کے حرام ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی مذکور ہیں۔

[1048] حَـدَّثَـنِـي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْـنِ شِـهَـابٍ، عَـنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلاَنِيِّ، عَـنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''درندوں میں سے ہر کچلی والے کو کھانا حرام ہے۔''

[1048] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، باب اکل ذی ناب من السباع، حدیث: 5530، 5780، 5781، صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع، حدیث: 1932، ابوداود: 3802، ترمذی: 1477، نسائی: 4330، ابن ماجہ: 3232، احمد: 4/ 194 (17890)۔

قَالَ : أَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ .

[1049] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ، عَنْ عَبِيدَةَ بْنِ سُفْيَانَ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : أَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام کچلی والے درندوں کو کھانا حرام ہے۔''

فائدہ :...... سامنے کے دو دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں، ان کے دائیں بائیں ایک ایک دانت ''رَبَاعی'' کہلاتے ہیں اور پھر ان کے آگے ایک ایک نوکدار دانت ہوتا ہے جسے عربی میں ''ناب'' (کچلی) کہتے ہیں جس کی جمع ''اَنْیَــــاب'' ہے، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، ہرن، خرگوش وغیرہ میں یہ کچلیاں نہیں ہوتیں، کچلیوں والے درندے اپنی کچلیوں ہی کی مدد سے شکار کی چیر پھاڑ کرتے ہیں...... ضَبُع (بِجُّو) ان درندوں میں شامل نہیں ہے، چنانچہ ابن ابی عمار رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا ضَبُع یعنی بِجُّو شکار (کیا جانے والا جانور) ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں، انھوں نے پھر (تعجب سے) پوچھا کہ کیا میں اسے کھا سکتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں، تو انھوں نے پھر پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں۔ (ترمذی:1791، نسائی:4328، ابن ماجہ:3236۔ اس کی سند صحیح ہے) سائل کا اظہار تعجب خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ''بجو'' سے عام طور پر کراہت محسوس کی جاتی ہے، اس لیے انھوں نے تحقیق کے لیے بار بار سوال کیا، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''بجّو شکار ہے اور جب کوئی محرم اسے شکار کرے تو اس کے بدلے میں ایک مینڈھا فدیہ کے طور پر دیا جائے گا۔'' (ابوداود:3801۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا، دیکھیے پیچھے موطا کی روایت:933، رہی وہ حدیث جس سے بجّو کی حرمت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس میں عبدالکریم بن ابی المخارق اور اسماعیل بن مسلم دونوں ضعیف راوی ہیں۔ (ترمذی:1792)...... یاد رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلی والے درندے اور ہر مخلب (پنجے) والے پرندے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم:1934) چنانچہ ہر وہ پرندہ بھی حرام ہے جو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے، جیسا کہ باز، شکرہ، شاہین اور عقاب وغیرہ، کوے اور چیل کی حرمت تو اس حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں حرم میں بھی قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (بخاری:3314، مسلم:1198) بعض علماء کہتے ہیں کہ ''ذِي مِخْلَب'' کے لفظ میں عموم ہے لہٰذا وہ پرندے بھی حرام ہیں جو پنجے کی مدد سے خوراک کھاتے ہیں

[1049] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع، حدیث: 1933، جامع الترمذی، کتاب الصید، باب ماجاء فی کراهية کل ذی ناب، حدیث: 1479، نسائی: 4329، ابن ماجه: 3233، احمد:2/ 236(7223)۔

مثلاً طوطا، اگر چہ وہ شکار نہ بھی کرتے ہوں...... حالانکہ ان علماء کو پھر یہ بھی چاہیے کہ ''ذی مخلب'' (پنجے والا) کے عموم کی بنا پر ہر پرندے کو حرام سمجھیں کیونکہ پنجہ تو ہر پرندے کا ہوتا ہے جس سے وہ چلنے پھرنے اور بیٹھنے میں نیز اپنا دفاع کرنے اور لڑنے میں مدد لیتا ہے، لیکن یہ علماء اس بات کو قبول نہیں کرتے...... دراصل رسول اللہ ﷺ نے ان پرندوں کا درندوں کے ساتھ تذکرہ کر کے نیز درندوں کے لیے کچلی اور پرندوں کے لیے پنجے کا ذکر کر کے صرف اور صرف ان کے حرام ہونے کی علت اور سبب ہی بیان کیا ہے کہ وہ ان کے ذریعے شکار کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب...... رہا سفید یا مٹیالے رنگ کے بگلے کا مسئلہ تو وہ منہ سے مچھلی وغیرہ کا شکار کرتا ہے، اسی طرح مینا (لالی، شارک) بھی پنجے سے شکار نہیں کرتی، ہمیں تو باوجود کوشش اور جستجو کے بھی کوئی بگلا و مینا پنجے سے شکار کرتے دکھائی نہیں دیا اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل ملی، لہٰذا ان کی حرمت ثابت نہیں ہوئی، یہ الگ بات ہے کہ کسی کا دل کرتا ہے تو انھیں کھالے نہیں کرتا تو نہ کھائے، نیز پرندوں میں سے ہُدہُد اور صُرد یعنی لٹورا بھی حرام ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قتل کرنے ہی سے منع فرمایا دیا ہے۔ (ابوداود: 2567، ابن ماجہ: 3223، مسند احمد: 1/ 332۔ اس کی سند صحیح ہے) لٹورا ایک بڑے سر والا چڑیا جیسا پرندہ ہوتا ہے جو مختلف قسم کے رنگوں کی بنا پر بہت خوبصورت لگتا ہے، عموماً اس کی پشت سبز ہوتی ہے اور جب اڑتا ہے تو لٹو کی طرح گھومتا ہوا بھی محسوس ہوتا ہے اور وہ چھوٹے پرندوں، مینڈکوں اور مکوڑوں کا شکار بھی کرتا ہے۔

5- باب مَا يُكْرَهُ مِنْ أَكْلِ الدَّوَابِّ

ان جانوروں کا بیان جنھیں کھانا مکروہ ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت تو نہیں ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات مذکور ہیں۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: أَنَّ أَحْسَنَ مَا سَمِعَ فِي الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ، أَنَّهَا لَا تُؤْكَلُ، لِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ [النحل: 8] وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْأَنْعَامِ: ﴿لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ [غافر: 79] وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ [الحج: 34] ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ [الحج: 36].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک سب سے اچھی بات جو گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے متعلق سنی گئی ہے، یہ ہے کہ انھیں نہ کھایا جائے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (ان کا مقصد تخلیق سواری اور زینت بیان کرتے ہوئے) فرمایا: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ (النحل 16:8) ''اور (اسی نے) گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا فرمائے) تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت (حاصل کرنے کے لیے بھی انھیں پیدا کیا ہے)۔'' (ان کے مقصد تخلیق میں انھیں کھانا ذکر نہیں کیا گیا جبکہ حلال جانوروں کے تذکرے میں) چوپایوں کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے

فرمایا: ﴿لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ (المؤمن40:79) ''تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج 34:22) ''تاکہ وہ (ذبح کے وقت) ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں اور جو اللہ نے انھیں دیے ہیں۔'' (اور فرمایا:) ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ (الحج 36:22) ''پھر تم ان کا گوشت کھاؤ اور قناعت پسند (نہ مانگنے والے محتاج) اور مانگنے والے (محتاج) کو بھی کھلاؤ۔

فائدہ: ...... باب کے عنوان سے مناسبت والی بات آگے تیسرے فتوی میں آ رہی ہے...... یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے قرآنی آیات میں سے کچھ کچھ اجزاء ذکر کیے ہیں اور ان سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ابتدائی حصہ مندرجہ ذیل آیت کا ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾ (الحج 34:22) ''اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی تاکہ وہ ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انھیں دیے، پھر (سمجھ لوکہ) تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے لہٰذا تم اسی کی فرمانبرداری کرو اور (اے پیغمبر ﷺ) آپ عاجزی کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے۔'' اور آخری حصہ مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ ہے: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ (الحج 22: 36) ''اور قربانی کے اونٹ بھی جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا تمھارے لیے ان میں بھلائی ہے لہٰذا جب وہ (نحر اور قربان ہونے کے لیے) پاؤں بندھے کھڑے ہوں تو تم ان پر اللہ کا نام ذکر کرو، پھر جب ان کے پہلو (زمین پر) گر جائیں تو تم ان کا گوشت کھاؤ اور قناعت پسند اور سوالی کو بھی کھلاؤ۔''...... ان سے ملتی جلتی ایک آیت جو ان سے پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ہے: ﴿لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ (الحج 28:22) ''تاکہ وہ اپنے منافع کے لیے حاضر ہوں اور معلوم ایام میں (ذبح کرتے وقت) ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے اُنھیں دیے ہیں، پھر تم (خود بھی) ان کا گوشت کھاؤ اور ہر لاچار فاقہ کش فقیر کو بھی کھلاؤ۔''

قَالَ مَالِكٌ : وَسَمِعْتُ أَنَّ الْبَائِسَ هُوَ الْفَقِيرُ، وَأَنَّ الْمُعْتَرَّ هُوَ الزَّائِرُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: "اَلْبَائِس" سے مراد فقیر ہی ہے اور "اَلْمُعْتَرّ" سے مراد "زَائِر" (زیارت کے لیے آنے والا شخص) ہے۔

فائدہ: ...... سورۂ حج کی دو آیات میں اُن افراد کے لیے جنھیں قربانیوں کا گوشت کھلانے کا حکم دیا گیا ہے، چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں: ٭اَلْبَائِس ٭اَلْفَقِير (ان دونوں کو موصوف صفت بنا کر ذکر کیا گیا ہے) ٭اَلْقَانِع ٭

اَلْـمُـعْـتَـرّ (ان دونوں کو معطوف علیہ اور معطوف بنا کر ذکر کیا گیا ہے۔) امام مالک رحمہ اللہ نے ان چار الفاظ میں سے دو کی وضاحت کی ہے یعنی اَلْبَائِس اور اَلْمُعْتَرّ کی...... اَلْبَائِس کا لفظ "بُؤْس" سے ماخوذ ہے جس کے معنی تنگدستی، غربت اور تنگ حالی کے ہیں لہٰذا اَلْبَـائِـس سے مراد بھی فقیر، تنگدست اور محتاج شخص ہی ہے، پھر اس سے سخت محتاجی اور خوب تنگدستی آشکار کرنے کے لیے اسے موصوف بنا کر اَلْـفَـقِیْر کے لفظ سے اس کی صفت ذکر کی گئی ہے، یہ تفسیر تو سورۂ حج کی آیت: 28 کے متعلق ہے، بعد ازاں امام مالک رحمہ اللہ نے آیت: 36 کے ایک لفظ کی تفسیر کی ہے، یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک آیت: 36 کے لفظ "اَلْقَانِع" سے مراد بھی فقیر ہی ہے جیسا کہ وہ آگے ایک فتویٰ میں اسے ذکر کریں گے، اس لیے انھوں نے یہاں اس کی تفسیر ذکر نہیں کی اور اس کے مدمقابل دوسرے لفظ "اَلْمُعْتَرّ" کا مفہوم بتایا ہے، اس کے لفظی معنی ہیں: "سوال کیے بغیر احسان چاہنے والا" امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے "زائر" مراد لیا ہے یعنی وہ شخص جو فقیر ہو اور قربانی کرنے والوں کے پاس کوئی بہانہ بنا کر زیارت اور ملاقات کرنے کے لیے آئے لیکن شرم کی بنا پر کچھ نہ مانگے تو ایسے شخص کو بھی اس کے مانگے بغیر ہی کچھ گوشت کھلانا یا ساتھ دے دینا چاہیے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : فَـذَكَـرَ اللّٰـهُ الْخَيْلَ وَالْبِغَـالَ وَالْحَـمِيـرَ لِلرُّكُوبِ وَالزِّينَةِ ، وَذَكَرَ الْأَنْعَامَ لِلرُّكُوبِ وَالْأَكْلِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (سورۂ نحل میں) گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا تذکرہ (صرف دو مقاصد) سواری اور زینت کے لیے کیا ہے اور (سورۂ غافر یعنی سورۂ مومن میں) چوپایوں کا ذکر سواری اور کھانے (کا فائدہ اٹھانے) کے لیے کیا ہے۔

فائدہ :...... یعنی اگرچہ گھوڑے، گدھے اور خچر بھی چوپائے ہی ہیں لیکن ان کا خاص تذکرہ کرکے ان کے جو مقاصد قرآن میں مذکور ہیں ان میں انھیں کھانا شامل نہیں ہے لہٰذا یہ حلال نہیں ہیں، یہی موقف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ہے...... لیکن جمہور کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث مبارکہ بھی چونکہ حجت ہے اور حدیث میں گھوڑوں کی حلت ثابت ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ سورۂ نحل کی آیت مبارکہ میں گھوڑوں وغیرہ کے صرف اور صرف دو بڑے بڑے اور اہم فوائد و مقاصد مذکور ہیں، ان دو کے تذکرے کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کوئی اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا ورنہ تو پھر ان کی تجارت اور خرید و فروخت کو بھی حرام کہنا پڑے گا، یہ دلیل بناتے ہوئے کہ یہاں اس کا بھی ذکر نہیں، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں...... بہرحال احادیث مبارکہ میں گھوڑوں کا گوشت حلال قرار دیا گیا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھانے کی رخصت عطا فرمائی ہے۔ (بـخـاری: 5520) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی عہد نبوی ﷺ میں گھوڑے کا گوشت کھایا۔ (بخاری: 5519) انھی احادیث کی بنا پر، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں اہم شاگرد یعنی) امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اہلحدیث نیز بہت سے احناف کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے اور یقیناً

یہی موقف راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْقَانِعُ هُوَ الْفَقِيرُ أَيْضاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور "اَلْقَانِع" سے مراد بھی فقیر ہی ہے۔

فائدہ: ...... یہ اس وقت ہے جب قانع کو "قَنَعَ يَقْنَعُ قُنُوعاً" باب "فَتَحَ" سے مشتق مانیں جس کے ایک معنی یہ ہیں کہ "عاجزی سے مانگنا پھر جو ملے اُسے لے لینا اور مزید اصرار نہ کرنا" یہ لفظ سورۂ حج کی آیت:36 میں آیا ہے اور اس کے مقابلے میں "اَلْمُعْتَرّ" کا لفظ آیا ہے، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ وہ شخص جو چکر تو لگائے لیکن سوال نہ کرے اور سوال کیے بغیر ہی وہ لوگوں سے احسان کا طلبگار ہو......الغرض "اَلْقَانِع" مانگنے والے فقیر کو اور "اَلْمُعْتَرّ" نہ مانگنے والے فقیر کو کہتے ہیں، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن میسب رحمہ اللہ وغیرہ کی طرف منسوب ہے......جبکہ متعدد مفسرین نے ان دونوں الفاظ کی تفسیر بالکل اُلٹ کی ہے، ان کے نزدیک "اَلْقَانِع" "قَنِعَ يَقْنَعُ قَنَاعَةً" باب سمع سے ماخوذ ہے جس کے معنی قناعت کرنے اور جو تھوڑا بہت ملے اس پر راضی رہنے کے ہیں، یعنی قانع سے مراد نہ مانگنے والا فقیر اور مُعتر سے مراد مانگنے والا فقیر ہے۔

6- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ

مردہ (جانوروں) کے چمڑوں کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین مرفوع روایات (احادیث نبویہ ﷺ) ہیں جن میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[1050] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّهُ قَالَ : مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ مَيِّتَةٍ ، كَانَ أَعْطَاهَا مَوْلَاةً لِمَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : أَفَلَا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا مَيْتَةٌ . فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : إِنَّمَا حُرِّمَ أَكْلُهَا .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے جو آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی کو عطا کی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اس کی کھال نفع کیوں نہیں اٹھایا؟" لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک یہ تو مردار ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کا تو صرف اور صرف کھانا حرام کیا گیا ہے۔"

[1050] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي ازواج النبي ﷺ، حديث: 1492، 2221، 5531، 5532، صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، حديث: 363، ابوداود: 4120، ترمذي: 1727، نسائي: 4240، احمد: 1/ 327(3018)، دارمي: 1988-

فائدہ :......یعنی اس کی کھال سے نفع اٹھانا حرام نہیں کیا گیا لہٰذا مردہ جانور کی کھال سے جائے نماز، مشک، خیمہ، تھیلی، جوتا، موزے، برتن، لباس اور ہتھیار وغیرہ بنائے جا سکتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''تم اس کا کچا چمڑا اتار کر اسے دباغت دے دو۔'' (مسلم: 102/363) یعنی کسی خاص طریقے سے اس کی کھال میں موجود رطوبتیں ختم کر دو جو کھال کی خرابی کا باعث بنتی ہیں جیسا کہ کھال کو ابتداء نمک لگاتے ہیں...... یہ بکری پھینکی ہوئی پڑی تھی۔ (مسلم: 102/363) آپ ﷺ نے زکاۃ کے مال میں سے یہ بکری اسے دی تھی۔ (بخاری: 1492، مسلم: 101/363) معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے غلاموں اور لونڈیوں پر صدقہ جائز ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر بھی صدقہ کیا گیا تھا۔ (بخاری: 5097، مسلم: 1504) لیکن خود رسول اللہ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے خاندان یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے غلاموں پر صدقہ و زکاۃ نہیں لگتی۔ (ابو داود: 1650، ترمذی: 657، نسائی: 2613۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1051] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ وَعْلَةَ الْمِصْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا دُبِغَ الإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کچے چمڑے کو رنگ دیا جائے تو یقیناً وہ پاک ہو جاتا ہے۔''

فائدہ :...... چمڑے کو رنگنے اور دباغت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسے مختلف مسالے لگا کر صاف کر لیا جائے جس سے اس کے بال بھی اتر جائیں اور وہ رطوبتوں اور جراثیموں سے پاک ہو کر دیر تک استعمال کے قابل ہو جائے۔ کون سا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اس بارے میں کئی اقوال ہیں: (1) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک انسان اور خنزیر کے علاوہ ہر جانور کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ (2) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک انسان، خنزیر اور کتے کے سوا ہر جانور کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا نہ۔ یہ موقف حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (3) عبداللہ بن مبارک اوزاعی، ابوثور اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ وغیرہ صرف ماکول اللحم جانور کا چمڑا پاک ہونے کے قائل ہیں۔ (4) حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، امام احمد رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی بھی چمڑا رنگنے سے پاک نہیں ہوتا اور یہ درندوں کے چمڑوں کے بارے میں رائے ہے۔ (ترمذی: 1728) (5) داود ظاہری، ابن حزم رحمہ اللہ، اہل ظاہر، امام شوکانی رحمہ اللہ، صنعانی رحمہ اللہ اور عبدالرحمٰن

[1051] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب طهارة جلود المیتة بالدباغ، حدیث: 366، سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی اهب المیتة، حدیث: 4123، ترمذی: 1728، نسائی: 4246، ابن ماجه: 3609، احمد: 1/ 219(1895)، دارمی: 1985۔

مبارکپوری رحمہ اللہ کے نزدیک ہر کوئی چمڑا پاک ہوجاتا ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے: (أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ) ''جونسا چمڑہ بھی رنگ دیا جائے تو وہ یقیناً پاک ہوجاتا ہے اور یہی راجح ہے۔'' (ترمذی: 1728، نسائی: 4246، ابن ماجہ: 3609۔ اس کی سند صحیح ہے) واللہ اعلم بالصواب۔

[1052] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ ، عَنْ أُمِّهِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ أَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ مردار کے چمڑوں سے فائدہ اٹھایا جائے جس وقت کہ انھیں دباغت دے دی جائے۔

7- بَابٌ : مَا جَاءَ فِيمَنْ يُضْطَرُّ إِلَى أَكْلِ الْمَيْتَةِ

اس شخص کا بیان جو مردار کھانے پر مجبور ہوجائے

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرة 2:173) ''اللہ نے تو تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیزیں حرام کی ہیں جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، پھر جو شخص مجبور ہوجائے جبکہ وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔'' یاد رہے کہ مضطر اور مجبور و لاچار شخص سے مراد صرف وہ ہے جسے بھوک کی وجہ سے موت کا یقین ہو۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ : أَنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي الرَّجُلِ يُضْطَرُّ إِلَى الْمَيْتَةِ ، أَنَّهُ يَأْكُلُ مِنْهَا حَتَّى يَشْبَعَ ، وَيَتَزَوَّدُ مِنْهَا ، فَإِنْ وَجَدَ عَنْهَا غِنًى طَرَحَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک سب سے بہتر بات جو مردار کھانے کی طرف مجبور ہوجانے والے شخص کے متعلق سنی گئی ہے، یہ ہے کہ بے شک وہ اس میں سے کھا سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ سیر ہوجائے اور وہ اس میں سے زاد راہ بھی بنا سکتا ہے، پھر (بعد میں) اگر اس کو اس کی ضرورت نہ رہے (اور حلال کھانا دستیاب ہوجانے کی وجہ سے اس زاد راہ سے

[1052] (مرفوع ضعیف) سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی اهب المیتة، حدیث: 4124، سنن النسائی، کتاب الفرع والعتیرة، باب الرخصة فی الاستمتاع بجلود المیتة اذا دبغت، حدیث: 4257، ابن ماجه: 3612، احمد: 6/ 73 (24951)، دارمی: 1987، ابن حبان: 3/ 102(1286)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

بے نیاز ہوجائے) تو اسے پھینک دے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ، عَنِ الرَّجُلِ يُضْطَرُّ إِلَى الْمَيْتَةِ، أَيَأْكُلُ مِنْهَا وَهُوَ يَجِدُ ثَمَرَ الْقَوْمِ، أَوْ زَرْعاً، أَوْ غَنَماً بِمَكَانِهِ ذَلِكَ؟ قَالَ مَالِكٌ: إِنْ ظَنَّ أَنَّ أَهْلَ ذَلِكَ الثَّمَرِ أَوِ الزَّرْعِ أَوِ الْغَنَمِ يُصَدِّقُونَهُ بِضَرُورَتِهِ، حَتَّى لاَ يُعَدَّ سَارِقاً فَتُقْطَعَ يَدُهُ، رَأَيْتُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ أَيِّ ذَلِكَ وَجَدَ مَا يَرُدُّ جُوعَهُ، وَلاَ يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْئاً، وَذَلِكَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَأْكُلَ الْمَيْتَةَ، وَإِنْ هُوَ خَشِيَ أَنْ لاَ يُصَدِّقُوهُ، وَأَنْ يُعَدَّ سَارِقاً بِمَا أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ، فَإِنَّ أَكْلَ الْمَيْتَةِ خَيْرٌ لَهُ عِنْدِي، وَلَهُ فِي أَكْلِ الْمَيْتَةِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ سَعَةٌ، مَعَ أَنِّي أَخَافُ أَنْ يَعْدُوَ عَادٍ، مِمَّنْ لَمْ يُضْطَرَّ إِلَى الْمَيْتَةِ، يُرِيدُ اسْتِجَازَةَ أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ، وَزُرُوعِهِمْ وَثِمَارِهِمْ بِذَلِكَ بِدُونِ اضْطِرَارٍ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مردار کھانے کی طرف مجبور ہوجاتا ہے تو کیا وہ اس (مردار) میں سے کھاسکتا ہے حالانکہ وہ اپنی اسی جگہ لوگوں کے (باغ کا) پھل، کھیتی یا بکریوں کو پارہا ہو (تو کیا وہ بلا اجازت ان چیزوں سے اپنی بھوک مٹائے یا مردار ہی کھائے؟) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر وہ یہ گمان رکھتا ہو کہ اس پھل، کھیتی یا بکریوں کے مالک اُسے اس کی مجبوری میں سچا سمجھیں گے تاکہ اُسے چور نہ سمجھ لیا جائے کہ پھر (چوری کے الزام میں) اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، (تو اگر چور سمجھے جانے کا اندیشہ نہ ہو تو) تو میں (یہی درست) سمجھتا ہوں کہ وہ ان چیزوں میں سے جسے بھی پالے اُس میں سے اتنا کھالے جو اس کی بھوک مٹادے اور وہ اس میں سے کچھ اٹھا کر نہ لے جائے اور میرے نزدیک یہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ مردار کھائے، اور اگر اسے یہ خطرہ ہو کہ وہ اسے سچا نہ جانیں گے اور اسے اس مال کی بنا پر چور شمار کریں گے جو اس نے ان چیزوں میں سے حاصل کیا ہے تو پھر اس کے لیے مردار کو کھانا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اور اس کے لیے اس مذکورہ (پہلی) صورت کے باوجود بھی مردار کھانے کی گنجائش موجود ہے، نیز مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ (لوگوں کے مال کھانے کی اگر اجازت دے دی گئی تو ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا اس طرح پر کہ) کوئی حد سے بڑھنے والا شخص جوان لوگوں میں سے نہیں جو مردار کھانے کی طرف مجبور ہوتے ہیں، وہ اس بہانے سے بغیر کسی مجبوری واضطرار کے لوگوں کے مال، کھیتیاں اور پھل حاصل کرنے کا جواز نکال لے گا۔

قَالَ مَالِكٌ وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب سے بہترین فتویٰ ہے جو میں نے (اس بارے میں) سنا ہے۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ نے مجبور لوگوں کو دوسرے کے مالوں سے بھوک مٹانے کی کھلی اجازت نہیں دی بلکہ اس میں شرائط لگائی ہیں، کیونکہ کھلی اجازت مل جاتی تو بدمعاش اور بدقماش لوگ اسے بہانہ بنا کر لوگوں کے مال چٹ

کر جاتے...... موطا امام احمد رحمہ اللہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے اس فتوے میں یہ وضاحت بھی ہے کہ پھل اور کھیتی اگر درخت یا فصل پر قائم ہو جس میں سے بقدر ضرورت کھا لینے پر ہاتھ نہیں کٹتا (جیسا کہ حدیث میں ہے ابو داود: 2619، 4388، ترمذی: 1287، 1296، 1449، نسائی: 4963-4973، ابن ماجہ: 2301، 2593۔ ان کی سندیں حسن ہیں) تو یہ مجبور شخص اُسے کھا سکتا ہے بشرطیکہ کسی کو پتا نہ چلنے دے اور اگر وہ پھل اور اناج محفوظ کر کے کھلیان میں رکھ دیا گیا ہو تو پھر چوری کے الزام میں ہاتھ کٹنے کا خطرہ ہے۔ (ابو داود: 1710، 4390، نسائی: 4961، 4962، ابن ماجہ: 2596۔ اس کی سندیں حسن یا صحیح ہیں) اس لیے اس میں سے صرف اس وقت ہی کھائے جب اُسے یہ قوی امید ہو کہ لوگ اسے چور نہ کہیں گے۔

25

كِتَابُ الْعَقِيقَةِ

عقیقے کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں دو ابواب اور سات روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع یعنی احادیث نبویہ ﷺ، تین موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور دو مقطوع یعنی آثار تابعین رحمہم اللہ ہیں، ان تمام میں سے صرف دو موقوف روایات ضعیف اور باقی صحیح ہیں، نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

فائدہ:...... عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے بعد ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے اور یہ دراصل اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمت اولاد کا شکرانہ ہوتا ہے، جمہور کے نزدیک یہ ایک اہم سنت مؤکدہ ہے البتہ اہل ظاہر اسے واجب جبکہ احناف اسے صرف مباح کا درجہ دیتے ہیں، جمہور کا موقف راجح ہے، سنت عمل تو یہی ہے کہ پیدائش کے بعد ساتویں دن عقیقہ کیا جائے لیکن اگر کوئی شخص اس دن وسعت نہ پائے تو بعد میں وسعت ملنے پر عقیقہ کر سکتا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے: ''بچے کے ساتھ عقیقہ لازم ہوتا ہے لہٰذا اس کی طرف سے ایک جانور کا خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو (یعنی سر منڈاؤ)۔'' (بخاری: 5477) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی رکھا ہوا ہے، پیدائش سے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کے بال منڈوائے جائیں۔'' (ابو داود: 2838، ترمذی: 1522، نسائی: 4225، ابن ماجہ: 3165۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

1- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْعَقِيقَةِ

عقیقے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو سنداً صحیح ہے اور دو موقوف ہیں اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں۔

[1053] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي ضَمْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْعَقِيقَةِ، فَقَالَ: لَا أُحِبُّ الْعُقُوقَ وَكَأَنَّهُ إِنَّمَا كَرِهَ الِاسْمَ، وَقَالَ: مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ، فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهِ فَلْيَفْعَلْ.

بنوضمرہ کے ایک شخص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عقیقے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ''عُــقُــوْق'' (ماں باپ کی نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا۔'' گویا آپ ﷺ نے یہ نام ناپسند جانا اور فرمایا: ''جس شخص کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو، پھر وہ پسند کرے کہ اپنے بچے کی طرف سے جانور قربان کرے تو اسے (ایسا) کرلینا چاہیے۔''

فائدہ: ...... بالکل اسی طرح ہی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے اوراس میں یہ مزید تفصیل بھی ہے کہ جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو، پھر وہ اس کی طرف سے جان قربان کرنا چاہے تو بچے کی طرف سے دوملتی جلتی بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری کرے۔'' (ابوداود:2842، نسائی: 4217، احمد: 2/ 182، حاکم: 4/ 238۔اس کی سند حسن ہے۔)......عقیقہ کالفظ ''عَقَّ يَعُقُّ عَقًّا'' سے ماخوذ ہے،اسی مادے سے عُقُوْق لفظ بھی مستعمل ہے جو ماں باپ کی نافرمانی، بدسلوکی اور قطع تعلقی کے لیے استعمال ہوتا ہے،اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ''عقیقہ'' لفظ پسند نہ کیا اوراس جگہ آپ ﷺ نے عقیقہ کے لئے نُسُك (قربانی) کا لفظ استعمال فرمایا ہے: ''اَحَبَّ'' کے لفظ سے ثابت ہوا کہ عقیقہ کی حیثیت مستحب عمل کی ہے اوردوسری روایات میں چونکہ اس کی تاکید بھی کی گئی ہے اس لیے جمہور اسے سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں۔

[1054] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: وَزَنَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَعَرَ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ، وَزَيْنَبَ وَأُمِّ كُلْثُومٍ، فَتَصَدَّقَتْ بِزِنَةِ ذٰلِكَ فِضَّةً.

جعفر بن محمد رحمہ اللہ (المعروف جعفر صادق) اپنے والد (محمد المعروف باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما، سیدہ زینب اورسیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما (کی ولادتوں کے موقع پران) کے بالوں کاوزن

[1053] (مرفوع صحیح لغیرہ) احمد: 5/ 369 (23522)، بیہقی فی السنن الکبری: 9/ 300 (19275)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 240، 5698، ابن ابی شیبہ: 8/ 237، ابونعیم اصبہانی فی معرفة الصحابہ: 7103۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ اور شیخ احمد علی سلیمان نے صحیح کہا ہے۔

[1054] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 9/ 304، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 239 (5697)، احمد: 6/ 390، نیز دیکھیے ترمذی: 1519۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

کیا، (جو ساتویں روز مونڈے گئے تھے) پھر ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔

[1055] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، أَنَّهُ قَالَ: وَزَنَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَعَرَ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ، فَتَصَدَّقَتْ بِزِنَتِهِ فِضَّةً.

محمد (باقر رحمہ اللہ) بن علی (زین العابدین رحمہ اللہ) بن حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کا وزن کیا اور ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔

فائدہ: ...... یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بکری کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور فرمایا: ''اے فاطمہ! اس کا سر مونڈ دو اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔'' چنانچہ ان کا وزن ایک درہم (کے برابر) یا اس کا کچھ حصہ تھا۔ (ترمذی: 1519، ارواء الغلیل: 1175۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے، نیز دیکھیے مسند احمد: 6/ 390، بیہقی: 9/ 304۔ اس کی سند بھی حسن ہے) ایک درہم کا وزن تین ماشہ 1/5، 1 رتی 3.061 گرام ہوتا ہے۔

2- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي الْعَقِيقَةِ

عقیقے کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی ﷺ)، ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں اور سب کی سندیں صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

[1056] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يَسْأَلُهُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهِ عَقِيقَةً إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهَا، وَكَانَ يَعُقُّ عَنْ وَلَدِهِ بِشَاةٍ شَاةٍ، عَنِ الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر والوں میں سے کوئی بھی ان سے عقیقے کا سوال کرتا تو وہ اسے عقیقہ (کا جانور) دے دیتے اور وہ اپنی اولاد کی طرف سے ایک ایک بکری عقیقے میں دیتے، لڑکوں کی طرف سے بھی اور لڑکیوں کی طرف سے بھی۔

[1055] (موقوف ضعیف) بیہقی: 9/ 304۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1056] (موقوف صحیح) بیہقی: 9/ 302 (19284)، عبدالرزاق: 4/ 331 (7964)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

فائدہ : ......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سنت کے پرچار کے لیے ایسا کرتے تھے بعض شارحین نے یہ معنی کیے ہیں کہ جوان سے یہ مسئلہ پوچھے سووہ اسے عقیقہ کرنے کا حکم دے دیتے لیکن راجح معنی یہی ہیں کہ وہ عقیقہ کا جانور اپنے پاس سے اُسے دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت میں یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ کیا۔ (ابوداود:2841، عبدالرزاق:7862۔ اس کی سند صحیح ہے) اس لیے لڑکے کی طرف سے ایک جانور ذبح کرنا بھی کافی ہے لیکن دو جانور مستحب ہیں جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔

[1057] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: تُسْتَحَبُّ الْعَقِيقَةُ وَلَوْ بِعُصْفُورٍ.

محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (ابراہیم بن حارث رحمہ اللہ) کو سنا، وہ فرماتے تھے عقیقے کو مستحب سمجھا جاتا ہے، خواہ ایک چڑیا ہی کے ساتھ ہو۔

فائدہ : ......گویا اللہ کا شکر ادا کرنا ہے، اگر کچھ اور نہیں تو چڑیا پکڑ کر اللہ کے نام پر ذبح کردی جائے...... یاد رہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے چڑیا کا لفظ محض مبالغہ کے طور پر استعمال کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ جیسے بھی ہو عقیقہ ضرور کرنا چاہیے ورنہ بکری سے کم عقیقہ تو بالکل درست نہیں۔

[1058] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّهُ عُقَّ عَنْ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ ابْنَيْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو خبر پہنچی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دونوں کے بیٹوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ کیا گیا تھا۔

[1059] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: أَنَّ أَبَاهُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَعُقُّ عَنْ بَنِيهِ، الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ بِشَاةٍ شَاةٍ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد عروہ بن زبیر رحمہ اللہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف سے ایک ایک بکری کا عقیقہ کرتے تھے۔

[1057] (مقطوع صحيح) الشافعي في الام: 7/ 217، بيهقي في معرفة السنن والآثار: 7/ 241 (5700)، ابن ابی شيبه: 14227۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1058] (مرفوع صحيح لغيره) سنن ابی داود، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، حديث: 2841، سنن النسائی، كتاب العقيقة، باب كم يعق عن الجارية، حديث: 4219۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1059] (مقطوع صحيح) بيهقي: 9/ 302 (19285)، ابن ابی شيبه: 24240۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

فائدہ:...... امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو دو بکریاں ہی کی جائیں گی، اہلحدیث کے نزدیک اگرچہ ایک ایک بکری لڑکے کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کی طرف سے دو مینڈھے یا بکریاں ذبح کی جائیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں زیادہ بہتر سند کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو مینڈھے قربان کیے۔ (نسائی: 4224، اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل: 1164) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری کا حکم فرمایا۔ (ابو داود: 2842، نسائی: 4217، مسند احمد: 2/ 182، اس کی سند صحیح ہے۔) سیدہ ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے گی خواہ یہ (بکری کی نسل سے جانور) نر ہو یا مادہ، تمھیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔'' (ابو داود: 2834 - 2836، نسائی: 4223، ارواء الغلیل: 4/ 390، صحیح موارد الظمآن: 885، اس کی سند صحیح ہے۔) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لڑکے کی طرف سے دو باہم مشابہ بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا حکم دیا۔ (ترمذی: 1513، اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْعَقِيقَةِ : أَنَّ مَنْ عَقَّ، فَإِنَّمَا يَعُقُّ عَنْ وَلَدِهِ بِشَاةٍ شَاةٍ، الذُّكُورِ وَالإِنَاثِ، وَلَيْسَتِ الْعَقِيقَةُ بِوَاجِبَةٍ، وَلَكِنَّهَا يُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ بِهَا، وَهِيَ مِنَ الأَمْرِ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ النَّاسُ عِنْدَنَا، فَمَنْ عَقَّ عَنْ وَلَدِهِ، فَإِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ النُّسُكِ وَالضَّحَايَا، لاَ يَجُوزُ فِيهَا عَوْرَاءُ، وَلاَ عَجْفَاءُ، وَلاَ مَكْسُورَةٌ، وَلاَ مَرِيضَةٌ، وَلاَ يُبَاعُ مِنْ لَحْمِهَا شَيْءٌ وَلاَ جِلْدُهَا، وَيُكْسَرُ عِظَامُهَا، وَيَأْكُلُ أَهْلُهَا مِنْ لَحْمِهَا، وَيَتَصَدَّقُونَ مِنْهَا، وَلاَ يُمَسُّ الصَّبِيُّ بِشَيْءٍ مِنْ دَمِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: عقیقے کے متعلق ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک جو شخص بھی عقیقہ کرے تو وہ اپنی اولاد خواہ مذکر ہو یا مؤنث سب کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرے اور عقیقہ واجب نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا مستحب ہے اور یہ عقیقہ ان معاملات میں سے ہے جن پر ہمارے ہاں لوگ مسلسل عمل کرتے چلے آرہے ہیں، چنانچہ جو شخص اپنی اولاد کی جانب سے عقیقہ کرے تو بلاشبہ یہ عقیقہ تو ہدی کے جانوروں اور قربانیوں ہی کی مانند ہے، اس میں بھی نہ کانا (جانور) جائز ہے نہ دبلا اور لاغر نہ سینگ ٹوٹا ہوا اور نہ ہی مریض، اور نہ اس کے گوشت میں سے کچھ بیچا جائے گا اور نہ اس کی کھال سے، اور اس کی ہڈیاں توڑی جائیں گی اور اس کے گھر والے اس کے گوشت میں سے خود بھی کھائیں گے اور اس سے صدقہ بھی کریں گے اور بچے کو اس کے خون میں سے کچھ بھی نہ لگایا جائے گا۔

فائدہ:...... دور جاہلیت میں عقیقے کے جانور کی ہڈیاں نہ توڑتے تھے اس اندیشے سے کہ کہیں اس کا برا اثر

بچے پر نہ پڑ جائے، چنانچہ اسلام نے اس بدشگونی اور بدفالی سے منع فرمایا، جانور کی ہڈیاں توڑنے سے بچے پر کوئی مصیبت نہیں آتی، اسی طرح دور جاہلیت میں جانور کا خون بچے کے سر پر لگاتے تھے، اسلام نے اس عمل کو بھی درست نہیں سمجھا......امام مالک رحمہ اللہ کا عقیقے کو قربانی سے تشبیہ دینا یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ عقیقہ صرف بیل اور اونٹ کا بھی دیا جا سکتا ہے اور واقعی جمہور اسی کے قائل ہیں، لیکن محققین اہلحدیث کے نزدیک عقیقہ صرف بکری اور بھیڑ اور دنبے کی نسل ہی سے ہو سکتا ہے جن پر لفظ ''شاۃ'' وغیرہ بولا جاتا ہے کیونکہ صحیح احادیث میں صرف انھی کا تذکرہ ہے، کسی بھی صحیح حدیث میں اونٹ یا گائے کے ساتھ عقیقہ کرنا مذکور نہیں ہے۔

جس روایت میں ان کا ذکر ہے اس کی سند میں مسعدہ بن یسع کذاب راوی ہے۔ (مجمع الزوائد: 4/ 61، فتح البـــاری: 11 / 11) رہا شرائط کا مسئلہ تو مالکیہ اور حنابلہ ان میں قربانی کی شرائط لگاتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی شرط منقول نہیں ہے، سوائے اس کے کہ لڑکے پر جو دو چھوٹے جانور ذبح کرنا ہوں تو وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں یعنی دونوں کی عمریں اور قد کاٹھ وغیرہ تقریباً برابر ہو، دونوں مذکر ہوں یا مونث، دونوں کی جنس ایک ہو یعنی دونوں بکری، بھیڑ یا دنبے کی نسل سے ہوں۔

26

كِتَابُ الضَّحَايَا

قربانیوں کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں چھ ابواب اور چودہ روایات ہیں جن میں سے آٹھ مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ) اور چھ موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ایک موقوف روایت جو سنداً ضعیف ہے کے سوا باقی سب صحیح ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... دس ذوالحج، عیدالاضحیٰ کے دن اور اس کے بعد والے قربانی کے دنوں میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے مخصوص شرائط کے مطابق ذبح کیا جانے والا جانور ''قربانی'' کہلاتا ہے جسے عربی میں ''ضَحِيَّةٌ'' کہتے ہیں، اسی کی جمع ''ضَحَايَا'' ہے، قربانی کو اُضْحِيَّةٌ اور إِضْحِيَّةٌ بھی کہتے ہیں جن کی جمع اَضَاحِي ہے اور اَضْحَاةٌ بھی کہتے ہیں جس کی جمع اَضْحیٰ ہے۔ قربانی کی مشروعیت قرآن، حدیث اور اجماع سب سے ثابت ہے...... احناف کے نزدیک ہر صاحب استطاعت پر قربانی واجب ہے جبکہ باقی تمام ائمہ وفقہاء اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں کیونکہ احادیث میں اس کے لیے ''سنت'' کا لفظ وارد ہوا ہے۔ (بخاری: 5545) چنانچہ امام بخاری نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: (بَابُ سُنَّةِ الْأُضْحِيَّةِ) ''قربانی کی سنت کا بیان''۔ انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی پیش کیا ہے کہ: (هِيَ سُنَّةٌ وَ مَعْرُوْفٌ) ''یہ سنت اور معروف یعنی نیکی والا عمل ہے۔'' امام ترمذی نے بھی اسے سنت قرار دیا ہے۔ (ترمذی: 1506) بہرحال اس عمل پر خوب زور اور اس میں بہت تاکید کی گئی ہے، فرمان نبوی ہے: ''لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی (ضروری) ہے۔'' (ابوداود: 2788، ترمذی: 1518، ابن ماجہ: 3125، اس کی سند صحیح ہے۔) نیز فرمایا: ''جس شخص کے پاس وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ آئے۔'' (ابن ماجہ: 3123، احمد: 2/ 331۔ اس کی سند صحیح ہے) یہ حدیث اور اس سے پہلے ابن ماجہ والی حدیث کا تقاضا تو یہی ہے کہ وسعت والے شخص پر قربانی ضروری ہے۔ سورۂ کوثر میں بھی ''وانحر'' ''اور قربانی کر'' حکم آیا ہے۔ باقی رہا اس لیے ''سنۃ'' کا لفظ تو اس کا مفہوم ہے ایک مشروع کام یہ وجوب کے منافی نہیں۔ نیز ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔ (ترمذی: 1505، ابن ماجہ: 3147۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

1- بَابٌ: مَايُنْهٰى عَنْهُ مِنَ الضَّحَايَا

ان قربانیوں کا بیان جو ممنوع ہیں

خلاصۃ الباب اس باب دو روایات ہیں،ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

[1060] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ فَيْرُوزَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقَى مِنَ الضَّحَايَا؟ فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَقَالَ: أَرْبَعاً وَكَانَ الْبَرَاءُ يُشِيرُ بِيَدِهِ وَيَقُولُ: يَدِي أَقْصَرُ مِنْ يَدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: الْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا، وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کن قربانیوں سے بچا جائے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''چار (جانوروں سے)''۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بھی اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے اور کہتے کہ میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے چھوٹا ہے یا کم درجے کا ہے۔(آپ ﷺ نے فرمایا:) ''ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور ایسا کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، ایسا بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو اور ایسا لاغر کمزور جانور جس (کی ہڈیوں) میں گودا نہ ہو۔''

فائدہ :...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کان اور آنکھ کو اچھی طرح دیکھنے کا حکم فرمایا اور جس جانور کا کان کنارے سے یا جڑ سے لمبائی میں یا گولائی میں کٹا ہوا ہو، اسے چیرا گیا ہو، اس میں سوراخ کیا گیا ہو، ان سب سے منع فرمایا۔ (ابو داود: 2804، ترمذی: 1498، نسائی: 4377، ابن ماجہ: 3142۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1061] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَّقِي مِنَ الضَّحَايَا وَالْبُدْنِ الَّتِي لَمْ تُسِنَّ، وَالَّتِي نَقَصَ مِنْ خَلْقِهَا.

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان قربانیوں اور ہدی کے اونٹوں سے بچتے تھے جو دو دانتے نہ ہوتے تھے اور جن کی خلقت میں نقص ہوتا تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

[1060] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، كتاب الضحايا، باب مايكره من الضحايا، حديث: 2802، جامع الترمذی، كتاب الاضاحی، باب مالايجوز من الاضاحی، حديث: 1497، نسائی: 4374، ابن ماجه: 3144، احمد: 4/ 284 (18704)، دارمی: 1949۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1061] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

فائدہ: ...... ناقص الخلقت جانور سے بچنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی عمل ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ نے چند مخصوص عیوب ہی سے منع فرمایا ہے، چنانچہ جانوروں میں انھی شرعی عیوب سے بچنا لازم ہے، یہ الگ بات ہے کہ آدمی اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے خوبصورت سے خوبصورت ترین جانور خریدے، چنانچہ کسی جانور کے تھن زیادہ ہوں یا کم، یا بڑے چھوٹے ہوں، یا کوئی جانور مخنث ہو یعنی اس میں مذکر ومؤنث دونوں کی علامات ہوں یا دونوں نہ ہوں وغیرہ، تو یہ شرعی عیوب شمار نہیں ہیں...... رہا دودانتے کا مسئلہ تو اس بارے میں یہ صریح فرمان نبوی ﷺ موجود ہے: ((لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ)) ''دوندے کے علاوہ کوئی جانور (قربانی میں) ذبح نہ کرو، الا یہ کہ وہ (مہنگائی یا قلت کی وجہ سے حاصل کرنا) تم پر مشکل ہو جائے تو پھر تم بھیڑ (یا دنبے) کی نسل سے کھیرا جانور کر سکتے ہو۔'' (مسلم: 1963) اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ کھیرا جانور صرف اس وقت جائز ہے جب دودانتا (دوندا) جانور نہ مل سکے اور دوسری یہ کہ کھیرا جانور صرف اور صرف دنبے یا بھیڑ کی نسل سے درست ہے، باقی سے نہیں۔

2- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَمَّنْ ذَبَحَ الضَّحِيَّةَ قَبْلَ انْصِرَافِ الْإِمَامِ

امام کے نمازِ عید سے فارغ ہونے سے پہلے قربانی ذبح کرنے کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات ہیں اور یہ دونوں احادیث نبویہ سنداً صحیح ہیں۔

[1062] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ أَبَا بُرْدَةَ بْنَ نِيَارٍ ذَبَحَ ضَحِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الأَضْحَى، فَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يَعُودَ بِضَحِيَّةٍ أُخْرَى. قَالَ أَبُو بُرْدَةَ: لَا أَجِدُ إِلَّا جَذَعاً يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: وَإِنْ لَمْ تَجِدْ إِلَّا جَذَعاً فَاذْبَحْ.

بشیر بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی ذبح کر لی، پہلے اس سے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرتے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم فرمایا کہ دوسری قربانی کریں، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اور کوئی جانور نہیں پاتا سوائے (بکری کی نسل سے) ایک کھیرے جانور کے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور اگر تم (اس) کھیرے جانور کے سوا کچھ نہیں پاتے ہو تو (اسی کو) ذبح کر لو۔''

فائدہ: ......اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا: ((وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ)) ''اور یہ (بکری کی نسل

[1062] (مرفوع صحیح) سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب ذبح الضحیۃ قبل الامام، حدیث: 4402، احمد: 3/ 466 (15924)، دارمی: 1963، ابن حبان: 13/ 226 (5902)، بیہقی: 9/ 263- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (صحیح موارد الظمآن: 878)

سے کھیرا جانور) تیرے بعد کسی سے کفایت نہیں کرے گا۔'' (بخاری:955، مسلم:5/1961) اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بھی کھیرا بکرا ذبح کرنے کی خاص اجازت ملی تھی۔ (بخاری:5555، مسلم:1965) اور آپ ﷺ نے ان سے بھی فرمایا تھا کہ ''تیرے بعد اس میں کسی کے لیے رخصت نہیں ہے۔'' (بیہقی:9/270۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ رخصت ثابت ہے۔ (ابو داود:2798، اس کی سند صحیح ہے۔)

[1063] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، أَنَّ عُوَيْمِرَ بْنَ أَشْقَرَ ذَبَحَ ضَحِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ يَوْمَ الأَضْحَى، وَأَنَّهُ ذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَعُودَ بِضَحِيَّةٍ أُخْرَى.

عباد بن تمیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عویمر بن اشقر رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ کے دن صبح (عید کے لیے) نکلنے سے قبل ہی اپنی قربانی ذبح کر لی، پھر بلاشبہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے انھیں دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا۔

3- بَابٌ: مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الضَّحَايَا

ان قربانیوں کا بیان جو مستحب ہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت ہے اور یہ اثر صحابی رضی اللہ عنہ سنداً صحیح ہے۔

[1064] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ضَحَّى مَرَّةً بِالْمَدِينَةِ. قَالَ نَافِعٌ: فَأَمَرَنِي أَنْ أَشْتَرِيَ لَهُ كَبْشاً فَحِيلاً أَقْرَنَ، ثُمَّ أَذْبَحَهُ يَوْمَ الأَضْحَى فِي مُصَلَّى النَّاسِ. قَالَ نَافِعٌ: فَفَعَلْتُ، ثُمَّ حُمِلَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ حِينَ ذُبِحَ الْكَبْشُ، وَكَانَ مَرِيضاً لَمْ يَشْهَدِ الْعِيدَ مَعَ النَّاسِ. قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار مدینہ میں قربانی کی، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لیے ایک مینڈھا خرید کر لاؤں جو نر ہو (خصی نہ ہو اور) سینگوں والا ہو، پھر میں اُسے لوگوں کی عیدگاہ میں عید الاضحیٰ کے دن ذبح کروں، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا پھر اس مینڈھے کو اٹھا کر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، چنانچہ جب مینڈھا ذبح کر دیا گیا تو انھوں نے اپنا سر مونڈ لیا، اس

[1063] (مرفوع صحیح لغیرہ) سنن ابن ماجه، كتاب الاضاحی، باب النهی عن ذبح الضحية قبل الصلاة، حدیث: 3153، احمد: 3/ 454(15854)4/ 341(19210)، بیہقی: 9/ 263۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1064] (موقوف صحیح) بیہقی: 9/ 288(19190)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

بْنُ عُمَرَ يَقُولُ: لَيْسَ حِلَاقُ الرَّأْسِ بِوَاجِبٍ عَلَى مَنْ ضَحَّى. وَقَدْ فَعَلَهُ ابْنُ عُمَرَ.

وقت وہ بیمار تھے (اور) مسلمانوں کے ہمراہ نماز عید کے لیے بھی حاضر نہ ہو سکے تھے، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے قربانی کی اس پر سر منڈانا واجب نہیں، (اور) خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کام (استحباباً) کیا تھا۔

فائدہ: ...... دراصل قربانی کا ارادہ رکھنے والوں کے لیے ذوالحج کا چاند چڑھتے ہی بال اور ناخن کاٹنا ممنوع ہو جاتا ہے۔ (مسلم: 1977) اور قربانی کرتے ہی یہ ممانعت ختم ہو جاتی ہے، اب جس کا دل کرے وہ حجامت کرائے اور جو چاہے نہ کرائے۔

4- بَابٌ: اِدِّخَارُ لُحُوْمِ الضَّحَايَا

قربانیوں کے گوشت ذخیرہ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[1065] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: كُلُوا، وَتَصَدَّقُوا، وَتَزَوَّدُوا، وَادَّخِرُوا.

حضرت جابر بن عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے (ایک سال) قربانیوں کے گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمادیا پھر اس کے بعد (اگلے سال) فرمایا: ''(انھیں) کھاؤ، صدقہ کرو، زادراہ بناؤ اور ذخیرہ کرلیا کرو۔''

[1066] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَاقِدٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ عبداللہ بن واقد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے قربانیوں کے گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمایا، عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ بنت عبدالرحمن رحمہا اللہ کے سامنے اس کا

[1065] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب وماياكل من البدن وما يتصدق، حديث: 1719، صحيح مسلم، كتاب الاضاحي، باب بيان ماكان من النهي عن اكل لحوم الاضاحي، حديث: 1972، نسائي: 4431، احمد: 3/ 388 (15235)۔

[1066] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الاضاحي، باب بيان ماكان من النهي عن اكل لحوم الاضاحي، حديث: 1971، سنن ابي داود، كتاب الضحايا، باب حبس لحوم الاضاحي، حديث: 2812، نسائي: 4436، احمد: 6/ 51 (24753)۔

الرَّحْمَنِ، فَقَالَتْ: صَدَقَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: دَفَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ حَضْرَةَ الأَضْحَى فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ادَّخِرُوا لِثَلاثٍ، وَتَصَدَّقُوا بِمَا بَقِيَ قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ، قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، لَقَدْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَفِعُونَ بِضَحَايَاهُمْ، وَيَجْمِلُونَ مِنْهَا الْوَدَكَ، وَيَتَّخِذُونَ مِنْهَا الأَسْقِيَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: وَمَا ذَلِكَ؟ أَوْ كَمَا قَالَ. قَالُوا: نَهَيْتَ عَنْ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلاثٍ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ عَلَيْكُمْ، فَكُلُوا، وَتَصَدَّقُوا، وَادَّخِرُوا. يَعْنِي بِالدَّافَّةِ: قَوْماً مَسَاكِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ.

تذکرہ کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس (عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے، (پھر عمرہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ) میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ صحرا (جنگل) کے رہنے والے کچھ بدوی لوگ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عیدالاضحیٰ کے وقت آئے تو (ان کی حالت دیکھ کر اوران تک گوشت پہنچانے کے لیے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین دن کے لیے ذخیرہ کرلو اور جو باقی بچے اسے صدقہ کردو۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اس کے بعد (اگلے سال یہی موقع رونما پذیر) ہوا تو نبی اکرم ﷺ کے لیے یہ عرض کیا گیا کہ یقیناً لوگ اپنی قربانیوں کے ساتھ نفع حاصل کیا کرتے تھے، وہ ان کی چربی پگھلا لیتے تھے اوران (کی کھالوں) سے مشکیزے بنا لیتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا ہو گیا ہے؟'' یا جیسا بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے تین دن کے بعد قربانیوں کے گوشت سے منع فرما دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ میں نے تو صرف اور صرف اس آنے والی جماعت کی وجہ سے تمھیں منع کیا تھا جو عیدالاضحیٰ کے وقت تمھارے پاس آگئی تھی، (اب وہ نہیں آئے) لہٰذا تم کھاؤ اور صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو۔'' آپ ﷺ "دَافَّة" (جماعت) سے ان مسکین لوگوں کو مراد لے رہے تھے جو (گزشتہ سال) مدینہ آئے تھے۔

فائدہ: ......حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آئندہ سال آیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ بلاشبہ اس (گزشتہ) سال لوگ (بھوک کی) مشقت میں تھے تو میں نے چاہا کہ تم ان (قربانیوں) کے ذریعے ان کا تعاون کرو۔'' (بخاری: 5569، مسلم: 1974) نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم جانور کے کھر کے قریب والا حصہ ذخیرہ کر لیتے اور دس دن بعد اسے کھاتے۔ (ترمذی: 1511۔ اس کی سند صحیح ہے) بلکہ کبھی پندرہ دن بعد اسے کھاتے، ان سے پوچھا گیا کہ بھلا اسے ذخیرہ کرنے کی آپ کو کیا مجبوری تھی؟ تو وہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ حضرت محمد ﷺ کے گھرانے کو کبھی مسلسل تین دن تک سالن سمیت گندم کی روٹی نصیب نہ ہوئی تھی یہاں تک کہ آقا اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ (بخاری: 5423) یعنی تنگ حالی کی بنا پر

بے حیثیت گوشت ہی کو ذخیرہ کرتے تھے اور پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔

[1067] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَقَدَّمَ إِلَيْهِ أَهْلُهُ لَحْماً. فَقَالَ: انْظُرُوا أَنْ يَكُونَ هَذَا مِنْ لُحُومِ الأَضْحَى. فَقَالُوا: هُوَ مِنْهَا. فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْهَا؟ فَقَالُوا: إِنَّهُ قَدْ كَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بَعْدَكَ أَمْرٌ. فَخَرَجَ أَبُو سَعِيدٍ فَسَأَلَ عَنْ ذَلِكَ، فَأُخْبِرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الأَضْحَى بَعْدَ ثَلاثٍ، فَكُلُوا، وَتَصَدَّقُوا، وَادَّخِرُوا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الانْتِبَاذِ، فَانْتَبِذُوا، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا، وَلاَ تَقُولُوا: هُجْراً يَعْنِي لاَ تَقُولُوا سُوءاً.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً وہ سفر سے واپس آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کے سامنے گوشت پیش کیا، وہ کہنے لگے کہ دیکھنا، کہیں یہ قربانیوں کے گوشت میں سے (نہ) ہو، وہ کہنے لگے کہ یہ تو پھر انھی میں سے ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا؟ وہ بولے کہ بلاشبہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کے بعد ایک دوسرا حکم آ گیا تھا، (لیکن انھوں نے اسے نہ کھایا نہ چکھا) چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (تحقیق کی غرض سے گھر سے) باہر نکلے، پھر انھوں نے اس کے متعلق (اپنے مادری بھائی حضرت ابوقتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے) پوچھا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی گئی کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''میں نے (پہلے) تمھیں تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا، (وہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے، لہٰذا اب) تم کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ کر لیا کرو، اور میں نے تمھیں (چند مخصوص برتنوں میں) نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا تھا سو اب تم (ان میں) نبیذ بنا سکتے ہو اور یہ (اصول ذہن نشین کر لو کہ) ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز حرام ہے (خواہ وہ کسی برتن میں ہو اور خواہ وہ نشہ نبیذ ہی میں پیدا ہو گیا ہو) اور (اسی طرح) میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے بھی منع کیا تھا تو اب تم ان کی زیارت کر لیا کرو اور (ایسا کرتے وقت) تم فحش کلامی نہ کیا کرو۔'' یعنی بری بات نہ کہا کرو۔

فائدہ: ......شروع اسلام میں ان برتنوں کا استعمال ممنوع تھا جن میں عام طور پر شراب بنائی جاتی تھی، نبیذ اگرچہ جائز ہے لیکن وہ شراب کے لیے استعمال ہونے والے ان برتنوں میں جلدی نشہ آور ہو جاتا تھا، یہ برتن مندرجہ ذیل

[1067] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: 12، حدیث: 3997، 5568، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب بیان ماکان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی، حدیث: 1973، نسائی: 4432، احمد: 3/ 38 (11349)۔

تھے: حَنتَم (سبز گھڑا)، دُبَّاء (کدو کا برتن)، نقیر (کھجور کے تنے کی لکڑی سے بنایا ہوا برتن) اور مُزَفَّت (تارکول لگایا ہوا برتن)، پھر جب اسلام دلوں میں راسخ ہو گیا اور طبیعتیں حلال وحرام کے معاملے میں محتاط اور حساس ہو گئیں تو ان برتنوں کی اجازت مل گئی اور اصل علت وسبب (یعنی نشہ) سے حفاظت اور دوری کا حکم واضح کر دیا گیا، اسی طرح شروع اسلام میں قبروں کی زیارت ممنوع تھی تاکہ ماضی میں شرک کرنے والے لوگ دوبارہ پھر شرک کا ایک ذریعہ اختیار نہ کرلیں، پختگی ایمان کے بعد زیارت قبور کو مستحب اور مستحسن قرار دے دیا گیا تاکہ اب دوسرا مقصد یعنی آخرت کی تیاری، زُہد اور دنیا سے بے رغبتی وغیرہ حاصل ہو...... یہ حدیث مبارکہ واضح کر رہی ہے کہ عرب میں قبر پرستی بھی رائج تھی اسی لیے تو قبروں کے پاس جانا بھی ابتداءً حرام قرار دے دیا گیا۔

5- بَابٌ: الشَّرِكَةُ فِي الضَّحَايَا وَعَنْ كَمْ تُذْبَحُ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ

قربانیوں میں شرکت کا بیان اور گائے اور اونٹ کتنے افراد کی طرف سے قربان کیا جائے گا۔

خلاصة الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع اور ایک موقوف، اور سب سنداً صحیح ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

[1068] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حدیبیہ والے سال اونٹ بھی سات افراد کی طرف سے قربان کیا اور گائے بھی سات افراد کی طرف سے۔

فائدہ: ......عام طور پر اونٹ میں بھی سات حصے ہی کیے جاتے ہیں لیکن اس میں دس حصوں کی بھی اجازت ہے۔ (ترمذی: 905، نسائی: 4397، ابن ماجہ: 3131- اس کی سند صحیح ہے) ویسے بھی رسول اللہ ﷺ غنیمت تقسیم کرتے وقت ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیتے تھے۔ (بخاری: 2507) یاد رہے کوئی اکیلا شخص یا سات سے کم افراد بھی اونٹ قربان کر سکتے ہیں، حتی کہ اکیلا شخص کئی اونٹ بھی قربان کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربان کیے۔

[1069] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں

[1068] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الاشتراك في الهدي و اجزاء البدنة والبقرة......، حدیث: 1318، سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب البقر والجزور عن کم تجزی، حدیث: 2809، ترمذی: 904، نسائی: 4398، ابن ماجہ: 3132، احمد: 3/ 304 (14315)، دارمی: 1956-

[1069] (موقوف صحیح) جامع الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزء عن اهل البیت، حدیث: 1505، سنن ابن ماجہ، کتاب الأضاحی، باب من ضحی بشاة عن اهله، حدیث: 3147- شیخ سلیم اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

صَيَّادٍ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ قَالَ: كُنَّا نُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ، يَذْبَحُهَا الرَّجُلُ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ بَعْدُ، فَصَارَتْ مُبَاهَاةً.

کہ ہم ایک بکری کے ساتھ قربانی کرلیا کرتے تھے، آدمی اُسے اپنی طرف سے اور اپنے (سب) گھر والوں کی طرف سے ذبح کرتا تھا، پھر اس کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر شروع کر دیا تو یہ قربانی فخر ہی بن گئی۔

فائدہ :......اگر چہ یہ جائز ہے کہ ہر شخص الگ الگ قربانی کرے یا ایک شخص سینکڑوں قربانیاں کرے لیکن اس کے لیے اخلاص اور محض رضائے الٰہی کی نیت رکھنا لازم ہے ورنہ سب خسارہ ہی خسارہ ہے، ترمذی شریف وغیرہ میں مزید وضاحت یوں ہے کہ عطاء بن یسار رحمہ اللہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (میزبان رسول اللہ ﷺ) سے یہ سوال کیا تھا: ((كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ)) ''رسول اللہ ﷺ کے دور میں قربانیاں کس طرح ہوا کرتی تھیں؟'' (اس سوال کے جواب میں انھوں نے مذکورہ بات ارشاد فرمائی) (ترمذی: 1505، ابن ماجہ: 3147۔ اس کی سند صحیح ہے) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ ایک بکری صرف ایک ہی شخص سے کفایت کرتی ہے لیکن امام زیلعی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث (حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ) نے حنفی مذہب کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ (نصب الرایہ: 4/ 210)

قَالَ مَالِكٌ: وَأَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ وَالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ، أَنَّ الرَّجُلَ يَنْحَرُ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ الْبَدَنَةَ، وَيَذْبَحُ الْبَقَرَةَ وَالشَّاةَ الْوَاحِدَةَ، هُوَ يَمْلِكُهَا، وَيَذْبَحُهَا عَنْهُمْ وَيَشْرَكُهُمْ فِيهَا، فَأَمَّا أَنْ يَشْتَرِيَ النَّفَرُ الْبَدَنَةَ، أَوِ الْبَقَرَةَ أَوِ الشَّاةَ، يَشْتَرِكُونَ فِيهَا فِي النُّسُكِ وَالضَّحَايَا، فَيُخْرِجُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ حِصَّةً مِنْ ثَمَنِهَا، وَيَكُونُ لَهُ حِصَّةٌ مِنْ لَحْمِهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ يُكْرَهُ، وَإِنَّمَا سَمِعْنَا الْحَدِيثَ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَكُ فِي النُّسُكِ، وَإِنَّمَا يَكُونُ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الْوَاحِدِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ سب سے اچھا قول جو میں نے اونٹ، گائے اور ایک بکری کے بارے میں سنا ہے، یہ ہے کہ بے شک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک اونٹ نحر (قربان) کرسکتا ہے اور ایک گائے اور ایک بکری بھی ذبح کرسکتا ہے (خواہ ان گھر والوں کی تعداد سات سے بھی زیادہ ہو) جس کا وہ مالک ہو اور وہ اسے ان کی طرف سے ذبح کرے اور انھیں اس (کے اجر) میں شریک کرے (تو یہ درست ہے)، رہی یہ صورت کہ ایک جماعت (مل کر) ایک اونٹ یا ایک گائے ایک بکری خرید لے اور وہ (بیت اللہ کے پاس کی جانے والی یا حج وعمرہ کی عبادت کے طور پر کی جانے والی) خاص قربانیوں یا عام قربانیوں کے طور پر اس میں شریک ہوں، پھر ان میں سے ہر شخص اس کی قیمت میں سے اپنا اپنا حصہ نکال (کر ادا کرے)

اور اس (ادا کردہ قیمت کے لحاظ سے اس جانور) کے گوشت میں اس کا حصہ ہو تو بلاشبہ یہ چیز مکروہ ہے اور بے شک ہم نے حدیث میں تو یہ سنا ہے کہ قربانی میں (مختلف گھروں والوں کے مختلف افراد کی) شرکت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تو صرف اور صرف ایک گھر والوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

فائدہ :...... امام صاحب کی یہ بات صرف بکری کے متعلق تو درست ہے کہ وہ اکیلی پورے گھر کے افراد کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے، البتہ دوسرے لوگ اس میں ان کے شریک نہیں ہو سکتے، رہا اونٹ اور گائے کا معاملہ تو اس میں یقیناً دوسرے لوگ بھی قیمت، اجر اور گوشت میں شریک ہو سکتے ہیں اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

[1070] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَا نَحَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا بَدَنَةً وَاحِدَةً، أَوْ بَقَرَةً وَاحِدَةً. قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے ایک اونٹ یا ایک گائے کے سوا کچھ قربان نہیں کیا، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ ابن شہاب رحمہ اللہ نے دونوں (لفظوں یعنی اونٹ اور گائے) میں سے کون سا (لفظ) کہا تھا۔

فائدہ :...... یہ حجۃ الوداع کی بات ہے جس میں آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی تھی۔ (بخاری: 1709، مسلم: 1319/ 357)، البتہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ عموماً دو مینڈھے ذبح کیا کرتے تھے۔ (بخاری: 5553، 5564، مسلم: 1966)

6- بَابٌ: الضَّحِيَّةُ عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ وَذِكْرِ أَيَّامِ الْأَضْحَى

عورت کے پیٹ والے بچے کی طرف سے قربانی کرنے کا بیان اور قربانی کے دنوں کی تعداد کا تذکرہ

خلاصۃ الباب اس باب میں تین موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور دو صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... مصری نسخوں میں مذکورہ عنوان باب میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں: ((وَذِكْرِ أَيَّامِ الْأَضْحٰى)) ''اور قربانی کے دنوں (کی تعداد) کا تذکرہ''، گویا بعض نسخوں میں یہ الفاظ موجود نہیں۔

[1070] (مرفوع صحيح لغيره) سنن ابي داود، كتاب المناسك، باب في هدى البقر، حديث: 1750، سنن ابن ماجه، كتاب الاضاحى، باب عن كم تجزئ البدنة والبقرة، حديث: 3135، نسائى فى الكبرى: 4130- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

[1071] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: الأَضْحَى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الأَضْحَى

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے، عیدالاضحیٰ کے بعد بھی دو مزید دن ہیں۔

[1072] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مِثْلُ ذَلِكَ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح ہی مروی ہے۔

فائدہ :......قربانی کے وقت کے اختتام کے متعلق پانچ اقوال ہیں: 1-امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ،امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کے دن صرف تین ہیں۔نمازعید کے بعد سے لے کر بارہ ذوالحج کی شام تک قربانی کا وقت رہتا ہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ 2-امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر اہلحدیث کے نزدیک قربانی چار دنوں تک ہوسکتی ہے۔نمازعید کے بعد سے لے کر ایام تشریق کے اختتام تک یعنی تیرہ ذوالحج کی شام تک قربانی ہوسکتی ہے۔ 3-داؤد ظاہری کے نزدیک قربانی صرف عیدالاضحیٰ کے دن میں ہی ہوسکتی ہے۔ یہی موقف امام ابن سیرین کا بھی ہے۔ 4-سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے نزدیک حاجیوں کے لیے منیٰ میں تین دن اور باقی مسلمانوں کے لیے صرف ایک دن قربانی ہوسکتی ہے۔ 5- ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی محرم کا چاند نکلنے تک جائز ہے...... ان میں سے راجح قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے جس کی دلیل وہ فرمان نبوی ﷺ ہے جسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور جو آگے آرہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے عطاء رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور مکحول رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔(بيهقى: 9/ 296، نيل الاوطار: 3/ 490، محلى ابن حزم: 7/ 377، 378) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔(شرح مسلم للنووى، الهدى لابن القيم بحواله مرعاة المفاتيح: 5/ 106) امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اوزاعی رحمہ اللہ اور ابن منذر رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف نقل کیا ہے۔(مرعاة: 5/ 106) بہرحال اس موقف کے راجح ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں: 1-اس قول کی بنیاد حدیث رسول اللہ ﷺ پر ہے جبکہ باقی اقوال کی بنیاد صرف آثار صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین پر ہے، اور یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر امتی خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی، حدیث رسول اللہ ﷺ اس کے قول پر مقدم ہوگی۔ 2-یہ موقف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔ 3- متعدد تابعین و محدثین سے بھی مروی ہے۔ 4-دیگر اقوال کے لیے اگر بعض عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو اس راجح موقف کے لیے بھی متعدد منطقی و عقلی دلائل موجود

[1071] (موقوف صحيح) بيهقى: 9/ 297 (19254)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1072] (موقوف ضعيف) بيهقى: 9/ 297۔ شیخ سلیم نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

ہیں، مثلاً عید کی تکبیرات بھی ایام تشریق کے اختتام تک ہیں، حاجیوں کا جمرات (ستونوں) کو کنکریاں مارنے کا عمل بھی اور حج کے لیے منیٰ میں ٹھہرے رہنا بھی ایام تشریق کے اخیر یعنی تیرہ ذوالحج تک جاری رہتا ہے تو اسی طرح قربانیوں کا معاملہ ہے، بہر حال اس مسئلے کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ پر ہے جسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ)) ''تمام ایام تشریق (11، 12، 13 ذوالحج) ذبح کے دن ہیں۔''

(مسند احمد: 4/ 82، ابن حبان: 8/ 368 (3854)، بیہقی: 9/ 295 (طبع جدید میں 8/ 29)، سنن الدارقطنی: 4/ 284، صحیح الجامع الصغیر: 4537، نصب الرایۃ للزیلعی: 4/ 504۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔)

تفسیر ابن کثیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورۂ بقرہ اور سورۂ حج کی تفسیر میں امام شافعی رحمہ اللہ ہی کے مسلک کو راجح قرار دیتے ہیں، بعض حضرات اس حدیث مبارکہ کو منقطع قرار دیتے ہیں حالانکہ اس کی متصل سندیں بھی موجود ہیں، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع الصغیر: 2/ 834 (4537) اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: 5/ 617 میں اسے قابل حجت شمار کیا ہے، الجامع الصغیر کے شارح علامہ مناوی رحمہ اللہ نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فیض القدیر: 9/ 4485) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: 3/ 251) مسند احمد کو مرتب کرنے والے صاحب الفتح الربانی نے بھی اس کے انقطاع کی تردید اور اس کے صحیح ہونے کی توثیق کی ہے۔ (الفتح الربانی: 13/ 94) زاد المعاد کے محقق شعیب ارناؤط نے بھی اپنی تعلیق میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (زاد المعاد بتحقیق شعیب الارناؤط: 2/ 318) مزید تحقیق کے لیے دیکھیے کتاب الام للامام الشافعی: 2/ 142 طبع مصر: 1973، نیل الاوطار: 5/ 142، موارد الظمآن فی زوائد ابن حبان: 3/ 325)

رہا یہ مسئلہ کہ کیا ان دنوں کی راتوں میں بھی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں تو امام مالک رحمہ اللہ اور موالک اس کے قائل نہیں ہیں، لیکن اس کے لیے پیش کی جانے والی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں سلیمان بن سلمہ متروک راوی ہے۔ (مجمع الزوائد: 4/ 23) اور عطاء بن یسار رحمہ اللہ کی روایت بھی مرسل ہے نیز اس میں بقیہ بن ولید راوی مدلس ہے اور عن سے بیان کر رہا ہے، نیز اس کی سند میں مبشر بن عبید روایات گھڑنے والا راوی ہے، لہٰذا یہ روایت بھی قابل حجت نہ رہی...... رہا یہ اشکال کہ قربانی کے لیے لفظ تو ''ایام'' کا منقول ہے جس کے معنی دن کے ہیں تو یہ اعتراض بھی بے جا ہے کیونکہ لغت عرب اور قرآن وحدیث کے محاورے میں یہ لفظ بول کر رات دن کا مجموعہ بھی مراد لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک راتوں کو قربانی کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ اس میں کچھ کراہت بھی ہے۔

[1073] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عورت کے پیٹ میں موجود بچے کی طرف سے قربانی نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: ...... ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہوں جن کی تردید کے لیے یہ روایت ذکر کی گئی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الضَّحِيَّةُ سُنَّةٌ وَلَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ، وَلَا أُحِبُّ لِأَحَدٍ مِمَّنْ قَوِيَ عَلَى ثَمَنِهَا أَنْ يَتْرُكَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو شخص اس کی قیمت پر قدرت رکھتا ہے اس کے لیے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے ترک کرے۔

فائدہ: ...... مزید تفصیل کے لیے اس کتاب (کتاب الضحایا) کا پہلا فائدہ ملاحظہ کیجیے۔

قربانیوں کے مسائل کی کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

[1073] (موقوف صحیح) بیهقی: 9/ 288 (19189)، عبدالرزاق: 4/ 380 (8136)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

27

كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الباب اس کتاب میں بائیس ابواب اور اٹھاون روایات ہیں جن میں سے 19 مرفوع (احادیث نبویہ ﷺ)، 19 موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور 20 مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اوران 58 روایات میں سے 40 صحیح اور 18 ضعیف ہیں، چنانچہ 19 مرفوع روایات میں سے 16 صحیح اور تین ضعیف، 19 موقوف روایات میں سے 11 صحیح اور آٹھ ضعیف جبکہ 20 مقطوع روایات میں سے 13 صحیح اور 7 ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے 34 فتاوی جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :......نکاح کے لغوی معنی (اَلضَّمُّ وَالتَّدَاخُلُ) "ملاپ اور باہمی دخول" کے ہیں، کتاب وسنت میں یہ لفظ عموماً عقد نکاح یعنی شادی کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے اور کبھی کبھار جماع کے معنی میں بھی آتا ہے اسی لیے اکثر محققین کے نزدیک نکاح کے حقیقی معنی عقد (شادی کرنے) کے ہیں، اور مجازی معنی جماع کرنے کے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) "اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کرنے (اور واجبی اخراجات برداشت کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے شادی کر لینی چاہیے کیونکہ یہ عمل نظر کو زیادہ جھکانے والا اور شرمگاہ کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہے اور جو استطاعت نہ پائے تو اس پر روزے لازم ہیں کیونکہ بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑ دینے والا ہے۔" (بخاری: 5065، مسلم: 1400) نیز فرمان نبوی ﷺ ہے: "نکاح میری سنت ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں ہے اور شادی کرلو کیونکہ میں تمھاری کثرت کی وجہ سے باقی امتوں پر فخر کرنا چاہتا ہوں۔" (ابن ماجہ: 1846۔ اس کی سند حسن ہے) نکاح کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں: 1-ایجاب وقبول 2-ولی 3-گواہ 4-حق مہر۔

1- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْخِطْبَةِ

پیغامِ نکاح کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ان میں سے دو مرفوع ہیں اور دونوں بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں اور ایک مقطوع ہے جس کی سند بھی صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1074] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر (اپنے لیے) نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔''

[1075] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ لَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ أَنْ يَخْطُبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، فَتَرْكَنَ إِلَيْهِ وَيَتَّفِقَانِ عَلَى صَدَاقٍ وَاحِدٍ مَعْلُومٍ، وَقَدْ تَرَاضَيَا، فَهِيَ تَشْتَرِطُ عَلَيْهِ لِنَفْسِهَا، فَتِلْكَ الَّتِي نَهَى أَنْ يَخْطُبَهَا الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، وَلَمْ يَعْنِ بِذٰلِكَ إِذَا خَطَبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، فَلَمْ يُوَافِقْهَا أَمْرُهُ، وَلَمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر (اپنے لیے منگنی اور) نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے خیال میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے -اور (اصل صورت حال سے تو) اللہ ہی خوب واقف ہے- کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنا پیغام اس صورت میں نہ بھیجے کہ جب وہ (تمھارا بھائی یعنی دوسرا) شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجتا ہے، پھر وہ اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ دونوں ایک معلوم حق مہر پر متفق ہو جاتے ہیں اور وہ دونوں آپس میں (شادی پر) راضی ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ

[1074] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لايخطب على خطبة اخيه حتى ينكح اويدع، حديث: 5144، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين المراة وعمتها او خالتها، حديث: 1408/ 38، ابوداود:2080، ترمذى:1134، نسائى:3242، ابن ماجه:1867، احمد:2/ 462(9952)۔

[1075] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لايخطب على خطبة اخيه حتى ينكح او يدع، حديث: 5142، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة اخيه حتى ياذن او يترك، حديث: 1412، ابوداود:2081، ترمذى:1292، نسائى: 3240، ابن ماجه:1868، احمد:2/ 142(6276)۔

تَـرْكَـنْ إِلَيْهِ، أَنْ لَا يَخْطُبَهَا أَحَدٌ، فَهٰذَا بَابُ فَسَادٍ يَدْخُلُ عَلَى النَّاسِ.

(عورت) اس (مرد کے نکاح میں جانے) پر اپنے لیے (متعین حق مہر کی) شرط بھی طے کر لیتی ہے تو (صرف) یہی وہ عورت ہے کہ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے (دوسرے مسلمان) بھائی کے پیغام نکاح پر اسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے اور آپ ﷺ نے اس سے یہ مراد نہیں لیا کہ جب کوئی شخص ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجتا ہے، پھر اس کا معاملہ اس عورت کے ساتھ موافقت نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس کی طرف مائل ہوتی ہے (تو ایسی صورت کے متعلق حدیث یہ نہیں کہتی) کہ کوئی بھی شخص نکاح کا پیغام اس اس عورت کو نہ بھیجے کیونکہ یہ تو فساد (اور تنگی) کا دروازہ ہے جو لوگوں پر داخل ہو جائے گا۔

فائدہ:...... الغرض جب تک منگنی نہ ہو جائے اور مرد و عورت کا ایک دوسرے کی طرف میلان مکمل نہ ہو جائے تب تک دوسرے لوگوں کو پیغام نکاح بھیجنے کی ممانعت نہیں ہوتی بلکہ اجازت رہتی ہے اور اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو عورت یا اس کے سرپرست کسی مناسب رشتے کا انتخاب ہی نہ کر سکتے ،اگر صرف ایک پیغام آنے پر دوسرا پیغام ممنوع ہو جائے تو اچھے رشتوں کے انتخاب اور چناؤ کا سوچا بھی نہیں جا سکتا......لہٰذا حدیث مبارکہ کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ صرف اس خاص صورت میں ہے جب منگنی ہو چکی ہو یا دونوں جانب سے میلان مکمل ہو چکا ہو......میلان مکمل ہونے سے قبل ایک پیغام کی موجودگی میں دوسرا پیغام بھیجنے کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جن کی طرف بیک وقت کئی پیغام نکاح آئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہما کی بجائے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا مشورہ دیا۔ (مسلم:1480) یاد رہے کہ اگر میلان کے باوجود پہلا شخص اپنے پیغام پر کسی دوسرے شخص کو پیغام بھیج کر قسمت آزمائی کی اجازت دے دے اور خود رشتہ چھوڑ دینے پر تیار ہو جائے تو پھر دوسرے شخص کو پیغام نکاح بھیجنے کی اجازت ہے۔ (بخاری: 5142، 5144، مسلم: 1412، 1414)

[1076] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ....﴾

[1076] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 178 (14020)، وفی الصغیر: 3/ 49 (2467)، وفی المعرفة: 5/ 309 (4183)، الشافعی فی الام: 5/ 185، ابن ابی شیبه: 16835، 16844- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ [البقرة: 235] أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلْمَرْأَةِ وَهِيَ فِي عِدَّتِهَا مِنْ وَفَاةِ زَوْجِهَا: إِنَّكِ عَلَيَّ لَكَرِيمَةٌ، وَإِنِّي فِيكِ لَرَاغِبٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَسَائِقٌ إِلَيْكِ خَيْرًا وَرِزْقًا، وَنَحْوَ هَذَا مِنَ الْقَوْلِ.

''اوراس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (عورتوں کی عدت کے دوران میں) انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔'' (قاسم بن محمد رحمہ اللہ اس کی تفسیر) میں کہا کرتے تھے کہ آدمی اس عورت سے جو اپنے خاوند کی وفات کی عدت میں ہو، یہ کہہ سکتا ہے کہ ''بے شک تم مجھ پر (یعنی میرے نزدیک) یقیناً بہت عزت والی ہو'' یا ''یقیناً میں تم میں رغبت رکھتا ہوں'' یا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھاری طرف خیر اوررزق پہنچانے والا ہے۔'' اوراسی طرح کے دوسرے اقوال (کہہ سکتا ہے)۔

فائدہ :...... الغرض عدت وفات گزارنے والی عورت سے نکاح کی بات یا تو نہ کی جائے اور دل ہی میں پوشیدہ کر لی جائے یا پھر زیادہ سے زیادہ، اشارے کنائے میں ذومعنی بات کی جائے تو جائز ہے اور صراحتاً شادی ونکاح کے الفاظ بولنا درست نہیں۔

2- بَابٌ: اسْتِئْذَانُ الْبِكْرِ وَالْأَيِّمِ فِي أَنْفُسِهِمَا

کنواری اور بیوہ عورتوں سے اجازت لینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے جو کہ سنداً صحیح ہیں، جبکہ دو مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور دونوں ضعیف ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... یہاں ''اَیِّم'' سے مراد وہ عورت ہے جس کا فی الوقت کوئی خاوند نہ ہو البتہ وہ پہلے خاوند کو دیکھ چکی ہو یعنی مطلقہ یا بیوہ عورت جسے اردو میں ''شوہر دیدہ'' بھی کہا جاتا ہے، ویسے لغوی طور پر ''اَیِّم'' کے لفظ میں بہت عموم ہے جس میں مرد بھی اور کنواری لڑکی بھی شامل ہیں کیونکہ اس کے لغوی معنیٰ یہ ہیں: ''ہر وہ مرد یا عورت جس کا جوڑا نہ ہو، خواہ پہلے رہ چکا ہو یا نہ۔''

[1077] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شوہر دیدہ عورت اپنے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری عورت سے

[1077] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، حديث: 1421، سنن ابي داود، كتاب النكاح، باب في الثيب: 2098، ترمذي: 1108، نسائي: 3262، ابن ماجه: 1870، احمد: 1/ 219(1888)۔

قَالَ: ((الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا)). اس کے بارے میں اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہی ہے۔

فائدہ :...... چونکہ ایجاب وقبول کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اس لیے عورت کا مرد کو قبول کرنا اور اس کی اپنے ساتھ شادی کی اجازت دینا لازم ہے، البتہ کنواری لڑکی کے شرمیلے پن کی بنا پر اس کے خاموش رہنے کو اس کی رضامندی اور اجازت شمار کیا گیا ہے، اگر اسے یہ شادی قبول نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ بول کر یا لکھ کر یا کسی اور واضح اشارے سے اس کا انکار کرے، ورنہ اس کی خاموشی اس کا اقرار ہی شمار ہوگی، رہی مطلقہ یا بیوہ عورت تو چونکہ وہ شوہر دیدہ ہونے کی وجہ سے نسبتاً نڈر اور بے باک ہوتی ہے اس لیے اس کا بول کر (یا لکھ کر یا اشارہ کر کے) اجازت دینا لازم ہے...... ((اَحَقُّ)) کے لفظ سے دو اہم مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ ولی کا ہونا نکاح میں شرط ہے البتہ نکاح کے متعلقہ امور میں شوہر دیدہ عورت کے فیصلے کو اس کے ولی وسرپرست سے زیادہ ترجیح حاصل ہے اور ولی کا اختیار کم ہوگا۔ دراصل اَحَقُّ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس میں دوسرے شخص کی نسبت زیادہ حقدار ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لفظ سے ولی کے اختیار کی بالکل نفی نہیں ہوتی، بلکہ اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر دیدہ یعنی مطلقہ یا بیوہ عورت پر ولی کو بھی اختیار حاصل ہے اور عورت کو خود بھی اختیار حاصل ہے لیکن ولی کا اختیار کم اور عورت کا زیادہ ہوتا ہے، ولی کی نسبت عورت کی اپنی بات زیادہ مانی جائے گی، نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ)) ''ولی (سرپرست) کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔'' (ابوداود: 2085، ترمذی: 1101، ابن ماجہ: 1881۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت نے سرپرست کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔'' تین بار یہی فرمایا۔ (ابوداود: 2083، ترمذی: 1102، ابن ماجہ: 1879۔ اس کی سند صحیح ہے۔) یاد رہے جن آیاتِ مبارکہ میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہے تو ان کی تفسیر مذکورہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں یہی ہے کہ وہ ولی کی اجازت کے ساتھ اپنا نکاح کر سکتی ہیں اور جمہور نکاح کے انعقاد میں ولی کی اجازت کو شرط سمجھتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ولی کی اجازت کسی بھی صورت میں لازم نہیں...... ولی سے مراد باپ ہے، اس کی عدم موجودگی میں دادا، پھر بھائی، پھر چچا ولی بنے گا اور اگر کوئی ولی نہ ہو یا ایک سے زیادہ ولی ہوں اور آپس میں اختلاف کر رہے ہوں تو پھر حاکم ولی ہوگا...... ''اَحَقُّ'' سے دوسرا مسئلہ ثابت ہوا کہ بیوہ عورت ومطلقہ عورت پر جبر اور زبردستی نہیں ہو سکتی، اگر جبر ہوا تو نکاح باطل ہوگا، نیز عورت خواہ کنواری ہو یا کہ شوہر دیدہ، اس سے اجازت تبھی لی جائے گی، جب وہ بالغ ہو، اگر وہ نابالغ ہو تو اجازت کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح صرف چھ سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے تک انھیں کچھ نہ علم تھا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ (بخاری: 3894، مسلم: 1422) البتہ بالغ اور صاحب شعور لڑکی خواہ کنواری ہو اور اس کا نکاح اس کی رضامندی کے خلاف کر دیا جائے تو اسے اختیار حاصل ہے کہ

چاہے تو اس خاوند کے ساتھ رہے یا نہ رہے۔ (ابو داود:2096، ابن ماجہ:1875۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[1078] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ إِلاَّ بِإِذْنِ وَلِيِّهَا، أَوْ ذِي الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِهَا، أَوِ السُّلْطَانِ.

سعید بن میتب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت کا نکاح نہ کیا جائے مگر اس کے ولی کی اجازت کے ساتھ یا اس کے گھر والوں (خاندان) میں سے کسی صاحب رائے (ذی شعور اور عقلمند شخص) یا حاکم (کی اجازت کے ساتھ)۔

[1079] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، كَانَا يُنْكِحَانِ بَنَاتِهِمَا الْأَبْكَارَ وَلاَ يَسْتَأْمِرَانِهِنَّ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک قاسم بن محمد رحمہ اللہ اور سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنی کنواری بیٹیوں کا نکاح کر دیتے تھے اور ان سے مشورہ نہیں لیتے تھے۔

فائدہ :...... یہ روایت ضعیف ہے اور اگر ثابت ہو جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے نزدیک کنواریوں سے مشورہ لینا مستحب تھا، نہ کہ واجب اور یہ احتمال بھی ہے کہ انھیں اپنی بیٹیوں کے متعلق مکمل اعتماد تھا کہ وہ انکار نہیں کریں گی۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي نِكَاحِ الْأَبْكَارِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں کنواریوں کے نکاح کے متعلق یہی حکم ہے۔

فائدہ :......لیکن راجح موقف وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے کہ کنواریوں سے بھی اجازت لی جائے اور ان کی خاموشی کو اقرار سمجھا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ لِلْبِكْرِ جَوَازٌ فِي مَالِهَا، حَتَّى تَدْخُلَ بَيْتَهَا وَيُعْرَفَ مِنْ حَالِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کنواری لڑکی کے لیے اپنے مال میں (تصرف کرنے کا) کوئی اختیار اور جواز نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں داخل ہو جائے اور اس کی حالت معلوم ہو جائے۔

فائدہ :......کنواری کے لیے اپنے مال یعنی جہیز کے سامان وغیرہ میں کسی قسم کا تصرف اور عمل دخل درست

[1078] (موقوف صحیح) بیهقی: 7/ 111(13640)، دارقطنی:3/ 228(3502)، ابن ابی شیبه: 15923، الشافعی فی الام:7/ 222۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1079] (مقطوع ضعیف) بیهقی: 7/ 116، ابن ابی شیبه: 15970۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

نہیں بلکہ وہ اس کے سرپرستوں ہی کا حق ہے، ہاں جب وہ اپنے خاوند کے گھر میں قدم رکھ لے تو خود مختار ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی ایک شرط باقی ہے اور وہ یہ کہ اسے عقل و شعور حاصل ہو، اچھے برے کی تمیز کر سکتی ہو چنانچہ اگر اس سے رُشد و صلاحیت کی حالت معلوم ہو جائے تو پھر اسے اپنے مال پر مکمل اختیار حاصل ہے۔

[1080] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، كَانُوا يَقُولُونَ فِي الْبِكْرِ يُزَوِّجُهَا أَبُوهَا بِغَيْرِ إِذْنِهَا: إِنَّ ذٰلِكَ لَازِمٌ لَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ، سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ (جیسے فقہائے مدینہ) اس کنواری لڑکی جس کا باپ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے، کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ بے شک وہ نکاح اس لڑکی پر لازم ہے۔

فائدہ :...... اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن پھر بھی امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف بھی اسی طرح ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نکاح اس پر لازم ہوگا خواہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔ یہی بات راجح ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنواری لڑکی کے ایسے ہی نکاح پر اُسے اختیار دے دیا تھا۔ (ابـو داود: 2096، ابـن ماجه: 1875۔ اس کی سند صحیح ہے)

3- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الصَّدَاقِ وَالْحِبَاءِ

حق مہر اور تحفے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی ہے، دو موقوف ہیں جن کی سندیں صحیح ہیں اور ایک مقطوع روایت ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... عورت کی شرم گاہ کو استعمال کرنے کے بدلے عورت کو خاوند کی طرف سے جو خاص عوضانہ ملتا ہے اسے حق مہر کہتے ہیں جو دونوں کے سچے تعلق کی دلیل ہوتا ہے اسی لیے اسے صَداق بھی کہتے ہیں جو صِدق (سچائی) سے ماخوذ ہے...... قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی نہ تو کم از کم مقدار مقرر ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ بلکہ یہ تو کسی چیز کی بجائے معنوی احسان کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے مثلاً قرآن مجید پڑھانا یا علم سکھانا (بخاری: 5087، مسلم: 1425) یا لونڈی کو آزادی دینا۔ (بـخـاری: 5086) وغیرہ، اور خزانوں کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے۔ (سـورۂ نساء 4:20) امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہلحدیث کا یہی موقف ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حق مہر کی کم از کم مقدار

[1080] (مقطوع ضعیف) بیہقی: 7/ 116 (13666، 13667)، ابن ابی شیبہ: 15970۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

مقرر ہے اور وہ ہے دس درہم یا اس کے برابر قیمت ، رہے امام مالک رحمہ اللہ تو وہ چوتھائی دینار کو لازم کہتے ہیں، لیکن احادیث نبویہ ﷺ سے ان دونوں اقوال کی تائید نہیں ہوتی ....."حِبَاء" کسی بھی ایسے تحفے اور ہدیے کو کہتے ہیں جو خاوند کی طرف سے بغیر کسی عوض کے دیا جائے، خواہ عورت کو یا اس کے رشتہ داروں کو.....حق مہر اگر پیشگی ادا کر دیا جائے تو اسے "مُعَجّل"، اگر تاخیر سے دیا جائے تو "مُؤَجَّل" اور اگر قسطوں میں دیا جائے تو "مُنَجّم" کہلاتا ہے۔

[1081] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي قَدْ وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ، فَقَامَتْ قِيَاماً طَوِيلاً، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيهَا، إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا إِيَّاهُ؟ فَقَالَ: مَا عِنْدِي إِلاَّ إِزَارِي هٰذَا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِيَّاهُ، جَلَسْتَ لاَ إِزَارَ لَكَ، فَالْتَمِسْ شَيْئاً فَقَالَ: مَا أَجِدُ شَيْئاً. قَالَ: الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَماً مِنْ حَدِيدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئاً، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟ فَقَالَ: نَعَمْ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا. لِسُوَرٍ سَمَّاهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ أَنْكَحْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میں نے خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دیا ہے، پھر وہ کافی دیر تک کھڑی رہی۔ (آپ ﷺ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر سر مبارک جھکا لیا، جب عورت نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی) تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے تو مجھ سے اس کی شادی کر دیجیے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے جو تو اسے حق مہر میں دے سکے؟" وہ عرض کرنے لگا کہ میرے پاس میرے ازار (تہبند والی چادر) کے سوا کچھ نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: "اگر تو نے اسے ازار دے دیا تو تو اس حال میں بیٹھا رہے گا کہ تیرے پاس کوئی تہبند بھی نہ ہوگا (اور اگر تو ہی اسے پہنے رکھے گا تو اسے اس میں سے کچھ نہ ملے گا) لہٰذا (اپنے گھر جاؤ اور) کوئی (اور) چیز تلاش کرو۔" (وہ گیا، پھر واپس آ کر) اس نے کہا کہ میں کچھ بھی نہیں پا رہا۔ آپ ﷺ

[1081] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب السلطان ولي لقول النبي ﷺ زوجنا كهابما معك من القرآن، حديث: 5135، 5029، 5030، 5087، 5121، 5126، 5132، 5141، 5149، 5150، 5871، 7417، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الصداق و جواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد، حديث: 1425، ابوداود: 2111، ترمذی: 1114، نسائی: 3341، ابن ماجہ: 1889، احمد: 5/ 336 (23238)-

نے فرمایا: ''ڈھونڈ واگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی (ڈھونڈ لو)۔'' (وہ گھر گیا) پھر اس نے تلاش کیا (پھر آ کر کہنے لگا کہ اللہ کی قسم!) اسے کچھ نہیں ملا، (پھر وہ بیٹھ گیا، جب کافی دیر بیٹھا رہا تو کھڑا ہوا اور منہ پھیر کر جانے لگا، آپ ﷺ نے حکم دیا تو اسے بلالیا گیا،) پھر رسول اللہ ﷺ نے اُسے فرمایا: ''کیا تمھارے پاس قرآن مجید میں سے کچھ ہے؟'' (تمھیں کوئی سورتیں یاد ہیں؟) اس نے عرض کیا کہ جی ہاں، فلاں سورت اور فلاں سورت (یاد ہے) اس نے کئی سورتوں کا نام لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں نے اس کے ساتھ تمھارا نکاح کر دیا ہے اُس قرآن کے عوض جو تمھارے پاس ہے۔''

[1082] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ : عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ قَالَ : قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً ، وَبِهَا جُنُونٌ ، أَوْ جُذَامٌ ، أَوْ بَرَصٌ ، فَمَسَّهَا ، فَلَهَا صَدَاقُهَا كَامِلاً ، وَذَلِكَ لِزَوْجِهَا غُرْمٌ عَلَى وَلِيِّهَا .

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کوئی مرد کسی ایسی عورت سے شادی کرے جس کو جنون (دماغی خلل)، کوڑھ یا پھلبہری (جیسا کوئی مرض لاحق) ہو، پھر وہ اس عورت سے مباشرت کر لے تو اس عورت کے لیے اس کا مکمل حق مہر (واجب الادا) ہوگا اور (لیکن) یہ (حق مہر) خاوند کے حق میں عورت کے ولی پر تاوان ہوگا۔

فائدہ: ...... کیونکہ ولی کی ذمہ داری تھی کہ شادی کے خواہشمند مرد کو عورت کی مکمل صورت حال سے آگاہ کرتا کہ اسے فلاں فلاں موذی مرض یا عارضہ لاحق ہے، پھر اگر مرد چاہتا تو شادی کر لیتا یا کہیں اور قسمت آزمائی کر لیتا لیکن اس سرپرست نے اسے آگاہ نہ کیا اور مرد کو عورت سے مباشرت کے وقت ہی خبر ہوئی تو اب چونکہ مباشرت کی بنا پر حق مہر تو خاوند نے دینا ہی ہے اس لیے وہ عورت کے سرپرست سے حق مہر کے برابر رقم لے کر عورت کو ادا کرے گا، اگر خاوند اس عورت کو بسانا نہ چاہے تو وہ اسے طلاق دے دے اور اگر حق مہر ادا کر چکا ہو تو عورت کے ولی سے واپس لے لے، بہر حال یہ عورت کے ولی کے لیے سزا ہے لیکن صرف اس صورت میں جب حق مہر کی ادائیگی لازم ہو رہی ہو اور خاوند کو عورت کے امراض سے مطلع نہ کیا گیا ہو، ہاں اگر ولی نے خاوند کو پہلے ہی خبر کر دی ہو تو پھر خاوند خود ذمہ دار ہوگا، اسی طرح اگر خاوند صبر و شکر کا مظاہرہ کرے اور ولی پر تاوان نہ ڈالنا چاہے تو اس کی وسعت ظرفی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا يَكُونُ ذَلِكَ غُرْماً عَلَى وَلِيِّهَا لِزَوْجِهَا ، إِذَا كَانَ وَلِيُّهَا الَّذِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلاشبہ یہ حق مہر خاوند کو دینے کے لیے عورت کے ولی پر اس وقت تاوان شمار ہوگا جب وہ ولی

[1082] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 214(14222)، 7/ 219(14262)، فی الصغیر: 3/ 63 (2509)، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 352(4250)، الشافعی فی الام: 5/ 84، دارقطنی: 3/ 265، عبدالرزاق: 6/ 244(10679)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

أَنْكَحَهَا، هُوَ أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا، أَوْ مَنْ يُرَى أَنَّهُ يَعْلَمُ ذَلِكَ مِنْهَا، فَأَمَّا إِذَا كَانَ وَلِيُّهَا الَّذِي أَنْكَحَهَا ابْنَ عَمٍّ، أَوْ مَوْلًى، أَوْ مِنَ الْعَشِيرَةِ، مِمَّنْ يُرَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ مِنْهَا، فَلَيْسَ عَلَيْهِ غُرْمٌ، وَتَرُدُّ تِلْكَ الْمَرْأَةُ مَا أَخَذَتْهُ مِنْ صَدَاقِهَا، وَيَتْرُكُ لَهَا قَدْرَ مَا تُسْتَحَلُّ بِهِ .

جس نے اس عورت کا نکاح کیا ہے، اس کا باپ ہو یا بھائی ہو یا وہ شخص ہو جس کے متعلق یہ خیال ممکن ہو کہ وہ عورت کے اس مرض کو جانتا تھا، رہی یہ صورت کہ جب عورت کا نکاح کرنے والا ولی اس کا چچازاد بھائی ہو یا آزاد کردہ غلام ہو یا قبیلے کا کوئی ایسا فرد ہو جس کے متعلق یہی خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ عورت کے اس مرض کو نہیں جانتا تو پھر یہ حق مہر اس پر چٹی نہ بنے گا اور عورت جو حق مہر وصول کر چکی ہو وہ (خود ہی) خاوند کو واپس کر دے اور خاوند (کو بھی چاہیے کہ) حق مہر کی اتنی مقدار چھوڑ دے (اور واپس نہ لے) جس کے ساتھ وہ عورت کی شرم گاہ کو حلال کر سکتا ہو۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ حق مہر کی کم از کم مقدار ''چوتھائی دینار'' متعین ہے اس لیے وہ یہ بات کر رہے ہیں۔ بہر حال عورت کو حق مہر دینا اس لیے لازم ہے کہ یہ خاوند کے ذمے اللہ کی طرف سے عائد کردہ بیوی کا حق ہے۔

[1083] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ ابْنَةَ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَأُمُّهَا بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، كَانَتْ تَحْتَ ابْنٍ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَمَاتَ وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا، وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا صَدَاقًا، فَابْتَغَتْ أُمُّهَا صَدَاقَهَا، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: لَيْسَ لَهَا صَدَاقٌ، وَلَوْ كَانَ لَهَا صَدَاقٌ لَمْ نُمْسِكْهُ وَلَمْ نَظْلِمْهَا. فَأَبَتْ أُمُّهَا أَنْ تَقْبَلَ ذَلِكَ، فَجَعَلُوا بَيْنَهُمْ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَقَضَى أَنْ لَا صَدَاقَ لَهَا وَلَهَا الْمِيرَاثُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لخت جگر) عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی - جس کی والدہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی) حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں (عبید اللہ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہما دونوں بھائی ہیں اور انھوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو رشتہ ازدواج میں جوڑ دیا تھا) پھر وہ (خاوند) اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے نہ تو عورت سے مباشرت کی تھی اور نہ ہی اس کے لیے حق مہر متعین کیا تھا، اس لڑکی کی ماں نے حق مہر کا مطالبہ کر دیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس کے لیے کوئی حق مہر نہیں ہے اور اگر (شریعت میں) اس کا حق مہر (لازم) ہوتا تو ہم اسے نہ روکتے اور نہ اس پر ظلم کرتے، اس لڑکی کی ماں نے یہ بات

[1083] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 246 (14418)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 387 (4308)، الشافعي في الام: 5/ 69، وفي المسند: 2/ 11، عبدالرزاق: 10889، ابن ابي شيبه: 17106- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

ماننے سے انکار کردیا، تو (خاندان والے) لوگوں نے ان کے درمیان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو (حکم اور فیصل) مقرر کیا، سو انھوں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کے لیے کوئی حق مہر نہیں ہے (کیونکہ اس کی شرم گاہ حلال نہیں ہوئی تھی) اور اس کے لیے وراثت (میں سے حصہ) ہے (کیونکہ وہ لڑکے کی موت کے وقت اس کی بیوی تھی)۔

فائدہ : ...... خیال رہے کہ یہ معاملہ وفات کا ہے، نہ کہ طلاق کا، اگر تو یہ طلاق کا معاملہ ہوتا تو واقعی مرد پر اس وقت کوئی حق مہر لازم نہیں ہوتا جب نہ جماع ہوا ہو اور نہ حق مہر کی تعیین۔ بلکہ اس صورت میں مطلقہ عورت کو فائدے کے طور پر کوئی چیز مثلاً ایک سوٹ دے دیا جاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ 2:236) لیکن مذکورہ بالا مسئلہ خاوند کی وفات سے تعلق رکھتا ہے، اس بارے میں اگر چہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم، بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کو حق مہر نہ ملے گا لیکن یہ ان کا اجتہادی فیصلہ اور ایک رائے ہی ہے جو کہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے موافق نہیں ہے، یقیناً انھیں اس حدیث کی خبر نہیں مل سکی، بہر حال حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں ہماری ایک عورت حضرت بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے لیے "مہر مثل" مقرر کیا تھا، وراثت میں سے حصہ بھی دلایا تھا اور عدت وفات گزارنے کا حکم بھی فرمایا تھا، یہی فیصلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد سے کر چکے تھے اور پھر حدیث پیغمبر ﷺ سننے کے بعد بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اجتہاد درست فرما دیا تھا۔ (ابو داود: 2116، ترمذی: 1145، نسائی: 3356، ابن ماجہ: 1891۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ (اپنے جدید قول میں)، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث حضرات اسی کے قائل ہیں...... مہر مثل سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کی، باپ کی جانب سے رشتہ دار عورتوں کو دیکھا جائے گا اور ان میں حق مہر کی جو عام مقدار چل رہی ہو وہ اس لڑکی کو بھی دے دی جائے گی...... روایت کے شروع میں عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے تعارف میں اس کی ماں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ ماں، عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہو ہے اور حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے، گویا حضرت عمر اور حضرت زید رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر رکھا تھا، عبیداللہ رحمہ اللہ اور ان کی بیوی آپس میں چچا زاد تھے...... پھر یہ عبیداللہ اور ان کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور ان دونوں نے بھی اپنے بیٹے بیٹی کا باہم نکاح کر دیا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جس عورت سے بحث ہوئی تھی وہ ان کے بیٹے کی ساس اور ان کی چچا زاد تھی۔

[1084] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ فِي خِلَافَتِهِ إِلَى

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی خلافت کے دوران اپنے عمال

[1084] (مقطوع ضعیف) عبدالرزاق: 10742، 10745، ابن ابی شیبہ: 16448، 16457۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

بَعْضِ عُمَّالِهِ : أَنَّ كُلَّ مَا اشْتَرَطَ الْمُنْكِحُ ، مَنْ كَانَ أَبًا أَوْ غَيْرَهُ ، مِنْ حِبَاءٍ أَوْ كَرَامَةٍ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ إِنِ ابْتَغَتْهُ .

(حکومتی عہدیداروں) میں سے کسی کی طرف لکھا کہ یقیناً ہر وہ تحفہ (ہدیہ، عطیہ) یا تکریم (پر دلالت کرنے والا کوئی گفٹ) جس کی شرط نکاح کرنے والے نے لگائی ہو (اور خاوند سے اس نکاح کے انعقاد میں اس کا مطالبہ کر رکھا ہو) خواہ وہ (نکاح کرنے والا ولی) باپ ہو یا کوئی اور تو وہ (تحفہ و تکریم میں ملنے والا مال) عورت کو ملے گا اگر وہ اس کا مطالبہ کر دے۔

فائدہ: ...... یہ تحفہ یا تکریم، حق مہر کے علاوہ مال ہوتا ہے، اگر عورت اسے لینا چاہے تو یہ اس کا شرعی حق ہے اور اگر نہ لینا چاہے تو اس کی مرضی ہے، لیکن یہ صرف اس صورت میں ہے جب ان چیزوں کے لینے کا معاملہ شادی سے پہلے طے پا گیا ہو، چنانچہ فرمان نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ جس عورت کا نکاح کسی حق مہر یا عطیہ یا کسی دوسری چیز پر کیا جائے اور وہ نکاح سے پہلے پہلے ہو تو وہ عورت کا حق ہے اور اگر نکاح ہو جانے کے بعد اس طرح کے کسی تحفہ وعطیہ کا معاملہ ہو تو وہ اسی کا حق ہے جسے دیا جائے۔ (ابو داود:2129، نسائی:3355، ابن ماجہ:1955۔ اس کی سند حسن ہے)

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمَرْأَةِ يُنْكِحُهَا أَبُوهَا ، وَيَشْتَرِطُ فِي صَدَاقِهَا الْحِبَاءَ ، يُحْبَى بِهِ ، إِنَّ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ يَقَعُ بِهِ النِّكَاحُ ، فَهُوَ لِابْنَتِهِ إِنِ ابْتَغَتْهُ ، وَإِنْ فَارَقَهَا زَوْجُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا ، فَلِزَوْجِهَا شَطْرُ الْحِبَاءِ الَّذِي وَقَعَ بِهِ النِّكَاحُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس عورت کے متعلق فرمایا جس کا باپ اس کا نکاح کرتا ہے اور اس کے حق مہر میں (خاوند سے کسی) تحفے کی شرط بھی لگا لیتا ہے کہ وہ اس (خاوند کی طرف سے اس کے باپ) کو دیا جائے، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ ہر وہ شرط جس کے عوض میں نکاح ہو رہا ہو تو وہ (شرط والی چیز) اس کی بیٹی کا حق ہے بشرطیکہ وہ اسے طلب کرے، (اور اگر وہ نہ مانگے تو پھر وہ باپ ہی کے لیے ہے) اور اگر اس کا خاوند اسے (طلاق دے کر) جدا کر دے، پہلے اس سے کہ وہ عورت سے مباشرت کرتا تو پھر خاوند کے لیے اس تحفے کا نصف (حصہ واپس لے لینا درست) ہے جس کے عوض نکاح واقع ہوا ہو۔

فائدہ: ...... کیونکہ یہ تحفہ بھی حق مہر کے قائم مقام ہے اور حق مہر کے متعلق قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر شادی ہونے کے بعد اور مباشرت سے قبل طلاق واقع ہو اور حق مہر مقرر نہ ہو تو پھر عورت کو تھوڑے سے سامان مثلاً سوٹ کے سوا کچھ نہ ملے گا اور اگر حق مہر مقرر ہو چکا ہو تو عورت کو نصف ملے گا الا یہ کہ عورت اسے بھی معاف کر دے اور کچھ نہ لے یا خاوند اپنی خوشی سے اسے پورا حق مہر دے دے تو درست ہے۔ (سورۂ بقرۃ 2:236، 237)

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُزَوِّجُ ابْنَهُ صَغِيرًا ، لَا مَالَ لَهُ : إِنَّ الصَّدَاقَ عَلَى أَبِيهِ ، إِذَا كَانَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنے ایسے چھوٹے بیٹے کا نکاح کرتا ہے جس کے پاس کچھ بھی مال نہ

الْغُلَامُ يَوْمَ تَزَوَّجَ لَا مَالَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ لِلْغُلَامِ مَالٌ، فَالصَّدَاقُ فِي مَالِ الْغُلَامِ، إِلَّا أَنْ يُسَمِّيَ الأَبُ أَنَّ الصَّدَاقَ عَلَيْهِ، وَذَلِكَ النِّكَاحُ ثَابِتٌ عَلَى الابْنِ إِذَا كَانَ صَغِيراً، وَكَانَ فِي وِلَايَةِ أَبِيهِ.

ہو۔بلاشبہ حق مہراس کے باپ کے ذمے ہوگا جس وقت کہ شادی کے دن لڑکے کے پاس کچھ مال نہ ہواور اگر اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتو حق مہر لڑکے کے مال میں واجب ہے،الا یہ کہ باپ وضاحت سے تعیین کرتے ہوئے کہہ دے کہ حق مہر اس (باپ) کے ذمے ہے اور ایسا نکاح اس کے بیٹے کے حق میں منعقد ہوجائے گا بشرطیکہ لڑکا چھوٹا ہو اور اپنے باپ کی سرپرستی میں ہو۔

فائدہ :......لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حق مہر تو باپ نے دیا ہے تو لڑکی کا نکاح اس کی بجائے اس کے بیٹے سے کیوں ہو گیا، کیونکہ باپ نے حق مہر اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے بیٹے کی طرف سے ادا کیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي طَلَاقِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ، قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا وَهِيَ بِكْرٌ، فَيَعْفُو أَبُوهَا عَنْ نِصْفِ الصَّدَاقِ: إِنَّ ذَلِكَ جَائِزٌ لِزَوْجِهَا مِنْ أَبِيهَا فِيمَا وَضَعَ عَنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے آدمی کی اس طلاق کے بارے میں فرمایا جسے وہ اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے دے دیتا ہے اس حال میں کہ وہ کنواری ہو اور اس لڑکی کا باپ (خاوند کے ذمے واجب ہونے والا) نصف حق مہر بھی معاف کر دیتا ہے تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ یہ عمل خاوند کے حق میں عورت کے باپ کی طرف سے جائز ہے اس حق مہر کے متعلق جو اس نے معاف کر دیا ہے۔

فائدہ :......یعنی باپ اپنی لڑکی کا ولی ہے، اگر وہ اس کا حق مہر معاف کر دیتا ہے تو یہ درست ہے اور لڑکے کے ذمے کچھ واجب نہ رہے گا، دراصل یہ فتوی سورۂ بقرہ کی آیت: 237 کے ایک لفظ سے ماخوذ ہے جس کی مختلف تفسیریں ہیں چنانچہ آگے امام مالک رحمہ اللہ اس فتوی کی دلیل پیش کرتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ﴾ [البقرة:237] فَهُنَّ النِّسَاءُ اللَّاتِي قَدْ دُخِلَ بِهِنَّ ﴿أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ [البقرة: 237] فَهُوَ الأَبُ فِي ابْنَتِهِ الْبِكْرِ، وَالسَّيِّدُ فِي أَمَتِهِ. قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا الَّذِي سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ، وَالَّذِي عَلَيْهِ الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ اس وجہ سے (جائز) ہے کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (البقرۃ 237:2) ''الا یہ کہ وہ عورتیں (خود) معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔'' تو وہ شخص (جس کے ہاتھ میں گرہ ہے) باپ ہی ہے (لیکن صرف) اپنی کنواری بیٹی کے حق میں اور وہ شخص (جس کے

پاس نکاح کی گرہ ہے وہ) لونڈی کے حق میں اس کا آقا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے یہی سنا ہے اور ہمارے ہاں اسی پر حکم (فتوی اور عمل جاری) ہے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح کی گرہ کا مالک شخص یا تو لڑکی کا باپ ہوتا ہے یا لونڈی کا آقا، لیکن باپ صرف کنواری کے حق میں ایسا فیصلہ کر سکتا ہے، بیوہ یا مطلقہ کے حق میں نہیں، کیونکہ وہ اپنے معاملات میں اپنے ولی سے زیادہ اختیارات کی مالک ہیں۔ (مسلم: 1421) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا آیت کے اس لفظ کی راجح تفسیر یہ ہے کہ نکاح کی گرہ کا مالک خاوند ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اس پر نصف حق مہر لازم ہے لیکن اگر وہ چاہے تو مکمل حق مہر دے سکتا ہے۔

جو علماء و مفسرین نکاح کی گرہ والے شخص سے عورت کا ولی مراد لیتے ہیں ان کے مختلف دلائل میں سے ایک اہم دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو سات بار مخاطب کے صیغوں سے ذکر کیا ہے جبکہ (اَلَّذِيْ بِيَدِهٖ) صیغہ خطاب نہیں ہے بلکہ غائب کا صیغہ ہے، چنانچہ اسلوب کلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس سے مراد خاوند کے علاوہ کوئی اور ہو، اور وہ ولی ہی ہے۔ نیز (يَعْفُوَ الَّذِيْ......) کے بعد خاوندوں کو آگے مستقل حکم (وَاَنْ تَعْفُوْا) کے الفاظ سے آرہا ہے...... مزید برآں یہ کہ (اَنْ يَّعْفُوْنَ) سے مراد وہ عورتیں ہیں جو عقل و شعور اور فہم والی ہیں تو ان کے مقابلے میں وہ عورتیں جو کم عقل یا کم سن ہوتی ہیں اور ان کے مال میں تصرف کرنے والا شخص ان کا سرپرست ہوتا ہے اس لیے ان کے بارے میں ﴿اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ کے الفاظ سے ولی اور سرپرست کا تذکرہ کیا گیا ہے اور رہا خاوند کا معاملہ تو وہ آگے ﴿وَاَنْ تَعْفُوْٓا﴾ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ مزید دلائل کے لیے دیکھیے زرقانی: 3/183، 184۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْيَهُودِيَّةِ أَوِ النَّصْرَانِيَّةِ، تَحْتَ الْيَهُودِيِّ أَوِ النَّصْرَانِيِّ فَتُسْلِمُ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا: أَنَّهُ لَا صَدَاقَ لَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس یہودی یا عیسائی عورت کے متعلق فرمایا جو کسی یہودی یا عیسائی کے نکاح میں تھی پھر وہ مسلمان ہوگئی پہلے اس سے کہ وہ (یہودی وعیسائی خاوند) اس کے ساتھ مباشرت کرتا، تو بلاشبہ اس عورت کے لیے کوئی حق مہر نہ ہوگا۔

فائدہ:...... کیونکہ اسلام لاتے ہی نکاح باطل ہوگیا اور وہ اس کی بیوی نہ رہی اور چونکہ مباشرت تو ہوئی نہ تھی اس لیے حق مہر بھی نہ ملے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا أَرَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ بِأَقَلَّ مِنْ رُبْعِ دِينَارٍ، وَذَلِكَ أَدْنَى مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ (درست) خیال نہیں کرتا کہ عورت کا نکاح دینار کے چوتھائی حصے سے کم (حق مہر) پر کیا جائے اور یہ وہ کم از کم مقدار ہے جس میں ہاتھ کاٹنا

واجب ہوتا ہے۔

فائدہ : ...... یعنی عورت کی شرم گاہ بھی ایک عضو ہے جس طرح ہاتھ ایک عضو ہے اور ہاتھ کو کاٹنا اس وقت حلال ہوتا ہے جب چور چوتھائی دینار (اس دور کے تین درہم) کے برابر مقدار کی چوری کرلے تو اسی طرح چوتھائی دینار کے عوض ہی عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا جاسکتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حق مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اور یہ دونوں موقف احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں جیسا کہ اس باب کے ابتدائی فائدہ میں تفصیل مذکور ہے۔

4- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ إِرْخَاءِ السُّتُوْرِ

پردوں کے لٹکانے (خلوت صحیحہ پانے) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف ہے جو سنداً صحیح ہے اور دوسری مقطوع ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ : ...... پردوں کا لٹکانا ایک محاورہ ہے اور اس سے مراد خاوند بیوی کی خلوت صحیحہ ہے خواہ وہ پردے لٹکا کر ہو یا دروازہ بند کر کے ہو یا کسی بھی اور طریقے سے، الغرض ان دونوں کو اتنی دیر ایسی تنہائی میسر آجائے جس میں وہ ہم بستری کر سکتے ہوں تو اسے خلوت صحیحہ کہا جاتا ہے خواہ وہ ہم بستری کریں یا نہ کریں...... دراصل سورۂ بقرہ کی آیت: 236، 237 میں حق مہر واجب ہونے کے لیے مباشرت کو شرط قرار دیا گیا ہے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیز امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی مباشرت ہی کے حکم میں ہے۔

[1085] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَضَى فِي الْمَرْأَةِ إِذَا تَزَوَّجَهَا الرَّجُلُ، أَنَّهُ إِذَا أُرْخِيَتِ السُّتُورُ، فَقَدْ وَجَبَ الصَّدَاقُ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عورت کے متعلق، جب کوئی شخص اس سے شادی کرے، یہ فیصلہ فرمایا کہ جب پردے لٹکا دیے جائیں (اور خلوت صحیحہ حاصل ہوجائے) تو خاوند پر حق مہر واجب ہوگیا۔

[1086] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ: إِذَا دَخَلَ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب مرد، عورت کے گھر میں داخل

[1085] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 255 (14479)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 398 (4328)، عبدالرزاق: 6/ 287 (10869 - 10871)، الشافعي في الام: 7/ 223، ابن ابي شيبة: 16690۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1086] (مقطوع ضعيف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

الـرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا صُدِّقَ عَلَيْهَا ، وَإِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ فِي بَيْتِهِ صُدِّقَتْ عَلَيْهِ .

ہوجائے (اور انھیں خلوت نصیب ہوجائے جس میں وہ مباشرت کرسکتا ہو، پھر وہ خاوند کہے کہ میں نے مباشرت نہیں کی لیکن عورت دعویٰ کرے کہ اس نے صحبت کی ہے) تو عورت کی بجائے مرد کی تصدیق کی جائے گی اور جب عورت، مرد کے گھر میں داخل ہو تو خاوند کی بجائے عورت کی تصدیق کی جائے گی۔

فائدہ : ...... یعنی محض خلوت کافی نہیں ہوتی، خلوت وتنہائی ایسی ہو کہ جس میں مباشرت کا غالب گمان ہوسکتا ہو، چنانچہ سسرال کے گھر میں عموماً حیا کی بنا پر خاوند مباشرت سے پرہیز کرتا ہے اور اپنے گھر میں نہیں اور چونکہ حق مہر کا وجوب تو مباشرت پر موقوف ہے، اس لیے خاوند بیوی میں اگر مباشرت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق تنازعہ کھڑا ہوجائے، خاوند کہے کہ میں نے مباشرت نہیں کی (تاکہ حق مہر سے بچ سکے) اور عورت کہے کہ مباشرت کی ہے (تاکہ اسے حق مہر مل سکے) تو ایسی صورت میں خلوت صحیحہ سے فیصلہ کیا جائے گا جس میں مباشرت کا زیادہ امکان ہو، اور یہ خاوند کے گھر میں معتبر ہے اور سسرال کے گھر میں غیر معتبر ہے...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قاضی شریح رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نیز بہت سے اہل حدیث علماء کا موقف تو یہ ہے کہ خلوت کا اعتبار ہی نہیں، مباشرت ہوگی تو حق مہر ملے گا ورنہ نہیں کیونکہ قرآن مجید میں مباشرت کا ذکر ہے نہ کہ محض خلوت کا، واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ : أَرَى ذَلِكَ فِي الْمَسِيسِ إِذَا دَخَلَ عَـلَيْهَا فِي بَيْتِهَا ، فَقَالَتْ: قَدْ مَسَّنِي ، وَقَالَ : لَـمْ أَمَسَّهَا ، صُدِّقَ عَلَيْهَا ، فَإِنْ دَخَلَتْ عَلَيْهِ فِي بَيْتِـهِ فَـقَـالَ : لَـمْ أَمَسَّـهَـا ، وَقَالَتْ : قَدْ مَسَّنِي ، صُدِّقَتْ عَلَيْهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ یہ گزشتہ روایت میں مذکور تصدیق والی بات مسیس یعنی جماع کے متعلق ہے، (چنانچہ) جب خاوند، عورت کے گھر میں اس کے پاس جائے، پھر عورت کہے کہ اس نے مجھ سے جماع کیا ہے اور مرد کہے کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا تو عورت کے خلاف خاوند کی بات کی تصدیق کی جائے گی اور اگر عورت، خاوند کے گھر میں اس کے پاس داخل ہو (جیسا کہ آج کل تقریباً یہی رواج ہے) پھر خاوند کہے کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا اور وہ (عورت) کہے کہ کیا ہے تو پھر عورت کی بات مانی جائے گی۔

فائدہ : ...... اگرچہ حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے اور ان میں سے ایک جھوٹا اور ایک سچا ہے اور یہ معاملہ بھی ایسا ہے کہ جس کا خاص ثبوت میسر نہیں ہوسکتا اس لیے نزاع کے خاتمے کی خاطر ایک قرینے اور امکان کو دلیل بنایا گیا ہے اور وہ یہ کہ مرد اپنے گھر میں جس طرح فرحت ونشاط اور سہولت پا سکتا ہے، عورت کے گھر میں نہیں پاسکتا، اس لیے اپنے گھر میں تو اس کے متعلق قوی امید ہے کہ اس نے مباشرت کی ہوگی لہٰذا عورت کی بات مانی جائے گی اور حق مہر لازم ہوگا، جبکہ عورت کے گھر میں یعنی سسرال میں عموماً حیا مانع ہوتی ہے...... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح کے نزاع کی

ہر صورت میں خاوند سے قسم لی جائے گی اور اسی کی بات مانی جائے گی کیونکہ عورت مدّعی ہے اور اس کے پاس کوئی ثبوت اور گواہ نہیں ہے اور خاوند مدعا علیہ ہے لہٰذا اس پر قسم پڑتی ہے، اگر قسم کھالے تو بری ہو جائے گا اور حق مہر سے بچ جائے گا ورنہ دینا پڑے گا۔

5- بَابٌ: الْمُقَامُ عِنْدَ الْبِكْرِ وَالْأَيِّمِ

شوہر دیدہ (بیوہ ومطلقہ) اور کنواری کے پاس ٹھہرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے اور دونوں بخاری ومسلم میں بھی ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... جب خاوند دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرتا ہے تو پھر یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ نئی بیوی کے پاس مسلسل کتنی راتیں گزارنا بیوی کا حق ہے کہ جن کے بعد باقی تمام بیویوں اور اس نئی بیوی کے درمیان انصاف سے باری تقسیم ہو سکے، چنانچہ اگر نئی بیوی شوہر دیدہ یعنی بیوہ یا مطلقہ ہو تو اس کے لیے تین راتیں مخصوص ہیں اور کنواری کے لیے سات، ہاں اگر آدمی کی پہلی شادی ہی ہو تو اس مسئلے کی نوبت ہی نہیں آئے گی کیونکہ اس صورت میں تو ساری راتیں ہی اس پہلی بیوی کے لیے ہوتی ہیں، لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ خاوند اپنی اس پہلی بیوی کے پاس بھی اتنی راتیں گزار کر ہی کہیں جائے، بہر حال مخصوص راتوں والے معاملے کا تعلق ایک سے زائد شادیوں کے ساتھ ہے۔

[1087] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ الْمَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ، وَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ قَالَ لَهَا: لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ، وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ، وَإِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ، وَدُرْتُ فَقَالَتْ ثَلِّثْ.

عبدالملک بن ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی رحمہ اللہ اپنے والد (ابوبکر بن عبدالرحمٰن) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے جب سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور انھوں نے آپ ﷺ کے پاس صبح کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم اپنے خاوند کے پاس ذلیل (اور کم مرتبہ) نہیں ہو۔'' (یا فرمایا: ''تمھاری وجہ سے تمھارے خاندان والے رسوا نہ ہوں گے۔'') اگر تم چاہو تو تمھارے پاس سات راتیں گزار لیتا ہوں اور (اس صورت میں) ان (باقی بیویوں) کے پاس سات (خاص) راتیں

[1087] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب قدر ماتستحقه البكر والثيب من اقامة الزوج عندها، حديث: 1460، ســنن ابى داود، كتاب النكاح، باب فى المقام عندالبكر، حديث: 2122، نسائى فى الكبرى: 8925، ابن ماجه: 1917، احمد: 6/ 292 (27037)، دارمى: 2210-

گزاروں گا، (پہلے تو ان کو صرف تین تین خاص راتیں ہی ملی تھیں اب ان کی باقی ماندہ چار چار راتیں پوری کردوں گا تاکہ انصاف ہو سکے) اور اگر تم چاہو تو میں تمھارے پاس بھی تین راتیں ہی ٹھہر لیتا ہوں اور (پھر فوراً بعد) ان سب پر (باری کے حساب سے) چکر لگاؤں گا۔'' تو وہ کہنے لگیں کہ آپ ﷺ تین راتیں ہی گزار لیجیے۔

فائدہ :......((لَيْسَ بِكِ عَلَى اَهْلِكِ هَوَانٌ)) میں اگر ''اَهْل'' سے مراد خاوند یعنی خود نبی کریم ﷺ مراد ہوں تو پھر اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ تمھارے خاوند کی نظروں میں تمھارے ساتھ کوئی رسوائی نہیں ہے، تم اس کی نظروں میں ذلیل و حقیر نہیں ہو، میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا کہ جس سے تمھاری تحقیر و توہین اور شان میں کمی آئے یا حق تلفی ہو۔ تمھارے لیے تین مخصوص کرنا تمھاری شان میں کمی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے، تم بیوہ عورت ہو اور چونکہ میں بیوہ و مطلقہ عورتوں کے پاس تین تین مخصوص راتیں ہی گزارتا ہوں اور پھر تمام بیویوں کے لیے باری شروع کر دیتا ہوں اس لیے تمھیں بھی تین راتیں ہی ملیں گی...... اور اگر ''اَهْـل'' سے مراد قبیلہ و خاندان ہو تو پھر (باء سببیت کے لیے ہوگی اور) معنی یہ ہوں گے کہ تمھاری وجہ سے تمھارا خاندان رسوا نہ ہوگا، میں کوئی ایسا عمل نہ کروں گا کہ جس سے تمھارا خاندان رسوا ہو اور لوگ یہ سمجھیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے خاندان کو کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں دی...... یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ تو محض دلجوئی، حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کے لیے اپنی ازواج مطہرات کے مابین باری مقرر کرتے تھے ورنہ آپ ﷺ پر باری واجب نہ تھی، ارشاد الٰہی ہے: ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ (الاحزاب 51:33) ''آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں مؤخر کر دیں (اس کی باری موقوف کر دیں) اور جسے چاہیں اپنی طرف جگہ دیں۔''

[1088] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لِلْبِكْرِ سَبْعٌ، وَلِلثَّيِّبِ ثَلَاثٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کنواری کے لیے سات دن اور شوہر دیدہ کے لیے تین دن ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ :......حضرت انس رضی اللہ عنہ ان الفاظ سے پہلے یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''سنت یہ ہے کہ......'' (بخاری: 5213، 5214، مسلم: 1461) اور صحابی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ، حدیث کے مرفوع ہونے یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

[1088] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب اذا تزوج البكر على الثيب، حديث: 5213، 5214، صحيح مسلم، كتاب الرضاع باب قدر ماتستحقه البكر و الثيب من اقامة الزوج عندها، حديث: 1461، ابوداود: 2124، ترمذی: 1139، ابن ماجه: 1916، دارمی: 2209۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ غَيْرُ الَّتِي تَزَوَّجَ ، فَإِنَّهُ يَقْسِمُ بَيْنَهُمَا, بَعْدَ أَنْ تَمْضِيَ أَيَّامُ الَّتِي تَزَوَّجَ بِالسَّوَاءِ ، وَلَا يَحْسِبُ عَلَى الَّتِي تَزَوَّجَ ، مَا أَقَامَ عِنْدَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر آدمی کے لیے اس عورت جس کے ساتھ اس نے شادی کی ہے، کے علاوہ بھی کوئی بیوی ہو تو بے شک وہ اس (نئی) دلہن جس کے ساتھ (اب) شادی کی ہے، کے مخصوص دن (تین یا سات) گزر جانے کے بعد دونوں (بیویوں) کے درمیان برابری کے ساتھ (باری) تقسیم کرے گا اور اس نئی دلہن کے پاس جو (خاص) ایام ٹھہرا رہا ہے۔ وہ (باری کے دوران) اس پر شمار نہ کرے گا۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مخصوص دنوں کے برابر دوسری بیویوں کو دن نہیں دے گا کیونکہ یہ تو اس نئی بیوی کا حق ہے، احناف کے نزدیک اس نئی دلہن کے ایام کے برابر دوسری بیویوں کے پاس بھی ٹھہرے گا اور وہ اسی کو انصاف شمار کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان کی بات درست مان لی جائے تو پھر کنواری کے لیے سات اور بیوہ کے لیے تین ایام کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا، اور رسول اللہ ﷺ نے تو سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''میں تیرے پاس تین راتیں ٹھہر کر باقی عورتوں کے پاس (باری کے طور پر) چکر لگاؤں گا'' یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر تیرے پاس تین راتیں ٹھہروں گا تو پھر ہر کسی کے پاس بھی تین راتیں ٹھہروں گا، بلکہ تین خاص ایام کے بعد باری کی تقسیم اور چکر لگانے کی بات کی ...... یاد رہے کہ کنواری کے لیے سات دن اس کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ہیں، رہی بیوہ و مطلقہ تو وہ گزشتہ خاوند کی وجہ سے معاملات زوجیت سے اجنبی نہیں ہوتی اور نئے خاوند سے بھی جلد ہی مانوس ہو جاتی ہے اس لیے اس کے لیے تین دن کافی سمجھے گئے ہیں۔

6- بَابٌ: مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الشُّرُوطِ فِي النِّكَاحِ

نکاح میں ناجائز شرطوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی رحمہ اللہ ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

[1089] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَشْتَرِطُ عَلَى زَوْجِهَا ، أَنَّهُ لَا يَخْرُجُ بِهَا مِنْ بَلَدِهَا . فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : يَخْرُجُ بِهَا

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنے خاوند پر یہ شرط لگا لیتی ہے کہ وہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ چاہے تو لے جا سکتا

[1089] (مقطوع ضعیف) ابن ابی شیبہ: 16451، بیہقی: 7/ 250 (14441)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

إِنْ شَاءَ.

قَالَ مَالِكٌ: فَالأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ إِذَا شَرَطَ الرَّجُلُ لِلْمَرْأَةِ، وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ، أَنْ لاَ أَنْكِحَ عَلَيْكِ، وَلاَ أَتَسَرَّرَ، إِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ يَمِينٌ بِطَلاَقٍ، أَوْ عِتَاقَةٍ، فَيَجِبُ ذَلِكَ عَلَيْهِ وَيَلْزَمُهُ.

ہے (کیونکہ شرط کالعدم ہے۔)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ جب مرد، عورت کے لیے کوئی شرط لگالے، خواہ نکاح منعقد ہوتے وقت ایسا کرے، (مثلاً یہ کہے) کہ میں تجھ پر (تیرے ہوتے ہوئے) کوئی اور شادی نہیں کروں گا اور نہ ہی کوئی لونڈی رکھوں گا، (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) یہ شرط کچھ بھی نہیں ہے (کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی اور یہ باطل ہے) الا یہ کہ اس میں طلاق یا آزادی کی کوئی قسم (معلق کی گئی) ہو تو وہ آدمی پر واجب ہو جائے گی۔

فائدہ: ......یعنی وہ کہے کہ اگر میں دوسرا نکاح کروں یا لونڈی لاؤں تو تجھے یا فلاں بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا فلاں فلاں غلام لونڈی آزاد ہو جائیں گے اور پھر واقعی وہ نیا نکاح کر لے یا لونڈی لے آئے تو طلاق اور آزادی والی بات واقع ہو جائے گی، اگر چہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''یقیناً وہ شرط جو پورا کیے جانے کا سب سے زیادہ حق رکھتی ہے وہ ہے جس کے ذریعے تم شرم گاہوں کو حلال کرو۔'' (بخاری: 2721، مسلم: 1418) لیکن آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: ((اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوْطِهِمْ اِلاَّ شَرْطاً اَحَلَّ حَرَاماً اَوْحَرَّمَ حَلاَلاً)) ''مسلمان آپس کی شرطوں پر قائم سمجھے جاتے ہیں سوائے اس شرط کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے۔'' (ابوداود: 3594، مسند احمد: 2/ 366، بیھقی: 6/ 64۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔) اور یہ بھی فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے: ''ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے، خواہ وہ سو شرطیں ہوں۔'' (بخاری: 2729، مسلم: 1504)

7- بَابٌ: نِكَاحُ الْمُحَلِّلِ وَمَا أَشْبَهَهُ

(عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے) حلال کرنے والے کے نکاح اور اس کے مشابہ نکاح کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے، پہلی دونوں صحیح ہیں اور آخری یعنی مقطوع ضعیف ہے۔

فائدہ: ......جس عورت کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، ہاں اگر کوئی اور شخص اس عورت سے شادی کر لے تو پھر وہ دوسرے خاوند کی دی ہوئی طلاق یا اس کی وفات کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے، دوسرے خاوند کو محلل کہا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى

﴿تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرة 2:230) ''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق (بھی) دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہو سکے گی یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔''.....اس عمل کی دو قسمیں ہیں: حلال اور حرام، چنانچہ اگر تو وہ دوسرا خاوند اس عورت کو اپنے پاس بسانے کی نیت کے ساتھ اس سے شادی کرتا ہے تو یہ جائز اور درست ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعد میں طلاق یا وفات ہو جائے.....لیکن اگر وہ صرف پہلے خاوند کے لیے حلال کرنے اور خود مباشرت کر کے طلاق دینے کی نیت سے نکاح کرتا ہے تو یہ حرام ہے، یہ دوسری صورت ''حلالہ'' کے نام سے مشہور ہے، ظاہر دیکھنے میں یہ پہلی صورت کے مشابہ ہے، اس کا بیان اسی باب کے اخیر میں آ رہا ہے۔

[1090] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الزَّبِيرِ: أَنَّ رِفَاعَةَ بْنَ سِمْوَالٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَمِيمَةَ بِنْتَ وَهْبٍ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثًا، فَنَكَحَتْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ، فَاعْتَرَضَ عَنْهَا، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَمَسَّهَا، فَفَارَقَهَا، فَأَرَادَ رِفَاعَةُ أَنْ يَنْكِحَهَا، وَهُوَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ الَّذِي كَانَ طَلَّقَهَا، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَنَهَاهُ عَنْ تَزْوِيجِهَا وَقَالَ: لَا تَحِلُّ لَكَ حَتَّى تَذُوقَ الْعُسَيْلَةَ.

زُبیر بن عبدالرحمٰن بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت رفاعہ بن سموال رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت تمیمہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے دور میں تین طلاقیں دے دیں تو انھوں نے (حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا نے) حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لیا، ان کو (حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو) ان کے پاس جانے سے کوئی عارضہ پیش آ گیا چنانچہ وہ اس سے مباشرت کی طاقت نہ پا سکے تو انھوں نے اسے جدا کر دیا، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ جو اس کے پہلے خاوند تھے اور اسے (تین بار) طلاق دے چکے تھے، انھوں نے ارادہ کیا کہ اس سے (پھر) شادی کر لیں، سو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے انھیں اس کے ساتھ شادی سے روک دیا اور فرمایا: ''وہ تیرے لیے حلال نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ وہ اس (عبدالرحمٰن) کی مٹھاس چکھ لے۔''

فائدہ :.....یعنی دوسرے خاوند کے ساتھ صرف نکاح ہو جانا ہی کافی نہیں بلکہ مباشرت کا ہونا بھی شرط ہے، مٹھاس سے مراد جماع کی لذت ہے، دراصل یہ عورت خاوند کی نافرمانی کی مرتکب ہوئی تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے زور سے مارا پیٹا تھا جس سے اس کے جسم پر سبز نشان بھی پڑ گیا تھا، پھر انھوں نے اسے بھی طلاق دے

[1090] (مرفوع صحيح لغيره) ابن حبان: 9/ 430 (4121)، بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 375 (15196، 15197)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 515 (4511)، الشافعي في الام: 5/ 248، وفي المسند: 2/ 70- شیخ سلیم ہلالی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ اور شیخ احمد علی سلیمان نے صحیح کہا ہے۔

دی، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور انھیں وہ نشان دکھائے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سب کچھ بتا دیا، ادھر حضرت عبدالرحمٰن کو معلوم ہوا تو وہ اپنے دونوں بیٹوں کو لے کر پیچھے ہی پہنچ گئے، عورت نے کہا تھا کہ اس دوسرے خاوند کے پاس میری خواہش پوری کرنے کا سامان نہیں ہے، اس کا عضو مخصوص تو کپڑے کی جھالر کے پھندے جیسا ہے تو وہ بولے کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! یہ جھوٹ بولتی ہے، میں تو اسے چمڑے کی طرح کوٹ کر رکھ دوں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو کہہ تو یہ رہی ہے لیکن اللہ کی قسم! اس کے بیٹے تو کوے کی کوے کے ساتھ مشابہت سے بڑھ کر اس کے ساتھ مشابہ ہیں۔" (بخاری: 5825) یاد رہے کہ حضرت رفاعہ بن سموال رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا کو تین طلاقیں اکٹھی نہ دی تھیں بلکہ دوسری روایات میں ہے کہ یہ (باقی ماندہ) آخری طلاق تھی۔ (بخاری: 6084، مسلم: 112/1433، 113)

[1091] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ رَجُلٌ آخَرُ، فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، هَلْ يَصْلُحُ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَا حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو اپنی بیوی کو بتہ طلاق (تعلق منقطع کر دینے والی یعنی تیسری طلاق) دے دیتا ہے، پھر اس کے بعد اس سے کوئی دوسرا شخص شادی کر لیتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دیتا ہے، تو کیا پہلے خاوند کے لیے درست ہے کہ وہ اس سے شادی کر لے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں، یہاں تک کہ وہ (دوسرا خاوند) اس کی مٹھاس (لذت جماع) چکھ لے۔

[1092] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ سُئِلَ، عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ رَجُلٌ آخَرُ، فَمَاتَ عَنْهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، هَلْ يَحِلُّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کو آخری طلاق بھی دے دیتا ہے، پھر اس کے بعد اس عورت سے کوئی دوسرا شخص شادی کر لیتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ مباشرت کرنے

[1091] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، یہ مرفوع بھی ثابت ہے، دیکھیے: بخاری: 2639، 5261، 5265، 5317، 5792، 5825، 6084، مسلم: 1433، ابوداود: 2309، ترمذی: 1118، نسائی: 3441، ابن ماجہ: 1930، احمد: 6/ 193 (26162)۔

[1092] (مقطوع ضعیف) بیہقی: 7/ 376۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ أَنْ يُرَاجِعَهَا؟ فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: لَا يَحِلُّ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ أَنْ يُرَاجِعَهَا.

سے قبل ہی فوت ہو جاتا ہے تو کیا پہلے خاوند کے لیے یہ جائز ہو جاتا ہے کہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لے؟ تو قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کے پہلے شوہر کے لیے یہ حلال نہیں کہ (اس صورت میں) اس کے ساتھ مراجعت (دوبارہ نکاح) کرے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُحَلِّلِ: إِنَّهُ لَا يُقِيمُ عَلَى نِكَاحِهِ ذَلِكَ، حَتَّى يَسْتَقْبِلَ نِكَاحاً جَدِيداً، فَإِنْ أَصَابَهَا فِي ذَلِكَ فَلَهَا مَهْرُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے حلالہ کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا: بلاشبہ وہ اپنے اس نکاح پر قائم نہیں رہ سکتا (کیونکہ یہ نکاح ہی فاسد ہے) یہاں تک کہ (اکٹھے رہنے کی نیت کے ساتھ) نئے سرے سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (حلالہ کے اس نکاح میں) اس سے ہم بستری کر چکا ہو تو اس عورت کے لیے اس کا حق مہر (حلالہ کرنے والے کے ذمے لازم) ہے۔

فائدہ:...... احناف کے سوا پوری امت کے نزدیک ''حلالہ'' باطل ہے، تین طلاقیں پالینے والی عورت کے ساتھ، اسے طلاق دینے کی نیت سے نکاح و مباشرت کرنے والا شخص ''محلل'' اور پہلا شوہر ''مُحَلَّلٌ لَہٗ'' کہلاتا ہے اور دونوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی۔ (ترمذی: 1120، نسائی: 3445، احمد: 1/ 448۔ اس کی سند صحیح ہے) اللہ نے بھی ان دونوں پر لعنت کی ہے اور حلالہ کرنے والا ادھار لیے ہوئے سانڈ کی طرح ہے۔ (ابن ماجہ: 1936، حاکم: 2/ 199، بیہقی: 7/ 308۔ اس کی سند حسن ہے۔) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے زنا سمجھتے تھے۔ (حاکم: 2/ 199، طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد: 4/ 267۔ اس کے راوی بخاری کے راوی ہیں۔)

8- بَابٌ: مَا لَا يُجْمَعُ بَيْنَهُ مِنَ النِّسَاءِ

اُن عورتوں کا بیان جنھیں نکاح میں اکٹھا نہیں کیا جاتا

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع حدیثِ نبوی ﷺ ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور دوسری مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1093] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت اور اس کی پھوپھی کو (ایک شخص

[1093] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لاتنکح المراۃ علی عمتها، حدیث: 5109، 5110، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المراۃ وعمتها او خالتها فی النکاح، حدیث: 1408، ابوداود: 2065، ترمذی: 1126، نسائی: 3290، ابن ماجه: 1929، احمد: 2/ 516 (10701)۔

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : لاَ يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلاَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا . کے نکاح میں بیک وقت) جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی عورت اور اس کی خالہ کو۔

فائدہ :......یعنی ایک آدمی ایسی دو بیویاں اکٹھی نہیں رکھ سکتا جو آپس میں پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی ہوں، یادر ہے کہ یہاں قریب کی رشتہ داری مراد ہے ،دُور کے رشتے مراد نہیں، نیز پھوپھی سے مراد باپ کی بہن ہے خواہ سگی بہن ہو یا پدری یا مادری، اسی طرح خالہ سے مراد ماں کی سگی یا پدری یا مادری بہن ہے، اسی طرح میت کے سگے دادا، پردادا اور نانی اور پڑنانی وغیرہ کی بہنیں بھی پھوپھی وخالہ کے حکم میں ہیں۔

[1094] وَحَدَّثَنِي ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : يُنْهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا ، أَوْ عَلَى خَالَتِهَا، وَأَنْ يَطَأَ الرَّجُلُ وَلِيدَةً وَفِي بَطْنِهَا جَنِينٌ لِغَيْرِهِ . سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ اس سے منع کیا جائے گا کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر (پھوپھی وخالہ کی موجودگی میں) نکاح کیا جائے اور (اس سے بھی منع کیا جائے گا کہ) آدمی اس لونڈی سے مباشرت کرے جس کے پیٹ میں کسی اور شخص کا بچہ ہو۔

فائدہ :......کسی شخص کو مال غنیمت، وراثت یا تحفے میں لونڈی ملے یا وہ اسے خرید ے تو کم از کم ایک حیض آنے تک انتظار کرنا واجب ہے، اس کے حاصل ہونے کے بعد اگر اسے حیض آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ حاملہ ہوگی اور جب تک بچہ پیدا نہ ہو نیا مالک اس سے مباشرت نہ کرے۔ اگر اس لونڈی کو صغر سنی یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو پھر بھی استبراء رحم یعنی اس کے رحم کا خالی ہونا کسی نہ کسی طریقے سے معلوم کرنا لازم ہے...... نبی کریم ﷺ نے جنگ اوطاس کی قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا تھا: ''کسی حاملہ (لونڈی) سے اس کے بچہ جننے تک ہم بستری نہ کی جائے اور غیر حاملہ سے ایک حیض آنے تک مباشرت نہ کی جائے۔'' (ابو داود: 2157، احمد: 3/ 28۔ اس کی سند صحیح ہے) قیدی حاملہ لونڈی کے ساتھ ہم بستری کرنے والے شخص پر رسول اللہ ﷺ نے ایسی لعنت کرنا چاہی تھی جو اس کے ساتھ اس کی قبر میں بھی داخل ہو جاتی۔ (مسلم: 1441) اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنا پانی (نطفہ) کسی اور کی کھیتی (حمل) کو پلائے۔'' (ابو داود: 2158، 2159، ترمذی: 1131۔ اس کی سند حسن ہے۔)

9- بَابٌ : مَا لَا يَجُوزُ مِنْ نِكَاحِ الرَّجُلِ أُمَّ امْرَأَتِهِ

آدمی کے اپنی ساس کے ساتھ نکاح کے ناجائز ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب : اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور دونوں کی سندیں ضعیف ہیں، نیز

[1094] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿أُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِي فِي حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ﴾ (النساء 4 : 23) ''اور تمھاری بیویوں کی مائیں (بھی تم پر حرام ہیں) اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں بھی جو تمھاری پرورش میں ہوں اور وہ تمھاری ان بیویوں سے ہوں جن کے ساتھ تم نے مباشرت کر لی ہو (تو یہ سوتیلی بیٹیاں حرام ہیں)، ہاں اگر تم نے ان سے (بیویوں) سے مباشرت نہ کی ہو تو پھر (ان سوتیلی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

[1095] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، ثُمَّ فَارَقَهَا قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا، هَلْ تَحِلُّ لَهُ أُمُّهَا؟ فَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: لَا، الْأُمُّ مُبْهَمَةٌ، لَيْسَ فِيهَا شَرْطٌ، وَإِنَّمَا الشَّرْطُ فِي الرَّبَائِبِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کسی عورت سے شادی کی پھر اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ہی اُسے چھوڑ دیا تو کیا اس آدمی کے لیے اس عورت کی ماں (اپنی ساس) حلال ہے؟ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں (کیونکہ قرآن مجید کی آیت میں بیوی کی) ماں مبہم (رکھی گئی) ہے (یعنی) اس (کے حرام ہونے) میں کوئی (قید اور) شرط نہیں لگائی گئی (لہٰذا کسی عورت کے ساتھ نکاح ہوتے ہی اس کی ماں یعنی خاوند کی ساس اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے خواہ دخول ہوا ہو یا نہ) اور بلاشبہ (دخول اور مباشرت کی) شرط تو ربائب یعنی سوتیلی بیٹیوں میں ہے۔

فائدہ :...... ''رَبَائِب'' جمع ہے ''رَبِيْبَة'' کی جس سے مراد وہ لڑکی ہے جسے بیوی گزشتہ خاوند سے لے کر آئے، ان بچیوں کے ساتھ نکاح حرام ہونے میں یہ شرط ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے یعنی اس سوتیلی بچی کی ماں سے مباشرت کر لے، چنانچہ جس بیوی سے مباشرت ہو جائے تو اس بیوی کی گزشتہ خاوندوں والی بچیاں آدمی پر حرام ہو جاتی ہیں اور اگر مباشرت نہ ہوئی ہو تو یہ حلال رہتی ہیں یعنی آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی بچی سے شادی کر سکتا ہے۔

[1096] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ اسْتُفْتِيَ وَهُوَ

امام مالک رحمہ اللہ کے کئی ایک شیوخ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہ جب وہ

[1095] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 7/ 160 (13907)، وفی معرفۃ السنن والآثار: 5/ 283 (4150)، الشافعی فی الام: 5/ 24۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1096] (موقوف ضعیف) بیہقی: 7/ 159 (13903)، ابن ابی شیبہ: 16264، عبدالرزاق: 10811۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

بِالْكُوفَةِ، عَنْ نِكَاحِ الأُمِّ بَعْدَ الابْنَةِ، إِذَا لَمْ تَكُنِ الابْنَةُ مُسَّتْ، فَأَرْخَصَ فِي ذَلِكَ، ثُمَّ إِنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، فَسَأَلَ عَنْ ذَلِكَ، فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ كَمَا قَالَ، وَإِنَّمَا الشَّرْطُ فِي الرَّبَائِبِ، فَرَجَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِلَى الْكُوفَةِ، فَلَمْ يَصِلْ إِلَى مَنْزِلِهِ، حَتَّى أَتَى الرَّجُلَ الَّذِي أَفْتَاهُ بِذَلِكَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ.

کوفہ میں تھے، بیٹی (کو طلاق دینے) کے بعد (اس کی) ماں کے ساتھ نکاح کرنے کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا، جبکہ (اس کی) بیٹی کے ساتھ جماع نہ کیا گیا ہو تو انھوں نے اس میں رخصت دے دی، پھر یقیناً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے اور انھوں نے اس مسئلے کے بارے میں (دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے) پوچھا تو انھیں یہ خبر دی گئی کہ بلاشبہ یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے کہ جس طرح انھوں نے (اپنے کوفے والے فتوی میں) کہا ہے۔ یقیناً (جماع والی) شرط تو صرف اور صرف ربائب (سوتیلی بیٹیوں) کے بارے میں ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف واپس پلٹے تو اپنے گھر نہ گئے یہاں تک کہ (سیدھے) اس شخص کے پاس آئے جسے انھوں نے فتوی دیا تھا، پھر انھوں نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے (کیونکہ یہ اس کی پہلی بیوی کی ماں ہے جو اس پر اسی وقت حرام ہوگئی تھی جب وہ اس کی ساس بنی تھی)۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ تَكُونُ تَحْتَهُ الْمَرْأَةُ، ثُمَّ يَنْكِحُ أُمَّهَا، فَيُصِيبُهَا: إِنَّهَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ، وَيُفَارِقُهُمَا جَمِيعاً، وَيَحْرُمَانِ عَلَيْهِ أَبَداً، إِذَا كَانَ قَدْ أَصَابَ الْأُمَّ، فَإِنْ لَمْ يُصِبِ الْأُمَّ، لَمْ تَحْرُمْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ، وَفَارَقَ الْأُمَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا: جس کے عقد میں کوئی عورت ہو، پھر وہ اس کی ماں سے نکاح کرلے اور اس سے مباشرت بھی کرلے، (تو انھوں نے فرمایا کہ) بلاشبہ اس پر اس کی (پہلی) بیوی بھی حرام ہوجائے گی اور وہ دونوں کو اکٹھے ہی چھوڑ دے گا اور وہ دونوں اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائیں گی جس وقت کہ وہ (دوسری بیوی کے ساتھ یعنی اپنی پہلی بیوی کی) ماں کے ساتھ مباشرت کر چکا ہو، ہاں اگر اس نے ماں سے مباشرت نہ کی ہو تو اس کی (پہلی) بیوی (اس پر) حرام نہ ہوگی اور وہ صرف (دوسری بیوی یعنی پہلی بیوی کی) ماں کو چھوڑ دے گا۔

فائدہ: ...... دراصل اس کی دوسری بیوی یعنی پہلی بیوی کی ماں جسے ساس کہتے ہیں، اس پہلے دن سے ہی حرام تھی جس میں وہ ساس بنی تھی، پھر جب اس نے ناواقفیت کی بنا پر ساس سے شادی کرلی اور مباشرت بھی کرلی تو اس ساس کی بیٹی یعنی آدمی کی پہلی بیوی بھی اس کے لیے حرام ہوگئی، اگرچہ یہ نکاح فاسد ہے لیکن اس نے تو اسے صحیح سمجھ کر ہی کیا تھا، زنا کے طور پر ہم بستری نہ کی تھی، اسی لیے اس پر مختلف احکام مرتب ہو رہے ہیں۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو کسی

يَنْكِحُ أُمَّهَا فَيُصِيبُهَا : إِنَّهُ لاَ تَحِلُّ لَهُ أُمُّهَا أَبَداً، وَلاَ تَحِلُّ لأَبِيهِ، وَلاَ لاِبْنِهِ، وَلاَ تَحِلُّ لَهُ ابْنَتُهَا، وَتَحْرُمُ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ.

عورت سے شادی کرتا ہے پھراس کی ماں سے نکاح کر لیتاہے اوراس سے ہم بستری بھی کرلیتاہے تو بلاشبہ اس (پہلی بیوی) کی ماں اس کے لیے کبھی بھی حلال نہ ہوگی اور وہ ماں اس خاوند کے بیٹے کے لیے حلال نہ ہوگی (کیونکہ وہ اس کے باپ کی منکوحہ اوراس کی سوتیلی ماں بن چکی ہے) اورنہ ہی وہ ماں اس خاوند کے باپ کے لیے حلال ہوگی (کیونکہ وہ اس کی بہو بن چکی ہے) اورنہ ہی اس خاوند کے لیے اس ماں کی بیٹی حلال رہے گی (کیونکہ وہ ان کی ماں سے مباشرت کر چکا ہے اور (حتی کہ) اس خاوند پراس کی پہلی بیوی بھی حرام ہوجائے گی (کیونکہ وہ اس کی ماں سے مباشرت کر چکا ہے)۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا الزِّنَا فَإِنَّهُ لاَ يُحَرِّمُ شَيْئاً مِنْ ذٰلِكَ، لأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ : ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ [النساء : 23] فَإِنَّمَا حَرَّمَ مَا كَانَ تَزْوِيجاً، وَلَمْ يَذْكُرْ تَحْرِيمَ الزِّنَا، فَكُلُّ تَزْوِيجٍ كَانَ عَلَى وَجْهِ الْحَلاَلِ، يُصِيبُ صَاحِبُهُ امْرَأَتَهُ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ التَّزْوِيجِ الْحَلاَلِ، فَهٰذَا الَّذِي سَمِعْتُ، وَالَّذِي عَلَيْهِ أَمْرُ النَّاسِ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا زنا (کا معاملہ) تو وہ ان (بیان کردہ صورتوں) میں سے کسی کوبھی حرام نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالی نے تو فرمایا ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ (آل عمران 23:3) ''اور (تم پر) تمھاری بیویوں کی مائیں (حرام ہیں)۔'' (چنانچہ بیوی وہ ہوتی ہے جس سے شادی ہو، زنا کے ساتھ عورت بیوی نہیں بنتی، لہٰذا آیت مبارکہ کا زانیہ عورتوں سے تعلق نہیں ہے۔) بلاشبہ اللہ نے تو صرف اس رشتے کوحرام قراردیا ہے جوشادی کے ذریعے قائم ہوا ہو، اوراللہ نے زنا کی (وجہ سے اس) حرمت کا تذکرہ بھی نہیں کیا، پس ہر وہ شادی جوحلال طریقے سے ہو اور آدمی (اس قسم کی شادی والی) اپنی بیوی سے مباشرت کرلے تووہ حلال شادی ہی کی قائم مقام ہوگی۔ (اگرچہ نکاح فاسد ہی ہو، لہٰذا اس پرحلال شادی والے نتائج مرتب ہوں گے) یہی ہے وہ (فیصلہ وفتوی اورحکم) جو میں نے (اہل علم سے) سنا ہے اورجس پر ہمارے ہاں لوگوں کا معاملہ (جاری) ہے۔

10- بَابٌ: نِكَاحُ الرَّجُلِ أُمَّ امْرَأَةٍ قَدْ أَصَابَهَا عَلَى وَجْهِ مَا يُكْرَهُ

اس عورت کی ماں سے شادی کا بیان جس کے ساتھ ناجائز طریقے (زنا) سے مباشرت کی گئی ہو

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات اس باب میں مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَزْنِي بِالْمَرْأَةِ، فَيُقَامُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جوکسی عورت

عَـلَيْهِ الْحَدُّ فِيهَا : إِنَّهُ يَنْكِحُ ابْنَتَهَا ، وَيَنْكِحُهَا ابْنُهُ إِنْ شَاءَ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ أَصَابَهَا حَرَاماً ، وَإِنَّمَا الَّذِي حَرَّمَ اللهُ مَا أُصِيبَ بِالْحَلَالِ ، أَوْ عَلَى وَجْهِ الشُّبْهَةِ بِالنِّكَاحِ .

سے زنا کرتا ہے، پھراس عورت کی وجہ سے اس پر (زنا کی) حد قائم کی جاتی ہے، تو بلاشبہ وہ اس (زانیہ) کی بیٹی سے شادی کرسکتا ہے اور اس (زانیہ) سے اس کا بیٹا بھی اگر چاہے تو شادی کرسکتا ہے، (کیونکہ وہ اس کے باپ کی منکوحہ نہیں ہے) اور یہ (سب) اس وجہ سے ہے کہ اس نے اس کے ساتھ حرام طریقے سے مباشرت کی تھی (جس پر شادی و نکاح کے احکام ونتائج مرتب نہیں ہوتے) اور بلاشبہ جس (رشتے) کو اللہ نے حرام کیا ہے، وہ تو صرف اور صرف وہ ہے جس میں حلال طریقے سے مباشرت کی گئی ہو یا نکاح کے ساتھ مشابہت کے طور پر (مباشرت کی گئی ہو)۔

فائدہ :......جیسا کہ لاعلمی میں کوئی فاسد نکاح کرلیا جائے تو وہ نکاح کے مشابہ شمار ہوتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [النساء : 22] .

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء 4:22) ''اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا تھا۔''

فائدہ :......اس آیت میں نکاح کا ذکر ہے اور زنا کو نکاح نہیں کہتے لہٰذا صرف وہ عورتیں حرام ہیں جو باپ کی منکوحہ ہوں، رہیں وہ عورتیں جن سے باپ نے زنا کیا ہو وہ اس کی اولاد پر حرام نہیں ہیں، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا یہی موقف ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں زنا پر بھی وہ تمام احکام ونتائج مرتب ہوتے ہیں جو نکاح پر ہوتے ہیں، دراصل انھوں نے نکاح کے معنی ''وطی'' (روندنے) کے کیے ہیں اور زنا میں بھی وطی ہی ہوتی ہے...... حالانکہ نکاح کے اصلی اور حقیقی معنی ''عقد'' کے ہیں اور اس سے وطی تو مجازاً اور کبھی کبھار ہی مراد ہوتی ہے، اگر زنا سے ان مذکورہ بالا رشتوں کی حلت وحرمت کے احکام مرتب ہوتے تو پھر زنا پر عورت کی عدت بھی اور پھر وراثت کا معاملہ بھی تسلیم کرنا چاہیے، جس کا کوئی قائل نہیں لہٰذا نکاح اور زنا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَلَوْ أَنَّ رَجُلاً ، نَكَحَ امْرَأَةً فِي عِدَّتِهَا ، نِكَاحاً حَلَالاً فَأَصَابَهَا ، حَرُمَتْ عَلَى ابْنِهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا ، وَذَلِكَ أَنَّ أَبَاهُ نَكَحَهَا عَلَى وَجْهِ الْحَلَالِ ، لَا يُقَامُ عَلَيْهِ فِيهِ الْحَدُّ ، وَيُلْحَقُ بِهِ الْوَلَدُ الَّذِي يُولَدُ فِيهِ بِأَبِيهِ ، وَكَمَا حَرُمَتْ عَلَى ابْنِهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا ، حِينَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ اس کی عدت کے دوران حلال طریقے سے نکاح کرے (زنا نہ کرے بلکہ علانیہ نکاح کرے) پھر اس سے مباشرت کرلے تو (چونکہ وہ اب اس کی منکوحہ بن گئی ہے خواہ فاسد نکاح ہی سے، اس لیے) اس کے بیٹے پر اس (باپ کی منکوحہ) سے شادی کرنا حرام ہوجائے گا، اور یہ اس وجہ

تَزَوَّجَهَا أَبُوهُ فِي عِدَّتِهَا وَأَصَابَهَا ، فَكَذَلِكَ يَحْرُمُ عَلَى الأَبِ ابْنَتُهَا، إِذَا هُوَ أَصَابَ أُمَّهَا .

سے ہے کہ باپ نے اس کے ساتھ حلال طریقے سے نکاح کیا تھا (اور اسی بنا پر) اس پر اس عمل میں (زنا کی) حد نافذ نہیں کی جاتی اور آدمی کے اس بچے کو باپ کے ساتھ لاحق کر دیا جاتا ہے جو اس (عدت کے دوران شادی والی مباشرت) کی وجہ سے پیدا ہو اور اسی طرح اس عورت سے شادی، آدمی کے بیٹے پر بھی حرام ہو جائے گی جس وقت کہ اس کے باپ نے اس کے ساتھ حالت عدت میں شادی کر کے مباشرت کر لی ہو، اسی طرح باپ پر اس (منکوحہ) عورت کی بیٹی بھی حرام ہو جائے گی بشرطیکہ وہ اس کی ماں سے ہم بستری کر چکا ہو۔

11- بَابٌ: جَامِعُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ النِّكَاحِ

متفرق قسم کے ناجائز نکاحوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں دو مرفوع اور دو موقوف ہیں، ایک موقوف روایت ضعیف ہے جبکہ باقی سب روایات صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[1097] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ ، وَالشِّغَارُ : أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ ، عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الآخَرُ ابْنَتَهُ ، لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ''شغار'' (وٹہ سٹہ) کے نکاح سے منع فرمایا ہے اور ''شغار'' یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کی شادی (دوسرے شخص سے) اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرے گا، اور ان دونوں کے درمیان (اس کے سوا کچھ اور) حق مہر بھی نہ ہو۔

فائدہ:...... ہر ایسا نکاح ''شغار'' کہلاتا ہے جس میں ایک عورت کے بدلے میں دوسری عورت کے نکاح کی شرط ہو، خواہ اس میں حق مہر ادا کیا جائے یا نہ، جمہور امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نکاح باطل اور حرام ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نکاح درست ہے اور مہر مثل ادا کیا جائے گا، ان کا یہ موقف احادیث نبویہ ﷺ کے خلاف ہے۔ فرمان پیغمبر ﷺ ہے: ''نکاح شغار اسلام میں نہیں ہے۔'' (مسلم: 60/415) نیز اگر عورتوں کے تبادلے کی شرط نہ ہو بلکہ اتفاقاً ایسی صورت بن جائے تو پھر ممنوع نہیں ہے۔

[1097] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الشغار، حدیث: 5112، 6960، صحیح مسلم، باب تحریم نکاح الشغار وبطلانه، حدیث: 1415، ابو داود: 2074، ترمذی: 1124، نسائی: 3339، ابن ماجه: 1883، احمد: 2/ 62(5389)۔

[1098] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعِ ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِي، عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِدَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ: أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ، فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَرَدَّ نِكَاحَهُ.

حضرت خنساء بنت خذام (یا خدام) انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی کر دی، اس حال میں کہ وہ بیوہ تھیں اور انھیں یہ شادی پسند نہ تھی، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ نے اس (والد) کے (کیے ہوئے) نکاح کو مسترد کر دیا۔

فائدہ :...... مطلقہ و بیوہ عورتوں پر شادی کے معاملے میں جبر نہیں ہو سکتا، یہ ٹھیک ہے کہ ان کی شادی ان کا ولی اور سر پرست ہی کرے گا لیکن اس میں مرضی اور زیادہ اختیار عورت ہی کا رکھا گیا ہے۔

[1099] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أُتِيَ بِنِكَاحٍ، لَمْ يَشْهَدْ عَلَيْهِ إِلَّا رَجُلٌ وَامْرَأَةٌ، فَقَالَ: هَذَا نِكَاحُ السِّرِّ وَلَا أُجِيزُهُ، وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيهِ لَرَجَمْتُ.

ابو زبیر مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا نکاح (کا معاملہ) لایا گیا جس پر ایک مرد اور ایک عورت کے سوا کوئی بھی گواہ نہ تھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ چوری چھپے کا نکاح ہے اور میں اسے جائز نہیں قرار دیتا اور اگر میں اس کے متعلق کوئی حکم صادر کر چکا ہوتا تو (ایسا نکاح کرنے والوں کو) رجم کر دیتا۔

فائدہ :...... کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''ولی اور دو عادل (مرد) گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔'' (دارقطنی: 3/ 225، بیہقی: 7/ 125، ارواء الغلیل: 1858، 1860۔ اس کی سند صحیح ہے۔) امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح، مردوں کی گواہی کے بغیر منعقد ہی نہیں ہوتا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی کام چل جاتا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں اقوال مروی ہیں۔ پہلا موقف راجح ہے۔

[1098] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب اذواج الرجل ابنته وهی کارهة فنکاحه مردود، حدیث: 5138، 5139، 6945، 6969، سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الثیب، حدیث: 2101، نسائی: 3670، ابن ماجه: 1873، احمد: 6/ 368 (27322)، دارمی: 2192۔

[1099] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبریٰ: 7/ 126، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 254 (4103)، الشافعی فی الام: 5/ 22، 7/ 235، وفی المسند: 2/ 17، سعید بن منصور: 627، ابن ابی شیبه: 16391۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1100] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ طُلَيْحَةَ الْأَسَدِيَّةَ، كَانَتْ تَحْتَ رُشَيْدٍ الثَّقَفِي فَطَلَّقَهَا، فَنَكَحَتْ فِي عِدَّتِهَا، فَضَرَبَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَضَرَبَ زَوْجَهَا بِالْمِخْفَقَةِ ضَرَبَاتٍ، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ فِي عِدَّتِهَا، فَإِنْ كَانَ زَوْجُهَا الَّذِي تَزَوَّجَهَا لَمْ يَدْخُلْ بِهَا، فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ اعْتَدَّتْ بَقِيَّةَ عِدَّتِهَا مِنْ زَوْجِهَا الْأَوَّلِ، ثُمَّ كَانَ الْآخَرُ خَاطِباً مِنَ الْخُطَّابِ، وَإِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا، فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ اعْتَدَّتْ بَقِيَّةَ عِدَّتِهَا مِنَ الْأَوَّلِ، ثُمَّ اعْتَدَّتْ مِنَ الْآخَرِ، ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَداً. قَالَ مَالِكٌ: وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: وَلَهَا مَهْرُهَا بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْهَا.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک (عشرہ مبشرہ میں سے ایک حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ) طلیحہ اسدیہ رضی اللہ عنہا رشید ثقفی رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں، اس نے انھیں طلاق دے دی تو انھوں نے اپنی عدت کے دوران ہی شادی کر لی، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو (طلیحہ رضی اللہ عنہا کو) اور ان کے (نئے) خاوند کو بھی چند دُرّے (کوڑے) لگا کر مارا اور دونوں کو الگ الگ کر دیا، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی عورت اپنی عدت میں نکاح کر لے تو جس خاوند سے اس نے شادی کی ہے اگر اس نے اس سے مباشرت نہ کی ہو تو دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا، پھر وہ اپنے پہلے خاوند کی باقی ماندہ عدت گزارے، پھر دوسرا خاوند (اُسے) نکاح کا پیغام بھیجنے والوں میں سے ایک پیغام نکاح بھیجنے والا شمار ہوگا، اور اگر وہ دوسرا خاوند اس سے مباشرت کر چکا ہو تو بھی دونوں کو جدا جدا کر دیا جائے گا، پھر وہ پہلے خاوند کی عدت گزارے گی اس کے بعد اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی، پھر وہ کبھی بھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے (یہ بھی) فرمایا تھا: اس عورت کو (دوسرے خاوند کی جانب سے) حق مہر ملے گا اس وجہ سے کہ اس دوسرے خاوند نے اس کی شرم گاہ کو حلال کر لیا تھا۔

فائدہ: ......اُن کے دوبارہ جمع نہ ہوسکنے کا فیصلہ ایک سزا کے طور پر تھا، اگر چہ شرعاً جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ، يُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، فَتَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس آزاد عورت جس کا خاوند اس سے فوت ہو جاتا ہے پھر وہ چار ماہ دس دن عدت

[1100] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 441(15539)، وفي الصغير: 3/ 166(2821)، وفي معرفة السنن والآثار: 6/ 63(4680)، عبدالرزاق: 6/ 210(10539)، الشافعي في الام: 5/ 233، وفي المسند: 2/ 105، طحاوي في شرح معاني الآثار: 3/ 151۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

وَعَشْراً: إِنَّهَا لاَ تَنْكِحُ إِنِ ارْتَابَتْ مِنْ حَيْضَتِهَا، حَتَّى تَسْتَبْرِئَ نَفْسَهَا مِنْ تِلْكَ الرِّيبَةِ، إِذَا خَافَتِ الْحَمْلَ.

گزارتی ہے، (تو اس عورت) کا حکم یہ ہے کہ بلاشبہ اگر اسے اپنے حیض کے متعلق شبہ پڑ جائے (کہ شاید یہ استحاضہ کا خون ہو اور وہ حاملہ ہو چکی ہو) تو وہ نکاح نہ کرے گی یہاں تک کہ اپنے آپ کو اس شک سے پاک نہ کر لے، جس وقت کہ اسے حمل کا خوف ہو۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر حاملہ ہے تو بچہ جننے کا انتظار کرے اور کسی سے شادی نہ رچائے اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو پھر وہ عدت سے فارغ ہونے والی شمار ہوگی۔

12- بَابٌ: نِكَاحُ الْأَمَةِ عَلَى الْحُرَّةِ

آزاد بیوی کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف ضعیف اور دوسری مقطوع صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1101] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ سُئِلَا، عَنْ رَجُلٍ كَانَتْ تَحْتَهُ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ، فَأَرَادَ أَنْ يَنْكِحَ عَلَيْهَا أَمَةً. فَكَرِهَا أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَهُمَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کے نکاح میں آزاد عورت ہو پھر وہ اس پر ایک لونڈی سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو دونوں (عبداللہ) نے ناپسندیدہ جانا کہ ان دونوں (آزاد اور لونڈی) کو (ایک شخص کے نکاح میں) جمع کیا جائے۔

فائدہ: ...... جمہور کا موقف یہی ہے، اپنی لونڈی سے تو نکاح نہیں ہوتا اُس سے مباشرت بغیر نکاح کے جائز ہوتی ہے، اس فتویٰ میں کسی اور مالک کی لونڈی مراد ہے...... یاد رہے کہ جب لونڈی کی کسی شخص سے شادی ہو جائے تو اس کا مالک اسے استعمال نہیں کر سکتا۔

[1102] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ

[1101] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 175(14005)، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 307 (4181)، الشافعی فی الام: 7/ 254، عبدالرزاق: 13085، ابن ابی شیبة: 16052۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[1102] (مقطوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 5/ 308(4182)، الشافعی فی الام: 7/ 254، عبدالرزاق: 13091، ابن ابی شیبہ: 16071، سعید بن منصور: 722۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لَا تُنْكَحُ الْأَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ، إِلَّا أَنْ تَشَاءَ الْحُرَّةُ، فَإِنْ طَاعَتِ الْحُرَّةُ، فَلَهَا الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ.

آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے، الا یہ کہ آزاد عورت چاہے (اور اجازت دے دے)، چنانچہ اگر وہ راضی ہو تو (لونڈی کو بیاہ لائے پھر) باری میں اُسے دو تہائی ملے گا۔

فائدہ: ..... چنانچہ خاوند آزاد بیوی کے پاس دو دن اور لونڈی کے پاس ایک دن رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَنْبَغِي لِحُرٍّ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَمَةً، وَهُوَ يَجِدُ طَوْلًا لِحُرَّةٍ، وَلَا يَتَزَوَّجَ أَمَةً إِذَا لَمْ يَجِدْ طَوْلًا لِحُرَّةٍ، إِلَّا أَنْ يَخْشَى الْعَنَتَ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [النساء: 25] وَقَالَ: ﴿ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ [النساء: 25].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی آزاد شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی لونڈی سے اس حال میں شادی کرے کہ وہ کسی آزاد عورت سے شادی کی وسعت پاتا ہو اور (بلکہ) جب وہ آزاد عورت سے شادی کی وسعت نہ پاتا ہو پھر بھی لونڈی سے نکاح نہ کرے مگر صرف اس وقت کہ جب وہ زنا (میں واقع ہو جانے) سے ڈرتا ہو، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ (النساء 25:4) "اور تم میں سے جو شخص آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ تمھاری ان مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کر لے جو تمھاری ملکیت میں ہوں۔" اور پھر (اس کے بعد اسی آیت میں یہ بھی) فرمایا: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ (النساء 25:4) "یہ (اجازت) تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جسے گناہ کی راہ پر چلنے (زنا کرنے) کا اندیشہ ہو۔"

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَنَتُ هُوَ الزِّنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (اَلْعَنَتُ) سے مراد زنا ہے۔

13- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَمْلِكُ الْمَرْأَةَ وَقَدْ كَانَتْ تَحْتَهُ فَفَارَقَهَا

اس شخص کا بیان جو کسی ایسی لونڈی کا مالک بن جائے جو پہلے اس کے نکاح میں تھی اور وہ اسے چھوڑ چکا تھا

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف ہے جو سنداً صحیح ہے، اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جن میں سے ایک ضعیف ہے اور ایک صحیح، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

[1103] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ الْأَمَةَ ثَلَاثاً ، ثُمَّ يَشْتَرِيهَا : إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ .

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ اس شخص کے متعلق فرمایا کرتے تھے جو لونڈی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر اسے خرید لیتا ہے، (وہ فرماتے ہیں کہ) بلاشبہ وہ لونڈی اس (مالک) کے لیے جائز نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے شادی کر لے۔

فائدہ: ...... ائمہ اربعہ اور جمہور کا یہی موقف ہے......بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ وہ لونڈی ہے اس لیے لونڈی کی حیثیت سے اس کے ساتھ مباشرت جائز ہے لیکن ان کی یہ بات قابل تسلیم نہیں کیونکہ ہر لونڈی کے ساتھ مباشرت جائز نہیں ہوا کرتی مثلاً اگر کسی نے اپنی ماں یا بہن کو جو کسی کی ملکیت میں تھیں، خرید لیا تو جس طرح یہ عورتیں ملکیت میں آنے کے باوجود کسی اور سبب کی بنا پر مالک کے لیے حلال نہیں ہوتیں اسی طرح روایت میں مذکور لونڈی بھی ملکیت میں آنے کے باوجود تین طلاقوں کی بنا پر حرام رہے گی۔

[1104] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ ، سُئِلَا عَنْ رَجُلٍ زَوَّجَ عَبْداً لَهُ جَارِيَةً لَهُ ، فَطَلَّقَهَا الْعَبْدُ الْبَتَّةَ ، ثُمَّ وَهَبَهَا سَيِّدُهَا لَهُ ، هَلْ تَحِلُّ لَهُ بِمِلْكِ الْيَمِينِ ؟ فَقَالَا : لَا تَحِلُّ لَهُ ، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنے غلام کی شادی اپنی لونڈی سے کر دے، پھر وہ غلام اسے تین طلاقیں دے دے، پھر مالک اس غلام کو وہ لونڈی ہبہ کر دے تو کیا وہ لونڈی اس غلام کی ملکیت میں آ جانے کی بنا پر اس کے لیے جائز ہوگی؟ تو دونوں نے فرمایا کہ نہیں (وہ جائز نہیں ہوگی) یہاں تک کہ وہ اس (تین طلاقیں دینے والے خاوند) کے علاوہ کسی اور خاوند کے ساتھ شادی کر لے۔

[1105] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ : أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ رَجُلٍ كَانَتْ تَحْتَهُ أَمَةٌ مَمْلُوكَةٌ ، فَاشْتَرَاهَا وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ، فَقَالَ :

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جس کے نکاح میں لونڈی تھی جو کسی اور شخص کی ملکیت میں تھی، پھر اس (خاوند) نے اُسے خرید لیا اور وہ

[1103] (موقوف صحیح) بیهقی: 7/ 376 (15204)، عبدالرزاق: 12992، ابن ابی شیبہ: 16123۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1104] (مقطوع ضعیف) بیهقی: 7/ 376 (15205)، ابن ابی شیبہ: 16130۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1105] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

تَحِلُّ لَهُ بِمِلْكِ يَمِينِهِ ، مَا لَمْ يَبُتَّ طَلَاقَهَا ، فَإِنْ بَتَّ طَلَاقَهَا ، فَلَا تَحِلُّ لَهُ بِمِلْكِ يَمِينِهِ ، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ .

اسے ایک طلاق دے چکا تھا تو ابن شہاب ؒ نے فرمایا کہ وہ لونڈی اس کی ملکیت میں آجانے کی وجہ سے اس کے لیے حلال ہوگی جب تک کہ وہ اسے تین طلاقیں نہ دے چکا ہو، چنانچہ اگر وہ اسے تین طلاقیں دے دے تو پھر وہ اس کی ملکیت کے باوجود اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے شادی کر لے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَنْكِحُ الأَمَةَ ، فَتَلِدُ مِنْهُ ، ثُمَّ يَبْتَاعُهَا : إِنَّهَا لاَ تَكُونُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ، بِذَلِكَ الْوَلَدِ الَّذِي وَلَدَتْ مِنْهُ وَهِيَ لِغَيْرِهِ ، حَتَّى تَلِدَ مِنْهُ وَهِيَ فِي مِلْكِهِ ، بَعْدَ ابْتِيَاعِهِ إِيَّاهَا .

امام مالک ؒ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو (کسی کی) لونڈی سے نکاح کر لیتا ہے، پھر وہ لونڈی اس کے بچے کو جنم دیتی ہے، پھر وہ اسے خرید لیتا ہے، (تو فرمایا کہ) بے شک وہ لونڈی اس (مالک بن جانے والے خاوند) کی اُمِ وَلد نہیں بنے گی اس بچے کی وجہ سے جو اس نے اس وقت جنا تھا جب وہ کسی اور شخص کی ملکیت میں تھی، (وہ ام ولد نہیں بن سکتی) یہاں تک کہ وہ اس کا بچہ اس حال میں جنم دے کہ وہ خاوند کے اسے خرید لینے کے بعد اسی (خاوند) کی ملکیت میں ہو۔

فائدہ :...... وہ لونڈی جو اپنے مالک کا بچہ جنے اُسے ام ولد کہتے ہیں یعنی آقا کی اولاد کی ماں۔ یہ لونڈی اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، اسی لیے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کون سی لونڈی ام ولد کا حکم رکھتی ہے اور کون سی نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنِ اشْتَرَاهَا وَهِيَ حَامِلٌ مِنْهُ ، ثُمَّ وَضَعَتْ عِنْدَهُ ، كَانَتْ أُمَّ وَلَدِهِ بِذَلِكَ الْحَمْلِ ، فِيمَا نُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

امام مالک ؒ نے فرمایا: اور اگر وہ (خاوند) اس (لونڈی) کو اس حال میں خریدے کہ وہ اس کے نطفے سے حاملہ ہو چکی ہو، پھر وہ اس کے پاس (اس کی ملکیت میں آکر) بچہ جنے تو وہ ہماری رائے کے مطابق اس حمل کی وجہ سے اُم ولد شمار ہوگی۔ واللہ اعلم۔

فائدہ :...... امام شافعی ؒ اور امام احمد ؒ کے نزدیک حمل والی صورت میں بھی ام ولد نہیں بنے گی جبکہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک گزشتہ مالک کے پاس ہوتے ہوئے بچہ جننے کی صورت میں بھی وہ ام ولد بن جاتی ہے، امام شافعی ؒ اور امام احمد ؒ کا موقف راجح ہے کیونکہ جب لونڈی کا مالک کوئی اور ہو اور خاوند کوئی اور ہو تو اس لونڈی سے پیدا ہونے والے بچے اور اس کا حمل اس کے مالک کی ملکیت میں رہتے ہیں اور غلام ہی پیدا ہوتے ہیں اور خاوند کے ساتھ سلسلہ وراثت بھی قائم نہیں ہوتا جبکہ ام ولد لونڈی وہ ہوتی ہے جو اپنے آزاد مالک ہی کے بچے جنے اور وہ بچے آزاد پیدا!

ہوں، الغرض پیدا ہونے والے بچوں اور حمل کی حالت غلامی کو ام ولد نہیں بننے دیتی۔

14- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِصَابَةِ الْأُخْتَيْنِ بِمِلْكِ الْيَمِينِ، وَالْجَمْعِ بَيْنَهُمَا

دو بہنوں کو لونڈیاں بنا کر جمع کرنے اور ان سے مباشرت کرنے کی کراہت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین موقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......مصری نسخوں میں (وَالْمَرْأَةِ وَابْنَتِهَا) ''ماں اور اس کی بیٹی'' کو جمع کرنے کے الفاظ بھی عنوان میں شامل ہیں۔

[1106] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ وَابْنَتِهَا مِنْ مِلْكِ الْيَمِينِ، تُوطَأُ إِحْدَاهُمَا بَعْدَ الْأُخْرَى؟ فَقَالَ عُمَرُ: مَا أُحِبُّ أَنْ أَخْبُرَهُمَا جَمِيعاً. وَنَهَى عَنْ ذَلِكَ.

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ اپنے والد عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عورت اور اس کی بیٹی کے متعلق سوال کیا گیا جو کسی کی ملکیت میں ہوں، ان سے یکے بعد دیگرے مباشرت کی جاتی ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ان دونوں کو (ایک ہی شخص کے لیے) اکٹھے جائز قرار دوں اور انھوں نے اس سے منع کر دیا۔

فائدہ: ......جس طرح کوئی شخص آزاد عورتوں میں سے ماں بیٹی کو بیک وقت اپنی بیویاں نہیں بنا سکتا، اسی طرح کسی شخص کی ملکیت میں دو لونڈیاں ماں بیٹی ہوں تو وہ دونوں سے مباشرت نہیں کر سکتا، ائمہ کرام اس مسئلے پر متفق ہیں......مصری نسخوں میں (أُجِيزَهُمَا) کی بجائے (أَخْبُرَهُمَا) ہے جس کے معنی ہیں کہ (میں پسند نہیں کرتا کہ) ان دونوں سے مباشرت کروں۔

[1107] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ عَنِ الْأُخْتَيْنِ مِنْ مِلْكِ

قبیصہ بن ذؤیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، ایک شخص نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے دو بہنوں کے متعلق سوال کیا کہ انھیں ملکیت میں لے کر (لونڈیاں بنا کر) اکٹھا رکھا

[1106] (موقوف صحیح) بیہقی: 7/ 164 (13932)، الشافعی فی الام: 5/ 3، عبدالرزاق: 7/ 188 (12725، 12726)، ابن ابی شیبہ: 4/ 166، سعید بن منصور: 1733۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

[1107] (موقوف صحیح) بیہقی: 7/ 163 (13930)، الشافعی فی الام: 5/ 3، وفی المسند: 2/ 32، عبدالرزاق: 7/ 89، (12728)، ابن ابی شیبہ: 16251۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الْيَمِينِ ، هَلْ يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ : أَحَلَّتْهُمَا آيَةٌ ، وَحَرَّمَتْهُمَا آيَةٌ ، فَأَمَّا أَنَا ، فَلاَ أُحِبُّ أَنْ أَصْنَعَ ذَلِكَ . قَالَ : فَخَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ ، فَلَقِيَ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ ، فَقَالَ : لَوْ كَانَ لِي مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ ، ثُمَّ وَجَدْتُ أَحَداً فَعَلَ ذَلِكَ ، لَجَعَلْتُهُ نَكَالاً . قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : أُرَاهُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ .

جاسکتا ہے (یانہیں؟) تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آیت ان دونوں کوحلال کرتی ہے اوردوسری ان دونوں کو (اکٹھارکھنا) حرام قراردیتی ہے، رہا میں تو میں ایسا کرناپسند کرتا۔قبیصہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ان کے پاس سے نکلا تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک اورشخص سے ملا، اس نے ان سے بھی اسی کے بارے میں سوال کیاتو وہ فرمانے لگے: اگر میرے پاس کچھ اختیار (اقتدار) ہوتا، پھر میں کسی شخص کو پاتا جس نے ایسا کیا ہوتا تو میں اسے نشان عبرت بنادیتا، ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ (شخص) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ :......لونڈیوں کوحلال قرار دینے والی آیت یہ ہے: ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء 24:4) ''سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک ہو۔'' یا یہ آیت مراد ہے: ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ (المؤمنون 6:23) ''سوائے اپنی بیویوں کے اوران کنیزوں کے جن کے وہ مالک ہوئے۔'' اورممانعت والی آیت یہ ہے: ﴿وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ (النساء 23:4) ''اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دوبہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو۔''

[1108] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ مِثْلُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ کوحضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت پہنچی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الأَمَةِ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ فَيُصِيبُهَا ، ثُمَّ يُرِيدُ أَنْ يُصِيبَ أُخْتَهَا : إِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لَهُ ، حَتَّى يُحَرِّمَ عَلَيْهِ فَرْجَ أُخْتِهَا ، بِنِكَاحٍ ، أَوْ عَتَاقَةٍ ، أَوْ كِتَابَةٍ ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ ، يُزَوِّجُهَا عَبْدَهُ أَوْ غَيْرَ عَبْدِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس لونڈی کے متعلق فرمایا جوکسی شخص کے پاس ہو اوروہ اس سے مباشرت کرتا ہو، پھروہ ارادہ کرے کہ اس کی بہن سے بھی مباشرت کرے، (خواہ وہ لونڈی ہویاآزاد) توانھوں نے فرمایا کہ) بلاشبہ وہ (دوسری بہن) اس کے لیے حلال نہیں ہوسکتی، یہاں تک کہ وہ اس کی بہن (پہلی لونڈی) کی شرم گاہ کواپنے اوپر (کسی طریقے سے) حرام کرلے، (مثلاً اس لونڈی کا کسی سے) نکاح کردینے کے ساتھ یا اُسے آزاد کردینے کے ساتھ یا اُسے مکاتب لونڈی بنانے کے ساتھ یا ان کے مشابہ کسی چیز کے

[1108] (موقوف ضعيف) بيهقى فى السنن الكبرى: 7/ 163 ، 164 ، وفى معرفة السنن والآثار: 5/ 291 ، الشافعى فى الأم: 5/ 4 ، وفى المسند: 2/ 33- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کوانقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

ساتھ (مثلاً وہ اسے بیچ دے یا وہ بھاگ جائے یا دشمنوں کی قید میں چلی جائے وغیرہ) وہ (مالک) اس کی شادی اپنے ہی کسی غلام سے کردے یا اپنے غلام کے علاوہ کسی اور (غلام یا آزاد شخص) کے ساتھ کردے (تو پھر وہ اس کی بہن سے مباشرت کرسکتا ہے)

فائدہ :...... یہ آخری الفاظ سب سے پہلی چیز کی وضاحت ہی مقصود ہے، الغرض کسی بھی طریقے سے وہ لونڈی حرام ہو جائے تو اس کی بہن حلال ہوگی......مکاتب لونڈی وہ ہے جس کے ساتھ اس کی آزادی کی رقم اور ادائیگی کا وقت طے پا جائے، یوں وہ لونڈی اپنی شرم گاہ اور مال کو محفوظ کر لیتی ہے۔ (زرقانی)

15- بَابٌ: النَّهْيُ عَنْ أَنْ يُصِيبَ الرَّجُلُ أَمَةً كَانَتْ لِأَبِيهِ

اپنے باپ کی لونڈی سے مباشرت کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک موقوف ہے جو سنداً ضعیف ہے جبکہ تین مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں جن کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ :...... یہ بات متفقہ ہے کہ جو شخص کسی عورت یعنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ جماع کر لے تو وہ عورت اس کے بیٹوں پر حرام ہو جاتی ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر باپ نے کسی لونڈی سے جماع تو نہ کیا، بلکہ صرف معانقہ یا بوس و کنار یا شہوت کے ساتھ چھونے یا دیکھنے تک معاملہ محدود ہو تو کیا وہ بیٹوں پر حرام ہوگی یا نہیں؟ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بوسہ دینا، چھونا اور شہوت سے دیکھنا جماع کے قائم مقام ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُسے چھونے یا اس کی اندرونی شرمگاہ کو دیکھ لینے سے وہ حرام ہو جاتی ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جماع کے علاوہ دیگر کسی بھی عمل سے حرمت ثابت نہیں ہوتی...... ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ چونکہ کسی عورت پر ملکیت حاصل ہونا نکاح کے قائم مقام ہوتا ہے اور نکاح کی صورت میں باپ کی منکوحہ اولاد پر حرام ہو جاتی ہے خواہ اس نے مباشرت کی ہو یا نہ تو اسی طرح ملک یمین (لونڈی پر ملکیت) کا معاملہ ہے، باپ کی ہر لونڈی سے مباشرت کرنا اولاد پر حرام ہے خواہ باپ نے مباشرت کی ہو یا نہ، واللہ اعلم بالصواب۔

[1109] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهَبَ لِابْنِهِ جَارِيَةً، فَقَالَ: لَا تَمَسَّهَا فَإِنِّي قَدْ كَشَفْتُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو ایک لونڈی ہبہ کی اور فرمایا کہ اس سے مباشرت نہ کرنا کیونکہ میں نے اس کا کپڑا اٹھایا تھا۔

[1109] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 162، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 289، عبدالرزاق: 10839، ابن ابی شیبه: 16211۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ: ......یعنی مباشرت کے لیے کپڑا ہٹایا تھا لیکن ہم بستری کر نہ سکا...... یا یہ الفاظ جماع ہی سے کنایہ ہیں۔

[1110] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمُجَبَّرِ أَنَّهُ قَالَ: وَهَبَ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ لِابْنِهِ جَارِيَةً لَهُ، قَالَ: لَا تَقْرَبْهَا، فَإِنِّي قَدْ أَرَدْتُهَا، فَلَمْ أَنْبَسِطْ إِلَيْهَا.

عبدالرحمٰن بن مجبر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو ایک لونڈی ہبہ کی اور فرمایا کہ (جماع کے لیے) اس کے قریب نہ جانا کیونکہ بلاشبہ میں نے اس (سے جماع) کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اس کے لیے وسعت نہ پاسکا۔

[1111] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ أَبَا نَهْشَلِ بْنَ الْأَسْوَدِ قَالَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ: إِنِّي رَأَيْتُ جَارِيَةً لِي، مُنْكَشِفاً عَنْهَا وَهِيَ فِي الْقَمَرِ، فَجَلَسْتُ مِنْهَا مَجْلِسَ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ، فَقَالَتْ: إِنِّي حَائِضٌ، فَقُمْتُ فَلَمْ أَقْرَبْهَا بَعْدُ، أَفَأَهَبُهَا لِابْنِي يَطَؤُهَا، فَنَهَاهُ الْقَاسِمُ عَنْ ذَلِكَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابونہشل بن اسود رحمہ اللہ نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے کہا کہ بے شک میں نے اپنی ایک لونڈی کو اس حال میں دیکھا تھا کہ اس سے کپڑا ہٹا ہوا تھا اور وہ چاند (کی روشنی) میں تھی تو میں اس کے ساتھ اس طرح بیٹھ گیا جس طرح مرد اپنی بیوی کے ساتھ (جماع کے لیے) بیٹھتا ہے، تو وہ کہنے لگی کہ یقیناً میں تو حیض سے ہوں، سو میں کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اس کے قریب بھی نہ گیا تو کیا میں اُسے اپنے بیٹے کو ہبہ کر سکتا ہوں کہ وہ اس سے مباشرت کر لے تو قاسم رحمہ اللہ نے انھیں اس سے منع فرمادیا۔

فائدہ: ......یعنی جماع کے لیے بیٹے کو وہ لونڈی دینے سے روکا، ورنہ اگر بیٹا جماع نہ کرے تو پھر والد اُسے وہ لونڈی ہبہ کر سکتا ہے۔

[1112] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي عَبْلَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ: أَنَّهُ وَهَبَ لِصَاحِبٍ لَهُ جَارِيَةً، ثُمَّ سَأَلَهُ عَنْهَا، فَقَالَ: قَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَهَبَهَا لِابْنِي فَيَفْعَلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا. فَقَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: لَمَرْوَانُ كَانَ أَوْرَعَ مِنْكَ، وَهَبَ لِابْنِهِ

عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کو ایک لونڈی تحفہ میں دی، پھر انھوں نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ (ساتھی) کہنے لگا کہ میں یہ ارادہ کر چکا ہوں کہ اُسے اپنے بیٹے کو ہبہ کر دوں تا کہ وہ اس کے ساتھ جماع کر لے، تو عبدالملک رحمہ اللہ کہنے لگے کہ (میرے والد) مروان رحمہ اللہ تجھ سے زیادہ پرہیز گار تھے،

[1110] (مقطوع صحيح) بيهقي: 7/ 162(13921)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1111] (مقطوع صحيح) بيهقي: 7/ 162(13922)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1112] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

جَارِيَةً، ثُمَّ قَالَ: لَا تَقْرَبْهَا، فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ سَاقَهَا مُنْكَشِفَةً.

انھوں نے اپنے ایک بیٹے کو ایک لونڈی ہبہ کی، پھر کہا کہ اس کے قریب نہ جانا کیونکہ بلاشبہ میں نے اس کی پنڈلی کو ننگا دیکھ لیا تھا۔

16- بَابٌ: النَّهْيُ عَنْ نِكَاحِ إِمَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ

اہل کتاب کی لونڈیوں سے نکاح کی ممانعت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... جن آزاد عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے ان میں یہود و نصاری کی عورتیں بھی شامل ہیں لیکن ہمیں جن لونڈیوں سے نکاح کی اجازت ہے ان کے لیے مسلمان مومن ہونے کی شرط ہے کسی غیر مسلمان لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَحِلُّ نِكَاحُ أَمَةٍ يَهُودِيَّةٍ، وَلَا نَصْرَانِيَّةٍ، لِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [المائدة: 5] فَهُنَّ الْحَرَائِرُ مِنَ الْيَهُودِيَّاتِ وَالنَّصْرَانِيَّاتِ، وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [النساء: 25] فَهُنَّ الْإِمَاءُ الْمُؤْمِنَاتُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی یہودی یا عیسائی لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں، کیونکہ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (المائدة 5:5) ''اور (تمھارے لیے) پاکدامن آزاد مومن عورتیں (حلال کی گئی ہیں) اور ان لوگوں کی پاکدامن آزاد عورتیں بھی جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔'' تو وہ (عورتیں جن سے نکاح کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے وہ) یہودی اور عیسائی عورتوں میں سے (صرف) آزاد عورتیں ہیں اور (رہا لونڈیوں کے ساتھ نکاح کا معاملہ تو ان کے متعلق) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ (النساء 25:4) ''اور تم میں سے جو شخص آزاد مومن عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ پائے تو وہ تمھاری ان مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کر لے جو تمھاری ملکیت میں ہیں۔'' لہٰذا وہ (لونڈیاں جن سے نکاح کی اجازت ہے وہ صرف اور صرف مسلمان) مومن لونڈیاں ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنَّمَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِيمَا نُرَى نِكَاحَ الْإِمَاءِ الْمُؤْمِنَاتِ وَلَمْ يُحْلِلْ نِكَاحَ إِمَاءِ أَهْلِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بلاشبہ ہمارے خیال میں اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف مومن لونڈیوں کے ساتھ نکاح

الْكِتَابِ الْيَهُوْدِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ .

کو حلال کیا ہے اور اہل کتاب میں سے یہودی وعیسائی لونڈیوں کے نکاح کو حلال نہیں کیا۔

فائدہ: ...... امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور یہی راجح ہے، تاہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے حلال کہتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالأَمَةُ الْيَهُودِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحِلُّ لِسَيِّدِهَا بِمِلْكِ الْيَمِينِ . قَالَ مَالِكٌ: وَلاَ يَحِلُّ وَطْئُ أَمَةٍ مَجُوسِيَّةٍ بِمِلْكِ الْيَمِينِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہودی وعیسائی لونڈی اپنے آقا کے لیے ملک یمین (ذاتی ملکیت) کی وجہ سے حلال ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجوسی لونڈی کے ساتھ ملک یمین کی وجہ سے جماع کرنا حلال نہیں ہے۔

فائدہ: ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی مجوسی یعنی مشرک لونڈی سے جماع جائز نہیں ہے خواہ وہ ذاتی ملکیت ہی میں ہو، لیکن ان کی یہ بات احادیث مبارکہ کے خلاف ہے، چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق بھی مشرک عربوں سے ہوا تھا اور غزوۂ اوطاس بھی اور دونوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لونڈیاں ملیں اور ان کے ساتھ مباشرت کے مسائل بڑی وضاحت سے پوچھے جاتے رہے اور رسول اللہ ﷺ ان کی وضاحت کرتے رہے لیکن یہ ایک بار بھی نہ فرمایا کہ وہ تو مشرک ہیں اور ان سے جماع ہی جائز نہیں ہیں۔ (بخاری: 7409، مسلم: 1456)

17- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الإِحْصَانِ

''احصان'' کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مقطوع روایات (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور دونوں سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... دراصل رجم اور سنگسار کرنے کی سزا ''احصان'' والے شخص ہی کو ملتی ہے تو ''احصان'' کہتے کسے ہیں، اسی کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے...... یاد رہے کہ احصان کے لغوی معنی تو روکنے کے ہیں لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ چار معانی کے لیے استعمال ہوا ہے: آزادی، پاکدامنی، اسلام اور شادی شدہ ہونا، چنانچہ رجم کے معاملے میں آدمی کے ''محصن'' ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں تین چیزیں پائی جاتی ہوں: آزاد ہو، مسلمان ہو اور شادی شدہ ہو، اس باب میں تیسری شرط کا تذکرہ ہے کہ وہ کون کون سی صورت میں پوری ہوتی ہے۔

[1113] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ

[1113] (مقطوع صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 167، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 296(4166)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: الْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ، هُنَّ أُولَاتُ الْأَزْوَاجِ، وَيَرْجِعُ ذَلِكَ إِلَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى حَرَّمَ الزِّنَا.

(پانچویں پارے کے ابتدائی الفاظ) ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء 4: 24) سے مراد خاوندوں والی عورتیں ہیں (یعنی شادی شدہ عورتیں) اور یہ حکم اس طرف لوٹتا ہے (یعنی یہ نتیجہ ظاہر کرتا ہے) کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔

فائدہ: ...... یہ نتیجہ اس طرح نکلتا ہے کہ شادی شدہ عورت صرف اپنے خاوند کے لیے حلال ہے اور باقی سب لوگوں پر حرام۔ اگر وہ اس کے خاوند والی ہونے کے باوجود جماع کریں گے تو زنا کا ارتکاب کریں گے تو گویا ان شادی شدہ عورتوں سے روکنا دراصل زنا ہی سے روکنا ہے اور اس آیت کی شان نزول سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، اوطاس کی جنگ سے جو عورتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لونڈیوں کے طور پر ملی تھیں ان کے خاوند موجود تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے ساتھ ہم بستری کرنے میں حرج محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء 4: 24) ''اور عورتوں میں سے جو خاوندوں والی (شادی شدہ) ہوں (وہ بھی تم پر حرام ہیں) سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک بن جاؤ۔'' (مسلم: 1456، بخاری قبل از حدیث: 5105) لہٰذا کافر عورت کے مسلمانوں کی قید میں آتے ہی اس کا نکاح کالعدم ہو جاتا ہے۔

[1114] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، وَبَلَغَهُ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُمَا كَانَا يَقُولَانِ: إِذَا نَكَحَ الْحُرُّ الْأَمَةَ فَمَسَّهَا، فَقَدْ أَحْصَنَتْهُ.

ابن شہاب رحمہ اللہ اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ دونوں فرمایا کرتے تھے کہ جب آزاد آدمی کسی لونڈی سے نکاح کرتا ہے، تو پھر اسے چھو لیتا ہے تو وہ لونڈی اسے ''احصان'' والا (شادی شدہ) بنا دیتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكُلُّ مَنْ أَدْرَكْتُ كَانَ يَقُولُ ذَلِكَ: تُحْصِنُ الْأَمَةُ الْحُرَّ، إِذَا نَكَحَهَا فَمَسَّهَا، فَقَدْ أَحْصَنَتْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہر وہ (عالم) جسے میں نے پایا وہ یہی کہتا تھا کہ لونڈی آزاد شخص کو محصن بنا دیتی ہے جب وہ اس سے نکاح کر کے اسے چھو لے (مباشرت کر لے)۔

فائدہ: ...... کیونکہ وہ آزاد آدمی ہے اور شادی کر چکا ہے خواہ لونڈی ہی سے۔ لہٰذا اب اگر وہ زنا کا مرتکب ہوگا تو اسے رجم کیا جائے گا، مرد کے برعکس وہ لونڈی باوجود نکاح کے محصنہ نہیں بنتی کیونکہ اس کی شادی حالت آزادی میں نہیں ہوئی، لہٰذا اگر وہ زنا کرے گی تو اسے پچاس کوڑے ہی لگیں گے اور بس۔ (سورۂ نساء 4: 25) ...... امام مالک رحمہ اللہ نے جو چھونے کی بات کی ہے تو دراصل ان کے نزدیک یہ چھو لینا مباشرت ہی کے حکم میں ہے، بہرحال ہمارے نزدیک

[1114] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

خلوت صحیحہ کا میسر آ جانا کافی ہے،خواہ مباشرت ہو یا نہ ہو،خلوت صحیحہ جماع کے قائم مقام شمار ہوتی ہے،دیکھیے پیچھے باب:4۔

قَالَ مَالِكٌ : يُحْصِنُ الْعَبْدُ الْحُرَّةَ ، إِذَا مَسَّهَا بِنِكَاحٍ ، وَلَا تُحْصِنُ الْحُرَّةُ الْعَبْدَ ، إِلَّا أَنْ يَعْتِقَ وَهُوَ زَوْجُهَا ، فَيَمَسَّهَا بَعْدَ عِتْقِهِ ، فَإِنْ فَارَقَهَا قَبْلَ أَنْ يَعْتِقَ فَلَيْسَ بِمُحْصَنٍ ، حَتَّى يَتَزَوَّجَ بَعْدَ عِتْقِهِ ، وَيَمَسَّ امْرَأَتَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:(اگر مذکورہ صورت کے برعکس آزاد عورت کسی غلام سے شادی کرلے تو)غلام مرد آزاد عورت کو محصنہ بنادے گا جس وقت کہ وہ نکاح کے ذریعے اس سے جماع کرلے(چنانچہ اب اگر یہ عورت زنا کی مرتکب ہو تو اسے رجم کیا جائے گا)اور وہ عورت اس غلام کو محصن نہ بنادے گی (کیونکہ اس کی شادی بحالت آزادی نہیں ہوئی لہٰذا وہ زنا کرے گا تو صرف 50 کوڑے اس کی سزا ہے) الا یہ کہ وہ آزاد کر دیا جائے ،اس حال میں کہ وہ اس (آزاد عورت) کا خاوند ہو پھراپنی آزادی کے بعد اس سے مباشرت کرلے(تو اب وہ بھی محصن یعنی آزاد شادی شدہ مرد شمار ہوگا)۔اگر وہ اس عورت کو اپنے آزاد کیے جانے سے پہلے چھوڑ دے تو ''محصن''نہیں بنے گا،یہاں تک کہ آزادی کے بعد شادی کرے اور اپنی بیوی سے مباشرت کرے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمَةُ إِذَا كَانَتْ تَحْتَ الْحُرِّ ، ثُمَّ فَارَقَهَا قَبْلَ أَنْ تُعْتَقَ ، فَإِنَّهُ لَا يُحْصِنُهَا نِكَاحُهُ إِيَّاهَا وَهِيَ أَمَةٌ ، حَتَّى تُنْكَحَ بَعْدَ عِتْقِهَا ، وَيُصِيبَهَا زَوْجُهَا ، فَذَلِكَ إِحْصَانُهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:لونڈی جب کسی آزاد آدمی کے نکاح میں ہو،پھر وہ اسے اس کے آزاد کیے جانے سے پہلے چھوڑ دے تو بلاشبہ اس (آزاد مرد) کا اس سے ہونے والا نکاح جس وقت کہ وہ لونڈی تھی،اسے''محصنہ''نہ بنائے گا یہاں تک کہ وہ آزادی کے بعد کسی مرد سے شادی کرے اور اس کا خاوند اس سے مباشرت کرے تو یہ عمل ہی اس کا احصان (حالت آزادی میں شادی شدہ ہونا) ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ : وَالْحُرَّةُ النَّصْرَانِيَّةُ وَالْيَهُودِيَّةُ ، وَالْأَمَةُ الْمُسْلِمَةُ ، يُحْصِنَّ الْحُرَّ الْمُسْلِمَ ، إِذَا نَكَحَ إِحْدَاهُنَّ فَأَصَابَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:آزاد عیسائی عورت اور آزاد یہودی عورت اور مسلمان لونڈی (یہ سب کی سب) آزاد مسلمان مرد کو''محصن'' بنادیتی ہیں جس وقت کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرلے پھر اس سے مباشرت بھی کرلے۔

فائدہ : ...... اور خود یہ عورتیں ''محصنہ'' نہیں بنتیں کیونکہ پہلی دونوں عورتوں میں اسلام کی شرط نہیں ہے اور تیسری عورت میں آزادی کی شرط مفقود ہے،ہاں خاوند میں تینوں شروط (اسلام،آزادی،نکاح) پوری ہیں لہٰذا وہ ارتکاب زنا پر مستحق رجم ہے بخلاف ان عورتوں کے۔

18- بَابٌ: نِكَاحُ الْمُتْعَةِ

نکاح متعہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دوروایات ہیں،ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، دوسری موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

فائدہ :......کسی عورت سے کسی معاوضے پر ایک مقررہ مدت تک نکاح کرنے کو''نکاح متعہ'' کہتے ہیں، پہلے پہل یہ نکاح مباح تھا، پھر جنگ خیبر 6ھ کے موقع پر اسے حرام کر دیا گیا۔ (بخاری: 5115، مسلم: 1407) پھر فتح مکہ 8ھ کے موقع پر اس کی محدود اجازت دے کر اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا گیا۔ (مسلم: 1406)......مختلف روایات میں نکاح متعہ کی اجازت اور پھر اس کی ممانعت چھ اوقات یا مقامات مذکور ہیں۔ (1) غزوۂ خیبر 6ھ (2) عمرۃ القضاء 7ھ لیکن یہ روایت مرسل اور ضعیف ہے (3) غزوۂ فتح مکہ 8ھ کے سال (4) غزوۂ اوطاس کے سال۔ لیکن یہ فتح مکہ سے الگ نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں غزوے ایک ہی سفر میں تھے۔ (5) غزوۂ تبوک میں۔ لیکن اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل اور عکرمہ بن عمار دونوں کمزور راوی ہیں۔ (6) حجۃ الوداع میں۔ لیکن یہ صرف ممانعت کی تجدید پر محمول ہے یا پھر راوی کا شبہ ہے کیونکہ یہ روایت حضرت سبرہ بن معبد جہنی رحمہ اللہ کی ہے اور اس کی صحیح ترین سندوں میں فتح مکہ کے الفاظ ہیں نہ کہ حجۃ الوداع کے۔ (فتح الباری: 9/ 173، زرقانی: 3/ 213) ......جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ممانعت کا علم نہ ہوسکا وہ وفات نبوی ﷺ کے بعد بھی اسے جائز سمجھتے رہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا یہ مسئلہ مشہور ہوتا چلا گیا اور لوگوں کو اس کی حرمت کی خبر ملتی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر لوگوں کو اس سے بڑی سختی سے منع کیا، دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کی ممانعت بیان کرتے رہے، حتی کہ آہستہ آہستہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے جواز کے قول سے رجوع کر لیا سوائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے......ان کے متعلق مختلف روایات ہیں، ان کے متعلق ایک قول یہ مروی ہے کہ وہ انتہائی مجبور آدمی ہی کو اس کی اجازت دیتے تھے اور پھر بعد میں وہ یہ فتوی دینے سے بھی رک گئے، واللہ اعلم۔ اس وقت شیعوں کے سوا تمام مسلمان نکاح متعہ کی حرمت کے قائل ہیں۔

[1115] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ أَبِيهِمَا،

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع

[1115] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4216، 5115، 5523، 6961، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب نكاح المتعة وبيان انه ابيح ثم نسخ، حديث: 1407، ترمذي: 1121، نسائي: 3368، ابن ماجه: 1961، احمد: 1/ 79 (592)، دارمي: 1990-

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الإِنْسِيَّةِ. فرمادیا تھا۔

[1116] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ حَكِيمٍ دَخَلَتْ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَتْ: إِنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أُمَيَّةَ اسْتَمْتَعَ بِامْرَأَةٍ فَحَمَلَتْ مِنْهُ. فَخَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَزِعاً يَجُرُّ رِدَاءَهُ، فَقَالَ: هَذِهِ الْمُتْعَةُ، وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيهَا لَرَجَمْتُ.

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ربیعہ بن اُمیہ نے ایک (مولدہ) عورت سے متعہ کیا تھا جس سے وہ حاملہ ہوگئی تھی، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گھبرا کر (جلدی میں) چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا کہ یہ تو متعہ ہے اور اگر میں اس کے متعلق پہلے کوئی حکم صادر کر چکا ہوتا تو ضرور ایسا کرنے والے کو رجم کر دیتا۔

فائدہ :...... اگر چہ یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن متعہ کرنے والوں کو رجم کی سزا دینے کا اعلان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (مسلم: 1217) آج متعہ کرنے والے کی کیا سزا ہوگی تو اس بارے میں یہ اصول ہے کہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، چنانچہ اگر تو کوئی شخص جہالت وغیرہ کی بنا پر اسے جائز سمجھ کر کرے تو اسے سخت سزا تو دی جائے گی لیکن رجم نہیں کیا جائے گا، البتہ سب کچھ واضح ہو جانے کے بعد اور اس کے منسوخ ہو جانے کا علم حاصل کر لینے کے بعد بھی جو متعہ کرے گا وہ سنگسار ہی کیا جائے گا......مُوَلّدہ وہ عورت ہے جو پیدا تو عرب میں ہو لیکن اس کے والدین عجمی ہوں ...... ربیعہ بن اُمیہ حضرت صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا اور فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا تھا اور حجۃ الوداع میں بھی حاضر ہوا تھا، مروی ہے کہ اس نے شراب پی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بطور سزا خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا، وہ خیبر سے بھی آگے چلا گیا اور رومی بادشاہ ہرقل سے جا ملا اور عیسائیت میں داخل ہو کر مرتد ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ (اصابہ)

19- بَابٌ: نِكَاحُ الْعَبِيدِ

غلاموں سے نکاح کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی رحمہ اللہ ہے جس کی سند صحیح ثابت ہے، نیز اس

[1116] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 7/ 206(14172)، وفي معرفة السنن والآثار: 5/ 345 (4237)، الشافعي في الام: 7/ 235، وفي المسند: 2/ 26، عبدالرزاق: 7/ 503(14038)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں:

فائدہ:......ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۤءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾(النور 32:24) ''اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کر دو اور (ان کے بھی) جو تمھارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں، اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے گا اور اللہ بہت وسعت والا خوب علم رکھنے والا ہے۔

[1117] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقُولُ: يَنْكِحُ الْعَبْدُ أَرْبَعَ نِسْوَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: غلام بھی چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے جو کچھ بھی سنا ہے اُس میں یہی بات سب سے بہترین ہے۔

فائدہ:......متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک غلام کو صرف دو نکاح کرنے کی اجازت ہے اور یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (دارقطنی: 2/ 242، بیہقی: 7/ 425۔ اس کی سند صحیح ہے، ارواء الغلیل: 2067) لیکن قرآن مجید کے الفاظ کا عموم غلاموں کو بھی شامل ہے لہٰذا راجح موقف امام مالک رحمہ اللہ ہی کا محسوس ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَبْدُ مُخَالِفٌ لِلْمُحَلِّلِ، إِنْ أَذِنَ لَهُ سَيِّدُهُ، ثَبَتَ نِكَاحُهُ، وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُ سَيِّدُهُ، فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، وَالْمُحَلِّلُ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا عَلَى كُلِّ حَالٍ، إِذَا أُرِيدَ بِالنِّكَاحِ التَّحْلِيلُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غلام کا معاملہ، حلالہ کرنے والے کے برعکس ہے، (چنانچہ) اگر اس کا مالک اسے اجازت دے گا تو اس کا نکاح ثابت ہوگا، اور اگر وہ اسے اجازت نہ دے گا تو دونوں (یعنی غلام اور اس کی بیوی) کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی، جبکہ حلالہ کرنے والے کے نکاح سے اگر حلالہ ہی کی نیت ہو، تو ہر حال میں دونوں (یعنی حلالہ کرنے والے سانڈ اور تین طلاق والی عورت) کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ إِذَا مَلَكَتْهُ امْرَأَتُهُ، أَوِ الزَّوْجُ يَمْلِكُ امْرَأَتَهُ، إِنَّ مِلْكَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ، يَكُونُ فَسْخاً بِغَيْرِ طَلَاقٍ،

امام مالک رحمہ اللہ نے غلام کے متعلق فرمایا: جس وقت کہ اس کی بیوی اس کی مالک بن جائے یا خاوند اپنی بیوی (جو کہ کسی کی لونڈی تھی) کا مالک بن جائے (تو انھوں نے فرمایا) کہ

[1117] (مقطوع صحیح) بیہقی: 7/ 158، عبدالرزاق: 7/ 274۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فَإِنْ تَرَاجَعَا بِنِكَاحٍ بَعْدُ، لَمْ تَكُنْ تِلْكَ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا.

ان دونوں (خاوند بیوی) میں سے کسی ایک کا اپنے ساتھی کا مالک بن جانا بغیر کسی طلاق کے فسخ نکاح ہے (چنانچہ خاوند جو کسی کا غلام ہو بیوی اسے خرید لے یا بیوی جو کسی کی لونڈی ہو خاوند اسے خرید لے، تو ملکیت میں آتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے اور طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہوتی) اور اگر وہ دونوں اس کے بعد نکاح کے ساتھ باہم رجوع کر لیں (خاوند اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے خاوند کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے) تو وہ جدائی (جو فسخ نکاح کے طور پر ہوئی تھی) ایک طلاق شمار نہ ہو گی (اور اب بھی خاوند کو تین طلاقوں کا اختیار رہے گا)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَبْدُ إِذَا أَعْتَقَتْهُ امْرَأَتُهُ إِذَا مَلَكَتْهُ، وَهِيَ فِي عِدَّةٍ مِنْهُ لَمْ يَتَرَاجَعَا إِلَّا بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ.

امام مالک ﷫ نے فرمایا: غلام کو جب اس کی بیوی آزاد کر دے جس وقت کہ وہ اس کی مالک بنے، اس حال میں کہ وہ اس (غلام خاوند ہی کی دی ہوئی رجعی طلاق) سے عدت گزار رہی ہو تو وہ نئے نکاح کے بغیر آپس میں رجوع نہیں کر سکتے۔

فائدہ: ...... مثلاً عورت آزاد ہو اور خاوند کسی شخص کا غلام ہو، ان کا آپس میں نکاح ہوا پھر طلاق ہو گئی اور عورت عدت گزارنے لگی، عورت نیک تھی اس نے طلاق کا غصہ کرنے کی بجائے اُسے خرید کر اس پر احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا یا عورت کو ہبہ وغیرہ میں مل گیا اور اس نے آزاد کر دیا تو اب نکاح والا معاملہ ختم ہوا، ہاں اگر وہ اس کی مالک بن چکی ہے جس سے اس طلاق والا نکاح ہی فسخ ہو گیا تو نہ نکاح رہا، نہ طلاق اور نہ عدت، نیز اگر مالک بننے سے پہلے رجوع ہو چکا ہوتا تو بھی مالک بنتے ہی نکاح فسخ ہو جانا تھا اور آزاد کرنے کے بعد نیا نکاح کرنا لازم تھا اور مذکورہ صورت میں بھی اگر وہ اپنی ملکیت بن جانے والے خاوند سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہتی ہے تو اسے آزاد کر کے اور نیا نکاح کر کے ہی ایسا کر سکتی ہے......

دراصل بات یہ ہے کہ ایک آقا تو اپنی سینکڑوں لونڈیوں سے مباشرت کر سکتا ہے لیکن کوئی عورت اپنے غلاموں میں سے کسی سے مباشرت نہیں کروا سکتی، کیونکہ اگر اس کی اجازت ہوتی تو عورت کئی غلاموں سے مباشرت کرواتی اور پھر اولاد کا سلسلہ نسب خراب ہو جاتا، معلوم ہی نہ ہو پاتا کہ بچہ کس کی طرف منسوب کیا جائے، اس لیے عورت کے لیے اپنے کسی غلام سے مباشرت کروانا جائز نہیں، اگر وہ اس سے سلسلہ ازدواج قائم کرنا چاہتی تو اسے آزاد کر کے نکاح کر لے۔

20- بَابٌ: نِكَاحُ الْمُشْرِكِ إِذَا أَسْلَمَتْ زَوْجَتُهُ قَبْلَهُ

مشرک کی بیوی اس سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اس کے نکاح (کے بحال رہنے) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع روایات (احادیث نبویہ) ہیں اور تینوں ہی سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1118] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ نِسَاءً كُنَّ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُسْلِمْنَ بِأَرْضِهِنَّ، وَهُنَّ غَيْرُ مُهَاجِرَاتٍ، وَأَزْوَاجُهُنَّ حِينَ أَسْلَمْنَ كُفَّارٌ، مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، وَكَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ، فَأَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَهَرَبَ زَوْجُهَا صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ مِنَ الْإِسْلَامِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ابْنَ عَمِّهِ وَهْبَ بْنَ عُمَيْرٍ، بِرِدَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَمَانًا لِصَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ، وَدَعَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَنْ يَقْدَمَ عَلَيْهِ، فَإِنْ رَضِيَ أَمْرًا قَبِلَهُ، وَإِلَّا سَيَّرَهُ شَهْرَيْنِ، فَلَمَّا قَدِمَ صَفْوَانُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِرِدَائِهِ، نَادَاهُ عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ هٰذَا وَهْبَ بْنَ عُمَيْرٍ جَاءَنِي بِرِدَائِكَ، وَزَعَمَ أَنَّكَ دَعَوْتَنِي إِلَى الْقُدُومِ عَلَيْكَ، فَإِنْ رَضِيتُ أَمْرًا قَبِلْتُهُ، وَإِلَّا سَيَّرْتَنِي شَهْرَيْنِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے مروی ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کچھ عورتیں اپنے علاقے میں مسلمان ہوگئیں، انھوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور جب وہ مسلمان ہوئیں تو ان کے خاوند کافر ہی تھے، ان میں سے ایک ولید بن مغیرہ کی بیٹی (حضرت فاختہ رضی اللہ عنہا) بھی تھیں (جو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں) اور وہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، انھوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کر لیا اور ان کے خاوند حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ اسلام سے (بغض رکھتے ہوئے) بھاگ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا زاد بھائی حضرت وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف اپنی چادر مبارک (بطور نشانی) دے کر بھیجا، (اور یہ سب حضرت صفوان (رضی اللہ عنہ) کو امان دینے کے لیے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعے) ان کو اسلام کی دعوت بھی دی اور (یہ کہلا بھیجا کہ) وہ آپ کے پاس آ جائیں پھر اگر (اسلام کے) معاملے سے راضی ہو جائیں تو اسے قبول کر لیں ورنہ آپ ﷺ انھیں دو مہینوں کی مہلت

[1118] (مرفوع ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 186/7، وفی معرفة السنن والآثار: 319/5، 320، رقم: 4198، 4199۔ الشافعی فی المسند: 37/2۔ عبدالرزاق: 169/7، رقم: 12646۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: انْزِلْ أَبَا وَهْبٍ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ لَا أَنْزِلُ حَتَّى تُبَيِّنَ لِي. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بَلْ لَكَ تَسِيرُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ هَوَازِنَ بِحُنَيْنٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ يَسْتَعِيرُهُ أَدَاةً وَسِلَاحًا عِنْدَهُ، فَقَالَ صَفْوَانُ: أَطَوْعًا أَمْ كَرْهًا؟ فَقَالَ: بَلْ طَوْعًا فَأَعَارَهُ الْأَدَاةَ وَالسِّلَاحَ الَّتِي عِنْدَهُ، ثُمَّ خَرَجَ صَفْوَانُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ كَافِرٌ، فَشَهِدَ حُنَيْنًا وَالطَّائِفَ، وَهُوَ كَافِرٌ وَامْرَأَتُهُ مُسْلِمَةٌ، وَلَمْ يُفَرِّقْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، حَتَّى أَسْلَمَ صَفْوَانُ، وَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهُ امْرَأَتُهُ بِذَلِكَ النِّكَاحِ.

دے دیں گے۔ چنانچہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کی چادر مبارک لے کر آئے تو انھوں نے لوگوں کے سامنے (حجت قائم کرنے کے لیے) پکار کر کہا: اے محمد (ﷺ) یقیناً یہ وہب بن عمیر میرے پاس آپ کی چادر لے کر آیا اور اس نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے، پھر اگر میں (آپ کے لائے ہوئے مذہب کے) معاملے پر راضی ہو جاؤں تو اسے قبول کرلوں ورنہ آپ نے مجھے دو مہینے کی مہلت دے دی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے (انھیں ان کی کنیت سے پکار کر) فرمایا: ''اے ابووہب! (سواری سے) نیچے اتر آؤ۔'' وہ کہنے لگے کہ نہیں، اللہ کی قسم! میں نیچے نہیں اتروں گا، یہاں تک کہ آپ میرے سامنے وضاحت فرما دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ تمھارے لیے یہ اجازت ہے کہ چار ماہ تک (بغیر اسلام قبول کیے ہمارے ساتھ) چل پھر سکتے ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ (فتح مکہ سے فارغ ہو کر) حنین کے مقام پر بنو ہوازن قبیلے کی طرف (ان سے لڑنے کے لیے نکلے تو آپ نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے ہتھیار وقتی طور پر استعمال کرنے کے لیے دے۔ صفوان کہنے لگے کہ خوشی سے یا ناخوشی سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ خوشی سے۔'' چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کو اپنا سامان حرب اور اسلحہ عاریتاً دے دیا، پھر خود بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (جنگ میں شرکت کے لیے) حالت کفر ہی میں نکلے، پھر غزوۂ حنین میں اور غزوۂ طائف میں اس حال میں شرکت کی کہ وہ خود تو کافر تھے اور ان کی بیوی مسلمان تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈالی تھی، یہاں تک کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کی اہلیہ اس پہلے نکاح کے ساتھ ان کے ہاں برقرار رہیں۔

فائدہ: ......امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا موقف یہ ہے کہ عورت اگر پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ استبراء رحم کے لیے ایک حیض عدت گزارے گی، اگر اس دوران میں خاوند مسلمان ہو جائے تو وہی اس کا حقدار ٹھہرے گا، اگر وہ مسلمان نہ ہو تو عدت پوری ہو جانے کے بعد عورت کسی بھی مسلمان مرد سے شادی کر سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر عورت مسلمان ہو جائے اور خاوند دارالاسلام ہی میں ابھی کافر ہو تو ان میں جدائی نہ ڈالی جائے گی یہاں تک کہ خاوند پر اسلام پیش کیا جائے، چنانچہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو وہ اس کی بیوی رہے گی، اور

اگر انکار کر دے تو دونوں میں جدائی ڈال دی جائے گی...... حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کا بھاگنا اسلام سے نفرت کی بنا پر تھا، وہ قتل سے ڈر کر نہیں بھاگے تھے کیونکہ یہ سب کو معلوم کرا دیا گیا تھا کہ جو شخص بھی اسلام قبول کر لے یا بیت اللہ میں یا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے یا اپنا دروازہ بند رکھے تو اسے امن حاصل ہوگا اور وہ قتل نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی غنیمتوں سے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے تھے، پھر سو دیے، پھر سو اور دے دیے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ مال دیا تو اس وقت آپ میری نظروں میں سب سے زیادہ قابل نفرت تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مسلسل دیتے رہے یہاں تک کہ آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو گئے۔ (مسلم: 2313)

[1119] قَالَ مَالِكٌ : قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ امْرَأَةً هَاجَرَتْ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَزَوْجُهَا كَافِرٌ مُقِيمٌ بِدَارِ الْكُفْرِ، إِلَّا فَرَّقَتْ هِجْرَتُهَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا، إِلَّا أَنْ يَقْدَمَ زَوْجُهَا مُهَاجِراً، قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ان کی بیوی کے اسلام قبول کرنے میں تقریباً ایک مہینے کی مدت تھی، ابن شہاب رحمہ اللہ نے کہا کہ ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی خبر نہیں پہنچی کہ جس عورت نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر لی اس حال میں کہ اس کا خاوند کافر اور دارالکفر ہی میں ٹھہرا ہوا تھا تو یقیناً اس کی ہجرت نے اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان جدائی ڈال دی تھی، الا یہ کہ اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اس کا خاوند بھی (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آ جاتا (تو پھر نئے نکاح کی ضرورت نہ پڑتی)

[1120] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : أَنَّ أُمَّ حَكِيمٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، وَكَانَتْ تَحْتَ عِكْرِمَةَ بْنِ أَبِي جَهْلٍ، فَأَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَهَرَبَ زَوْجُهَا عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ مِنَ الإِسْلَامِ، حَتَّى قَدِمَ الْيَمَنَ، فَارْتَحَلَتْ أُمُّ حَكِيمٍ حَتَّى

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا جو کہ عکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) کے عقد میں تھیں، فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئیں اور ان کے خاوند عکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) اسلام (قبول کرنے) سے بھاگ گئے یہاں تک کہ یمن آ گئے، سو حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے بھی سفر کیا یہاں تک کہ وہ ان کے پاس یمن

[1119] (مرفوع ضعيف) بيهقي في السنن الكبرىٰ: 187/7- وفي معرفة السنن والآثار: 320/5، رقم: 4199- وفي الخلافيات: 83/2- الشافعي في المسند: 37/2- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1120] (مرفوع ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 187/7، رقم: 14064- وفي الخلافيات: 83/2- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

قَدِمَتْ عَلَيْهِ بِالْيَمَنِ، فَدَعَتْهُ إِلَى الإِسْلَامِ فَأَسْلَمَ، وَقَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَثَبَ إِلَيْهِ فَرِحاً، وَمَا عَلَيْهِ رِدَاءٌ، حَتَّى بَايَعَهُ، فَثَبَتَا عَلَى نِكَاحِهِمَا ذَلِكَ.

پہنچ گئیں اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے اور وہ فتح مکہ ہی کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا تو خوشی سے (اچھل کر کھڑے ہوئے اور) ان کی طرف لپکے اور اس وقت آپ ﷺ (کے جسم اطہر) پر (اوپر والی) چادر بھی نہ تھی، یہاں تک کہ انھوں نے آپ ﷺ سے بیعت کر لی، پھر وہ دونوں اپنے اسی پہلے نکاح پر قائم رہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا أَسْلَمَ الرَّجُلُ قَبْلَ امْرَأَتِهِ، وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا، إِذَا عُرِضَ عَلَيْهَا الإِسْلَامُ فَلَمْ تُسْلِمْ، لأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ [الممتحنة: 10]

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مرد اپنی بیوی سے پہلے اسلام لے آئے تو جب وہ اس پر اسلام پیش کرے لیکن وہ (بیوی) اسلام نہ لائے تو ان دونوں کے درمیان جدائی واقع ہوجائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (الممتحنۃ:10) ''اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں قبضے میں نہ رکھو۔''

فائدہ: ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے لیے مشرکین دو قسم کے تھے، ایک اہل حرب جن سے جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا اور دوسرے اہل عہد جن سے معاہدہ ہوتا تھا اور باہم لڑائی نہ ہوتی تھی۔ جب اہل حرب کی کوئی عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آتی تو جب تک استبراء رحم نہ ہو جاتا یعنی ایک حیض آ کر ختم نہ ہو جاتا تب تک اسے پیغام نکاح نہ دیا جاتا، ہاں جب وہ پاک ہو جاتی تو اس سے نکاح جائز ہوتا اور اگر کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے پہلے اس کا شوہر بھی ہجرت کر کے آ جاتا تو وہ اسی کو مل جاتی تھی۔ (بخاری: 5286) رسول اللہ ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف پہلے نکاح ہی میں لوٹا دیا تھا، اور نیا نکاح نہیں کیا تھا۔ (ابوداود: 2240، ترمذی: 1143، ابن ماجہ: 2009۔ اس کی سند صحیح ہے) اور جس روایت میں ان کے جدید نکاح کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔

راجح موقف یہی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے پہلے ایمان لے آئے تو عدت گزر جانے کے بعد اسے نیا نکاح کرنے کا اختیار مل جاتا ہے اور اگر وہ کسی نئے شوہر سے نکاح نہ کرے اور اس کا پہلا خاوند مسلمان ہو کر آ جائے تو وہ نئے نکاح کے بغیر اکٹھے ہو جائیں گے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی ایک بھی حدیث میں عدت کا اعتبار نہیں کیا گیا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ سے یہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے اس کی عدت ختم ہونے کے متعلق پوچھا ہو اور

ہمارے علم میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے اسلام لانے کی وجہ سے نیا نکاح کیا ہو بلکہ صرف دو معاملوں میں سے ایک ہوا کرتا تھا۔ یا تو دونوں میں جدائی ہو جاتی اور عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیتی، یا پھر دونوں کا نکاح برقرار رہتا، خواہ عورت پہلے اسلام قبول کرتی یا مرد۔ رہا جدائی کی تکمیل اور عدت کا لحاظ تو ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ہی سے کسی ایک بھی وجہ سے کبھی فیصلہ فرمایا ہو، حالانکہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں بہت زیادہ مردوں اور ان کی بیویوں نے اسلام قبول کیا۔ (زاد المعاد: 137/5) امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اس گفتگو کو سراہا ہے۔ (نیل الاوطار: 246/4)

21- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْوَلِيْمَةِ

ولیمہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں اور سب کی سب بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ:...... ولیمہ کرنا سنت ہے اور اس میں کمی بیشی کی کوئی حد متعین نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس وسعت ہو اور اس کا مقصد محض حصولِ رضائے الٰہی اور اظہارِ تشکر ہو تو ایک سے زیادہ دنوں تک بھی دعوتِ ولیمہ جاری رہ سکتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دنوں کی پابندی عائد نہیں کی، البتہ اسراف، نمود ونمائش، تکبر، ریا، بے جا تکلفات نیز فسق وفجور اور حرام کھانوں سے اجتناب کرنا لازم ہے، ولیمے کا وقت خاوند بیوی کے باہم اکٹھے ہو جانے کے بعد کا ہے، لہٰذا شادی سے پہلے ولیمہ کرنا خلافِ سنت ہے۔

[1121] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: كَمْ سُقْتَ إِلَيْهَا فَقَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس حال میں آئے کہ ان پر زردی کا نشان تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے ان سے (اس کے متعلق) پوچھا تو انھوں نے آپ کو بتایا کہ انھوں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کر لی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''تم نے

[1121] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الصفرة للمتزوج، حديث: 5153، 371، 3781، 3937، 5072، 5148، 5155، 5167، 6082، 6376- صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن، حديث: 1427- ابوداود: 2109- ترمذي: 1094- نسائي: 3353- ابن ماجه: 1907- احمد: 190/3، رقم: 13007- دارمي: 2064.

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ .

اسے کتنا حق مہر دیا ہے؟'' انھوں نے کہا کہ ایک گٹھلی کے برابر سونا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ولیمہ کرو، اگر چہ ایک بکری کے ساتھ کرو۔''

فائدہ :...... یوں محسوس ہوتا ہے کہ بیوی کے بناؤ سنگھار (میک اپ) میں سے یہ رنگ ان کے کپڑوں پر لگا ہوگا کیونکہ مرد کے کپڑوں میں کسم کا زرد رنگ ممنوع ہے۔(مسلم: 2077) نیز دیکھئے پیچھے حدیث: 734۔ گٹھلی کو عربی میں ''نواۃ'' کہتے ہیں۔ بہت سے علماء کے نزدیک یہ وزن کی ایک مخصوص مقدار کا نام ہے اور وہ ہے پانچ درہم، بعض نے تین درہم اور بعض نے چوتھائی دینار بیان کی ہے۔ اور متعدد علماء کے نزدیک یہ کسی خاص مقدار کا نام نہیں بلکہ حقیقتاً کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا مراد ہے۔ واللہ اعلم

[1122] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ : لَقَدْ بَلَغَنِي : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُولِمُ بِالْوَلِيمَةِ، مَا فِيهَا خُبْزٌ وَلَا لَحْمٌ .

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ (بعض اوقات) ولیمہ کرتے تھے جس میں نہ روٹی ہوتی تھی نہ گوشت۔

فائدہ :...... حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں کھجور، پنیر اور گھی تھا۔ (بخاری: 4213، 5169، مسلم، کتاب النکاح: 87/1365) اور کچھ ستو بھی تھے۔ (ابو داود: 3744، ترمذی: 1095، ابن ماجہ: 1909۔ اس کی سند صحیح ہے) ایک بیوی کے نکاح میں صرف دو مد (ایک کلوگرام سے کچھ زائد) جو کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (بخاری: 5172)

[1123] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى وَلِيمَةٍ فَلْيَأْتِهَا .

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو ولیمے کی دعوت دی جائے تو اسے ولیمے میں آنا چاہیے۔''

فائدہ :...... اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ولیمے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، اگر چہ جمہور اسے مستحب ہی سمجھتے ہیں، ہاں وہاں پہنچ کر کھانا تناول کرنا ضروری نہیں، چاہو تو کھالو، چاہو تو چھوڑ دو۔ (مسلم: 1430)

[1122] (مرفوع حديث) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب اتخاذ السراري ومن اعتق جارية ثم تزوجها، حديث: 5085، 4198، 4211، 4213، 5159، 5169، 5387، 5425، 6363- سنن النسائي، كتاب النكاح، باب البناء في السفر، حديث: 3384- احمد: 264/3، رقم: 13822- نسائي في الكبرى: 6605- ابن ماجه: 1910 .

[1123] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب حق اجابة الوليمة والدعوة، حديث: 5173- صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الامر باجابة الداعي الى دعوة، حديث: 1429- ابوداود: 3736- نسائي في الكبرى 6608- ابن ماجه: 1914- احمد: 20/2 (4712)- دارمي: 2205 .

[1124] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُدْعَى لَهَا الأَغْنِيَاءُ، وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِينُ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ، فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ.

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ سب سے برا کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی جائے اور مسکینوں کو چھوڑ دیا جائے اور جو شخص دعوت (دیے جانے کے باوجود اس) میں نہ آیا تو یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔

فائدہ:......یہی فرمان خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔(مسلم: 110/1432)

[1125] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: إِنَّ خَيَّاطاً دَعَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسٌ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلَيْهِ خُبْزاً مِنْ شَعِيرٍ، وَمَرَقاً فِيهِ دُبَّاءٌ، قَالَ أَنَسٌ: فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوْلِ الْقَصْعَةِ، فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ ذَلِكَ الْيَوْمِ.

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اس کھانے (کی دعوت) کی طرف گیا، چنانچہ اس نے آپ ﷺ کے سامنے جَو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ (سالن کے) پیالے کے اردگرد سے کدو (کے ٹکڑے) ڈھونڈ رہے تھے تو اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ کدو سے محبت کرتا رہا ہوں۔

فائدہ:......ممکن ہے کہ یہ دعوتِ ولیمہ ہو یا امام مالک رحمہ اللہ نے گزشتہ روایت سے ذہن میں آنے والا اشکال دور کرنا چاہا ہے، اشکال یہ ہے کہ کیا مالداروں اور بڑے مرتبے والوں کو دعوت میں بلانا مکروہ ہے؟ تو انھوں نے اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ صاحب عزت اور اہل شرف و مرتبہ لوگوں کو دعوت پر بلانا مطلقاً (ہر صورت میں مکروہ نہیں ہے، بلکہ صرف اس وقت مکروہ ہے جب غریبوں اور مسکینوں سے بالکل بے رخی اختیار کر کے صرف اور

[1124] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، حدیث: 5177- صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة، حدیث: 1432- ابوداود: 3742- نسائی فی الکبری: 6613- ابن ماجه: 1913- احمد: 241/2 (7277)- دارمی: 2066.

[1125] (مرفوع حدیث) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب الخیاط، حدیث: 2092، 5379، 5420، 5433، 5435، 5437، 5439- صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب جواز اکل المرق واستحباب اکل الیقطین، حدیث: 2041- ابوداود: 3782- ترمذی: 1850- نسائی فی الکبری: 6662- ابن ماجه: 3302- احمد: 150/3 (12541)- دارمی: 2050.

صرف مالداروں کو بلایا جائے...... رہا یہ مسئلہ کہ آپ ﷺ دوسروں کے آگے سے بھی کدو کیوں ڈھونڈ رہے تھے؟ جبکہ ہر کسی کو اپنے سامنے سے کھانے کا حکم ہے۔ (بخاری: 5163، 5376۔ مسلم: 2022) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ جب ساتھی ناپسند نہ کریں تو ان کے آگے سے کھایا جا سکتا ہے۔ (بخاری حدیث: 5379 کا عنوان) ہمارے خیال میں راجح تطبیق یہ ہے کہ جب برتن میں مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو پھر صرف سامنے سے کھانے کی پابندی نہیں رہتی اور اس برتن میں ثرید پیش کیا گیا تھا۔ (بخاری: 5420) اور ظاہر بات ہے کہ اس میں روٹی کے ٹکڑے، شوربہ اور سبزی سب کچھ موجود تھا، بلکہ اس میں گوشت کی بوٹیاں بھی تھیں۔ (بخاری: 5437، مسلم: 2041) تو اس لیے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ برتن میں گھوم رہا تھا، یہ درزی رسول اللہ ﷺ ہی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ (بخاری: 5420، 5433) پھر رسول اللہ ﷺ کی پسند دیکھ کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی کدو کے ٹکڑے ڈھونڈ ڈھونڈ کر آپ ﷺ کے سامنے رکھنے لگے تھے۔ (بخاری: 5420، 5439، مسلم: 145/2041) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے میرا یہ معمول تھا کہ میں جس سالن میں بھی کدو شامل کرنے کی قدرت دیکھتا تو ضرور اسے شامل کر دیتا تھا۔ (مسلم: 2041)

22- بَابٌ: جَامِعُ النِّكَاحِ

نکاح کے بارے میں متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں، ایک مرفوع حدیث نبوی دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور تین مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور تمام روایات سنداً صحیح ثابت ہیں سوائے ایک موقوف روایت کے، جو ضعیف ہے۔

[1126] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، أَوِ اشْتَرَى الْجَارِيَةَ، فَلْيَأْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا، وَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ، وَإِذَا اشْتَرَى الْبَعِيرَ، فَلْيَأْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهِ، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے یا لونڈی خریدے تو اسے چاہیے کہ اس کی پیشانی کے بال پکڑے اور برکت کی دعا کرے، اور جب وہ اونٹ خریدے تو اس کی کوہان کی چوٹی کو پکڑے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔''

فائدہ: ......یعنی اونٹ کے کوہان پر ہاتھ رکھ کر (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھ لے۔ نیز بیوی یا لونڈی یا کوئی بھی جانور لانے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی سکھائی ہے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ

[1126] (مرفوع صحیح لغیرہ) سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب في جامع النکاح، حدیث: 2160۔ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب ما یقول الرجل اذا دخلت علیه اهله، حدیث: 1918، 2252۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ . " "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کی بھلائی کا اور اس چیز کی بھلائی کا جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے۔" (ابوداود: 2160، ابن ماجہ: 1918، 2252۔ اس کی سند حسن صحیح ہے) یاد رہے کہ اونٹ (مذکر) کے لیے "رَاحِلة" کا مونث لفظ بھی مستعمل ہے، لہٰذا "رَاحِلہ" کے معنی میں لے کر مذکر کی بجائے مونث کی ضمیریں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[1127] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ: أَنَّ رَجُلاً خَطَبَ إِلَى رَجُلٍ أُخْتَهُ، فَذَكَرَ أَنَّهَا قَدْ كَانَتْ أَحْدَثَتْ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَضَرَبَهُ، أَوْ كَادَ يَضْرِبُهُ، ثُمَّ قَالَ: مَا لَكَ وَلِلْخَبَرِ.

ابوزبیر مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے اس کی بہن کا رشتہ مانگا تو اس نے کہا کہ بے شک اس (میری بہن) نے تو زنا کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انھوں نے اس شخص کو مارا یا (راوی کہتے ہیں کہ) وہ قریب تھے کہ اسے مارتے، پھر فرمایا کہ تجھے یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی؟

فائدہ: ......ایک مسلمان کو کسی بھی عام مسلمان کی پردہ پوشی کرنی چاہیے اور تو نے اپنی ہی بہن کو رسوا کر دیا، اسے مارنے کا سبب یہ تھا کہ اس نے بلا ثبوت اپنی بہن پر تہمت لگائی تھی۔

[1128] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَعُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَا يَقُولاَنِ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ عِنْدَهُ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ، فَيُطَلِّقُ إِحْدَاهُنَّ الْبَتَّةَ: إِنَّهُ يَتَزَوَّجُ إِنْ شَاءَ، وَلاَ يَنْتَظِرُ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ بے شک قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر اس شخص کے متعلق فرمایا کرتے تھے جس کے پاس چار بیویاں ہوں، پھر وہ ان میں سے ایک کو بتہ طلاق (یعنی تیسری طلاق) دے دے تو بلاشبہ وہ اگر چاہے تو (فوراً کسی اور چوتھی بیوی سے) شادی کر سکتا ہے اور وہ یہ انتظار نہیں کرے گا کہ اس (طلاق شدہ بیوی) کی عدت پوری ہو۔

فائدہ: ......کیونکہ اب رجوع تو ہو نہیں سکتا، نیز عدت عورت نے گزارنا ہوتی ہے نہ کہ مرد نے اور اب

[1127] (موقوف صحیح لغیرہ) عبدالرزاق: 246/6 (10689)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ اور شیخ احمد علی سلیمان نے صحیح کہا ہے۔

[1128] (مقطوع صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 150/7، وفی معرفة السنن والآثار: 270/5 (4128)۔ الشافعی فی الام: 146/5۔ دارقطنی: 308/3۔ عبدالرزاق: 216/6۔ ابن ابی شیبہ: 16747۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

چونکہ اس مرد کی صرف تین بیویاں ہیں اس لیے وہ چوتھی شادی کرسکتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی ﷭ کا یہی موقف ہے لیکن امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک عورت کی عدت پوری ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ چنانچہ سیدنا علی، سیدنا ابن عباس ﷢، سعید بن مسیب، مجاہد، عطا اور ابراہیم وغیرہ سے بھی یہ بات مروی ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ اگر چہ رجوع تو نہیں ہوسکتا لیکن دوران عدت میں وفات کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔ نیز خاوند کی وفات کی صورت میں اس کی عدت طلاق عدت وفات میں بدل جائے گی، یہ نتائج تعلق زوجیت ہی کی بنا پر لاگو ہوتے ہیں، لہٰذا اختتام عدت تک یہی اس کی چوتھی بیوی ہے، وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ واللہ اعلم

[1129] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَعُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَفْتَيَا الْوَلِيدَ بْنَ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَامَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ بِذَلِكَ، غَيْرَ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ: طَلَّقَهَا فِي مَجَالِسَ شَتَّى.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر نے (خلیفہ وقت) ولید بن عبدالملک کو اس سال ہمیں (پچھلی روایت والا) فتوی دیا جب وہ مدینہ آئے تھے، البتہ قاسم بن محمد نے ان سے یہ کہا تھا کہ (یہ اس وقت ہے جب) وہ اسے مختلف مجلسوں میں (تین) طلاقیں دے۔

[1130] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: ثَلَاثٌ لَيْسَ فِيهِنَّ لَعِبٌ: النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالْعِتْقُ.

سعید بن مسیب ﷫ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں جن میں کھیل نہیں ہوتا، نکاح، طلاق اور آزادی۔

فائدہ: ......ان تین کاموں کو کھیل تماشا بنانا حرام ہے اور اگر کوئی شخص ہنسی مذاق میں ان میں سے کوئی کام کر لے تو وہ شرعاً واقع ہو جاتا ہے۔ یہ روایت نبی کریم ﷺ سے بھی مروی ہے اور آپ ﷺ نے تیسری چیز ''آزادی'' کی جگہ ''رجوع کرنے'' کا ذکر کیا ہے۔ (ابوداود: 2194، ترمذی: 1184، ابن ماجہ: 2046، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، علامہ البانی نے اسے مضطرب قرار دیا ہے۔ ارواء الغلیل: 2063)

[1131] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ: أَنَّهُ تَزَوَّجَ بِنْتَ

حضرت رافع بن خدیج ﷜ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت محمد بن مسلمہ ﷜ کی بیٹی (خولہ) سے شادی کی، وہ

[1129] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

[1130] (مقطوع صحیح) بیهقی: 341/7 (14995)۔ عبدالرزاق: 135/6 (10253)۔ ابن ابی شیبه: 18397۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1131] (موقوف ضعیف) بیهقی: 75/7، 296 (13436)۔ ابن ابی شیبه: 16463، 16465۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِی ، فَكَانَتْ عِنْدَهُ حَتَّى كَبِرَتْ ، فَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا فَتَاةً شَابَّةً ، فَآثَرَ الشَّابَّةَ عَلَيْهَا ، فَنَاشَدَتْهُ الطَّلَاقَ ، فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً، ثُمَّ أَمْهَلَهَا حَتَّى إِذَا كَادَتْ تَحِلُّ رَاجَعَهَا، ثُمَّ عَادَ فَآثَرَ الشَّابَّةَ ، فَنَاشَدَتْهُ الطَّلَاقَ ، فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً، ثُمَّ رَاجَعَهَا، ثُمَّ عَادَ فَآثَرَ الشَّابَّةَ ، فَنَاشَدَتْهُ الطَّلَاقَ ، فَقَالَ : مَا شِئْتِ، إِنَّمَا بَقِيَتْ وَاحِدَةٌ فَإِنْ شِئْتِ اسْتَقْرَرْتِ عَلَى مَا تَرَيْنَ مِنَ الْأُثْرَةِ، وَإِنْ شِئْتِ فَارَقْتُكِ . قَالَتْ : بَلْ أَسْتَقِرُّ عَلَى الْأُثْرَةِ. فَأَمْسَكَهَا عَلَى ذٰلِكَ ، وَلَمْ يَرَ رَافِعٌ عَلَيْهِ إِثْماً، حِينَ قَرَّتْ عِنْدَهُ عَلَى الْأُثْرَةِ .

ان کے پاس رہی یہاں تک کہ بوڑھی ہوگئی تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اس کی موجودگی میں ایک نوجوان لڑکی سے شادی کر لی، پھر (ازدواجی تعلقات میں) اس نوجوان لڑکی کو (بڑھیا) پر ترجیح دی تو اس نے قسم دے کر ان سے طلاق مانگ لی، چنانچہ انھوں نے اسے ایک طلاق دے دی، پھر اسے مہلت دی یہاں تک کہ جب وہ قریب تھی کہ وہ (عدت پوری ہونے کے بعد اوروں کے لیے) حلال ہو تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا، پھر انھوں نے دوبارہ وہی کیا اور نوجوان لڑکی کو اس پر ترجیح دی تو اس نے پھر قسم دے کر ان سے طلاق کا مطالبہ کر لیا، چنانچہ انھوں نے اسے ایک اور طلاق دے دی، پھر اس سے رجوع کر لیا، پھر دوبارہ وہی کچھ کیا اور جوان لڑکی کو اس پر ترجیح دی تو اس نے پھر قسم دے کر ان سے طلاق مانگ لی۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جیسے تو چاہے (میں ویسے ہی کر دوں گا لیکن یاد رکھو کہ) بلاشبہ اب صرف ایک طلاق ہی باقی بچی ہے، لہٰذا اگر تو چاہے تو (میرے پاس میرے نکاح میں) برقرار رہ لے، باوجود اس ترجیح کے جو تو دیکھ رہی ہے، اور اگر تو چاہتی ہے تو میں تجھے چھوڑ دیتا ہوں، (پھر یہ نہ کہنا کہ ایک بڑھیا کو بے سہارا کر دیا) وہ کہنے لگی کہ (ٹھیک ہے، طلاق نہ دو) بلکہ میں اس ترجیح کے باوجود (تمھارے پاس) برقرار رہتی ہوں، چنانچہ انھوں نے اسے اس (شرط اور ترجیح) پر اپنے پاس روک لیا اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر کوئی گناہ بھی نہ سمجھا جس وقت کہ وہ خود ہی ترجیح برداشت کر کے ان کے پاس ٹھہر گئی۔

فائدہ:...... غالباً یہ ترجیح صرف اور صرف طبعی میلان والی تھی جو کہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی، ظاہر بات ہے کہ جو عورت مرد کی خواہش وتمنا پر پوری اترے تو خود بخود ہی مرد کا دل اس کی طرف خصوصی لگاؤ اور جھکاؤ رکھے گا، ورنہ نان ونفقہ اور لباس ومکان میں کسی بیوی کو کسی دوسری پر ترجیح دینا جائز نہیں اور انصاف کرنا لازم ہے، اگر ایک آدمی ظاہری حقوق میں عدل نہیں کر سکتا تو وہ دوسری شادی ہی نہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾ (النساء: 3) ''پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو)، یہ زیادہ قریب ہے اس سے کہ تم ناانصافی نہیں کرو گے۔'' رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''جس کسی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے

ایک کی طرف مائل ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو (آدھا جسم) مفلوج ہوگا۔'' (ابوداود: 2133، ترمذی: 1141، نسائی: 1394، ابن ماجہ: 1969۔ اس کی سند صحیح ہے) اس ممنوع میلان اور جھکاؤ سے مراد یہ ہے کہ ایک کو نسبتاً زیادہ وقت دیا جائے یا اس کے پاس زیادہ راتیں ٹھہرا جائے یا اس کی بنیادی حاجات یعنی روٹی، کپڑا، مکان زیادہ بہتر انداز میں پوری کی جائیں۔ رہا قلبی لگاؤ، دلی محبت، ذہنی جھکاؤ، کسی بیوی کی خصائل حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ کی بنا پر اس کی طرف محض دلی میلان ونشاط اور صحبت کا زیادہ ہونا تو یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ اسی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (النسآء: 129) ''اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں (ہر طرح سے) عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، لہٰذا تم (کسی ایک کی طرف) مکمل طور پر مائل نہ ہو جانا کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی ہوئی چھوڑ دو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ہر بیوی کے لیے ایک ایک دن رات کی باری مقرر کر رکھی تھی لیکن ہر روز عصر کے بعد سب بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ (بخاری: 5268، مسلم: 21/1474) اور سب بیویاں دن میں اسی عورت کے گھر میں بھی آیا کرتی تھیں جس کی باری ہوتی، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس بیٹھتے اور ان سے گفت وشنید فرماتے تھے۔ (مسلم: 1462)

سیدنا رافع رضی اللہ عنہ اس صورت حال کو سمجھتے تھے، آخر انھوں نے پہلی بیوی کے ساتھ زندگی گزار دی تھی، جب وہ بوڑھی ہوگئی اور اس کے لیے جنسی کشش ماند پڑ گئی تو وہ ایک جوان بیوی لے آئے جسے پہلی بیوی برداشت نہ کر سکی تو غیرت و سکناپے کی وجہ سے طلاق مانگنے لگی، چنانچہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بڑی احتیاط سے کام لیا، اس کے سکناپے کا بھی خیال رکھا اور اسے اپنے پاس بسائے رکھنے کی تدبیر بھی کر لی، اور بڑی دانشمندی سے اسے یہ باور کرا دیا کہ تم بوڑھی اور بے کشش ہو چکی ہو، بھلا اب کون تم سے شادی رچائے گا، میرے پاس رہو گی تو چلو نان ونفقہ اور رہائش ولباس کی پریشانی تو نہ ہوگی اور وہ بھی اس بات کو سمجھ گئیں اور پھر اسی بات پر صلح کر لی جس طرح کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے رکھی تھی۔ (بخاری: 5212، مسلم: 1463) ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النسآء: 128) ''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے ظلم وزیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں (خاوند بیوی) پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے۔''

28

كِتَابُ الطَّلَاقِ

طلاق کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں پینتیس ابواب اور ایک سو اٹھارہ روایات ہیں، جن میں سے 17 مرفوع (احادیث نبویہ) 58 موقوف (آثار صحابہ) اور 43 مقطوع (آثار تابعین) ہیں۔ ان تمام روایات میں سے 81 صحیح، ایک حسن اور 36 ضعیف ہیں، چنانچہ 17 مرفوع روایات میں سے 14 صحیح اور 3 ضعیف ہیں۔ 58 موقوف روایات میں سے 37 صحیح، ایک حسن اور 20 ضعیف ہیں اور 43 مقطوع روایات میں سے 30 صحیح اور 13 ضعیف ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چونسٹھ (64) فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... طلاق کے لغوی معنی بندھن کھولنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں نکاح کی گرہ کھول دینے کو طلاق کہتے ہیں، طلاق اسلام میں مشروع ہے اور یہ امت پر ایک عظیم احسان ہے ورنہ طبیعتوں کے باہم متفق نہ ہو سکنے کی صورت میں لوگوں کی ازدواجی زندگی ہمیشہ کا عذاب بن جاتی، اس طلاق کے خوف سے عورت بھی صبر کا مظاہرہ کرتی ہے اور طلاق کے بعد مرتب ہونے والے نتائج اور احکامات کی بنا پر مرد بھی احتیاط برتتا ہے، نیز اگر طلاق مرد کا حق ہے تو شریعت نے توازن برقرار رکھنے کے لیے عورت کو بھی "خلع" کا حق دیا ہے۔ مسنون طریقے کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں: (1) طلاقِ سُنّی (2) طلاقِ بدعی۔ طلاقِ سُنّی سے مراد یہ ہے کہ مرد اپنی مرضی سے اپنی بیوی کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے تو وہ طلاق بدعی بن جائے گی۔ چنانچہ حالت حیض و نفاس میں طلاق دینا، مباشرت والے طہر میں طلاق دینا یا ایک سے زیادہ اکٹھی طلاقیں دینا یہ سب بدعی طریقے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بدعی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، سوائے ایک محفل کی تین طلاقوں کے، اس میں یہ اختلاف ہے کہ وہ ایک واقع ہوتی ہے یا تین...... اگر ہر ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے کر تین پوری کی جائیں تو یہ درست ہے اور اسے حسن طلاق کہتے ہیں، اور اگر صرف ایک طلاق دی جائے اور اختتامِ عدت تک مزید کوئی طلاق نہ دی جائے تو اسے احسن طلاق کہتے ہیں۔

احادیث اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں جبراً، اکراہ کے طور پر یعنی زبردستی دلائی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔
(ابوداود: 2193، ارواء الغلیل: 2045، 2047، بیہقی: 359/7، بخاری قبل از حدیث: 5269) امام مالک رحمہ اللہ نے اسی کے مطابق دیے ہوئے فتویٰ کے جرم میں شدید سزائیں برداشت کیں لیکن وہ اس پر ڈٹے رہے، امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ اور اہل حدیث کا بھی یہی موقف ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ راجح موقف کے مطابق نشے اور شدید غصے کی بنا پر ہوش وحواس کھو بیٹھنے والے کی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔
(ابوداود: 2193، ارواء الغلیل: 2047، بخاری قبل از حدیث: 5269)

یادرہے کہ پہلی اور دوسری طلاق رجعی (غیر بائنہ) ہوتی ہے اور تیسری غیر رجعی ہوتی ہے، اس کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا، اسے بائنہ مغلظہ بھی کہتے ہیں (یعنی سخت احکام رکھنے والی اور جدا کر دینے والی) اگر کوئی شخص رجعی یعنی پہلی یا دوسری طلاق میں بائنہ یا بتہ کا لفظ بول دے تو اسے ''بائنہ خفیفہ'' کہتے ہیں، راجح موقف کے مطابق اس میں رجوع ہوسکتا ہے۔ اگر لفظ طلاق بولا جائے تو یہ صریح طلاق کہلاتی ہے اور اگر یہ لفظ تو نہ بولا جائے بلکہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن میں طلاق کا مفہوم ہو جنھیں اشارہ وکنایہ کہتے ہیں، تو ایسی غیر صریح طلاق میں آدمی کی نیت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ اگر طلاق کی نیت کی تھی تو وہ واقع ہو جائے گی۔

1- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْبَتَّةِ

طلاق بتہ یعنی تین اکٹھی طلاقوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو موقوف ہیں اور دو مقطوع اور سب سنداً صحیح ہیں، سوائے ایک مقطوع روایت کے جو ضعیف ہے۔

فائدہ :......جس طلاق میں لفظ ''بتہ'' بولا جائے اسے طلاق بتہ کہتے ہیں اور تین اکٹھی طلاقوں کو بھی اور الگ الگ دی جانے والی طلاقوں میں سے تیسری طلاق کو بھی طلاق بتہ کہتے ہیں۔ دراصل بتہ کے لغوی معنی کاٹ دینے اور منقطع کر دینے کے ہیں اور تیسری طلاق کے بعد خاوند بیوی کا باہم رجوع اور تعلق ازدواج کٹ جاتا ہے اور یہ طلاق ان میں جدائی اور انقطاع ڈال دیتی ہے۔

[1132] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِئَةَ تَطْلِيقَةٍ، فَمَاذَا تَرَى عَلَيَّ؟

امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں تو آپ مجھ پر کیا لازم دیکھتے ہیں؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

[1132] (موقوف صحیح) بیہقی: 232/7 (14945)۔ عبدالرزاق: 397/6 (11353)۔ ابن ابی شیبہ: 17797۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ : طَلُقَتْ مِنْكَ لِثَلَاثٍ ، وَسَبْعٌ وَتِسْعُونَ اتَّخَذْتَ بِهَا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُواً .

اس سے فرمایا: وہ تو تین طلاقوں کے ساتھ ہی مطلقہ ہوگئی تھی (اور شادی کے بندھن سے آزاد ہوگئی تھی) اور تو نے (باقی) ستانوے طلاقوں کے ساتھ اللہ کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔

فائدہ: ......اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکامات ذکر کر کے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ (البقرۃ: 231) ''اور تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔'' یاد رہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دے دینا بھی آیات الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور بدعی طلاق ہے اور کسی کے نزدیک بھی اکٹھی تین طلاقیں دینا جائز نہیں ہے۔ اختلاف صرف اس چیز میں ہے کہ اگر ایسا کر لیا جائے تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ چنانچہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ تفصیل اسی باب کے اخیر میں آ رہی ہے۔

[1133] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ : إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي ثَمَانِيَ تَطْلِيقَاتٍ . فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ : فَمَاذَا قِيلَ لَكَ؟ قَالَ : قِيلَ لِي : إِنَّهَا قَدْ بَانَتْ مِنِّي . فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ : صَدَقُوا ، مَنْ طَلَّقَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ ، فَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ لَهُ ، وَمَنْ لَبَسَ عَلَى نَفْسِهِ لَبْساً ، جَعَلْنَا لَبْسَهُ مُلْصَقاً بِهِ ، لَا تَلْبِسُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ ، وَنَتَحَمَّلَهُ عَنْكُمْ ، هُوَ كَمَا يَقُولُونَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بے شک میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے دی ہیں تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو تجھے کیا کہا گیا؟ اس نے کہا! مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ عورت یقیناً مجھ سے جدا ہوگئی ہے۔ انھوں نے کہا: لوگوں نے سچ ہی کہا ہے، جس شخص نے طلاق اس طرح دی جیسے اللہ نے (سورۂ بقرہ میں بیان) فرمایا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے (مکمل صورت حال کو تفصیل سے) بیان فرما دیا ہے اور جو شخص اپنے اوپر معاملے کو خلط ملط کر دے (کوئی گڑبڑ کر دے) تو ہم اس کے معاملے کو اس کے ساتھ ملا دیں گے (اور اسی کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، اپنے آپ پر معاملہ خلط ملط نہ کیا کرو کہ ہمیں بھی تمھاری طرف سے اس (کے متعلق سوچ بچار اور سزا دینے) کی تکلیف و مصیبت اٹھانی پڑے۔ (تیرا) وہ معاملہ اس طرح ہی ہے جیسے لوگ کہتے ہیں۔

[1134] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

ابوبکر بن (محمد بن عمرو بن) حزم سے روایت ہے کہ سیدنا

[1133] (موقوف صحیح) بیهقی: 335/7 (14962) عبدالرزاق: 394/6، 395 (11342، 11343)۔ ابن ابی شیبہ: 17805۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1134] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 359/6 (11185)۔ ابن ابی شیبہ: 18142، سعید بن منصور: 1673۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ لَهُ : الْبَتَّةُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهَا؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ : فَقُلْتُ لَهُ كَانَ أَبَانُ بْنُ عُثْمَانَ يَجْعَلُهَا وَاحِدَةً . فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : لَوْ كَانَ الطَّلَاقُ أَلْفاً, مَا أَبْقَتِ الْبَتَّةُ مِنْهُ شَيْئاً، مَنْ قَالَ الْبَتَّةَ ، فَقَدْ رَمَى الْغَايَةَ الْقُصْوَى .

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (ان سے) کہا کہ بتہ طلاق کے متعلق لوگ کیا کہتے ہیں؟ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: (امیر مدینہ) ابان بن عثمان اسے ایک شمار کرتے تھے تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمانے لگے: اگر (جائز) طلاقیں ہزار بھی ہوتیں تو بتہ طلاق ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑتی، جس شخص نے بھی (طلاق دیتے وقت) بتہ کہہ دیا تو اس نے آخری انتہاء پر تیر پھینک دیا (وہ انتہاء کو پہنچ گیا اور اس کے لیے رجوع کا حق ختم ہوگیا)

[1135] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، كَانَ يَقْضِي فِي الَّذِي يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ : أَنَّهَا ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ . قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (امیر مدینہ) مروان بن حکم اس شخص کے متعلق جو اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے، یہ فیصلہ فرماتے تھے کہ بلاشبہ وہ تین طلاقیں ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے جو کچھ بھی سنا ہے اس میں یہی قول میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ: ...... جب آدمی اپنی بیوی سے کہہ دے کہ "تم بتہ طلاق والی ہو" یا "میں نے تمھیں بتہ طلاق دی" تو اس بارے میں فقہاء صحابہ و تابعین اور محدثین کے مابین اختلاف ہے، ابان بن عثمان رحمہ اللہ اسے ایک طلاق شمار کرتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اسے تین طلاقیں شمار کرتے تھے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس میں نیت پر انحصار ہے، چنانچہ ایک یا دو یا تین میں سے جس کی نیت کی، وہ واقع ہو جائے گی اور احناف کے نزدیک ایک یا دو کی نیت سے ایک طلاق بائنہ (جس میں رجوع کا حق نہیں رہتا) شمار ہوگی اور تین کی نیت سے تین ہی شمار ہوں گی۔ اہل حدیث حضرات کے نزدیک طلاق بتہ سے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اس بات پر تو تمام امت کا اتفاق ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زائد طلاقیں دینا حرام ہے، البتہ اگر ایسا ہو جائے تو جمہور ائمہ اربعہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں، ان کے نزدیک دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بات پر اجماع ہوگیا تھا اور دور فاروقی کے تیسرے سال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگوں نے تو اسے تماشہ بنا لیا ہے اور وہ اس

[1135] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

ناجائز کام سے باز ہی نہیں آ رہے تو انھوں نے سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا کہ تین کو تین ہی شمار کرو، اور ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ اس عمل سے باز آ جائیں لیکن بعد میں اکثر فقہاء اسی پر مسلسل قائم رہے۔ تاوقتیکہ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس جمود کو توڑا اور باوجود سخت ترین مخالفت کے تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے پر پر زور بیانات دیے اور تمام تاویلات کا توڑ کیا۔ اس سلسلے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''اغاثۃ اللھفان'' میں بہت تفصیلی مواد موجود ہے۔ عصر حاضر میں مختلف علماء کی کاوشوں سے بعض ممالک میں سرکاری سطح پر اس موقف کو تقویت ملی ہے اور انھوں نے اپنے قوانین میں اسے شامل کر لیا ہے، اگرچہ مقلد فقہاء و علماء اپنی روش چھوڑنے کو تیار نہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی کتاب ''ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل'' کا مطالعہ از حد مفید رہے گا...... ہم اہل حدیث حضرات اگرچہ قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ اجماع امت اور قیاس صحیح کے قائل ہیں لیکن صرف اس صورت میں کہ جب اجماع اور قیاس قرآن وسنت سے متصادم نہ ہوں، نیز اجماع اور قیاس کی طرف رخ بھی صرف اس وقت کیا جائے گا جب قرآن وسنت سے فیصلہ نہ ملے، ہمارے نزدیک ہر صاحب علم قابل احترام ہے لیکن قرآن وسنت کے مقابلے میں کسی امتی کے فیصلہ وفتویٰ کو ترجیح نہیں دی جا سکتی اور صحیح وصریح احادیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ دیکھیے (1) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت (مسلم: 1472، کتاب الطلاق کی روایت: 15، 17، ابوداود: 2199، 2200، نسائی: 3435)۔ سیدنا ابورکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں اکٹھی دے دیں پھر نادم ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں ایک شمار کرنے اور رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ (مسند احمد: 265/1، ابوداود: 2196۔ اس کی سند حسن ہے) (3) اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلطَّلَاقُ تَطْلِيْقَتَانِ﴾ یا ﴿اَلطَّلَاقُ طَلَاقَانِ﴾ نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (البقرۃ: 229) ''طلاق دو مرتبہ ہے۔'' عربی کے لفظ ''مَـرَّةٌ'' (بار، دفعہ، مرتبہ) کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، جس طرح کہ کسی شخص کو ایک ہی بار دس یا سو یا ہزار روپے دیں تو اسے ایک بار دینا کہتے ہیں، نہ کہ دس بار یا سو بار یا ہزار بار اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیت: 58 میں نابالغ بچوں کے گھروں میں داخلے پر تین اوقات میں پابندی لگاتے ہوئے فرمایا: ﴿ثَلٰثُ مَرّٰتٍ﴾ (النور: 58) ''تین مرتبہ'' اور پھر تینوں اوقات کے نام لیے، یعنی نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو قیلولہ کے وقت اور نماز عشاء کے بعد۔ چنانچہ اگر کوئی بچہ ان میں سے کسی ایک وقت میں جتنے بھی چکر لگائے وہ ''ایک بار'' شمار ہوگا اور اس کے بعد ابھی ''دوبار'' یعنی دو اوقات کی مزید پابندی باقی ہے...... رہی اجماع کی بات تو وہ ناقابل قبول ہے، اس لیے کہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا ثابت ہے۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم حکم فاروقی سے متفق نہ تھے۔ مثلاً سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا علی اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ، اسی طرح تابعین میں سے عکرمہ، طاوس رحمہم اللہ وغیرہ (اغاثۃ اللھفان: 329/1، فتح الباری: 456/10) امام ابن تیمیہ (مجموع الفتاویٰ: 16/3،

17)، ابن قیم (زاد المعاد: 241/5، اعلام الموقعین: 30/3) اور ابن باز (الفتاویٰ الاسلامیہ: 49/3) بھی اسی کے قائل ہیں۔

2- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْخَلِيَّةِ وَالْبَرِيَّةِ وَأَشْبَاهِ ذٰلِكَ

خَلِيَّة، بَرِيَّة اور ان جیسے الفاظ کے ساتھ طلاق دینے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں، تین موقوف ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دو ضعیف ہیں، دو روایات مقطوع ہیں جو سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ: ......اپنی بیوی سے کہنا کہ "أَنْتِ خَلِيَّةٌ" "تو مجھ سے الگ ہے" یا "أَنْتِ بَرِيَّةٌ" "تو مجھ سے بری ہے" اس طرح کے الفاظ کو کنایہ کہتے ہیں اور ان پر آدمی کی نیت کے مطابق حکم مرتب ہوگا، اگر طلاق کی نیت ہو تو وہ واقع ہو جائے گی اور اسے طلاق کنایہ یا کنائی کہتے ہیں اور اگر کوئی اور مفہوم مراد لیا گیا ہو تو وہی معتبر ہوگا اور طلاق نہ ہوگی، دیکھیے فائدہ روایت: 1137۔

[1136] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّهُ كُتِبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنَ الْعِرَاقِ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِامْرَأَتِهِ: حَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ، فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى عَامِلِهِ، أَنْ مُرْهُ يُوَافِينِي بِمَكَّةَ فِي الْمَوْسِمِ، فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، إِذْ لَقِيَهُ الرَّجُلُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ عُمَرُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: أَنَا الَّذِي أَمَرْتَ أَنْ أُجْلَبَ عَلَيْكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَسْأَلُكَ بِرَبِّ هٰذِهِ الْبَنِيَّةِ، مَا أَرَدْتَ بِقَوْلِكَ: حَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ؟ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: لَوِ اسْتَحْلَفْتَنِي فِي غَيْرِ هٰذَا الْمَكَانِ مَا صَدَقْتُكَ، أَرَدْتُ بِذٰلِكَ الْفِرَاقَ. فَقَالَ عُمَرُ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عراق سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف یہ لکھا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا ہے کہ "تیری رسی تیرے کندھے پر ہے" (اس سے کیا مراد لیا جائے؟) تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (عراق میں موجود) اپنے عامل (امیر، گورنر) کی طرف لکھا کہ اس آدمی کو یہ حکم دو کہ وہ موسم حج میں مکہ کے اندر مجھ سے ملاقات کرے، چنانچہ اس دوران کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ اچانک وہی آدمی آپ سے ملا اور اس نے انھیں سلام کہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو کون ہے؟ وہ بولا کہ میں وہی شخص ہوں جس کے متعلق آپ نے حکم دیا تھا کہ آپ کے پاس لایا جاؤں، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی قسم دے کر تم

[1136] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 343/7 (15010) وفی معرفة السنن والآثار: 473/5 (4436)، الشافعی فی الام: 236/7، عبدالرزاق: 11232- سعید بن منصور: 1152- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

بْنُ الْخَطَّابِ : هُوَ مَا أَرَدْتَ . سے پوچھتا ہوں کہ تم نے اپنے قول حَبْـلُكِ عَـلـى غَـارِبِكِ ''تیری رسی تیرے کندھے پر ہے'' سے کیا مراد لیا تھا؟ وہ آدمی کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اس جگہ کے علاوہ کہیں اور مجھ سے قسم بھی لے لیتے تو میں آپ سے سچ نہ بولتا (لیکن یہاں اس گھر کی ہیبت مجھے سچ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ) میں نے اس کلام سے جدائی (اور طلاق) ہی مراد لی تھی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (تو پھر) اس کا وہی مطلب ہے جو تم نے مراد لیا ہے۔

فائدہ: ......اس جیسے الفاظ کے متعلق جمہور کا یہی موقف ہے کہ آدمی کی نیت پر فیصلہ کیا جائے گا اور اس سے قسم لے کر اس کی بات کا مطلب پوچھا جائے گا لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ہر صورت میں ان جیسے الفاظ سے بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر آدمی نے ان الفاظ سے واقعی طلاق مراد لی ہو تو صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوگی خواہ اس نے زیادہ بھی مراد لے لی ہوں۔

[1137] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عَـلِـيَّ بْـنَ أَبِـي طَالِبٍ كَانَ يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَـقُـولُ لامْرَأَتِهِ : أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ : إِنَّهَا ثَلاثُ تَطْلِيقَاتٍ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس شخص کے متعلق فرمایا کرتے تھے جو اپنی بیوی سے کہے کہ "أَنْـتِ عَلَيَّ حَرَامٌ" ''تو مجھ پر حرام ہے'' کہ بلاشبہ یہ تین طلاقیں ہیں۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَذَلِكَ أَحْسَـنُ مَـا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی قول سب سے اچھا ہے ان تمام اقوال میں سے جو میں نے اس بارے میں سنے ہیں۔

فائدہ: ......احناف کے ہاں اس لفظ سے اگر ایک یا دو طلاقیں مراد لی ہوں تو یہ ایک بائنہ یعنی غیر رجعی طلاق ہوگی اور اگر طلاق مراد نہ لی ہو تو یہ قسم ہے اور ''ایلاء'' شمار کیا جائے گا، جس کا بیان آگے چھٹے باب میں آرہا ہے...... رہے امام شافعی رحمہ اللہ تو ان کے مشہور قول کے مطابق اس سے کچھ بھی لازم نہ آئے گا سوائے کفارۂ قسم کے...... ہمارے نزدیک اگر تو اس لفظ سے طلاق یا طلاقیں مراد لی گئی ہوں تو صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوگی، بصورت دیگر یہ الفاظ خلاف شریعت قسم کا حکم رکھتے ہیں، یعنی بیویوں سے وظیفہ زوجیت نہ کرنے کی گویا قسم کھالی گئی ہے اور جسے اللہ نے حلال کیا تھا اسے حرام کیا گیا ہے، لہٰذا اس پر صرف قسم کا کفارہ پڑے گا جیسا کہ سورۂ تحریم کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ مذکور ہے۔ واللہ اعلم

[1137] (موقوف ضعیف) عبد الرزاق: 4603/6 (11380)۔ ابن ابی شیبہ: 18173۔ سعید بن منصور: 1694۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی بنا پر ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1138] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ فِي الْخَلِيَّةِ وَالْبَرِيَّةِ: إِنَّهَا ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ، كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا.

نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ''خلیہ اور بریہ'' کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ان دونوں میں سے ہر لفظ سے تین طلاقیں ہی مراد ہیں۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ کا مدخولہ عورت کے متعلق یہی موقف ہے، باقی تینوں اماموں کے نزدیک یہ معاملہ نیت پر منحصر ہے، اگر طلاق کے علاوہ کچھ اور مراد لیا ہوتو وہی معتبر ہے، اگر کچھ بھی مراد نہ لیا ہوتو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر طلاق مراد لی ہوتو جتنی طلاقیں مراد لے گا اتنی واقع ہو جائیں گی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں کوئی طلاق رجعی نہیں ہوتی بلکہ اگر ایک یا دو طلاقیں مراد لی ہوں تو ایک طلاق بائنہ یعنی غیر رجعی لازم آئے گی اور تین مراد لی ہوں تو تین مراد ہوں گی، ہمارے نزدیک معاملہ نیت پر منحصر ہے اور اگر طلاق یا طلاقیں مراد لی ہوں تو ایک رجعی طلاق پڑے گی۔

[1139] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ: أَنَّ رَجُلًا كَانَتْ تَحْتَهُ وَلِيدَةٌ لِقَوْمٍ، فَقَالَ لِأَهْلِهَا: شَأْنَكُمْ بِهَا، فَرَأَى النَّاسُ أَنَّهَا تَطْلِيقَةٌ وَاحِدَةٌ.

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ایک آدمی کے نکاح میں کسی قوم (خاندان) کی ایک لونڈی تھی، اس آدمی نے اس کے مالکوں سے یہ کہہ دیا: شَأْنَكُمْ بِهَا ''تم اس کے ساتھ اپنا معاملہ لازم پکڑلو'' (اسے لے لو، جو چاہو سو کرو) تو لوگوں نے یہی خیال کیا کہ یہ ایک طلاق ہے۔

فائدہ: ...... تمام ائمہ کے نزدیک اس سے ایک طلاق واقع ہوگی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ بائن یعنی غیر رجعی ہوگی، جبکہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک وہ رجعی طلاق ہوگی، ہمارے نزدیک رجعی طلاق بھی تب مراد ہوگی جب وہ اس لفظ سے طلاق اور جدائی مراد لے ورنہ چونکہ اس لفظ کے مختلف مفہوم ممکن ہیں اس لیے اس میں بھی نیت کا اعتبار ہوگا۔

[1140] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب کو سنا، وہ اس شخص جو اپنی

[1138] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 344/7 (15019)- وفى معرفة السنن والآثار: 476/5 (4444)- الشافعى المسند: 80/2- عبدالرزاق: 358/6 (11158)- ابن ابى شيبة: 18159- سعيد بن منصور: 1679- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور شیخ احمد سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1139] (مقطوع صحيح) بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 478/5 (4448)- شافعى فى الام: 64/4، 216/7، 245- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1140] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 11187- ابن ابى شيبة: 8140، 8165، 8170- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

شِهَابٍ يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: بَرِئْتِ مِنِّي، وَبَرِئْتُ مِنْكِ: إِنَّهَا ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ، بِمَنْزِلَةِ الْبَتَّةِ.

بیوی سے کہتا ہے کہ "تو مجھ سے بری اور میں تجھ سے بری ہوگیا" کے متعلق فرما رہے تھے کہ بلاشبہ یہ بھی بتہ طلاق ہی کی طرح تین طلاقیں ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ خَلِيَّةٌ، أَوْ بَرِيَّةٌ، أَوْ بَائِنَةٌ: إِنَّهَا ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ، لِلْمَرْأَةِ الَّتِي قَدْ دَخَلَ بِهَا، وَيُدَيَّنُ فِي الَّتِي لَمْ يَدْخُلْ بِهَا، أَوَاحِدَةً أَرَادَ أَمْ ثَلَاثًا، فَإِنْ قَالَ: وَاحِدَةً، أُحْلِفَ عَلَى ذَلِكَ، وَكَانَ خَاطِبًا مِنَ الْخُطَّابِ، لِأَنَّهُ لَا يُخْلِي الْمَرْأَةَ الَّتِي قَدْ دَخَلَ بِهَا زَوْجُهَا، وَلَا يُبِينُهَا، وَلَا يُبْرِيهَا، إِلَّا ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ، وَالَّتِي لَمْ يَدْخُلْ بِهَا، تُخْلِيهَا، وَتُبْرِيهَا، وَتُبِينُهَا، الْوَاحِدَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا ہے کہ "تو خلیہ مجھ سے علیحدہ ہے" یا "تو (مجھ سے) بری ہے" یا تو بائنہ (مجھ سے جدا) ہے" (تو فرمایا کہ) بلاشبہ یہ اس عورت کے حق میں تین طلاقیں ہیں (لیکن صرف اس عورت کے حق میں کہ) جس سے خاوند نے دخول (جماع) کرلیا ہو اور (رہی) وہ عورت جس سے اس نے دخول نہ کیا ہو، اس کے متعلق اس سے دیانتداری کے ساتھ پوچھا جائے گا (اس سے حلف لے کر یہ تصدیق کی جائے گی) کہ آیا اس نے ایک مراد لی ہے یا تین، چنانچہ اگر وہ کہے کہ ایک مراد لی ہے تو اس سے قسم لی جائے گی اور (غیر مدخولہ بیوی کے حق میں یہ ایک بائنہ اور غیر رجعی طلاق شمار ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب آیت: ۴۹ میں مذکور ہے، اگر وہ اس سے دوبارہ رجوع کرنا چاہے تو نیا نکاح کرنا پڑے گا کیونکہ غیر مدخولہ عورت کی عدت طلاق ہوتی ہی نہیں کہ جس میں رجوع کیا جا سکے لہٰذا) وہ پیغامِ نکاح بھیجنے والوں میں سے ایک شمار ہوگا، (اور یہ فتویٰ اس لیے دیا) کیونکہ وہ عورت جس سے اس کا خاوند دخول کر چکا ہو اسے تین طلاقوں کے سوا کوئی چیز نہ علیحدہ کر سکتی ہے، نہ بائن (جدا) کر سکتی ہے اور نہ بری کر سکتی ہے اور جس کے ساتھ اس نے دخول نہ کیا ہو اسے تو ایک طلاق ہی جدا بھی کر دیتی ہے، (خلیہ یعنی) علیحدہ بھی بنا دیتی ہے اور (بریہ یعنی) بری بھی کر دیتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی وہ سب سے بہترین قول ہے جو میں نے اس بارے میں سنا ہے۔

3- بَابٌ: مَا يُبِينُ مِنَ التَّمْلِيكِ

اس تملیک (مالک بنا دینے) کا بیان جو بائن جدا کر دیتی ہے

خلاصة الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک

ضعیف ہے۔

فائدہ: ......تملیک سے مراد یہ ہے کہ خاوند عورت سے یہ کہہ دے، ''تو اپنے نفس کی خود مالک ہے'' یا ''میں نے تجھے تیرے معاملے کا مالک اور بااختیار بنا دیا ہے'' امام مالک رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس صورت میں ان الفاظ سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

[1141] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنِّي جَعَلْتُ أَمْرَ امْرَأَتِي فِي يَدِهَا، فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا، فَمَاذَا تَرَى؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أُرَاهُ كَمَا قَالَتْ. فَقَالَ الرَّجُلُ: لاَ تَفْعَلْ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ. فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَنَا أَفْعَلُ، أَنْتَ فَعَلْتَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور (ان کو کنیت سے مخاطب کرتے ہوئے) کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمن! بے شک میں نے اپنی عورت کے معاملے کو اس کے ہاتھ میں کر دیا (طلاق لینے یا نہ لینے کا معاملہ اسے سونپ دیا) تو اس نے خود کو طلاق دے دی، اب آپ اس بارے میں کیا خیال کرتے ہیں؟ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں تو اسے اس طرح سمجھتا ہوں جیسے اس نے کہہ دیا۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ اے ابوعبدالرحمن! (ایسا) نہ کیجیے، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: (کیا) میں کر رہا ہوں (نہیں بلکہ) تم نے خود (ایسا) کیا ہے۔

[1142] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا مَلَّكَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ أَمْرَهَا، فَالْقَضَاءُ مَا قَضَتْ بِهِ، إِلاَّ أَنْ يُنْكِرَ عَلَيْهَا وَيَقُولَ: لَمْ أُرِدْ إِلاَّ وَاحِدَةً، فَيَحْلِفُ عَلَى ذَلِكَ، وَيَكُونُ أَمْلَكَ بِهَا مَا كَانَتْ فِي عِدَّتِهَا.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب آدمی اپنی بیوی کو اس کے (طلاق والے) معاملے کا مالک بنا دے تو پھر وہی فیصلہ معتبر ہوگا جو وہ کرے گی، الا یہ کہ خاوند اس پر انکار کر دے اور کہے کہ میں نے تو ایک طلاق کے سوا کچھ مراد نہیں لیا تھا تو پھر اس سے اس بات پر قسم لی جائے گی اور (رجعی طلاق واقع

[1141] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 11909۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1142] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 348/7 (15042)، 182/10۔ وفى معرفة السنن والآثار: 477/5 (4446)۔ الشافعى فى الام: 254/7۔ وفى المسند: 80/2۔ عبدالرزاق: 11905۔ ابن ابى شيبه: 18077۔ سعيد بن منصور: 1620۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہوگی اس لیے) وہ عورت جب تک اپنی عدت میں رہے گی خاوند اس کے ساتھ (رجوع کرنے کا) زیادہ مستحق ہوگا۔

فائدہ: ...... خاوند نے اپنی بیوی کو اختیار دیا تو اس نے خود کو تین طلاقیں دے لیں، اب خاوند بول اٹھا کہ میں نے تو صرف ایک طلاق کا مالک بنایا تھا تو اس نزاع کا حل امام مالک نے پیش کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو طلاقِ صریح ہو یا طلاق کنایہ، ایک وقت میں ایک سے زیادہ واقع ہی نہیں ہوتی اور وہ بھی رجعی طلاق ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خاوند اپنی عورت کو مملکہ (مالک بنائی ہوئی) یا مخیرہ (اختیار سونپی ہوئی) بنا دے، تملیک کے الفاظ استعمال کرے یا اختیار کے ہر دو صورت میں رجعی طلاق ہی واقع ہوگی جبکہ امام مالک کے نزدیک تملیک کی صورت میں عورت تین طلاقیں لے لے تو تین ہو جائیں گی الا یہ کہ خاوند حلفاً کہے کہ میں نے ایک یا دو مراد لی تھیں تو پھر رجعی طلاقیں مراد ہوں گی، لیکن اگر کہہ دے کہ میں نے اس سے کچھ بھی مراد نہیں لیا تو پھر اس کی بات قابل قبول نہ ہوگی اور عورت جیسا کہے گی ویسا ہو جائے گا۔ رہا تخییر کا معاملہ یعنی جب اختیار جیسا لفظ بولا جائے تو پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر عورت خود کو اختیار کر لے تو یہ تین طلاقیں ہوں گی خواہ خاوند انکار کرتا پھرے، امام صاحب کا یہ فتویٰ باب: 15 کے آخر میں آ رہا ہے، رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک تملیک والی صورت میں خاوند کی بات معتبر ہوگی اور ایک یا تین بائنہ طلاقیں واقع ہوں گی اور تخییر واختیار والی صورت میں صرف ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، خواہ خاوند تین مراد لے۔

4- بَابٌ: مَا يَجِبُ فِيهِ تَطْلِيقَةٌ وَاحِدَةٌ مِنَ التَّمْلِيكِ

اس تملیک کا بیان جس میں ایک طلاق واجب ہوتی ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو صحیح روایات ہیں، جن میں سے ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے۔

[1143] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ كَانَ جَالِساً عِنْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَتِيقٍ، وَعَيْنَاهُ تَدْمَعَانِ، فَقَالَ لَهُ زَيْدٌ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ: مَلَّكْتُ امْرَأَتِي أَمْرَهَا فَفَارَقَتْنِي. فَقَالَ لَهُ زَيْدٌ: مَا حَمَلَكَ عَلَى

خارجہ بن زید بن ثابت رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان کے پاس محمد بن ابی عتیق اس حال میں آئے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے کہ میں نے اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیا تھا تو وہ مجھ سے جدا ہوگئی ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون سی چیز نے تمھیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا

[1143] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 348/7 (15039) وفي معرفة السنن والآثار: 477/5 (4445)۔ الشافعي في الام: 244/7، 254۔ وفي المسند: 80/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ذَلِكَ ؟ قَالَ : الْقَدَرُ . فَقَالَ زَيْدٌ : ارْتَجِعْهَا إِنْ شِئْتَ ، فَإِنَّمَا هِيَ وَاحِدَةٌ ، وَأَنْتَ أَمْلَكُ بِهَا .

تھا؟ وہ بولے کہ تقدیر نے۔ تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو کیونکہ یہ صرف اور صرف ایک طلاق ہے اور (اب بھی) تو ہی اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

فائدہ :...... یہی موقف امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا ہے، محمد بن ابی عتیق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے کے پوتے ہیں، سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن عبداللہ بن ابی عتیق بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

[1144] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَجُلاً مِنْ ثَقِيفٍ مَلَّكَ امْرَأَتَهُ أَمْرَهَا ، فَقَالَتْ أَنْتَ الطَّلاقُ فَسَكَتَ ، ثُمَّ قَالَتْ : أَنْتَ الطَّلاقُ ، فَقَالَ : بِفِيكِ الْحَجَرُ ، ثُمَّ قَالَتْ : أَنْتَ الطَّلاقُ ، فَقَالَ : بِفِيكِ الْحَجَرُ . فَاخْتَصَمَا إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ ، فَاسْتَحْلَفَهُ مَا مَلَّكَهَا إِلاَّ وَاحِدَةً وَرَدَّهَا إِلَيْهِ .

عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بنو ثقیف قبیلے کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیا تو اس نے خاوند سے کہہ دیا: أَنْتَ الطَّلاقُ ''تم طلاق والے ہو'' وہ خاموش رہا، وہ پھر بولی کہ تم طلاق والے ہو، تو وہ کہنے لگا کہ تیرے منہ میں پتھر (پڑیں)۔ وہ پھر بولی کہ تم طلاق والے ہو تو اس نے بھی کہا کہ تیرے منہ میں پتھر، پھر وہ دونوں مروان بن حکم (جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کے امیر تھے) کے پاس جھگڑا لے کر آئے (خاوند کہتا تھا کہ میں نے صرف ایک طلاق مراد لی تھی اور عورت تین طلاقوں کا دعویٰ کر رہی تھی، تو انھوں نے اس آدمی سے اس بات پر حلف لیا کہ اس نے عورت کو ایک کے سوا کسی طلاق کا مالک نہ بنایا تھا اور پھر (جب اس نے قسم کھالی تو) انھوں نے عورت کو اسی کی طرف لوٹا دیا (اور رجعی طلاق شمار کیا)۔

قَالَ مَالِكٌ : قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ : فَكَانَ الْقَاسِمُ يُعْجِبُهُ هَذَا الْقَضَاءُ وَيَرَاهُ أَحْسَنَ مَا سَمِعَ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ عبدالرحمٰن نے بتایا کہ (ان کے والد) قاسم (بن محمد) کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور انھوں نے اس بارے میں جو کچھ بھی سنا تھا وہ اس میں سے اس کو سب سے بہترین خیال کرتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ وَأَحَبُّهُ إِلَيَّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی قول سب سے اچھا ہے ان تمام اقوال میں سے جو میں نے اس بارے میں سنے ہیں۔

[1144] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 349/7 (5048)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 477/5 (4447)۔ الشافعي في الام: 255/7۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور یہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے (کہ تملیک کی صورت میں خاوند کی نیت معتبر ہوگی، خواہ عورت کچھ کہتی رہے اور ایک طلاق مراد لینے کی صورت میں وہ رجعی طلاق ہوگی)۔

5- بَابٌ: مَا لَا يَبِيْنُ مِنَ التَّمْلِيْكِ

اس تملیک کا بیان جس سے طلاق بائنہ واقع نہیں ہوتی

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے دو صحیح ہیں اور ایک ضعیف اور ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[1145] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّهَا خَطَبَتْ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ قُرَيْبَةَ بِنْتَ أَبِي أُمَيَّةَ فَزَوَّجُوهُ، ثُمَّ إِنَّهُمْ عَتَبُوا عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَقَالُوا: مَا زَوَّجْنَا إِلَّا عَائِشَةَ، فَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَجَعَلَ أَمْرَ قُرَيْبَةَ بِيَدِهَا، فَاخْتَارَتْ زَوْجَهَا، فَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ طَلَاقًا.

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے (اپنے بھائی) سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے لیے (ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن) سیدہ قریبہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا (کے گھر والوں) کی طرف پیغام نکاح بھیجا، تو انھوں نے (اپنی لڑکی سیدہ قریبہ رضی اللہ عنہا کی) ان سے شادی کر دی، پھر وہ (کسی معاملے میں) سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو صرف اور صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (کی وجہ) سے یہ شادی کی تھی، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عبدالرحمٰن کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے (اپنی بیوی) سیدہ قریبہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ ان کے ہاتھ میں دے دیا، چنانچہ انھوں نے اپنے خاوند ہی کو اختیار کیا اور یہ (سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا اختیار دینا) طلاق شمار نہ ہوا۔

[1146] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، زَوَّجَتْ حَفْصَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُنْذِرَ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ غَائِبٌ بِالشَّامِ، فَلَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ:

عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد (قاسم بن محمد) سے روایت کرتے ہیں کہ (ان کی پھوپھی جان) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ نے (اپنی بھتیجی) حفصہ بنت عبدالرحمٰن کی منذر بن زبیر سے شادی کروا دی، اس وقت (لڑکی کے والد) سیدنا عبدالرحمٰن (بن ابی بکر رضی اللہ عنہما) موجود نہ تھے، (اور)

[1145] (موقوف صحیح) بیهقی: 347/7 (15036)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1146] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 112/7۔ وفی معرفة السنن والآثار: 232/5 (4067)۔ عبدالرزاق: 11895، 11947۔ سعید بن منصور: 1662۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

وَمِثْلِي يُصْنَعُ هَذَا بِهِ، وَمِثْلِي يُفْتَاتُ عَلَيْهِ، فَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ الْمُنْذِرَ بْنَ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ الْمُنْذِرُ: فَإِنَّ ذَلِكَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ. فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: مَا كُنْتُ لأَرُدَّ أَمْراً قَضَيْتِيهِ، فَقَرَّتْ حَفْصَةُ عِنْدَ الْمُنْذِرِ، وَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ طَلاَقاً.

ملک شام میں تھے، پھر جب (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ واپس آئے تو فرمانے لگے کہ مجھ جیسے ہی کے ساتھ ایسا کیا جا رہا ہے اور مجھ جیسے ہی پر اس کے مشورے کے بغیر رائے تھوپی جا رہی ہے، (حالانکہ لڑکی کا والد تو میں ہوں) چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے منذر بن زبیر سے بات چیت کی تو منذر کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ معاملہ (میرے سسر) سیدنا عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں ہے تو سیدنا عبدالرحمٰن نے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: میں ایسا نہیں ہوں کہ اس معاملے کو مسترد کر دوں جس کا فیصلہ آپ نے کیا ہے (آپ کا حکم سر آنکھوں پر، بس ذرا سی خلش ہوئی تھی کہ میرا بھی انتظار کر لیا جاتا اور میں بھی اس خوشی میں شامل ہو جاتا) چنانچہ (ان کی بیٹی) حفصہ، منذر ہی کے پاس برقرار رہی اور یہ اختیار طلاق شمار نہ ہوا۔

فائدہ: ......اس روایت کے لفظ یُفْتَاتُ کا مادہ ''فوت'' ہے اور یہ باب افتعال سے مضارع مجہول ہے۔

[1147] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ سُئِلاَ، عَنِ الرَّجُلِ يُمَلِّكُ امْرَأَتَهُ أَمْرَهَا، فَتَرُدُّ ذَلِكَ إِلَيْهِ، وَلاَ تَقْضِي فِيهِ شَيْئاً، فَقَالاَ: لَيْسَ ذَلِكَ بِطَلاَقٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیتا ہے، (لیکن) وہ اسے اس پر لوٹا دیتی ہے اور اس بارے میں خود کچھ بھی فیصلہ نہیں کرتی تو دونوں (سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ یہ معاملہ طلاق شمار نہیں ہوگا۔

[1148] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا مَلَّكَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ أَمْرَهَا، فَلَمْ تُفَارِقْهُ وَقَرَّتْ عِنْدَهُ، فَلَيْسَ ذَلِكَ بِطَلاَقٍ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا مالک بنا دے، پھر وہ اس سے جدا نہ ہو اور اس کے پاس ٹھہری رہے تو یہ طلاق ہرگز نہیں ہے۔

[1147] (موقوف ضعيف) بيهقي: 348/7 (15043)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1148] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 518 (11903)۔ ابن ابی شیبہ: 18097۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُمَلَّكَةِ إِذَا مَلَّكَهَا زَوْجُهَا أَمْرَهَا، ثُمَّ افْتَرَقَا، وَلَمْ تَقْبَلْ مِنْ ذَلِكَ شَيْئاً: فَلَيْسَ بِيَدِهَا مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ، وَهُوَ لَهَا مَا دَامَا فِي مَجْلِسِهِمَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے مملکہ (اپنے معاملے کا مالک بنائی ہوئی) عورت کے متعلق فرمایا کہ جب اس کا خاوند اسے اس کے معاملے کا مالک بنا دے، پھر وہ دونوں جدا نہ ہوں اور وہ (عورت) اس (تملیک) میں سے کچھ بھی قبول نہ کرے تو پھر اس عورت کے ہاتھ میں اس میں سے کچھ نہیں رہتا اور یہ اختیار بھی اس کے لیے اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ دونوں اپنی مجلس میں ہوں۔

فائدہ: ......یعنی عورت کو دیا جانے والا اختیار اور تملیک عورت کے انکار سے بھی ختم ہو جاتے ہیں اور مجلس بدل جانے سے بھی۔

6- بَابٌ: الإِيلَاءُ

ایلاء کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو موقوف ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، اسی طرح دو مقطوع ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......ایلاء کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: 226، 227) ''جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں (ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں) انھیں چاہیے کہ چار ماہ انتظار کریں، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا خوب رحم فرمانے والا ہے اور اگر انھوں نے طلاق ہی کا پختہ ارادہ کر لیا ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔''

ایلاء کے لغوی معنی قسم اٹھانے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے، شریعت میں اس کی حد چار ماہ مقرر کی گئی ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اس سے زیادہ متعین یا غیر متعین عرصے کی قسم کھا لے تو چار ماہ بعد اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا اور اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ یا تو اپنی قسم توڑ کر بیوی کو اختیار کر لے اور یا پھر اسے طلاق دے دے، محض یہ مدت گزرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ جمہور کا یہی موقف ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار ماہ گزرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن یہ موقف قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے...... ایلاء میں یا تو وقت کی تعیین ہوتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اگر وقت متعین نہ ہو تو اسے چار ماہ بعد عدالت اسلامیہ میں پیش کیا جائے گا اور اگر وقت متعین ہو تو وہ پورے چار ماہ کا ہوگا یا اس سے کم یا زیادہ ہوگا، اگر چار ماہ سے

زائد ہے تو پھر بھی اسے عدالت کے روبرو لایا جائے گا اور اگر چار ماہ یا اس سے کم کی مدت متعین ہو تو اسے پورا کیا جا سکتا ہے، اور پورا نہ کر سکنے کی صورت میں کفارۂ قسم واجب ہے۔

[1149] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا آلَى الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهِ، لَمْ يَقَعْ عَلَيْهِ طَلَاقٌ، وَإِنْ مَضَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ حَتَّى يُوقَفَ، فَإِمَّا أَنْ يُطَلِّقَ، وَإِمَّا أَنْ يَفِيءَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنی بیوی سے ایلاء کرتا ہے تو اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، اگرچہ چار مہینے گزر جائیں، یہاں تک کہ (چار ماہ بعد) اسے (عدالت میں یا حاکم کے سامنے) کھڑا کیا جائے گا، پھر (اسے مجبور کیا جائے گا کہ) یا تو اسے طلاق دے دے یا رجوع کر لے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) بھی یہی حکم ہے۔

[1150] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: أَيُّمَا رَجُلٍ آلَى مِنِ امْرَأَتِهِ، فَإِنَّهُ إِذَا مَضَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ، وُقِفَ حَتَّى يُطَلِّقَ أَوْ يَفِيءَ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ طَلَاقٌ إِذَا مَضَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ حَتَّى يُوقَفَ.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرتا ہے تو بلاشبہ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اسے (عدالت) میں کھڑا کیا جائے گا، یہاں تک کہ طلاق دے دے یا رجوع کر لے اور جب چار ماہ گزر جائیں تو اس پر (خود بخود) طلاق واقع نہیں ہوتی یہاں تک کہ اسے کھڑا کیا جائے۔

[1151] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَأَبَا بَكْرِ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن دونوں اس شخص کے متعلق جو اپنی بیوی

[1149] (موقوف ضعيف) بيهقى فى السنن الكبرى: 377/7 (15215)۔ وفى معرفة السنن والآثار: 518/5 (419)۔ وفى الخلافيات: 141/2۔ الشافعى فى الام: 265/5۔ وفى المسند: 83/2۔ عبدالرزاق: 11656۔ ابن ابى شيبه: 18556۔ سعيد بن منصور: 1906۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1150] (موقوف صحيح) صحيح البخارى، كتاب الطلاق، باب قول الله تعالى للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر، حديث: 5291۔ بيهقى: 377/7۔ الشافعى فى الام: 265/5۔

[1151] (مقطوع صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 378/7 (15224)۔ وفى معرفة السنن والآثار: 521/5 (4523)۔ عبدالرزاق: 11652۔ ابن ابى شيبه: 18548۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَانَا يَقُولَانِ فِي الرَّجُلِ يُولِي مِنِ امْرَأَتِهِ: إِنَّهَا إِذَا مَضَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ، وَلِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ، مَا كَانَتْ فِي الْعِدَّةِ.

سے ایلا کر لیتا ہے فرمایا کرتے تھے کہ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو یہ ایک طلاق شمار ہوگی اور جب تک وہ عدت میں ہو اس کے خاوند کو اس کے ساتھ رجوع کا اختیار ہے۔

[1152] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ كَانَ يَقْضِي فِي الرَّجُلِ إِذَا آلَى مِنِ امْرَأَتِهِ: أَنَّهَا إِذَا مَضَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ، فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ، وَلَهُ عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ، مَا دَامَتْ فِي عِدَّتِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ جو شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرتا، اس کے متعلق مروان بن حکم (امیر مدینہ) یہ فیصلہ کرتے تھے کہ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو یہ (خود بخود) ایک طلاق ہو جائے گی اور خاوند کے لیے عورت سے رجوع کا حق (باقی) ہوگا جب تک کہ وہ اپنی عدت میں ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ كَانَ رَأْيُ ابْنِ شِهَابٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی موقف پر ابن شہاب کی رائے تھی۔

فائدہ:...... جیسا کہ گزشتہ روایت میں ہے کہ ابن شہاب رحمہ اللہ کے دو شیوخ سعید بن مسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے تھی، احناف کا یہی موقف ہے، امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، لیکن ان کی مشہور روایت اور ان کے اصحاب کا موقف جمہور ہی کی طرح ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق چار ماہ گزرنے پر از خود طلاق نہیں پڑتی بلکہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہوگی اور چار ماہ بعد رجوع کر لے تو کوئی طلاق بھی شمار نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُولِي مِنِ امْرَأَتِهِ فَيُوقَفُ، فَيُطَلِّقُ عِنْدَ انْقِضَاءِ الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ، ثُمَّ يُرَاجِعُ امْرَأَتَهُ: إِنَّهُ إِنْ لَمْ يُصِبْهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، فَلَا سَبِيلَ لَهُ إِلَيْهَا، وَلَا رَجْعَةَ لَهُ عَلَيْهَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ عُذْرٌ، مِنْ مَرَضٍ، أَوْ سِجْنٍ، أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْعُذْرِ، فَإِنَّ ارْتِجَاعَهُ إِيَّاهَا ثَابِتٌ عَلَيْهَا، فَإِنْ مَضَتْ عِدَّتُهَا، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے ایلاء کرتا ہے، پھر اسے (عدالت میں یا حاکم کے روبرو) کھڑا کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ چار ماہ گزرنے پر طلاق دے دیتا ہے، پھر اپنی عورت سے رجوع کر لیتا ہے (تو اس کے متعلق امام صاحب نے فرمایا) بے شک اگر وہ (باوجود رجوع کے اور بغیر کسی عذر کے) اپنی اس بیوی سے مباشرت نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت (کے برابر مدت) پوری ہو جائے تو (اس کا گزشتہ زبانی رجوع کالعدم

[1152] (مقطوع ضعیف) عبدالرزاق: 11656، 11665- ابن ابی شیبہ: 18556- سعید بن منصور: 1916- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

إِنْ لَمْ يُصِبْهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ وَقَفَ أَيْضًا، فَإِنْ لَمْ يَفِيءْ دَخَلَ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ، بِالْإِيلَاءِ الْأَوَّلِ، إِذَا مَضَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ، لِأَنَّهُ نَكَحَهَا، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، فَلَا عِدَّةَ لَهُ عَلَيْهَا وَلَا رَجْعَةَ.

ہوگا اوراب) اس کے لیے عورت پر کوئی حق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا اس سے کوئی رجوع ہو سکے گا (کیونکہ مدت پوری ہو چکی ہے) الا یہ کہ اسے کوئی عذر لاحق ہو مثلاً بیماری یا قید یا ان کے مشابہ کوئی اور عذر (مثلاً سفر یا احرام وغیرہ کی بنا پر ہم بستری نہ کر سکا) تو پھر اس کا عورت سے کیا ہوا رجوع عورت کے حق میں ثابت رہے گا۔ (امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ) اور اگر (پہلی صورت میں یعنی زبان سے تو رجوع کر لیا لیکن جماع نہ کیا اور عذر بھی کوئی نہ تھا اور) عدت پوری ہوگئی پھر اس نے اس کے بعد عورت سے (نئے نکاح کے ساتھ) شادی کر لی (لیکن) پھر اس نے اس کے ساتھ جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے اب پھر (عدالت کے روبرو) کھڑا کیا جائے گا، چنانچہ اگر تو وہ اس سے رجوع نہیں کرتا تو اس عورت پر گزشتہ ایلاء ہی کی وجہ سے ایک (اور) طلاق واقع ہو جائے گی (لیکن شرط یہی ہے کہ) جب چار ماہ (بغیر مباشرت کے) گزر جائیں اور (اس دفعہ بھی) اس کے لیے عورت پر کوئی رجوع (کرنے کا اختیار) نہ ہوگا کیونکہ بلاشبہ اس نے اس سے نکاح کیا، پھر مباشرت سے قبل ہی اسے طلاق دے دی، لہٰذا اب خاوند کے لیے عورت پر نہ کوئی عدت ہے اور نہ کوئی رجوع۔

فائدہ :......جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ (الاحزاب: 49) ''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں چھونے سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دو تو تمھاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں ہے کہ جسے تم شمار کرو لہٰذا انھیں کچھ فائدہ پہنچاؤ اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑو۔''

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُولِي مِنِ امْرَأَتِهِ، فَيُوقَفُ بَعْدَ الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ فَيُطَلِّقُ، ثُمَّ يَرْتَجِعُ وَلَا يَمَسُّهَا، فَتَنْقَضِي أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، إِنَّهُ لَا يُوقَفُ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ طَلَاقٌ، وَإِنَّهُ إِنْ أَصَابَهَا قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، كَانَ أَحَقَّ بِهَا، وَإِنْ مَضَتْ عِدَّتُهَا قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا، فَلَا سَبِيلَ لَهُ إِلَيْهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے ایلاء کرتا ہے، پھر اسے چار ماہ بعد عدالت میں کھڑا کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ طلاق دے دیتا ہے پھر (عدت کے اندر اندر) اس سے (زبانی) رجوع تو کر لیتا ہے اور (لیکن) اس سے ہم بستری نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کی عدت (کی مدت) پوری ہونے سے پہلے پہلے چار ماہ (مزید) گزر جاتے ہیں (مثلاً عورت حاملہ تھی یا بیماری کی وجہ سے حیض دیر تک بند رہتا پھر شروع ہو جاتا اور عدت یعنی تین حیض پورے ہوتے ہوتے کئی ماہ لگ گئے، اس طرح تکمیل عدت سے

پہلے پہلے چار ماہ جماع سے خالی گزر گئے تو امام مالک رحمہ اللہ نے اس صورت کے متعلق فرمایا) بلا شبہ (اب دوبارہ اسے عدالت میں) کھڑا نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر کوئی اور طلاق واقع ہوگی اور اگر وہ عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اس سے مباشرت کر لے تو وہی اس عورت کا زیادہ حق دار ہے اور (ہاں) اگر مباشرت کرنے سے پہلے پہلے عدت طلاق کے برابر مدت گزر جائے تو اسے اس پر کوئی حق اور اختیار نہ رہے گا (اور اس کا زبانی رجوع کالعدم اور غیر معتبر شمار ہوگا)۔

وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی وہ سب سے بہترین قول ہے جو میں نے اس بارے میں سنا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُولِي مِنِ امْرَأَتِهِ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا، فَتَنْقَضِي الأَرْبَعَةُ الأَشْهُرِ، قَبْلَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الطَّلَاقِ، قَالَ: هُمَا تَطْلِيقَتَانِ، إِنْ هُوَ وُقِفَ وَلَمْ يَفِئْ، وَإِنْ مَضَتْ عِدَّةُ الطَّلَاقِ قَبْلَ الأَرْبَعَةِ الأَشْهُرِ، فَلَيْسَ الإِيلَاءُ بِطَلَاقٍ، وَذَلِكَ أَنَّ الأَرْبَعَةَ الأَشْهُرِ الَّتِي كَانَتْ تُوقَفُ بَعْدَهَا مَضَتْ، وَلَيْسَتْ لَهُ يَوْمَئِذٍ بِامْرَأَةٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے ایلاء کر لیتا ہے، پھر اسے طلاق دے دیتا ہے (ایلاء جاری تھا کہ خود ہی طلاق بھی دے دی، اب ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور طلاق کی عدت مثلاً تین حیض یا وضع حمل تھی لیکن ہوا یوں کہ) پھر عدت طلاق پوری ہونے سے پہلے پہلے چار ماہ (ایلاء والے) پورے ہو گئے، تو (اب) اگر اسے عدالت میں کھڑا کیا جائے اور وہ رجوع نہ کرے تو یہ دو طلاقیں ہو جائیں گی (ایک وہ جو خود دی اور دوسری وہ جو ایلاء سے رجوع نہ کرنے کی بنا پر ہوئی) اور اگر (ایلاء والے) چار ماہ پورے ہونے سے پہلے پہلے عدت طلاق (تین ماہ یا تین حیض یا وضع حمل) ختم ہوگئی تو ایلاء طلاق (کا سبب) نہ بنے گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ چار ماہ جن کے بعد (عدالت میں) مرد کو کھڑا کیا جانا تھا وہ اس حال میں گزرے ہیں کہ وہ اس دن اس آدمی کی بیوی نہ رہی تھی، (بلکہ طلاق کی عدت پوری کر کے اس سے آزاد ہو چکی تھی، لہٰذا اب ایلاء بے کار ثابت ہوگا)

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَطَأَ امْرَأَتَهُ يَوْماً أَوْ شَهْراً، ثُمَّ مَكَثَ حَتَّى يَنْقَضِيَ أَكْثَرُ مِنَ الأَرْبَعَةِ الأَشْهُرِ، فَلَا يَكُونُ ذَلِكَ إِيلَاءً، وَإِنَّمَا يُوقَفُ فِي الإِيلَاءِ مَنْ حَلَفَ عَلَى أَكْثَرَ مِنَ الأَرْبَعَةِ الأَشْهُرِ، فَأَمَّا مَنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَطَأَ امْرَأَتَهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، أَوْ أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ، فَلَا أَرَى عَلَيْهِ إِيلَاءً، لِأَنَّهُ إِذَا دَخَلَ الأَجَلُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جو شخص یہ قسم کھا لے کہ وہ ایک دن یا ایک مہینہ اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا، پھر وہ (بغیر جماع کیے اسی طرح) ٹھہرا رہے یہاں تک کہ چار ماہ سے زائد عرصہ گزر جائے تو یہ ایلاء نہ ہوگا، کیونکہ بلا شبہ ایلاء میں تو صرف اور صرف اس شخص کو (عدالت میں) کھڑا کیا جاتا ہے جو چار ماہ سے زائد عرصہ تک کی قسم کھا لے، رہا وہ شخص جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی اہلیہ سے

الَّذِي يُوقَفُ عِنْدَهُ، خَرَجَ مِنْ يَمِينِهِ، وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ وَقْفٌ.

چار ماہ یا اس سے کم مدت تک جماع نہ کرے گا تو میں اس پر کوئی ایلاء (واقع ہونا) خیال نہیں کرتا، کیونکہ بلاشبہ جب وہ (چار ماہ والی) مدت جس کے (پورا ہونے) کے موقع پر آدمی کو کھڑا کیا جاتا ہے، وہ آئے گی تو (اس وقت تک یہ) آدمی اپنی قسم سے نکل چکا ہوگا اور اس پر کھڑا کیا جانا لازم نہیں ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ حَلَفَ لِامْرَأَتِهِ أَنْ لَا يَطَأَهَا، حَتَّى تَفْطِمَ وَلَدَهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَكُونُ إِيلَاءً، وَقَدْ بَلَغَنِي: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ، فَلَمْ يَرَهُ إِيلَاءً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیگم کے متعلق یہ قسم کھالی کہ وہ اس سے مباشرت نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ اپنے بچے کا دودھ چھڑا لے تو بلاشبہ یہ ایلاء نہ ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے اسے ایلاء نہ سمجھا۔

فائدہ: ......امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک اگر دودھ چھڑانے کی مدت میں چار ماہ سے زائد کا عرصہ باقی ہو تو یہ ایلاء شمار ہوگا اور یہی راجح ہے کیونکہ آیت کے عموم میں یہ صورت بھی شامل ہے۔

7- باب إِيلَاءِ الْعَبْدِ

غلام کے ایلاء کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

[1153] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ إِيلَاءِ الْعَبْدِ، فَقَالَ: هُوَ نَحْوُ إِيلَاءِ الْحُرِّ، وَهُوَ عَلَيْهِ وَاجِبٌ، وَإِيلَاءُ الْعَبْدِ شَهْرَانِ.

امام مالک نے ابن شہابؒ سے غلام کے ایلاء کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آزاد شخص کے ایلاء کی طرح ہے اور وہ اس پر واجب (اور ثابت) ہے اور (البتہ) غلام کا ایلاء دو مہینے کا ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایلاء کی مدت چار ماہ سے دو ماہ تب ہوتی ہے جب خاوند غلام ہو۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کی غلامی کی بنا پر ایلاء کی مدت نصف ہوتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہر صورت پر ایلاء چار ماہ کا ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس کے متعلق آزاد غلام کا کوئی فرق نہیں کیا گیا اور یہی آخری موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

[1153] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 131950۔ ابن ابی شیبہ: 18634۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

8- بَابٌ : ظِهَارُ الْحُرِّ

آزاد شخص کا ظہار کرنا

فائدہ :...... "ظِهَارٌ" کا لفظ "ظَهْرٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پشت کے ہیں، شرعی اصطلاح میں مرد کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔" ظہار کہلاتا ہے۔ اس عبارت میں دراصل ماں کے ساتھ مشابہت دے کر بیوی سے مباشرت کو حرام قرار دیا جاتا ہے، چونکہ حلال کو حرام قرار دینا بہت بڑا جرم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـىِٔيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ (المجادلة: 2) "تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انہیں جنا تھا، اور بے شک وہ منکر (ناگوار) بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔" دورِ جاہلیت میں اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ جب سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر رسیدہ بیوی سیدہ خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا تو وہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ کے آغاز میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے اس مسئلے کی حیثیت اور حل ذکر فرمایا۔ یاد رہے کہ اگر پشت کی بجائے کسی اور عضو حرام کا نام لے لیا جائے تو بھی ظہار ثابت ہو جائے گا، اسی طرح ماں کی بجائے دیگر محرمات (جن عورتوں سے نکاح حرام ہے) سے تشبیہ دے دی جائے تو بھی جمہور کے نزدیک ظہار ہو جاتا ہے، اگر غیر محرمات سے تشبیہ دی جائے تو امام مالک رحمہ اللہ اسے بھی ظہار سمجھتے ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یہ ظہار نہیں ہے، نیز اگر کسی عضو سے تشبیہ نہ ہو بلکہ صرف اتنا کہا جائے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے" تو یہ لفظ "کنایہ" کا ہے جس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ وہ محبت اور عزت و احترام میں تشبیہ دے رہا ہو اور دوسرا یہ کہ مباشرت کی حرمت میں تشبیہ دے رہا ہو تو ایسی صورت میں آدمی کی نیت کا لحاظ ہوگا۔

[1154] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ: أَنَّهُ سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً إِنْ هُوَ تَزَوَّجَهَا؟ فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: إِنَّ رَجُلًا جَعَلَ امْرَأَةً عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ إِنْ هُوَ تَزَوَّجَهَا، فَأَمَرَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنْ هُوَ تَزَوَّجَهَا، أَنْ

سعید بن عمرو بن سلیم زرقی سے روایت ہے، انھوں نے قاسم بن محمد سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کسی عورت (کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے ہی یہ کہہ کر اس) کو طلاق دے دیتا ہے کہ اگر اس نے اس کے ساتھ شادی کی (تو اسے طلاق)۔ سعید کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد نے فرمایا: بے شک ایک شخص نے (شادی سے قبل ہی یہ شرط لگا کر) ایک

[1154] (موقوف حسن) بيهقي: 383/7 (15252)۔ عبدالرزاق: 435/6 (11550)۔ سعيد بن منصور (1023- طحاوي في مشكل الآثار: 133/4 (2414)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

لَا يَقْرَبُهَا، حَتَّى يُكَفِّرَ كَفَّارَةَ الْمُتَظَاهِرِ. عورت کو اپنے اوپر اپنی ماں کی پشت کی طرح قرار دے لیا اگر اس نے شادی کی (تو وہ اس پر اس کی ماں کی پشت کی طرح ہے) تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اگر اس نے اس سے شادی کی تو اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ ظہار کرنے والے شخص جیسا کفارہ ادا کر لے۔

فائدہ :...... کیونکہ کفارۂ ظہار جس کی ایک خاص ترتیب ہے، میں پہلی دو چیزوں یعنی غلام آزاد کرنے یا مسلسل ساٹھ دنوں (دو مہینوں) کے روزے رکھنے کو بیان کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر ظہار کرنے والے اپنی بیویوں سے دوبارہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہم بستری سے پہلے یہ کفارہ ادا کر لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا حوالہ دے کر قاسم بن محمد گویا یہ کہنا چاہتے تھے کہ جس طرح ظہار معلق واقع ہو جاتا ہے اسی طرح معلق طلاق بھی واقع ہو جائے گی لیکن صحیح و صریح احادیث میں ایسی طلاق کو کالعدم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ)) ''نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں ہے۔'' یہ روایت تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ (ابن ماجہ: 2047، 2049) امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی انھی الفاظ کے ساتھ عنوان قائم کیا ہے۔ (بخاری، کتاب الطلاق، باب: 10) پھر اس میں سورۂ احزاب کی آیت: 49 سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا استدلال ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد رکھا ہے اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور تئیس تابعین کے نام بھی ذکر کیے جن سے یہی فتویٰ منقول ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اہل حدیث کے ہاں بھی نکاح سے قبل دی ہوئی طلاق لغو اور بے کار ہے۔ (تفصیلی بحث آگے باب: 27 میں آ رہی ہے)

[1155] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ تَظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَنْكِحَهَا؟ فَقَالَا: إِنْ نَكَحَهَا فَلَا يَمَسَّهَا، حَتَّى يُكَفِّرَ كَفَّارَةَ الْمُتَظَاهِرِ.

امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی نے قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے ہی اس سے ظہار کر لیتا ہے تو ان دونوں نے فرمایا: اگر وہ اس سے نکاح کر لے تو اسے مت چھوئے یہاں تک کہ ظہار کرنے والے شخص جیسا کفارہ ادا کر لے۔

فائدہ :...... گزشتہ فتویٰ میں قاسم بن محمد نے صرف قیاس کیا تھا جبکہ اس مذکورہ فتویٰ میں صراحت سے بات کی ہے اور سلیمان بن یسار نے بھی ان کی موافقت کی ہے لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک نکاح سے قبل ظہار کرنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ (عبدالرزاق) قرآن مجید کے الفاظ بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں کہ ظہار صرف ان عورتوں سے ہوتا ہے جو زوجیت میں ہوں، وہ احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں جو نکاح سے پہلے طلاق کی نفی اور تردید کرتی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

[1155] (مقطوع ضعیف) بیہقی: 385/7۔ عبدالرزاق: 435/6۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1156] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ فِي رَجُلٍ تَظَاهَرَ مِنْ أَرْبَعَةِ نِسْوَةٍ لَهُ، بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ: إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر) سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی چاروں بیویوں سے ایک ہی کلمے کے ساتھ ظہار کر لیتا ہے، اس کے متعلق انھوں نے فرمایا کہ بلاشبہ اس پر ایک کفارے کے سوا کچھ (لازم) نہیں۔

[1157] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ مِثْلَ ذَلِكَ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے بھی اسی کی مثل (فتویٰ) مروی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ الأَمْرُ عِنْدَنَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) بھی اسی جیسا حکم ہے۔

فائدہ :...... امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عورتوں کی تعداد کے برابر کفارے لازم ہیں، ہاں اس بات پر سب ائمہ متفق ہیں کہ اگر آدمی سب بیویوں سے الگ الگ ظہار کرے اور الگ الگ جملے بولے تو پھر ایسی بیویوں کی تعداد کے برابر کفارے ادا کرے۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي كَفَّارَةِ الْمُتَظَاهِرِ: ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ [المجادلة: 3] ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ [المجادلة: 4].

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب میں ظہار کرنے والے شخص کے کفارے کے متعلق فرماتے ہیں: ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا﴾ (المجادلة: 3) ''تو (اس پر) ایک گردن آزاد کرنا لازم ہے پہلے اس سے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔'' پھر فرمایا: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ (المجادلة: 4) ''پھر جو شخص (گردن آزاد کرنے کی طاقت) نہ پائے تو (اس پر) لگاتار دو ماہ کے روزے (لازم) ہیں پہلے اس سے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو (اس کی بھی) طاقت نہ پائے تو (اس پر) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم) ہے۔''

فائدہ :...... لہٰذا آدمی کو ان تینوں چیزوں میں برابر کا اختیار نہیں ہے کہ جو چاہے کفارہ ادا کر لے بلکہ مذکورہ ترتیب ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ غلام آزاد کرنا اول کفارہ ہے، یہ نہ ہو سکے تو پھر ہی روزے رکھے جائیں گے اور ان پر

[1156] (مقطوع صحیح) بیهقی: 384/7 (15254)۔ عبدالرزاق: 11569۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1157] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

قدرت نہ ہو تو تب ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ ان تینوں میں سے پہلی دو چیزوں میں تو یہ شرط صراحتاً مذکور ہے کہ وہ مباشرت سے پہلے پہلے ادا کیے جائیں لیکن تیسری چیز میں چونکہ یہ شرط ذکر نہیں کی گئی اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی ادائیگی سے قبل بھی مباشرت جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کھانا کھلانے سے پہلے بھی وہ شرط ملحوظ رہے گی اور مباشرت سے قبل اسے ادا کرنا لازم ہے، کھانا کھلانے سے پہلے بھی مباشرت ناجائز ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اگر روزوں کے درمیان میں مباشرت کر لی تو پھر نئے سرے سے دو ماہ کے روزے رکھنا لازم ہوگا لیکن کھانا کھلانے کے درمیان میں اگر مباشرت کی جائے تو از سر نو کھانا کھلانا واجب نہ ہوگا...... یَتَمَاسَّا کے لغوی معنیٰ ایک دوسرے کو چھونے کے ہیں جس سے مراد جماع ہے، چنانچہ جہاں یہ شرط مذکور ہے وہاں اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جماع سے پہلے پہلے وہ کفارہ ادا کر دیا جائے، کفارے کی ادائیگی سے پہلے جماع ناجائز ہے، البتہ اکثر علماء نے لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ کفارے کی ادائیگی سے پہلے ایک دوسرے کو چھونا یا کوئی بھی جنسی لذت حاصل کرنا جائز نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَتَظَاهَرُ مِنِ امْرَأَتِهِ فِي مَجَالِسَ مُتَفَرِّقَةٍ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ، فَإِنْ تَظَاهَرَ، ثُمَّ كَفَّرَ، ثُمَّ تَظَاهَرَ بَعْدَ أَنْ يُكَفِّرَ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ أَيْضاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو مختلف مجلسوں میں اپنی بیوی سے ظہار کرتا ہے، اس پر صرف ایک کفارہ لازم ہے، ہاں اگر اس نے (ایک بار) ظہار کر کے اس کا کفارہ دے دیا ہو، پھر کفارے کے بعد (دوبارہ) ظہار کرے تو اس پر (ایک اور) کفارہ لازم ہوگا۔

فائدہ:...... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جتنی الگ الگ مجلسوں میں ظہار کیا جائے اتنے ہی کفارے لازم آتے ہیں جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (عبدالرزاق)

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ تَظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ، ثُمَّ مَسَّهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ وَيَكُفُّ عَنْهَا حَتَّى يُكَفِّرَ وَلْيَسْتَغْفِرِ اللَّهَ، وَذَلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی زوجہ کے ساتھ ظہار کیا، پھر کفارہ دینے سے پہلے ہی اس کو چھو لیا تو اس پر ایک کے سوا کوئی کفارہ نہیں پڑے گا، اور اب وہ اس (عورت) سے رکا رہے یہاں تک کہ کفارہ ادا کر لے اور (اپنے کیے پر) اسے چاہیے کہ اللہ سے استغفار کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی وہ سب سے اچھا قول ہے جو (اس بارے میں) میں نے سنا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالظِّهَارُ مِنْ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَالنَّسَبِ سَوَاءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (تمام) محرم عورتوں سے (تشبیہ دیا ہوا) ظہار، خواہ رضاعت کی بنا پر (ان سے شادی

حرام) ہو یا نسب کی بنا پر، دونوں برابر ہیں۔

فائدہ :...... یعنی صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے پر ظہار موقوف نہیں ہے بلکہ ہر وہ عورت جس سے نسبی رشتہ داری یا رضاعی رشتہ داری یا سسرالی رشتہ داری کی بنا پر شادی حرام ہو جائے تو اپنی بیوی کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی تشبیہ دینا ظہار کہلائے گا، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا یہی موقف ہے اور یہی راجح ہے، امام شافعی صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ ظِهَارٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتوں پر ظہار نہیں ہے۔

فائدہ :...... اگر عورت اپنے خاوند کو کسی حرام رشتہ دار سے تشبیہ دے دے تو نہ اس سے ظہار لازم آئے گا اور نہ کفارہ، بلکہ یہ عمل لغوشمار ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ، ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا﴾ [المجادلة : 3] قَالَ : سَمِعْتُ أَنَّ تَفْسِيرَ ذَلِكَ أَنْ يَتَظَاهَرَ الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهِ ، ثُمَّ يُجْمِعَ عَلَى إِمْسَاكِهَا وَإِصَابَتِهَا ، فَإِنْ أَجْمَعَ عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ ، وَإِنْ طَلَّقَهَا وَلَمْ يُجْمِعْ بَعْدَ تَظَاهُرِهِ مِنْهَا ، عَلَى إِمْسَاكِهَا وَإِصَابَتِهَا ، فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ جو فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ (المجادلة: 3) ”اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں پھر جو کچھ انھوں نے کہا تھا اس کی طرف رجوع کریں۔“ (امام مالک رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی تفسیر میں یہ سنا ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے ظہار کرے، پھر اسے اپنے پاس روکے رکھنے اور اس سے مباشرت کرنے کا پختہ ارادہ کرے، چنانچہ اگر وہ اسے (اپنے پاس) روک لینے اور اس سے جماع کرنے کا پکا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر کفارہ واجب ہے اور اگر وہ اسے طلاق دے دیتا ہے اور اس سے ظہار کرنے کے بعد اسے روکے رکھنے اور اس سے جماع کرنے کا پختہ ارادہ نہیں کرتا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ اس (طلاق) کے بعد پھر اس سے شادی کرلے تو وہ اسے ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ کفارۂ ظہار ادا کرلے (کیونکہ الفاظِ قرآنیہ کا یہی تقاضا ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَتَظَاهَرُ مِنْ أَمَتِهِ : إِنَّهُ إِنْ أَرَادَ أَنْ يُصِيبَهَا ، فَعَلَيْهِ كَفَّارَةُ الظِّهَارِ قَبْلَ أَنْ يَطَأَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی لونڈی سے ظہار کرتا ہے، بلاشبہ اگر وہ اس سے مباشرت کا ارادہ کرے گا تو اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے اس پر کفارہ ظہار لازم ہے۔

فائدہ :...... امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک آقا پر لونڈی کے ساتھ ظہار کے معاملے

میں کوئی کفارہ نہیں پڑتا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عکرمہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ (بخاری، کتاب النکاح، باب:

23) کیونکہ جن سے ظہار ہوتا ہے ان کے لیے لفظ ''نساء'' استعمال ہوا ہے جس سے عرفاً وشرعاً بیویاں مراد ہوتی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَدْخُلُ عَلَى الرَّجُلِ إِيلَاءٌ فِي تَظَاهُرِهِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُضَارًّا، لَا يُرِيدُ أَنْ يَفِيءَ مِنْ تَظَاهُرِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آدمی کے ظہار میں اس پر ایلاء داخل نہیں ہوتا، (یعنی ظہار جس میں کفارہ پڑتا ہے، سے ایلاء مراد نہیں ہوتا جس میں چار ماہ کے بعد طلاق دینے یا رجوع کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے) الا یہ کہ خاوند ضرر پہنچانا چاہتا ہو (اور) اپنے ظہار سے رجوع کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فائدہ :......مثلاً آدمی ظہار کر کے کفارہ بھی ادا نہ کرے اور عورت کو ضرر میں مبتلا کرے کہ نہ طلاق دیتا ہے اور نہ کفارہ دے کر وظیفہ زوجیت ادا کرتا ہے، نہ خود عورت کی خواہش پوری کرتا ہے اور نہ دوسروں کے لیے اسے آزاد کرتا ہے تو اس صورت میں ظہار کو ایلاء شمار کر کے چار ماہ بعد عدالت میں خاوند کو کھڑا کیا جائے گا تا کہ وہ یا تو عورت کو خود بسا لے یا پھر طلاق دے دے۔

[1158] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ : أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَسْأَلُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ ، عَنْ رَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : كُلُّ امْرَأَةٍ أَنْكِحُهَا عَلَيْكِ مَا عِشْتِ فَهِيَ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي . فَقَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : يُجْزِئُهُ عَنْ ذَلِكَ عِتْقُ رَقَبَةٍ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک آدمی کو سنا، وہ (ان کے والد) عروہ بن زبیر سے اس شخص کے متعلق سوال کر رہا تھا جو اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ ہر وہ عورت جسے میں تجھ پر نکاح کر کے لاؤں، جب تک کہ تو زندہ ہے، تو وہ مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں تو عروہ بن زبیر نے فرمایا: اسے اس بات سے ایک گردن کا آزاد کرنا کفایت کر جائے گا۔

فائدہ :......بشرطیکہ گردن آزاد کرنے کی وسعت پاتا ہو، ورنہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ لے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ مقصد یہ ہے کہ اگرچہ اس نے اپنی بیوی کا دل جیتنے کے لیے یہ بات کہہ دی تھی اور اس کی زندگی کے اخیر تک ہر نئی بیوی کے حوالے سے ظہار کر لیا تھا گویا نئی شادی نہ کرنے کا اظہار کیا تھا لیکن پھر وہ اس بات پر قائم نہ رہا اور دوسری شادی کر لی تو اس پر کفارۂ ظہار لازم ہے، پھر اس کے بعد والی شادیوں میں کفارے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ جس طرح نکاح سے پہلے ہی طلاق دینا ایک لغو عمل ہے، اسی طرح شادی سے پہلے ہی ظہار کر لینا بھی بے کار ہے۔ دیکھیے روایت: 1153، 1154 فوائد۔

[1158] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

9- بَابٌ: ظِهَارُ الْعَبِيْدِ

غلاموں کے ظہار کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جس کی سند صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی اس میں مذکور ہیں۔

[1159] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ ظِهَارِ الْعَبْدِ؟ فَقَالَ: نَحْوُ ظِهَارِ الْحُرِّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے غلام کے ظہار کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ آزاد آدمی کے ظہار ہی کی طرح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: يُرِيدُ أَنَّهُ يَقَعُ عَلَيْهِ، كَمَا يَقَعُ عَلَى الْحُرِّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ یہ مراد لے رہے تھے کہ ظہار غلام کے حق میں بھی یوں ثابت ہو جاتا ہے جس طرح کہ آزاد کے حق میں ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اسے بھی کفارۂ ظہار دینا پڑے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَظِهَارُ الْعَبْدِ عَلَيْهِ وَاجِبٌ، وَصِيَامُ الْعَبْدِ فِي الظِّهَارِ شَهْرَانِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور غلام کا ظہار اس کے ذمے واجب ہے اور ظہار (کے کفارے) میں غلام کے روزے دو ماہ کے ہیں۔

فائدہ :...... چونکہ غلاموں کا سارا مال اس کے آقا ہی کا ہوتا ہے اس لیے وہ مالی کفارہ تو دے نہیں سکتا، البتہ روزے بدنی کفارہ ہیں، جنھیں غلام ادا کر سکتا ہے۔ احناف اور شوافع کے نزدیک غلام پر کفارۂ ظہار میں صرف روزے رکھنا لازم ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر اس کا آقا اجازت دے دے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی کھلا سکتا ہے۔

قال مالكٌ في العَبْدِ يتظاهرُ مِن امْرأتِه: إِنَّهُ لاَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ إِيلاءٌ، وذلك أَنَّهُ لَوْ ذَهَبَ يَصُومُ صِيامَ كَفَّارَةِ الْمُتظاهرِ، دَخَلَ عَلَيْهِ طَلاقُ الإِيلاءِ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صِيامِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا ہے، یقیناً اس پر ایلاء داخل نہیں ہوگا (یعنی اگر وہ ظہار کر کے نہ کفارہ دے اور نہ طلاق دے تو اس کے ظہار کو ایلاء شمار کر کے عدالت میں معاملہ نہیں لے جایا جائے گا) اور اس کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ کفارۂ ظہار کے (لگاتار دو ماہ کے) روزے رکھنا شروع کرے گا، تو اس کے روزوں سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ایلاء کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

[1159] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 13186 - شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ :......یعنی ظہار کے احکام الگ ہیں اور ایلاء کے الگ، اگر غلام کے ظہار کو ایلاء شمار کریں تو غلام کو ظہار کے احکامات سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، کیونکہ ظہار کے ساتھ طلاق نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا فوری کفارہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، جبکہ ایلاء کی مدت متعین ہے، جس کا آغاز ایلاء کرتے ہی ہو جاتا ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غلام کے ایلاء کی مدت صرف دو ماہ ہے (اس بات کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے کہ غلام کے ایلاء کی مدت صرف دو ماہ ہے۔) اور ان کے ایک قول کے مطابق ایلاء کی مدت پوری ہوتے ہی خود بخود طلاق واقع ہو جاتی ہے، سو اگر غلام کا ظہار، ایلاء شمار ہو تو غلام کے لیے کفارے کی صورت ہی نہیں بچتی کیونکہ اگر وہ صرف ایک دن کی تاخیر سے بھی دو ماہ کے روزے رکھنا شروع کرے یا درمیان میں شرعی عذر کی بنا پر کوئی ناغہ ہو جائے تو کفارۂ ظہار کے دو ماہ پورے ہونے سے پہلے پہلے ایلاء کے دو ماہ گزر جائیں گے اور طلاق ہو جائے گی تو روزے رکھنے کا کیا فائدہ؟ اس لیے غلام کا ظہار، ایلاء ہو ہی نہیں سکتا۔

10- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْخِيَارِ

(بیویوں کے حق) اختیار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، ایک مرفوع (حدیث نبوی) ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے، دو روایات موقوف ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، دو مقطوع روایات (آثار تابعین) میں سے بھی ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک کے چار فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......اس باب میں بتایا جا رہا ہے کہ کون کون سی صورتوں میں بیوی کو خاوند کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ہوتا ہے کہ ان صورتوں میں اگر وہ خاوند کے پاس رہنا چاہے تو نکاح بحال رہتا ہے اور اگر نہ رہنا چاہے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے جسے روکنے پر خاوند قدرت نہیں رکھتا۔

[1160] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ، فَكَانَتْ إِحْدَى السُّنَنِ الثَّلَاثِ: أَنَّهَا أُعْتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِي

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا (کے قصے) میں تین سنتیں (ثابت ہوتی) ہیں۔ ان تین سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بے شک وہ (اپنے غلام خاوند سے پہلے) آزاد کر دی گئی تو اسے اپنے خاوند (کے نکاح) میں (رہنے یا نہ رہنے کا) اختیار دے دیا

[1160] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح' باب الحرة تحت العبد، حديث: 5097، 2536، 2578، 2579، 5284، 5430، 6754، 6758۔ صحيح مسلم، كتاب الزكاة باب اباحة الهدية للنبى ﷺ ولبنى هاشم و بنى المطلب، حديث: 1075۔ ابوداود: 2234۔ ترمذى: 1154۔ نسائى: 3477۔ ابن ماجه: 2076۔ احمد: 178/6 (2566)۔ دارمى: 2290۔

زَوْجِهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالْبُرْمَةُ تَفُورُ بِلَحْمٍ، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدْمٌ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَمْ أَرَ بُرْمَةً فِيهَا لَحْمٌ فَقَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَلٰكِنْ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ.

گیا، اور (دوسری سنت یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولاء اسی کے لیے ہے جس نے آزاد کیا'' اور (تیسری سنت یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ (گھر میں) داخل ہوئے، اس وقت ہنڈیا گوشت کے ساتھ جوش مار رہی تھی، پھر (ہوا یوں کہ) آپ ﷺ کے پاس روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی (عام سا) سالن لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے وہ ہنڈیا نہیں دیکھی جس میں گوشت تھا؟'' گھر والوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! (واقعی وہ موجود ہے) لیکن وہ ایسا گوشت ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ تو صدقہ کھاتے ہی نہیں ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اس پر تو صدقہ ہے لیکن وہ اس کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''

فائدہ: ......گویا اس قصے سے تیسری بات یہ سامنے آئی کہ کسی بھی چیز کی حیثیت بدل جانے سے اس کا حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک خاوند بیوی دونوں غلام ہوں، پھر اگر خاوند کو بیوی سے پہلے آزادی ملے یا دونوں اکٹھے آزاد ہوں تو بیوی کو جدا ہونے کا کوئی اختیار نہیں رہتا، اور اگر بیوی پہلے آزاد ہو، اور اس کا خاوند ابھی غلام ہو تو پھر اسے اختیار مل جاتا ہے۔ احناف کے ہاں اگر خاوند آزاد ہو تو پھر بھی بیوی کو آزادی ملنے پر اسے خاوند کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار مل جاتا ہے لیکن صحیح وصریح احادیث اس موقف کی تردید کرتی ہیں۔ احناف شاذ یا ضعیف روایات کا سہارا لے کر سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کو آزاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''ولاء'' اس تعلق کو کہتے ہیں جو آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے، اس تعلق کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ جب آزاد ہونے والا بغیر کوئی وارث چھوڑے مر جائے تو اس کا سارا مال آزاد کرنے والوں کو وراثت میں مل جاتا ہے۔ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے ان سے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ نو اوقیہ چاندی (360 درہم) اپنی قیمت کے طور پر اس طرح ادا کریں کہ ہر سال میں ایک اوقیہ (۴۰ درہم) کی ادائیگی ہو، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تعاون کے لیے آئیں تو رسول اللہ ﷺ کے مشورے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اکٹھی رقم ادا کر کے انھیں ان سے خرید کر آزاد کر دیا، پرانے آقا چاہتے تھے کہ ''ولاء'' ہماری ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے ولاء کا فیصلہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کر دیا کیونکہ انھوں نے ہی سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزادی سے نوازا تھا۔ (بخاری: 2168)

[1161] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الأَمَةِ تَكُونُ تَحْتَ الْعَبْدِ فَتَعْتِقُ: إِنَّ الأَمَةَ لَهَا الْخِيَارُ، مَا لَمْ يَمَسَّهَا.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ اس لونڈی جو کسی غلام کے نکاح میں ہو پھر آزاد کر دی جائے، کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یقیناً اس لونڈی کے لیے (خاوند سے جدا ہونے کا) اختیار باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ اس کو چھو نہ لے (مباشرت نہ کر لے)

فائدہ: ......اگر لونڈی نے آزاد ہونے کے بعد اپنے غلام خاوند کو نہ چھوڑا اور خاوند نے اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ عورت نے اپنا اختیار ساقط کر کے خاوند ہی کے ساتھ رہنا منتخب کر لیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ مَسَّهَا زَوْجُهَا، فَزَعَمَتْ أَنَّهَا جَهِلَتْ أَنَّ لَهَا الْخِيَارَ، فَإِنَّهَا تُتَّهَمُ وَلاَ تُصَدَّقُ بِمَا ادَّعَتْ مِنَ الْجَهَالَةِ، وَلاَ خِيَارَ لَهَا بَعْدَ أَنْ يَمَسَّهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر اس کا خاوند اسے چھو لے، پھر یہ (آزاد ہونے والی) عورت کہے کہ یقیناً اسے اس (مسئلے) کا علم نہ تھا کہ اس کے پاس اختیار ہے تو اسے متہم (تہمت زدہ) سمجھا جائے گا (اس پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا جائے گا) اور اسے جہالت ولاعلمی کے دعوے میں سچا نہیں مانا جائے گا اور جب غلام خاوند نے اسے چھو لیا تو اب اس کے لیے کوئی اختیار باقی نہیں ہے۔

فائدہ: ......اگر چہ کئی معاملات میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً کتنے دن تک اسے اختیار رہتا ہے لیکن یہ بات متفقہ ہی نظر آتی ہے کہ خاوند کی مباشرت کے بعد اختیار ختم ہو جاتا ہے، خواہ وہ لاعلمی کے لاکھ دعوے کرتی پھرے۔

[1162] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ مَوْلاَةً لِبَنِي عَدِيٍّ يُقَالُ لَهَا زَبْرَاءُ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدٍ، وَهِيَ أَمَةٌ يَوْمَئِذٍ فَعَتَقَتْ، قَالَتْ: فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ حَفْصَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ،

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ بنو عدی خاندان کی ایک آزاد کردہ لونڈی جسے ''زبراء'' کہا جاتا تھا، نے انھیں خبر دی کہ وہ ایک غلام کے نکاح میں تھی اور خود بھی اس وقت لونڈی تھی، پھر اسے آزاد کر دیا گیا، وہ بتاتی ہے کہ پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ نے میری طرف پیغام بھیج کر

[1161] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 225/7 (14285) وفی معرفة السنن والآثار: 362/5 (4269) الشافعی فی الام: 122/5۔ وفی المسند: 79/2۔ عبدالرزاق: 13018۔ ابن ابی شیبه: 16529۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1162] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 225/7۔ وفی معرفة السنن والآثار: 362/5 (4270)۔ الشافعی فی الام: 122/5۔ وفی المسند: 78/2۔ عبدالرزاق: 13017۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فَدَعَتْنِي فَقَالَتْ : إِنِّي مُخْبِرَتُكِ خَبَراً ، وَلاَ أُحِبُّ أَنْ تَصْنَعِي شَيْئاً ، إِنَّ أَمْرَكِ بِيَدِكِ ، مَا لَمْ يَمْسَسْكِ زَوْجُكِ ، فَإِنْ مَسَّكِ ، فَلَيْسَ لَكِ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ . قَالَتْ : فَقُلْتُ هُوَ الطَّلاَقُ ، ثُمَّ الطَّلاَقُ ، ثُمَّ الطَّلاَقُ . فَفَارَقَتْهُ ثَلاثاً .

مجھے بلایا اور فرمایا کہ یقیناً میں تجھے ایک مسئلے کی خبر دینے لگی ہوں لیکن میں یہ پسند نہیں کرتی کہ تو (اس مسئلے کی روشنی میں) کوئی (ناگوار) کام کر بیٹھے، (خبر یہ ہے کہ) بلاشبہ تمھارا معاملہ تمھارے ہاتھ میں ہے (تمھیں اپنے غلام خاوند کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا شرعی اختیار حاصل ہے) جب تک کہ تمھارا خاوند تم سے مباشرت نہ کر لے، اگر اس نے تمھیں چھولیا تو پھر تیرے لیے اختیار میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، وہ کہتی ہے کہ میں نے (یہ سنتے ہی) کہہ دیا کہ اسے طلاق، پھر طلاق، پھر طلاق۔ چنانچہ وہ تین بار خاوند سے جدا ہوگئی۔

[1163] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ : أَيُّمَا رَجُلٍ ، تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَبِهِ جُنُونٌ أَوْ ضَرَرٌ ، فَإِنَّهَا تُخَيَّرُ ، فَإِنْ شَاءَتْ قَرَّتْ ، وَإِنْ شَاءَتْ فَارَقَتْ .

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے اس حال میں شادی کرے کہ اس (مرد) کے ساتھ جنون یا کوئی اور ضرر رساں چیز (اور قابل نفرت مرض مثلاً کوڑھ، کینسر، نامردی وغیرہ) ہو تو بلاشبہ عورت کو اختیار دیا جائے گا، اگر چاہے تو اس کے ساتھ ٹھہری رہے اور چاہے تو اس سے جدا ہو جائے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الأَمَةِ تَكُونُ تَحْتَ الْعَبْدِ ، ثُمَّ تَعْتِقُ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا أَوْ يَمَسَّهَا ، إِنَّهَا إِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَلاَ صَدَاقَ لَهَا ، وَهِيَ تَطْلِيقَةٌ ، وَذَلِكَ الأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس لونڈی کے متعلق فرمایا جو کسی غلام کے عقد میں ہو، پھر وہ آزاد کر دی جائے، پہلے اس سے کہ خاوند اس سے دخول کرتا یا اسے چھوتا، تو بلاشبہ اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے (اور اس خاوند غلام سے جدا ہونا چاہے) تو اس کے لیے کوئی حق مہر نہیں ہوگا اور یہ جدائی ایک طلاق شمار ہوگی اور ہمارے ہاں (مدینہ میں) یہی حکم ہے۔

فائدہ: ......لیکن سورۂ بقرہ کی آیت 236، 237 سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر حق مہر مقرر نہ تھا تو پھر واقعی عورت حق مہر کی حقدار نہیں ہوگی بلکہ اسے تھوڑا بہت فائدہ ہی دیا جائے گا اور اگر حق مہر مقرر ہو چکا ہو تو مباشرت سے پہلے ہونے والی طلاق کی صورت میں عورت کے لیے خاوند کے ذمے نصف حق مہر ہے، الا یہ کہ وہ

[1163] (مقطوع ضعيف) بيهقي: 215/7 (14231)۔ عبدالرزاق: 250/6 (10708)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

معاف کر دے۔ واللہ اعلم

[1164] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: إِذَا خَيَّرَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، فَاخْتَارَتْهُ، فَلَيْسَ ذَلِكَ بِطَلَاقٍ. قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اختیار دے دے، پھر وہ عورت اس (خاوند) کو اختیار کر لے تو یہ اختیار طلاق شمار نہیں ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی وہ سب سے بہترین قول ہے جو (اس مسئلے میں) میں نے سنا ہے۔

فائدہ :...... سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں عورت خاوند کو اختیار کر لے تو ایک بائنہ طلاق شمار ہوگی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نیز امام احمد رحمہ اللہ اسے رجعی طلاق شمار کرتے تھے لیکن جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء محدثین کے نزدیک یہ طلاق شمار نہیں ہے، یہی موقف راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُخَيَّرَةِ إِذَا خَيَّرَهَا زَوْجُهَا، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا، فَقَدْ طَلُقَتْ ثَلَاثًا، وَإِنْ قَالَ زَوْجُهَا: لَمْ أُخَيِّرْكِ إِلَّا وَاحِدَةً، فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ. وَذَلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے مخیرہ یعنی اختیار دی جانے والی عورت کے متعلق فرمایا کہ جب اس کا خاوند اسے (جدا ہو جانے کا) اختیار دے دے، پھر وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے (اور خاوند کو چھوڑ دے) تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی، اگر اس کا خاوند یہ کہے کہ میں نے تجھے صرف ایک طلاق کے سوا کچھ اختیار نہیں دیا تھا تو یہ بات خاوند کے حق میں قبول نہیں ہوگی اور یہی وہ سب سے بہترین قول ہے جو میں نے سنا۔

فائدہ :...... یہی موقف سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تھا، جبکہ سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک بائنہ یعنی غیر رجعی طلاق واقع ہوگی، رہے اہل حدیث تو وہ اسے ایک رجعی طلاق شمار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ خَيَّرَهَا فَقَالَتْ: قَدْ قَبِلْتُ وَاحِدَةً، وَقَالَ: لَمْ أُرِدْ هَذَا، وَإِنَّمَا خَيَّرْتُكِ فِي الثَّلَاثِ جَمِيعًا، أَنَّهَا إِنْ لَمْ تَقْبَلْ إِلَّا وَاحِدَةً، أَقَامَتْ عِنْدَهُ عَلَى نِكَاحِهَا، وَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِرَاقًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر اس کا خاوند اسے اختیار دے دے اور وہ کہے کہ میں نے ایک طلاق قبول کر لی اور خاوند کہے کہ میں نے ایک طلاق (کے اختیار کو) مراد ہی نہیں لیا، میں نے تو تمہیں صرف اور صرف تین اکٹھی طلاقوں کا اختیار دیا تھا، تو (اس صورت میں) بلاشبہ عورت اگر ایک کے سوا کچھ قبول نہ کرے تو (اسے کوئی بھی طلاق نہ ہوگی) وہ خاوند ہی کے پاس ٹھہری رہے گی اور یہ (عمل ان

[1164] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

میں) جدائی (کا باعث) نہیں ہے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ باقی ائمہ اور اہل حدیث کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

11- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْخُلْعِ

خلع کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو سنداً صحیح ہے اور دوسری موقوف ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... جس طرح شریعت نے مرد کو حق طلاق دیا ہے اسی طرح عورت کو حق خلع دے رکھا ہے، خلع کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ عورت طے شدہ رقم کے بدلے خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ کرے، جب خاوند طلاق دیتا ہے تو عورت کے مال اور حق مہر میں سے کچھ بھی نہیں روک سکتا اور جب عورت خلع لیتی ہے تو اسے خاوند کو معاوضہ دینا پڑتا ہے، چنانچہ سارا حق مہر دینا مستحب ہے اور کمی بیشی کی گنجائش ہے، خلع کی نوبت اس وقت آتی ہے جب عورت کسی بھی وجہ سے خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور خاوند اسے طلاق بھی نہیں دیتا تو عورت عدالت کی طرف رجوع کرتی ہے، عدالت خاوند کو بلاتی ہے، سو اگر وہ آ جائے تو اس سے خلع کا معاملہ طے کروا دیتی ہے اور اگر نہ آئے تو عدالت خود ہی خلع کا حکم جاری کر دیتی ہے جس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ قاضی یا حاکم کے بغیر بھی خلع کرایا جا سکتا ہے۔ (بخاری، قبل از حدیث: 5273) ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں، اگر عورت کسی صحیح عذر کی بنا پر یہ مطالبہ کرے تو گناہ گار نہ ہوگی ورنہ گناہ گار بھی ٹھہرے گی اور جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گی۔ (ابوداود: 2226، ترمذی: 1187، ابن ماجہ: 2055، اس کی سند صحیح ہے) خلع کی مشروعیت کے حوالے سے فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرة: 229) ''پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں (میاں بیوی) اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس (عمل) میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت وہ (حق مہر وغیرہ والا) مال دے (اور خلع حاصل کر لے)۔''

[1165] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ

سیدہ حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بے شک وہ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

[1165] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطلاق باب فی الخلع، حدیث: 2227۔ سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الخلع، حدیث: 3492۔ احمد: 433/6 (27990)۔ دارمی: 2271۔ ابن حبان: 110/10۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، نیز دیکھیے صحیح ابی داود للالبانی: 1929۔ صحیح موارد الظمآن: 1108۔

الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، عَنْ حَبِيبَةَ بِنْتِ سَهْلٍ الْأَنْصَارِي: أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى الصُّبْحِ، فَوَجَدَ حَبِيبَةَ بِنْتَ سَهْلٍ عِنْدَ بَابِهِ فِي الْغَلَسِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ هَذِهِ؟فَقَالَتْ: أَنَا حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: مَا شَأْنُكِ؟قَالَتْ: لَا أَنَا وَلَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، لِزَوْجِهَا، فَلَمَّا جَاءَ زَوْجُهَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَذِهِ حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ، قَدْ ذَكَرَتْ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَذْكُرَ فَقَالَتْ حَبِيبَةُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كُلُّ مَا أَعْطَانِي عِنْدِي. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ: خُذْ مِنْهَا فَأَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ فِي أَهْلِهَا.

یقیناً (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نماز فجر کی طرف نکلے تو آپ نے سیدہ حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کو (صبح کے) اندھیرے ہی میں اپنے دروازے کے پاس پایا، سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' وہ بولیں کہ اے اللہ کے رسول! میں حبیبہ بنت سہل ہوں، آپ نے فرمایا: ''تمھیں کیا ہوا ہے؟'' وہ اپنے خاوند کا نام لے کر بولیں کہ نہ میں اور نہ ثابت بن قیس (اب ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے)، پھر جب ان کے خاوند سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''یہ جو (تمھاری بیوی) حبیبہ بنت سہل ہے، اس نے وہ کچھ باتیں ذکر کی ہیں جو اللہ نے چاہا کہ وہ ذکر کرے۔'' سیدہ حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! انھوں نے جو کچھ بھی (حق مہر میں) مجھے دیا تھا وہ میرے پاس موجود ہے، (وہ سب انھیں دے دیجیے اور میری جان چھڑا دیجیے) تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اسے وصول کرلو'' چنانچہ انھوں نے ان سے لے لیا اور وہ اپنے خاندان کے گھر میں (اپنے میکے میں) بیٹھ گئیں۔

فائدہ: ......صحیح بخاری کی روایت: ۵۲۷۷ میں اس عورت کا نام جمیلہ مذکور ہے جو کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بہن تھی۔ (بخاری: 5274) یا اس کی بیٹی تھی۔ (نسائی: 3527، ابن ماجہ: 2057) معلوم یوں ہوتا ہے کہ جیسے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے ان دونوں عورتوں یعنی حبیبہ اور جمیلہ رضی اللہ عنہما نے خلع کروایا تھا، اگرچہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خطیب الانصار تھے، سب سے بلند آواز والے اور جنت کی بشارت پانے والوں میں سے تھے۔ (بخاری: 3613، 4846، مسلم: 119) اور مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے، لیکن وہ مزاج کے ذرا تیز تھے اور شکل وصورت میں بھی کم ترین درجہ رکھتے تھے، اس لیے ان کی بیوی کا دل ان کی خدمت واطاعت پر آمادہ نہ ہوتا تھا اور چونکہ خاوند کی ناشکری کو کفر کہا گیا ہے اس لیے وہ اس نتیجے سے بچنے کے لیے ان سے علیحدہ ہوگئیں۔

[1166] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ : أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَيْءٍ لَهَا ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ .

(سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زوجہ) صفیہ بنت ابی عبید کی آزاد کردہ لونڈی سے روایت ہے کہ اس نے اپنے خاوند سے ہر اس چیز کے بدلے میں خلع لیا جو اس کے پاس تھی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا انکار نہ کیا (اور اسے غلط نہ جانا)۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُفْتَدِيَةِ الَّتِي تَفْتَدِي مِنْ زَوْجِهَا : أَنَّهُ إِذَا عُلِمَ أَنَّ زَوْجَهَا أَضَرَّ بِهَا وَضَيَّقَ عَلَيْهَا ، وَعُلِمَ أَنَّهُ ظَالِمٌ لَهَا ، مَضَى الطَّلَاقُ وَرَدَّ عَلَيْهَا مَالَهَا . قَالَ مَالِكٌ : فَهَذَا الَّذِي كُنْتُ أَسْمَعُ ، وَالَّذِي عَلَيْهِ أَمْرُ النَّاسِ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فدیہ دینے والی عورت کے متعلق فرمایا جو اپنے خاوند سے خلع کراتی ہے، (کہ بعد میں) جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس کے خاوند نے اسے نقصان پہنچایا ہے اور اس پر تنگی ڈالی ہے (یعنی زبردستی خلع کرانے پر مجبور کیا ہے تاکہ حق مہر واپس لے جائے) اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے عورت پر یہ ظلم کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت پر اس کا مال واپس لوٹا دیا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا کہ یہ ہے وہ فتویٰ جو میں نے سنا ہے اور ہمارے ہاں جس پر لوگوں کا عمل ہے۔

فائدہ :...... بہت سے خاوند صرف اس لیے طلاق نہیں دیتے کہ طلاق کی صورت میں عورت اپنا سارا مال لے جائے گی اور عورتیں بھی عموماً اسی لیے خلع سے بچتی ہیں کہ اس میں انھیں اپنے مال سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا بَأْسَ بِأَنْ تَفْتَدِيَ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا ، بِأَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت، خاوند کو فدیے میں (خلع کے عوض میں) اس (حق مہر) سے زیادہ دے دے جو خاوند نے اسے دیا تھا۔

فائدہ :...... کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عموم رکھا ہے، فرمایا: ﴿فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرة: 229) ''عورت جو بھی فدیہ میں دے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک مرد حق مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا، جمہور، امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر نفرت کا اظہار عورت کی طرف سے ہو تو خاوند زیادہ لے سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ مرد حق مہر سے زیادہ کا مطالبہ تو نہ کرے، اگر کرے گا تو مکروہ ہے لیکن خلع واقع ہو جائے گا، البتہ اگر عورت خود ہی اپنی خوشی کے ساتھ حق مہر سے جس قدر بھی زیادہ دے تو جائز ہے اور اگر اس سے بھی کم پر یا بلا معاوضہ دونوں راضی ہو جائیں تو بھی خلع واقع ہو جائے گا۔

[1166] (موقوف ضعیف) بیهقي في السنن الكبرى: 315/7- (14855)- وفي معرفة السنن والآثار: 442/5 (4395)- ابن ابی شیبہ: 18521- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

12- بَابٌ: طَلَاقُ الْمُخْتَلِعَةِ

خلع کرانے والی عورت کی طلاق کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف ہے اور دوسری مقطوع اور سنداً پہلی صحیح ہے اور دوسری ضعیف، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... خلع، طلاق ہی کے حکم میں ہوتا ہے یا فسخ نکاح؟ امام مالک اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ پہلی رائے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک خلع کے لیے جہاں کہیں لفظ طلاق وارد ہوا ہے اس سے طلاق کے لغوی معنی (چھوڑ دینا) مراد ہیں۔ مزید تفصیل باب کے آخر میں آ رہی ہے۔

[1167] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ رُبَيِّعَ بِنْتَ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ، جَاءَتْ هِيَ وَعَمُّهَا إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا فِي زَمَانِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ. وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: عِدَّتُهَا عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ.

نافع سے روایت ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا اور ان کی پھوپھی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور انھیں خبر دی کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں انھوں نے اپنے خاوند سے خلع کرا لیا، پھر یہ خبر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انھوں نے اس پر کوئی انکار (اور اعتراض) نہ کیا اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کی عدت بھی طلاق والی عورت کی عدت (جیسی) ہے۔

فائدہ :...... گویا ان کے نزدیک خلع بھی طلاق کے حکم میں تھا، اسی لیے اس کی عدت بھی طلاق جیسی بیان کی...... حالانکہ مدخولہ عورت کی طلاق کی عدت تین ماہ یا تین حیض یا وضع حمل ہوتی ہے جبکہ خود سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ (ترمذی: 1185، نسائی: 3527، ابن ماجہ: 2058۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح خود سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی خلع والی کی عدت ایک حیض ہونا ثابت ہے۔ (ابوداود: 2230۔ اس کی سند صحیح ہے)

[1168] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن میسب، سلیمان بن

[1167] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 315/7 (14858) وفي الصغرى: 105/3 (2635)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1168] (مقطوع ضعيف) بيهقي: 450/7- 15596، عبد الرزاق: 507/6- 11861- ابن شيبة: 18453- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، وَابْنَ شِهَابٍ كَانُوا يَقُولُونَ: عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ، مِثْلُ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ، ثَلَاثَةُ قُرُوءٍ.

یسار، اور ابن شہاب فرمایا کرتے تھے کہ خلع والی عورت کی عدت طلاق والی عورت ہی کی طرح تین ''قروء'' یعنی تین حیض (یا بقول بعض تین طہر) ہے۔

فائدہ: ...... یہ روایت آگے بھی آ رہی ہے، دیکھیے موطا: 1197 بہر حال نبی کریم ﷺ سے خلع والی عورت کے لیے ایک حیض عدت ہی ثابت ہے جیسا کہ پچھلے فائدہ میں تذکرہ گزر چکا ہے، مزید دیکھیے، ابوداود: 2229، اس کی سند صحیح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُفْتَدِيَةِ: إِنَّهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى زَوْجِهَا إِلَّا بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ، فَإِنْ هُوَ نَكَحَهَا، فَفَارَقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا عِدَّةٌ مِنَ الطَّلَاقِ الْآخِرِ، وَتَبْنِي عَلَى عِدَّتِهَا الْأُولَى.

امام مالک رحمہ اللہ نے فدیہ دینے (اور خلع کرانے) والی عورت کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے خاوند کی طرف نئے نکاح کے بغیر نہیں لوٹ سکتی، چنانچہ اگر خاوند نے اس سے (نیا) نکاح کر لیا، پھر اسے چھونے سے پہلے ہی چھوڑ دیا تو خاوند کے حق میں اس عورت کے ذمے اس دوسری طلاق کی کوئی عدت نہیں پڑے گی، اور وہ اپنی پہلی عدت ہی پر بنیاد رکھے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ سب سے بہترین بات ہے جو میں نے اس بارے میں سنی ہے۔

فائدہ: ...... خلع کی عدت ایک حیض اس لیے ہے کہ پتہ چل جائے کہ اسے حمل ہے یا نہیں، کسی بھی اور خاوند سے نکاح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے خاوند کی طرف سے عائد ہونے والی عدت پوری ہو جائے، لیکن پہلے ہی خاوند کے ساتھ دوبارہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ عدت ختم ہو، چنانچہ اگر عدت خلع کے درمیان خاوند نے نیا نکاح کر لیا اور بغیر مباشرت کے طلاق دے دی تو اس طلاق کی عدت ہے ہی نہیں جیسا کہ سورۃ احزاب کی آیت: 49 میں ہے، البتہ خلع کی جو عدت جاری تھی اس کا باقی ماندہ حصہ عورت کو پورا کرنا پڑے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: إِذَا افْتَدَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا بِشَيْءٍ، عَلَى أَنْ يُطَلِّقَهَا، فَطَلَّقَهَا طَلَاقًا مُتَتَابِعًا نَسَقًا، فَذَلِكَ ثَابِتٌ عَلَيْهِ، فَإِنْ كَانَ بَيْنَ ذَلِكَ صُمَاتٌ، فَمَا أَتْبَعَهُ بَعْدَ الصُّمَاتِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب عورت اپنے خاوند کو کوئی بھی چیز اس (شرط خلع) پر فدیہ میں دے، پھر وہ خاوند اسے پے در پے بغیر کسی فاصلے کے کئی طلاقیں دے دے تو یہ سب کچھ (سب طلاقیں) اس پر واقع ہو جائے گا، پھر اگر ان طلاقوں کے درمیان میں خاموشی واقع ہو جائے تو پھر وہ اس

خاموشی کے بعد جو کچھ بھی پیچھے لائے گا (مزید جتنی بھی
طلاقیں دینا چاہے گا) تو یہ کچھ بھی (معتبر) نہ ہوگا۔

فائدہ :...... گویا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خلع بھی طلاق ہے اور اس کے ساتھ ہی دی ہوئی مزید طلاقیں شمار ہوں گی اور نکاح کا بندھن ٹوٹ گیا اور خاموشی کے بعد مزید طلاقیں غیر معتبر ہوں گی، کیونکہ جب نکاح ہی نہیں رہا تو طلاق کیسی...... ہمارے نزدیک چونکہ خلع فسخ نکاح ہے اس لیے اس کے ساتھ دی ہوئی کوئی بھی طلاق معتبر نہیں ہے۔

خلع، طلاق ہے یا فسخ نکاح:

خلع کو طلاق یا فسخ نکاح قرار دینے کے اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ جب خاوند خلع کے بعد پھر اسی بیوی سے نکاح کر لے تو اس کے پاس کتنی طلاقوں کا حق باقی ہے، اسے طلاق کہنے والے خلع کو طلاقوں کی گنتی میں شمار کریں گے اور فسخ نکاح کہنے والے شمار نہیں کریں گے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ چونکہ اسے طلاق شمار کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک خلع کے بعد مزید دو طلاقوں کا حق باقی ہے، جبکہ امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک چونکہ یہ فسخ نکاح ہے اس لیے خلع کے بعد بھی تین طلاقوں کا حق باقی رہے گا۔ خلع کے طلاق نہ ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں: (1) خلع کی عدت صرف ایک حیض ہے، اگر یہ طلاق ہوتا تو اس کی عدت بھی تین ماہ یا تین حیض یا وضع حمل ہوتی۔ (2) اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (البقرۃ: 229) والے رکوع میں دو طلاقوں کا ذکر کر کے خلع کا بیان فرمایا، اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا، اگر خلع بھی طلاق ہوتا تو یہ چار طلاقیں بن جائیں گی، حالانکہ طلاقوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد تین ہیں۔ (3) سیدہ حبیبہ رضی اللہ عنہا خلع کرانے کے بعد اپنے میکے چلی گئیں، اگر یہ طلاق ہوتی تو وہ خاوند کے گھر ہی میں عدت گزارنے کی پابند تھیں۔ (4) طلاق میں خاوند، عورت سے مال نہیں لے سکتا جبکہ خلع میں سارا مال بھی لے سکتا ہے۔ (5) جماع کے بعد دی گئی طلاق میں مرد کو رجوع کرنے کا حق ہے، لیکن خلع میں نہیں۔ (6) طلاق دیتے وقت کئی شرائط ملحوظ رکھی جاتی ہیں مثلاً عورت کو حیض نہ ہو یا مباشرت والا طہر نہ ہو لیکن خلع میں ایسی کوئی شرط ملحوظ نہیں...... لہٰذا ثابت ہوا کہ طلاق اور خلع الگ الگ معاملات ہیں، دونوں کے نتائج اور احکامات بھی جدا جدا ہیں، اور مذکورہ بالا وجوہات کی بنا ہی پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس، اسحاق، ابوثور، ابومنذر، امام احمد، امام شافعی، (مشہور قول کے مطابق) ابن تیمیہ، ابن قیم اور البانی رحمہم اللہ وغیرہ خلع کو فسخ نکاح ہی شمار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

13- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي اللِّعَانِ

لعان کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں اور دونوں مرفوع احادیث نبویہ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے گیارہ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......لعان کے لغوی معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں لیکن شریعت میں اس سے مراد یہ ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو دونوں کو لوگوں یا عدالت کے روبرو لایا جائے گا، پھر سمجھانے کے باوجود اگر وہ اپنے اپنے موقف پر ڈٹے رہیں یعنی خاوند اسے زانیہ کہے اور بیوی اس الزام کی تردید کرے تو پھر دونوں باری باری (پہلے خاوند اور پھر بیوی) پانچ پانچ قسمیں کھائیں گے اور اپنے اپنے موقف کی گواہی دیں گے، پانچویں قسم سے پہلے انھیں پھر سمجھایا جائے گا، اگر وہ باز نہ آئیں تو خاوند اس قسم میں یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور بیوی کہے گی کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ یہ عمل پورا ہوتے ہی دونوں آئندہ زندگی بھر کے لیے جدا ہو جائیں گے، اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ صرف عورت کے نسب میں شریک ہوگا، شرعی طور پر اس کا کوئی باپ شمار نہ ہوگا، نیز نہ عورت پر حد زنا لاگو ہوگی اور نہ مرد پر تہمت زنا کی حد پڑے گی۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لعان کے دو واقعات پیش آئے، پہلے سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا جس میں انھوں نے اپنی بیوی پر حضرت شریک بن سحماء رضی اللہ عنہ کے ساتھ زنا کا الزام لگایا اور بعد میں حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کے آغاز میں اس مسئلے کا حل نازل فرما دیا جسے ''لعان'' کہا جاتا ہے۔

[1169] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عُوَيْمِراً الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَاصِمُ، أَرَأَيْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ. فَسَأَلَ عَاصِمٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ، مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ، جَاءَهُ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ (جو بنو عجلان کے سردار اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے والد کے چچا زاد بھائی تھے) کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے عاصم! مجھے ذرا اس شخص کے متعلق تو بتلایئے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور مرد کو دیکھ لیتا ہے تو کیا وہ اسے قتل کر دے کہ پھر (قصاص میں) تم بھی اسے قتل کر دو یا وہ کیا کرے؟ اے عاصم! میرے لیے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیجیے، چنانچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے (ایسے) سوالات کو ناپسند فرمایا اور انھیں معیوب جانا، حتیٰ کہ حضرت

[1169] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، حديث: 5259، 4745، 4746، 5308، 5309، 5854، 7165، 7166، 7304- صحيح مسلم، كتاب اللعان، حديث: 1492- ابوداود: 2245- نسائي: 3431- ابن ماجه: 2066- احمد: 336/5 (23239)- دارمي: 2229.

عُـوَيْمِرٌ فَقَالَ: يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ عَاصِمٌ لِعُوَيْمِرٍ: لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ، قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا. فَقَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللّٰهِ لاَ أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا، فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ، حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَسْطَ النَّاسِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ أُنْزِلَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ، فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ: فَتَلاَعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلاَعُنِهِمَا قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا. فَطَلَّقَهَا ثَلاَثًا، قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ.

عاصم رضی اللہ عنہ پر وہ (جواب) بہت گراں گزرا جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، پھر جب سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹے تو سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور کہا کہ اے عاصم! رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا فرمایا: پس سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تم میرے پاس کوئی خیر لے کر نہیں آئے، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا ہے جس کے متعلق تم نے آپ سے پوچھا ہے۔ تو سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں تو (اس سوال سے) نہیں رکوں گا یہاں تک کہ (خود ہی) آپ سے اس بارے میں پوچھ لوں، چنانچہ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ (بارگاہ نبوی کی طرف) متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ (اس وقت) لوگوں کے درمیان (میں جلوہ افروز) تھے، اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے متعلق بتایئے جو کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ پا لیتا ہے، کیا وہ اسے قتل کر دے کہ پھر آپ لوگ بھی اسے (قصاصاً) مار ڈالیں یا وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے اور تمھاری بیوی کے متعلق (قرآن) نازل ہو چکا ہے، جاؤ اور اسے لے آؤ۔'' سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر دونوں نے لعان کیا، اس وقت میں بھی لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا، پھر جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! (اب بھی میں) اگر اسے روکے رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹ ہی باندھا، پھر انھوں نے اسے تین طلاقیں دے دیں پہلے اس سے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو کچھ حکم دیتے۔

وَقَالَ مَالِكٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ تِلْكَ بَعْدُ سُنَّةَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن شہاب نے فرمایا: پھر یہی جدائی بعد میں دو لعان کرنے والوں میں جاری ہو گئی۔

فائدہ :...... یہ لعان مسجد نبوی میں ہوا تھا۔ (بخاری: 423) یہ واقعہ بیان کرنے والے راوی سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ (بخاری: 6854) سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام سیدہ خولہ بنت قیس عجلانیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ لعان ہوتے ہی عورت، خاوند کے لیے ابدی حرام ہو جاتی ہے اور طلاق کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، نبی

کریم ﷺ نے سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کو طلاق دینے کا حکم نہیں فرمایا تھا اور جب انھوں نے خود ہی تین طلاقیں دیں تو بھی نبی کریم ﷺ خاموش رہے، یہ خاموشی ایک محفل میں تین طلاقیں جائز ہونے کے اقرار کے لیے نہ تھی بلکہ صرف اس لیے تھی کہ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور غم میں اور اضافہ نہ ہو، چنانچہ کیا بندے کے لیے یہ رسوائی کم ہے کہ اس کی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگے اور تہمت لگانے والا بھی شوہر ہی ہو اور پھر لوگوں کے سامنے لعان والا معاملہ بھی ہو گزرے، اگر آپ ﷺ اس موقع پر سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انھیں ٹوکتے یا ڈانٹتے یا جھڑکتے تو یہ ایسے ہی ہوتا کہ جیسے مرے ہوئے کو مارا جا رہا ہو۔

[1170] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلاً لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَانْتَفَلَ مِنْ وَلَدِهَا، فَفَرَّقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَهُمَا، وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور اپنے لڑکے سے انکار کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں جدائی ڈال دی اور بچے کو عورت کے ساتھ ملا دیا۔

فائدہ: ......اس روایت میں سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ مراد ہے، لعان کے بعد اگر بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب صرف ماں سے قائم ہوتا ہے، ماں اس کی اور وہ اس کا وارث بنتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب مرد پانچ بار حلف اور گواہی دیتا ہے تو اسی وقت عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جب خاوند اور پھر بیوی لعان سے فارغ ہوں تو ان دونوں میں از خود علیحدگی ہو جاتی ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تک حاکم انھیں جدا نہ کرے ان میں جدائی نہیں ہوتی اور نہ ہی ابدی حرمت لاگو ہوتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَيَدْرَأُ عَنْهَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (لعان کے مسئلے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ

[1170] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب یلحق الولد بالملاعنة، حدیث: 5315، 4748، 5306، 5313۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، حدیث: 1494۔ ابوداود: 2259۔ ترمذی: 1203۔ نسائی: 3507۔ ابن ماجه: 2069۔ احمد: 7/2 (4527)۔ دارمی: 2232۔

الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾[النور: 6-9].

كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ٥ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ٥ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (النور: 6 تا 9) ''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک (یعنی خاوند) کی گواہی اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت سے (زنا کی) سزا کو یہ بات ٹال دے گی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (خاوند) جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ سچوں میں سے ہوا تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔''

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنَّ الْمُتَلَاعِنَيْنِ لَا يَتَنَاكَحَانِ أَبَداً، وَإِنْ أَكْذَبَ نَفْسَهُ جُلِدَ الْحَدَّ، وَأُلْحِقَ بِهِ الْوَلَدُ، وَلَمْ تَرْجِعْ إِلَيْهِ أَبَداً، وَعَلَى هَذَا السُّنَّةُ عِنْدَنَا، الَّتِي لَا شَكَّ فِيهَا وَلَا اخْتِلَافَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ دونوں باہم لعان کرنے والے (خاوند بیوی دوبارہ) کبھی نکاح نہیں کر سکیں گے اور اگر خاوند (لعان کے بعد) اپنے آپ کو جھٹلا دے (اور کہے کہ میں نے جھوٹا الزام لگایا تھا تو اسے (تہمت کی) حد (اسی کوڑے مار کر) لگائی جائے گی اور بچے کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا (لیکن) عورت اس کی طرف کبھی نہ لوٹ پائے گی، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں اس کے مطابق (لعان کی) سنت جاری ہے جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف۔

فائدہ: ...... جمہور کا یہی موقف ہے، چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے صراحتاً بیان فرمایا ہے کہ لعان کے بعد حرمت ابدی ہے۔ (ابوداود: 2250، عن سهل بن سعد، بيهقى: 410/7، ارواء الغليل: 188/7، حديث: 2103 عن عمر، ان کی سندیں صحیح ہیں) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اکثر شاگردوں کا بھی یہی موقف ہے البتہ خود امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر خاوند خود کو جھٹلا دے تو لعان ختم ہو جاتا ہے اور دوبارہ نکاح بھی ہو سکتا ہے، راجح موقف جمہور ہی کا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا فَارَقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِرَاقاً بَاتّاً، لَيْسَ لَهُ عَلَيْهَا فِيهِ رَجْعَةٌ، ثُمَّ أَنْكَرَ حَمْلَهَا: لَاعَنَهَا إِذَا كَانَتْ حَامِلاً، وَكَانَ حَمْلُهَا يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ مِنْهُ، إِذَا ادَّعَتْهُ، مَا لَمْ يَأْتِ دُونَ ذَلِكَ مِنَ الزَّمَانِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب مرد اپنی بیوی کو طلاق بتہ جیسے انداز میں جدا کرے کہ جس میں اسے عورت پر رجوع کا حق نہیں رہتا، پھر وہ (بعد از طلاق) اس عورت کے حمل کا انکار کر دے (کہ اس کے پیٹ میں بچہ میرا نہیں تو یہ خاوند کی طرف سے عورت پر زنا کی تہمت ہے لہٰذا) وہ

فَلاَ يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْهُ .

اس سے لعان کرے گا جب کہ وہ عورت حاملہ ہو اور حمل یہ شک اور احتمال رکھتا ہو کہ اس خاوند کا ہوگا (یعنی طلاق کے بعد چھ ماہ سے پہلے پہلے وہ بچہ جن دے، اب یہ قوی امکان ہے کہ یہ بچہ خاوند ہی کا ہو کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے لہٰذا جب اس بچے کا حمل ٹھہرا تھا تو یقیناً وہ اسی خاوند کے نکاح میں تھی) بشرطیکہ وہ عورت اس (خاوند کے نطفے سے اس بچے کے ہونے) کا دعویٰ کرے (تو دونوں میں لعان ہوگا، اور اگر عورت خاموش رہے اور خاوند کو جھوٹا قرار نہ دے تو پھر لعان کی ضرورت نہیں، بہرحال یہ لعان تبھی ممکن ہے) جب تک کہ وہ بچہ اس شک والی مدت کے علاوہ میں نہ آئے کہ (جس مدت میں) یہ معلوم ہی نہ ہوتا ہو کہ وہ بچہ اسی خاوند کا ہوگا (مثلاً لعان سے ایک سال یا دو سال بعد بچہ پیدا ہوا تو چونکہ حمل کی عمومی مدت نو ماہ ہے اس لیے قوی امکان یہی ہے کہ وہ بچہ واقعی زنا کا ہے اور عورت نے لعان کے بعد کسی سے زنا کیا ہوگا لہٰذا اس صورت میں بھی خاوند بیوی میں لعان نہ ہوگا خواہ بیوی کہے کہ یہ خاوند کا حمل ہے اور خاوند اس کا انکار کرے)

قَالَ : فَهَـذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا وَالَّذِي سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تو یہی حکم ہے اور میں نے اہل علم سے یہی سنا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ، بَعْدَ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلاثًا ، وَهِيَ حَامِلٌ ، يُقِرُّ بِحَمْلِهَا ، ثُمَّ يَزْعُمُ أَنَّهُ قَدْ رَآهَا تَزْنِي قَبْلَ أَنْ يُفَارِقَهَا ، جُلِدَ الْحَدَّ وَلَمْ يُلاَعِنْهَا ، وَإِنْ أَنْكَرَ حَمْلَهَا بَعْدَ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلاثًا ، لاَعَنَهَا . قَالَ وَهَذَا الَّذِي سَمِعْتُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دینے کے بعد اس پر (زنا کی) تہمت لگا دے، اس حال میں کہ عورت حاملہ ہو (اور) خاوند بھی اس حمل کا اقرار کرتا ہو (کہ یہ میرا ہے) پھر وہ (بچے کی پیدائش کے بعد یعنی عدت طلاق ختم ہو جانے کے بعد) یہ کہے کہ بے شک اس (خاوند) نے اسے (طلاق دے کر) جدا کرنے سے پہلے (کسی مرد سے) زنا کرتے دیکھا تھا تو (اس الزام کی پاداش میں) خاوند کو حد قذف لگائی جائے گی اور وہ اس سے لعان نہیں کرے گا (کیونکہ لعان تو بیوی سے ہوتا ہے اور یہ عورت اب بیوی نہیں رہی) اور اگر وہ اسے تین طلاقیں دینے کے بعد اس کے حمل کا انکار کر دے تو پھر لعان کرے گا (جیسا کہ گزشتہ مسئلے میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں نے (اہل علم سے) یہی سنا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْعَبْدُ بِمَنْزِلَةِ الْحُرِّ فِي قَذْفِهِ وَلِعَانِهِ ، يَجْرِي مَجْرَى الْحُرِّ فِي مُلاَعَنَتِهِ ، غَيْرَ أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَةً حَدٌّ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: غلام بھی اپنی تہمت اور لعان کے معاملے میں آزاد شخص کی طرح ہے، وہ اپنے لعان میں آزاد آدمی ہی کے طریقے پر چلے گا (بشرطیکہ وہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے) مگر بلاشبہ اس شخص پر کوئی حد نہیں جو اپنی لونڈی پر (زنا کی) تہمت لگائے۔

فائدہ: ...... دراصل آزاد شخص اپنی لونڈی پر تہمت زنا لگائے تو اس پر حد قذف نہیں پڑتی اور لعان تو حد قذف ہی کا بدل ہے، لہٰذا جب حد قذف نہیں لگتی تو لعان بھی نہیں ہو سکتا نیز لعان کا معاملہ بیویوں سے خاص ہے، لونڈیاں اس میں شامل نہیں، ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ (النور: 6) ''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے غلام پر تہمت لگائی حالانکہ وہ غلام اس کے الزام سے بری (اور بے گناہ) ہو تو اسے قیامت کے دن کوڑے لگائے جائیں گے، الا یہ کہ معاملہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے کہا تھا۔ (بخاری: ٦٨٥٨، مسلم: ١٦٦٠) الغرض اپنے غلام لونڈی پر تہمت لگانے سے آقا پر کوئی دنیوی سزا نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالأَمَةُ الْمُسْلِمَةُ، وَالْحُرَّةُ النَّصْرَانِيَّةُ وَالْيَهُودِيَّةُ، تُلَاعِنُ الْحُرَّ الْمُسْلِمَ إِذَا تَزَوَّجَ إِحْدَاهُنَّ فَأَصَابَهَا، وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ) [النور: 6] فَهُنَّ مِنَ الأَزْوَاجِ، وَعَلَى هَذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مسلمان لونڈی، آزاد عیسائی عورت یا آزاد یہودی عورت بھی مسلمان مرد سے لعان کر سکتی ہے جس وقت کہ وہ (مسلمان مرد) ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرے، پھر اس سے جماع کرے، اور یہ (فتویٰ) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ (النور: 6) ''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں۔'' اور (پیچھے بیان کردہ) یہ سب عورتیں بیویاں ہی ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں اس کے مطابق حکم رائج ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَبْدُ إِذَا تَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ الْحُرَّةَ الْمُسْلِمَةَ، أَوِ الأَمَةَ الْمُسْلِمَةَ، أَوِ الْحُرَّةَ النَّصْرَانِيَّةَ أَوِ الْيَهُودِيَّةَ، لَاعَنَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور غلام جب آزاد مسلمان عورت سے یا مسلمان لونڈی سے یا آزاد عیسائی عورت سے یا آزاد یہودی عورت سے شادی کر لے تو (بیوی پر تہمت زنا لگانے کی صورت میں) وہ اس سے لعان کرے گا۔

فائدہ: ...... کیونکہ آیت کے عمومی الفاظ میں ایسا خاوند غلام اور اس کی ہر قسم کی بیویاں بھی شامل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُلَاعِنُ امْرَأَتَهُ، فَيَنْزِعُ وَيُكَذِّبُ نَفْسَهُ بَعْدَ يَمِينٍ أَوْ يَمِينَيْنِ، مَا لَمْ يَلْتَعِنْ فِي الْخَامِسَةِ: إِنَّهُ إِذَا نَزَعَ قَبْلَ أَنْ يَلْتَعِنَ، جُلِدَ الْحَدَّ وَلَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مرد کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے لعان کرتا ہے، پھر ایک قسم یا دو قسمیں کھانے کے بعد رک جاتا ہے اور اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے لیتا ہے، جب تک کہ وہ پانچویں دفعہ میں خود پر لعنت نہ ڈال لے، تو بلاشبہ وہ جب (پانچویں قسم میں خود پر) لعنت ڈالنے سے پہلے پہلے رک جائے تو اسے حد قذف (تہمت کی حد) لگے گی

اور (نہ ان میں لعان ہوگا اور) نہ ان کے درمیان جدائی ڈالی جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ، فَإِذَا مَضَتِ الثَّلَاثَةُ الأَشْهُرِ قَالَتِ الْمَرْأَةُ : أَنَا حَامِلٌ . قَالَ : إِنْ أَنْكَرَ زَوْجُهَا حَمْلَهَا ، لَاعَنَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، پھر جب تین ماہ گزر جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتی ہے کہ میں تو حاملہ ہوں، (انھوں نے) فرمایا کہ اگر خاوند اس کے حمل کا انکار کر دے تو وہ اس سے لعان کرے گا۔

فائدہ :...... کیونکہ حیض یا حمل کے بارے میں عورت کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جس عورت کو حیض نہ آئے اس کی وجہ یا تو حمل ہوتا ہے جس میں عدت لمبی بھی ہو سکتی ہے اور یا حیض نہ آنے کا سبب بیماری یا بڑھاپا ہوتا ہے تو اس میں تین ماہ عدت ہے، چنانچہ اگر تین ماہ پورے ہو جاتے اور عورت خاموش رہتی تو عدت ختم شمار کی جاتی لیکن تین ماہ بعد اس نے حمل کی بات کر دی جس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی مزید عدت باقی ہے اور ابھی بھی وہ آدمی کی بیوی ہے لہٰذا وہ آیت کے عموم میں داخل ہے اور خاوند تہمت لگائے تو دونوں میں لعان ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْأَمَةِ الْمَمْلُوكَةِ يُلَاعِنُهَا زَوْجُهَا ، ثُمَّ يَشْتَرِيهَا : إِنَّهُ لَا يَطَؤُهَا وَإِنْ مَلَكَهَا ، وَذَلِكَ أَنَّ السُّنَّةَ مَضَتْ ، أَنَّ الْمُتَلَاعِنَيْنِ لَا يَتَرَاجَعَانِ أَبَداً .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس لونڈی کے متعلق فرمایا جس کا خاوند اس سے لعان کرتا ہے، پھر اسے خرید لیتا ہے تو بلاشبہ وہ اس سے جماع نہ کر سکے گا، اگر چہ وہ اس کا مالک بن جائے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یقیناً سنت یہی جاری ہے کہ دو آپس میں لعان کرنے والے (میاں بیوی) کبھی بھی دوبارہ آپس میں رجوع نہیں کر سکیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا لَاعَنَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا ، فَلَيْسَ لَهَا إِلَّا نِصْفُ الصَّدَاقِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مرد اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ہی لعان کر لے تو عورت کو نصف حق مہر کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

فائدہ :...... بشرطیکہ حق مہر مقرر ہوا ہو۔ اگر چہ لعان سے فسخ نکاح ہوتا ہے اور طلاق نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی خاوند سے جدا کرنے میں دونوں مشابہ ہیں، اس لیے طلاق ہی کی طرح فسخ نکاح میں بھی جب یہ صورت سامنے آئے کہ حق مہر مقرر ہو لیکن مباشرت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف حق مہر لے گی۔ ہاں اگر حق مہر مقرر نہ ہو تو پھر عورت محروم رہے گی۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ سے جب سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ میرے مال (اسے دیے ہوئے حق مہر) کا کیا بنے گا؟ تو

آپ ﷺ نے سمجھایا کہ اگر تو نے سچ بولا تو پھر بھی مال واپس نہیں ملے گا کیونکہ تم نے اس مال کے بدلے عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا تھا اور یہ اس کا بدل ہے اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے پھر تو وہ (مال) تم سے اور زیادہ دور ہے۔ (بخاری: 5312) کیونکہ وہ شرم گاہ کے استعمال کا عوض بھی ہے اور جھوٹ کی سزا بھی...... امام مالک رحمہ اللہ کے فتوئی میں بیان کردہ صورت میں چونکہ شرم گاہ کو حلال نہیں کیا گیا اس لیے عورت کو حق مہر پورا نہیں ملے گا۔

14- بَابٌ: مِيرَاثُ وَلَدِ الْمُلَاعِنَةِ

لعان کرنے والی کے بچے کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مقطوع روایات یعنی آثار تابعین ہیں اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں۔

[1171] حَدَّثَنِي يَحْيَى، وعَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَقُولُ فِي وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ، وَوَلَدِ الزِّنَا: أَنَّهُ إِذَا مَاتَ وَرِثَتْهُ أُمُّهُ حَقَّهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى، وَإِخْوَتُهُ لِأُمِّهِ حُقُوقَهُمْ، وَيَرِثُ الْبَقِيَّةَ مَوَالِي أُمِّهِ، إِنْ كَانَتْ مَوْلَاةً، وَإِنْ كَانَتْ عَرَبِيَّةً وَرِثَتْ حَقَّهَا، وَوَرِثَ إِخْوَتُهُ لِأُمِّهِ حُقُوقَهُمْ، وَكَانَ مَا بَقِيَ لِلْمُسْلِمِينَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عروہ بن زبیر لعان کرنے والے کے بچے یعنی ولد زنا کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ بلاشبہ وہ مر جائے گا تو اس کی ماں اللہ کی کتاب میں مذکور اپنے حصے کے مطابق اس بچے (کے ترکے میں سے چھٹے یا تیسرے حصے) کی وارث بنے گی اور ماں کی طرف سے اس کے (اخیافی) بہن بھائی بھی اپنے مقرر حصے (ایک ہے تو چھٹا حصہ اور زیادہ ہیں تو تیسرے حصے) کے وارث بنیں گے اور باقی ماندہ مال کے وارث (عصبہ کے طور پر) اس کی ماں کے آزاد کرنے والے بنیں گے جس وقت کہ وہ ماں آزاد کردہ لونڈی ہو اور اگر وہ عربی ہو (شروع ہی سے آزاد عورت ہو) تو وہ (صرف) اپنے حصے کی اور بچے کے اخیافی بہن بھائی اپنے حصے کے وارث ہوں گے اور جو کچھ بھی باقی بچے گا وہ (تمام) مسلمانوں کے لیے (مشترکہ بیت المال میں جمع) ہو گا۔

[1172] قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ مِثْلُ ذَلِكَ، وَعَلَى ذَلِكَ أَدْرَكْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے سلیمان بن یسار سے بھی اس کی مثل روایت پہنچی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی کے مطابق ہی میں نے اپنے شہر (مدینہ) کے اہل علم کی رائے کو پایا ہے۔

فائدہ: ...... اگرچہ روایات ضعیف ہیں لیکن مسئلہ اسی طرح ہی ہے، یاد رہے کہ اگر اس بچے کی اپنی اولاد ہوئی

[1171] (مقطوع ضعيف) بيهقي: 259/6، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔
[1172] (مقطوع ضعيف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تو وہ اس کی وارث بنے گی، امام مالک رحمہ اللہ نے جو صورت ذکر کی ہے وہ اس وقت ہے جب یہ بچہ بے اولاد ہی مرا ہو۔

15- بَابٌ: طَلَاقُ الْبِكْرِ

کنواری لڑکی کی طلاق کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین موقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو کہ سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... شادی ہوتے ہی جس لڑکی کو قبل از مباشرت طلاق ہو جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں ہوتی۔ (الاحزاب: 49) لہٰذا اس سے رجوع بھی بغیر نکاح کے نہیں ہو سکتا، نیز وہ طلاق کے فوراً بعد کسی سے شادی کر سکتی ہے...... یاد رہے کہ چونکہ جمہور کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں جن میں امام مالک رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، اس لیے وہ اپنے موقف کے مطابق یہاں مسائل ذکر کر رہے ہیں، ورنہ اہل حدیث کے نزدیک چونکہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو مباشرت سے قبل ہی تین طلاقیں دے دی گئیں تو وہ ایک شمار ہوگی اور عدت نہ ہونے کی وجہ سے وہ فوراً کسی اور سے نکاح بھی کر سکتی ہے۔

[1173] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ، أَنَّهُ قَالَ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَنْكِحَهَا، فَجَاءَ يَسْتَفْتِي، فَذَهَبْتُ مَعَهُ أَسْأَلُ لَهُ، فَسَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَا: لَا نَرَى أَنْ تَنْكِحَهَا، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ. قَالَ: فَإِنَّمَا طَلَاقِي إِيَّاهَا وَاحِدَةٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّكَ أَرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلٍ.

محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے سے پہلے ہی اسے تین طلاقیں دے دیں، پھر اس کے دل میں آیا کہ اس سے دوبارہ نکاح کر لے، چنانچہ وہ فتویٰ لینے کے لیے آیا، میں بھی اس کے ساتھ چلا گیا تا کہ اس کے لیے سوال کر سکوں، اس نے سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں پوچھا تو دونوں نے کہا کہ ہم (یہ درست) نہیں سمجھتے کہ تو اس سے نکاح کرے (کیونکہ تین طلاقیں ہو چکی ہیں لہٰذا وہ تم پر حرام رہے گی) یہاں تک کہ وہ تیرے علاوہ کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کرے، وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ میری اس کو دی ہوئی طلاق صرف اور صرف ایک ہے (کیونکہ وہ ایک محفل کی تین طلاقیں تھیں اور میں نے ایک ہی

[1173] (موقوف صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث: 2198- بيهقي: 335/7 (14965، 14967- الشافعي في الام: (138/5) عبدالرزاق: 333/6 (11071)- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، نیز دیکھیے صحیح سنن ابی داود: 1924.

مراد لی تھی) تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ تو نے خود ہی اپنے ہاتھ سے اس زائد اختیار کو چھوڑ دیا جو کہ تیرے لیے (ثابت) تھا۔

فائدہ: ...... زائد اختیار یعنی دوسری اور تیسری طلاق کے مواقع تو نے خود ہی کھوئے ہیں۔

[1174] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ الْأَنْصَارِي، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثاً قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، قَالَ عَطَاءٌ: فَقُلْتُ إِنَّمَا طَلَاقُ الْبِكْرِ وَاحِدَةٌ. فَقَالَ لِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: إِنَّمَا أَنْتَ قَاصٌّ، الْوَاحِدَةُ تُبِينُهَا، وَالثَّلَاثَةُ تُحَرِّمُهَا، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی آیا، وہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق سوال کرنے لگا جس نے اپنی بیوی کو چھونے سے پہلے ہی اسے تین طلاقیں دے دیں، عطاء بن یسار رحمہ اللہ (کہتے ہیں کہ میں پہلے ہی بول پڑا اور) کہنے لگا کہ کنواری کی طلاق ایک ہی ہوتی ہے (اور اس کے بعد وہ حرام ہو جاتی ہے) تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مجھ سے فرمانے لگے: تو تو صرف اور صرف قصہ گو ہے (جو بغیر سوچے سمجھے بولتا رہتا ہے) ایک طلاق اسے جدا کر دیتی ہے (یعنی کنواری کی پہلی طلاق ہی بائنہ ہوتی ہے جس میں رجوع نہیں ہوتا لیکن اس سے وہ حرام نہیں ہوتی، طلاق دینے والا اس سے فوراً دوبارہ نکاح بھی کر سکتا ہے) اور تین طلاقیں اسے حرام کر دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے شادی کر لے۔

[1175] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ الْأَنْصَارِي، أَنَّهُ كَانَ جَالِساً مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ:

معاویہ بن ابی عیاش انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عاصم بن عمر بن خطاب کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ کہتے ہیں کہ (اتنے میں) محمد بن ایاس بن بکیر آئے اور کہنے لگے کہ صحراء والوں میں سے ایک شخص (ایک بدوی آدمی) نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول

[1174] (موقوف صحیح) بيهقى السنن الكبرى: 335/7- وفى معرفة السنن والآثار: 490/5 (4467)- الشافعي في الام: 138/5- وفى المسند: 72/2- عبدالرزاق: 334/6 (11074)- طحاوى فى شرح معانى الآثار: 58/3- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1175] (موقوف صحيح) بيهقى السنن الكبرى: 335/7، 355، وفى معرفة السنن والآثار: 490/5 (4468)- الشافعى فى الام: 138/5- وفى المسند: 71/2- طحاوى فى شرح معانى الآثار: 57/3- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فَجَاءَ هُمَا مُحَمَّدُ بْنُ إِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ، فَقَالَ: إِنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَمَاذَا تَرَيَانِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ: إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ مَا لَنَا فِيهِ قَوْلٌ، فَاذْهَبْ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ، فَإِنِّي تَرَكْتُهُمَا عِنْدَ عَائِشَةَ فَسَلْهُمَا، ثُمَّ ائْتِنَا فَأَخْبِرْنَا. فَذَهَبَ فَسَأَلَهُمَا، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: أَفْتِهِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَقَدْ جَاءَتْكَ مُعْضِلَةٌ. فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: الْوَاحِدَةُ تُبِينُهَا، وَالثَّلَاثَةُ تُحَرِّمُهَا، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِثْلَ ذَلِكَ أَيْضًا.

کرنے سے قبل ہی اسے تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ دونوں اس کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں؟ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ بلاشبہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے متعلق ہم تک (احادیث میں سے) کوئی قول نہیں پہنچا، لہٰذا تم سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے پاس چلے جاؤ، میں ان دونوں کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں، (وہ دونوں وہیں ان سے مسائل پوچھ رہے ہیں) ان دونوں سے پوچھ کر پھر ہمارے پاس بھی آنا اور ہمیں بھی بتانا (کہ وہ کیا کہتے ہیں) چنانچہ وہ (محمد بن ایاس) چلے گئے اور ان سے (یہی) سوال کیا تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوہریرہ! اسے فتویٰ دیجیے، یقیناً آپ کے پاس یہ ایک مشکل مسئلہ آیا ہے، تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ایک طلاق (ہی) اسے جدا کر دیتی ہے (اور رجوع نہیں ہوسکتا البتہ نیا نکاح ہوسکتا ہے) اور تین طلاقیں اسے حرام کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اسی کے مطابق حکم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالثَّيِّبُ إِذَا مَلَكَهَا الرَّجُلُ، فَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا، إِنَّهَا تَجْرِي مَجْرَى الْبِكْرِ، الْوَاحِدَةُ تُبِينُهَا، وَالثَّلَاثُ تُحَرِّمُهَا، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: شوہر دیدہ (بیوہ یا مطلقہ) عورت کو جب اس کا (نیا) خاوند اس (کے معاملے) کا مالک بنا دے (کہ تمھاری مرضی ہے، میرے پاس رہو یا نہ رہو) اور اس نے اس کے ساتھ مباشرت بھی نہ کی ہو تو اس کا معاملہ بھی کنواری لڑکی جیسا ہوگا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دیتی ہے اور تین طلاقیں اسے حرام کر دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔

16- بَابٌ: طَلَاقُ الْمَرِيْضِ

بیمار آدمی کی طلاق کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں جن میں سے چار موقوف (آثار صحابہ) اور ایک مقطوع (اثر تابعی) ہے، موقوف روایات میں سے تین ضعیف ہیں اور ایک صحیح ہے اور مقطوع روایت بھی سنداً صحیح ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ:...... چھوٹی موٹی بیماریاں تو آدمی کے ساتھ رہتی ہی ہیں، اس لیے طلاق کے معاملے میں ان کا کوئی دخل اور کوئی اہمیت نہیں ہے، البتہ مرض الموت میں دی ہوئی طلاق میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید خاوند نے اپنی بیوی کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے طلاق دی ہو، اس لیے بہت سے علماء اس طلاق کی عدت گزرنے کے بعد بھی عورت کو خاوند کے ترکے سے وراثت کا حقدار دیتے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ طلاق ہی کالعدم تھی۔ جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک یہ طلاق واقع تو ہو جائے گی البتہ وراثت کے معاملے میں ان کا اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی عورت ضرور وارث بنے گی خواہ کسی اور شخص سے شادی کر چکی ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر عورت نے خاوند کی وفات کے وقت کسی اور شخص سے شادی نہ کر لی ہو تو وارث بنے گی خواہ عدت گزر چکی ہو۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ (اپنے مشہور قول میں) اسی طرح متعدد صحابہ و تابعین کہتے ہیں کہ اگر وہ عورت عدت میں ہو تو وارث بنے گی ورنہ نہیں۔

[1176] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ - قَالَ وَكَانَ أَعْلَمَهُمْ بِذَلِكَ - وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَوَرَّثَهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنْهُ، بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا.

طلحہ بن عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ جو کہ اس حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (دونوں) سے روایت ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی (ابوسلمہ کی والدہ تماضر بنت اصبغ رضی اللہ عنہا) کو بتہ طلاق دے دی۔ اس حال میں کہ وہ مریض تھے تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کی عدت گزر جانے کے بعد بھی (اپنے خاوند کے ترکے سے) وراثت دی۔

[1177] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

(عبدالرحمٰن بن ہرمز) اعرج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک

[1176] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 362/7 (15126) وفى معرفة السنن والآثار: 456/5 (4418)- الشافعى فى الام: 138/5، 254- وفى المسند: 111/2- عبدالرزاق: 12195- ابن ابى شيبه: 19062- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1177] (موقوف ضعيف) بيهقى: 362/7- عبدالرزاق: 12196- ابن ابى شيبه: 19028، 19035- شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

بْـنِ الْـفَـضْـلِ ، عَـنِ الْأَعْرَجِ :أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَـفَّـانَ وَرَّثَ نِسَـاءَ ابْـنِ مُكْمِلٍ مِنْهُ ، وَكَانَ طَلَّقَهُنَّ وَهُوَ مَرِيضٌ .

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے (عبداللہ) ابن مکمل رضی اللہ عنہ کی عورتوں کو اس کا وارث بنایا جبکہ ابن مکمل رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حال میں طلاق دی تھی کہ وہ مریض تھے۔

فائدہ: ...... وہ طلاق دینے کے بعد مزید دو سال زندہ رہے اور پھر وفات پائی۔ (عبدالرزاق) پھر بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تین بیویوں کو ان کی وراثت سے حصہ دیا۔ (عبدالرزاق) مکمل بن عوف سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے،عبداللہ بن مکمل رضی اللہ عنہ کو طبری وغیرہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔

[1178] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، أَنَّـهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقُولُ : بَلَغَنِي أَنَّ امْـرَأَةَ عَبْـدِ الـرَّحْـمَـنِ بْنِ عَوْفٍ سَـأَلَتْـهُ أَنْ يُـطَـلِّـقَـهَـا ، فَـقَالَ : إِذَا حِضْتِ ، ثُمَّ طَهُرْتِ فَـآذِنِـيـنِـي ، فَـلَـمْ تَـحِضْ حَتَّى مَرِضَ عَبْدُ الـرَّحْـمَـنِ بْـنُ عَـوْفٍ ، فَلَمَّا طَهُرَتْ آذَنَتْهُ، فَـطَـلَّـقَـهَـا الْبَتَّةَ ، أَوْ تَـطْلِيقَةً لَمْ يَكُنْ بَقِيَ لَهُ عَلَيْهَا مِنَ الطَّلَاقِ غَيْرُهَا ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَـوْفٍ يَـوْمَـئِـذٍ مَرِيضٌ ، فَوَرَّثَهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنْهُ ، بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا .

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے طلاق مانگی تو انھوں نے کہا کہ جب تجھے حیض آئے، پھر تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو مجھے بتانا، لیکن انھیں (ابھی) حیض نہ آیا تھا یہاں تک کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (اپنے آخری) مرض میں مبتلا ہوگئے پھر (ان کی بیوی کو حیض آیا اور) جب وہ پاک ہوئیں تو انھوں نے خاوند کو اطلاع دے دی، چنانچہ انھوں نے ان کو طلاق بتہ یعنی تین طلاقیں دے دیں (راوی کہتے ہیں کہ) یا ایک طلاق دے دی کہ جس کے علاوہ ان کے لیے بیوی پر کوئی اور طلاق باقی نہ تھی اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انھیں عدت مکمل ہو جانے کے بعد بھی ان کا وارث بنایا۔

[1179] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ قَالَ :

محمد بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میرے دادا حضرت حبان (انصاری) رضی اللہ عنہ کے پاس دو

[1178] (موقوف ضعيف)بيهقي في السنن الكبرى: 363/7 (15129)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 502/5 (4488) وفي الخلافيات: 135/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1179] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 419/7 (15409، 15410) وفي السنن الصغير: 152/3 (2778)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 32/6 (4619)۔ الشافعي في الام: 212/5۔ عبدالرزاق: 11102۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

كَانَتْ عِنْدَ جَدِّي حَبَّانَ امْرَأَتَانِ ، هَاشِمِيَّةٌ وَأَنْصَارِيَّةٌ ، فَطَلَّقَ الْأَنْصَارِيَّةَ وَهِيَ تُرْضِعُ ، فَمَرَّتْ بِهَا سَنَةٌ ، ثُمَّ هَلَكَ عَنْهَا وَلَمْ تَحِضْ ، فَقَالَتْ : أَنَا أَرِثُهُ ، لَمْ أَحِضْ ، فَاخْتَصَمَتَا إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ، فَقَضَى لَهَا بِالْمِيرَاثِ ، فَلَامَتِ الْهَاشِمِيَّةُ عُثْمَانَ ، فَقَالَ : هَذَا عَمَلُ ابْنِ عَمِّكِ ، هُوَ أَشَارَ عَلَيْنَا بِهَذَا . يَعْنِي عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ .

بیویاں تھیں، ایک ہاشمی خاندان کی اور ایک انصاریہ، پھر انھوں نے انصاریہ بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ (ان کے بچے کو) دودھ پلا رہی تھی، پھر اسے (عدت طلاق کے دوران پورا) ایک سال گزر گیا، پھر حضرت حبان رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے اور انھیں حیض نہ آیا، (کیونکہ وہ دودھ پلا رہی تھی اور نفاس ختم ہونے کے بعد حیض آنے میں تاخیر ہوگئی۔ حیض نہ آئے تو عدت طلاق تین ماہ ہوتی ہے اور حیض آتا ہو تو تین حیض اب دوسری بیوی کہتی کہ تین مہینے پورے ہوگئے تھے، تیرا تعلق ختم ہوگیا تھا اس لیے ترکے کا آٹھواں حصہ صرف اور صرف میرا ہے اور وہ انصاریہ کہتی کہ میری عدت حیض سے شمار ہوگی اور حیض ابھی آیا نہیں، لہٰذا نہ عدت ختم، نہ تعلق ختم اس لیے خاوند کی وراثت کے آٹھویں حصے میں ہم دونوں شریک ہیں) چنانچہ وہ کہنے لگیں کہ میں ان کی وارث بنتی ہوں (کیونکہ) مجھے (ابھی تک) حیض نہیں آیا (اور عدت باقی ہے) پھر دونوں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑا لے کر گئیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وراثت کا فیصلہ فرما دیا تو ہاشمیہ بیوی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ملامت کی (اور برا بھلا کہنے لگی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ فیصلہ تو تیرے چچا کے بیٹے کا ہے، انھوں نے ہی ہمیں اس کا اشارہ دیا تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مراد لے رہے تھے۔

فائدہ :...... ہاشمیہ بیوی نے سمجھا کہ شاید سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خاندانی مخالفت کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے سمجھایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تو ہاشمی ہیں اور یہ فتویٰ بھی اصل میں انھی کا ہے۔ متعدد شارحین کہتے ہیں کہ اس روایت کا باب سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ تعلق تو واضح ہے کہ گزشتہ روایات کے قصوں کی طرح اس روایت میں بھی ایک عورت کو اس کے خاوند کی زندگی کے اختتامی مرحلے میں طلاق ملی ہے جس میں قوی امکان اور غالب گمان یہی ہے کہ خاوند اس وقت آخری مرض میں گرفتار تھا۔ واللہ اعلم

[1180] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ : إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا وَهُوَ مَرِيضٌ ، فَإِنَّهَا تَرِثُهُ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اس حال میں تین طلاقیں دے کہ وہ (آدمی) بیمار ہو تو بلاشبہ بیوی اس کی وارث بنے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ طَلَّقَهَا وَهُوَ مَرِيضٌ ، قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا ، فَلَهَا نِصْفُ الصَّدَاقِ ، وَلَهَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر خاوند اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے اسے اس حال میں طلاق دے کہ

[1180] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

الْمِيرَاثُ، وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا، وَإِنْ دَخَلَ بِهَا، ثُمَّ طَلَّقَهَا، فَلَهَا الْمَهْرُ كُلُّهُ وَالْمِيرَاثُ، الْبِكْرُ وَالثَّيِّبُ فِي هٰذَا عِنْدَنَا سَوَاءٌ.

وہ مریض ہو تو عورت کے لیے نصف حق مہر ہوگا اس کے لیے وراثت بھی ہوگی (کیونکہ مرض الموت کی طلاق ہے) اور اس کے لیے کوئی عدت نہ ہوگی (جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت: 49 میں ہے) اور اگر وہ اس سے مباشرت کر لے پھر طلاق دے تو اس کے لیے پورا حق مہر ہے اور وراثت بھی ہوگی۔ امام مالک ؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اس معاملے میں کنواری لڑکی اور شوہر دیدہ (بیوہ یا مطلقہ) عورت برابر ہیں۔

17- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي مُتْعَةِ الطَّلَاقِ

طلاق کے (وقت عورت کو مال کی صورت میں کچھ) فائدہ دینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو موقوف ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، دو مقطوع ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔ نیز امام مالک ؒ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ: ......ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ: 241) ''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں دستور کے مطابق کچھ فائدہ پہنچانا چاہیے، یہ متقی لوگوں پر حق (لازم) ہے۔'' یعنی طلاق دینے کا مطلب یہ نہیں کہ اخلاقی طور پر بھی بے رخی برتی جائے، مطلقہ عورتوں کو کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے، جس عورت کو مباشرت سے قبل طلاق ہو جائے اور مہر بھی متعین نہ ہو تو اس کے لیے متعہ یعنی کوئی نہ کوئی فائدے کی چیز مثلاً ایک سوٹ دینا واجب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (البقرۃ: 236) ''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جبکہ تم نے انھیں نہ ہاتھ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو اور انھیں کچھ مال ومتاع دے دو، وسعت والے آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق (لازم) ہے، معروف طریقے سے فائدہ پہنچانا ہے (اور یہ) نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔'' ان کے علاوہ باقی ہر مطلقہ عورت کو چونکہ مکمل یا نصف حق مہر مل ہی جاتا ہے اس لیے انھیں مزید فائدہ دینا مستحب ہے، واجب نہیں۔ ایسی عورتوں کی تین قسمیں بنتی ہیں: (1) جن سے مباشرت نہ کی ہو لیکن حق مہر مقرر ہو، انھیں نصف حق مہر ملتا ہے۔ (2) جن سے مباشرت کی ہو اور حق مہر مقرر ہو، انھیں مکمل حق مہر ملتا ہے۔ (3) جن سے مباشرت ہو اور حق مہر مقرر نہ ہو، انھیں مہر مثل ملتا ہے۔

[1181] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ، فَمَتَّعَ بِوَلِيدَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی (حضرت تماضر بنت اصبغ رضی اللہ عنہا) کوطلاق دے دی پھر اُسے ایک لونڈی (متعہ کے طور پر) فائدے میں دے۔

[1182] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ مُتْعَةٌ، إِلَّا الَّتِي تُطَلَّقُ وَقَدْ فُرِضَ لَهَا صَدَاقٌ، وَلَمْ تُمَسَّ، فَحَسْبُهَا نِصْفُ مَا فُرِضَ لَهَا.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ ہر طلاق یافتہ عورت کے لیے ''متعہ'' (فائدے کا سامان واجب) ہے، سوائے اس عورت کے جسے اس حال میں طلاق دی جائے کہ اس کے لیے حق مہر مقرر کیا جا چکا ہو اور خاوند نے اسے ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے لیے اس حق مہر کا نصف ہی کافی ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

فائدہ: ...... امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بالکل اسی طرح ہے۔

[1183] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ مُتْعَةٌ.

ابن شہاب سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے ''متعہ'' ہے۔

[1184] قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ مِثْلُ ذٰلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے قاسم بن محمد سے بھی اسی کی مثل روایت پہنچی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ لِلْمُتْعَةِ عِنْدَنَا حَدٌّ مَعْرُوفٌ، فِي قَلِيلِهَا وَلَا كَثِيرِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ''متعہ'' (مطلقہ عورت کو دیے جانے والے فائدے کے سامان) میں ہمارے ہاں کوئی حد متعین نہیں ہے، نہ قلیل کی نہ کثیر کی۔

[1181] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 244/7 (14407) وفي الخلافيات: 107/2- عبدالرزاق: 12253، 12254- ابن ابي شيبه: 18701- سعيد بن منصور: 1768، 1769- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1182] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 257/7 (14491) وفي الصغير: 78/3 (2554) وفي معرفة السنن والآثار: 401/5 (4332)- الشافعي في الام: 31/7- عبدالرزاق: 12224- ابن ابي شيبة: 18692- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1183] (مقطوع صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 401/5 (4334)- وفي الخلافيات: 107/2- الشافعي في الام: 255/7- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1184] (مقطوع ضعيف) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 401/5 (4333)- الشافعي في الام: 255/7- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ :......جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾ (البقرہ: 236) ''اور انھیں کچھ مال ومتاع دو، وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق (لازم) ہے۔''

18- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْعَبْدِ

غلام کی طلاق کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ موقوف روایات یعنی آثار صحابہ ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور باقی سب صحیح ہیں۔

فائدہ :......امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک طلاق کی تعداد، طلاق دینے والے مرد کے اعتبار سے متعین ہوتی ہے، اگر وہ آزاد ہے تو تین طلاقیں دے گا خواہ بیوی آزاد ہو یا کسی کی لونڈی ہو، اور اگر وہ مرد غلام ہو تو صرف دو طلاقیں دے سکتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا لونڈی...... جبکہ احناف کے ہاں طلاق کی تعداد میں عورت کا اعتبار ہوگا، ان کے ہاں اگر عورت آزاد ہے تو اسے تین طلاقیں لینے کا حق ہے خواہ اس کا خاوند غلام ہو یا آزاد اور اگر بیوی کسی کی لونڈی ہو تو صرف دو طلاقیں اس کا حق ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک راجح یہ ہے کہ خاوند بیوی میں سے کوئی ایک حالت غلامی میں ہو تو اس کا اعتبار ہوگا، چنانچہ خاوند غلام ہے تو دو طلاقیں ہی دے سکتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو جیسا کہ اس باب میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی بات منقول ہے۔ اور بیوی کسی کی لونڈی ہو تو اسے دو ہی طلاقیں ملیں گی، اس پر دلالت کرنے والی احادیث بھی موجود ہیں اگر چہ ان کی سند میں ضعف ہے۔

[1185] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ نُفَيْعاً مُكَاتَباً كَانَ لِأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَوْ عَبْداً لَهَا، كَانَتْ تَحْتَهُ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ، فَطَلَّقَهَا اثْنَتَيْنِ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، فَأَمَرَهُ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَأْتِيَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، فَيَسْأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَلَقِيَهُ عِنْدَ الدَّرَجِ آخِذاً بِيَدِ زَيْدِ

سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ نفیع جو کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ کا مکاتب غلام تھا (یعنی ایسا غلام تھا کہ جس کے ساتھ چند سالوں میں متعین رقم ادا کر کے آزاد ہونا طے کر لیا اور لکھ لیا جاتا ہے) یا وہ (عام قسم کا) غلام تھا، اس کے نکاح میں ایک آزاد عورت تھی، اس نے اسے دو طلاقیں دے دیں، پھر ارادہ کیا کہ اس سے رجوع کر لے تو نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اسے

[1185] (موقوف صحيح لغيره) بيهقي في السنن الكبرى: 360/7، 368- وفي معرفة السنن والآثار: 508/5 (4496)- الشافعي في الام: 258/5- وفي المسند: 76/2- عبدالرزاق: 235/7 (12949) ابن ابي شيبه: 18242- سعيد بن منصور: 1328- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

بْنِ ثَابِتٍ ، فَسَأَلَهُمَا ، فَابْتَدَرَاهُ جَمِيعاً فَقَالاَ : حَرُمَتْ عَلَيْكَ ، حَرُمَتْ عَلَيْكَ .

حکم دیا کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور اس بارے میں ان سے پوچھ لے۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس حال میں ملا کہ وہ ''درج'' نامی جگہ پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، اس نے ان دونوں سے یہ سوال کیا تو ان دونوں نے اکٹھے ہی جلدی سے جواب دیا کہ وہ تجھ پر حرام ہوگئی ہے، وہ تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔

[1186] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ نُفَيْعاً مُكَاتَباً كَانَ لأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، طَلَّقَ امْرَأَةً حُرَّةً تَطْلِيقَتَيْنِ ، فَاسْتَفْتَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَقَالَ : حَرُمَتْ عَلَيْكَ .

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ نفیع جو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کا مکاتب غلام تھا، نے ایک آزاد بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، پھر اس نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے فتویٰ طلب کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔

[1187] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ : أَنَّ نُفَيْعاً مُكَاتَباً كَانَ لأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، اسْتَفْتَى زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ : إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَةً حُرَّةً تَطْلِيقَتَيْنِ . فَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ : حَرُمَتْ عَلَيْكَ .

محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے روایت ہے کہ بے شک نفیع جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کا مکاتب غلام تھا، اس نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فتویٰ طلب کیا، چنانچہ کہنے لگا کہ یقیناً میں نے ایک آزاد عورت کو دو طلاقیں دے دی ہیں تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔

[1188] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : إِذَا طَلَّقَ الْعَبْدُ

نافع سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب غلام اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے

[1186] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 368/7- وفی معرفة السنن والآثار: 499/5 (4483)- الشافعی فی الام: 258/5 ، وفی المسند: 77/2- عبدالرزاق: 234/7 (12944)- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[1187] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 369/7- وفی معرفة السنن والآثار: 499/6 (4482)- الشافعی فی الام: 258/5- وفی المسند: 76/2- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1188] (موقوف صحیح) بیهقی فی السن الکبریٰ: 369/7- وفی معرفة السنن والآثار: 509/5 (4497)- الشافعی فی الام: 257/5- دارقطنی: 37/4 (3954)- طحاوی فی شرح معانی الآثار: 62/3- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَتَيْنِ، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ، حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ، حُرَّةً كَانَتْ أَوْ أَمَةً، وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ ثَلَاثُ حِيَضٍ، وَعِدَّةُ الأَمَةِ حَيْضَتَانِ.

دے تو یقیناً وہ اس پر حرام ہوگئی (اور حرام ہی رہے گی) یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے، خواہ (وہ بیوی) آزاد ہو یا لونڈی اور آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے اور لونڈی کی دو حیض ہے۔

[1189] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ أَذِنَ لِعَبْدِهِ أَنْ يَنْكِحَ، فَالطَّلَاقُ بِيَدِ الْعَبْدِ، لَيْسَ بِيَدِ غَيْرِهِ مِنْ طَلَاقِهِ شَيْءٌ، فَأَمَّا أَنْ يَأْخُذَ الرَّجُلُ أَمَةَ غُلَامِهِ، أَوْ أَمَةَ وَلِيدَتِهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ.

نافع سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، جس شخص نے اپنے غلام کو یہ اجازت دی کہ وہ نکاح کر لے تو طلاق (کا اختیار) غلام کے ہاتھ میں ہے، اس کی طلاق (کے اختیار) میں سے کچھ بھی کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہے، رہی یہ صورت کہ آدمی اپنے غلام کی لونڈی لے لے یا اپنی لونڈی کی لونڈی کو پکڑ لے (اور اس سے مباشرت کر لے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

فائدہ: ...... کیونکہ غلام لونڈی کا سارا مال بھی مالک ہی کے اختیار میں ہوتا ہے لیکن یہ بات حتمی ہے کہ کسی عورت کے ساتھ ایک وقت میں دو شخص مباشرت کا اختیار نہیں رکھتے۔ اگر آدمی اپنے غلام کی لونڈی سے مباشرت کرنا چاہتا ہے تو پھر غلام اس سے مباشرت نہیں کر سکتا۔

19- بَابٌ: نَفَقَةُ الْأَمَةِ إِذَا طُلِّقَتْ وَهِيَ حَامِلٌ

لونڈی کو جب حالت حمل میں طلاق ملے تو اس کے نفقہ (خرچہ) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں روایت تو کوئی نہیں البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلَى حُرٍّ وَلَا عَبْدٍ طَلَّقَا مَمْلُوكَةً، وَلَا عَلَى عَبْدٍ طَلَّقَ حُرَّةً طَلَاقاً بَائِناً نَفَقَةٌ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلاً، إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: نہ تو اس آزاد مرد پر اور نہ اس غلام پر نفقہ واجب ہے جنھوں نے کسی کی لونڈی کو طلاق دی ہو اور نہ اس غلام پر نفقہ واجب ہے جس نے کسی آزاد عورت کو طلاق بتہ دی ہو، خواہ وہ عورت حالت حمل میں ہو (یعنی) جس وقت کہ آدمی کے لیے عورت پر رجوع کا حق نہ ہو۔

[1189] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 360/7 (15114)- وفی السنن الصغیر: 125/3 (2696) وفی معرفة السنن والآثار: 498/5، 499 (4480، 4481)- عبدالرزاق: 12968- ابن ابی شیبه: 18283- سعید بن منصور: 795- شیخ سلیم کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

فائدہ: ..... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق بتہ یعنی غیر رجعی طلاق میں بھی ہر قسم کی حاملہ بیوی کا نان ونفقہ خاوند پر واجب ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر حاملہ اور ہر غیر حاملہ بیوی کا نان ونفقہ خاوند کے ذمے واجب رہتا ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رجعی طلاق میں تو بیوی کا نان ونفقہ اور رہائش خاوند پر واجب ہے لیکن غیر رجعی طلاق میں غیر حاملہ کے لیے صرف رہائش واجب ہے اور حاملہ کے لیے رہائش بھی اور نان ونفقہ بھی، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تیسری طلاق میں خاوند پر نہ نفقہ واجب ہے اور نہ رہائش، البتہ حاملہ کے لیے نفقہ لازم ہے۔ ..... مذکورہ بالافتویٰ میں امام مالک رحمہ اللہ نے تین قسم کی عورتوں کے لیے نان ونفقہ نہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور ایک کا ذکر چھوڑ دیا ہے، یعنی وہ آزاد عورت جسے آزاد مرد طلاق دے کیونکہ ایسی آزاد حاملہ عورت کا نان ونفقہ تو قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: 6) ''اور اگر وہ (طلاق یافتہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل (بچہ جننے) تک تم ان پر خرچ کرو۔''

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ عَلَى حُرٍّ أَنْ يَسْتَرْضِعَ ابْنَهُ، وَهُوَ عِنْدَ قَوْمٍ آخَرِينَ، وَلَا عَلَى عَبْدٍ أَنْ يُنْفِقَ مِنْ مَالِهِ عَلَى مَا لَا يَمْلِكُ سَيِّدُهُ، إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آزاد آدمی پر یہ لازم نہیں کہ وہ اپنے اس بیٹے کو دودھ پلوائے (اور رضاعت کا خرچہ برداشت کرے) جو دوسرے لوگوں کا غلام ہو اور نہ ہی غلام پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس شخص پر خرچ کرے جو اس کے آقا کی ملکیت نہ ہو، مگر اپنے آقا کی اجازت سے کر سکتا ہے۔

فائدہ: ..... اس فتویٰ کے پہلے حصے کا مفہوم یہ ہے کہ آزاد شخص نے کسی لونڈی سے شادی کی جس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ چونکہ اپنی ماں ہی کی طرح ماں کے آقاؤں کا غلام رہے گا اس لیے اس کا نان ونفقہ بھی انھی آقاؤں کے ذمے ہوگا، (آج وہ بچے پر خرچ کریں گے تو کل بڑا ہو کر یہ بچہ انھیں کما کر دے گا یا وہ اسے بیچ کر پیسے کما لیں گے) آزاد شخص کا صرف اپنی لونڈی سے پیدا ہونے والا بچہ آزاد شمار ہوتا ہے۔ ..... فتویٰ کے دوسرے حصے کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے غلام نے کسی اور کی لونڈی سے نکاح کیا، پھر بچہ پیدا ہوا تو وہ باپ ہونے کے باوجود اپنا ذاتی مال اپنے بچے پر خرچ نہیں کرے گا کیونکہ اس کا اپنا مال بھی دراصل اس کے آقا کا ہے لہٰذا اس آقا سے اجازت لینا لازم ہے، ہاں اگر اس کی بیوی اس کے اپنے آقا ہی کی لونڈی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ خود بھی اور اس کی لونڈی بھی، ان کا مال بھی اور بچے بھی سب کچھ ان کے آقا ہی کی ملکیت ہے۔

20- بَابٌ: عِدَّةُ الَّتِي تَفْقِدُ زَوْجَهَا

اس عورت کی عدت کا بیان جس کا شوہر گم ہو جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

[1190] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا، فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ، فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِينَ، ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، ثُمَّ تَحِلُّ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کوئی عورت اپنے خاوند کو گم پائے، پھر نہ جان سکے کہ وہ کہاں ہے تو یقیناً وہ چار سال تک انتظار کرے گی، پھر (اسے مردہ شمار کر کے) چار ماہ دس دن (وفات والی) عدت گزارے گی پھر (دوسرے لوگوں سے شادی کے لیے) وہ حلال ہو جائے گی۔

فائدہ :...... امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی مروی ہے اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف تھا، جبکہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ اپنے جدید قول میں اور امام احمد رحمہ اللہ ایک روایت میں یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت شادی نہیں کر سکتی جب تک کہ اتنی مدت نہ گزر جائے جس میں اس خاوند کی عمر کے لوگ عموماً زندہ رہتے ہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی حد سو سال، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے ستر سال مقرر کی ہے۔ جمہور اہل حدیث کے ہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف راجح ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قاضی کی صوابدید پر ہے، وہ چار سال سے کم عرصے کا بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ تَزَوَّجَتْ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا، فَدَخَلَ بِهَا زَوْجُهَا، أَوْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا، فَلَا سَبِيلَ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ إِلَيْهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر اس عورت نے اپنی عدت پوری ہونے کے بعد شادی کر لی، پھر اس کا خاوند اس کے ساتھ دخول کرے یا نہ کرے، (ہر دو صورت میں) پہلے خاوند کا اس پر کوئی اختیار باقی نہ رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا، وَإِنْ أَدْرَكَهَا زَوْجُهَا قَبْلَ أَنْ تَتَزَوَّجَ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے۔ ہاں اگر اس کا خاوند اس کے شادی کرنے سے پہلے پہلے

[1190] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 445/7 (15566)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 71/6 (4690)۔ الشافعي في الام: 235/7۔ عبدالرزاق: 12323۔ ابن ابي شيبه: 16712۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

اسے پالے تو پھر وہی اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَأَدْرَكْتُ النَّاسَ يُنْكِرُونَ ، الَّذِي قَالَ بَعْضُ النَّاسِ ، عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ : يُخَيَّرُ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ إِذَا جَاءَ فِي صَدَاقِهَا ، أَوْ فِي امْرَأَتِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بعض لوگوں کو پایا، وہ اس بات کا انکار کرتے تھے جو کچھ لوگ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جب اس کا پہلا خاوند آ جائے گا تو اسے عورت کو دیے ہوئے اپنے حق مہر (کے واپس لے لینے) میں یا اپنی بیوی (کو دوبارہ اپنے نکاح میں لے لینے) میں اختیار دیا جائے گا۔

فائدہ :... امام مالک رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قول درست نہیں ہے، حالانکہ یہ قول سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما دونوں سے ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں ثابت ہے اور یہ اختیار والی بات راجح بھی محسوس ہوتی ہے۔ البتہ اگر یہ گمشدگی مصنوعی تھی یا خاوند محض عورت کو اذیت دینا چاہتا تھا تو پھر عورت کو پہلے خاوند کی طرف نہ لوٹانا راجح ہے۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ : وَبَلَغَنِي أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ فِي الْمَرْأَةِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا ، ثُمَّ يُرَاجِعُهَا فَلَا يَبْلُغُهَا رَجْعَتُهُ ، وَقَدْ بَلَغَهَا طَلَاقُهُ إِيَّاهَا ، فَتَزَوَّجَتْ : أَنَّهُ إِنْ دَخَلَ بِهَا زَوْجُهَا الْآخَرُ ، أَوْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا ، فَلَا سَبِيلَ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ الَّذِي كَانَ طَلَّقَهَا إِلَيْهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق فرمایا جسے اس کا خاوند طلاق دے دیتا ہے اس حال میں کہ وہ اس کے پاس موجود نہیں ہوتا، پھر وہ اس سے رجوع بھی کر لیتا ہے، لیکن عورت کو اس کے رجوع کی خبر نہیں پہنچتی، البتہ اسے یہ خبر مل جاتی ہے کہ خاوند نے اسے طلاق دے دی تھی، چنانچہ وہ نیا نکاح کر لیتی ہے۔ (تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ اس کا دوسرا خاوند اس سے دخول کرے یا نہ کرے (دونوں صورتوں میں) اس کے پہلے خاوند جس نے اسے طلاق دی تھی کو اس پر کوئی اختیار نہیں رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي هَذَا وَفِي الْمَفْقُودِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس (مذکورہ شخص) اور گم شدہ خاوند کے بارے میں میں نے جو کچھ بھی سنا ہے اس میں سے یہی بات مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔

21- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْأَقْرَاءِ وَعِدَّةِ الطَّلَاقِ وَطَلَاقِ الْحَائِضِ

"اَقْرَاء" کے مفہوم، عدت طلاق اور حیض والی عورت کی طلاق کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دس روایات ہیں، ایک مرفوع حدیث نبوی، تین موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور چھ مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں، دو مقطوع روایات ضعیف ہیں جبکہ باقی آٹھوں روایات سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ: ..... "اَقْرَاء" اور "قُرُوْء" دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں کا مفرد "قَرْء" ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی ان الفاظ میں سے ہے جو متضاد معانی کے لیے مستعمل ہیں چنانچہ اس کے معنی حیض اور طہر دونوں مراد لیے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان شدہ عدت طلاق میں اس لفظ کے مفہوم میں دونوں اقوال ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرة: 228) ''اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک انتظار میں رکھیں۔''

جمہور کے نزدیک اس سے تین حیض مراد ہیں، جبکہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے تین طہر مراد ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب طلاق کے بعد تیسرا حیض آئے گا کہ جس سے پہلے تین طہر گزر چکے ہوں گے تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک عدت ختم ہو چکی ہوگی جبکہ جمہور کے نزدیک تیسرا حیض ختم ہونے تک عدت باقی رہے گی اور عورت ابھی کسی دوسرے شخص کے لیے حلال نہ ہوگی۔ عدت طلاق چار قسم کی ہے: (1) جس عورت کو مباشرت سے پہلے ہی طلاق مل جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ (الاحزاب: 49) مطلقہ حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ہے۔ (الطلاق: 4) جس مطلقہ عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے۔ (البقرہ: 228) اور اگر بچپن یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے اسے حیض نہ آتا ہو تو عدت تین ماہ ہے۔ (الطلاق: 4) حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ بدعی طلاق ہے لیکن اگر کوئی دے دے تو واقع ہو جاتی ہے۔

[1191] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں اپنی بیوی (آمنہ بنت غفار رضی اللہ عنہا) کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حیض والی تھیں، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس

[1191] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب وقول الله تعالى يا ايها النبي اذا طلقتم النساء، حديث: 5251، 5253، 49089، 5258، 5264، 5332، 5333، 7160- صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها، حديث: 1471، ابوداود: 2179- ترمذي: 1175- نسائي: 3419- ابن ماجه: 2019- احمد: 63/2 (5299).

ذَلِكَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ، ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ، ثُمَّ تَحِيضَ ، ثُمَّ تَطْهُرَ ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ .

کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے حکم دو، اسے چاہیے کہ اس سے رجوع کر لے، پھر اسے روکے رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے، پھر اسے حیض آئے، پھر وہ پاک ہو جائے، تو پھر اس (دوسرے طہر کے شروع ہو جانے) کے بعد اگر وہ چاہے تو اسے روکے رکھے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے پہلے طلاق دے دے پس یہی (حالت طہر) وہ عدت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔''

فائدہ : ......یعنی جماع سے خالی طہر ہی وہ وقت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا حکم ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ (الطلاق: 1) جمہور کے نزدیک اس آیت اور مذکورہ حدیث میں ''لام'' بمعنی ''فی'' ہے اور عدت سے مراد وقت اور مدت ہے اور معنی یہ ہیں: ''اور تم ان کو انھیں طلاق دینے کے وقت طلاق دو'' اور طلاق دینے کے وقت سے مراد جماع سے خالی طہر ہے۔ یا لام غایت واستقبال کے لیے ہے یعنی انتہاء بیان کرنے اور سامنا کرنے کے معنی مراد ہیں، اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہی حالت حیض وہ عدت ہے جس تک پہنچنے اور اس کا سامنا کرنے کے لیے عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے......شوافع اور موالک کے نزدیک چونکہ عورتوں کی عدت طہر کے ساتھ شمار ہوتی ہے اس لیے ان کے ہاں آیت میں عدت سے مراد اس کے مشہور معنی ہی ہیں اور ''لام'' ابتداء کے لیے ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ''عورتوں کو ان کی عدت کی ابتداء میں طلاق دو'' اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ''یہی حالت طہر وہ عدت ہے جس کی ابتداء میں عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے۔'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس بیوی کا نام آمنہ یا نوار تھا اور اس کے باپ کا نام غفار یا عمار تھا، مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے، البتہ واقع ہو جائے گی کیونکہ اگر طلاق واقع نہ ہوتی تو رجوع کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، نیز دوسری روایات میں یہ صراحتاً ثابت ہے کہ اسے ایک طلاق شمار کیا گیا تھا۔ (بخاری: 5253، مسلم: 2/1471، 3)

[1192] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ : أَنَّهَا انْتَقَلَتْ حَفْصَةَ بِنْتَ

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اپنی بھتیجی) حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو (اس کے خاوند منذر بن زبیر کے گھر، جہاں وہ عدت

[1192] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 415/7 (15382) وفی معرفة السنن والآثار: 26/6 (4604)۔ الشافعی فی الام: 209/5۔ دارقطنی: 213/1 (822)، عبدالرزاق: 11004، 11005۔ ابن ابی شیبه: ۱۸۷۳۰۔ سعید بن منصور: 1231۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

عَبْدِالرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ حِينَ دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَذُكِرَ ذَلِكَ لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فَقَالَتْ: صَدَقَ عُرْوَةُ، وَقَدْ جَادَلَهَا فِي ذَلِكَ نَاسٌ فَقَالُوا: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) [البقرة: 228] فَقَالَتْ عَائِشَةُ: صَدَقْتُمْ، تَدْرُونَ مَا الأَقْرَاءُ؟ إِنَّمَا الأَقْرَاءُ الأَطْهَارُ.

گزار رہی تھی، سے اپنے گھر کی طرف) منتقل کر دیا جس وقت کہ وہ (حفصہ) تیسرے حیض کے خون میں داخل ہوئی تھی...... ابن شہاب کہتے ہیں کہ یہ خبر عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے سامنے ذکر کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے سچ ہی بیان کیا ہے اور یقیناً لوگوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں جھگڑا بھی کیا تھا، (کیونکہ جمہور کے نزدیک تیسرا حیض شروع ہونے سے عدت ختم نہیں ہوتی بلکہ تیسرے حیض کے اختتام پر عدت کا اختتام ہوتا ہے) چنانچہ انھوں نے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرہ: 228) ''(طلاق والیاں) تین قروء (انتظار کریں)۔'' تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم نے (آیت کا حوالہ دیتے ہوئے) سچ کہا ہے لیکن کیا تم جانتے ہو کہ ''اقراء'' سے کیا مراد ہے؟ یقیناً اقراء سے مراد تو صرف طہر ہیں۔

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قروء یا اقراء سے مراد ایام طہر لیے ہیں، اگرچہ یہ بات لغوی معنی کے اعتبار سے درست ہو سکتی ہے لیکن لغوی طور پر تو یہی لفظ حیض پر بھی بولا جاتا ہے، لہٰذا یہ مسئلہ لغت سے حل نہ ہوا، اس لیے ان کا اصطلاحی اور شرعی مفہوم تو حل طلب رہ گیا، لہٰذا ہم تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم پر فرمان نبوی ﷺ کو ترجیح دیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ عورت کے متعلق فرمایا تھا: اَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا، ''وہ اپنے اقراء (حیض) کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔'' (ابوداود: 297، ترمذی: 126، ابن ماجہ: 625۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل: 2118) اور ظاہر بات ہے کہ نماز ایام حیض ہی میں چھوڑی جاتی ہے، بلکہ ترمذی شریف میں یہ وضاحت بھی ہے: اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ فِيهَا، ''اس کے اقراء والے وہ دن جس میں وہ حیض گزارتی ہے۔'' (ترمذی: 625) نیز نبی کریم ﷺ نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو بڑی وضاحت وصراحت سے فرمایا تھا: اَنْ تَعْتَدَّ بِثَلَاثِ حِيَضٍ، ''وہ تین حیض عدت گزارے۔'' (ابن ماجہ: 2077، اس کی سند صحیح ہے، ارواء الغلیل 2120) ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کے کلام میں لفظ ''قَرْءٌ'' صرف حیض ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (زاد المعاد: 609/5) امام نسائی نے بھی اقراء سے حیض مراد ہونا ہی ثابت کیا ہے۔ (نسائی: 212) مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ بھی لفظ (قَرْءٌ، قُرْءٌ، قُرُوْءٌ اور اَقْرَاءٌ) حیض کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ (ابوداود: 280، 281، 285، 286، 303۔ نسائی، 210، 211، 358، 361، 3583۔ ابن ماجہ: 620) رہے وہ بہت سے فقہی دلائل جو طلاق کے معاملے میں قُرُوْءٌ سے حیض مراد لینے کو متعین کرتے ہیں تو ان کی تفصیل فقہی کتابوں میں ہے۔

[1193] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقُولُ: مَا أَدْرَكْتُ أَحَداً مِنْ فُقَهَائِنَا إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ هَذَا. يُرِيدُ قَوْلَ عَائِشَةَ.

ابن شہاب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے اپنے فقہاء میں سے جس کسی کو بھی پایا تو وہ یہی قول کہتا تھا، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مراد لے رہے تھے (کہ قروء سے مراد طہر ہیں)

[1194] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ الْأَحْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ حِينَ دَخَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ، وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا، فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ زَيْدٌ: إِنَّهَا إِذَا دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ، وَبَرِءَ مِنْهَا، وَلَا تَرِثُهُ، وَلَا يَرِثُهَا.

سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ احوص ملک شام میں فوت ہو گئے جس وقت کہ ان کی بیوی تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو چکی تھی اور انھوں نے اسے طلاق دی ہوئی تھی تو (ملک شام سے) سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف (جو کہ مدینہ میں تھے، پیغام) لکھا، (جس میں) وہ اس معاملے کے متعلق سوال کر رہے تھے تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے (جواب میں) ان کی طرف یہ لکھا کہ بلاشبہ جب وہ (طلاق کی عدت گزارتے ہوئے) تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو گئی تو وہ خاوند سے بری (اور بے تعلق) ہو گئی اور وہ اس سے بے تعلق ہو گیا اور نہ وہ اس کی وارث بن سکتی ہے اور نہ وہ اس کی وراثت پا سکتا ہے۔

[1195] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ،

امام مالک رحمہ اللہ کو قاسم بن محمد (بن ابی بکر رضی اللہ عنہ)، سالم بن عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہما) ابوبکر بن عبدالرحمٰن (بن حارث بن

[1193] (مقطوع صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 415/7- وفی معرفۃ السنن والآثار: 26/6 (4605)- الشافعی فی الام: 209/5- وفی المسند: 111/2- طحاوی فی شرح معانی الآثار: 61/3- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1194] (موقوف صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 415/7 (15385)- وفی معرفۃ السنن والآثار: 26/6 (4607)- الشافعی فی الام: 209/5- وفی المسند: 110/2- عبدالرزاق: 11006- ابن ابی شیبہ: 18883- سعید بن منصور: 1226- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1195] (مقطوع صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 416/7 (15391) وفی معرفۃ السنن والآثار: 27/6 (4611)- وفی الخلافیات: 158/2- الشافعی فی الام: 210/5- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، وَابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ: إِذَا دَخَلَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ، فَقَدْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا، وَلَا مِيرَاثَ بَيْنَهُمَا، وَلَا رَجْعَةَ لَهُ عَلَيْهَا.

ہشام رحمہ اللہ)، سلیمان بن یسار اور ابن شہاب رحمہم اللہ کے بارے میں یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ وہ سب کہتے تھے: جب طلاق والی عورت تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو جائے تو یقیناً وہ اپنے خاوند سے بائن (اور جدا) ہوگئی، نہ ان دونوں میں وراثت چلے گی اور نہ خاوند کے لیے اس پر رجوع کا حق رہے گا۔

[1196] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، فَدَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِءَ مِنْهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے، پھر وہ تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو جائے تو یقیناً وہ اس سے بری اور بےتعلق ہوگئی اور وہ اس سے بری ہوگیا، نہ وہ اس کی وراثت بنے گی اور نہ وہ اس کا وارث بنے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے۔

[1197] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ مَوْلَى الْمَهْرِيِّ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ كَانَا يَقُولَانِ: إِذَا طُلِّقَتِ الْمَرْأَةُ، فَدَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ، فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ وَحَلَّتْ.

فضیل بن ابی عبداللہ رحمہ اللہ جو مہری کے آزاد کردہ غلام تھے، سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ دونوں فرمایا کرتے تھے: جب عورت کو طلاق ہو جائے پھر وہ تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو جائے تو یقیناً وہ جدا ہوگئی اور (نئے نکاح کے لیے) حلال ہوگئی۔

[1198] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ

امام مالک رحمہ اللہ کو سعید بن مسیب، ابن شہاب اور سلیمان

[1196] (موقوف صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 415/7 (15387)۔ وفی معرفۃ السنن والآثار: 27/6 (4609)۔ الشافعی فی الام: 210/5۔ عبدالرزاق: 11004۔ ابن ابی شیبہ: 18886۔ طحاوی فی شرح معانی الآثار: 61/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1197] (مقطوع صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 415/7 (15390)۔ وفی معرفۃ السنن والآثار: 27/6 (4610)۔ الشافعی فی الام: 210/5۔ ابن ابی شیبہ: 18887۔ سعید بن منصور: 1229۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1198] (مقطوع ضعیف) بیھقی: 450/7 (15596)۔ عبدالرزاق: 11861۔ ابن ابی شیبہ: 18446، 18453۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَابْنِ شِهَابٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ: عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ ثَلَاثَةُ قُرُوءٍ.

بن یسار رحمہم اللہ کے متعلق یہ خبر پہنچی کہ وہ سب کہا کرتے تھے: خلع والی عورت کی عدت تین قروء ہے۔

فائدہ: ...... یہ روایت پیچھے (1167) گزر چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے خلع والی عورت کو ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دینا ثابت ہے۔ (ابوداود: 2229، ترمذی: 1185، نسائی: 3527، ابن ماجہ: 2058۔ ان کی سندیں صحیح ہیں) ان روایات میں خلع والی عورت کے لیے عدت میں واضح طور پر حیض کا لفظ ہے اور یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس "قرء" سے مراد حیض ہی ہوتا ہے۔

[1199] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ: عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ الْأَقْرَاءُ وَإِنْ تَبَاعَدَتْ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ طلاق والی عورت کی عدت "اقراء" (حیض) ہیں، اگرچہ وہ دور نکل جائیں (اور کافی عرصہ بیت جائے)۔

فائدہ: ...... حیض جب آتا ہے تو چند دن ہی آتا ہے، البتہ کسی عارضے کی وجہ سے حیض کی روٹین خراب ہو جائے تو طہر کے لمبا ہونے سے عدت کی مدت کئی ماہ تک لمبی ہو سکتی ہے، بہرحال جس عورت کا حیض بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل بند نہ ہو چکا ہو تو اسے عدت پوری کرنے کے لیے حیض ہی ملحوظ رکھنا ہوں گے، خواہ ان کا درمیانی وقفہ کتنا ہی لمبا ہو جائے، ہاں اگر مستقل بندش ہو جائے تو پھر صرف تین ماہ ہی عدت طلاق ہے۔

[1200] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَّ امْرَأَتَهُ سَأَلَتْهُ الطَّلَاقَ، فَقَالَ لَهَا: إِذَا حِضْتِ فَآذِنِينِي. فَلَمَّا حَاضَتْ آذَنَتْهُ، فَقَالَ: إِذَا طَهُرْتِ فَآذِنِينِي، فَلَمَّا طَهُرَتْ آذَنَتْهُ، فَطَلَّقَهَا.

ایک انصاری شخص سے روایت ہے کہ ان کی بیوی نے ان سے طلاق مانگ لی تو انھوں نے اس سے کہا کہ جب تجھے حیض آئے تو مجھے اطلاع دے دینا، چنانچہ جب اسے حیض آیا تو اس نے ان کو بتا دیا، وہ کہنے لگے کہ جب تو حیض سے پاک ہوگی تو مجھے اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ پاک ہوئی تو اس نے ان کو بتا دیا، سو انھوں نے اسے طلاق دے دی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی وہ سب سے بہترین قول ہے جو میں نے اس بارے میں سنا ہے۔

[1199] (مقطوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 34/6 (4625)۔ الشافعی فی الام: 212/5۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1200] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ : ......مقصد یہ ہے کہ طلاق طہر میں دی جانی چاہیے۔

22- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا إِذَا طُلِّقَتْ فِيهِ

عورت کو جب اپنے ہی گھر میں طلاق ملے تو وہیں عدت گزارنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں سے تین موقوف ہیں اور ایک مقطوع ہے اور سب کی سب سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ : ......طلاق کے ضمن میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق: 1) ''نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ گھروں سے نکلیں، الا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کا ارتکاب کریں (تو پھر انھیں نکالا جا سکتا ہے)۔'' اس آیت مبارکہ میں خاوندوں کے گھروں کو مجازاً عورتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ عورت کا گھر اس کے خاوند ہی کا گھر ہوتا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں یہ بات تو متفقہ ہے کہ رجعی طلاق یعنی پہلی اور دوسری طلاق میں عورت کے نان ونفقہ کی طرح رہائش بھی خاوند کے ذمے واجب ہے۔ (نسائی: 3432، مسند احمد: 373/6، اس کی سند صحیح ہے۔ الصحیحۃ 1711) رہا تیسری طلاق کا معاملہ تو اس میں اختلاف ہے، چنانچہ سیدنا عمر، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور احناف کے نزدیک تیسری طلاق والی عورت کا نان ونفقہ بھی اور رہائش بھی خاوند کے ذمے واجب ہیں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اس کے لیے صرف رہائش کو خاوند پر واجب سمجھتے ہیں جبکہ سیدنا ابن عباس، سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہم، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک ایسی عورت کے لیے نہ نان ونفقہ خاوند پر واجب ہے اور نہ رہائش الا یہ کہ عورت حاملہ ہو تو پھر خرچہ واجب ہے۔ (مسلم: 1480) ہاں اگر خاوند اسے نان ونفقہ اور رہائش خوشی سے دینا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔

[1201] حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُمَا يَذْكُرَانِ: أَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ طَلَّقَ ابْنَةَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَكَمِ الْبَتَّةَ، فَانْتَقَلَهَا

قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ دونوں سے روایت ہے کہ یحییٰ بن سعید بن عاص نے (اپنی بیوی یعنی) عبدالرحمٰن بن حکم کی بیٹی (عمرہ) کو بتہ طلاق دے دی (تینوں طلاقیں دے دیں) عبدالرحمٰن بن حکم نے اسے اپنے گھر منتقل کرلیا تو سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مروان بن

[1201] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب قصة فاطمة بنت قيس، حديث: 5321، 5328- صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: 1481، ابوداود: 2295- احمد: 416/6 (27890).

عَبْدُالرَّحْمَنِ بْنُ الْحَكَمِ ، فَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فَقَالَتْ : اتَّقِ اللَّهَ وَارْدُدِ الْمَرْأَةَ إِلَى بَيْتِهَا . فَقَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ : إِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ غَلَبَنِي . وَقَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ الْقَاسِمِ : أَوَمَا بَلَغَكِ شَأْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ : لَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَذْكُرَ حَدِيثَ فَاطِمَةَ . فَقَالَ مَرْوَانُ : إِنْ كَانَ بِكِ الشَّرُّ ، فَحَسْبُكِ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ مِنَ الشَّرِّ .

حکم جو کہ مدینہ کے امیر تھے، کی طرف پیغام بھیجا کہ اللہ سے ڈرو اور عورت کو اس کے گھر واپس لوٹا دو (تا کہ وہ اپنے گھر میں عدت گزار سکے) سلیمان بن یسار کی روایت میں ہے کہ مروان نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ بے شک (میرے بھائی) عبدالرحمٰن مجھ پر غالب ہیں، (وہ میری بات نہیں مانتے اور میں انھیں روکنے پر قدرت نہیں رکھتا) اور قاسم بن محمد کی روایت میں ہے کہ مروان نے کہا کہ کیا آپ کو سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے معاملے کی خبر نہیں پہنچی (کہ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے تیسری طلاق کے بعد فرمایا تھا کہ تمھارے لیے خرچہ ہے نہ رہائش) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمھیں اس بات سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا کہ تم فاطمہ (بنت قیس رضی اللہ عنہا) کی حدیث کا تذکرہ ہی نہ کرو (کیونکہ وہ قابل حجت ہے نہ قابل التفات) تو مروان نے کہا کہ اگر آپ کے نزدیک (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رہائش نہ ملنے کا سبب) شر تھا (یعنی خاوند بیوی کے درمیان لڑائی کی بنا پر وہ خاوند کے گھر میں عدت نہ گزار پائی تھی) تو آپ کو وہ شر بھی کافی ہونا چاہیے جو ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان ہے۔

فائدہ : ان دونوں کی بھی آپس میں نہیں بنتی اس لیے یہاں بھی عمرہ کو منتقل کرنے کا جواز نکل آیا، محدثین نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کو حجت مانا ہے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھتی تھیں کہ انھیں اپنے خاوند کے گھر میں حملے کا خطرہ تھا، اس لیے انھیں خاص رخصت ملی۔ (بخاری: 5325)

سعید بن مسیب کہتے تھے کہ انھیں اپنے سسرال والوں کے ساتھ زبان درازی کی وجہ سے اس گھر میں نہ رکھا گیا۔ (ابوداود: 2296) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ وہ ایک عورت ذات ہے، معلوم نہیں کہ اسے حدیث یاد بھی رہی ہے یا نہیں، اس لیے ہم تو قرآن کو نہیں چھوڑیں گے، یہ کہہ کر وہ سورۂ طلاق کی پہلی آیت پڑھتے جس میں خاوندوں کے ذمے رہائش کا تذکرہ ہے۔ (مسلم: 46/1480) مروان بن حکم بھی اسی طرح کا اعتراض کرتے تھے۔ (مسلم: 41/1480)

لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نہایت تفصیل سے یہ واقعہ بیان کرتی تھیں اور اپنی فقاہت سے دوسروں کا رد بھی کرتی تھیں چنانچہ وہ فرماتیں کہ سورۂ طلاق والی آیت تو یقیناً رجعی طلاق والیوں کے بارے میں ہے جس کی دلیل اسی آیت کا آخری حصہ ہے۔ (مسلم: 41/1480)

[1202] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ بِنْتَ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَطَلَّقَهَا الْبَتَّةَ فَانْتَقَلَتْ، فَأَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ.

نافع سے روایت ہے کہ (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی) حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کی بیٹی عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، انھوں نے اسے طلاق بتہ دے دی، وہ (اپنے خاوند کے گھر سے) منتقل ہوگئی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر اس کام کا انکار کیا (اور برا مانا)۔

[1203] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ فِي مَسْكَنِ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ طَرِيقَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَكَانَ يَسْلُكُ الطَّرِيقَ الْأُخْرَى مِنْ أَدْبَارِ الْبُيُوتِ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَسْتَأْذِنَ عَلَيْهَا، حَتَّى رَاجَعَهَا.

نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی ایک بیوی کو (اپنی ہمشیرہ) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کے گھر میں طلاق دے دی اور وہ گھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مسجد کی طرف جانے کا راستہ تھا، (وہ اس میں سے گزر کر مسجد جاتے تھے) پھر وہ (طلاق کے بعد ازواج پیغمبر ﷺ کے) گھروں کے پیچھے سے دوسرے راستے میں چلا کرتے تھے (یعنی دوسرے راستے سے مسجد میں جاتے کیونکہ ان کی بہن کے گھر میں ان کی طلاق یافتہ بیوی عدت گزار رہی تھی، وہ یہ کام اس بات کو) ناپسند کرنے کی وجہ سے (کرتے) کہ انھیں اس (مطلقہ بیوی) کے پاس جانے کے لیے اجازت لینی پڑے، یہاں تک کہ انھوں نے اس سے رجوع کر لیا۔

فائدہ: ......اجازت تو بہن سے لینی تھی لیکن وہیں مطلقہ بیوی بھی موجود تھی جس کے متعلق اندیشہ تھا کہ وہ یہ خیال کرتی کہ جیسے مجھ سے اجازت لے رہے ہیں اور وہ مزید تکبر میں آ جاتی، ویسے بھی خاوند ہونے کی بنا پر انھیں غصہ تھا، بہرحال وہ رجوع ہو جانے تک راستہ بدل کر مسجد جاتے رہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ورع و پرہیزگاری کی بنا پر وہاں جانے سے باز رہے ہوں کہ بیوی طلاق یافتہ ہے تو کہیں کوئی خلاف شرع کام نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

[1202] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 431/7 (15480)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 52/6 (4661)۔ الشافعی فی الام: 236/5۔ وفی المسند: 104/2۔ طحاوی فی شرح معانی الآثار: 80/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1203] (موقوف صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 372/7 (15186)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 511/5 (4503)۔ وفی الخلافیات: 140/2۔ الشافعی فی الام: 241/5۔ وفی المسند: 105/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1204] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ : أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا، وَهِيَ فِي بَيْتٍ بِكِرَاءٍ، عَلَى مَنِ الْكِرَاءُ ؟ فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : عَلَى زَوْجِهَا . قَالَ : فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ زَوْجِهَا ؟ قَالَ : فَعَلَيْهَا . قَالَ : فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهَا ؟ قَالَ : فَعَلَى الأَمِيرِ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن میسب سے اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جسے اس کا خاوند طلاق دے دیتا ہے اور وہ عورت (اس وقت) کرائے کے گھر میں رہ رہی ہو تو کرایہ کس کے ذمے ہوگا، سعید بن میسب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خاوند کے ذمے ہوگا، (پوچھنے والے نے) کہا کہ اگر خاوند کے پاس (کرایہ ادا کرنے کے لیے کچھ) نہ ہو تو انھوں نے فرمایا: (پھر) عورت کے ذمے ہوگا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر عورت کے پاس بھی نہ ہو تو؟ انھوں نے فرمایا کہ امیر کے ذمے ہوگا۔

فائدہ :...... چنانچہ امیر اس کا کرایہ بیت المال سے ادا کرے گا لیکن ہر صورت میں اسے وہیں عدت گزارنا پڑے گی جہاں طلاق ملی ہو۔

23- باب مَا جَاءَ فِي نَفَقَةِ الْمُطَلَّقَةِ

طلاق والی عورت کے نفقہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو صحیح مسلم میں بھی ہے اور دوسری مقطوع (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے۔

فائدہ :...... پہلی اور دوسری یعنی رجعی طلاق کے متعلق تو اتفاق ہے کہ اس کے بعد عورت کا نفقہ خاوند ہی کے ذمے ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تیسری طلاق کے بعد خاوند کے ذمے رہائش تو ہے لیکن نان ونفقہ نہیں ہے۔ وہ رہائش کی دلیل میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ (الطلاق: ٦) ''تم انھیں وہاں رہائش دو جہاں تم خود رہتے ہو، اپنی حیثیت کے مطابق۔'' حالانکہ یہ آیت عام ہے اور احادیث نے اسے رجعی طلاق والیوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے...... اور نفقہ خاوند کے ذمے نہ ہونے کی دلیل میں اسی آیت کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں: ﴿وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: 6) ''تو اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ اپنے حمل کو جنم دے دیں۔'' وہ اس آیت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف حمل والیوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس تخصیص کا فائدہ تبھی

[1204] (مقطوع صحيح) بيهقي في معرفة السنن والآثار: 56/6 (4669)۔ الشافعي في الام: 246/7۔ ابن ابي شيبه: 18840۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ظاہر ہوگا جب غیر حاملہ عورتوں کو خرچہ نہ ملے..... حالانکہ اگر یہ استدلال درست مان لیں تو پھر رجعی طلاق والیوں میں اس حکم کو جاری کرنا پڑے گا جس کا کوئی قائل نہیں ہے، کوئی بھی نہیں کہتا کہ رجعی طلاق والی غیر حاملہ کو نفقہ نہ دیا جائے ... نیز تعجب ہے اس استدلال پر کہ اس آیت کے پہلے حصے کو رہائش کے معاملے میں اتنا عام کیا کہ رجعی طلاق والیوں کے ساتھ غیر رجعی طلاق والیوں کو بھی شامل کر دیا، لیکن دوسرے حصے کو اتنا خاص کیا کہ صرف تین طلاق والیوں کے ساتھ خاص کر دیا... یاد رہے کہ اس آیت میں رہائش ونفقہ دونوں معاملوں کو عام ذکر کیا گیا ہے، اس میں رجعی یا غیر رجعی طلاق کی تخصیص نہیں کی گئی، لہٰذا یہ تخصیص احادیث صحیحہ سے ہوگئی..... پھر اس سلسلے میں سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی بعض وہ روایات بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں صرف نفقہ نہ ملنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ طریق کار انصاف سے متصادم ہے کیونکہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ملے جو اپنے موقف کے موافق ہو تو اسے دلیل بنا لیا جائے اور جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی تفصیلی روایت میں رہائش کے بھی نہ ملنے کا تذکرہ آئے تو اسے ترک کر دیا جائے..... اس لیے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تمام روایات صحیحہ کو حجت مانا جائے اور تین طلاق والی عورت کی رہائش اور خرچہ خاوند کے ذمے لازم نہ کیے جائیں۔

[1205] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الْأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ: أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ، وَهُوَ غَائِبٌ بِالشَّامِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ فَسَخِطَتْهُ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَا لَكِ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ. فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ وَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ، ثُمَّ قَالَ: تِلْكَ امْرَأَةٌ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي، اعْتَدِّي عِنْدَ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أُمِّ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق بتہ دے دی اس حال میں کہ وہ (مدینہ سے) غائب (اور) ملک شام میں موجود تھے، پھر ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی طرف تھوڑے سے جَو بھیجے، وہ اس (قلیل سے مال) پر ناخوش (اور ناراض) ہوئیں تو وہ وکیل (حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ) کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! تمھارے لیے ہم پر کوئی چیز بھی (اب) واجب نہیں ہے، (یہ تو ہم نے محض ہمدردی اور دلجوئی کے لیے کچھ جَو بھیجے تھے) چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ ﷺ کے سامنے اس (ساری صورت حال) کا ذکر کیا

[1205] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: 1480۔ سنن ابى داود، كتاب الطلاق، باب فى نفقة المبتوتة، حديث: 2284۔ ترمذى: 1135۔ نسائى: 3247۔ ابن ماجه: 1869۔ احمد: 412/6۔ (27870، 27871) دارمى: 2177۔

مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكِ عِنْدَهُ، فَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي قَالَتْ: فَلَمَّا حَلَلْتُ، ذَكَرْتُ لَهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَبَا جَهْمِ بْنَ هِشَامٍ خَطَبَانِي. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَلاَ يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ لاَ مَالَ لَهُ، انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ قَالَتْ: فَكَرِهْتُهُ، ثُمَّ قَالَ: انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَنَكَحْتُهُ فَجَعَلَ اللّٰهُ فِي ذَلِكَ خَيْراً وَاغْتُبِطْتُ بِهِ.

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے لیے اس پر کوئی نفقہ (خرچہ) لازم نہیں ہے'' اور آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر میں عدت گزاریں (جن کا اصل نام غزیہ یا غزیلہ تھا) پھر فرمایا کہ ''وہ ایک ایسی عورت ہیں جن کے پاس میرے صحابہ (مشوروں کے لیے اور ان کی مہمان نوازی نیز ان کے کثرت سے صدقہ وخیرات کرتے رہنے کی وجہ سے) آتے جاتے رہتے ہیں، (لہٰذا) تم حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس عدت گزارو، بلاشبہ وہ ایک نابینا شخص ہیں، تم ان کے پاس اپنے کپڑے دوپٹہ وغیرہ) بھی اتار سکتی ہو۔ (کیونکہ وہ تمھیں دیکھ نہ پائیں گے) پھر جب تم حلال ہو جاؤ (عدت ختم ہو جائے) تو مجھے اطلاع دینا۔ وہ کہتی ہیں کہ پھر جب میری عدت گزر گئی تو میں نے آپ ﷺ کے سامنے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم بن ہشام رضی اللہ عنہما نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رہے ابوجہم تو وہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے اتارتے ہی نہیں، اور رہے معاویہ تو وہ فقیر ہیں، ان کے پاس کچھ مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) سے نکاح کرلو'' وہ کہتی ہیں کہ میں نے انھیں ناپسند کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''اسامہ بن زید سے شادی کرلو'' چنانچہ میں نے ان سے شادی کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح) میں خیر (وبرکت) نازل فرمائی اور مجھ پر ان کی وجہ سے رشک کیا جانے لگا۔

فائدہ: ..... امام مسلم رحمہ اللہ نے متعدد سندوں سے اس روایت میں یہ فرمان نبوی بھی ذکر کیا ہے کہ ''تیرے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ ہی رہائش۔ (مسلم: 1480/ 37، 42، 44، 46، 47، 51) سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ تھے اور وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غزوہ نجران کے لیے گئے ہوئے تھے۔ (مسلم: 1480/ 42، 49) انھوں نے اکٹھی تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ ایک طلاق باقی تھی جو انھوں نے بھیج دی تھی۔ (مسلم: 1480/ 40، 41) انھوں نے یہ طلاق مدینہ ہی میں دے دی تھی، پھر سفر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ (مسلم: 1480/ 38) لیکن جب اس معاملے میں نزاع واقع ہوا اور لوگوں تک خبر پہنچی تو اس وقت وہ مدینہ سے جا چکے تھے اسی لیے بعض روایات میں آیا ہے کہ انھوں نے جانے کے بعد طلاق بھیجی۔ (مسلم: 1480/ 36، 41) ان کے خاوند نے حضرت حارث بن ہشام اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما کو اپنی طرف سے وکیل اور ذمے دار بنایا تھا۔ (مسلم: 1480/ 41) انھوں نے از روئے ہمدردی پانچ صاع کھجور اور پانچ صاع جَو

حضرت فاطمہ کو دیے، انھوں نے مزید خرچہ اور رہائش کا انکار دیکھا تو خود خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں۔ (مسلم: 1480/ 48) اور ان کی جانب سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی چند افراد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ (مسلم: 1480/ 38) بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ تیسری طلاق کے بعد خاوند کے ذمے کچھ نہیں ہوتا، البتہ تم نے تو عدت گزارنی ہے، چنانچہ آپ نے انھیں حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر میں عدت گزارنے کا کہا، لیکن وہاں رشتہ دار مردوں اور غرباء و مساکین صحابہ کی آمد ورفت کی بنا پر یہ حکم فرمایا کہ اپنے چچا زاد بھائی، نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزارو۔ (مسلم: 1480/ 45) اگر کبھی دوپٹا اتارنا پڑے تو وہ نہ دیکھ سکیں۔ (مسلم: 1480/ 38) پھر انھیں حکم دیا کہ عدت ختم ہونے کے بعد خود جلدی سے شادی نہ کر لینا اور مجھ سے ضرور مشورہ لے لینا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قریشی قبیلے کی عورت کا نکاح سیاہ فام ابوزید اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا تو ان کی جوڑی دنیا کے لیے قابل رشک بن گئی۔

موطا امام مالک کی اس روایت کے شروع میں جو ''شام'' کا لفظ ہے، یہ کہیں اور ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ملک یمن کا تذکرہ صحیح ترین روایات میں آچکا ہے، مکتوم کے لغوی معنی ''چھپایا ہوا'' کے ہیں اور اس سے مراد نابینا شخص ہے، اس لیے ان کی ماں ام مکتوم مشہور ہوئیں جن کا نام عاتکہ بنت عبداللہ مخزومیہ تھا اور باپ کا نام قیس بن زائدہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشتر غزوات میں جاتے وقت حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر جاتے، انھوں نے جنگ قادسیہ میں جام شہادت نوش کیا۔ اللہ کی عجیب قدرت دیکھیے کہ ایک وقت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیر تھے اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ دنیا کے سب سے طاقتور بادشاہ اور بلا شرکت غیرے اسلامی سلطنت کے فرمانروا تھے..... حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کا نام حذیفہ تھا، ان کے والد کا نام موطا کی مذکورہ روایت کے سوا کسی بھی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں ہشام مذکور نہیں ہے، اسی لیے اسے غلط ہی قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

ابن عبدالبر نے ان کا نام عامر بن حذیفہ یا عبید بن حذیفہ بھی نقل کیا ہے۔ لاٹھی (ڈنڈا) کندھے سے نہ اتارنے کا مطلب دوسری روایت میں مذکور ہے، یعنی ''وہ عورتوں کو بہت مارنے والے شخص تھے۔'' (مسلم: 47/1480) معلوم ہوا کہ جس شخص سے مشورہ لیا جائے اسے دیانتداری سے اپنی معلومات کے مطابق مشورہ دینا چاہیے، نیز ثابت ہوا کہ اس موقع پر عیب کا تذکرہ غیبت شمار نہیں ہوتا...... جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ناپسند کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت ہی تمھارے حق میں خیر کا باعث ہے۔'' (مسلم: 47/1480) چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے شرف ومنزلت اور اکرام واحترام سے خوب نوازا۔ (مسلم: 49/1480) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام بھی زید (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) تھا اور ان کی اپنی کنیت بھی ابوزید تھی۔

[1206] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ: الْمَبْتُوتَةُ لَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا حَتَّى تَحِلَّ: وَلَيْسَتْ لَهَا نَفَقَةٌ إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا، فَيُنْفَقُ عَلَيْهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا.

ابن شہاب سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ بتہ طلاق (تین طلاقوں) والی عورت (بھی) اپنے (خاوند کے) گھر سے نہ نکلے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ حاملہ ہو تو پھر اس پر خرچ کیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ وہ اپنے حمل کو جنم دے دے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں بھی اسی پر حکم ہے۔

فائدہ: ...... ایسی عورت کے نفقہ والی بات حدیث نبوی میں بھی موجود ہے۔(مسلم: 41/1480) رہا رہائش کا معاملہ تو وہ گزشتہ باب میں اور مذکورہ باب کے پہلے فائدے میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ تین طلاق والی عورت کو رہائش دینا خاوند کے ذمے نہیں ہے۔

24- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْأَمَةِ مِنْ طَلَاقِ زَوْجِهَا

لونڈی کی اپنے خاوند سے ملنے والی طلاق پر عدت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي طَلَاقِ الْعَبْدِ الْأَمَةَ، إِذَا طَلَّقَهَا وَهِيَ أَمَةٌ، ثُمَّ عَتَقَتْ بَعْدُ، فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْأَمَةِ، لَا يُغَيِّرُ عِدَّتَهَا عِتْقُهَا، كَانَتْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ أَوْ لَمْ تَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ، لَا تَنْتَقِلُ عِدَّتُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں (غلام) خاوند کی لونڈی (بیوی) کو دی ہوئی طلاق کے متعلق یہ حکم ہے کہ جب وہ اسے اس حال میں طلاق دے کہ وہ لونڈی تھی، پھر بعد میں وہ آزاد ہوگئی تو اس کی عدت لونڈی والی عدت (دو حیض) ہی ہوگی، اس کی آزادی اس کی عدت کو (آزاد عورت والی عدت یعنی تین حیض میں) تبدیل نہ کرے گی، خواہ خاوند غلام کو اس پر حق رجوع ملا ہو یا نہ ملا ہو، عدت نہیں بدلے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِثْلُ ذَلِكَ الْحَدُّ يَقَعُ عَلَى الْعَبْدِ، ثُمَّ يَعْتِقُ بَعْدَ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ الْحَدُّ، فَإِنَّمَا حَدُّهُ حَدُّ عَبْدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی طرح حد کا معاملہ ہے جو کسی غلام پر لازم ہو جاتی ہے، پھر وہ اپنے اوپر حد لازم ہونے کے بعد (اور حد نافذ ہونے سے پہلے) آزاد ہو جاتا ہے تو بلاشبہ اس کی حد تو غلام ہی کی حد شمار ہوگی۔

[1206] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 12009، 12016- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ : ...... غلام کی حد آزاد آدمی کی حد سے نصف ہوتی ہے، آزادی کے بعد اس پر پہلے سے عائد حد تبدیل نہیں ہوگی، ہاں آزاد ہونے کے بعد اس پر جو حد لازم ہوگی، وہ مکمل نافذ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْحُرُّ يُطَلِّقُ الْاَمَةَ ثَلَاثًا ، وَتَعْتَدُّ بِحَيْضَتَيْنِ ، وَالْعَبْدُ يُطَلِّقُ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَتَيْنِ ، وَتَعْتَدُّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آزاد شخص لونڈی کو تین طلاقیں دے گا اور عورت دو حیض عدت گزارے گی اور غلام شخص آزاد عورت کو دو طلاقیں دے گا اور وہ تین قروء (تین حیض) عدت گزارے گی۔

فائدہ : ...... عدت کے معاملے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ عورت کی ذاتی حیثیت کے لحاظ سے کم وبیش ہوگی، رہا طلاقوں کی تعداد کا معاملہ تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس میں مرد کی حیثیت معتبر ہے کہ آزاد ہو تو تین ورنہ دو طلاقیں دے گا، احناف کے ہاں طلاق کی تعداد میں عورت کی حیثیت کا اعتبار ہوگا جبکہ اہل حدیث کے نزدیک اگر خاوند یا بیوی میں سے کوئی بھی غلام ہو تو اس کا لحاظ ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ تَكُونُ تَحْتَهُ الْاَمَةُ ، ثُمَّ يَبْتَاعُهَا فَيَعْتِقُهَا : إِنَّهَا تَعْتَدُّ عِدَّةَ الْاَمَةِ حَيْضَتَيْنِ ، مَا لَمْ يُصِبْهَا ، فَإِنْ أَصَابَهَا بَعْدَ مِلْكِهِ إِيَّاهَا ، قَبْلَ عِتَاقِهَا ، لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا إِلَّا الاِسْتِبْرَاءُ بِحَيْضَةٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے عقد میں کوئی لونڈی ہو، پھر وہ اس کو خرید لیتا ہے، پھر اسے آزاد کر دیتا ہے، (تو فرمایا کہ) بلاشبہ وہ لونڈی والی (نصف) عدت یعنی دو حیض گزارے گی جب تک کہ خاوند نے اس (کو خریدنے کے بعد اور آزاد کرنے سے پہلے اس) سے مباشرت نہ کی ہو، پھر اگر وہ اس کا مالک بن جانے کے بعد اور آزاد کرنے سے پہلے اس سے ہم بستری کر لیتا ہے تو عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا سوائے اس کے کہ وہ استبراء رحم کے لیے ایک حیض گزارے گی۔

فائدہ : ...... جب خاوند کی ملکیت میں آنے کی وجہ سے نکاح فسخ ہوگیا تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فسخ نکاح کو طلاق سے تشبیہ دے کر عورت کے ذمے دو حیض عدت لازم ہوئی، پھر اسے بغیر مباشرت کیے آزاد کر دیا تو عورت کو وہی دو حیض گزارنا ہوں گے جو حالت غلامی میں اس پر لازم ہوئے تھے، اور اس کی آزادی کی وجہ سے وہ تین حیض عدت میں تبدیل نہیں ہوں گے...... لیکن اگر وہ خاوند اس کا مالک بننے کے بعد اس سے مباشرت کر لے تو اب امام صاحب کے نزدیک فسخ نکاح والی عدت کی بھی ضرورت نہ رہی کیونکہ پہلے گزشتہ تو عورت کو بیوی کی حیثیت حاصل تھی اور اب وہ صرف اور صرف لونڈی بن چکی ہے، لہٰذا نہ نکاح رہا اور نہ فسخ نکاح والی عدت رہی، بلکہ عام لونڈیوں کی طرح اس پر صرف ایک حیض گزارنا لازم ہے تاکہ یہ پتا چل جائے کہ اسے حمل ہے یا نہیں...... ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں یعنی اپنی لونڈی بیوی کو خرید کر اس کا مالک بن جانے کے بعد خواہ اس سے مباشرت کی جائے یا نہ، اس پر صرف ایک حیض

عدت لازم ہے کیونکہ یہ صورت طلاق کی کسی قسم میں شامل نہیں ہے اور ہر وہ صورت جو طلاق نہ ہو اس میں ایک حیض عدت ہوتی ہے، چنانچہ اگر حیض آ جائے تو اس کے اختتام پر عدت بھی ختم اور اگر حیض نہ آئے بلکہ حمل ظاہر ہو جائے تو پھر بچے کی پیدائش تک عدت لمبی ہو جاتی ہے، ایک حیض تک انتظار کرنے کے عمل کو استبراء رحم کہتے ہیں یعنی رحم کا خالی ہونا معلوم کرنا...... یاد رہے کہ خاوند اپنی ہی لونڈی بیوی کو خرید لے تو عدت گزارنے اور استبراء رحم کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں، چنانچہ اگر بچہ ہو تو وہ عورت کے پہلے آقا کا غلام ہوگا۔

25- بَابٌ: جَامِعُ عِدَّةِ الطَّلَاقِ

عدت طلاق کے مختلف مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف اور دو مقطوع ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[1207] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ طُلِّقَتْ، فَحَاضَتْ حَيْضَةً أَوْ حَيْضَتَيْنِ، ثُمَّ رَفَعَتْهَا حَيْضَتُهَا، فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذَلِكَ، وَإِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْأَشْهُرِ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ، ثُمَّ حَلَّتْ.

سعید بن مسیب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کو طلاق دی جائے، پھر وہ ایک یا دو حیض گزار لے، پھر اس سے اس کا حیض اٹھا لیا جائے، (حیض کی بندش ہو جائے) تو بلاشبہ وہ (گزشتہ خون کو خون استحاضہ اور بندش حیض کو حمل شمار کر کے) نو ماہ انتظار کرے گی، پھر اگر تو اس کے ساتھ حمل ظاہر ہو جائے تو اس کا اعتبار ہوگا (اور بچے کی پیدائش کے بعد عدت ختم ہو جائے گی) ورنہ وہ نو ماہ (انتظار) کے بعد (خود کو آئسہ (حیض سے ناامید، یعنی بوڑھی یا مریضہ عورت کی طرح) تین ماہ عدت گزارے گی، پھر وہ نئے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔

فائدہ :...... آج کل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سائنسی ایجادات کے ذریعے اگر مختلف قسم کے چیک اپ کروا کر یقین کے ساتھ یہ ثابت ہو جائے کہ حمل نہیں ہے تو پھر نو ماہ کے انتظار کی بجائے حیض کی بندش والے دن ہی سے شمار کر کے تین ماہ کی عدت گزاری جا سکتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا فتویٰ تینوں قسم کی عدتوں پر مشتمل ہے کیونکہ مطلقہ

[1207] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 419/7- وفی معرفة السنن والآثار: 35/6 (4626)- الشافعی فی الام: 231/5- عبدالرزاق: 339/6 (11095)- ابن ابی شیبه: 18990- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

عورت کی عدت تین طرح ہی کی ہوتی ہے، حیض آتا ہو تو تین حیض، حمل ہو تو بچے کی پیدائش اور حمل وحیض نہ ہونے کی صورت میں تین ماہ۔

[1208] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: الطَّلَاقُ لِلرِّجَالِ، وَالْعِدَّةُ لِلنِّسَاءِ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ طلاق مردوں کے لیے ہے اور عدت عورتوں کے لیے ہے۔

فائدہ :...... یعنی طلاق کی تعداد مرد کی آزادی وغلامی پر منحصر ہے، آزاد ہے تو تین دے گا اور غلام ہے تو دو۔ اس بارے میں عورت کی آزادی وغلامی غیر معتبر ہے، اور عدت کی مدت عورت کی آزادی وغلامی پر منحصر ہے، عورت آزاد ہے تو تین حیض اور لونڈی ہے تو دو۔ اس میں خاوند کی حیثیت معتبر نہیں۔

[1209] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: عِدَّةُ الْمُسْتَحَاضَةِ سَنَةٌ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مستحاضہ کی عدت ایک سال ہے۔

فائدہ :...... جبکہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ مستحاضہ عورت (جسے ہمیشہ خون جاری رہتا ہے) جس طرح اپنی نمازوں اور روزوں کے معاملے میں اپنے دنوں کی تقسیم کر لیتی ہے ہر ماہ کچھ حیض کے اور باقی استحاضہ کے دن شمار کرتی ہے اسی طرح عدت کے معاملے میں بھی وہ انہی کا اعتبار کر کے اپنے حیض پورے کرے گی اور عدت سے فارغ ہو جائے گی، خواہ اس میں تھوڑا عرصہ لگے یا زیادہ۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْمُطَلَّقَةِ، الَّتِي تَرْفَعُهَا حَيْضَتُهَا حِينَ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا: أَنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ لَمْ تَحِضْ فِيهِنَّ، اعْتَدَّتْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ حَاضَتْ قَبْلَ أَنْ تَسْتَكْمِلَ الْأَشْهُرَ الثَّلَاثَةَ، اسْتَقْبَلَتِ الْحَيْضَ، فَإِنْ مَرَّتْ بِهَا تِسْعَةُ أَشْهُرٍ قَبْلَ أَنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں وہ عورت جس کا حیض اس وقت اس سے اٹھا لیا جائے (بند ہو جائے) جس وقت کہ خاوند اسے طلاق دے، اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ وہ (خود کو حاملہ سمجھ کر) نو ماہ انتظار کرے گی، پھر اگر اسے ان نو مہینوں میں حیض نہ آئے (اور حمل بھی نہ ہو) تو وہ (آئسہ یعنی حیض سے ناامید عورت شمار ہو کر) تین ماہ عدت

[1208] (مقطوع صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 370/7 (15179)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 511/5 (4502)۔ عبدالرزاق: 236/7 (12951)۔ ابن ابی شیبہ: 18248۔ سعید بن منصور: 1330، 1331۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1209] (مقطوع صحیح) دارمی: 909، 914۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

تَحِيضَ، اعْتَدَّتْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ حَاضَتِ الثَّانِيَةَ قَبْلَ أَنْ تَسْتَكْمِلَ الأَشْهُرَ الثَّلَاثَةَ، اسْتَقْبَلَتِ الْحَيْضَ، فَإِنْ مَرَّتْ بِهَا تِسْعَةُ أَشْهُرٍ، قَبْلَ أَنْ تَحِيضَ، اعْتَدَّتْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ حَاضَتِ الثَّالِثَةَ، كَانَتْ قَدِ اسْتَكْمَلَتْ عِدَّةَ الْحَيْضِ، فَإِنْ لَمْ تَحِضِ اسْتَقْبَلَتْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ، ثُمَّ حَلَّتْ، وَلِزَوْجِهَا عَلَيْهَا فِي ذَلِكَ الرَّجْعَةُ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ قَدْ بَتَّ طَلَاقَهَا.

گزارے گی، پھر اگر یہ تین مہینے پورے کرنے سے پہلے اسے حیض آ جائے تو وہ (تین) حیض والی عدت کو شروع کر دے گی، پھر اگر اسے دوبارہ حیض آنے سے پہلے نو ماہ گزر جائیں تو وہ تین مہینوں والی عدت (نئے سرے سے) گزارے گی، پھر اگر (اب بھی) تین ماہ پورے ہونے سے پہلے دوسرا حیض آ جائے تو وہ (پھر) حیض والی عدت شروع کر دے گی، پھر اگر (تیسرا) حیض آنے سے پہلے نو ماہ گزر جائیں تو وہ تین مہینوں والی عدت گزارے گی، پھر اگر (اس بار بھی) تین ماہ پورے ہونے سے پہلے تیسرا حیض آ جائے تو (تین حیض آ جانے کی وجہ سے) اس کی حیض والی عدت پوری ہو جائے گی، اور اگر (یہ تیسرا) حیض نہ آئے تو وہ تین مہینوں (والی عدت) کی طرف متوجہ ہوگی اور (تین ماہ پورے کرنے کے بعد) پھر وہ (نئے نکاح کے لیے) حلال ہو جائے گی اور اس (سارے عرصے) میں اس کے خاوند کو اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کا بھی اختیار ہوگا الا یہ کہ وہ اسے تین طلاقیں دے چکا ہو۔

فائدہ: ......امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور ﷭ اس بار بار نئے سرے سے شروع ہونے والی عدت کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک تین حیض پورے نہ ہوئے تو آغاز طلاق سے تین ماہ شمار کر کے عدت پوری ہو جائے گی، نو ماہ انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور آج کل تو مختلف مشینوں سے حمل کا پتا چلانا بھی بہت آسان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ عِنْدَنَا: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَلَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ، فَاعْتَدَّتْ بَعْضَ عِدَّتِهَا، ثُمَّ ارْتَجَعَهَا، ثُمَّ فَارَقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا: أَنَّهَا لَا تَبْنِي عَلَى مَا مَضَى مِنْ عِدَّتِهَا، وَأَنَّهَا تَسْتَأْنِفُ مِنْ يَوْمِ طَلَّقَهَا عِدَّةً مُسْتَقْبَلَةً، وَقَدْ ظَلَمَ زَوْجُهَا نَفْسَهُ وَأَخْطَأَ، إِنْ كَانَ ارْتَجَعَهَا وَلَا حَاجَةَ لَهُ بِهَا.

امام مالک ؒ نے فرمایا: ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کے لیے اس سے رجوع کرنے کا اختیار موجود ہو (یعنی رجعی طلاق ہو) پھر اس عورت نے اپنی کچھ عدت ہی گزاری ہو کہ خاوند اس سے رجوع کر لے (لیکن) پھر اس کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ہی اسے (ایک اور طلاق دے کر) جدا کر دے تو بلاشبہ وہ عورت اس گزشتہ عدت پر بنیاد نہیں رکھے گی جو کہ پہلے گزر چکی تھی اور یقیناً جس دن خاوند نے اسے (نئی) طلاق دی ہو اسی دن سے اگلی عدت کو نئے سرے سے شروع کرے گی اور (عورت کو اس نئی عدت میں پھنسا کر) اس کے خاوند نے یقیناً اپنے اوپر ظلم ہی کیا ہے اور وہ گناہ گار

ٹھہرا جبکہ اس نے بیوی سے رجوع کر لیا حالانکہ اسے اس کی حاجت نہ تھی۔

فائدہ: ......گویا اس نے محض عورت کو ضرر پہنچانے کے لیے رجوع کیا، تاکہ وہ کچھ عرصہ مزید کسی کے ساتھ نکاح نہ کر سکے اور عدت کی پابندیوں میں گرفتار رہے۔ دراصل یہ دورِ جاہلیت کی روش تھی کہ وہ عورتوں کو ''معلقہ'' بنا دیتے تھے، طلاق دے دیتے تاکہ اپنے استعمال میں نہ رہے، پھر جب عدت ختم ہونے کے قریب آتی تو رجوع کر لیتے تاکہ عورت کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کر سکے، پھر رجوع کر کے ایک اور طلاق دے دیتے، گویا عورت ظلم کے اس شکنجے میں لٹکتی رہتی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُمۡسِكُوهُنَّ ضِرَارٗا لِّتَعۡتَدُواْۚ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥ﴾ (البقرۃ: 231) ''اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکے رکھو کہ تم ان پر زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا۔''

قَالَ مَالِكٌ : وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَسْلَمَتْ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ ، ثُمَّ أَسْلَمَ ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا مَا دَامَتْ فِي عِدَّتِهَا ، فَإِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا ، فَلَا سَبِيلَ لَهُ عَلَيْهَا ، وَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ، لَمْ يُعَدَّ ذٰلِكَ طَلَاقًا ، وَإِنَّمَا فَسَخَهَا مِنْهُ الْإِسْلَامُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ عورت جب مسلمان ہو جائے اس حال میں کہ اس کا خاوند کافر ہی ہو، پھر اس کا خاوند بھی اسلام لے آئے تو جب تک عورت اپنی عدت میں ہوگی وہی اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ (لیکن) اگر (خاوند کے اسلام لانے کے وقت) اس کی عدت ختم ہو چکی ہو تو پھر خاوند کا عورت پر کوئی اختیار نہیں رہتا (اور عورت کسی اور آدمی سے شادی کا حق پا لیتی ہے) اور اگر وہ (مسلمان ہونے والا خاوند) اس کی عدت پوری ہونے کے بعد اسی سے شادی کر لے تو اس (جدائی) کو طلاق شمار نہ کیا جائے گا، یقیناً (عورت کے) اسلام نے اس (حالت کفر والے خاوند) سے بغیر طلاق ہی کے عورت (کے نکاح) کو فسخ کر دیا تھا۔

فائدہ: ......لہٰذا اب بھی اس کے پاس تین طلاقوں کا اختیار رہے گا۔ امام صاحب کے اس فتویٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد اگر خاوند اسلام لے آئے اور عورت نے ابھی کسی اور مسلمان سے نکاح نہ کیا ہو اور وہ اس کے ساتھ دوبارہ اکٹھا ہونا چاہتا ہو تو وہ نیا نکاح کریں گے لیکن ہماری تحقیق کے مطابق راجح یہ ہے کہ وہ اس صورت میں نیا نکاح کیے بغیر آپس میں مل جائیں گے، تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے روایت: 1119 کا فائدہ۔

26- بَابٌ : مَا جَاءَ فِي الْحَكَمَيْنِ

حکمین (دو ثالثی کرنے والوں) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک موقوف روایت ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1210] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: فِي الْحَكَمَيْنِ اللَّذَيْنِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً﴾ [النساء: 35] إِنَّ إِلَيْهِمَا الْفُرْقَةَ بَيْنَهُمَا وَالاِجْتِمَاعَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حکمین یعنی دو فیصلہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾ (النساء: 35) ''اور اگر تمھیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک منصف شخص مرد کے کنبے سے اور ایک منصف عورت کے کنبے سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا فرما دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔'' (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ) یقیناً ان دونوں (منصفوں) کے پاس خاوند بیوی کے درمیان (طلاق کی شکل میں) جدائی ڈالنے اور ملاپ کرا دینے کا اختیار ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْحَكَمَيْنِ يَجُوزُ قَوْلُهُمَا بَيْنَ الرَّجُلِ وَامْرَأَتِهِ، فِي الْفُرْقَةِ وَالاِجْتِمَاعِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ سب سے بہترین بات ہے جو میں نے اہل علم سے سنی ہے کہ دونوں ثالثوں کا قول اور فیصلہ خاوند و بیوی کے درمیان نافذ کر دیا جائے گا، جدائی میں بھی اور ملاپ میں بھی۔

فائدہ: ......اور خاوند بیوی سے نہ تو اجازت لینے کی ضرورت ہے اور نہ اس بات کی کہ وہ ان ثالثوں اور منصفوں کو اپنا وکیل بنائیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس اجازت اور وکالت کی شرط لگاتے ہیں...... ازدواجی زندگی کے اختلافات ختم کرنے کے کئی طریقے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ جب نزاع شدید ہو جائے تو خاوند اور بیوی دونوں کی طرف سے ان کے اپنے اپنے خاندان کا ایک ایک صاحب عقل و دانش شخص مقرر کیا جائے اور یہ معاملہ ان کو سونپ دیا جائے، وہ اس اختلاف کے لیے پنچ، ثالث، فیصل، حکم اور قاضی کی حیثیت رکھیں گے۔ انھیں چاہیے کہ وہ دیانتداری سے تمام صورت حال کا جائزہ لیں اور مستقبل کے حوالے سے محتاط فیصلہ کریں، پھر اگر وہ جدائی کرا دیں تو اسے طلاق تصور کیا جائے گا اور اگر ملاپ کرا دیں تو خاوند بیوی کو اکٹھے رہنا پڑے گا۔ یہ پنچایتی معاملہ طلاق سے پہلے بھی ممکن ہے اور طلاق کے بعد بھی۔ طلاق کے بعد اگر وہ دونوں رجوع کا فیصلہ کر دیں تو خاوند کا رجوع

[1210] (موقوف ضعيف) بيهقي: 7/305 (14782)۔ عبدالرزاق: 11883۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

ہو جائے گا اور عورت کی جاری عدت طلاق ختم ہو جائے گی، پھر اگر خاوند راضی نہ ہو تو اسے نئی طلاق دینا پڑے گی۔

27- بَابٌ: يَمِينُ الرَّجُلِ بِطَلَاقِ مَا لَمْ يَنْكِحْ

آدمی کا اپنی قسم کو اس عورت کی طلاق پر معلق کرنے کا بیان جس سے ابھی نکاح نہ کیا ہو

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو سنداً ضعیف ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......کوئی شخص کسی کام کی قسم اٹھالے اور یہ بھی کہے کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا اور قسم توڑ دی تو جس عورت سے شادی کروں اسے طلاق، پھر واقعی وہ اس قسم کو توڑ بیٹھے تو کیا یہ طلاق شمار ہوگی یا نہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک ایسی قسم کھانے والا جب اس عورت سے شادی کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس عورت کی تعیین کی شرط لگاتے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے...... جبکہ امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک اسے طلاق نہیں ہوگی کیونکہ حضرت علی اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں یہ فرمان نبوی ہے: لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ، ''نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔'' (ابن ماجه: 2048، 2049- ان کی سندیں صحیح ہیں) نیز ایک روایت میں ہے: لَا طَلَاقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، ''جس کا انسان مالک نہیں اس میں کوئی طلاق نہیں۔'' (ابوداود: 2190، ترمذی: 1181، ابن ماجه: 2047، اس کی سند حسن صحیح ہے) یہ لائے نفی جنس ہے اور اس کے ساتھ نکاح سے پہلے ہر قسم کی طلاق کی نفی کر دی گئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی ثابت کیا ہے اور تیئس تابعین کرام رحمہم اللہ کے نام ذکر کیے ہیں جو ایسی طلاق کی نفی کرتے تھے۔ (بخاری، کتاب الطلاق، باب: 9) رہا قسم کا معاملہ تو چونکہ یہ قسم مذکورہ حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس قسم کو ختم کیا جائے گا اور ایسی قسموں کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ان پر عمل نہ کیا جائے اور ان کا کفارہ ادا کر دیا جائے۔ (بخاری: 6621، 6623- مسلم: 1649، 1652)

[1211] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَالْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَابْنَ شِهَابٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، كَانُوا يَقُولُونَ:

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، ابن شہاب اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ یہ کہتے تھے کہ جب آدمی کسی عورت کو طلاق کے ساتھ (معلق کر کے کوئی) قسم اٹھالے، پہلے اس سے کہ اس نے

[1211] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 421/6- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

إِذَا حَلَفَ الرَّجُلُ بِطَلَاقِ الْمَرْأَةِ قَبْلَ أَنْ يَنْكِحَهَا، ثُمَّ أَثِمَ، إِنَّ ذَلِكَ لَازِمٌ لَهُ إِذَا نَكَحَهَا.

اس عورت سے نکاح کیا ہو، پھر وہ (قسم پوری نہ کر کے اور اسے توڑ کر) گناہ گار ہو جائے تو بلاشبہ یہ (طلاق) اس کو لازم ہو جائے گی جس وقت کہ وہ اس سے نکاح کرے گا۔

[1212] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ فِيمَنْ قَالَ: كُلُّ امْرَأَةٍ أَنْكِحُهَا فَهِيَ طَالِقٌ: إِنَّهُ إِذَا لَمْ يُسَمِّ قَبِيلَةً، أَوِ امْرَأَةً بِعَيْنِهَا، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس شخص کے متعلق فرمایا کرتے تھے جس نے کہا کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے (فرمایا کہ) بلاشبہ جب وہ کسی قبیلے یا متعین عورت کا نام نہ لے تو اس پر کچھ لازم نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ سب سے بہترین قول ہے جو (اس بارے میں) میں نے سنا ہے۔

فائدہ: ......یعنی اگر عورت متعین نہ ہو تو اس کی یہ بات لغو ہے اور جب شادی ہوگی تو طلاق نہ پڑے گی۔ اس قول کی روشنی میں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک معین عورت پر قبل از نکاح، طلاق واقع ہو جاتی ہے اور غیر معین پر نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر دو پر واقع ہو جاتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ الطَّلَاقُ، وَكُلُّ امْرَأَةٍ أَنْكِحُهَا فَهِيَ طَالِقٌ، وَمَالُهُ صَدَقَةٌ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ كَذَا وَكَذَا فَحَنِثَ، قَالَ: أَمَّا نِسَاؤُهُ فَطَلَاقٌ كَمَا قَالَ، وَأَمَّا قَوْلُهُ: كُلُّ امْرَأَةٍ أَنْكِحُهَا فَهِيَ طَالِقٌ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يُسَمِّ امْرَأَةً بِعَيْنِهَا، أَوْ قَبِيلَةً، أَوْ أَرْضًا، أَوْ نَحْوَ هَذَا، فَلَيْسَ يَلْزَمُهُ ذَلِكَ، وَلْيَتَزَوَّجْ مَا شَاءَ، وَأَمَّا مَالُهُ فَلْيَتَصَدَّقْ بِثُلُثِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ اگر اس (خاوند) نے فلاں کام نہ کیا تو تجھے بھی طلاق ہے اور ہر اس عورت کو بھی طلاق ہے جس سے میں شادی کروں اور اس کا مال بھی صدقہ ہے، پھر وہ حانث ہو جائے (اور وہ کام پورا نہ کر سکے تو امام مالک رحمہ اللہ نے) فرمایا: رہیں اس کی (موجود) بیویاں تو وہ سب طلاق والی ہو جائیں گی جیسا کہ اس نے کہا تھا، رہا اس کا یہ قول کہ میں جس عورت سے شادی کروں گا اسے طلاق ہوگی تو بلاشبہ جب وہ کسی معین عورت یا اس کے قبیلے یا علاقے یا اس طرح کی کوئی اور (نسب وغیرہ جیسی) چیز کا نام نہیں لیتا تو پھر یہ (نکاح سے پہلے والی طلاق) اس پر لازم نہ ہوگی اور وہ جس سے چاہے شادی کر سکتا ہے اور رہا اس کا مال تو اس میں سے تہائی حصہ خرچ کر دے۔

[1212] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 11470۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ: ...... مکمل مال کی مانی ہوئی نذر یا معلق قسم کی اصلاح کی جائے گی اور صرف تہائی مال صدقہ کرنے سے آدمی بری الذمہ ہو جائے گا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے روایت: 1025 اور کتاب النذور کا آخری فتویٰ۔

28- بَابٌ: أَجَلُ الَّذِي لَا يَمَسُّ امْرَأَتَهُ

بیوی سے مباشرت نہ کر سکنے والے شخص کی مہلت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مقطوع روایات ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... بیوی کے ساتھ مباشرت کی طاقت نہ پانے والے مرد کو عموماً ''عنین'' یعنی نامرد کہتے ہیں، بعض افراد میں یہ نامردی دائمی ہوتی ہے جیسا کہ کسی کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو یا اسے خصی کر دیا گیا ہو یا کوئی اور مہلک جنسی مرض لاحق ہو اور بعض کو عارضی نامردی لاحق ہوتی ہے جس کا ازالہ ممکن ہوتا ہے، بہر حال اگر تو عورت بخوشی ایسے مرد کے ساتھ گزارا کرنا چاہے تو اس کی مرضی ہے اور اگر نہ رہنا چاہے تو مرد کو کچھ عرصہ تک علاج کی مہلت دی جائے گی، اگر صحت وقوت بحال ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دونوں میں جدائی ڈال دی جائے گی۔

[1213] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَمَسَّهَا، فَإِنَّهُ يُضْرَبُ لَهُ أَجَلُ سَنَةٍ، فَإِنْ مَسَّهَا، وَإِلَّا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا.

سعید بن مسیب سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے کسی عورت سے شادی کی، پھر وہ اس سے مباشرت کی طاقت نہ پا سکا تو بلاشبہ اس کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی جائے گی (تاکہ اس میں علاج کروا سکے) پھر اگر وہ (سال بعد یا اس سے پہلے) اس کے ساتھ مباشرت کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ دونوں میں جدائی ڈال دی جائے گی۔

فائدہ: ...... قاضی ان کا نکاح ختم کر دے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک یہ صورت فسخ نکاح کی ہے اور چونکہ خاوند عورت کی شرمگاہ پر قدرت ہی نہیں پا سکا اور وہ بالکل سلامت رہی اس لیے اسے نہ حق مہر ملے گا اور نہ کوئی زائد سامان، البتہ اسے عدت گزارنا ہوگی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے ایک غیر رجعی (بائنہ) طلاق ہو جائے گی اور اگر خلوت صحیحہ میسر آ چکی ہو تو مکمل حق مہر ملے گا، ورنہ نصف حق مہر کی حق دار ہوگی۔

[1213] (مقطوع صحیح) دارقطنی: 305/3- بیہقی: 226/77 (14289)- عبدالرزاق: 10720- ابن ابی شیبہ: 16492- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1214] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ : أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ مَتَى يُضْرَبُ لَهُ الأَجَلُ ، أَمِنْ يَوْمِ يَبْنِي بِهَا ، أَمْ مِنْ يَوْمِ تُرَافِعُهُ إِلَى السُّلْطَانِ ؟ فَقَالَ : بَلْ مِنْ يَوْمِ تُرَافِعُهُ إِلَى السُّلْطَانِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اس مرد کے لیے کب سے (کس دن سے شروع کر کے سال بھر کی) مدت مقرر کی جائے گی، کیا اس دن سے کہ جب اس نے عورت کے ساتھ خلوت اختیار کی تھی یا کہ جس دن عورت اس کا مقدمہ اٹھائے؟ تو انھوں نے فرمایا: (پہلی رات سے) نہیں بلکہ اس دن سے جس میں وہ حاکم کی طرف اس کا مقدمہ لے کر جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا الَّذِي قَدْ مَسَّ امْرَأَتَهُ ، ثُمَّ اعْتَرَضَ عَنْهَا ، فَإِنِّي لَمْ أَسْمَعْ أَنَّهُ يُضْرَبُ لَهُ أَجَلٌ ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ شخص جس نے اپنی بیوی سے مباشرت کر لی تھی، پھر اسے عورت (کے ساتھ مباشرت کرنے) سے کوئی عارضہ لاحق ہو گیا تو بلاشبہ میں نے اس شخص کے متعلق یہ نہیں سنا کہ اس کے لیے بھی کوئی مدت مقرر کی جائے اور نہ (یہ سنا ہے کہ) ان میں تفریق کی جائے گی۔

فائدہ :...... ہاں اگر عورت صبر نہ کر سکے تو وہ طلاق لے لے اور اگر خاوند طلاق نہ دے تو خلع کرا لے۔

29- بَابٌ: جَامِعُ الطَّلَاقِ

طلاق کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں آٹھ روایات ہیں، تین مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دو ضعیف ہیں، تین موقوف (آثار صحابہ) ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور دو مقطوع (آثار تابعین) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1215] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، أَنَّهُ قَالَ : بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ ثَقِيفٍ أَسْلَمَ ، وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ حِينَ أَسْلَمَ الثَّقَفِيُّ : أَمْسِكْ مِنْهُنَّ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے بنو ثقیف کے ایک شخص جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کے پاس دس بیویاں تھیں جب وہ ثقفی شخص مسلمان ہوا (تو

[1214] (مقطوع صحیح) بیهقی: 226/7 (14293)۔ ابن ابی شیبۃ: 16489۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1215] (مرفوع صحیح لغیره) جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة، حدیث: 1128۔ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الرجل يسلم وعنده اكثر من اربع نسوة، حديث: 1953۔ احمد: 13/2 (4609)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ اور شیخ احمد علی سلیمان نے صحیح کہا ہے۔

أَرْبَعاً، وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ .

آپ ﷺ نے اس) سے فرمایا: ”ان میں سے چار بیویوں کو اپنے پاس روک لے اور باقی سب کو جدا کر دے۔“

فائدہ: ......کیونکہ مسلمان کو چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت ہے، ارشادالٰہی ہے: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ (النساء: 3) ”توان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو۔“ مذکورہ بالا صورت میں جمہور کے نزدیک مرد کو اختیار ہے کہ دس میں سے جن چار کو چاہے رکھ لے، خواہ سب سے پہلے والی چار بیویوں کو یا درمیان والی یا آخر والی کو یا جس جس کو چاہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ پہلی چار بیویوں ہی کو رکھ سکتا ہے کیونکہ نکاح چار کی تعداد تک منعقد ہوتا ہے اور اس کے بعد جس کے ساتھ بھی نکاح ہو وہ باطل ہی رہتا ہے حالانکہ اسلامی احکامات مثلاً نکاح وطلاق وغیرہ کا اطلاق اسلام لانے کے بعد ہوتا ہے نیز نبی کریم ﷺ نے کوئی سی چار چننے کا اختیار دیا تھا، آپ ﷺ نے پہلی چار ہی کو روکنے کا پابند نہیں کیا۔ یہ صحابی حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔

[1216] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَحُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَعُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، كُلُّهُمْ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ، ثُمَّ تَرَكَهَا حَتَّى تَحِلَّ وَتَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ، فَيَمُوتَ عَنْهَا أَوْ يُطَلِّقَهَا، ثُمَّ يَنْكِحُهَا زَوْجُهَا الْأَوَّلُ، فَإِنَّهَا تَكُونُ عِنْدَهُ، عَلَى مَا بَقِيَ مِنْ طَلَاقِهَا .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیب، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ کو سنا، ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرما رہے تھے: جس کسی عورت کو اس کا خاوند ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر اسے (رجوع کیے بغیر) چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے، پھر وہ (دوسرا خاوند) فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دے، پھر اس سے پہلا خاوند شادی کر لے تو بلاشبہ وہ اس کے پاس رہے گی (لیکن خاوند کو صرف ایک یا دو) باقی ماندہ

[1216] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 364/7 (15135)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 505/5 (4492)۔ الشافعي في الام: 250/5۔ عبدالرزاق: 351/6 (11149، 11150)۔ سعيد بن منصور: 1525، 16626۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

طلاق پر (اختیار ہوگا)

قَالَ مَالِكٌ : وَعَلَى ذَلِكَ السُّنَّةُ عِنْدَنَا الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں اسی کے مطابق طریقہ کار جاری ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

[1217] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الأَحْنَفِ ، أَنَّهُ تَزَوَّجَ أُمَّ وَلَدٍ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ ، قَالَ : فَدَعَانِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ ، فَجِئْتُهُ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ ، فَإِذَا سِيَاطٌ مَوْضُوعَةٌ ، وَإِذَا قَيْدَانِ مِنْ حَدِيدٍ ، وَعَبْدَانِ لَهُ قَدْ أَجْلَسَهُمَا ، فَقَالَ : طَلِّقْهَا ، وَإِلَّا وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ فَعَلْتُ بِكَ كَذَا وَكَذَا . قَالَ : فَقُلْتُ هِيَ الطَّلَاقُ أَلْفاً . قَالَ : فَخَرَجْتُ مِنْ عِنْدِهِ ، فَأَدْرَكْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِي ، فَتَغَيَّظَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ : لَيْسَ ذَلِكَ بِطَلَاقٍ ، وَإِنَّهَا لَمْ تَحْرُمْ عَلَيْكَ ، فَارْجِعْ إِلَى أَهْلِكَ . قَالَ : فَلَمْ تُقْرِرْنِي نَفْسِي حَتَّى أَتَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ أَمِيرٌ عَلَيْهَا - فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِي ، وَبِالَّذِي قَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ ، قَالَ : فَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ : لَمْ تَحْرُمْ عَلَيْكَ ، فَارْجِعْ إِلَى أَهْلِكَ . وَكَتَبَ إِلَى جَابِرِ بْنِ الأَسْوَدِ الزُّهْرِيِّ - وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ - يَأْمُرُهُ أَنْ

ثابت بن احنف رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کی ام ولد لونڈی کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ثابت کہتے ہیں: مجھے (میری بیوی کے مالک کے بیٹے) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب نے بلایا، میں ان کے پاس آیا تو اچانک (کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں) کوڑے رکھے ہوئے تھے اور لوہے کی دو بیڑیاں اور ان کے دو غلام بھی (موجود) تھے جنھیں انھوں نے بٹھا رکھا تھا۔ عبداللہ کہنے لگے کہ اسے طلاق دے دو، ورنہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے میں تمھارے ساتھ ایسا ایسا کروں گا۔ میں نے (یہ اکراہ اور زبردستی والی صورت حال دیکھ کر) کہہ دیا کہ اسے ہزار طلاق ہے۔ ثابت کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے پاس سے نکلا (اور مدینہ سے مکہ کی راہ لی) تو مکہ کے راستے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پا لیا، (جو میری اس بیوی کے آقا عبدالرحمٰن کے چچا زاد بھائی تھے اور عبداللہ جس نے ڈرا دھمکا کر طلاق دلوائی تھی کے چچا بھی لگتے تھے اور سگے ماموں بھی تھے) سو میں نے انھیں اس معاملے کی خبر دی جو میرے ساتھ پیش آیا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس سے سخت غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اسے طلاق ہرگز نہیں ہوئی اور وہ تجھ پر حرام نہیں ہوئی، لہٰذا تم اپنی (اس ام ولد) بیوی کے پاس لوٹ جاؤ،

[1217] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 358/7 (15105) وفی معرفة السنن والآثار: 494/5 (4474)۔ عبدالرزاق: 408/6 (11410، 11411)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

يُعَاقِبَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، وَأَنْ يُخَلِّيَ بَيْنِي وَبَيْنَ أَهْلِي ، قَالَ : فَقَدِمْتُ الْمَدِينَةَ ، فَجَهَّزَتْ صَفِيَّةُ امْرَأَةُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ امْرَأَتِي ، حَتَّى أَدْخَلَتْهَا عَلَيَّ بِعِلْمِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، ثُمَّ دَعَوْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمَ عُرْسِي لِوَلِيمَتِي فَجَاءَنِي .

ثابت کہتے ہیں کہ مجھے میرے نفس نے اطمینان نہ آنے دیا (میں بے قرار ہی رہا) یہاں تک کہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور وہ اس وقت مکہ میں تھے اور مکہ کے امیر تھے، چنانچہ میں نے انھیں بھی وہ بتا دیا جو میرے ساتھ معاملہ بیتا تھا، اور وہ بھی بتایا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا تھا۔ تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی مجھ سے فرمایا کہ وہ تم پر حرام نہیں ہوئی، تم اپنی اہلیہ کے پاس لوٹ جاؤ اور انھوں نے جابر بن اسود زہری کو لکھا جو کہ مدینہ منورہ کے امیر تھے، وہ انھیں حکم دے رہے تھے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کو سزا دو اور مجھے ثابت کو) اور میری بیوی کو اکٹھا کر کے تنہا چھوڑ دو۔ ثابت کہتے ہیں کہ پھر میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی صفیہ نے میری بیوی کو (بناؤ سنگھار کر کے) تیار کیا یہاں تک کہ اس نے اپنی شادی (دوبارہ ملاپ) کے دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے ولیمے کی دعوت دی، چنانچہ وہ میرے پاس آئے (اور ولیمے میں شریک ہوئے)۔

فائدہ :...... جمہور صحابہ وائمہ اور علمائے سلف وخلف کا یہی موقف ہے کہ طلاق مکرہ (زبردستی مجبور کیے ہوئے شخص کی طلاق) واقع نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو زبردستی پڑھائے ہوئے کلمہ کفر کو بھی معتبر نہیں جانا۔ (سورۂ نحل، آیت: 106) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس طلاق کے واقع ہو جانے کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کو جن شدید سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا ان کا سبب بھی یہی فتویٰ تھا کہ زبردستی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

[1218] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، أَنَّهُ قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَرَأَ : ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ﴾ [الطلاق : 1] لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ .

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، انھوں نے (سورۂ طلاق کی پہلی آیت کو یوں) پڑھا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ﴾ "اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔"

قَالَ مَالِكٌ : يَعْنِي بِذَلِكَ أَنْ يُطَلِّقَ فِي كُلِّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ اس قراءت سے یہ مراد لے

[1218] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 323/7 (14903) وفي معرفة السنن والآثار: 451/5 (4411)- الشافعي في الام: 180/5- احمد: 61/2 (5629)- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز دیکھیے صحیح مسلم: 14/1471۔

طُهْرٍ مَرَّةً.

رہے تھے کہ آدمی ہر طہر میں ایک بار طلاق دے۔

فائدہ : ...... اس حوالے سے مزید تفصیل پیچھے روایت: 1190 کے فائدے میں گزر چکی ہے، طلاق دینے کا ''احسن'' طریقہ تو یہی ہے کہ جماع سے خالی طہر میں ایک طلاق دے کر رجوع نہ کیا جائے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے، رہی یہ صورت کہ ہر طہر میں بغیر رجوع کیے ایک ایک طلاق دی جائے تو اسے ''حسن'' کہتے ہیں۔

[1219] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، ثُمَّ ارْتَجَعَهَا قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، كَانَ ذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ طَلَّقَهَا أَلْفَ مَرَّةٍ، فَعَمَدَ رَجُلٌ إِلَى امْرَأَتِهِ فَطَلَّقَهَا، حَتَّى إِذَا شَارَفَتِ انْقِضَاءَ عِدَّتِهَا رَاجَعَهَا، ثُمَّ طَلَّقَهَا، ثُمَّ قَالَ: لاَ وَاللّٰهِ لاَ آوِيكِ إِلَيَّ، وَلاَ تَحِلِّينَ أَبَداً. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ [البقرة: 229] فَاسْتَقْبَلَ النَّاسُ الطَّلاَقَ جَدِيداً مِنْ يَوْمِئِذٍ، مَنْ كَانَ طَلَّقَ مِنْهُمْ أَوْ لَمْ يُطَلِّقْ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ (دورِ جاہلیت میں) آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا، پھر اس کی عدت ختم ہونے (کو آتی تو اختتام) سے پہلے اس سے رجوع کر لیتا، تو یہ عمل اس کا حق (شمار) ہوتا تھا، خواہ وہ اسے ہزار بار طلاق دے۔ پھر (جب اسلام آ گیا تو) ایک آدمی نے اپنی بیوی کی طرف (اس طرح کا) معاملہ کیا، چنانچہ اس نے اسے طلاق دی یہاں تک کہ جب وہ اپنی عدت کے مکمل ہونے کے قریب پہنچی تو اس نے اس سے رجوع کر لیا، پھر اسے طلاق دے دی، پھر کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں تجھے نہ تو اپنی طرف جگہ دوں گا (نہ اپنی بیوی بنا کر تیری خواہش پوری کروں گا) اور نہ تو کبھی کسی اور کے لیے حلال ہو سکے گی (کہ عدت پوری ہو اور تو کسی اور کے نکاح میں جا سکے) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: 229) ''طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (عورت کو) دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔'' تو اس دن سے لوگوں نے از سرِ نو طلاق کا آغاز کیا، ان میں سے جنھوں نے (اس سے قبل) طلاق دی تھی اور جنھوں نے طلاق نہ دی تھی (سب کے لیے اس دن سے طلاق کی تعداد تین شروع ہوئی)۔

فائدہ : ...... گویا اس روایت میں مذکورہ آیت مبارکہ کا سببِ نزول بیان ہوا۔

[1219] (مرفوع ضعیف) جامع الترمذي، كتاب الطلاق، باب نزول قوله الطلاق مرتان، حديث: 1192- بيهقي في السنن الكبرى: 333/7 (14951)- وفي معرفة السنن والآثار: 465/5 (4425)- الشافعي في الام: 242/5- وفي المسند: 68/2- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1220] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ: أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ، ثُمَّ يُرَاجِعُهَا، وَلَا حَاجَةَ لَهُ بِهَا، وَلَا يُرِيدُ إِمْسَاكَهَا، كَيْمَا يُطَوِّلَ بِذَلِكَ عَلَيْهَا الْعِدَّةَ لِيُضَارَّهَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ [البقرة: 231] يَعِظُهُمُ اللَّهُ بِذَلِكَ.

ثور بن زید دیلی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا، پھر اس سے رجوع کر لیتا تھا حالانکہ اسے اس کی کوئی حاجت نہ ہوتی اور نہ وہ اسے اپنے پاس روکنے کا ارادہ رکھتا تھا (بس مقصد یہ تھا) تاکہ اس رجوع کی وجہ سے عورت پر عدت طویل ہوتی رہے، تاکہ وہ اسے تکلیف میں مبتلا کیے رکھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ (البقرہ: 231) ”اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا۔“ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نصیحت فرما رہے ہیں۔

فائدہ: ...... چنانچہ اسی آیت مبارکہ میں آگے یہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ: 231) ”اور تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ بناؤ اور اللہ کی طرف سے تم پر جو انعام ہوا اسے یاد کرو اور کتاب اور حکمت کو بھی یاد کرو جو اس نے تم پر نازل کی، وہ تمھیں اس کی نصیحت کرتا ہے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

[1221] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، سُئِلَا عَنْ طَلَاقِ السَّكْرَانِ فَقَالَا: إِذَا طَلَّقَ السَّكْرَانُ جَازَ طَلَاقُهُ، وَإِنْ قَتَلَ قُتِلَ بِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ سے نشے میں دھت آدمی کی طلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو دونوں نے فرمایا: جب نشے والا شخص طلاق دے تو اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ (حالت نشہ میں) قتل کرے تو اسے (قصاصاً) قتل کیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں یہی حکم (رائج) ہے۔

فائدہ: ...... لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک نشے میں مبتلا شخص کی طلاق جائز نہیں۔ (بخاری،

[1220] (مرفوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

[1221] (مقطوع ضعیف) بیہقی: 359/7 (15112)۔ عبدالرزاق: 12303۔ ابن ابی شیبہ: 17955، 17957، 17961۔ سعید بن منصور: 1106، 1107۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

قبل از حدیث: 5269) اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ میں دونوں طرح کے موقف پائے جاتے تھے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کے ہاں بھی حالت نشہ میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور دوسری میں انھوں نے توقف اختیار کیا ہے۔

[1222] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ: إِذَا لَمْ يَجِدِ الرَّجُلُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَأَتِهِ، فُرِّقَ بَيْنَهُمَا. قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ أَدْرَكْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جب آدمی وہ کچھ نہ پائے جو اپنی بیوی پر خرچ کر سکے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شہر (مدینہ) کے اہل علم کو اسی موقف پر پایا ہے۔

فائدہ :...... امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک ایسی عورت کے لیے حق فسخ نکاح ہے، لیکن جمہور اس وجہ سے فسخ نکاح کے قائل نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت کسی سے قرضہ لے کر گزارا کرتی ہے جس کی ادائیگی خاوند کے ذمے رہے گی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اور نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ بھی جدائی ڈالنے کے قائل ہیں جبکہ امام ابن حزم اور علامہ البانی رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ بہرحال ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ عورت کو صبر کی تلقین کی جائے اور بیت المال یا مخیّر حضرات کی طرف سے ان کا تعاون کیا جائے، پھر بھی اگر عورت راضی نہ ہو تو طلاق لے لے یا خلع کرا لے۔

30- بَابٌ: عِدَّةُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا

اس حاملہ عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند فوت ہو جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں، جو بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں اور ایک موقوف روایت ہے جو سنداً صحیح ہے۔

فائدہ :...... کسی بھی عورت کا خاوند فوت ہو تو اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرہ: 234) ''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔'' اور حاملہ عورتوں کے متعلق بعد میں یہ عمومی اعلان فرمایا: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: 4) ''اور حمل والی

[1222] (مقطوع صحیح) بیہقی فی السنن الکبری: 469/7 (15707)۔ وفی معرفۃ السنن والآثار: 105/6 (4750)۔ الشافعی فی الام: 107/5۔ دارقطنی: 296/3 (3740)۔ عبدالرزاق: 12356۔ ابن ابی شیبہ: 19006۔ سعید بن منصور: 2022۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔"

[1223] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ يُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: آخِرَ الأَجَلَيْنِ. وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِذَا وَلَدَتْ فَقَدْ حَلَّتْ. فَدَخَلَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ، وَلَدَتْ سُبَيْعَةُ الأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِنِصْفِ شَهْرٍ، فَخَطَبَهَا رَجُلاَنِ، أَحَدُهُمَا شَابٌّ، وَالآخَرُ كَهْلٌ، فَحَطَّتْ إِلَى الشَّابِّ، فَقَالَ الشَّيْخُ: لَمْ تَحِلِّي بَعْدُ. وَكَانَ أَهْلُهَا غَيَباً، وَرَجَا إِذَا جَاءَ أَهْلُهَا أَنْ يُؤْثِرُوهُ بِهَا، فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: قَدْ حَلَلْتِ، فَانْكِحِي مَنْ شِئْتِ.

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس حاملہ عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کا خاوند فوت ہوجائے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ (اس کی عدت) وہ ہے جو آخِرُ الْاَجَلَیْن یعنی دو عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضع حمل) میں سے جو آخری (اور بعد میں ختم ہونے والی) ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب وہ بچہ جن دے گی تو وہ (نکاح کے لیے) حلال ہو جائے گی، پھر ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کے پاس گئے اور ان سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند (حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ جو حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تھے) کی وفات سے نصف ماہ بعد بچے کو جنم دے دیا تو دو شخصوں نے ان کو پیغام نکاح بھیجا جن میں سے ایک نوجوان اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا۔ وہ نوجوان کی طرف مائل ہو گئیں تو ادھیڑ عمر شخص کہنے لگا کہ (تیری تو ابھی عدت ہی ختم نہیں ہوئی لہٰذا نئے نکاح کے لیے) تو ابھی حلال ہی نہیں ہوئی، (اس نے یہ بات اس لیے کی کہ) حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے موجود نہ تھے اور اس (ادھیڑ عمر شخص) کو یہ امید تھی کہ جب ان کے گھر والے آ ئیں گے تو (اپنی) عورت کے ساتھ نکاح کے لیے اسی کو ترجیح دیں گے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کے سامنے اس معاملے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھاری عدت گزر چکی ہے لہٰذا جس سے چاہو نکاح کرلو۔"

[1223] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الطلاق، باب و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن، حديث: 4909، 5318- صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها وغيرها بوضع الحمل، حديث: 1485- ترمذی: 1194- نسائی: 3540- احمد: 319/6 (27251)- دارمی: 2279-

فائدہ :...... نوجوان صحابی حضرت ابو البشر بن حارث رضی اللہ عنہ تھے اور ادھیڑ عمر صحابی حضرت ابو سنابل بن بعلک رضی اللہ عنہ تھے اور مشہور یہی ہے کہ بعد میں حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوسنابل رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا...... ایسی حاملہ عورت کی عدت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک "اَبْعَدُ الْاَجَلَیْنِ" تھی، چنانچہ ایک عدت تو چار ماہ دس دن ہے اور دوسری وضع حمل۔ تو ان میں سے اگر چار ماہ دس دن سے پہلے بچہ پیدا ہوا تو پھر چار ماہ دس دن عدت ہوگی اور اگر چار ماہ دس دن کے بعد بچہ پیدا ہوتو پھر بچے کی پیدائش پر عدت ختم ہوگی۔ یہی موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے لیکن بعد میں جمہور ائمہ وسلف وخلف کا ایسی حاملہ عورت کے متعلق اجماع ہو چکا ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہی ہے خواہ وہ وفات کے فوراً بعد بچہ جنے۔ وہ حالت نفاس میں نکاح کرسکتی ہے البتہ نفاس کے دوران میں خاوند مباشرت نہیں کرے گا۔

[1224] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ يُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: إِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَقَدْ حَلَّتْ. فَأَخْبَرَهُ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ عِنْدَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَوْ وَضَعَتْ، وَزَوْجُهَا عَلَى سَرِيرِهِ لَمْ يُدْفَنْ بَعْدُ لَحَلَّتْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا خاوند فوت ہوجائے اور وہ حاملہ ہو تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب وہ اپنے حمل کو جنے گی تو یقیناً اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ (یہ سنا) تو انصار میں سے ایک شخص جو ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، نے انھیں خبر دی کہ یقیناً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ اس حال میں بچہ جنے کہ اس کا (فوت شدہ) خاوند چارپائی پر ہو، ابھی اسے دفن نہ کیا گیا ہو تو بے شک (پھر بھی) اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

[1225] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کی وفات سے چند رات بعد نفاس شروع ہوگیا (اوران کے ہاں بچے کی ولادت

[1224] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 430/7 (15476)- وفی معرفة السنن والآثار: 48/6 -(4649)- الشافعی فی الام: 224/5- وفی المسند: 100/2- عبدالرزاق: 11719- ابن ابی شیبه: 17090- سعید بن منصور: 1522- شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[1225] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب واولادت الاحمال اجلهن ان یضعهن حملهن، حدیث: 5320- سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفی عنها زوجها، حدیث: 3536- ابن ماجه: 2029- احمد: 327/4 (19125).

وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ حَلَلْتِ، فَانْكِحِي مَنْ شِئْتِ.

ہوگئی) تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تمھاری عدت ختم ہوچکی ہے لہٰذا جس سے چاہو نکاح کرلو۔''

فائدہ: ...... یہ ولادت کتنے دن بعد ہوئی تھی، اس کے متعلق مختلف روایات اور اقوال ہیں مثلاً سات، سترہ، بیس، چالیس یا پینتالیس راتیں یا نصف ماہ یا پورا مہینہ۔ (زرقانی: 304/3) اتنی بات قطعی ہے کہ چار ماہ دس دن سے پہلے پہلے ولادت ہوگئی تھی، بہرحال اسی اختلاف کے پیش نظر بعض راویوں نے یہ تعداد مبہم بیان کی ہے، بخاری کی ایک روایت میں بیس رات بعد ولادت مذکور ہے۔ (بخاری: 5318) اور ایک میں چالیس رات کا ذکر ہے۔ (بخاری: 4909) ایک روایت میں ہے کہ حضرت سبیعہ ؓ کے خاوند قتل ہوئے تھے۔ (بخاری: 4909) لیکن راجح یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تھے۔ (بخاری: 1484)

[1226] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اخْتَلَفَا فِي الْمَرْأَةِ تُنْفَسُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ: إِذَا وَضَعَتْ مَا فِي بَطْنِهَا فَقَدْ حَلَّتْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: آخِرَ الْأَجَلَيْنِ. فَجَاءَ أَبُو هُرَيْرَةَ، فَقَالَ: أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي. يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ، فَبَعَثُوا كُرَيْبًا مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُهَا عَنْ ذٰلِكَ، فَجَاءَهُمْ فَأَخْبَرَهُمْ أَنَّهَا قَالَتْ: وَلَدَتْ سُبَيْعَةُ الْأَسْلَمِيَّةُ، بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: قَدْ حَلَلْتِ: فَانْكِحِي مَنْ شِئْتِ.

سلیمان بن یسار ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور (فقیہ مدینہ) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ؒ دونوں نے اس عورت کے متعلق اختلاف کیا جسے اپنے خاوند کی وفات سے چند رات بعد بچہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ابوسلمہ ؒ نے کہا کہ جب وہ اپنے پیٹ والے بچے کو جنم دے دے گی تو یقیناً اس کی عدت ختم ہوجائے گی اور حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ (اس کی عدت) اَبْعَدُ الْاَجَلَيْن یعنی دونوں عدتوں میں سے زیادہ دور والی ہے پھر اتنے میں حضرت ابوہریرہ ؓ بھی آ گئے تو انھوں نے کہا کہ میں تو اپنے (دینی) بھائی کے بیٹے کے ساتھ ہوں، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (بن عوف ؓ) کو مراد لے رہے تھے، پھر ان سب نے کریب ؒ جو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، کو سیدہ ام سلمہ ؓ زوجہ رسول ﷺ کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان سے

[1226] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الطلاق، باب واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن، حديث: 4909، 5318- صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها وغيرها بوضع الحمل، حديث: 1485- ترمذي: 1194- نسائي: 3544- احمد: 314/6 (27210)- دارمي: 2280.

اس کے متعلق پوچھے، چنانچہ (وہ گئے اور مسئلہ پوچھنے کے بعد واپس) ان کے پاس آئے اور انھیں بتایا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی وفات سے چند رات بعد بچہ جن دیا، پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تمھاری عدت پوری ہو چکی ہے لہٰذا جس سے چاہو نکاح کرلو۔''

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا الأَمْرُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ عِنْدَنَا . امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی وہ حکم ہے جس پر ہمارے شہر مدینہ کے اہل علم ہمیشہ سے قائم ہیں۔

فائدہ :...... معلوم ہوا کہ ابتدا میں یہ بحث ایک صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک تابعی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ کے مابین شروع ہوئی جس میں بعد ازاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوگئے، نیز پہلے تو کریب رحمہ اللہ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر مسئلہ دریافت کیا اور بعد میں خود ابوسلمہ رحمہ اللہ نے بھی ان کے پاس جا کر براہِ راست یہ حدیث سنی۔

31- بَابٌ: مَقَامُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا فِي بَيْتِهَا حَتَّى تَحِلَّ

فوت شدہ خاوند والی عورت کے اپنے ہی (خاوند کے) گھر میں اختتامِ عدت تک ٹھہرے رہنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو سنداً صحیح ہے، تین موقوف ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور دو صحیح ہیں اور ایک مقطوع روایت ہے اور وہ بھی صحیح ثابت ہے۔

فائدہ :...... عورت کے لیے عدت وفات اسی گھر میں گزارنا لازم ہے جس میں خاوند رہائش پذیر ہو، خواہ وہ اس کا ذاتی مکان ہو یا سرکاری کوارٹر یا کرائے کا مکان ہو۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا دن کے وقت ایسی عورت کسی کام کاج اور حاجت کے لیے اس گھر سے باہر نکل سکتی ہے یا نہیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اسے کھلی اجازت دیتے ہیں اور بعض کسی عذر کی بنا پر باہر نکلنے کی اجازت دیتے ہیں...... دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عدت طلاق کے متعلق یہ ثابت ہے کہ عورت کسی کام کاج کے لیے دن کو باہر نکل سکتی ہے۔ (مسلم: 1483) عدت وفات کے متعلق کوئی ایسی حدیث نبوی معلوم نہیں ہوئی، اسی لیے بعض علماء عدت وفات کے اس معاملے کو عدت طلاق پر قیاس کرتے ہیں اور بعض نہیں، ہمارے نزدیک یہ قیاس درست ہے۔ واللہ اعلم

[1227] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زینب بنت کعب بن عجرہ رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ حضرت

[1227] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی المتوفی عنها تنتقل، حدیث: 2300۔ جامع الترمذی، کتاب الطلاق، باب ماجاء این تعتد المتوفی عنها زوجها، حدیث: 1204۔ نسائی: 3558۔ ابن ماجه: 2031۔ احمد: 370/6 (27627)۔ دارمی: 2287۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

سَعِيدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ عَمَّتِهِ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ - وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْهَا: أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ تَسْأَلُهُ، أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ، فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ. قَالَتْ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فِي بَنِي خُدْرَةَ، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةَ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: نَعَمْ قَالَتْ: فَانْصَرَفْتُ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ نَادَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ، أَوْ أَمَرَ بِي فَنُودِيتُ لَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ قُلْتِ؟ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي، فَقَالَ: امْكُثِي فِي بَيْتِكِ، حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ: فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذَلِكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ.

فریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں، نے انھیں بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہ آپ ﷺ سے یہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ اپنے گھر والوں (اپنے میکے) کی طرف یعنی بنو خدرہ میں لوٹ جائیں، کیونکہ (ہوا یوں تھا کہ) بلاشبہ ان کے خاوند اپنے کچھ غلاموں کی تلاش میں نکلے جو بھاگ گئے تھے، یہاں تک کہ جب وہ (بھگوڑے غلام مدینہ سے چھ سات میل دور) قدوم کے کنارے تک پہنچے تو انھوں نے (یعنی ان کے خاوند اور غلاموں کے آقا نے) انھیں پا لیا (لیکن) پھر ان غلاموں نے انھیں قتل کر ڈالا، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ (کیا) میں بنو خدرہ میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤں؟ کیونکہ یقیناً میرے خاوند نے مجھے کسی ایسی رہائش گاہ میں نہیں چھوڑا جس کے وہ خود مالک ہوں اور نہ ہی نفقہ چھوڑا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (چلی جاؤ)'' وہ کہتی ہیں کہ میں واپس پھری، یہاں تک کہ جب میں (ابھی) حجرہ مبارک ہی میں تھی (اور باہر بھی نہ پہنچی تھی) کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی اور میرے متعلق (یعنی مجھے بلانے کا) حکم صادر فرمایا، چنانچہ مجھے آپ ﷺ (کے پاس واپس آنے) کے لیے آواز لگائی گئی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے کس طرح سوال کیا تھا؟'' (ذرا اسے دہراؤ) میں نے آپ ﷺ کے سامنے وہ سارا قصہ دہرا دیا جس کا میں اپنے خاوند کے حوالے سے آپ ﷺ کے حضور تذکرہ کر چکی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے (خاوند والے عارضی) گھر ہی میں ٹھہری رہو، یہاں تک کہ (اللہ کی) کتاب (میں لکھی ہوئی عدت) اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائے'' وہ کہتی ہیں کہ پھر میں نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری، وہ بیان کرتی ہیں کہ پھر جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (مسند خلافت پر متمکن) تھے انھوں نے میری طرف پیغام بھیجا اور مجھ سے اس کے متعلق سوال

کیا تو میں نے انھیں یہ سب کچھ بتا دیا، پھر انھوں نے بھی اس کی اتباع کی اور اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

[1228] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَرُدُّ الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ مِنَ الْبَيْدَاءِ، يَمْنَعُهُنَّ الْحَجَّ.

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان عورتوں کو بیداء مقام سے واپس بھیج دیا کرتے تھے جن کے خاوند فوت ہو چکے ہوتے تھے۔ (اور وہ ابھی عدت گزار رہی ہوتی تھیں)، وہ انھیں حج (پر جانے) سے منع کر دیتے تھے۔

فائدہ: ......''بیداء'' مدینہ منورہ سے باہر ذوالحلیفہ کے کنارے پر ٹیلہ نما ایک اونچی جگہ کا نام ہے۔

[1229] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ السَّائِبَ بْنَ خَبَّابٍ تُوُفِّيَ، وَإِنَّ امْرَأَتَهُ جَاءَتْ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، فَذَكَرَتْ لَهُ وَفَاةَ زَوْجِهَا، وَذَكَرَتْ لَهُ حَرْثًا لَهُمْ بِقَنَاةَ، وَسَأَلَتْهُ هَلْ يَصْلُحُ لَهَا أَنْ تَبِيتَ فِيهِ، فَنَهَاهَا عَنْ ذَلِكَ، فَكَانَتْ تَخْرُجُ مِنَ الْمَدِينَةِ سَحَرًا، فَتُصْبِحُ فِي حَرْثِهِمْ، فَتَظَلُّ فِيهِ يَوْمَهَا، ثُمَّ تَدْخُلُ الْمَدِينَةَ إِذَا أَمْسَتْ فَتَبِيتُ فِي بَيْتِهَا.

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت سائب بن خباب رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ان کی اہلیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور انھوں نے ان کے سامنے اپنے خاوند کی وفات کا تذکرہ کیا اور انھیں اپنے گھر والوں کی اس کھیتی کے متعلق بتایا جو (مدینہ کے قریب وادی) ''قناۃ'' میں تھی اور ان سے پوچھا کہ کیا اس کے لیے یہ درست ہے کہ وہ وہاں رات گزارے تو انھوں نے ان کو اس سے منع فرما دیا۔ چنانچہ وہ مدینہ منورہ سے سحری کے وقت نکل جاتیں، اپنی کھیتی میں صبح کرتیں، پھر سارا دن وہیں رہتیں، پھر جب شام کرتیں تو مدینہ میں آ جاتیں اور اپنے گھر میں رات گزارتیں۔

[1230] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الْمَرْأَةِ الْبَدَوِيَّةِ، يُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا: إِنَّهَا تَنْتَوِي

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، وہ (صحراء میں رہنے والی) اس بدوی عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے، کے متعلق فرمایا کرتے

[1228] (موقوف صحیح) بیهقی: 435/7 (15505)۔ عبدالرزاق: 33/7 (12072)۔ ابن ابی شیبه: 18847۔ سعید بن منصور: 1343۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1229] (موقوف ضعیف) بیهقی: 436/7 (15515)۔ عبدالرزاق: 12064۔ ابن ابی شیبه: 18865۔ 18866۔ سعید بن منصور: 1371۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1230] (مقطوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 56/6 (4667)۔ الشافعی فی الام: 229/5۔ وفی المسند: 101/2۔ عبدالرزاق: 12078۔ ابن ابی شیبه: 18860۔ سعید بن منصور: 1372۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حَيْثُ انْتَوَى أَهْلُهَا .

تھے کہ وہ وہیں پڑاؤ ڈالے گی جہاں اس کے خاندان والے پڑاؤ ڈالیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهٰذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: ...... خانہ بدوش لوگوں کی کوئی مستقل رہائش گاہ تو ہوتی نہیں، انھوں نے پانی والے چشموں کے قریب عارضی پڑاؤ کرنا ہوتا ہے، وہاں سے پانی ختم ہونے پر وہ کہیں اور چل دیتے ہیں، اس لیے ان میں عدت گزارنے والی عورت بھی ان کے ساتھ ساتھ ہی رہے گی، نہ ان کو چھوڑ کر کہیں اور جائے اور نہ ایک ہی جگہ عدت کے لیے پڑاؤ کرے، کیونکہ وہ معذور ومجبور ہے اور یہ قطعاً مناسب نہیں کہ سب اہل قافلہ کے لیے مشقت کا باعث بنے۔

[1231] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : لاَ تَبِيتُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا ، وَلاَ الْمَبْتُوتَةُ إِلَّا فِي بَيْتِهَا .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اور جسے تین طلاقیں مل چکی ہوں، وہ اپنے (خاوند کے) گھر کے علاوہ کہیں بھی رات نہ گزارے۔

فائدہ: ...... ہمارے نزدیک وفات اور رجعی طلاق کی عدت میں تو یہی حکم ہے، جبکہ تیسری طلاق میں خاوند کے ذمے رہائش نہیں ہے۔

32- بَابٌ: عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا

اس ام ولد لونڈی کی عدت کا بیان جس کا آقا فوت ہو جائے

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف اور دو مقطوع ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... ام ولد کے لفظی معنی ہیں ''اولاد کی ماں'' اس سے مراد وہ لونڈی ہے جس سے اس کے آقا کی اولاد پیدا ہو چکی ہو، یہ اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔

[1232] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ قَالَ : سَمِعْتُ الْقَاسِمَ

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (اموی بادشاہ) یزید بن عبدالملک نے کچھ مردوں اور ان کی بیویوں کے درمیان

[1231] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 435/7 (15505)۔ وفی الخلافیات: 167/2۔ عبدالرزاق: 12063۔ ابن ابی شیبه: 18859۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[1232] (مقطوع صحیح) بیهقی: 447/7 (15578)۔ ابن ابی شیبه: 18754۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ : إِنَّ يَزِيدَ بْنَ عَبْدِ الْمَلِكِ فَرَّقَ بَيْنَ رِجَالٍ وَبَيْنَ نِسَائِهِمْ ، وَكُنَّ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِ رِجَالٍ هَلَكُوا ، فَتَزَوَّجُوهُنَّ بَعْدَ حَيْضَةٍ أَوْ حَيْضَتَيْنِ ، فَفَرَّقَ بَيْنَهُمْ حَتَّى يَعْتَدُّونَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً . فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ : سُبْحَانَ اللّٰهِ ، يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وتَعَالَى فِي كِتَابِهِ : ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً﴾ [البقرة : 240] مَا هُنَّ مِنَ الأَزْوَاجِ .

جدائی کرا دی، وہ عورتیں (دراصل) ان مردوں کی ام ولد لونڈیاں تھیں جو فوت ہو چکے تھے، تو ان (کچھ دوسرے) مردوں نے ان کے ایک حیض یا دو حیض گزرنے کے بعد ان سے شادی کر لی تھی، چنانچہ یزید بن عبدالملک نے ان کے درمیان تفریق کرا دی یہاں تک کہ وہ چار ماہ دس دن (مکمل) عدت گزار لیں (تو پھر ان سے شادی کی اجازت دی، حدیث کے راوی) قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے (یزید بن عبدالملک کا انکار کرتے ہوئے ازروئے تعجب) کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا﴾ (البقرہ: 234) ”اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔“ (یہ چار ماہ دس دن والی عدت تو بیویوں کی ہے) اور یہ عورتیں (ام ولد لونڈیاں) تو بیویاں نہیں تھیں۔

فائدہ :...... وہ تو اپنے آقاؤں کی وفات کے وقت لونڈیاں ہی تھیں، لہٰذا ان کی عدت وہ نہیں جو آیت میں ہے، اور وہ تو صرف ایک حیض عدت بطور استبراء رحم گزاریں گی تاکہ یہ پتا چلے کہ رحم خالی ہے یا نہیں، چنانچہ حیض آ گیا تو نکاح حلال ہوگا ورنہ بچے کی ولادت کے بعد حلال ہوں گی۔

[1233] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ قَالَ : عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ ، إِذَاتُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا حَيْضَةٌ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب ام ولد لونڈی کا آقا فوت ہو جائے تو اس کی عدت ایک حیض ہے۔

[1234] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا حَيْضَةٌ .

قاسم بن محمد سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ ام ولد لونڈی کا آقا جب فوت ہو جائے تو اس کی عدت ایک حیض ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهُوَ الأَمْرُ عِنْدَنَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے۔

[1233] (موقوف صحیح) بيهقي في السنن الكبرى: 447/7 (15576) وفي معرفة السنن والآثار: 74/6 (4693)۔ الشافعي في الام: 218/5۔ عبدالرزاق: 12930۔ ابن ابي شيبه: 18747۔ سعيد بن منصور: 1288۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1234] (مقطوع صحيح) بيهقي: 447/7۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ :...... امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس لونڈی کی عدت ایک حیض جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین حیض ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِمَّنْ تَحِيضُ، فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر وہ ام ولد لونڈی ان عورتوں میں سے ہو جنھیں حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

فائدہ :...... جس طرح کہ طلاق کی عدت میں حیض سے بندش والی عورتوں کی عدت تین ماہ ہوتی ہے...... یہ موقف راجح نہیں ہے، اس لیے کہ عدت طلاق کا ایک اہم مقصد رجوع کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے اور یہاں تو ایسی کوئی صورت نہیں ہے، لہٰذا اسے حیض نہ آئے تو وہ ایک ماہ انتظار کرے گی جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے، ویسے بھی طلاق کی عدت میں تین حیض کے بدلے تین ماہ عدت ہے تو یہاں ایک حیض کے بدلے ایک ماہ ہی بنے گا۔

33- بَابٌ : عِدَّةُ الْأَمَةِ إِذَا تُوُفِّيَ سَيِّدُهَا أَوْ زَوْجُهَا

لونڈی کی عدت کا بیان جب اس کا آقا یا خاوند فوت ہو جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مقطوع روایات ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز اس میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... اگر لونڈی اپنے آقا کے استعمال میں ہو تو پھر آقا کی وفات پر لونڈی کی حیثیت سے عدت گزارے گی بشرطیکہ ام ولد ہو اور جب آقا کے علاوہ کسی اور مرد سے اس کا نکاح ہوا ہو خواہ وہ خاوند آزاد ہو یا غلام تو اس کی وفات پر بیوی کی حیثیت سے عدت گزارے گی۔

یاد رہے کہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ اندلسی ہی نے اس جگہ باب کے عنوان میں "سَيِّدُهَا" کا لفظ ذکر کیا ہے، باقی شاگردوں نے اسے بیان نہیں کیا اور یہ بات متفقہ ہے کہ لونڈی کے لیے اپنے آقا کی وفات پر کوئی عدت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو مال وراثت میں شامل ہوتی ہے، الا یہ کہ ام ولد ہو تو وہ آزاد ہو جاتی ہے اور ایک حیض عدت گزارتی ہے، اسی طرح آقا تبدیل ہو تو بھی ایک حیض انتظار کرنا لازمی ہے۔

[1235] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، كَانَا يَقُولَانِ : عِدَّةُ الْأَمَةِ، إِذَا هَلَكَ عَنْهَا زَوْجُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسُ لَيَالٍ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ لونڈی کا جب خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت دو ماہ اور پانچ راتیں ہیں۔

[1235] (مقطوع ضعيف) بیهقی: 427/7 (15458)۔ ابن ابی شیبه: 18880۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ :......قرآن مجید کا عموم دیکھیں تو بیوی ہونے کے اعتبار سے لونڈی کو بھی عدت وفات میں چار ماہ دس دن ہی گزارنا ہوں گے، چنانچہ امام ابن حزم، امام شوکانی، امیر صنعانی اور نواب صدیق حسن خان رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، وہ تو لونڈی کے لیے عدت طلاق کے بھی مکمل ہونے کے قائل ہیں اور یہی راجح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے لونڈی کی عدت کا نصف ہونا ثابت نہیں ہے اور جو اس بارے میں مروی روایات ہیں وہ ضعیف ہیں، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عدت طلاق میں لونڈی کے لیے دو حیض ثابت ہیں۔ (دارقطنی: 419، بیھقی: 425/7، ارواء الغلیل: 2067- سند صحیح ہے) چنانچہ اس فرمان عمر رضی اللہ عنہ اور وہ معاملات جن میں لونڈی کے لیے آزاد عورت سے نصف کا تذکرہ ہے مثلاً سزا وغیرہ تو ان پر قیاس کرتے ہوئے متعدد فقہاء لونڈی کی نصف عدت وفات کے قائل ہیں۔

[1236] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مِثْلَ ذَلِكَ .

امام مالک کہتے ہیں کہ امام ابن شہاب سے بھی اسی کی مثل قول منقول ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ يُطَلِّقُ الأَمَةَ طَلاقاً، لَمْ يَبُتَّهَا فِيهِ، لَهُ عَلَيْهَا فِيهِ الرَّجْعَةُ، ثُمَّ يَمُوتُ وَهِيَ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلاقِهِ: إِنَّهَا تَعْتَدُّ عِدَّةَ الأَمَةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، شَهْرَيْنِ وَخَمْسَ لَيَالٍ، وَإِنَّهَا إِنْ عَتَقَتْ وَلَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ، ثُمَّ لَمْ تَخْتَرْ فِرَاقَهُ بَعْدَ الْعِتْقِ، حَتَّى يَمُوتَ وَهِيَ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلاقِهِ، اعْتَدَّتْ عِدَّةَ الْحُرَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، وَذَلِكَ أَنَّهَا إِنَّمَا وَقَعَتْ عَلَيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بَعْدَ مَا عَتَقَتْ، فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْحُرَّةِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے متعلق فرمایا جو لونڈی کو ایسی طلاق دے دیتا ہے جس میں وہ اسے بائنہ نہیں بناتا اور اس طلاق میں اسے عورت پر رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے، پھر وہ اس حال میں مر جاتا ہے کہ عورت عدت طلاق میں ہوتی ہے، (تو فرمایا کہ) بلاشبہ وہ اب اس لونڈی والی عدت گزارے گی جس کا خاوند فوت ہو جاتا ہے، یعنی دو ماہ اور پانچ راتیں، اور بلاشبہ اگر وہ اس حال میں آزاد ہو جائے کہ خاوند کو اس سے رجوع کا حق ہو، پھر اس نے آزاد ہو جانے کے بعد اس غلام خاوند سے جدا ہونے کو اختیار نہ کیا (اور اس کی بیوی بنی رہی) یہاں تک کہ وہ مر گیا، اس حال میں کہ یہ عورت طلاق والی عدت گزار رہی تھی تو اب وہ اس آزاد عورت والی عدت گزارے گی جس کا خاوند فوت ہو جائے، یعنی چار ماہ اور دس دن اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً اس عورت پر وفات والی عدت اس کے آزاد ہو جانے کے بعد واقع ہوئی۔ لہٰذا اس کی عدت، آزاد عورت والی ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا الأَمْرُ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں یہی حکم ہے۔

[1236] (مقطوع صحيح) بيهقي: 427/7 (15459)۔ عبدالرزاق: 231/7 (12924)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ :......اس فتویٰ کے آغاز میں بیان شدہ صورت میں رجعی طلاق کی قید لگائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ رجعی طلاق کی عدت کے دوران میں خاوند فوت ہو تو وہ عدت تبدیل ہو کر عدت وفات بن جائے گی اور اگر غیر رجعی طلاق کی عدت ہو تو پھر وہ عدت وفات میں تبدیل نہ ہوگی، ہمارے نزدیک غیر رجعی طلاق کی عدت میں بھی تبدیلی آئے گی۔ اس کی کوئی واضح دلیل نظر سے نہیں گزری اور دلیل کے بغیر کسی بات کی شرعی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔ اور وہ عدت وفات گزارے گی کیونکہ تیسری طلاق کے بعد بھی عورت کا خاوند سے بعض قسم کا تعلق باقی ہوتا ہے۔

34- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ

عزل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور پانچ روایات موقوف ہیں جن میں سے تین سنداً صحیح اور دو ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :......عزل کے لغوی معنی الگ کرنے اور جدا کرنے کے ہیں، یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ہم بستری کے دوران انزال کے وقت عضو مخصوص کو عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال کر مادۂ تولید کو باہر خارج کیا جائے، اس عمل سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ حمل نہ ٹھہرے، لیکن اللہ چاہے تو پھر بھی حمل ٹھہر سکتا ہے اور جس جرثومے سے بچہ پیدا ہونا ہو، وہ عضو کے باہر نکلنے سے پہلے ہی ماں کے رحم میں قدرت الٰہیہ سے پہنچ سکتا ہے، یہ عمل اگرچہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

[1237] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَرَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْعَزْلِ؟ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ، فَأَصَبْنَا سَبْياً مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ، فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ، وَاشْتَدَّتْ

ابن محیریز رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں مسجد (نبوی) میں داخل ہوا تو میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا، چنانچہ میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا، پھر میں نے ان سے عزل کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ بنی مصطلق میں نکلے تو ہم نے عرب قیدیوں میں سے کچھ قیدی عورتیں پائیں، پھر ہمیں عورتوں سے (جنسی) خواہش محسوس ہوئی اور عورتوں سے دوری ہم پر بہت گراں گزری

[1237] صحيح البخاري، كتاب العتق، باب من ملك من العرب رقيقا، حديث: 2524، 2229، 4138، 5210، 6603- صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب حكم العزل، حديث: 1438- ابوداود: 2172- ترمذی: 1138- نسائی: 3329- ابن ماجه: 1926- احمد: 68/3 (11670)- دارمی: 2223.

عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، وَأَحْبَبْنَا الْفِدَاءَ، فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزِلَ، فَقُلْنَا: نَعْزِلُ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا، مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ.

اور ہمیں (ان قیدی عورتوں کا فدیہ یعنی) قیمت بھی محبوب تھی (اور اگر وہ حاملہ ہو جاتیں تو ان کو بیچنا درست نہ ہوتا)، سو ہم نے ان سے عزل کرنے کا ارادہ کر لیا، پھر ہم نے کہا کہ ہم عزل کرتے رہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں (لیکن ہم) آپ سے پوچھے بغیر ہی (عزل کریں تو یہ نامناسب کام ہے)، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ سے اس بارے میں پوچھ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم ایسا نہ کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں (تم عزل نہ کرو گے تو کچھ بھی نہ بگڑے گا اور جس حمل کو تم روکنا چاہتے ہو تو اس بارے میں سنو) جو کوئی جان (روح) قیامت تک پیدا ہونے والی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔“

فائدہ:...... غزوۂ بنی مصطلق کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں، مصطلق ان کے بڑے باپ کا لقب تھا جس کا اصل نام جذیمہ بن سعد تھا جبکہ مریسیع اس چشمے کا نام تھا جہاں وہ رہتے تھے، یہ غزوہ پانچ یا چھ ہجری میں پیش آیا، جب آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ وہ لوگ حملے کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے خود ہی ان پر چڑھائی کر دی، اس وقت ان کے سردار کا نام حارث بن ابی ضرار تھا جس کی بیٹی جویریہ بنت حارث قید ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آ گئیں اور یہ قبیلہ آپ ﷺ کا سسرال بن گیا اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس قبیلے کے قیدی آزاد کر دیے...... ام ولد کے بارے میں جمہور کا موقف یہ ہے کہ اسے نہ بیچا جائے۔ یہ حدیث مبارکہ عزل کے ناپسندیدہ چیز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

[1238] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ كَانَ يَعْزِلُ.

عامر بن سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عزل کر لیا کرتے تھے۔

[1239] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ أَفْلَحَ مَوْلَى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِأَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّهُ كَانَ يَعْزِلُ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ام ولد سے روایت ہے کہ وہ (حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ) عزل کر لیتے تھے۔

[1238] (موقوف صحیح) بیہقی: 230/7۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[1239] (موقوف ضعیف) بیہقی: 230/7 (14318)۔ عبدالرزاق: 12573۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[1240] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ لَا يَعْزِلُ، وَكَانَ يَكْرَهُ الْعَزْلَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عزل کو مکروہ جانتے تھے اور عزل نہیں کرتے تھے۔

فائدہ:......رسول اللہ ﷺ سے عزل کی کراہت یوں بھی مروی ہے: ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ، ''یہ خفیہ طریقے سے زندہ درگور کرنا ہے۔'' (مسلم: 1442) لیکن یہ حرام نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نزول قرآن کے وقت میں عزل کر لیا کرتے تھے۔ (بخاری: 5208، مسلم: 135/1440، 137) اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ (مسلم: 138/1440)

[1241] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرِو بْنِ غَزِيَّةَ، أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا عِنْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، فَجَاءَهُ ابْنُ قَهْدٍ - رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: إِنَّ عِنْدِي جَوَارِيَ لِي، لَيْسَ نِسَائِي اللَّاتِي أُكِنُّ بِأَعْجَبَ إِلَيَّ مِنْهُنَّ، وَلَيْسَ كُلُّهُنَّ يُعْجِبُنِي أَنْ تَحْمِلَ مِنِّي، أَفَأَعْزِلُ؟ فَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَفْتِهِ يَا حَجَّاجُ. قَالَ فَقُلْتُ: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ، إِنَّمَا نَجْلِسُ عِنْدَكَ لِنَتَعَلَّمَ مِنْكَ. قَالَ أَفْتِهِ، قَالَ فَقُلْتُ: هُوَ حَرْثُكَ، إِنْ شِئْتَ سَقَيْتَهُ، وَإِنْ شِئْتَ أَعْطَشْتَهُ. قَالَ: وَكُنْتُ أَسْمَعُ ذٰلِكَ مِنْ زَيْدٍ، فَقَالَ زَيْدٌ: صَدَقَ.

حضرت حجاج بن عمرو بن غزیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بیٹھے تھے، (اتنے میں) ان کے پاس حضرت ابن قہد رضی اللہ عنہ آئے جو کہ اہل یمن میں سے ایک شخص تھے، وہ (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت سے مخاطب کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ اے ابوسعید! میرے پاس میری کچھ ایسی لونڈیاں ہیں کہ میری بیویاں جنھیں میں اپنے پاس (چھپا کر) محفوظ رکھتا ہوں، وہ بھی میرے نزدیک ان (لونڈیوں) سے زیادہ پیاری نہیں ہیں اور وہ ساری ایسی نہیں ہیں کہ مجھ سے ان کا حاملہ ہونا مجھے پسند ہو (کیونکہ میں انھیں بیچنا بھی چاہتا ہوں) تو کیا میں ان سے عزل کر لوں؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اے حجاج! آپ انھیں فتویٰ دیجیے، میں نے ان سے کہا کہ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، ہم تو خود آپ کے پاس صرف اس لیے بیٹھتے ہیں کہ آپ سے علم حاصل کریں، انھوں نے پھر کہا کہ حجاج! انھیں فتویٰ دو۔ حضرت حجاج بن عمرو

[1240] (موقوف صحیح) بیهقی: 231/7 (14329)۔ عبدالرزاق: 12577۔ سعید بن منصور: 2232۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1241] (موقوف صحیح) بیهقی: 230/7۔ عبدالرزاق: 12555۔ سعید بن منصور: 2232۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

بن غزیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ لونڈیاں آپ کی کھیتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اپنی کھیتی کو پانی پلا لیں اور اگر آپ چاہیں تو اسے پیاسا ہی رکھ لیں۔ حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہی فتویٰ سنتا رہتا تھا، پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے (حضرت ابن قہد رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ حجاج نے سچ کہا ہے۔

[1242] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ ذَفِيفٌ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ الْعَزْلِ، فَدَعَا جَارِيَةً لَهُ فَقَالَ: أَخْبِرِيهِمْ. فَكَأَنَّهَا اسْتَحْيَتْ. فَقَالَ: هُوَ ذَلِكَ، أَمَّا أَنَا فَأَفْعَلُهُ. يَعْنِي أَنَّهُ يَعْزِلُ.

حمید بن قیس کی اس شخص سے روایت کرتے ہیں جسے ذفیف کہا جاتا تھا، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اپنی لونڈی کو بلایا اور اس سے کہا کہ ان کو (اس مسئلے کے حوالے سے) خبر دے، وہ تو گویا حیا کرنے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: وہ یہی حکم ہے (یعنی وہ جائز ہے اور میں اس لونڈی سے عزل کرتا ہوں تبھی تو یہ بولنے سے شرما رہی ہے، پھر فرمایا:) رہا میں، تو میں یہ کام کرتا ہوں، وہ یہ مراد لے رہے تھے کہ وہ عزل کرتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَعْزِلُ الرَّجُلُ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا، وَلَا بَأْسَ أَنْ يَعْزِلَ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا، وَمَنْ كَانَتْ تَحْتَهُ أَمَةُ قَوْمٍ، فَلَا يَعْزِلُ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آدمی (اپنی) آزاد بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے اور اپنی لونڈی کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ شخص جس کے نکاح میں دوسرے لوگوں کی لونڈی ہو تو وہ ان (آقاؤں) کی اجازت کے بغیر اس سے عزل نہ کرے۔

فائدہ: ......امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک آزاد عورت سے عزل کرنے کے لیے اس کی اجازت شرط ہے کیونکہ مباشرت کی انتہائی اور اصل لذت کا حصول ہی انزال کے وقت ہوتا ہے اور عزل کرنے سے عورت کی خواہش پوری نہیں ہوتی اور اس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر بیوی اور لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا جا سکتا ہے، رہی وہ روایت جس میں آزاد عورت سے عزل کے لیے اجازت لینے کا تذکرہ ہے (ابن ماجہ: 1928، مسند احمد: 31/1) تو وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف راوی ہے۔ (ارواء الغلیل: 2007)

[1242] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 12556۔ سعید بن منصور: 2233۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

35- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْإِحْدَادِ

سوگ منانے (عدت وفات گزارنے) کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں سات روایات ہیں، تین مرفوع ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور دو صحیح ہیں، دو موقوف ہیں اور دونوں ہی ضعیف ہیں اور دو مقطوع ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ: ......سوگ منانے سے مراد نوحہ و ماتم کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ تو حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے رخسار پیٹنے والی، سر مونڈنے والی، بال نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے اظہارِ براءت کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بخاری: 1296، 1298- مسلم: 103، 104) لہٰذا یہاں سوگ سے مراد صرف ترک زینت ہے، عورت اپنے خاوند کی وفات پر عدت گزارتے ہوئے نہ سرمہ لگائے، نہ خوبصورت رنگدار یا چمکدار کپڑے پہنے، نہ خوشبو، مہندی یا خضاب لگائے اور نہ کنگھی کرے۔ (بخاری: 313، مسلم: 938، بعد از 1491، ابوداود: 2302، نسائی: 3564)

[1243] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ الثَّلَاثَةَ قَالَتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ، فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ، فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ، فَدَهَنَتْ بِهِ جَارِيَةً، ثُمَّ مَسَحَتْ بِعَارِضَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: وَاللّٰهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

حمید بن نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں تین احادیث کی خبر دی: (1) حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کے پاس اس وقت گئی جب ان کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے، چنانچہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی جس میں خلوق خوشبو کی یا کسی اور چیز کی زرد رنگت شامل تھی، پھر انھوں نے وہ خوشبو ایک لونڈی کو (تیل کی طرح) لگائی پھر اپنے رخساروں پر (خوشبو والے) ہاتھوں کو پھیر لیا۔ پھر کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی بالکل حاجت نہ تھی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا: ''وہ عورت جو اللہ اور آخرت

[1243] صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب تحد المتوفى عنها اربعة اشهر وعشرا، حديث: 1280، 1282، 5334، 5339، 5345، 5706- صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فى عدة الوفاة، حديث: 1486، 1489- ابوداود: 2299- ترمذی: 1195، 1197۔

وَالْيَوْمِ الآخِرِ، أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ، إِلاَّ عَلَى زَوْجٍ، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً. قَالَتْ زَيْنَبُ: ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا وَسَمِعْتُ أُمِّي أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَتِي تَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا، أَفَتَكْحُلُهُمَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثاً، كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ: لاَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْراً، وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ: فَقُلْتُ لِزَيْنَبَ: وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ؟ فَقَالَتْ زَيْنَبُ: كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، دَخَلَتْ حِفْشاً، وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا، وَلَمْ تَمَسَّ طِيباً وَلاَ شَيْئاً، حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ، ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ، حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَيْرٍ، فَتَفْتَضُّ بِهِ، فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلاَّ مَاتَ، ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطَى بَعْرَةً، فَتَرْمِي بِهَا، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ.

کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے، سوائے خاوند کے کہ وہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے گی۔ (2) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر (ایک اور موقع پر) میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کے پاس اس وقت داخل ہوئی جب ان کے بھائی فوت ہوئے تو انھوں نے بھی ایک خوشبو منگوائی، پھر اس میں سے کچھ لگا لی، پھر کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی بالکل حاجت نہ تھی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے سنا تھا: ''وہ عورت جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے، سوائے خاوند کے کہ جس پر وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی (3) حضرت زینب (بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے دو بار یا تین بار فرمایا: ''نہیں'' ہر بار میں ''نہیں نہیں'' فرماتے رہے، پھر ارشاد فرمایا: ''یقیناً وہ (اسلام میں عدت وفات) تو صرف چار ماہ دس دن ہی ہیں (تو کیا تم یہ بھی نہیں گزار سکتیں) اور دور جاہلیت میں تم میں سے کوئی عورت سال کے اختتام پر اونٹ کی مینگنی پھینکا کرتی تھی۔'' (حدیث کے راوی) حمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ وہ سال کے اختتام پر اونٹ کی مینگنی پھینکا کرتی تھی؟'' تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ ایک گھٹیا قسم کے مکان میں داخل ہو جاتی اور اپنے سب سے برے کپڑے پہن لیتی، اور نہ خوشبو لگاتی اور نہ کچھ اور (زینت اختیار کرتی) یہاں تک کہ اس پر سال گزر جاتا، پھر اس کے

پاس ایک گدھا یا بکری یا پرندہ لایا جاتا، پھر وہ اس جانور کو اپنے جسم کے ساتھ رگڑتی (اور غسل کرتی) اور ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ جس چیز کو رگڑتی ہو وہ مرتی نہ ہو۔ پھر اس کے پاس اونٹ کی ایک مینگنی لائی جاتی جسے وہ پھینکتی، پھر وہ اس کے بعد خوشبو وغیرہ میں سے جو چاہتی استعمال کر لیتی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْحِفْشُ الْبَيْتُ الرَّدِيءُ، وَتَفْتَضُّ تَمْسَحُ بِهِ جِلْدَهَا، كَالنُّشْرَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت کے لفظ "اَلْحِفْش" سے مراد گھٹیا سا گھر ہے اور "تَفْتَضُّ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسے "نُشْرَہ" (بیمار یا آسیب زدہ شخص کے تعویذ) کی طرح اپنے جسم پر ملتی تھی۔

فائدہ: ...... "تَفْتَضُّ" کے مختلف مفہوم ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً: (1) وہ عورت اس جانور پر اپنا ہاتھ پھیرتی (2) اس جانور کو اپنے جسم پر ملتی (3) اسے اپنی اگلی شرمگاہ کے ساتھ رگڑتی پھر غسل کرتی ...... چونکہ سال بھر کی میل کچیل نے عورت کو گندگی، بدبو اور جراثیم سے بھر دیا ہوتا تھا اس لیے وہ جانور مر جاتا تھا۔ پھر وہ غسل کرتی اور چاندی کی طرح صاف ہو جاتی ...... اونٹ کی مینگنی پھینکنا ایک رواج تھا جس سے توہم پرستی جھلکتی ہے، نیز یہ جادو اور شیطانی عمل سے مشابہت تھی۔

[1244] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ زَوْجَيِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ.

سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما ازواج رسول ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین رات سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے۔''

[1245] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَتْ لِامْرَأَةٍ حَادٍّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ نے ایک عورت سے فرمایا جو اپنے خاوند پر سوگ

[1244] صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد في عدة الوفاة، حديث: 1490۔ سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب عدة المتوفى عنها زوجها، حديث: 3533۔ ابن ماجه: 2086۔ احمد: 286/6 (26986)۔ دارمي: 2283.

[1245] (موقوف ضعيف) سنن ابي داود، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنبه المعتدة في عدتها، حديث: 2305۔ سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب الرخصة للحادة ان تمتشط بالسدر، حديث: 3567۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

عَـلَـى زَوْجِهَا، اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا، فَبَلَغَ ذَلِكَ مِـنْهَـا: اكْتَـحِـلِـي بِـكُحْلِ الْجِلَاءِ بِاللَّيْلِ، وَامْسَحِيهِ بِالنَّهَارِ.

منا رہی تھی، اس کی آنکھیں خراب تھیں اور اس بیماری کی خبر اسے پہنچتی، (سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ) نظر بڑھانے والا سرمہ (اثمد) رات کو لگالے اور دن کو اسے صاف کر دے۔

فائدہ: ......اثمد سرمے کو "كُحْلُ الْجَلَاءِ" (نظر بڑھانے والا سرمہ) اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے متعلق یہ فرمان نبوی ہے: ((اِنَّ خَيْرَ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ)) "یقیناً تمھارے سرموں میں سے بہترین سرمہ اثمد ہے، وہ نظر کو تیز (اور روشن) کرتا ہے اور (پلکوں کے) بال اگاتا ہے۔" (ابو داود: 3878، ترمذی: 2048، نسائی: 5116، ابن ماجه: 3497، اس کی سند صحیح ہے) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "اثمد سرمہ آنکھوں میں لگایا کرو کیونکہ یہ نظر کو روشن کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سرمہ دانی تھی، آپ ﷺ ہر رات اس سے سرمہ لگاتے اور ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالتے۔ (ترمذی: 1757، اس کی سند حسن ہے)......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عدت وفات گزارنے والی عورت کے لیے دن میں بھی اور رات میں بھی بوقت ضرورت سرمہ استعمال کرنا درست ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک صرف رات کو بوقت ضرورت یہ جائز ہے اگرچہ پھر بھی نہ لگانا ہی بہتر ہے اور چونکہ اس کی اجازت کے بارے میں ایک بھی روایت صحیح ثابت نہیں ہو سکی اس لیے امام احمد رحمہ اللہ اور بہت سے محدثین کے نزدیک عورت کے لیے عدت وفات میں اس کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے...... ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب آنکھوں کی کسی تکلیف کا علاج سرمہ لگانے کے سوا نہ ہو سکتا ہو اور آنکھوں کی بینائی جانے کا خطرہ ہو تو اس اضطراری حالت میں بطور دوا سرمہ لگانے کی گنجائش ہے بشرطیکہ نہ حد سے تجاوز ہو اور نہ کوئی غلط مقصود ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرہ: 173) "پھر جو کوئی مجبور کر دیا جائے اور وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔"

[1246] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُـمَـا كَـانَـا يَقُولَانِ فِي الْمَرْأَةِ يُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَـا: إِنَّهَـا إِذَا خَشِيَـتْ عَلَى بَصَرِهَا مِنْ

سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ سے روایت ہے، وہ دونوں اس عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے، (اس کی عدت) کے متعلق فرمایا کرتے تھے: جب وہ اپنی نظر کے متعلق آشوب چشم (آنکھ پھولنے، آنکھ دکھنے) کا خطرہ

[1246] (مقطوع ضعيف) عبدالرزاق: 12137۔ ابن ابی شیبه: 18955۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

رَمَدٍ بِهَا، أَوْ شَكْوٍ أَصَابَهَا، إِنَّهَا تَكْتَحِلُ وَتَتَدَاوَى، بِدَوَاءٍ أَوْ كُحْلٍ، وَإِنْ كَانَ فِيهِ طِيبٌ.

محسوس کرے یا اسے (آنکھ میں) کوئی اور بیماری لگ جائے تو بلاشبہ وہ سرمہ بھی لگا سکتی ہے اور کسی دوسری دوائی یا سرمہ کے ساتھ علاج بھی کرا سکتی ہے، خواہ اس میں خوشبو بھی ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا كَانَتِ الضَّرُورَةُ، فَإِنَّ دِينَ اللّٰهِ يُسْرٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور جب (ایسی مجبوری اور) ضرورت ہو تو یقیناً اللہ کا دین آسان ہے۔

فائدہ: ......جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ: 185) ''اور اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور وہ تمھارے لیے تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔''

[1247] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا، وَهِيَ حَادٌّ عَلَى زَوْجِهَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَلَمْ تَكْتَحِلْ حَتَّى كَادَتْ عَيْنَاهَا تَرْمَصَانِ.

صفیہ بنت ابی عبید سے روایت ہے کہ ان کی آنکھ دکھنے لگی، اس حال میں کہ وہ اس وقت اپنے خاوند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (کی وفات) پر سوگ (عدت) گزار رہی تھیں، چنانچہ انھوں نے (باوجود تکلیف کے) سرمہ نہ لگایا یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کی آنکھوں سے سفید میل نکلنے لگتی۔

فائدہ: ...... جسے چیڑ، یا گدیں کہتے ہیں، آشوبِ چشم کی وجہ سے آنکھوں کے گدوں سے بھر جانے کے باوجود سرمہ نہ لگانا اعلیٰ درجے کا تقویٰ ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: تَدَّهِنُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا بِالزَّيْتِ وَالشَّبْرَقِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طِيبٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، وہ زیتون کا تیل، تلوں کا تیل اور اسی جیسی کوئی اور چیز استعمال کر سکتی ہے، بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا تَلْبَسُ الْمَرْأَةُ الْحَادُّ عَلَى زَوْجِهَا شَيْئًا مِنَ الْحَلْيِ، خَاتَمًا وَلَا خَلْخَالًا وَلَا غَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْحَلْيِ، وَلَا تَلْبَسُ شَيْئًا مِنَ الْعَصْبِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَصْبًا غَلِيظًا، وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِشَيْءٍ مِنَ الصِّبْغِ، إِلَّا بِالسَّوَادِ، وَلَا تَمْتَشِطُ إِلَّا بِالسِّدْرِ وَمَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اپنے خاوند پر سوگ منانے والی عورت کسی قسم کا زیور استعمال نہ کرے، (حتی کہ) نہ انگوٹھی، نہ پازیب اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور قسم کا زیور، نہ وہ (یمن کا بنا ہوا) سوت کا کپڑا پہنے، الا یہ کہ وہ سخت اور موٹے سوت کا ہو، اور نہ ہی وہ کسی قسم کی رنگنے والی چیز سے رنگا ہوا کپڑا پہنے سوائے سیاہ رنگ کے، اور نہ وہ کنگھی کرے

[1247] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 46/7 (12125)۔ ابن ابی شیبہ: 18963۔ سعید بن منصور: 2138۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

أَشْبَهَهُ ، مِمَّا لاَ يَخْتَمِرُ فِي رَأْسِهَا .

مگر بیری یا اس جیسی چیز کے ساتھ (بال دھو کر کنگھی کر سکتی ہے) کہ جس کے ساتھ اس کے سر سے خوشبو نہ آئے۔

فائدہ :...... آج کل نہانے کے تقریباً تمام صابن خوشبودار ہوتے ہیں، انھیں دورانِ عدت میں استعمال نہیں کرنا چاہیے، ہاں بغیر خوشبو کے صابن استعمال کرے جیسے کہ کپڑے دھونے والا سفید صابن یا کالا صابن، رسول اللہ ﷺ نے اس کپڑے سے منع فرمایا ہے جسے بننے کے بعد رنگا گیا ہو البتہ جس کپڑے کا سوت اور دھاگہ پہلے سے رنگا ہوا ہو وہ جائز ہے، نیز جب عدت کے دوران ایام حیض ختم ہوں تو اس کے غسل میں آثار حیض ختم کرنے کے لیے روئی پر خوشبو لگا کر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے۔ (بخاری: 5341، مسلم: 938، بعد از 1491) صحیح روایات میں دورانِ عدت میں کنگھی کرنے سے مطلقاً ممانعت مروی ہے اور جس روایت میں بیری کے پتوں سے سر دھو کر کنگھی کرنے کی اجازت ہے وہ ضعیف ہے۔ دیکھیے ضعیف ابوداود: 502، ضعیف نسائی: 230، ابوداود: 2305، نسائی: 3567۔

[1248] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ : أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ وَهِيَ حَادٌّ عَلَى أَبِي سَلَمَةَ ، وَقَدْ جَعَلَتْ عَلَى عَيْنَيْهَا صَبِراً ، فَقَالَ : مَا هٰذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ؟ فَقَالَتْ : إِنَّمَا هُوَ صَبِرٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ . قَالَ : اجْعَلِيهِ فِي اللَّيْلِ ، وَامْسَحِيهِ بِالنَّهَارِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کے پاس گئے، وہ اس وقت (اپنے گزشتہ شوہر) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ (کی وفات کے بعد دورانِ عدت ان) پر سوگ میں تھیں اور انھوں نے اپنی آنکھوں پر ایلوا لگا رکھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام سلمہ! یہ کیا (لگا رکھا ہے)؟'' وہ بولیں کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو صرف ایلوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے رات کو لگا لو اور دن کو صاف کر ڈالو۔''

فائدہ :...... کیونکہ اس کے لگانے سے چہرہ جوان اور خوبصورت لگتا ہے۔ بہر حال یہ روایت ضعیف ہے۔ ''ایلوا'' ایک کڑوا پودا ہے اور اس سے تیار ہونے والی دوائی کو ''مصبر'' کہتے ہیں جو ایک مشہور کڑوی دوا ہے اور عموماً اسہال کے حصول کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الإِحْدَادُ عَلَى الصَّبِيَّةِ الَّتِي لَمْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ بچی جو ابھی حیض (کی عمر اور

[1248] (مرفوع ضعیف) سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فیما تجتنبه المعتدة فی عدتها، حدیث: 2305۔ نسائی: 3567۔ بیهقی فی السنن الکبری: 440/7۔ وفی المعرفة: 62/6 (4679)۔ الشافعی فی الام: 231/5۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، نیز دیکھیے ضعیف سنن ابی داود للالبانی: 502۔

تَبْلُغِ الْمَحِيضَ، كَهَيْئَتِهِ عَلَى الَّتِي قَدْ بَلَغَتِ الْمَحِيضَ، تَجْتَنِبُ مَا تَجْتَنِبُ الْمَرْأَةُ الْبَالِغَةُ، إِذَا هَلَكَ عَنْهَا زَوْجُهَا.

بلوغت) کو نہ پہنچی ہو، اس (کی شادی کی صورت میں اور پھر خاوند فوت ہو جانے کے موقع) پر سوگ منانا بالکل اسی طرح (لازم) ہے جس طرح حیض کو پہنچنے والی عورت پر ہے، وہ بچی ہر اس چیز سے اجتناب کرے گی جس سے بالغ عورت پرہیز کرتی ہے جس وقت کہ اس کا خاوند مر جائے۔

فائدہ:......(1) احناف کہتے ہیں کہ بچی پر سوگ اور اس کی پابندیاں لازم نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ بچی کو ''امراۃ'' نہیں کہتے، ان کا یہ موقف باقی تمام علماء وفقہاء اور جمہور کے خلاف ہے۔ نیز یہ لفظ ''زوجہ'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور زوجہ کا اطلاق بچی پر بھی ہوتا ہے۔ (2) احناف کو چاہیے کہ پھر قبل از بلوغت بیوہ ہونے والیوں سے عدت بھی ختم کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ طلاق میں بوڑھی عورتوں اور بچیوں کی عدت بیان کرتے ہوئے ان کے لیے ''مِنْ نِّسَاءِ كُمْ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور نساء ''امراۃ'' ہی کی جمع ہے۔ (3) اگر وہ اس لفظ میں بچیوں کو شامل رکھتے ہیں تو پھر ان کی دلیل باطل ہوگئی کیونکہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ بچیوں پر بھی امراۃ اور نساء کے الفاظ بولے جا سکتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: تُحِدُّ الأَمَةُ، إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، شَهْرَيْنِ وَخَمْسَ لَيَالٍ، مِثْلَ عِدَّتِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب لونڈی کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ اپنی عدت ہی کی طرح دو ماہ اور پانچ راتیں سوگ منائے گی۔

فائدہ:......یعنی اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کا نصف ہے، لہٰذا وہ اس عدت کے دوران سوگ کی پابندیاں بھی ملحوظ رکھے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلَى أُمِّ الْوَلَدِ إِحْدَادٌ، إِذَا هَلَكَ عَنْهَا سَيِّدُهَا، وَلاَ عَلَى أَمَةٍ يَمُوتُ عَنْهَا سَيِّدُهَا إِحْدَادٌ، وَإِنَّمَا الإِحْدَادُ عَلَى ذَوَاتِ الأَزْوَاجِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ام ولد لونڈی کا آقا فوت ہو جائے تو اس پر سوگ (کی پابندیاں لازم) نہیں (ہیں) اور نہ ہی اس (عام قسم کی) لونڈی پر سوگ ہے جس کا مالک فوت ہو جائے کیونکہ سوگ تو صرف خاوند والیوں پر ہے (اور آقا لونڈی کا خاوند نہیں ہوتا۔)

[1249] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تَقُولُ: تَجْمَعُ الْحَادُّ رَأْسَهَا بِالسِّدْرِ وَالزَّيْتِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ فرمایا کرتی تھیں: سوگ گزارنے والی عورت اپنے سر (کے بالوں) کو بیری اور زیتون کے تیل کے ساتھ اکٹھا کر سکتی ہے۔

فائدہ: ......یعنی بیری کے پتوں والے پانی سے سر دھو کر زیتون کا تیل لگا سکتی ہے اور بالوں میں کنگھی کر سکتی ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

[1249] (موقوف ضعیف) بیھقی: 440/7 (15534)۔ عبدالرزاق: 12114۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

29

كِتَابُ الرَّضَاعِ

رضاعت (بچوں کو دودھ پلانے) کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں تین ابواب اور اٹھارہ روایات ہیں جن میں سے سات مرفوع (احادیث نبویہ)، آٹھ موقوف (آثار صحابہ) اور تین مقطوع (آثار تابعین) ہیں، اور ان تمام میں سے صرف ایک موقوف روایت ضعیف اور باقی سب صحیح ثابت ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ: ......''رضاع'' کا لفظ راء کے زبر اور زیر دونوں سے مستعمل ہے، البتہ زبر زیادہ فصیح ہے اور یہ آخر میں تاء کے ساتھ اور اس کے بغیر بھی آتا ہے، قرآن مجید میں تاء کے ساتھ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرہ: 233) اس کے لغوی معنی ہیں ''کسی عورت کے پستان سے بچے کا دودھ چوسنا'' اور اصطلاحاً مخصوص وقت میں بچے کا کسی عورت کے پستان کو منہ میں لے کر مخصوص مقدار میں چوسنا رضاعت کہلاتا ہے، اگر کسی عورت کا دودھ نچوڑ کر کسی طریقے سے بچے کو پلا دیا جائے تو وہ بھی یہی حکم رکھتا ہے، چونکہ رضاعت کی وجہ سے نسبی رشتہ دار جیسا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور کچھ رشتے ابدی حرام ہو جاتے ہیں اس لیے یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس بارے میں تین اہم چیزوں میں اختلاف ہے (1) مدت رضاعت (2) تعداد رضعات یعنی دودھ پینے کی باریوں کی تعداد (اس کا بیان پہلے باب میں ہے)۔ (3) سن رضیع یعنی دودھ پینے والے بچے کی عمر (جس کا بیان دوسرے باب میں ہے)۔ رہا پہلا مسئلہ تو اس میں جمہور کا موقف دو سال جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف اڑھائی سال کا ہے کہ بچے کو اڑھائی سال تک دودھ پلانے کی گنجائش ہے۔ احناف تقلیدی روش میں مختلف تاویلات سے اپنے امام کا موقف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام صاحب کے پاس کوئی دلیل ہوگی۔ بہرحال دلائل کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ان کے بہت سے مفتیان بھی دو سال کا فتویٰ دے دیتے ہیں...... اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑے صریح الفاظ کے ساتھ مدت بھی بیان فرمائی ہے اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ جو رضاعت کی مدت پورا کرنا چاہے تو اس کے لیے دو سال ہی ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ جب دو سال پر تکمیل ہوگئی تو اس سے زائد مدت پر حد سے تجاوز کرنے کا حکم ہی لگے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرہ: 233) ''اور

مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے (ہے) جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔'' یاد رہے کہ یہ دو سال چاند کے اعتبار سے ہیں نہ کہ سورج کے اعتبار سے کیونکہ شریعت اسلامیہ کے مختلف احکامات اور عبادات کے وقت کا تعین قمری اعتبار سے ہے نہ کہ شمسی اعتبار سے، نیز بچوں کو عورت ہی کا دودھ پلانا واجب نہیں، انھیں جانوروں کے دودھ پر بھی پالا جا سکتا ہے، نیز دو سال پورے کرنا بھی واجب نہیں۔

احناف سورۂ احقاف کی آیت سے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: 15) ''اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے۔'' وہ کہتے ہیں کہ اس میں حمل اور رضاعت کی الگ الگ مدت تیس تیس ماہ بیان ہوئی ہے اور تیس ماہ کے اڑھائی سال ہی بنتے ہیں، لیکن اگر ان کی بات صحیح مان لی جائے تو پھر یہ آیت فطرت انسانی اور تخلیق انسانی کے مشاہدے کے بالکل خلاف ہوگی کیونکہ وہ کون سا انسان ہے جس کا حمل اڑھائی سال کا رہا ہو۔ لہٰذا ان کا یہ استدلال نہایت لغو، سینہ زوری ہے، اور یہ ثابت کرنے کا نتیجہ سورۂ بقرہ کی آیت سے متعارض قرار دینے کی صورت میں بھی نکلے گا...... لہٰذا آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس میں حمل اور رضاعت کی اکٹھی مدت بیان کی گئی ہے، چنانچہ رضاعت کی مدت دوسرے مقامات پر دو سال بیان ہو چکی ہے۔ (سورۂ بقرہ: 233، سورۂ لقمان: 14) اور دو سال میں چوبیس ماہ ہوتے ہیں، باقی رہ گئے چھ ماہ تو یہ وہ حمل کی کم از کم مدت ہے کہ جس میں بچہ پیدا ہو تو وہ زنا کا شاخسانہ نہ ہوگا، اگرچہ انسانوں میں عام روٹین یہ ہے کہ نویں مہینے میں ان کی پیدائش ہوتی ہے لیکن کبھی نو ماہ کے بعد، کبھی آٹھویں، کبھی ساتویں اور کبھی چھٹے ماہ میں بھی بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور صحیح سلامت ہوتے ہیں، اگر کوئی عورت شادی کے ٹھیک چھ ماہ بعد بچہ جنے تو اسے حد نہیں پڑے گی لیکن اگر چھ ماہ سے پہلے اس نے صحیح بچہ جن دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے شادی سے پہلے زنا کرایا تھا۔

1- بَابٌ: رَضَاعَةِ الصَّغِيرِ

چھوٹے بچے کو دودھ پلانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں بارہ روایات ہیں، تین مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، چھ موقوف ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور باقی صحیح ہیں، باقی تین مقطوع روایات ہیں۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1250] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول

[1250] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حدیث: 2646، 3105، 5099۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة، حدیث: 1444۔ ابو داود: 2055۔ ترمذی: 1147۔ نسائی: 3315۔ احمد: 178/6۔ دارمی: 2247۔

اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَخْبَرَتْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا، وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ لِحَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا - لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ - دَخَلَ عَلَيَّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ.

اللہ ﷺ ان کے پاس موجود تھے اور (اتنے میں) انھوں نے ایک آدمی کی آواز سنی جو سیدہ حفصہ ؓ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کس مرد کی آواز ہے جو آپ ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ یہ فلاں شخص ہے'' آپ ﷺ نے سیدہ حفصہ ؓ کے رضاعی چچا کا نام لیا، سیدہ عائشہ ؓ کہنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو کیا وہ بھی میرے پاس آ سکتا تھا؟ انھوں نے اپنے ایک رضاعی چچا کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کیونکہ بلاشبہ رضاعت بھی ہر اس چیز کو حرام کر دیتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔''

فائدہ: ...... جو رشتے نسب کی وجہ سے اور والدین واولاد کے نسبی تعلق کی بنا پر حرام ہوتے ہیں وہی رشتے کسی عورت کا مخصوص شرائط کے ساتھ دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں...... یاد رہے کہ رضاعت میں جس طرح بچے کے اپنے رضاعی ماں باپ اور ان کے رشتہ داروں کا معاملہ ہے، بعینہ بچے کے حقیقی ماں باپ کے رضاعی رشتہ دار حکم رکھتے ہیں، چنانچہ جس طرح بچے کے رضاعی باپ کا بھائی بچے کے لیے رضاعی چچا ہے اسی طرح بچے کے حقیقی باپ کا رضاعی بھائی بچے کے لیے رضاعی چچا ہے...... مذکورہ حدیث میں سیدہ عائشہ ؓ کے فوت شدہ رضاعی چچا کا ذکر ہے اور آئندہ روایت میں زندہ رضاعی چچا کا ذکر ہے، یہ فوت شدہ رضاعی چچا دراصل سیدہ عائشہ ؓ کے اپنے حقیقی والد محترم حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا رضاعی بھائی تھا جبکہ آئندہ حدیث والا زندہ چچا سیدہ عائشہ ؓ کے رضاعی باپ ابوالقعیس کا بھائی تھا۔

[1251] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ

[1251] (مرفوع صحيح)صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يحل من الدخول والنظر الى النساء فى الرضاع، حديث: 5239، 4796، 5103، 5111، 6156- صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: 7/1445- ابوداود: 2057- ترمذى: 1148، نسائى: 3319- ابن ماجه: 1949- احمد: 194/6 (26138).

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيَّ، فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ، حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ، وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ. فَقَالَ: إِنَّهُ عَمُّكِ، فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ قَالَتْ عَائِشَةُ: وَذَلِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ. وَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ.

میرے رضاعی چچا جان آئے، وہ میرے پاس داخل ہونے کی اجازت مانگ رہے تھے تو میں نے انکار کر دیا کہ انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دوں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لوں، وہ کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھارے چچا ہیں، انھیں اجازت دے دو'' وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے، مرد (رضاعی باپ) نے تو دودھ نہیں پلایا۔ تو آپ ﷺ نے (پھر بھی یہی) فرمایا: ''بلاشبہ وہ تمھارے چچا ہیں، وہ تمھارے پاس آسکتے ہیں'' سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ یہ معاملہ ہم پر پردہ فرض کر دیے جانے کے بعد کا ہے، اور حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: رضاعت سے وہ (سب کچھ) حرام ہو جاتا ہے جو ولادت (اور نسب) سے حرام ہوتا ہے۔

[1252] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا، وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ، بَعْدَ أَنْ أُنْزِلَ الْحِجَابُ، قَالَتْ: فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ، فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ.

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ بے شک (ان کے رضاعی والد) ابوالقعیس کے بھائی حضرت افلح ؓ آئے، وہ ان کے پاس آنے کی اجازت چاہ رہے تھے اور وہ ان کے رضاعی چچا تھے (اور یہ واقعہ) حجاب کے نزول کے بعد (کا ہے) وہ کہتی ہیں کہ میں نے انکار کر دیا کہ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دوں، پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے تو میں نے جو کچھ کیا تھا آپ کو اس کی خبر دے دی تو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دوں۔

[1252] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لبن الفحل، حديث: 5103- صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: 3/1445- نسائي: 3318- ابن ماجه: 1948- احمد: 177/6 (25957).

[1253] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ، وَإِنْ كَانَ مَصَّةً وَاحِدَةً، فَهُوَ يُحَرِّمُ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو (دودھ) دو سال میں (پلایا گیا) ہو، اگرچہ ایک بار چوسنا ہی ہو تو بلاشبہ وہ حرمت کو ثابت کردے گا۔

فائدہ: ...... کتنی بار دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے اس کی وضاحت آگے باب کے آخر میں آرہی ہے۔

[1254] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ، فَأَرْضَعَتْ إِحْدَاهُمَا غُلَامًا، وَأَرْضَعَتِ الْأُخْرَى جَارِيَةً، فَقِيلَ لَهُ: هَلْ يَتَزَوَّجُ الْغُلَامُ الْجَارِيَةَ؟ فَقَالَ لَا: اللِّقَاحُ وَاحِدٌ.

عمرو بن شرید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرد کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس کی دو بیویاں تھیں، ان میں سے ایک نے کسی بچے کو دودھ پلایا اور دوسری نے ایک بچی کو دودھ پلایا۔ سوان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ لڑکا اس لڑکی سے شادی کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ "مَاءُ الْفَحْل" (نر کا پانی) ایک ہے

فائدہ: ...... کسی بھی عورت کو دودھ آنے کا سبب مرد کا نطفہ ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں دونوں عورتوں کا دودھ ایک ہی خاوند کی وجہ سے جاری تھا، اس طرح ان دونوں عورتوں کا دودھ پینے والے بچوں کا رضاعی باپ ایک ہی تھا اور وہ بچے آپس میں رضاعی بہن بھائی تھے۔

[1255] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا رَضَاعَةَ إِلَّا لِمَنْ أُرْضِعَ فِي الصِّغَرِ، وَلَا رَضَاعَةَ لِكَبِيرٍ.

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ کوئی رضاعت ثابت نہیں ہوتی مگر صرف اس بچے کے لیے جسے بچپن (کے ابتدائی دو سالوں) میں

[1253] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 462/7 (15667)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 89/6 (4727)۔ عبدالرزاق: 13903۔ ابن ابی شیبه: 17031۔ سعید بن منصور: 972۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1254] (موقوف صحیح) جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی لبن الفحل، حدیث: 1149۔ دارقطنی: 179/4۔ بیهقی: 453/7 (15617)۔ الشافعی فی الام: 24/5۔ عبدالرزاق: 473/7 (13942)۔ سعید بن منصور: 966۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1255] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 461/7 (15662)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 95/6 (4734)۔ الشافعی فی الام: 29/5۔ عبدالرزاق: 465/7 (13905)۔ ابن ابی شیبه: 17056۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

دودھ پلایا جائے، بڑے کی رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

فائدہ :......اس مسئلے کی تفصیل آئندہ باب میں آ رہی ہے۔

[1256] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَرْسَلَتْ بِهِ وَهُوَ يَرْضَعُ إِلَى أُخْتِهَا أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَقَالَتْ: أَرْضِعِيهِ عَشْرَ رَضَعَاتٍ، حَتَّى يَدْخُلَ عَلَيَّ. قَالَ سَالِمٌ: فَأَرْضَعَتْنِي أُمُّ كُلْثُومٍ ثَلَاثَ رَضَعَاتٍ، ثُمَّ مَرِضَتْ، فَلَمْ تُرْضِعْنِي غَيْرَ ثَلَاثِ رَضَعَاتٍ، فَلَمْ أَكُنْ أَدْخُلُ عَلَى عَائِشَةَ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ أُمَّ كُلْثُومٍ لَمْ تُتِمَّ لِي عَشْرَ رَضَعَاتٍ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اپنی ہمشیرہ ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا، اس وقت انھیں (یعنی سالم رحمہ اللہ کو) دودھ پلایا جا رہا تھا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اپنی بہن سے) کہا کہ اسے دس بار دودھ پلا دو تاکہ وہ (میرا رضاعی بھانجا بن کر) میرے پاس داخل ہو سکے۔ سالم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر ام کلثوم نے مجھے تین بار دودھ پلایا، پھر وہ بیمار ہو گئیں چنانچہ وہ تین بار دودھ سے زیادہ مجھے نہ پلا سکیں اس لیے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر داخل نہ ہو سکتا تھا، اس وجہ سے کہ ام کلثوم مجھے دس بار دودھ پلانے کی تکمیل نہ کر سکی تھیں۔

[1257] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ حَفْصَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَرْسَلَتْ بِعَاصِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ، إِلَى أُخْتِهَا فَاطِمَةَ بِنْتِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تُرْضِعُهُ عَشْرَ رَضَعَاتٍ لِيَدْخُلَ عَلَيْهَا، وَهُوَ صَغِيرٌ يَرْضَعُ، فَفَعَلَتْ، فَكَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهَا.

صفیہ بنت ابی عبید رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عاصم بن عبداللہ بن سعد کو اپنی ہمشیرہ فاطمہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا کہ وہ اسے دس بار دودھ پلا دیں تاکہ وہ (عاصم رضاعی بھانجا بن کر محرم بن جائے اور بڑا ہو کر) ان کے پاس آ سکے، وہ عاصم اس وقت چھوٹے بچے تھے اور انھیں دودھ پلایا جا رہا تھا۔ چنانچہ انھوں (فاطمہ بنت عمر) نے ایسا ہی کیا، پھر وہ عاصم سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہو جایا کرتا تھا۔

[1256] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 457/7 (15638)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 88/6 (4725)۔ الشافعي في الام: 27/5۔ عبدالرزاق: 13928۔ ابن ابي شيبه: 17025۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[1257] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 457/7۔ وفي معرفة السنن والآثار: 89/6 (4726)۔ وفي الخلافيات: 177/2۔ الشافعي في الام: 224/7۔ وفي المسند: 44/2۔ عبدالرزاق: 13929۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1258] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهَا مَنْ أَرْضَعَهُ أَخَوَاتُهَا، وَبَنَاتُ أَخِيهَا، وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا مَنْ أَرْضَعَهُ نِسَاءُ إِخْوَتِهَا .

عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر) سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ کے پاس ہر وہ شخص داخل ہوا کرتا تھا جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہنوں نے دودھ پلایا ہوتا تھا (کیونکہ ایسے بچے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے محرم اور رضاعی بھانجے اور وہ ان کی رضاعی خالہ ہوتی تھیں) اوران کی بھتیجیوں نے (جسے دودھ پلایا ہوتا تھا وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی نواسے بن جاتے اور وہ ان کی رضاعی نانی یعنی بچوں کی رضاعی نانا کی بہن لگتی تھیں) اور وہ بچے ان کے پاس داخل نہیں ہو سکتے تھے جنھیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھابھیوں نے دودھ پلایا ہوتا تھا۔

فائدہ: ...... حالانکہ ایسے بچوں کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رضاعی پھوپھی بن سکتی تھیں اور وہ بچے ان کے رضاعی بھتیجے بن جاتے اور جمہور کے ہاں یہ بھی حرمت ہی کی ایک صورت ہے کیونکہ ان بھابھیوں کا دودھ ان کے خاوندوں کے نطفے ہی کی وجہ سے جاری ہوتا ہے اور اسی بنا پر دودھ پلانے والی کے خاوند کے ساتھ بھی رشتہ رضاعت ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پیچھے روایت: 1250، 1251 میں گزرا ہے...... بعض شارحین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس معاملے کی توجیہ یہ پیش کی ہے کہ ان بھابھیوں کا دودھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائیوں کی بجائے ان کے گزشتہ خاوندوں کی وجہ سے جاری ہوا ہوتا تھا لیکن یہ تاویل اس لیے مناسب نہیں کہ ان بھابھیوں کا دودھ ہمیشہ پچھلے خاوندوں ہی سے جاری نہ رہتا تھا، لہٰذا ظاہر روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ موقف جمہور کے خلاف بلکہ اپنی ہی بیان کردہ روایت کے بھی خلاف ہے اور وہ سمجھتی تھیں کہ رضاعت صرف عورت کی طرف سے جاری ہوتی ہے، مرد کی طرف سے نہیں...... اہل حدیث کا اس بارے میں موقف یہ ہے کہ جب راوی کا فتویٰ و عمل اس کی بیان کردہ روایت کے خلاف ہو تو اعتبار اس کی روایت کا ہوتا ہے، نہ کہ اس کی رائے کا، لہٰذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ موقف مرجوح ہے۔

[1259] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ، أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنِ الرَّضَاعَةِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: كُلُّ مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ، وَإِنْ كَانَتْ قَطْرَةً وَاحِدَةً فَهُوَ يُحَرِّمُ، وَمَا كَانَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ، فَإِنَّمَا هُوَ

ابراہیم بن عقبہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیب سے رضاعت کے متعلق سوال کیا تو سعید نے فرمایا: ہر وہ (دودھ پلانے کا عمل) جو دو سال کے اندر اندر ہو اگرچہ ایک ہی قطرہ ہو تو وہ حرمت ثابت کر دے گا اور ہر وہ جو دو سال کے بعد ہو بلاشبہ وہ تو صرف ایک (عام) کھانا

[1258] (موقوف صحیح) الاستذکار لابن عبدالبر: 253/18۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1259] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 13907۔ ابن ابی شیبہ: 17057۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

طَعَامُ يَأْكُلُهُ . قَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُقْبَةَ : ثُمَّ سَأَلْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ ، فَقَالَ : مِثْلَ مَا قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ .

ہے جسے بچے نے کھایا ہوتا ہے۔ ابراہیم بن عقبہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے بھی اسی کی مثل فرمایا جو سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرما چکے تھے۔

[1260] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ قَالَ : سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ : لَا رَضَاعَةَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْمَهْدِ ، وَإِلَّا مَا أَنْبَتَ اللَّحْمَ وَالدَّمَ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رضاعت ثابت ہی نہیں ہوتی مگر اس بچے کی، جو گود (کی عمر) میں ہو اور صرف اس دودھ کی جو گوشت اور خون اگائے۔

فائدہ :...... یعنی پیدائش کے بعد دو سال کے اندر اندر ہو کہ جس عرصے میں بچے کی نشو ونما کا انحصار تقریباً ماں کے دودھ ہی پر ہوتا ہے اور اس کے اعضائے جسم اس دودھ سے پروان چڑھتے ہیں اور پھر دو سال بعد بچے کی غذا کا انحصار ماں کے دودھ پر نہیں رہتا۔

[1261] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : الرَّضَاعَةُ قَلِيلُهَا وَكَثِيرُهَا تُحَرِّمُ ، وَالرَّضَاعَةُ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ تُحَرِّمُ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے: دودھ پلانا خواہ قلیل ہو یا کثیر، وہ حرمت ثابت کر دیتا ہے اور رضاعت مردوں کی طرف سے بھی حرمت ثابت کرتی ہے۔

فائدہ :...... کیونکہ اگر خاوند مباشرت نہ کرے تو عورت کو دودھ بھی نہ آئے، اس لیے عورت کے دودھ کی بنیاد مرد ہی ہے۔

قَالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الرَّضَاعَةُ قَلِيلُهَا وَكَثِيرُهَا ، إِذَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ تُحَرِّمُ ، فَأَمَّا مَا كَانَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ ، فَإِنَّ قَلِيلَهُ وَكَثِيرَهُ لَا يُحَرِّمُ شَيْئاً ، وَإِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ، جب وہ دو سال کے اندر اندر ہو تو حرمت ثابت کر دے گی، انھوں نے کہا کہ رہی وہ رضاعت جو دو سال کے بعد ہو تو بلاشبہ وہ خواہ قلیل ہو یا کثیر، کچھ بھی حرام نہ کرے گی اور وہ تو عام کھانے ہی کی طرح ہے۔

فائدہ :...... رَضْعَةٌ سے مراد اور تعداد: رَضَعَاتٌ جمع ہے رَضْعَةٌ کی، جس کے لغوی معنی ایک بار دودھ پلانے کے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ بچہ پستان منہ میں لے کر چوسے اور بغیر کسی عارضے کے اپنی مرضی سے

[1260] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 465/7- سعید بن منصور: 977- شیخ سلیم ہلالی اور اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1261] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

پستان چھوڑے، چنانچہ سانس لینے کے لیے یا ادھر ادھر دیکھنے یا ماں کے حرکت کرنے کی وجہ سے اگر پستان منہ سے چھوٹ جائے تو یہ انقطاع رضعہ کا حصہ ہے اور اس کے بعد دوسرا رضعہ شمار نہ ہوگا...... رہا یہ مسئلہ کہ کتنا دودھ یا کتنی بار دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی تو اس میں چار اقوال ہیں: (1) قلیل وکثیر دودھ سے رضاعت ثابت ہو جائے گی، یہ موقف امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب اور ابن شہاب رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں رضاعت کا تذکرہ عام ہے، مثلاً فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النساء: 23) ''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا تھا'' چنانچہ قرآن مجید کے اس عام تذکرے میں مقدار و تعداد مذکور نہیں ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ جن احادیث میں مقدار و تعداد کا تذکرہ ہے وہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن مجید کے مفہوم میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے اور قرآن کے عموم کی تخصیص ان کے ساتھ نہیں ہو سکتی...... حالانکہ یہ اصول بالکل غلط ہے، جو بھی فرمان نبوی ﷺ صحیح اسانید سے ثابت ہو جائے تو چونکہ پیغمبر ﷺ قرآن مجید ہی کی تفسیر و تفصیل فرماتے ہیں اس لیے مخصوص فقہاء کے پیچھے لگ کر فرمانِ نبوی کو نہیں چھوڑا جا سکتا...... حیرت ہے احناف پر کہ اسی آیت میں بیان کردہ حرام رشتوں میں چند اور کا اضافہ احادیث سے کر لیتے ہیں مثلاً پھوپھی بھتیجی کو یا خالہ بھانجی کو اکٹھا کرنا، حالانکہ وہ بھی خبر واحد کہلانے والی احادیث سے منقول ہیں، اسی طرح اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حق مہر کے لیے ''اموال'' کا لفظ عام استعمال کیا ہے لیکن احناف صحیح سند والی خبر واحد تو دور کی بات، ایک ضعیف خبر واحد سے اس میں تخصیص کر کے دس درہم کی کم از کم مقدار متعین کر لیتے ہیں، لہٰذا احناف کی یہ روش بالکل نامناسب ہے کہ جہاں اپنے مسلک کے مطابق روایت نظر آئے تو اسے قبول کر لیں خواہ ضعیف ہی ہو اور جو روایت خلافِ مسلک ہو اسے رد کر دیں خواہ وہ بخاری و مسلم میں ہو۔ (2) دوسرا موقف اسحاق، ابوعبیدہ، ابو ثور، ابن منذر رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا ہے کہ تین رضعات یعنی تین بار دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی، ان کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں ہے کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دودھ چوسنا، ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان منہ میں داخل کرنا یا دودھ پینا حرمت ثابت نہیں کرتا۔ (مسلم: 1450، 1451) وہ ان سے یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ جب ایک اور دو بار سے رضاعت ثابت نہ ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تین بار پینے سے ثابت ہو جائے گی...... حالانکہ یہ احادیث ایک اور دو کے بعد والی تعداد کے متعلق خاموش ہیں، ان میں ان لوگوں کا تو رد ہے جو ایک قطرے سے بھی رضاعت ثابت کرتے ہیں لیکن دو کے بعد والی تعداد کا ان میں تذکرہ نہیں کہ ان سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، چنانچہ دو سے زیادہ تعداد کے متعلق دوسری روایات میں وضاحت آ چکی ہے اس لیے ہم ادھر ہی رجوع کریں گے، یقیناً اپنے بنائے ہوئے اصول اور کیے ہوئے استدلال کی بجائے واضح فرمان نبوی ہی فیصلہ کن ہے۔ (3) تیسرا موقف سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے عمل سے سامنے آتا ہے کہ دس بار دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے لیکن دراصل

یہ تعداد جو شروع شروع میں ثابت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی تھی...... بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ دس بار کی تعداد امہات المومنین کے لیے خاص تھی لیکن یہ قول بلا دلیل ہے۔ (4) اس سلسلے میں آخری اور راجح موقف یہ ہے کہ پانچ بار دودھ پینے سے یعنی پانچ رضعات سے رضاعت ثابت ہوتی ہے اور یہ موقف امام شافعی اور اکثر اہل حدیث کا ہے، نیز حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، لیث بن سعد اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، اس کی دلیل وہ فرمان نبوی ہے جو آپ ﷺ نے حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''اسے پانچ بار دودھ پلاؤ'' (موطا: 1261، ابوداود: 2061۔ اس کی سند صحیح ہے)

نیز خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع میں قرآن مجید ہی میں دس بار دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہونے کا تذکرہ تھا، پھر انھیں منسوخ کر کے پانچ بار کا حکم دیا گیا۔ (مسلم: 1452) بلکہ یہ الفاظ بھی قرآن مجید میں تھے اور ان کی تلاوت بھی ہوتی تھی لیکن پھر ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا، اور ابھی سب لوگوں کو ان کی تلاوت کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے اور وفات نبوی کے وقت کئی لوگ ابھی اس کی باقاعدہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ (مسلم: 1452) امام ابن تیمیہ، امام ترمذی رحمہ اللہ (حدیث: 1150) امیر صنعانی (سبل السلام: 1529/3) ابن حزم (المحلی بالآثار: 189/10) اور نواب صدیق حسن خان (الروضۃ الندیہ: 174/2) سب کا یہی موقف ہے۔

2- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الرَّضَاعَةِ بَعْدَ الْكِبَرِ

بڑی عمر ہونے کے بعد رضاعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع اور دو موقوف ہیں اور سب سنداً صحیح ہیں۔

فائدہ: ...... یہاں دو سال سے زائد کی عمر کو بڑی عمر کہا گیا ہے خواہ وہ بچپن ہو یا جوانی کی عمر یا اس کے بعد بھی۔

[1262] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ، فَقَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَكَانَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا،

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان سے ''رضاعت کبیر'' کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے خبر دی کہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، وہ جنگ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے حضرت

[1262] صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب رضاعة الكبير، حديث: 1453، 1454- سنن ابي داود، كتاب النكاح، باب من حرم به، حديث: 2061- نسائي: 3326- ابن ماجه: 1443- احمد: 201/6 (26169)- دارمي: 2257.

وَكَانَ تَبَنَّى سَالِماً، الَّذِي يُقَالُ لَهُ: سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، كَمَا تَبَنَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ، وَأَنْكَحَ أَبُو حُذَيْفَةَ سَالِماً، وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ ابْنُهُ، أَنْكَحَهُ بِنْتَ أَخِيهِ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَهِيَ يَوْمَئِذٍ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الأُوَلِ، وَهِيَ مِنْ أَفْضَلِ أَيَامَى قُرَيْشٍ، فَلَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ، فِي زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ مَا أَنْزَلَ فَقَالَ: ﴿ادْعُوهُمْ لآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ﴾ [الأحزاب: 5] رُدَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ أُولَئِكَ إِلَى أَبِيهِ، فَإِنْ لَمْ يُعْلَمْ أَبُوهُ، رُدَّ إِلَى مَوْلَاهُ، فَجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ، وَهِيَ امْرَأَةُ أَبِي حُذَيْفَةَ، وَهِيَ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ، إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، كُنَّا نَرَى سَالِماً وَلَداً، وَكَانَ يَدْخُلُ عَلَيَّ وَأَنَا فُضُلٌ، وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا بَيْتٌ وَاحِدٌ، فَمَاذَا تَرَى فِي شَأْنِهِ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَرْضِعِيهِ خَمْسَ رَضَعَاتٍ، فَيَحْرُمُ بِلَبَنِهَا وَكَانَتْ تَرَاهُ ابْناً مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَأَخَذَتْ بِذَلِكَ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ، فِيمَنْ كَانَتْ تُحِبُّ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهَا مِنَ الرِّجَالِ، فَكَانَتْ تَأْمُرُ أُخْتَهَا أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَبَنَاتِ أَخِيهَا أَنْ يُرْضِعْنَ مَنْ أَحَبَّتْ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهَا مِنَ الرِّجَالِ، وَأَبَى

سالم ؓ کو اپنا متبنّیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا جنھیں سالم مولی ابی حذیفہ کہا جاتا تھا، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ ؓ کو اپنا لے پالک بنایا ہوا تھا۔ حضرت ابوحذیفہ ؓ نے حضرت سالم ؓ کا نکاح کر دیا، وہ انھیں اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے، انھوں نے اپنی بھتیجی حضرت فاطمہ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ ؓا سے ان کی شادی کی تھی، وہ اس وقت ابتدائی مہاجر عورتوں میں سے تھیں اور وہ اس وقت قریش کی سب سے افضل بیوگان میں سے تھیں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں (رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے) حضرت زید بن حارثہ ؓ کے متعلق جو کچھ بھی نازل کیا اور فرمایا: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ﴾ (الاحزاب: 5) ”ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے مولیٰ (دوست) ہیں۔“ تو (اس آیت کے نزول کے بعد) لوگوں میں سے ہر اس شخص (کے نام) کو اس کے باپ کی طرف لوٹا دیا گیا جسے لے پالک بنایا جا چکا تھا، پھر اگر اس کے باپ کا نام معلوم نہ ہوتا تو اسے اس کے آقا کی طرف منسوب کیا جانے لگا (ابن کی جگہ مولیٰ کا لفظ استعمال ہونے لگا، چنانچہ سالم بن ابی حذیفہ کو سالم مولی ابی حذیفہ ؓا کہا جانے لگا) پھر حضرت سہلہ بنت سہیل ؓا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں جو کہ حضرت ابوحذیفہ ؓ کی زوجہ تھیں اور بنو عامر بن لوی خاندان میں سے تھیں، وہ کہنے لگیں کہ اے

سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِنَّ بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ، وَقُلْنَ: لَا وَاللّٰهِ مَا نَرَى الَّذِي أَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَهْلَةَ بِنْتَ سُهَيْلٍ، إِلَّا رُخْصَةً مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَضَاعَةِ سَالِمٍ وَحْدَهُ، لَا وَاللّٰهِ لَا يَدْخُلُ عَلَيْنَا بِهٰذِهِ الرَّضَاعَةِ أَحَدٌ، فَعَلَى هٰذَا كَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ فِي رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ.

اللہ کے رسول! ہم تو سالم کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے، وہ میرے پاس اس حال میں آجایا کرتا تھا کہ میں گھریلو کام کاج کے وقت استعمال کیا جانے والا سادا کپڑا لیے ہوئے ہوتی تھی اور ہمارے پاس ایک ہی گھر ہے تو آپ اس کے حوالے سے کیا خیال فرماتے ہیں؟ چنانچہ ہمیں جو روایت پہنچی ہے اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اسے پانچ بار دودھ پلا دے'' وہ (ان کا رضاعی بیٹا بن کر) ان پر حرام ہو جائے گا اور (پھر) وہ اسے اپنا رضاعی بیٹا ہی سمجھا کرتی تھیں۔ (ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی حدیث سے اخذ کیا (اور استدلال کیا) ان مردوں کے بارے میں جن کے متعلق وہ پسند کرتی تھیں کہ وہ ان کے پاس آئیں، چنانچہ وہ اپنی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کو اور اپنی بھتیجیوں کو حکم دیتیں کہ وہ ان کے لیے ان مردوں کو دودھ پلا دیں جن کا اپنے پاس آنا وہ پسند کرتی تھیں اور (لیکن) نبی کریم ﷺ کی باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ انکار کر دیا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی شخص اس طرح کی رضاعت کے ساتھ ان کے پاس آئے اور وہ کہتی تھیں کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ اکیلے سالم ہی کے لیے رخصت تھی، (لہٰذا) اللہ کی قسم! اس طرح کی رضاعت (رضاعت کبیر) کے ساتھ لوگوں میں سے کوئی بھی ہم پر داخل نہیں ہوسکتا، چنانچہ رضاعت کبیر کے مسئلے میں ازواج پیغمبر ﷺ اسی موقف پر قائم تھیں۔

[1263] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَنَا مَعَهُ عِنْدَ دَارِ الْقَضَاءِ يَسْأَلُهُ عَنْ رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: إِنِّي كَانَتْ لِي وَلِيدَةٌ وَكُنْتُ أَطَؤُهَا، فَعَمَدَتِ امْرَأَتِي إِلَيْهَا فَأَرْضَعَتْهَا، فَدَخَلْتُ عَلَيْهَا

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اس حال میں کہ میں بھی ''دارالقضاء'' کے پاس ان کے ہمراہ تھا، وہ ان سے رضاعت کبیر یعنی بڑی عمر والے شخص کی رضاعت کے متعلق سوال کر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پھر کہنے لگا کہ بے شک میری ایک لونڈی تھی جس سے میں ہم بستری کیا کرتا تھا، تو میری

[1263] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 461/5 (15659، 15660)۔ وفی معرفة السنن والآثار: 94/6 (4733)۔ الشافعی فی الام: 29/5۔ عبدالرزاق: 13890، 13930۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

فَقَالَتْ : دُونَكَ فَقَدْ وَاللّٰهِ أَرْضَعْتُهَا . فَقَالَ عُمَرُ : أَوْجِعْهَا وَأْتِ جَارِيَتَكَ ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ رَضَاعَةُ الصَّغِيرِ .

بیوی نے اس لونڈی کو دودھ پلا دیا۔ پھر (جب) میں اس لونڈی کے پاس گیا تو میری بیوی کہنے لگی کہ (مجھ سے یہ بات) لے لو، یقیناً اللہ کی قسم! میں نے اسے دودھ پلا دیا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیوی کو سزا دو اور اپنی لونڈی کے پاس جاؤ، یقیناً معتبر رضاعت تو چھوٹی عمر والے (دو سال سے کم عمر بچے) ہی کی ہوتی ہے۔''

فائدہ :...... دارالقضاء کے معنی ''ادائیگی والے گھر'' کے ہیں، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گھر تھا اور ان کے قرضے کی ادائیگی کے لیے اسے بیچا گیا تھا۔

[1264] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ أَبَا مُوسَى الأَشْعَرِيَّ فَقَالَ : إِنِّي مَصِصْتُ مِنْ امْرَأَتِي مِنْ ثَدْيِهَا لَبَناً ، فَذَهَبَ فِي بَطْنِي ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى : لاَ أُرَاهَا إِلاَّ قَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ . فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ : انْظُرْ مَاذَا تُفْتِي بِهِ الرَّجُلَ ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى : فَمَاذَا تَقُولُ أَنْتَ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ : لاَ رَضَاعَةَ إِلاَّ مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ . فَقَالَ أَبُو مُوسَى : لاَ تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ ، مَا كَانَ هَذَا الْحَبْرُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کے پستان سے دودھ چوس لیا تو وہ میرے پیٹ میں چلا گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اسے کچھ اور خیال نہیں کرتا مگر یہی کہ وہ تم پر یقیناً حرام ہو چکی ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ دیکھیں، آپ اس شخص کو کیا فتویٰ دے رہے ہیں؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ پھر آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رضاعت معتبر ہی نہیں ہوتی مگر صرف وہ جو دو سال کے اندر اندر ہو۔ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ (لوگو!) مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں مت پوچھا کرو جب تک کہ یہ عالم (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تمھارے درمیان میں موجود ہیں۔

فائدہ :...... (مسئلہ رضاعت کبیر) جمہور علمائے سلف وخلف کے نزدیک دو سال کے بعد پیے ہوئے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، لیکن حضرت علی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیر، عطاء، لیث اور داود ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک بوقت ضرورت رضاعت کبیر سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس کی دلیل حضرت سالم رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔

[1264] (موقوف صحيح) سنن ابی داود، كتاب النكاح، باب فی رضاعة الكبير، حديث: 2059، 2060- بيهقی: 462/7 (15664)- احمد: 422/1 (4114)- عبدالرزاق: 463/7 (13895)- سعيد بن منصور: 987- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

جمہور کے دلائل حسب ذیل ہیں: (1) رضاعت کبیر معتبر نہ ہونے کی احادیث بہت زیادہ ہیں جبکہ معتبر ہونے کی متعلق صرف ایک حدیث ہے یعنی حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ والی۔ (2) تمام امہات المومنین رضاعت کبیر کے خلاف تھیں سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ (3) یہ واقعہ بھی حضرت سالم رضی اللہ عنہ ہی سے خاص تھا۔ (4) رضاعت کبیر شمار نہ کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ (5) رضاعت کبیر میں دودھ سے نہ گوشت اگتا ہے نہ ہڈیاں۔ (6) رضاعت کبیر میں دودھ پینے سے بھوک نہیں مرتی۔

بوقت ضرورت رضاعت کبیر کی اجازت دینے والے علماء کی طرف سے ان اعتراضات کے جوابات یوں دیے جاتے ہیں: (الف) کسی شرعی مسئلے کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔ مومن کے لیے تو پیغمبر ﷺ کا اشارہ ابرو ہی کافی ہے۔ (ب) احادیث میں ظاہری تعارض کے وقت یہ مسلمہ اصول ہے کہ سب سے پہلے ان میں تطبیق وموافقت کی راہ اختیار کی جاتی ہے تاکہ تمام روایات پر عمل ہو اور کوئی بھی متروک نہ ہو۔ (ج) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں تمام ازواج مطہرات نے محض اپنا فہم استعمال کیا ہے۔ اور حدیث صریح کے مقابلے میں تو سارے یا اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا جیسا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں اور حج تمتع پر پابندی کا معاملہ ہے۔ (د) اگر یہ واقعہ حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے خاص ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس کی وضاحت فرما دیتے جیسا کہ حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو بکرے کی نسل سے کھیرے جانور کی قربانی کی اجازت دی تو ساتھ فرمایا: ''تیرے بعد یہ کسی سے کفایت نہیں کرے گا۔'' (بخاری: 955، مسلم: 5/1961) لہٰذا جب مذکورہ مسئلے میں تخصیص ثابت نہ ہو سکی تو یہی کہا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ (ھ) احتیاط کا پہلو اس بات میں ہے کہ کسی بھی حدیث پیغمبر ﷺ کو متروک العمل نہ چھوڑا جائے بلکہ سب کا سیاق دیکھ کر تطبیق دی جائے۔ (و) اگر گوشت اگنے، ہڈیاں بڑھنے اور بھوک مٹنے کی عمر والی احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں جو کہ ایک عام اصول بیان کرتی ہیں تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر پیش آیا جو بوقت ضرورت عام قاعدے سے خاص اور مستثنیٰ صورت بیان کرتا ہے۔ (ز) ہم بھی رضاعت کبیر کی مطلق اجازت نہیں دیتے بلکہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے معاملے جیسی صورت اور ضرورت کے وقت ہی اس پر عمل کے قائل ہیں...... انہی حقائق کی بنا پر امام ابن تیمیہ (مجموع الفتاوىٰ: 60/34)، ابن قیم (اعلام الموقعین: 346/4)، امیر صنعانی (سبل السلام: 1533/3)، نواب صدیق حسن خان (الروضة الندیه: 180/2) اور ابن حزم رحمہ اللہ (المحلّى بالآثار: 202/10) بھی اسی تطبیق والے موقف کو راجح قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

3- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي الرَّضَاعَةِ

رضاعت کے متعلق مختلف احادیث کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں جو بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں۔

[1265] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ، مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ.

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رضاعت سے وہ (سب) کچھ حرام ہو جاتا ہے جو ولادت (سلسلہ نسب) سے حرام ہوتا ہے۔''

فائدہ: ......اس کتاب الرضاع کے شروع میں حدیث: ۱۲۵۰ میں یہی الفاظ موقوفاً یعنی حضرت عائشہ ؓ کے قول سے مروی تھے اور یہاں مرفوعاً یعنی رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔

[1266] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ الْأَسَدِيَّةِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهَا، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، حَتَّى ذَكَرْتُ أَنَّ الرُّومَ وَفَارِسَ يَصْنَعُونَ ذٰلِكَ، فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ.

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ حضرت جدامہ بنت وہب اسدیہ ؓ سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یقیناً میں نے یہ قصد کر لیا تھا کہ ''غیلہ'' (حالت رضاعت میں مباشرت یا حالت حمل میں دودھ پلانے) سے منع کر دوں، یہاں تک کہ میرے سامنے ذکر کیا گیا کہ رومی اور فارسی لوگ بھی یہ عمل کرتے ہیں اور یہ کام ان کے بچوں کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتا۔''

قَالَ مَالِكٌ: وَالْغِيلَةُ أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ تُرْضِعُ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: غیلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے اس حال میں مباشرت کرے کہ وہ دودھ پلا رہی ہو۔

فائدہ: ...... جب عورت بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے تو اس کے جسم کی قوت ادھر ہی مصروف ہوتی ہے اور اگر اس حالت میں جماع کر لیا جائے جس سے حمل ٹھہر جائے تو عورت کی قوت بٹ جاتی ہے جس سے دودھ پیتے بچے کو پہلے جیسی توانائی نہیں ملتی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ اس عمل کو مکروہ جانتے تھے، بعد ازاں آپ ﷺ نے اس کی کھلی

[1265] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حدیث: 2646، 3105، 5099- صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة، حدیث: 1444- ابوداود: 2055- ترمذی: 1147- نسائی: 3302- ابن ماجه: 1937- احمد: 44/6 (24671).

[1266] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب النكاح، باب جواز الغيلة وهي وطئ المرضع وكراهة العزل، حدیث: 1442 - سنن ابی داود، کتاب الطب، باب فی الغیل، حدیث: 3882- ترمذی: 2077، نسائی: 3328- ابن ماجه: 2011- احمد: 361/6 (27575)- دارمی: 2217.

اجازت دے دی۔

[1267] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُنَّ مِمَّا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ قرآن مجید میں سے جو کچھ نازل ہوا تھا اس میں دس بار دودھ پلانا بھی تھا جو معلوم تھا (ان میں شک نہ تھا تو) انھی سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی تھی، پھر ان (دس معلوم شدہ رضعات) کو پانچ معلوم رضعات یعنی معلوم شدہ پانچ بار دودھ پلانے (کے حکم) کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا، پھر (ان پانچ والی آیت کی تلاوت بھی منسوخ کر دی گئی البتہ حکم باقی رہا لیکن سب لوگوں کو چونکہ ابھی اس کا علم نہ ہوا تھا اس لیے) رسول اللہ ﷺ اس حال میں فوت ہوئے کہ (کچھ لوگوں کے ہاں) ان کو قرآن مجید میں پڑھا جا رہا تھا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ عَلَى هٰذَا الْعَمَلُ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہے۔

فائدہ: ...... واقعی جمہور نے ان پر عمل چھوڑ دیا ہے لیکن بہت سے محققین کا اس پر عمل ہے جیسا کہ گزشتہ سے پیوستہ باب کے آخر میں بیان ہو چکا ہے۔

[1266] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: 1452- سنن ابی داود، كتاب النكاح، باب هل يحرم ما دون خمس رضعات، حديث: 2062- ترمذی: 1150- نسائی: 3309- ابن ماجه: 1942- دارمی: 2253.

30

كِتَابُ الْعِتْقِ وَالْوَلَاءِ

غلامی سے آزادی اور ولاء کے مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں تیرہ ابواب اور پچیس روایات ہیں جن میں دس مرفوع نو موقوف (آثار صحابہ) اور چھ مقطوع (آثار تابعین) ہیں اور ان تمام میں سے سترہ صحیح اور آٹھ ضعیف ہیں، چنانچہ دس مرفوع روایات میں سے ایک ضعیف اور نو صحیح ہیں' نو موقوف روایات میں سے چار صحیح اور پانچ ضعیف ہیں اور چھ مقطوع روایات میں سے چار صحیح اور دو ضعیف ہیں۔ نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے بائیس فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ : ..... غلام کو آزاد کرنا "عتق" کہلاتا ہے، آزاد کرنے والے کو معتِق (تاء کے نیچے زیر کے ساتھ) اور آزاد ہونے والے کو معتَق (تاء کے اوپر زبر کے ساتھ) اور عتیق کہتے ہیں۔ ولاء اس تعلق کا نام ہے جو معتِق اور معتَق میں ہوتا ہے جس کی بنا پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اگر معتَق یعنی آزاد کردہ غلام کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی وراثت معتِق کو ملتی ہے۔

اسلام اور حقوق غلاماں

ہر مذہب وقوم میں آزادی وغلامی کا سلسلہ جاری رہا ہے، خواہ وہ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں، حتیٰ کہ آج بھی انسانوں کی خرید وفروخت کا کاروبار خفیہ طور پر جاری ہے لیکن اسلام دشمن طبقہ غلام بنانے کے متعلق اسلامی احکامات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے اور وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام انسانی مساوات کے خلاف ہے اور حقوقِ انسانیت کو سلب کرتا ہے حالانکہ یہ اعتراض بالکل بے جا ہے۔ آج اقوام متحدہ یعنی اقوام کفریہ نے جو متفقہ چارٹر تیار کیا ہے، اس میں محض اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے یہ شق رکھی ہے کہ کوئی کسی کو غلام نہیں بنا سکتا، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ خود انھوں نے پوری دنیا کو غلام اور محکوم بنانے کی سعی مذموم جاری رکھی ہوئی ہے ..... بہرحال ان اسلام دشمنوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس خالق نے انسانوں کو مرد وعورت کی تقسیم میں بانٹا ہے اسی نے ان کو آزادی وغلامی کی صفات میں بھی تقسیم کیا ہے اور پھر جس کسی کے لائق جو حقوق تھے ان کو عطا کیے ہیں اور ہم پر ان حقوق کی ادائیگی لازم قرار دی ہے ..... جس قدر اسلام نے غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق اجاگر کیے ہیں اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی اور جس قدر اس آخری مذہب نے

غلاموں اور لونڈیوں کو آزادی کے مواقع فراہم کیے ہیں کوئی اور مذہب وقوم والے اتنی وسعت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

قرآن میں بیان

چنانچہ قرآن مجید میں دیت قتل خطا (سورۂ نساء: 92) کفارۂ قسم (مائدہ: 89) اور کفارۂ ظہار (مجادلہ: 3) میں غلام آزاد کرنے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ نیکی کی منزل کو پانے (البقرہ: 177)، دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال حاصل کرنے کے لیے مشکل گھاٹی کی پہلی منزل عبور کرنے (البلد: 13) اور زکاۃ و فرض صدقات کے استعمال کی جگہوں میں (التوبہ: 60) گردنیں آزاد کرنے کو مستقل حیثیت دی گئی ہے۔ سورۂ نساء: 3، 24، 25، 36۔ مومنون: 6، نور: 31، 33، 58۔ احزاب: 50، 52، 55 اور سورۂ معارج: 30 میں ان کے مختلف مسائل، معاملات اور حقوق بیان فرماتے ہوئے انھیں کلام الٰہی کا موضوع بنا کر سعادت سے نوازا گیا ہے۔ سورۂ نحل: 71، 75، 76۔ روم: 28، زمر: 29 میں ان کے ذریعے مسئلہ توحید ثابت کر کے ان کے وجود اور مقام کی اہمیت وضرورت اجاگر فرمائی گئی ہے۔

احادیث مبارکہ اور آزادی غلاماں

احادیث مبارکہ میں غلاموں کی آزادی پر خوب زور دیا گیا ہے، چنانچہ مکاتب غلام، مدبر غلام اور ام ولد لونڈی تو آزادی کے معاملے میں مستقل موضوع ہیں، اسی طرح محرم رشتہ دار یا والدین و اولاد کو خریدتے ہی اس کی آزادی کا حکم اور ترغیب (مسلم: 1510، ابوداود: 3949، ترمذی: 1365، ابن ماجہ: 2524) غلام ولونڈی کو ناحق تھپڑ مارنے یا پیٹنے کے کفارے میں اس کی آزادی کا حکم (مسلم: 1657، 1658) یا اس کا مثلہ کرنے کے کفارے میں اس کی آزادی کا حکم (ابوداود: 4519، ابن ماجہ: 2680، اس کی سند حسن ہے) مشترکہ غلام کا کچھ حصہ آزاد ہوتے ہی اسے مختلف طریقوں سے مکمل آزادی تک پہنچانے کا حکم (بخاری: 2491، 2492۔ مسلم: 1501، 1503) نیز حالت روزہ میں مباشرت کرنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا حکم بھی زبان مصطفیٰ ﷺ سے صادر ہو چکا ہے۔ (بخاری: 1936، مسلم: 1111) پھر آپ ﷺ نے عام ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ''جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر ہر عضو کو آگ سے آزاد فرما دیں گے۔'' (بخاری: 2517، مسلم: 1509) اس عمل کو جہنم سے فدیہ قرار دیا۔ (ابوداود: 3966، اس کی سند صحیح ہے) بلکہ زیادہ قیمتی غلام آزاد کرنے کو زیادہ فضیلت والا قرار دیا۔ (بخاری: 2518، مسلم: 84) غلام کی آزادی میں تعاون کو سایہ عرش الٰہی کے حصول کا ذریعہ بتایا۔ (مسند احمد: 487/3، مستدرك حاكم: 89/2، امام حاکم، شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح اور شیخ عبداللہ بسام نے حسن کہا ہے) غلام آزاد کرنے کو دخول جنت کا شارٹ کٹ رستہ قرار دیا۔ (ابن حبان: 374، بیهقی فی شعب الایمان: 4335، وفی السنن الكبریٰ: 272/10، 273، شرح السنه للبغوی: 2419، مشكاة: 3318، اس کی سند صحیح ہے) فوت شدگان کو نفع پہنچانے کے لیے ان کی طرف سے غلام آزاد کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا۔

(نسائی: 3679، اس کی سند صحیح ہے) سورج اور چاند گرہن کے موقع پر غلام آزاد کرنا۔ (بخاری: 2519) دوہرے اجر کے لیے لونڈی کو ادب اور علم سکھانا، پھر آزاد کر کے اس سے شادی کرنا (بخاری: 97، مسلم: 154) بھی ترغیب نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی بہت سے غلام آزاد فرمائے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو ہزاروں کی تعداد میں غلام آزاد کیے۔ (سبل السلام: 1955/4)

حقوقِ غلامان بزبانِ مصطفیٰ ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے ان پر مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا۔ (ابوداود: 1691، نسائی: 2536، اس کی سند حسن ہے) ان پر خرچ نہ کرنے کو زبردست گناہ قرار دیا۔ (مسلم: 996) جب وہ کھانا پکا کر لائیں تو انھیں ساتھ بٹھانے یا کم از کم ایک دو لقمے دینے کا حکم فرمایا۔ (بخاری: 2557، مسلم: 1663) نیز فرمایا: ''اگر وہ تم سے موافقت کریں تو انھیں اپنے جیسا کھلاؤ اور پہناؤ، ورنہ انھیں بیچ دو لیکن ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔'' (ابوداود: 5161، اس کی سند صحیح ہے) جو شخص ان پر جھوٹی تہمت لگائے گا اسے قیامت کے دن کوڑوں سے سزا دی جائے گی۔ (مسلم: 1660) جو کوئی بہت قریبی رشتہ دار غلاموں لونڈیوں کو الگ الگ بیچ ڈالے گا روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے اس کے پیاروں سے جدا فرما دیں گے۔ (ترمذی: 1283، اس کی سند حسن ہے) غلاموں کو طعنہ دینا اور عار دلانا جاہلیت کا کام ہے، انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ، وہی پہناؤ جو خود پہنو، ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو، اگر کام ان کی وسعت سے زیادہ ہو تو ان کا تعاون کرو۔ (بخاری: 30، مسلم: 1660) تین بار پوچھے جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے غلام کو ہر دن ستر بار معاف کیا کرو۔'' (ابوداود: 5164، ترمذی: 1949، اس کی سند صحیح ہے) رسول اللہ ﷺ نے جو آخری وصیت فرمائی جس کے بعد آپ ﷺ کوئی کلام نہ کر سکے، یہ تھی: ''نماز اور اپنے غلاموں لونڈیوں کا خیال رکھنا۔'' (ابوداود: 5156، ابن ماجہ: 1625، 2698، ان کی سندیں صحیح ہیں۔)

1- بَابٌ: مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي مَمْلُوكٍ

اس شخص کا بیان جس نے مشترکہ غلام سے اپنا حصہ آزاد کر دیا

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1268] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

--- [1268] [مرفوع صحیح] صحیح البخاری، کتاب العتق، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین، حدیث: 2522، 2503، 2521، 2525۔ صحیح مسلم، کتاب العتق، باب من اعتق شرکا له فی عبد، حدیث: 1501۔ ابوداود: 3940۔ ترمذی: 1346۔ نسائی: 4702۔ ابن ماجہ: 2528۔ احمد: 112/2 (5920)۔

اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَعْتَقَ شِرْكاً لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ: فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص (مشترک) غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس کے پاس (مزید) مال (بھی موجود) ہو جو اس غلام کی (مکمل) قیمت کو پہنچ سکے تو اس پر اس غلام کی انصاف والی (معتدل اور درمیانی) قیمت لگائی جائے گی، پھر وہ اپنے (تمام) شریکوں کو (قیمت میں سے) ان کے حصے ادا کر دے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، ورنہ (اگر اس کے پاس مزید وسعت نہ ہو تو) اس غلام میں سے صرف وہی حصہ آزاد ہوگا جو (اس ایک شخص کی طرف سے) آزاد ہوا ہے۔"

فائدہ : ...... اور دوسری روایت میں ہے: "اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی قیمت لگائی جائے گی، پھر (باقی قیمت کی ادائیگی کے لیے) غلام سے محنت کروائی جائے گی لیکن اس پر مشقت نہیں ڈالی جائے گی۔" (بخاری: 2527، مسلم: 1502) جمہور محدثین، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا موقف ان دونوں حدیثوں کے مطابق ہے کہ اپنا حصہ آزاد کرنے والا شخص اگر مالدار ہے تو وہ باقی شرکاء کے حصوں کا بھی ضامن ہوگا اور اگر تنگ دست ہو تو غلام سے محنت کروائی جائے گی۔ نیز ان دونوں صورتوں میں اپنا حصہ آزاد کرنے والا شخص اکیلا ہی "ولاء" کا مالک ہوگا، دوسرے آقا اپنے حصوں کی قیمت لے کر بیچنے والے شمار ہوں گے، وہ آزاد کرنے والے شمار نہیں ہوں گے، اور ایسا غلام "مکاتب" کی حیثیت رکھتا ہے جس میں غلام کو فی الفور آزادی نہیں ملتی بلکہ جب مکمل قیمت ادا ہوگی تب وہ آزاد متصور ہوگا...... جب آزاد کرنے والا شخص مالدار ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ باقی تمام حصوں کی قیمت کی ادائیگی کے بعد ہی غلام کو آزادی ملے گی، لیکن امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ (جدید قول میں) کہتے ہیں کہ غلام اپنا پہلا حصہ ادا ہوتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے اگرچہ مختلف الفاظ حدیث سے دونوں قسم کا استدلال ممکن ہے۔ رہا ولاء میں تقسیم اور اشتراکت کا مسئلہ تو اس میں امام مالک، امام احمد، امام محمد، امام ابو یوسف رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک تقسیم نہیں ہو سکتی جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ایک سے زیادہ آقا بیک وقت آزاد کر دیں تو پھر ولاء میں دونوں حصہ دار ہوں گے ورنہ نہیں۔ رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا آقا مالدار ہو تو پھر دوسرے آقاؤں کو تین اختیارات ہیں: چاہیں تو یہ بھی اپنے حصے آزاد کر دیں، چاہیں تو پہلے آقا سے اپنے حصوں کی قیمتیں وصول کر لیں اور چاہیں تو غلام سے محنت کروا کر اپنی قیمت وصول کریں اور اگر پہلا آقا تنگدست ہو تو پھر دوسرے آقاؤں کو دو اختیار ہیں کہ چاہیں تو اپنے حصے آزاد کر دیں اور چاہیں تو غلام سے محنت کروا لیں۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر تو دوسرے آقاؤں نے پہلے آقا سے قیمت وصول کی تو پھر "ولاء" کی ملکیت صرف پہلے آقا کے لیے ہوگی ورنہ ہر صورت میں ولاء میں تقسیم اور شراکت ہوگی...... الغرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے آقا کے مالدار ہونے کی صورت میں

بھی غلام سے محنت وغیرہ کا اختیار دے کر حدیث کی موافقت نہ کر سکے، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ پہلے آقا کے مالدار نہ ہونے کی صورت میں بھی غلام سے محنت کروانے کے قائل نہ ہو کر حدیث کی متابعت نہ کر سکے، ہاں صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا موقف حدیث کے مطابق ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، فِي الْعَبْدِ يُعْتِقُ سَيِّدُهُ مِنْهُ شِقْصاً، ثُلُثَهُ أَوْ رُبُعَهُ أَوْ نِصْفَهُ أَوْ سَهْماً مِنَ الأَسْهُمِ بَعْدَ مَوْتِهِ: أَنَّهُ لاَ يَعْتِقُ مِنْهُ إِلاَّ مَا أَعْتَقَ سَيِّدُهُ وَسَمَّى مِنْ ذَلِكَ الشِّقْصِ، وَذَلِكَ أَنَّ عَتَاقَةَ ذَلِكَ الشِّقْصِ إِنَّمَا وَجَبَتْ، وَكَانَتْ بَعْدَ وَفَاةِ الْمَيِّتِ، وَأَنَّ سَيِّدَهُ كَانَ مُخَيَّراً فِي ذَلِكَ مَا عَاشَ، فَلَمَّا وَقَعَ الْعِتْقُ لِلْعَبْدِ عَلَى سَيِّدِهِ الْمُوصِي، لَمْ يَكُنْ لِلْمُوصِي إِلاَّ مَا أَخَذَ مِنْ مَالِهِ، وَلَمْ يَعْتِقْ مَا بَقِيَ مِنَ الْعَبْدِ، لأَنَّ مَالَهُ قَدْ صَارَ لِغَيْرِهِ، فَكَيْفَ يَعْتِقُ مَا بَقِيَ مِنَ الْعَبْدِ عَلَى قَوْمٍ آخَرِينَ، لَيْسُوا هُمُ ابْتَدَؤُوا الْعَتَاقَةَ وَلاَ أَثْبَتُوهَا وَلاَ لَهُمُ الْوَلاَءُ وَلاَ يَثْبُتُ لَهُمْ، وَإِنَّمَا صَنَعَ ذَلِكَ الْمَيِّتُ، هُوَ الَّذِي أَعْتَقَ وَأُثْبِتَ لَهُ الْوَلاَءُ، فَلاَ يُحْمَلُ ذَلِكَ فِي مَالِ غَيْرِهِ، إِلاَّ أَنْ يُوصِيَ بِأَنْ يَعْتِقَ مَا بَقِيَ مِنْهُ فِي مَالِهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لاَزِمٌ لِشُرَكَائِهِ وَوَرَثَتِهِ، وَلَيْسَ لِشُرَكَائِهِ أَنْ يَأْبَوْا ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَهُوَ فِي ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ عَلَى وَرَثَتِهِ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اتفاق ہے اس غلام کے بارے میں، جس میں سے اس کا آقا تیسرا حصہ یا چوتھا یا نصف یا دوسرے حصوں میں کوئی حصہ اپنے مرنے کے بعد آزاد کر دیتا ہے (وہ اس غلام کے کئی آقاؤں میں سے ایک ہے اور کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو اس کا فلاں حصہ آزاد ہے، تو اس بارے میں متفقہ حکم) یہ ہے کہ بلاشبہ اس میں سے اس حصے کے علاوہ اور کچھ بھی آزاد نہ ہوگا کہ جس کو اس کے آقا نے آزاد کیا تھا اور اس مخصوص حصے کا نام لے دیا تھا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اس (متعین) حصے کی آزادی واجب تھی اور وہ موت کے بعد ہونا تھی (کیونکہ اس کی حیثیت ایک وصیت کی سی ہے) اور بلاشبہ اس کا آقا جب تک زندہ رہا اس (آزادی کی وصیت کو قائم رکھنے یا اس سے رجوع کر لینے) میں اختیار رکھتا تھا، پھر جب غلام (کے اسی حصے) کی آزادی اس کے وصیت کرنے والے آقا کے ذمے (اس کی موت کے بعد) ثابت ہوگئی تو اس وصیت کرنے والے کے لیے صرف اور صرف وہی چیز (راہِ الٰہی میں خرچ کرنے کے لیے جائز) تھی جو وہ اپنے مال میں سے لے چکا تھا اور غلام کا باقی ماندہ حصہ آزاد نہ ہوگا کیونکہ بلاشبہ اس (مرنے والے) کا مال کسی اور کا (یعنی ورثاء کا) ہو چکا ہے تو بھلا کس طرح غلام کا باقی ماندہ حصہ ان دوسرے لوگوں کے ذمے ثابت ہو سکتا ہے کہ جنھوں نے نہ تو آزاد کرنے کی ابتدا کی تھی نہ انھوں نے اسے ثابت کیا تھا، نہ ان کے لیے ''ولاء'' ہے اور نہ ولاء ان کے لیے ثابت ہو سکتی ہے اور (بلکہ) بلاشبہ

یہ کام تو صرف اور صرف میت ہی نے کیا تھا، اس نے (غلام کا کچھ حصہ) آزاد کیا اور اس کے لیے ولاء ثابت ہوئی۔ لہٰذا یہ (آزادی اور ولاء) میت کے علاوہ کسی اور (وارث یا شریک) کے مال میں حلال نہیں ہوسکتیں، الا یہ کہ وہ یہ وصیت بھی کر دے کہ اس غلام کا باقی ماندہ حصہ بھی اس کے مال میں سے آزاد کیا جائے تو پھر بلاشبہ یہ (آزادی) اس کے شرکاء اور ورثاء کے لیے لازم ہو جائے گی اور اس کے شریکوں کے لیے جائز نہیں کہ میت کے لیے اس کا انکار کریں اور (اب غلام کے باقی ماندہ حصوں کی قیمت اس کی وصیت کے مطابق اس میت کے مال میں سے ادا کی جائے گی لیکن) وہ میت کے مال (ترکے) کے تہائی حصے میں (ہی نافذ ہوگی کیونکہ یہ وصیت ہے اور وصیت کی ادائیگی تہائی ترکے سے زیادہ میں سے نہیں ہوسکتی) کیونکہ یقیناً اس کے ورثاء پر بھی اس بارے میں کوئی نقصان (عائد کرنا) درست نہیں ہے۔

فائدہ: ...... میت کے ترکے کا دو تہائی حصہ ورثاء کا لازمی حق ہوتا ہے اور میت کو زیادہ سے زیادہ تہائی مال تک خرچ کرنے، وقف کرنے یا وصیت کرنے کی اجازت ہوتی ہے چنانچہ مذکورہ بالا صورت میں غلام کے باقی ماندہ حصوں کی قیمت اگر اتنی زیادہ ہو کہ میت کا نصف مال یا سارا مال اس میں خرچ ہونے کا امکان ہو تو اس سے ورثاء کی حق تلفی ہوگی، لہٰذا اگر تو میت کا ترکہ اتنا زیادہ ہو کہ تہائی مال میں سے مکمل غلام آزاد ہو سکے تو ٹھیک ہے، ورنہ غلام کے باقی ماندہ حصے غلام ہی رہیں گے...... تو یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے، ہمارے نزدیک میت نے غلام کی مکمل آزادی کی وصیت کی ہو یا نہ، اور اس غلام کی آزادی میت کے تہائی ترکے میں سے ممکن ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں غلام کو آزاد کرنا لازم ہے، لیکن اس طرح کہ غلام ہی سے محنت کروائی جائے گی اور وہ باقی شرکاء کے حصوں کی ادائیگی کرے گا اور اس دوران میں غلام پر زیادہ مشقت ڈالنے سے پرہیز کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ : وَلَوْ أَعْتَقَ رَجُلٌ ثُلُثَ عَبْدِهِ وَهُوَ مَرِيضٌ ، فَبَتَّ عِتْقَهُ ، عَتَقَ عَلَيْهِ كُلُّهُ فِي ثُلُثِهِ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يُعْتِقُ ثُلُثَ عَبْدِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ، لأَنَّ الَّذِي يُعْتِقُ ثُلُثَ عَبْدِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ، لَوْ عَاشَ رَجَعَ فِيهِ وَلَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهُ ، وَأَنَّ الْعَبْدَ الَّذِي يَبِتُّ سَيِّدُهُ عِتْقَ ثُلُثِهِ فِي مَرَضِهِ يَعْتِقُ عَلَيْهِ كُلُّهُ إِنْ عَاشَ ، وَإِنْ مَاتَ أُعْتِقَ عَلَيْهِ فِي ثُلُثِهِ ، وَذَلِكَ أَنَّ أَمْرَ الْمَيِّتِ جَائِزٌ فِي ثُلُثِهِ ، كَمَا أَنَّ أَمْرَ الصَّحِيحِ جَائِزٌ فِي مَالِهِ كُلِّهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر آدمی اپنے غلام کا تہائی حصہ اس وقت آزاد کرے جب وہ مریض ہو، چنانچہ وہ اس کی آزادی کو حتمی قرار دے دے تو وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا (لیکن صرف) اس کے مال کے تہائی حصے میں سے (آزاد ہوگا...... گزشتہ فتویٰ میں امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر مکمل آزادی کی وصیت نہ ہو تو اپنا حصہ آزاد کرنے والے آقا کی طرف سے مکمل غلام آزاد نہیں ہوتا، لیکن یہاں فرما رہے ہیں کہ وہ آزاد ہو جاتا ہے تو گزشتہ صورت سے اس مذکورہ صورت کا فرق بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں) اور یہ (مریض) اس (پیچھے بیان

کردہ) آدمی کی طرح نہیں ہے جو اپنی موت کے بعد اپنے غلام کا تہائی حصہ آزاد کرتا ہے، کیونکہ وہ شخص جو اپنے غلام کا تہائی حصہ اپنی موت کے بعد آزاد کرتا ہے وہ اگر زندہ رہے تو اپنی بات سے رجوع کر سکتا ہے اور (دراصل وہ اس کی آزادی کو اپنی موت سے معلق کر کے اسے مدبر بناتا ہے، اس کی آزادی قطعی نہیں ہوتی اور وہ اپنا قول واپس لے سکتا ہے اور اس رجوع کی صورت میں) اس غلام کی آزادی نافذ نہیں ہوتی اور (اس کے برعکس) بلاشبہ وہ غلام جس کا آقا اپنی بیماری میں اس کے تہائی حصے کی آزادی قطعی طور پر کر دیتا ہے تو (پھر) اگر وہ (صحت یاب ہو کر) زندہ رہے تو اس پر سارا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے تہائی مال میں سے وہ اس کی طرف سے آزاد ہوگا اور یہ (تہائی مال کی شرط) اس لیے ہے کہ بے شک میت کا معاملہ (اس کا تصرف واختیار صرف) تہائی مال میں جائز ہے جس طرح کہ بلاشبہ صحت مند تندرست کا اختیار اس کے سارے مال میں ہوتا ہے۔

فائدہ :...... غلام کے تہائی مال میں سے آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کی قیمت باقی پورے ترکے کے ساتھ ملا کر دیکھی جائے تو وہ کل مال کا تہائی حصہ یا اس سے کم ہو...... اگر مریض کا کل مال صرف یہی غلام ہو تو پھر وہ آزاد نہ ہوگا کیونکہ مریض آدمی کے متعلق موت کا اندیشہ ہوتا ہے اور موت کی صورت میں اس کا مال اس کے ورثاء کا حق بن جاتا ہے لہٰذا مریض کو اپنے مال کے صرف تہائی حصے تک تصرف کی اجازت دی جاتی ہے جس طرح کہ وصیت کی بھی زیادہ سے زیادہ مقدار تہائی مال ہوتی ہے۔

2- بَابٌ: الشَّرْطُ فِي الْعِتْقِ

آزادی میں شرط لگانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ اس میں مذکور ہے۔

فائدہ :...... حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا تو انھوں نے مجھے اس شرط پر آزاد کیا کہ جب تک زندہ رہوں گا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا رہوں گا۔ (ابو داود: 3932، ابن ماجہ: 2526، احمد: 221/5، اس کی سند حسن ہے، ارواء الغلیل: 1752) امام مالک رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آزاد کرنے سے پہلے شرط لگانا درست ہے لیکن آزاد کر دینے کے بعد شرط لگانا درست نہیں کیونکہ یہ تو آزاد شخص کو پھر دوبارہ غلام سمجھنے کے مترادف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ أَعْتَقَ عَبْداً لَهُ فَبَتَّ عِتْقَهُ حَتَّى تَجُوزَ شَهَادَتُهُ ، وَتَتِمَّ حُرْمَتُهُ وَيَثْبُتَ مِيرَاثُهُ ، فَلَيْسَ لِسَيِّدِهِ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا يَشْتَرِطُ عَلَى عَبْدِهِ مِنْ مَالٍ أَوْ خِدْمَةٍ ، وَلَا يَحْمِلَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنا کوئی غلام آزاد کیا، سو اس نے اس کی آزادی کو قطعی بنا دیا یہاں تک کہ اس کی شہادت جائز (اور گواہی تسلیم) ہونے لگی، اس کی وراثت ثابت ہونے لگی اور اس کی آزادی کامل ہوگئی تو اب

عَلَيْهِ شَيْئاً مِنَ الرِّقِّ ، لأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ أَعْتَقَ شِرْكاً لَهُ فِي عَبْدٍ ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ ، فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ قَالَ مَالِكٌ : فَهُوَ إِذَا كَانَ لَهُ الْعَبْدُ خَالِصاً أَحَقُّ بِاسْتِكْمَالِ عَتَاقَتِهِ ، وَلاَ يَخْلِطُهَا بِشَيْءٍ مِنَ الرِّقِّ .

اس کے آقا کے لیے جائز نہیں کہ اس پر کوئی شرط لگائے کہ مثلاً اپنے غلام پر کسی مال یا خدمت کی شرط لگائے اور نہ (یہ درست ہے کہ) اس پر غلامی میں سے کسی چیز کا بوجھ ڈالے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس پر (غلام کی) انصاف والی (معتدل، درمیانی) قیمت لگائی جائے گی، پھر وہ اپنے شریکوں کو ان کے حصے دے دے گا اور غلام اس (پہلے آقا) کی طرف سے آزاد ہو جائے گا۔'' امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: تو پھر جب وہ غلام (مشترکہ نہیں بلکہ) خالص (اور پورے کا پورا ایک ہی مالک کا) ہو تو وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ آزادی کو مکمل کرے اور اسے کسی قسم کی غلامی کے ساتھ خلط ملط نہ کرے۔

فائدہ :...... جب آقا کی اپنے غلام پر مکمل ملکیت نہ تھی اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اسے اس بات کا پابند بنا دیا گیا کہ اس غلام کو دوسرے آقاؤں سے بھی آزاد کرائے حالانکہ اس آزاد کرانے میں اس کا کافی مال خرچ ہوتا ہے لیکن چونکہ آزادی کے ساتھ غلامی کا اختلاط اور ملاپ اللہ کو ناپسند ہے اس لیے یہ ذمہ داری لگائی گئی کہ اسے مکمل آزاد کیا جائے، اور اب تو مذکورہ صورت میں غلام سارے کا سارا صرف ایک ہی آقا کی ملکیت ہے اور اسے مکمل آزاد کرانے میں کوئی مال بھی خرچ کرنا نہیں پڑتا اس لیے یہاں آزادی وغلامی کو خلط ملط کرنا زیادہ نامناسب ہے، لیکن اگر وہ اسے آزاد کر دینے کے بعد کوئی شرط لگائے تو اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا آقا اسے ابھی تک اپنا غلام سمجھ رہا ہے۔ لہٰذا یہ درست نہیں۔ یاد رہے کہ اس ضمن میں یہ مثال دی جاتی ہے: اَنْتَ حُرٌّ عَلٰی اَنْ تَخْدِمَنِیْ۔ ''تو آزاد ہے اس شرط پر کہ میری خدمت کرتا رہے گا'' تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ آزادی کو خدمت کی شرط پر معلق رکھا گیا ہے اور ایک ہی جملے میں آزادی کی بات میں شرط شامل کی گئی ہے لیکن اگر وہ کہے: اَنْتَ حُرٌّ وَاَخْدِمْنِیْ۔ ''تو آزاد ہے اور تو میری خدمت کر'' تو یہ درست نہیں کیونکہ اس میں آزادی کو خدمت پر معلق نہیں کیا گیا بلکہ یہ دو الگ الگ اور مستقل جملے ہیں جن میں سے پہلے کے ذریعے اسے آزادی کا پروانہ مہیا کیا گیا ہے اور پھر اس کے بعد دوسرے جملے میں خدمت کا حکم ایک آزاد شخص پر لگایا جا رہا ہے تو گویا اسے دوبارہ غلام بنانے یا آزادی کے ساتھ غلامی شامل کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

3- بَابٌ: مَنْ أَعْتَقَ رَقِيقًا لَا يَمْلِكُ مَالًا غَيْرَهُمْ

اس شخص کا بیان جو اپنے ان غلاموں کو آزاد کرے جن کے سوا وہ کسی بھی مال کا مالک نہیں ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے اور ایک مقطوع

ہے جو کہ سنداً صحیح ہے۔

فائدہ : ..... زندگی میں حالت صحت میں کوئی شخص اپنا سارا مال خرچ کر دے تو اس کی گنجائش ہے لیکن موت کے وقت یا بیماری کی حالت میں ایسا کرنا یا اس کی وصیت کرنا درست نہیں، صرف تہائی مال تک کی اسے اجازت ہے۔ سارا مال خرچ کرنا یا اس کی وصیت کرنا اس لیے غلط ہے کہ اس میں میت پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ ورثاء پر ناراض ہے اور انھیں وراثت سے محروم کرنے کے لیے مال صدقہ کر رہا ہے یا اس کی وصیت کر رہا ہے۔

[1269] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ: أَنَّ رَجُلاً فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَعْتَقَ عَبِيداً لَهُ سِتَّةً عِنْدَ مَوْتِهِ، فَأَسْهَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ ثُلُثَ تِلْكَ الْعَبِيدِ.

حسن بن ابی الحسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے مابین قرعہ ڈالا اور ان غلاموں کا تہائی حصہ (یعنی دو غلاموں کو) آزاد کر دیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِذَلِكَ الرَّجُلِ مَالٌ غَيْرُهُمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس آدمی کے پاس ان (غلاموں) کے سوا کوئی مال نہ تھا۔

فائدہ : ..... یہ روایت متصل سند کے ساتھ صحیح مسلم میں موجود ہے جسے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ (مسلم: 1668) یہ ایک انصاری شخص تھے، اور انھوں نے اس کی وصیت کی تھی۔ (مسلم: 57/1668) اور ان کے پاس ان غلاموں کے سوا کوئی مال نہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے متعلق بہت سخت بات بھی فرمائی۔ (مسلم: 56/1668) اس روایت میں وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے ان غلاموں کے تین حصے بنائے، یعنی تین جوڑیاں بنائیں، ہر گروپ میں دو دو غلام تھے، پھر جس جوڑی (گروپ) کے نام قرعہ نکلا اسے آزاد کر دیا اور باقی چار غلام یعنی میت کا دو تہائی مال روک لیا تاکہ ورثاء میں تقسیم ہو سکے۔ قرعہ ڈالنے کے مختلف انداز اور صورتیں ممکن ہیں، کوئی ایک ہی صورت لازم نہیں، ہر علاقے والوں کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے..... ایک روایت میں ہے کہ اس شخص کی مذکورہ غلط وصیت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر اس کی تدفین سے قبل میں وہاں حاضر ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔'' (ابوداود: 3960) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تو یقیناً یہ

[1269] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من اعتق شرکا له فی عبد، حدیث: 1668۔ سنن ابی داود، کتاب العتق، باب فیمن اعتق عبدا له لم یبلغهم الثلث، حدیث: 3958۔ ترمذی: 1364۔ نسائی: 1960۔ ابن ماجه: 2345۔ احمد: 426/4 (20064).

ارادہ کرلیا تھا کہ اس پر نماز جنازہ ہی نہ پڑھاؤں۔'' (نسائی: 1960)

[1270] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ رَجُلاً فِي إِمَارَةِ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ أَعْتَقَ رَقِيقاً لَهُ كُلَّهُمْ جَمِيعاً، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ، فَأَمَرَ أَبَانُ بْنُ عُثْمَانَ بِتِلْكَ الرَّقِيقِ فَقُسِمَتْ أَثْلاَثاً، ثُمَّ أَسْهَمَ عَلَى أَيِّهِمْ يَخْرُجُ سَهْمُ الْمَيِّتِ فَيَعْتِقُونَ، فَوَقَعَ السَّهْمُ عَلَى أَحَدِ الْأَثْلاَثِ، فَعَتَقَ الثُّلُثُ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهِ السَّهْمُ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے مدینہ منورہ پر) ابان بن عثمان رحمہ اللہ کی امیری (کے دور) میں ایک شخص نے اپنے سب کے سب غلام آزاد کر دیے اور اس کے پاس ان کے علاوہ کچھ بھی مال نہ تھا تو ابان بن عثمان رحمہ اللہ نے ان غلاموں کے متعلق حکم فرمایا، چنانچہ انھیں تین حصوں میں بانٹ دیا گیا پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا کہ ان میں سے جن (غلاموں کے گروپ) پر میت کا قرعہ نکلے گا وہ آزاد ہو جائیں گے، چنانچہ ان تین حصوں میں سے ایک پر قرعہ نکل آیا تو وہ تہائی حصہ آزاد ہو گیا جس کے نام قرعہ نکلا تھا۔

4- بَابٌ: الْقَضَاءِ فِي مَالِ الْعَبْدِ إِذَا عَتَقَ

غلام کو جب آزادی ملے تو اس کے مال کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی ہے جو سنداً صحیح ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... ویسے تو غلام اور اس کی ہر چیز اس کے آقا ہی کی شمار ہوتی ہے لیکن کبھی یوں ہوتا ہے کہ غلام اپنے آقا کی طرف سے عائد شدہ مقرر رقم بھی روزانہ کی ادا کرتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ کچھ زائد محنت کر کے مزید مال بھی جوڑ لیتا ہے یا اسے کہیں سے کچھ مال صدقہ یا ہبہ میں مل جاتا ہے تو آزاد ہوتے وقت اس دوسری قسم کے مال کی کیا حیثیت ہوگی؟ نیز امام مالک رحمہ اللہ اس باب میں یہ بات بھی سمجھانا چاہتے ہیں کہ غلام کا ذاتی مال اور چیز ہے اور غلام کی اولاد الگ چیز ہے، چنانچہ اگر اس غلام کی کہیں شادی ہو چکی ہو جس سے اس کی کچھ اولاد بھی ہو تو وہ اولاد اگرچہ باپ ہی کی کمائی ہے لیکن (بچوں کے) باپ کے کسی کا غلام ہونے کی وجہ سے وہ بچے اپنے باپ کی ملکیت نہ ہوں گے بلکہ اگر اس کی بیوی لونڈی ہے تو بیوی کے آقا کی ملکیت ہوں گے، لہٰذا بوقت آزادی غلام کا مال تو اس کے ساتھ جا سکتا ہے لیکن اولاد نہیں۔

[1270] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 286/10 (21401)- وفي معرفة السنن والآثار: 504/7- وفي الخلافيات: 343/2 شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1271] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا عَتَقَ تَبِعَهُ مَالُهُ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ سنت یہی جاری ہو چکی ہے کہ بے شک غلام جب آزاد کیا جائے گا تو اس کا مال اس کے پیچھے (اس کے ساتھ ہی) جائے گا۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور بعض علماء کا یہی موقف ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ مال آقا کا ہوگا اور وہ آزادی کو بیع پر قیاس کرتے ہیں، چنانچہ بیع کا معاملہ یہ ہے کہ اگر خریدار یعنی دوسرا آقا خریدتے وقت اس مال کو بھی ساتھ لینے کی شرط لگا لے تو پھر یہ مال غلام کے ساتھ جائے گا ورنہ نہیں، اور یہ بات رسول اللہ ﷺ سے صراحتاً ثابت ہے۔ (بخاری: 2379، مسلم: 80/1543) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی فتویٰ خود موطا میں آگے کتاب البیوع کے دوسرے باب میں موجود ہے، تو جمہور کہتے ہیں کہ اسی خرید وفروخت کے معاملے ہی کی طرح آزادی کی صورت حال ہے اور غلام آزاد کرتے وقت غلام کا مال آزاد کرنے والے آقا ہی کا رہے گا...... لیکن جمہور کا یہ موقف مرجوح ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ((مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ السَّيِّدُ)) ''جس شخص نے کوئی غلام آزاد کیا اس حال میں کہ غلام کے پاس مال ہو تو غلام کا مال اسی کا ہے، الا یہ کہ آقا (اس مال کو اپنے پاس رکھنے کی) شرط لگا لے۔'' (ابو داود: 3962، ابن ماجہ: 2529، اس کی سند صحیح ہے) رہا آزادی کو بیع پر قیاس کرنا تو وہ درست نہیں کیونکہ حدیث یعنی نص صریح کی موجودگی میں قیاس باطل قرار پاتا ہے، ویسے بھی یہ قیاس مع الفارق ہے اور آزادی کی بیع کے ساتھ مشابہت درست نہیں، اس لیے کہ آقا جب غلام کو بیچتا ہے تو اس پر احسان نہیں کر رہا ہوتا ہے بلکہ اسے بیچ کر دولت کما رہا ہوتا ہے جبکہ آزاد کرتے وقت وہ اس پر احسان کر رہا ہوتا اور احسان کا تقاضا یہی ہے کہ غلام کو اس کے کمائے ہوئے اور جمع کیے ہوئے زائد مال سے محروم نہ کیا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا عَتَقَ تَبِعَهُ مَالُهُ: أَنَّ الْمُكَاتَبَ إِذَا كُوتِبَ تَبِعَهُ مَالُهُ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْهُ، وَذَلِكَ أَنَّ عَقْدَ الْكِتَابَةِ هُوَ عَقْدُ الْوَلَاءِ إِذَا تَمَّ ذَلِكَ، وَلَيْسَ مَالُ الْعَبْدِ وَالْمُكَاتَبِ بِمَنْزِلَةِ مَا كَانَ لَهُمَا مِنْ وَلَدٍ، إِنَّمَا أَوْلَادُهُمَا بِمَنْزِلَةِ رِقَابِهِمَا، لَيْسُوا بِمَنْزِلَةِ أَمْوَالِهِمَا، لِأَنَّ السُّنَّةَ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا، أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا عَتَقَ تَبِعَهُ مَالُهُ وَلَمْ يَتْبَعْهُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دلائل میں سے جو اس مسئلے کو واضح کرتے ہیں کہ غلام جب آزاد کیا جائے گا تو اس کا مال اس کے ساتھ ہی جائے گا (تو ان دلائل میں سے ایک دلیل) یہ ہے کہ بلاشبہ مکاتب غلام سے جب مکاتبت کی جاتی ہے تو اس کا مال بھی اس کے ساتھ جاتا ہے اگرچہ وہ اس کی شرط نہ ہی لگائے اور یہ (مثال اور تشبیہ) اس وجہ سے (دی گئی) ہے کہ یقیناً مکاتبت والا معاہدہ بعینہ ولاء والا معاہدہ ہوتا ہے جب کہ وہ مکمل ہو جائے (یعنی جس طرح

[1271] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

وَلَدُهُ، وَأَنَّ الْمُكَاتَبَ إِذَا كُوتِبَ تَبِعَهُ مَالُهُ، وَلَمْ يَتْبَعْهُ وَلَدُهُ .

عام غلام کو آزاد کرنا دراصل ولاء والا معاہدہ ہوتا ہے اسی طرح مکاتبت والا معاملہ ہے، ہاں اتنا فرق ہے کہ عام آزادی میں یہ عقد اور معاملہ فوراً طے پا جاتا ہے جبکہ مکاتبت میں اس معاہدے کی تکمیل طے شدہ رقم کی ادائیگی سے ہوتی ہے لیکن یہ بات بہرحال دونوں میں مشترک ہے کہ دونوں صورتوں میں ولاء کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

فائدہ :...... یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ غلام کے مال پر غلام کی ملکیت ہونا مکاتب غلام سے ثابت کر رہے ہیں، چنانچہ اگر غلام کا مال اس کی ملکیت میں نہ مانا جائے تو پھر مکاتبت والا سلسلہ ہی بے کار ہو جائے گا کیونکہ مکاتب غلام اپنی آزادی کے لیے طے شدہ رقم ادا کرنے کے لیے جو کچھ بھی کما کر یا مانگ کر حاصل کرے، اگر وہ اس کے پاس آتے ہی اس کے آقا کی ملکیت میں چلا جائے تو پھر یہ بے چارہ کبھی بھی اپنی قیمت ادا نہ کر پائے گا، یہی وجہ ہے کہ مکاتب غلام کے سلسلے میں سب فقہاء تسلیم کرتے ہیں کہ غلام اپنے مال کا مالک ہوسکتا ہے۔ آگے امام مالک رحمہ اللہ دوسرا مسئلہ شروع کر رہے ہیں کہ غلام کے مال میں اور اولاد میں فرق ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ) عام غلام اور مکاتب غلام کا مال ان دونوں کی اولاد جیسا نہیں ہے، بلاشبہ ان دونوں کی اولاد ان دونوں کی اپنی گردنوں جیسی ہے، وہ بچے (اپنے باپوں کی طرح کسی کے غلام ہیں اور ان بچوں کی گردنیں بھی ان کے آقاؤں کے قبضے میں ہوتی ہیں لہٰذا وہ بچے) ان دونوں کے مال جیسے نہیں ہیں، اس لیے کہ بے شک وہ سنت جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بے شک عام غلام جب آزاد ہوتا ہے تو اس کا مال اس کا تابع ہوتا ہے (اور اس کے ساتھ ہی جاتا ہے) اور اس کی اولاد اس کے تابع نہیں ہوتی اور بے شک مکاتب غلام سے بھی جب مکاتبت کی جاتی ہے تو اس کا (بھی صرف) مال اس کے تابع ہوتا ہے اور اس کی اولاد اس کے تابع نہیں ہوتی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً : أَنَّ الْعَبْدَ وَالْمُكَاتَبَ إِذَا أَفْلَسَا أُخِذَتْ أَمْوَالُهُمَا وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِمَا، وَلَمْ تُؤْخَذْ أَوْلَادُهُمَا، لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا بِأَمْوَالٍ لَهُمَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ان دلائل میں سے جو اسے واضح کرتے ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ بے شک عام غلام اور مکاتب غلام جب مفلس اور دیوالیہ قرار دے دیے جائیں تو ان دونوں کے مال اور ام ولد لونڈیاں لے لی جاتی ہیں اور ان کے بچے نہیں لیے جاتے کیونکہ وہ ان دونوں کے مال شمار نہیں ہوتے۔

فائدہ :...... جب کوئی شخص اتنا مقروض ہو جائے کہ ادائیگی کی امید نہ رہے تو اسے سرکاری طور پر دیوالیہ قرار دے دیا جاتا ہے، حکومت اس کی ہر چیز اپنے قبضے میں لے لیتی ہے، پھر اسے فروخت کر کے قرض خواہوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور دیوالیہ ہونے والے شخص کو اپنی طرف سے ضروریات زندگی مہیا کرتی ہے، غلام کو کہیں سے کوئی لونڈی

صدقے میں مل جائے تو وہ اس سے مباشرت کر سکتا ہے اور اگر اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ غلام کی ام ولد لونڈی شمار ہوگی لیکن اس پیدا ہونے والے بچے کی گردن کا مالک وہی ہوگا جو اس کی ماں کی گردن کا مالک یا مالک کا مالک ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً : أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا بِيعَ وَاشْتَرَطَ الَّذِي ابْتَاعَهُ مَالَهُ ، لَمْ يَدْخُلْ وَلَدُهُ فِي مَالِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ان دلائل میں سے جو اس (مذکورہ مسئلے) کو واضح کرتے ہیں، ایک یہ ہے کہ بے شک غلام کو جب فروخت کیا جائے اور اسے خریدنے والا اس کے مال (کو بھی ساتھ ہی لینے) کی شرط لگا لے تو اس کی اولاد اس کے مال میں داخل نہیں ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً : أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا جَرَحَ أُخِذَ هُوَ وَمَالُهُ ، وَلَمْ يُؤْخَذْ وَلَدُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسے واضح کرنے والا ایک ثبوت یہ ہے کہ بے شک غلام جب (کسی کو) زخمی کر دے تو (دیت کی ادائیگی کے طور پر) خود اس کو اور اس کے مال کو لے لیا جاتا ہے اور اس کی اولاد کو نہیں لیا جاتا۔

فائدہ: ......غلام پر کوئی دیت لازم ہو تو اس کی چٹی آقا پر پڑتی ہے لیکن اگر آقا چاہے تو اس دیت کے بدلے خود اسی غلام کو مظلوموں کی ملکیت میں دے دیتا ہے۔

5- بَابٌ: عِتْقُ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ وَجَامِعُ الْقَضَاءِ فِي الْعَتَاقَةِ

ام ولد لونڈیوں کی آزادی کا اور آزاد کرنے کے متعلق متفرق فیصلوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[1272] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا ، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا ، وَلَا يَهَبُهَا ، وَلَا يُوَرِّثُهَا ، وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا ، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کوئی لونڈی اپنے آقا کا بچہ جنم دے دے تو بلاشبہ وہ نہ اسے بیچ سکتا ہے، نہ اسے ہبہ کر سکتا ہے اور نہ اس کا وارث بنا سکتا ہے البتہ وہ خود اس سے (جنسی) فائدہ اٹھا سکتا ہے، پھر جب وہ مر جائے گا تو وہ آزاد ہوگی۔

[1272] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 342/10 (21763)۔ وفي السنن الصغير: 227/4 (4465)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 562/7 (6132)۔ بغوي في شرح السنة: 369/9 (2428)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ :......ائمہ اربعہ اور جمہور کا یہی موقف ہے، دراصل یہ پابندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے لگائی تھی ورنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں ام ولد لونڈیوں کو بیچ دیا کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پابندی لگائی تو ہم رک گئے۔(ابو داود: 3954، ابن ماجہ: 2517، حاکم: 19/2، ابن حبان: 4308، اس کی سند صحیح ہے) ہمارے نزدیک ام ولد لونڈی کی خرید وفروخت جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت یا کراہت بالکل ثابت نہیں۔ رہا جمہور کا یہ کہنا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں نہ تھا تو یہ بالکل لغو دلیل ہے کیونکہ اللہ کو تو اس کا علم تھا، اگر یہ کام حرام یا ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی ممانعت نازل فرما دیتے، اس لیے تو اصول حدیث کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی روایات کو تقریری احادیث شمار کیا جاتا ہے......اسی طرح یہ کہنا کہ ممکن ہے پہلے یہ کام جائز ہو پھر حرام ہو گیا ہو اور لوگوں کو اس کا پتا نہ چلا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پتا چلنے پر پابندی لگا دی ہو تو یہ بات بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ اپنے قیاسات وخیالات اور امکانات واحتمالات سے شریعت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ نیز یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا تھا تو بات یہ ہے کہ اجماع صرف وہ معتبر ہے جو کسی قسم کی حدیث کے خلاف نہ ہو، ورنہ تو کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم فاروقی صادر ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع کر لیا تھا۔

[1273] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَتَتْهُ وَلِيدَةٌ قَدْ ضَرَبَهَا سَيِّدُهَا بِنَارٍ، أَوْ أَصَابَهَا بِهَا، فَأَعْتَقَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لونڈی آئی جسے اس کے مالک نے آگ کے ساتھ سزا دی تھی یا آگ سے جلا دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا۔

فائدہ :...... ایک روایت میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے کہ آقا نے اس پر تہمت لگائی پھر اس کی شرمگاہ جلا دی۔ (دارقطنی، حاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) بہرحال موطا کی یہ روایت ضعیف ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس لونڈی کو آزاد کرنا اس کے آقا کو سزا دینے کے طور پر تھا کہ اس کا مال اس کے قبضے سے نکال دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ جس غلام لونڈی کو تھپڑ بھی مار دیا جائے تو اس کا کفارہ اسے آزاد کرنا ہی ہے۔(مسلم: 1657، 1658) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک غلام پر کوڑے برساتے دیکھا تو فرمایا: ''ابو مسعود! یاد رکھو، جتنی تمھیں اس پر قدرت حاصل ہے، اللہ کو اس سے کہیں زیادہ قدرت تجھ پر حاصل ہے'' چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو (جہنم کی) آگ تمھیں جھلسا کر رکھ دیتی۔''(مسلم: 1659) غلام کا مثلہ کیا جائے تو

[1273] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 437/9 (7928) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک وہ کسی قسم کے بھی ظلم وزیادتی پر آزاد نہیں ہوتا اور راجح یہ ہے کہ غلام خود بخود تو آزاد نہ ہوگا، البتہ اس ظلم کا کفارہ اسے آزاد کرنا ہی ہے، چنانچہ اگر آقا اسے آزاد نہ کرے تو حاکم اسے آزادی کا پروانہ جاری کرے گا۔ (ابوداود: 4519، ابن ماجہ: 2680، اس کی سند حسن ہے) اور اگر حاکم کو بھی اطلاع نہ ہو اور ظالم آقا خود بھی یہ کفارہ ادا نہ کرے تو وہ غلام بدستور غلام ہی رہے گا اور آقا کو آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لاَ تَجُوزُ عَتَاقَةُ رَجُلٍ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ، وَأَنَّهُ لاَ تَجُوزُ عَتَاقَةُ الْغُلاَمِ حَتَّى يَحْتَلِمَ، أَوْ يَبْلُغَ مَبْلَغَ الْمُحْتَلِمِ، وَأَنَّهُ لاَ تَجُوزُ عَتَاقَةُ الْمُوَلَّى عَلَيْهِ فِي مَالِهِ، وَإِنْ بَلَغَ الْحُلُمَ حَتَّى يَلِيَ مَالَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ وہ شخص جس پر اتنا قرض ہو کہ جو اس کے سارے مال پر محیط ہو تو اس کے لیے (اپنے غلام لونڈی کو) آزاد کرنا جائز نہیں اور (اس طرح) یقیناً (نابالغ) لڑکے (اور لڑکی) کے لیے بھی (اپنے غلام لونڈی کو) آزاد کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ بالغ ہو جائے یا بالغ شخص کے مقام تک پہنچ جائے (یعنی اس کی عمر بالغ لڑکے کے برابر ہو جائے اگرچہ اسے احتلام نہ ہو یا اسے بالغ افراد کی طرح تمیز وشعور حاصل ہو جائے) اور نہ ہی اس شخص کا (اپنے غلام لونڈی کو) آزاد کرنا جائز ہے جو اپنے مال کے معاملے میں کسی کے زیر ولایت ہو (یعنی دیوانہ یا دیوالیہ یا یتیم وغیرہ ہو) اگرچہ وہ بالغ ہو چکا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے مال کا خود متولی وسرپرست بن جائے۔

6- بَابٌ: مَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ

اس (غلام لونڈی) کا بیان جسے (شریعت کی طرف سے) واجب گردنوں میں آزاد کرنا جائز ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو مرفوع ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور دو موقوف ہیں جو سنداً ضعیف ہیں۔

فائدہ: ......شریعت کی طرف سے بعض اعمال کے کفاروں میں گردن آزاد کرنا مقرر کیا گیا ہے، انھیں واجب گردنیں کہتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں صرف مومن گردن ہی آزاد کی جائے گی یا کافر ومومن ہر غلام ولونڈی کی آزادی کفایت کرے گی۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں تین کفاروں کے متعلق اس کا ذکر ہے جن میں سے صرف قتل خطا کے کفارے میں مومن کا لفظ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مومن گردن ہی آزاد کی جائے۔ (سورۂ نساء: 92) جبکہ قسم کے کفارے۔ (المائدہ: 89) اور کفارۂ ظہار (المجادلہ: 3) میں صرف گردن کا ذکر ہے، اس کے ساتھ مومن کی قید نہیں لگائی گئی۔ اسی لیے احناف کے ہاں صرف قتل خطا کے کفارے میں مومن غلام آزاد کرنے کی شرط ہے، باقی میں نہیں، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ سے دوسرے بعض لازم کفاروں میں مومن کی شرط ثابت

ہے اس لیے جمہور کے ہاں بھی ہر واجب گردن میں مومن کی شرط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی تو اصل مفسر قرآن ہیں اور آپ ﷺ کی احادیث ہمارے لیے حجت ہیں لیکن احناف انھیں اپنے مسلک کے خلاف دیکھ کر خبر واحد کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔

[1274] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ أَنَّهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لِي، فَجِئْتُهَا وَقَدْ فُقِدَتْ شَاةٌ مِنَ الْغَنَمِ، فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ: أَكَلَهَا الذِّئْبُ، فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا، وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا، وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ، أَفَأُعْتِقُهَا؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَيْنَ اللّٰهُ؟ فَقَالَتْ: فِي السَّمَاءِ. فَقَالَ: مَنْ أَنَا؟ فَقَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ. فَقَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَعْتِقْهَا.

حضرت عمر بن حکم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ایک لونڈی میری بکریاں چرایا کرتی تھی، (ایک دن) میں اس کے پاس آیا تو میں نے بکریوں (کے ریوڑ) میں ایک بکری کو گم پایا، میں نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے، چنانچہ میں اس پر غضبناک ہو گیا اور میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی ہوں (اس لیے بتقاضائے بشریت و آدمیت) میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا اور مجھ پر ایک گردن (آزاد کرنا) لازم ہے، تو کیا میں اسی کو آزاد کر دوں؟ (چنانچہ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ، وہ آئی) تو آپ ﷺ نے اس لونڈی سے دریافت فرمایا کہ ''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا: آسمان میں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' وہ کہنے لگی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے (صحابی سے) فرمایا: ''اسے آزاد کر دو۔''

فائدہ: ...... اس حدیث کے صحابی کے نام میں امام مالک رحمہ اللہ سے خطا ہوئی ہے، یہ صحابی حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ عمر بن حکم جو کہ ایک تابعی ہیں...... اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لحاظ سے اوپر کی جہت میں ہے، لہٰذا ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب میں اسی طرح ہے جیسے کہ اس کے شایانِ شان ہے۔ قرآن وحدیث اس کے دلائل سے بھرپور ہیں، لیکن غیر مسلموں سے ماخوذ فلسفہ وکلام کی پابندیوں یا تصوف کے غلو میں جکڑے ہوئے لوگ ان آیات واحادیث میں تاویلات ہی کرتے رہتے ہیں، وہ خود ہی اپنے ذہن میں پہلے ایک تشبیہ

[1274] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، حدیث: 537۔ سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب فی الرقبة المؤمنة، حدیث: 3282۔ نسائی: 1219۔ أحمد: 447/5 (24165)۔ دارمی: 1502۔

دیتے ہیں پھر اللہ کو اس تشبیہ سے بچانے کے لیے سر پیر مارتے ہیں اور اس ضمن میں نصوص قرآنیہ تک کو ٹھکرا دیتے ہیں اور پھر اس عمل کو "توحید ثابت کرنا" شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان بیچاروں کو یہ خبر نہیں کہ یہ تو کتنا ہی آسان معاملہ ہے ہمیں چاہیے کہ قرآن وحدیث کو ان کے الفاظ سمیت ان کے ظاہر پر جاری کر دیں، رہا ان کی حقیقت کا معاملہ تو اسے اللہ کے سپرد کر دیں...... ان متکلمین کے ہاں تو یہ سوال کرنا بھی منع ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ گویا انھوں نے اپنے زعم میں اس سے منع کر کے توحید کی گتھیاں سلجھا لیں اور اللہ کی معرفت حاصل کر لی اور رسول اللہ ﷺ اس حقیقت کو نہ پا سکے جو یہ سوال کر رہے ہیں کہ "اللہ کہاں ہے؟"

[1275] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِجَارِيَةٍ لَهُ سَوْدَاءَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، فَإِنْ كُنْتَ تَرَاهَا مُؤْمِنَةً أُعْتِقُهَا. فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: أَتَشْهَدِينَ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: أَتُوقِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ: نَعَمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَعْتِقْهَا.

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی سیاہ فام لونڈی لے کر آئے، پھر کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! مجھ پر ایک مومن گردن آزاد کرنا واجب ہے، کیا میں اسے آزاد کر سکتا ہوں؟ پس آپ اگر اسے مومن سمجھتے ہیں تو میں اسے آزاد کر دیتا ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس (لونڈی) سے پوچھا: "کیا تو یہ گواہی دیتی ہے کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؟" اس نے کہا کہ جی ہاں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو یہ گواہی دیتی ہے کہ بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟" اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو موت کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین رکھتی ہے؟" اس نے کہا کہ جی ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے (اس صحابی سے) فرمایا: "اسے آزاد کر دو۔"

[1276] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ الرَّجُلِ تَكُونُ عَلَيْهِ رَقَبَةٌ هَلْ يُعْتِقُ فِيهَا ابْنَ زِناً؟

(سعید بن ابی سعید) مقبری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس پر ایک گردن آزاد کرنا (واجب) ہو تو کیا وہ اس میں ولدالزنا

[1275] (مرفوع صحیح) سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب فی الرقبة المؤمنة، حدیث: 3284۔ احمد: 451/3۔ بیہقی: 388/7۔ عبدالرزاق: 175/9 (16814)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1276] (موقوف ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 59/10 (19998) عبدالرزاق: 456/7۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : نَعَمْ ذَلِكَ يُجْزِئُهُ .

کو آزاد کر سکتا ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، یہ اسے کفایت کر جائے گا۔

[1277] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ تَكُونُ عَلَيْهِ رَقَبَةٌ, هَلْ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُعْتِقَ وَلَدَ زِناً ؟ قَالَ : نَعَمْ ذَلِكَ يُجْزِءُ عَنْهُ .

حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تھے، ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس پر ایک گردن آزاد کرنا لازم ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ زنا والا بچہ آزاد کر دے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں، یہ اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

فائدہ : ..... کیونکہ زنا میں اس بچے کا تو کوئی قصور نہیں، قصور تو اس کے والدین کا ہے، رہا یہ بچہ تو وہ ایک انسان ہے جو اگر عمل صالح کا خوگر ہو تو وقت کا امام، ولی اور متقی انسان بن سکتا ہے۔

7- بَابٌ : مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ

ان غلاموں لونڈیوں کا بیان جنھیں واجب گردنوں میں آزاد کرنا جائز نہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت (اثر صحابی) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[1278] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ سُئِلَ عَنِ الرَّقَبَةِ الْوَاجِبَةِ، هَلْ تُشْتَرَى بِشَرْطٍ ؟ فَقَالَ : لَا .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے واجب گردن کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا انھیں کسی شرط کے ساتھ خریدا جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے کہا: نہیں۔

فائدہ : ..... اس شرط سے مراد آزادی والی شرط ہے، یعنی آدمی خریدتے وقت کہے کہ میں اس شرط پر خریدتا ہوں کہ اسے آزاد کر دوں گا تو ظاہر بات ہے کہ اس کی آزادی کا سن کر بیچنے والے کے متعلق قوی احتمال ہے کہ وہ ذرا کم قیمت لگائے گا اور اس طرح وہ غلام اپنی مکمل قیمت کے ساتھ خریدنے والے کو نہیں ملے گا لہٰذا وہ ناقص گردن والا شمار ہے جو کہ درست نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ : أَنَّهُ لَا يَشْتَرِيهَا الَّذِي يُعْتِقُهَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی وہ سب سے بہترین بات ہے جو میں نے واجب گردنوں کے متعلق سنی ہے کہ وہ شخص

[1277] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

[1278] (موقوف ضعیف) بیہقی: 389/7 (15273)۔ ابن ابی شیبہ: 20778۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

فِيمَا وَجَبَ عَلَيْهِ بِشَرْطٍ عَلَى أَنْ يُعْتِقَهَا، لِأَنَّهُ إِذَا فَعَلَ ذَلِكَ فَلَيْسَتْ بِرَقَبَةٍ تَامَّةٍ، لِأَنَّهُ يَضَعُ مِنْ ثَمَنِهَا لِلَّذِي يَشْتَرِطُ مِنْ عِتْقِهَا.

جو انھیں آزاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ انھیں اس شرط کے ساتھ نہیں خرید سکتا کہ وہ ان کو آزاد کرے گا، کیونکہ بلاشبہ جب وہ یہ کام کرے گا تو وہ ''رقبہ تامہ'' یعنی کامل گردن نہیں رہے گی۔ اس لیے کہ یقیناً وہ (بیچنے والا) اس گردن کی آزادی کی شرط لگانے والے کے لیے اس کی قیمت میں سے کچھ کمی کر دے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّقَبَةَ فِي التَّطَوُّعِ، وَيَشْتَرِطَ أَنْ يُعْتِقَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ نفلی طور پر کوئی گردن خریدے اور (خریدتے وقت بیچنے والے سے) یہ شرط لگالے کہ وہ اسے آزاد کرے گا۔

فائدہ: ...... کیونکہ واجب گردن میں رعایتی قیمت کی بنا پر نقص رہ جاتا ہے اور فریضہ کامل طریقے سے ادا نہیں ہوتا جبکہ نفلی معاملے میں ایسا کوئی عیب نہیں آتا، کیونکہ وہ آدمی کی مرضی و چاہت پر منحصر ہے کہ تھوڑا خرچ کرے یا زیادہ، اسے اختیار ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: إِنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ: أَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يُعْتَقَ فِيهَا نَصْرَانِيٌّ وَلَا يَهُودِيٌّ، وَلَا يُعْتَقُ فِيهَا مُكَاتَبٌ وَلَا مُدَبَّرٌ، وَلَا أُمُّ وَلَدٍ، وَلَا مُعْتَقٌ إِلَى سِنِينَ، وَلَا أَعْمَى، وَلَا بَأْسَ أَنْ يُعْتَقَ النَّصْرَانِيُّ وَالْيَهُودِيُّ وَالْمَجُوسِيُّ تَطَوُّعًا، لِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ [محمد: 4] فَالْمَنُّ الْعَتَاقَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے واجب گردنوں کی متعلق سب سے بہترین بات جو سنی ہے یہ ہے کہ ان میں نہ کسی عیسائی غلام کو آزاد کیا جائے گا اور نہ یہودی (اور نہ کسی اور کافر) کو، نہ ہی ان میں کسی مکاتب کو آزاد کیا جائے گا اور نہ مدبر کو اور نہ ہی اس غلام کو جسے چند سالوں تک (تاخیر سے) آزاد کیا جانا (طے کیا جاچکا) ہو، نہ ام ولد لونڈی کو اور نہ ہی نابینے کو۔ اور (البتہ) اس میں کوئی حرج نہیں کہ نفلی طور پر عیسائی، یہودی اور مجوسی غلام کو آزاد کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ (محمد: 4) ''پھر اس کے بعد یا تو ان پر احسان کرنا ہے اور یا فدیہ (تاوان) لینا ہے۔'' اور (ظاہر بات ہے کہ جنگ میں پکڑے ہوئے قیدی کو) احسان کرتے ہوئے چھوڑنا اسے آزاد کرنا ہی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا الرِّقَابُ الْوَاجِبَةُ الَّتِي ذَكَرَ اللَّهُ فِي الْكِتَابِ، فَإِنَّهُ لَا يُعْتَقُ فِيهَا إِلَّا رَقَبَةٌ مُؤْمِنَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی واجب گردنیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے تو بلاشبہ ان میں مومن گردن کے سوا کوئی اور آزاد نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ :...... قرآن کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی جن واجب کفاروں میں کسی غلام کے آزاد کرنے کا تذکرہ ہے مثلاً نذر کا کفارہ، حالت روزہ میں جماع کا کفارہ تو ان میں بھی یہی اصول ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ فِي إِطْعَامِ الْمَسَاكِينِ فِي الْكَفَّارَاتِ ، لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُطْعَمَ فِيهَا إِلاَّ الْمُسْلِمُونَ ، وَلاَ يُطْعَمُ فِيهَا أَحَدٌ عَلَى غَيْرِ دِينِ الْإِسْلَامِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی طرح (فرض) کفاروں میں مسکینوں کو کھلانے کا معاملہ ہے، ان میں یہ مناسب نہیں کہ مسلمان مسکینوں کے علاوہ کسی کو کھلایا جائے اور ہر وہ شخص جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر ہو اسے ان کفاروں میں نہ کھلایا جائے۔

فائدہ :...... بہرحال فرض کفاروں میں غیر مسلم مسکینوں کو کھلانا محض مکروہ ہے، حرام نہیں، کیونکہ ہمارے علم میں کسی بھی جگہ اس معاملے میں مسکینوں کے مسلم یا مومن ہونے کی قید مذکور نہیں ہے۔

8- بَابٌ: عِتْقُ الْحَيِّ عَنِ الْمَيِّتِ

فوت شدہ کی طرف سے زندہ شخص کے آزاد کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع ہے، جو سنداً ضعیف ہے اور دوسری موقوف ہے جو سنداً صحیح ہے۔

[1279] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ : أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُوصِيَ ، ثُمَّ أَخَّرَتْ ذَلِكَ إِلَى أَنْ تُصْبِحَ فَهَلَكَتْ ، وَقَدْ كَانَتْ هَمَّتْ بِأَنْ تُعْتِقَ ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ : لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَيَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا ، فَقَالَ الْقَاسِمُ إِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ : إِنَّ أُمِّي هَلَكَتْ ، فَهَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : نَعَمْ .

عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا، پھر انھوں نے اسے صبح تک مؤخر کر دیا، پھر وہ فوت ہو گئیں اس حال میں کہ (کسی غلام وغیرہ کو) آزاد کرنے کا قصد کر چکی تھیں، عبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے کہا کہ اگر میں ان کی طرف سے آزاد کر دوں تو کیا یہ ان کو نفع پہنچائے گا؟ تو جناب قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ بے شک میری والدہ (حضرت عمرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا) فوت ہو گئی ہیں، تو کیا انھیں یہ چیز نفع دے گی کہ میں ان کی طرف

[1279] (مرفوع ضعیف) بیہقی فی السنن الکبری: 279/6 (12638)۔ وفی معرفۃ السنن والآثار: 105/5-(3936)۔ بغوی فی شرح السنۃ: 362/9 (2424)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

سے آزاد کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''

فائدہ: ......حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کی وفات کے وقت 5 ھ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ دومۃ الجندل کے لیے گئے ہوئے تھے...... یہ روایت پیچھے کتاب النذور کے شروع میں گزر چکی ہے (دیکھیے: 1008) اور آگے کتاب الاقضیہ میں بھی آ رہی ہے۔ (دیکھیے موطا: 1464)

[1280] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ، فَأَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ رِقَاباً كَثِيرَةً.

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نیند کے درمیان فوت ہو گئے تو (ان کی سگی بہن) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ نے ان کی طرف سے بہت ساری گردنیں آزاد کیں۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس مسئلے میں جو کچھ بھی میں نے سنا ہے، اس میں یہی بات میرے نزدیک سب سے بہترین ہے۔

فائدہ: ......میت کی طرف سے کسی بھی قسم کی مالی عبادت کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔

9- بَابٌ: فَضْلُ عِتْقِ الرِّقَابِ وَعِتْقِ الزَّانِيَةِ وَابْنِ الزِّنَا

گردنیں آزاد کرنے کی فضیلت، زانیہ لونڈی اور ولد زنا کو آزاد کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو روایات ہیں، ایک مرفوع اور ایک موقوف ہے اور دونوں سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[1281] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الرِّقَابِ أَيُّهَا أَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَغْلاَهَا ثَمَناً، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ سے واجب گردنوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ ان میں سے کون سی (گردن آزاد کرنا) افضل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ان میں سے قیمت میں سب سے مہنگی ہو اور اپنے آقاؤں کے ہاں سب سے زیادہ عمدہ ونفیس (مرغوب اور پسندیدہ) ہو۔''

[1280] (موقوف صحیح) بیهقی: 279/6 (12642)۔ بغوی فی معجم الصحابة: 417/4 (1881)۔ ابن سعد فی الطبقات الکبری: 23/5۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1281] (مرفوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 97/5 (3922)۔ ابو نعیم فی حلية الاولیاء: 354/6۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ :...... یہ سوال کرنے والے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے۔ (بخاری: 2518، مسلم: 84) مال جتنا زیادہ قیمتی اور محبوب ہو اس کے خرچ کرنے پر اجر بھی اتنا ہی زیادہ ملتا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران: 92) ''تم ہرگز نیکی (وبھلائی) نہ پا سکو گے جب تک کہ ان چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم محبوب رکھتے ہو۔'' یاد رہے کہ لونڈی کی نسبت غلام کو آزاد کرنا افضل اور دوگنا اجر کا باعث ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ''مرد کسی غلام کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا ہر عضو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔'' (بخاری: 2517، مسلم: 1509) اور دو لونڈیاں آزاد کرے تو ان دونوں کے دو اعضاء کے بدلے اس مرد کا ایک ایک عضو آزاد ہوتا ہے۔ البتہ عورت کسی لونڈی کو آزاد کرے تو اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا ہر عضو آزاد ہوتا ہے۔ (ترمذی: 1547، اس کی سند حسن صحیح ہے) الغرض عموماً ایک غلام دو لونڈیوں کے برابر ہے لیکن حدیث کی رو سے اگر کسی لونڈی کی قیمت کسی غلام سے زیادہ ہو تو وہ لونڈی آزاد کرنے پر زیادہ اجر ملے گا، ہاں اگر دونوں کی قیمت برابر ہو تو غلام کو آزاد کرنا افضل ہوگا۔

[1282] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ أَعْتَقَ وَلَدَ زِناً وَأُمَّهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے زنا والے بچے اور اس کی (زانیہ) ماں کو آزاد کیا تھا۔

10- بَابٌ: مَصِيْرُ الْوَلَاءِ لِمَنْ أَعْتَقَ

آزاد کرنے والے کے لیے ولاء ثابت ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار احادیث نبویہ ہیں جو بخاری ومسلم کی روایات میں سے ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... ''ولاء'' اس نسبت اور تعلق کا نام ہے جو آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کے درمیان میں قائم ہو جاتا ہے، اس کا فائدہ بسا اوقات یوں نکلتا ہے کہ اگر آزاد ہونے والے کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو اس کی وراثت کا حق دارا سے آزاد کرنے والا آقا ہوتا ہے۔

[1283] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، انھوں

[1282] (موقوف صحیح) بیھقی: 59/10۔ عبدالرزاق: 456/7 (13873)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[1283] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشترط شروطا فی البیع لا تحل، حدیث: 2168، 456، 1493، 2155، 2560، 2561، 2563، 2729، 2735۔ صحیح مسلم، کتاب العتق، باب بیان ان الولاء لمن اعتق، حدیث: 6/1504، 8۔ ابوداود: 3929، ترمذی: 1256۔ نسائی: 3481۔ ابن ماجہ: 2521۔ احمد: 213/6 (26305)۔

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْ بَرِيرَةُ فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عَنْكِ عَدَدْتُهَا، وَيَكُونَ لِي وَلَاؤُكِ فَعَلْتُ. فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ ذَلِكَ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِ أَهْلِهَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَتْ لِعَائِشَةَ إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ فَأَبَوْا عَلَيَّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ. فَسَمِعَ ذَلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَأَلَهَا، فَأَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطاً لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِئَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.

نے کہا کہ (میرے پاس) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آئیں اور کہنے لگیں کہ بے شک میں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ نو اوقیہ (چاندی کے 360 درہموں) پر مکاتبت کر لی ہے (اس طرح کہ) ہر سال میں ایک اوقیہ (40 درہم ادا کرنا میرے ذمہ) ہوگا، لہٰذا آپ میرا تعاون فرمائیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر تیرے مالک یہ پسند کریں کہ میں انھیں یہ (ساری رقم) تیری طرف سے ادا کردوں تو میں یہ سب سے دوں گی اور (لیکن شرط یہ ہے کہ) ولاء میری ہوگی، تو میں (یہ ادائیگی) کردوں گی، سو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے مالکوں کی طرف گئیں اور ان کو یہ بات بتائی تو انھوں نے اس پر انکار کر دیا، چنانچہ وہ ان کے پاس سے اس حال میں آئیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگیں کہ میں نے ان پر وہ بات پیش کی تو انھوں نے انکار کر دیا، الا یہ کہ ولاء ان کی رہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے یہ بات (اجمالاً) سن لی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو (سب کچھ) بتا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے لو (خرید لو) اور ان کے لیے ولاء کی شرط لگا لو، یقیناً ولاء تو صرف اسی کا حق ہے جو آزاد کرے۔'' چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ لوگوں میں (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''امابعد! (حمد وثنا کے بعد، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ) کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ (سن لو کہ) جو کوئی شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے، خواہ وہ سو شرطیں ہوں، اللہ کا فیصلہ زیادہ حق رکھتا ہے (کہ اسے پورا کیا جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (کہ اس کی پیروی کی جائے) اور یقیناً ولاء تو صرف اور صرف اس شخص کے لیے ہے جو آزاد کرے۔''

فائدہ: ...... یہ روایت پیچھے کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے۔ (دیکھیے پیچھے موطا: 1159) تفصیلی روایات میں

یہ وضاحت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے یہ درخواست کی تھی کہ مجھے خرید کر آزاد کر دیجیے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی ارادہ کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ ''اسے خرید لو اور آزاد کر دو۔'' (بخاری: 2565) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکاتب غلام لونڈی کو فروخت کیا جا سکتا ہے...... وہ تمام شرائط جو قرآن وسنت کے خلاف ہوں، کالعدم شمار ہوتی ہیں، چنانچہ اگر کسی شخص پر بوقت نکاح خلافِ شریعت شرائط عائد کر دی جائیں تو وہ لغو اور کالعدم ہوں گی......

اس حدیث میں اللہ کی شرط سے مراد اللہ کے بیان کردہ احکامات ہیں جو اس نے اپنی کتاب میں یا اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے جیسا کہ یہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: ''ولاء تو صرف اور صرف اسی کی ہے جس نے آزاد کیا۔'' یا آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''ولاء نسب کے تعلق کی طرح کا ایک تعلق ہے۔'' (ابن حبان: 4949، حاکم: 341/4، بیھقی: 292/10، اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل: 1738) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکاتب غلام کو بیچنا جائز ہے اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے، لیکن امام مالک رحمہ اللہ اپنے مشہور قول میں، امام شافعی رحمہ اللہ اپنے راجح قول میں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اسے ممنوع قرار دیتے ہیں اور سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ عاجز آ چکی تھیں حالانکہ ان کا عاجز آ جانا کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

[1284] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا، فَقَالَ أَهْلُهَا نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَ هَا لَنَا، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: لَا يَمْنَعَنَّكِ ذَلِكَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی خریدنے کا ارادہ کیا جسے وہ آزاد کرنا چاہتی تھیں تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم تمھیں یہ لونڈی اس شرط پر بیچیں گے کہ اس کی ولاء ہمارے لیے ہو، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ (ان کا باطل شرط لگانا) تمھیں (اس کے خریدنے اور آزاد کرنے سے) نہ روک دے، یقیناً ولاء تو صرف اسی کی ہے جو آزاد کرے۔''

[1285] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ

عمرہ بنت عبدالرحمن رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آئیں، وہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد

[1284] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب اذا اشترط في البيع شروطا لا تحل، حديث: 2169، 2156، 2562، 6752، 6757، 6759- صحيح مسلم، كتاب العتق، باب بيان ان الولاء لمن اعتق، حديث: 5/1504- ابو داود: 2915- نسائي: 4648- احمد: 113/2 (2529).

[1285] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المكاتب، باب بيع المكاتب اذا رضي، حديث: 2564- نسائي في الكبرى: 6408- احمد: 135/6 (25545).

بَـرِيرَةَ جَـاءَ تْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ فَقَـالَـتْ عَـائِشَةُ : إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَصُبَّ لَهُـمْ ثَـمَـنَكِ صَبَّةً وَاحِدَةً وَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ . فَـذَكَـرَتْ ذَلِكَ بَرِيرَةُ لأَهْلِهَا ، فَقَالُوا : لاَ إِلاَّ أَنْ يَـكُونَ لَنَا وَلاَؤُكِ . قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ : فَزَعَـمَتْ عَـمْـرَةُ أَنَّ عَـائِشَةَ ذَكَرَتْ ذَلِكَ لِـرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَـقَـالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : اشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا ، فَإِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ .

طلب کر رہی تھیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر تیرے مالک پسند کریں کہ میں ان کو تیری قیمت ایک ہی بار میں ادا کر دوں اور (پھر) میں تجھے آزاد کر دوں تو میں ایسا کر لیتی ہوں، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آقاؤں کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ (ہمیں یہ منظور) نہیں، مگر اس صورت میں کہ تیری ولاء ہمارے لیے ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے کہا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے خرید لو اور آزاد کر دو، یقیناً ولاء تو صرف اسی کی ہے جس نے آزاد کیا۔''

[1286] وَحَـدَّثَـنِي مَالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلاَءِ وَعَنْ هِبَتِهِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ولاء کو بیچنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ :..... دور جاہلیت میں ولاء کے ساتھ یہ معاملات جاری رہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا کیونکہ جس طرح نسب اور رشتہ داری کا تعلق پائیدار ہوتا ہے، اسے بیچنا اور ہبہ کرنا ناممکن ہے اسی طرح ولاء کا تعلق بھی کسی کے ختم کرنے سے ختم نہیں ہوتا۔

قَـالَ مَـالِكٌ فِي الْعَبْدِ يَبْتَاعُ نَفْسَهُ مِنْ سَيِّدِهِ ، عَـلَى أَنَّهُ يُوَالِي مَنْ شَاءَ: إِنَّ ذَلِكَ لاَ يَجُوزُ ، وَإِنَّـمَـا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ، وَلَوْ أَنَّ رَجُلاً أَذِنَ لِمَوْلاَهُ أَنْ يُوَالِيَ مَنْ شَاءَ مَا جَازَ ذَلِكَ ، لأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَـالَ: الْـوَلاَءُ لِـمَنْ أَعْتَقَ وَنَهَـى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلاَءِ وَعَنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جو اپنے مالک سے خود کو اس شرط پر خرید لیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے ''ولاء'' والا تعلق قائم کر لے گا: ''بلاشبہ یہ جائز نہیں اور ولاء تو صرف اسی کا حق ہے جس نے آزاد کیا اور اگر کوئی شخص (آقا) اپنے آزاد کردہ غلام کو یہ اجازت دے دے کہ وہ جس سے چاہے ولاء والا تعلق اختیار کر لے تو یہ بھی

[1286] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب العتق، باب بيع الولاء وهبته، حديث: 2535، 6756- صحيح مسلم، كتاب العتق، باب النهي عن بيع الولاء وهبته، حديث: 1506- ابوداود: 2919- ترمذي: 2126- نسائي: 4661- ابن ماجه: 2747- احمد: 9/2 (4560).

هِبَتِهِ ، فَإِذَا جَازَ لِسَيِّدِهِ أَنْ يَشْتَرِطَ ذٰلِكَ لَهُ ، وَأَنْ يَأْذَنَ لَهُ أَنْ يُوَالِيَ مَنْ شَاءَ ، فَتِلْكَ الْهِبَةُ .

جائز نہیں کیونکہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولاء تو اسی کی ہے جس نے آزاد کیا۔'' اور آپ ﷺ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا، لہٰذا جب آقا کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ غلام سے اس (ولاء کے منتقل کرنے) کی شرط لگا لے یا اسے اجازت دے دے کہ جس سے چاہے وہ ولاء کا تعلق قائم کر لے تو یہ ہبہ (شمار) ہوگا (جو کہ ناجائز ہے)۔

11- بَابٌ: جَرُّ الْعَبْدِ الْوَلَاءَ إِذَا أُعْتِقَ

غلام جب آزاد ہو تو اس کے ولاء کو کھینچ لانے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف ہے جو سنداً صحیح ہے اور دوسری مقطوع ہے جس کی سند ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... ولاء ایک معنوی چیز ہے اور ایک تعلق کا نام ہے لیکن مجازاً غلام کی وراثت کو بھی ولاء کہہ دیتے ہیں، چنانچہ جب غلام کو آزادی ملتی ہے تو اس کے رشتوں کا اعتبار ہونے لگتا ہے، پھر ان رشتوں کی وجہ سے یہ آزاد کردہ غلام کسی کا وارث بن رہا ہو اور خود فوت ہو چکا ہو تو وہ وراثت اس کے آزاد کرنے والوں کو مل جائے گی اس طرح یہ غلام اپنے بیٹوں کی ولاء اپنے مالک کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

[1287] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ اشْتَرَى عَبْداً فَأَعْتَقَهُ ، وَلِذٰلِكَ الْعَبْدِ بَنُونَ مِن امْرَأَةٍ حُرَّةٍ ، فَلَمَّا أَعْتَقَهُ الزُّبَيْرُ قَالَ هُمْ مَوَالِيَّ . ، وَقَالَ مَوَالِي أُمِّهِمْ : بَلْ هُمْ مَوَالِينَا . فَاخْتَصَمُوا إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ، فَقَضَى عُثْمَانُ لِلزُّبَيْرِ بِوَلَائِهِمْ .

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک غلام خریدا، پھر اسے آزاد کر دیا، اس غلام (کی حالت غلامی میں ایک آزاد عورت سے شادی ہو چکی تھی اور اس) کے لیے (اس) آزاد عورت سے کچھ بیٹے تھے۔ پھر جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کیا تو کہا کہ وہ (بیٹے بھی) میرے مولیٰ ہیں (اور ان کا تعلق ولاء بھی میرے ساتھ قائم ہوگا) لیکن ان بیٹوں کی ماں (آزاد عورت) کے رشتہ داروں نے کہا کہ یہ ہمارے مولیٰ ہیں، چنانچہ وہ (سب) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ جھگڑا لے کر آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی ولاء کا فیصلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں کر دیا۔

[1288] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے

[1287] (موقوف صحیح لغیرہ) بیھقی: 306/10- عبدالرزاق: 16281- ابن ابی شیبہ: 31530، 31531- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[1288] (مقطوع ضعیف) دارمی: 3164، 3173- ابن ابی شیبہ: 31538- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ سُئِلَ عَنْ عَبْدٍ لَهُ وَلَدٌ مِنِ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ، لِمَنْ وَلَاؤُهُمْ ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنْ مَاتَ أَبُوهُمْ وَهُوَ عَبْدٌ لَمْ يُعْتَقْ فَوَلَاؤُهُمْ لِمَوَالِي أُمِّهِمْ.

اس غلام کے متعلق سوال کیا گیا جس کی کسی آزاد عورت سے کچھ اولاد ہو تو ان بچوں کی ولاء کس کا حق ہے؟ تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر ان بچوں کا باپ مر جائے اس حال میں کہ وہ غلام ہی ہو اور آزاد نہ ہو تو پھر ان بچوں کی ولاء ان کی ماں کے رشتہ داروں کے لیے ہوگی۔

فائدہ: ......البتہ اگر باپ مرنے سے پہلے آزاد ہو چکا ہوتا تو پھر ان بچوں کی ولاء آزاد کرنے والوں کو ملتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَثَلُ ذَلِكَ وَلَدُ الْمُلَاعَنَةِ مِنَ الْمَوَالِي يُنْسَبُ إِلَى مَوَالِي أُمِّهِ، فَيَكُونُونَ هُمْ مَوَالِيَهُ إِنْ مَاتَ وَرِثُوهُ، وَإِنْ جَرَّ جَرِيرَةً عَقَلُوا عَنْهُ، فَإِنِ اعْتَرَفَ بِهِ أَبُوهُ أُلْحِقَ بِهِ، وَصَارَ وَلَاؤُهُ إِلَى مَوَالِي أَبِيهِ، وَكَانَ مِيرَاثُهُ لَهُمْ، وَعَقْلُهُ عَلَيْهِمْ، وَيُجْلَدُ أَبُوهُ الْحَدَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی طرح اس لعان کرنے والی عورت کے لڑکے کا معاملہ ہے جو موالی (غیر عرب یعنی عجمی ہو اور آزاد شدہ افراد) میں سے ہو، وہ لڑکا اس عورت کے رشتہ داروں کی طرف منسوب ہوگا اور وہی اس لڑکے کے مولیٰ (آقا) شمار ہوں گے۔ اگر وہ مر جائے تو وہی اس کے وارث ہوں گے اور اگر کوئی جرم کر بیٹھے تو اس کی طرف سے دیت ادا کریں گے، (بہرحال یہ اسی وقت ہے جب بچے کے باپ یعنی اس عورت کے خاوند نے اس عورت پر زنا کی تہمت لگا کر اس سے لعان کر لیا ہو اور دونوں اپنی اپنی بات پر قائم ہوں لیکن) پھر اگر اس بچے کا باپ اس (بچے) کا اعتراف کر لے تو بچے کا اس کے والد کے ساتھ الحاق کر دیا جائے گا۔ (شرعی طور پر وہ اس بچے کا باپ شمار ہوگا اور اس کے ساتھ سلسلہ نسب قائم ہو جائے گا) اور اس بچے کی ولاء اس کے باپ کو آزاد کرنے والوں کے لیے ہو جائے گی، بچے کی وراثت انھی کے لیے ہوگی اور اس بچے (کے کیے ہوئے جرم) کی دیت بھی انھی کے ذمے ہوگی (اور اس کی ماں کے رشتہ دار نہ اس کے وارث ہوں گے نہ ضامن) اور اس کے باپ کو حد قذف لگائی جائے گی۔

فائدہ: ......حد قذف اسی کوڑے ہے، باپ اعتراف نہ کرے تو ولاء کا تعلق اس وراثت کو ماں کے آزاد کرنے والوں تک کھینچ لے جائے گا اور بچے کا ترکہ بیت المال کی بجائے انھی کو دیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ الْمُلَاعَنَةُ مِنَ الْعَرَبِ، إِذَا اعْتَرَفَ زَوْجُهَا الَّذِي لَاعَنَهَا بِوَلَدِهَا صَارَ بِمِثْلِ هَذِهِ الْمَنْزِلَةِ، إِلَّا أَنَّ بَقِيَّةَ مِيرَاثِهِ بَعْدَ مِيرَاثِ أُمِّهِ وَإِخْوَتِهِ لِأُمِّهِ لِعَامَّةِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح عرب میں سے لعان کرنے والی عورت (کا معاملہ) ہے۔ جب اس کا خاوند جس نے اس کے ساتھ لعان کیا تھا، وہ اس کے بچے کا اعتراف کر لے (کہ عورت پر میں نے غلط الزام لگایا تھا اور

الْمُسْلِمِينَ، مَا لَمْ يُلْحَقْ بِأَبِيهِ، وَإِنَّمَا وَرَّثَ وَلَدُ الْمُلاَعَنَةِ الْمُوَالاَةَ مَوَالِيَ أُمِّهِ، قَبْلَ أَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ أَبُوهُ، لأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَسَبٌ وَلاَ عَصَبَةٌ، فَلَمَّا ثَبَتَ نَسَبُهُ، صَارَ إِلَى عَصَبَتِهِ.

یہ بچہ میرا ہی ہے) تو وہ بھی اس (لعان کرنے والی عجمی عورت کی) طرح ہو جائے گی، مگر بلاشبہ اس بچے (کے مرنے کی صورت میں اس) کی ماں کا حصہ اور اس کے ماں کی طرف سے (اخیافی یعنی مادری) بھائیوں کا حصہ نکالنے کے بعد اس کا باقی ماندہ ترکہ عام مسلمانوں کے لیے ہوگا (اور بیت المال میں جمع کیا جائے گا) جب تک کہ وہ اپنے باپ سے لاحق نہ ہو، (چنانچہ اگر اس کا باپ سے الحاق ہو جائے تو باقی ماندہ مال باپ کو ملے گا کیونکہ وہ ''عصبہ'' بن جائے گا اور باپ نہ ہو تو بچے کے ورثاء میں کوئی عصبہ نہ ہوگا جو باقی ماندہ مال کا حق دار بنتا، اس لیے مقرر شدہ حصوں والے ورثاء یعنی اصحاب الفرائض میں سے ماں اور مادری بھائیوں کے حصے نکال کر باقی مال بیت المال میں پہنچایا جائے گا) اور بلاشبہ (گزشتہ فتویٰ والی) لعان کرنے والی عجمی عورت کے لڑکے کے وارث اس کی ماں کو آزاد کرنے والے لوگ ہوں گے (کیونکہ وہ معتق ہیں اور ولاء والے تعلق کی بناپر وارث ٹھہریں گے کیونکہ ولاء وراثت کو کھینچ لیتی ہے، لیکن یہ استحقاق) اس بچے کے باپ کے اعتراف کر لینے سے پہلے پہلے (ہو، ورنہ اگر باپ نے اعتراف کر لیا تو وہ ''عصبہ'' بن جائے گا اور باقی ماندہ سارے مال کا مستحق ہوگا اور اگر وہ اعتراف نہ کرے تو پھر ایسا نہ ہوگا) کیونکہ بلاشبہ اس بچے کا نہ کوئی نسب ہوگا اور نہ ہی کوئی ''عصبہ'' رشتہ دار۔ ہاں جب اس کا نسب ثابت ہو جائے گا تو وہ (باقی ماندہ مالِ وراثت) اس بچے کے ''عصبہ'' رشتہ داروں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي وَلَدِ الْعَبْدِ مِنِ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ، وَأَبُو الْعَبْدِ حُرٌّ: أَنَّ الْجَدَّ أَبَا الْعَبْدِ يَجُرُّ وَلاَءَ وَلَدِ ابْنِهِ الأَحْرَارِ مِنِ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ، يَرِثُهُمْ مَا دَامَ أَبُوهُمْ عَبْداً، فَإِنْ عَتَقَ أَبُوهُمْ رَجَعَ الْوَلاَءُ إِلَى مَوَالِيهِ، وَإِنْ مَاتَ وَهُوَ عَبْدٌ كَانَ الْمِيرَاثُ وَالْوَلاَءُ لِلْجَدِّ، وَلَوْ أَنَّ الْعَبْدَ كَانَ لَهُ ابْنَانِ حُرَّانِ، فَمَاتَ أَحَدُهُمَا وَأَبُوهُ عَبْدٌ، جَرَّ الْجَدُّ أَبُو الأَبِ الْوَلاَءَ وَالْمِيرَاثَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اتفاق ہے، غلام کے اس بچے کے متعلق جو آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ (یعنی بچے کا دادا) آزاد ہو (اس کی صورت یہ ہے کہ غلام کی شادی آزاد عورت سے ہوئی، پھر بچہ پیدا ہوا تو آزاد ماں کی وجہ سے وہ بچہ آزاد ہی شمار ہے، اس کا باپ غلام ہے لیکن دادا بھی آزاد ہے، اور ماں بھی آزاد ہے تو اس بارے میں حکم) یہ ہے کہ دادا یعنی غلام کا باپ اپنے اس (غلام) بیٹے کی آزاد اولاد کی ولاء کھینچ لے گا جو کہ آزاد عورت سے ہوئی ہو، وہی ان کا وارث بنے گا جب تک کہ ان بچوں کا باپ غلام رہے گا، (چونکہ آزاد اور غلام کی آپس میں وراثت نہیں چلتی تو یوں سمجھا جائے گا کہ جیسے بچوں کا باپ ہے ہی نہیں اور باپ موجود نہ ہو تو دادا وارث بنتا ہے)۔ پھر اگر بچوں کا باپ آزاد ہو جائے تو یہ ولاء اس کے آزاد

کرنے والوں کی طرف لوٹ جائے گی، (اور انھیں کسی نہ کسی صورت میں ولاء کا فائدہ پہنچ سکتا ہے) اگر باپ اس حال میں مرے کہ وہ غلام ہی ہو تو (اس کے آزاد بچوں کی) وراثت اور ولاء دادے کے لیے ہوگی اور اگر غلام کے دو آزاد بیٹے ہوں، پھر ان میں سے ایک اس حال میں فوت ہو کہ باپ غلام ہی ہو تو بھی دادا ولاء اور وراثت کو کھینچ لے گا۔

فائدہ: ...... فوت ہونے والے کا اگرچہ بھائی زندہ اور آزاد موجود ہے لیکن دوسری طرف اس کا آزاد دادا بھی موجود ہے جو کہ آزاد باپ نہ ہونے کی صورت میں وارث بنتا ہے اور جس طرح باپ کی موجودگی میں حقیقی اور پدری بھائی وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں اسی طرح دادے کی موجودگی میں بھی وہ وارث نہیں بنیں گے اور وراثت دادے تک پہنچ جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الأَمَةِ تُعْتَقُ وَهِيَ حَامِلٌ وَزَوْجُهَا مَمْلُوكٌ، ثُمَّ يَعْتِقُ زَوْجُهَا قَبْلَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا، أَوْ بَعْدَ مَا تَضَعُ: إِنَّ وَلاَءَ مَا كَانَ فِي بَطْنِهَا لِلَّذِي أَعْتَقَ أُمَّهُ، لأَنَّ ذٰلِكَ الْوَلَدَ قَدْ كَانَ أَصَابَهُ الرِّقُّ قَبْلَ أَنْ تُعْتَقَ أُمُّهُ، وَلَيْسَ هُوَ بِمَنْزِلَةِ الَّذِي تَحْمِلُ بِهِ أُمُّهُ بَعْدَ الْعَتَاقَةِ، لأَنَّ الَّذِي تَحْمِلُ بِهِ أُمُّهُ بَعْدَ الْعَتَاقَةِ إِذَا أُعْتِقَ أَبُوهُ جَرَّ وَلاَءَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس لونڈی کے متعلق فرمایا جو اس حال میں آزاد ہو کہ وہ حاملہ تھی اور اس کا خاوند کسی کا غلام ہی تھا، پھر بعد میں اس کا خاوند بھی آزاد ہو جائے خواہ عورت کے بچہ جننے سے پہلے یا ولادت کے بعد، (تو اس کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ اس عورت کے پیٹ والے بچے کی ولاء اس شخص کے لیے ہوگی جس نے اس کی ماں کو آزاد کیا تھا، کیونکہ بلاشبہ اس بچے کو بھی اس کی ماں کے آزاد ہونے سے پہلے غلامی کی حالت پہنچ چکی تھی، (بچے کے آزاد یا غلام ہونے کا دارومدار اس کی ماں کی آزادی غلامی پر ہے، اس لیے یہ بچہ بھی حالت حمل میں اپنی ماں کی طرح غلامی کاٹ چکا ہے لہٰذا اس کا آقا اس کی ولاء کا حقدار بن چکا ہے) اور یہ اس بچے کی طرح نہیں ہے جس کا حمل اس کی ماں کی آزادی کے بعد ٹھہرا تھا، کیونکہ بلاشبہ ماں کے آزادی پانے کے بعد اسے جس بچے کا حمل ٹھہرے پھر اس بچے کا والد آزاد ہو جائے، تو وہ باپ ہی اس کی ولاء کھینچ لے گا۔

فائدہ: ...... ماں کی آزادی کے بعد اگر حمل ٹھہرے اور باپ غلام ہی ہو تو چونکہ غلام اور آزاد آپس میں وارث نہیں بنتے اس لیے بچے کی ولاء کسی سے بھی قائم نہیں ہوگی اور اس کا باقی ماندہ ترکہ بیت المال میں جائے گا، البتہ اگر باپ کو آزادی مل جائے تو اس سے نسب بھی قائم ہوگا اور وہی ولاء و وراثت کا حق دار ٹھہرے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ يَسْتَأْذِنُ سَيِّدَهُ أَنْ يُعْتِقَ عَبْداً لَهُ، فَيَأْذَنُ لَهُ سَيِّدُهُ: إِنَّ وَلاَءَ الْعَبْدِ الْمُعْتَقِ لِسَيِّدِ الْعَبْدِ، لاَ يَرْجِعُ وَلاَؤُهُ لِسَيِّدِهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے متعلق فرمایا جو اپنے آقا سے اجازت طلب کرتا ہے کہ اپنے غلام کو آزاد کر دے، (یعنی غلام کا بھی غلام تھا جسے وہ آزاد کرنا چاہتا ہے) چنانچہ

الَّذِي أَعْتَقَهُ وَإِنْ عَتَقَ.

اس کے آقا نے اسے اجازت دے دی تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ آزاد ہونے والے غلام کی ولاء (اسے آزاد کرنے والے) غلام کے آقا کی ہوگی (کیونکہ اصل آزاد کرنے والا وہی ہے) اور اس کی ولاء اپنے آزاد کرنے والے آقا کی طرف واپس نہیں آ سکتی خواہ وہ آزاد ہو بھی جائے۔

فائدہ: ...... دراصل غلام کا مال بھی آقا ہی کا سمجھا جاتا ہے، اس لیے وہ اپنے غلام کے غلام کا بھی مالک شمار ہوتا ہے۔

12- بَابٌ: مِيرَاثُ الْوَلَاءِ

ولاء کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف ہے جو سنداً ضعیف ہے اور دو مقطوع ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[1289] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ الْعَاصَ بْنَ هِشَامٍ هَلَكَ وَتَرَكَ بَنِينَ لَهُ ثَلَاثَةً، اثْنَانِ لِأُمٍّ، وَرَجُلٌ لِعَلَّةٍ. فَهَلَكَ أَحَدُ اللَّذَيْنِ لِأُمٍّ وَتَرَكَ مَالًا وَمَوَالِيَ، فَوَرِثَهُ أَخُوهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ مَالَهُ وَوَلَاءَ مَوَالِيهِ، ثُمَّ هَلَكَ الَّذِي وَرِثَ الْمَالَ وَوَلَاءَ الْمَوَالِي وَتَرَكَ ابْنَهُ وَأَخَاهُ لِأَبِيهِ، فَقَالَ ابْنُهُ: قَدْ أَحْرَزْتُ مَا كَانَ أَبِي أَحْرَزَ مِنَ الْمَالِ وَوَلَاءِ الْمَوَالِي، وَقَالَ أَخُوهُ: لَيْسَ كَذَلِكَ: إِنَّمَا أَحْرَزْتَ الْمَالَ، وَأَمَّا وَلَاءُ الْمَوَالِي فَلَا، أَرَأَيْتَ لَوْ هَلَكَ أَخِي

عبدالملک بن ابی بکر رحمہ اللہ اپنے والد ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ان کے دادا حارث رضی اللہ عنہ کا بھائی) عاص بن ہشام فوت ہوگیا (اور جنگ بدر میں کافر ہی مارا گیا)، وہ اپنے تین بیٹے چھوڑ گیا جن میں سے دو کی ماں بھی ایک ہی تھی (اور وہ دونوں آپس میں سگے اور حقیقی و شقیقی بھائی تھے) اور ایک علاتی تھا (جو صرف باپ کی طرف سے ان دونوں کا بھائی تھا)، پھر ان دو حقیقی بھائیوں میں سے ایک فوت ہوگیا اور کچھ مال اور کچھ آزاد کیے ہوئے غلام چھوڑ گیا تو اس کا وہ بھائی جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے (حقیقی بھائی) تھا اس کے مال اور آزاد کیے ہوئے غلاموں کی ولاء کا وارث بن گیا (اور علاتی بھائی کو کچھ نہ ملا)، پھر وہ (بھائی) بھی مر گیا جس نے مال اور ولاء کو وراثت میں پایا تھا اور وہ (مرنے والا)

[1289] (موقوف ضعیف) بیهقي في السنن الكبرى: 303/10 (21492)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 518/7 (6068)۔ بغوي في شرح السنة: 355/8 (2227)۔ دارمي: 3155۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

الْيَوْمَ، أَلَسْتُ أَرِثُهُ أَنَا ؟ فَاخْتَصَمَا إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَقَضَى لأَخِيهِ بِوَلَاءِ الْمَوَالِي.

اپنا ایک بیٹا اور باپ کی طرف سے بننے والا ایک (علاتی) بھائی چھوڑ گیا (جو پہلے بھی محروم رہ گیا تھا)، چنانچہ میت کا بیٹا کہنے لگا کہ میں ہر اس چیز کا مالک بن چکا ہوں جس کا مالک میرا باپ تھا، یعنی مال کا بھی اور آزاد کردہ غلاموں کی ولاء کا بھی، اور (میت کا (علاتی یعنی پدری) بھائی کہنے لگا کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ تم نے صرف مال حاصل کیا ہے (میت کے مالی ترکے کے وارث تم ہی ہو کیونکہ میت کے بیٹے کی موجودگی میں بھائی محروم رہتے ہیں) اور رہی آزاد کردہ غلاموں کی ولاء تو وہ (تمھاری ملکیت) نہیں۔ ذرا بتاؤ کہ اگر میرا (پہلا) بھائی (تیرا چچا) آج کے دن (اپنے حقیقی بھائی یعنی تیرے والد کی وفات کے بعد) مرتا تو کیا میں اس کا وارث نہ بنتا۔ چنانچہ وہ دونوں اپنا جھگڑا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انھوں نے میت کے بھائی کے حق میں اس کے آزاد کردہ غلاموں کی ولاء کا فیصلہ سنایا۔

فائدہ :......یعنی مال کا معاملہ اور ہے اور ولاء کا معاملہ اور ہے۔ مال کا معاملہ تو ہر میت کے لحاظ سے فوراً تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ ولاء کی یہ صورت حال نہیں، وہ گزشتہ تعلق پر بحال رہتی ہے، مال میں نیا تعلق اور ولاء میں پرانا تعلق ملحوظ ہوتا ہے...... اسی تناظر میں علاتی بھائی نے کہا کہ میرا اس سب سے پہلے مرنے والے بھائی کے ساتھ آج بھی رشتہ اخوت اور نسب قائم ہے جس کی ایک مثال اس نے پیش کی اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ ولاء تیرے باپ کے آزاد کردہ غلاموں کی نہیں بلکہ میرے بھائی اور تیرے چچا کے غلاموں کی ہے، ولاء کا مستحق ہونے میں ہم دونوں کا نزاع ہے اور غلاموں کے آقا کا میں بھائی ہوں اور تو بھتیجا ہے اور یہ اصول ہے کہ میت کے بھائی کی موجودگی میں میت کے بھتیجے محروم رہتے ہیں۔

[1290] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَبُوهُ: أَنَّهُ كَانَ جَالِساً عِنْدَ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، فَاخْتَصَمَ إِلَيْهِ نَفَرٌ مِنْ جُهَيْنَةَ، وَنَفَرٌ مِنْ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، وَكَانَتِ امْرَأَةٌ مِنْ جُهَيْنَةَ عِنْدَ رَجُلٍ مِنْ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ يُقَالُ لَهُ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ كُلَيْبٍ، فَمَاتَتِ الْمَرْأَةُ وَتَرَكَتْ مَالاً وَمَوَالِيَ، فَوَرِثَهَا ابْنُهَا وَزَوْجُهَا، ثُمَّ

عبداللہ بن ابی بکر بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں ان کے والد (ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ) نے خبر دی کہ وہ ابان بن عثمان رحمہ اللہ (امیر مدینہ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، (اتنے میں) جہینہ قبیلے کا ایک گروہ اور بنو حارث بن خزرج خاندان کا ایک گروہ ان کے پاس جھگڑا لے کر آئے اور (ان میں نزاع یوں ہوا تھا کہ) جہینہ والوں کی ایک عورت بنو حارث بن خزرج کے ایک آدمی کے نکاح میں تھی جسے ابراہیم بن کلیب کہا جاتا تھا۔ پھر عورت مرگئی اور مال اور آزاد کردہ

[1290] (مقطوع صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 303/10 (21499)۔ وفي معرفة السنن والآثار: 519/7 (6069، 6070)۔ الشافعي في الام: 128/4۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

مَـاتَ ابْـنُهَا ، فَقَالَ وَرَثَتُهُ : لَنَا وَلَاءُ الْمَوَالِي ، قَـدْ كَانَ ابْنُهَا أَحْرَزَهُ ، فَقَالَ الْجُهَنِيُّونَ : لَيْسَ كَذَلِكَ ، إِنَّمَا هُمْ مَوَالِي صَاحِبَتِنَا ، فَإِذَا مَاتَ وَلَدُهَا فَلَنَا وَلَاؤُهُمْ ، وَنَحْنُ نَرِثُهُمْ ، فَقَضَى أَبَانُ بْنُ عُثْمَانَ لِلْجُهَنِيِّينَ بِوَلَاءِ الْمَوَالِي .

غلام چھوڑ گئی جن کے وارث اس کا بیٹا اور خاوند بنے، پھر اس عورت کا بیٹا بھی مرگیا تو اس کے ورثاء (بنو حارث بن خزرج والے) کہنے لگے کہ آزاد کردہ غلاموں کی وراثت ہمارے لیے ہے کیونکہ یقیناً اس عورت کا بیٹا ان کا (وراثت میں) مالک بن چکا تھا، تو جہینہ والوں نے کہا کہ یہ اس طرح نہیں ہوگا، یقیناً وہ ہماری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے (اور ہم اب بھی زندہ موجود ہیں) تو جب اس عورت کا بیٹا مرگیا ہے تو ان غلاموں کی ولاء ہماری ہوگئی ہے اور ہم ہی ان (غلاموں) کے وارث بنیں گے، چنانچہ جناب ابان بن عثمان رحمہ اللہ نے ان آزاد کردہ غلاموں کی ولاء کا فیصلہ (عورت کے ورثاء) جہینہ والوں کے حق میں کر دیا۔

[1291] وَحَـدَّثَـنِـي مَـالِكٌ ، أَنَّـهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فِي رَجُلٍ هَلَكَ وَتَرَكَ بَـنِـيـنَ لَـهُ ثَـلَاثَةً وَتَـرَكَ مَوَالِيَ أَعْتَقَهُمْ هُوَ عَتَـاقَةً ، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَيْنِ مِنْ بَنِيهِ هَلَكَا وَتَرَكَا أَوْلَادًا . فَـقَـالَ سَـعِـيـدُ بْـنُ الْمُسَيَّبِ : يَرِثُ الْمَوَالِيَ الْبَاقِي مِنَ الثَّلَاثَةِ ، فَإِذَا هَلَكَ هُوَ ، فَـوَلَـدُهُ وَوَلَدُ إِخْوَتِهِ فِي وَلَاءِ الْمَوَالِي شَرَعٌ سَوَاءٌ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جوفوت ہوگیا تھا اور اپنے تین بیٹے چھوڑ گیا تھا اور اس نے کچھ غلام بھی (ترکے میں) چھوڑے تھے، جنہیں وہ آزاد کر چکا تھا۔ پھر اس کے بیٹوں میں سے دو فوت ہوگئے اور وہ اپنے بچے چھوڑ کر گئے، تو سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان آزاد کردہ غلاموں کا وارث وہ بیٹا ہے جو تینوں میں سے باقی ہے، پھر جب وہ بھی مرجائے تو اس (تیسرے بیٹے) کی اولاد اور اس کے (فوت ہونے والے دونوں) بھائیوں کی اولاد آزاد کردہ غلاموں کی ولاء میں برابر کے شریک اور مستحق ہوں گے۔

13- بَابٌ : مِيرَاثُ السَّائِبَةِ وَوَلَاءُ مَنْ أَعْتَقَ الْيَهُودِيُّ وَالنَّصْرَانِيُّ

بے قید آزاد کیے ہوئے غلام کی وراثت کا اور اس غلام کی ولاء کا بیان جسے یہودی اور عیسائی شخص آزاد کرے

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :...... ''سائبہ'' سے مراد وہ غلام یا لونڈی ہے جسے آزاد کرتے وقت کہا جائے کہ تیری ولاء میں کسی کا حق نہیں ہے۔

[1291] (مقطوع ضعیف) بیهقی: 304/10 (21500)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[1292] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ السَّائِبَةِ؟ قَالَ: يُوَالِي مَنْ شَاءَ، فَإِنْ مَاتَ وَلَمْ يُوَالِ أَحَداً، فَمِيرَاثُهُ لِلْمُسْلِمِينَ وَعَقْلُهُ عَلَيْهِمْ.

امام مالک ﷫ نے ابن شہاب ﷫ سے ''سائبہ'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ جس سے چاہے ولاء قائم کرسکتا ہے، پھر اگر وہ اس حال میں مرجائے کہ اس نے کسی سے موالات یعنی ولاء والاتعلق قائم نہ کیا ہوتو اس کی وراثت (تمام) مسلمانوں کے لیے ہے اور اس (کے جرم) کی دیت بھی ان (تمام مسلمانوں ہی) پر لازم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: إِنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي السَّائِبَةِ: أَنَّهُ لاَ يُوَالِي أَحَداً، وَأَنَّ مِيرَاثَهُ لِلْمُسْلِمِينَ، وَعَقْلَهُ عَلَيْهِمْ.

امام مالک ﷫ نے فرمایا: یقیناً سائبہ کے متعلق سب سے بہترین بات یہی سنی گئی ہے کہ بے شک وہ کسی سے بھی ولاء کا تعلق قائم نہیں کرے گا اور بلاشبہ اس کی وراثت تمام مسلمانوں کے لیے ہوگی اور اس (کے جرم) کی دیت بھی ان سب پر ہوگی۔

فائدہ:...... یعنی بیت المال میں سائبہ کی وراثت کو جمع کیا جائے گا تا کہ تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں، یہ تو امام مالک ﷫ کا موقف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی ﷭ اور جمہور کے نزدیک یہ شرط ہی سرے سے باطل ہے اور فرمان نبوی کے برخلاف ہے لہٰذا جو آزاد کرے گا وہی ولاء لے گا خواہ سائبہ کی رٹ لگا تا رہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ اٹل قانون ہے کہ ''جس نے آزاد کیا وہی ولاء کا مالک ہے'' اسی لیے متعدد سلف صالحین فرماتے تھے کہ اسلام میں ''سائبہ'' جائز ہی نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷜ فرماتے ہیں کہ بے شک اہل اسلام سائبہ نہیں بناتے، یقیناً اہل جاہلیت سائبہ بنایا کرتے تھے۔ (بخاری: 6753) نیز امام مالک ﷫ کے نزدیک بھی سائبہ کا لفظ بول کر آزاد کرنا مکروہ ہے کیونکہ اہل جاہلیت جانوروں کے متعلق یہ لفظ بولا کرتے تھے۔ (زرقانی: 135/4)

قَالَ مَالِكٌ فِي الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ يُسْلِمُ عَبْدُ أَحَدِهِمَا، فَيُعْتِقُهُ قَبْلَ أَنْ يُبَاعَ عَلَيْهِ: إِنَّ وَلاَءَ الْعَبْدِ الْمُعْتَقِ لِلْمُسْلِمِينَ، وَإِنْ أَسْلَمَ الْيَهُودِيُّ أَوِ النَّصْرَانِيُّ بَعْدَ ذَلِكَ، لَمْ يَرْجِعْ إِلَيْهِ الْوَلاَءُ أَبَداً. قَالَ: وَلَكِنْ إِذَا أَعْتَقَ الْيَهُودِيُّ أَوِ النَّصْرَانِيُّ عَبْداً عَلَى دِينِهِمَا، ثُمَّ

امام مالک ﷫ نے اس یہودی اور عیسائی کے متعلق فرمایا کہ جن میں سے کسی کا غلام مسلمان ہو جاتا ہے، پھر وہ اسے آزاد کر دیتا ہے پہلے اس سے کہ اس غلام پر بیع کی جاتی، (اور اسے زبردستی وہ غلام بیچنے پر مجبور کیا جاتا یعنی اس نے خود ہی اسے آزاد کر دیا) تو بلاشبہ اس آزاد کیے جانے والے غلام کی ولاء مسلمانوں کے لیے (مشترکہ) ہوگی،

[1292] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 16228۔ دارمی: 3117۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

أَسْلَمَ الْمُعْتَقُ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ الْيَهُودِيُّ أَوِ النَّصْرَانِيُّ الَّذِي أَعْتَقَهُ، ثُمَّ أَسْلَمَ الَّذِي أَعْتَقَهُ، رَجَعَ إِلَيْهِ الْوَلَاءُ. لِأَنَّهُ قَدْ كَانَ ثَبَتَ لَهُ الْوَلَاءُ يَوْمَ أَعْتَقَهُ.

(کیونکہ) جب وہ آزاد ہوا تو مسلمان تھا اور آقا کافر تھا اور کافر و مسلم میں وراثت نہیں چلتی لہٰذا اس کی ولاء بیت المال کے لیے خاص ہوگئی کیونکہ وہ ولاء غلام کی آزادی کے وقت اس آقا کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے لیے مشترکہ طور پر ثابت ہوگئی تھی اور اب وہ پھر اگر وہی یہودی یا عیسائی (آقا) اس کے بعد خود بھی مسلمان ہو جائے تو یہ ولاء اس کی طرف کبھی نہیں لوٹے گی۔

ولاء نہ کسی اور طرف منتقل ہو سکتی ہے اور نہ کسی خاص مسلمان سے مختص ہو سکتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: لیکن یہودی یا عیسائی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کرے جو انھی کے دین پر ہو، (تو چونکہ آقا اور آزاد کردہ غلام دونوں کافر ہی تھے اس لیے ان کی آپس میں ولاء ثابت ہو جائے گی) پھر وہ آزاد کردہ غلام اسلام لے آئے پہلے اس سے کہ آزاد کرنے والا یہودی یا عیسائی (آقا) اسلام قبول کرتا (تو آقا و غلام کے مابین سلسلہ وراثت جاری ہونے میں اختلاف مذہب کی عارضی رکاوٹ قائم ہوگئی لیکن) پھر وہ شخص بھی مسلمان ہو جائے جس نے آزاد کیا تھا تو ولاء اسی کی طرف لوٹ جائے گی کیونکہ بلاشبہ ولاء تو اسی کے لیے (حالت کفر میں) اسی دن ثابت ہو چکی تھی جب اس نے اسے آزاد کیا تھا۔

فائدہ: ......فتویٰ کے آغاز میں جو ''بیع'' کی بات آئی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کافر شخص کسی مسلمان غلام کو خرید لے یا کافر آقا کا غلام مسلمان ہو جائے تو اسلام کے شرف اور سربلندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ماننے والے پر کوئی کافر غالب نہ رہے لہٰذا اہل اسلام اور مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے کافر آقا کو مجبور کریں کہ وہ اس غلام کو ان کے ہاتھ بیچ دے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا یہی موقف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے، البتہ ان کا مشہور قول یہ ہے کہ کافر شخص کسی مسلمان کو خریدنا چاہے تو یہ خرید و فروخت ہی باطل ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ كَانَ لِلْيَهُودِيِّ أَوِ النَّصْرَانِيِّ وَلَدٌ مُسْلِمٌ وَرِثَ مَوَالِيَ أَبِيهِ الْيَهُودِيِّ أَوِ النَّصْرَانِيِّ، إِذَا أَسْلَمَ الْمَوْلَى الْمُعْتَقُ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ الَّذِي أَعْتَقَهُ، وَإِنْ كَانَ الْمُعْتَقُ حِينَ أُعْتِقَ مُسْلِمًا، لَمْ يَكُنْ لِوَلَدِ النَّصْرَانِيِّ أَوِ الْيَهُودِيِّ الْمُسْلِمَيْنِ مِنْ وَلَاءِ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ شَيْءٌ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْيَهُودِيِّ وَلَا لِلنَّصْرَانِيِّ وَلَاءٌ، فَوَلَاءُ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ لِجَمَاعَةِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر یہودی یا عیسائی آقا کا کوئی مسلمان لڑکا ہو تو وہ اپنے یہودی یا عیسائی باپ کے آزاد کردہ غلاموں کا وارث بنے گا (وہ غلام جو آزادی کے وقت کافر تھے تو یہ مسلمان بیٹا ان غلاموں کی ولاء کا مالک بنے گا بشرطیکہ بعد میں) جب وہ آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والے آقا سے پہلے مسلمان ہوا ہو (لیکن) اگر وہ آزاد کردہ غلام جب آزاد ہوا تو مسلمان تھا تو پھر عیسائی یا یہودی (آقا) کے مسلمان لڑکے کے لیے اس

الْمُسْلِمِينَ .

مسلمان غلام کی کچھ بھی ولاء نہ ہوگی کیونکہ بلاشبہ (مسلمان غلام کی) ولاء نہ تو یہودی (آقا) کے لیے ہوتی ہے اور نہ عیسائی کے لیے، لہٰذا اس مسلمان غلام کی ولاء مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوگی۔

فائدہ: ......یعنی آزادی کے وقت غلام مسلمان ہو اور اس کا آقا کافر ہو تو اس کی ولاء نہ کافر آقا کو ملے گی نہ اس کی اولاد کو، بلکہ بیت المال میں جائے گی، ہاں اس فتویٰ کی پہلی شق کے مطابق اگر آزادی کے وقت آقا اور غلام دونوں کافر ہوں تو ان کی آپس میں ولاء ثابت ہوگی اور اولاد میں بھی منتقل ہوگی، پھر اگر غلام پہلے مسلمان ہو جائے تو ''اختلاف دین'' اس کافر آقا کے لیے رکاوٹ ہوگا، البتہ ولاء چونکہ اس کے لیے ثابت ہو چکی تھی اس لیے اس کی نسل میں مسلمان ہونے والے لڑکے کو مل جائے گی، کافر آقا خود محروم رہے گا اور اس کے آزاد کردہ غلام کا وارث اس کا مسلمان بیٹا بن جائے گا، ہاں اگر یہ آقا پہلے اسلام قبول کرے اور بعد میں غلام مسلمان ہو تو وراثت اسی آقا کے لیے ثابت ہوگی۔

31

كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب غلام کے متعلق مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں تیرہ ابواب اور سات روایات ہیں، جن میں سے دو موقوف (آثار صحابہ) اور پانچ مقطوع (آثار تابعین) ہیں، ان میں سے تین روایات صحیح اور چار ضعیف ہیں، چنانچہ دو موقوف روایات میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے اور پانچ مقطوع روایات میں سے دو صحیح اور تین ضعیف ہیں، یاد رہے کہ اس کتاب کے آٹھ ابواب میں کوئی روایت نہیں ہے، وہ امام مالک رحمہ اللہ کے فتاویٰ پر مشتمل ہیں، نیز اس کتاب میں کوئی مرفوع روایت بھی مذکور نہیں ہے، اس میں امام مالک رحمہ اللہ کے باسٹھ (62) فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... جس غلام سے مخصوص مدت میں مخصوص معاوضے کے بدلے آزادی کا معاہدہ طے پا جائے اسے ''مکاتب غلام'' کہتے ہیں۔ یہ لفظ ''کتابت'' سے ماخوذ ہے، کیونکہ عام طور پر یہ معاہدہ لکھ لیا جاتا تھا۔ اس معاہدے کو ''مکاتبت'' (عہد کتابت، عقد کتابت) معاہدہ کرنے والے آقا کو ''مکاتِب'' (تاء کے نیچے زیر کے ساتھ) اور ایسے غلام کو ''مکاتَب'' (تاء کے زبر کے ساتھ) اور آزادی کے لیے طے شدہ معاوضے کو ''بدل کتابت'' یا ''زر کتابت'' کہتے ہیں۔ بہر حال یہ خاص غلام شمار ہوتے ہیں۔ عام غلام کو ''عبد'' یا کبھی کبھار خادم یا غلام ہی کہتے ہیں اور ان کی آزادی چونکہ کسی معاوضے کے بغیر ہوتی ہے اس لیے عموماً اس کے لیے ''عتق'' کا لفظ بولتے ہیں، مکاتب غلاموں کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں مذکور ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ (النور: 33) ''اور وہ (لونڈیاں اور غلام) کہ تمھارے دائیں ہاتھ جن کے مالک ہیں (ان میں سے جو) مکاتبت کرنا چاہیں، اگر تمھیں ان میں کوئی بھلائی معلوم ہو تو تم ان سے مکاتبت کرو اور تم انھیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمھیں عطا کیا ہے۔'' احادیث میں سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا والی روایت مکاتبت کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔

1- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْمُكَاتَبِ

مکاتب کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف ہے جس کی سند صحیح ہے اور دو مقطوع ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دس فتاویٰ جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

[1293] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ شَيْءٌ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''مکاتب'' غلام ہی رہے گا جب تک کہ اس پر اپنے بدل کتابت میں سے کچھ بھی باقی ہو۔

[1294] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ ، كَانَا يَقُولَانِ : الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ شَيْءٌ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ دونوں فرمایا کرتے تھے کہ ''مکاتب'' غلام ہی رہے گا جب تک کہ اس کے ذمے اس کے زر کتابت میں سے کچھ بھی باقی ہو......

قَالَ مَالِكٌ : وَهُوَ رَأْيِي .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی میری رائے ہے۔

فائدہ: ......ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے یہ فرمان نبوی منقول ہے: ''مکاتب'' غلام ہی رہے گا جب تک کہ اس پر کتابت کی رقم میں سے ایک درہم بھی باقی ہو۔'' (ابــــوداود: 3926، اس کی سند حسن ہے) اس مسئلے کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ''مکاتب'' غلام پر غلاموں جیسے احکامات لاگو ہوں گے یا آزاد افراد جیسے۔ چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ مکاتب جب تک مکمل رقم ادا نہیں کر لیتا اس کو غلام ہی سمجھا جائے گا، لہٰذا نہ اس کی گواہی معتبر ہوگی، نہ اسے رجم کیا جائے گا، نہ اس پر مکمل حد جاری ہوگی، نہ اس کے بدلے آزاد سے قصاص لیا جائے گا اور نہ عورت اس سے پردہ کرے گی......اس مسئلے کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال زیادہ مشہور ہیں: (1) مکمل ادائیگی تک کچھ بھی آزاد نہ ہوگا، (جمہور)۔ (2) ادائیگی کے مطابق آزادی ہوتی چلی جائے گی، (حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم)۔ (3) نصف ادائیگی کے بعد غلامی ختم ہو جائے گی، البتہ باقی رقم واجب

[1293] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب المکاتب، باب بیع المکاتب اذا رضی، قبل از حدیث: 2564- بیهقی: 324/10 (21644)- عبدالرزاق: 15722- ابن ابی شیبه: 20557- شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[1294] (مقطوع ضعیف) بیهقی: 324/10 (21645)- ابن ابی شیبه: 20560- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

الاداء رہے گی۔ (4) تین چوتھائی رقم ادا کرنے کے بعد وہ عاجز آجائے تو پھر بھی آزاد ہو جائے گا۔ (5) اگر اس کے پاس بدل کتابت موجود ہو تو خواہ وہ ادا نہ بھی کرے پھر بھی آزاد ہی شمار ہوگا...... ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ حیثیت کے اعتبار سے وہ غلام ہی شمار ہوگا، جیسا کہ جمہور کا موقف ہے اور واقعی اس پر زیادہ تر احکام غلاموں والے ہی لاگو ہوں گے لیکن وہ بعض احکامات میں ادائیگی کے مطابق آزاد شمار ہوگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مکاتب قتل کر دیا جائے تو وہ جتنا بدل کتابت ادا کر چکا ہو اس کے اتنے حصے کی دیت آزاد شخص جیسی ادا کی جائے گی اور جس قدر ادائیگی باقی ہے اتنے حصے کی دیت غلام جیسی ادا کی جائے گی۔'' (ابوداود: 4581، ترمذی: 1259، نسائی: 4812، اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح اس پر حدود کے جاری ہونے اور اس کے وراثت پانے کے معاملات ہیں۔ (ابوداود: 4582، ترمذی: 1259، اس کی سند حسن ہے) ہاں اگر یہ مکاتب غلام مکمل رقم ادا کرنے سے عاجز آجائے تو وہ دوبارہ پھر مکمل غلامی میں لوٹ آئے گا۔ (ابوداود: 3927، ترمذی: 1260، ابن ماجہ: 2519، اس کی سند حسن ہے)

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا یہی موقف ہے اور یہی راجح ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مکمل ادائیگی سے پہلے مکاتب مر جائے تو خواہ ادائیگی کے بقدر مال موجود ہو یا نہ ہو، وہ ہر صورت میں غلام ہی شمار ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ هَلَكَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ مَالًا أَكْثَرَ مِمَّا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ، وَلَهُ وَلَدٌ وُلِدُوا فِي كِتَابَتِهِ، أَوْ كَاتَبَ عَلَيْهِمْ، وَرِثُوا مَا بَقِيَ مِنَ الْمَالِ بَعْدَ قَضَاءِ كِتَابَتِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر مکاتب ہلاک ہو جائے اور اس قدر مال چھوڑ کر جائے جو اس کے باقی ماندہ بدل کتابت سے بھی زیادہ ہو اور اس کے کچھ بچے اس کے (عقد کتابت کے بعد) دور مکاتبت میں پیدا ہوں یا (وہ پیدا تو پہلے ہی ہو گئے تھے لیکن) اس نے ان پر بھی مکاتبت کی تھی (اور طے شدہ رقم کی ادائیگی کے بعد وہ بھی آزاد ہونے والے تھے) تو اس کے بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد جس قدر (ترکے کا) مال بچ جائے گا یہ بچے اس کے وارث بن جائیں گے۔

[1295] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ : أَنَّ مُكَاتَبًا كَانَ لِابْنِ الْمُتَوَكِّلِ هَلَكَ بِمَكَّةَ، وَتَرَكَ عَلَيْهِ بَقِيَّةً مِنْ كِتَابَتِهِ وَدُيُونًا لِلنَّاسِ، وَتَرَكَ ابْنَتَهُ، فَأَشْكَلَ عَلَى عَامِلِ مَكَّةَ الْقَضَاءُ فِيهِ، فَكَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَكَتَبَ

حمید بن قیس مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن متوکل کا ایک مکاتب غلام (عباد) مکہ میں مر گیا اور اپنے بدل کتابت میں سے کچھ باقی ماندہ اپنے ذمے چھوڑ گیا (اور مکمل ادائیگی نہ کر سکا) اور (اپنے اوپر) لوگوں کے قرضے بھی اور ایک بیٹی بھی پیچھے چھوڑ گیا، تو مکہ کے امیر پر اس کے متعلق فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آئی، چنانچہ اس نے عبدالملک بن

[1295] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 392/8 (15659)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

إِلَيْـهِ عَبْدُ الْمَلِكِ : أَنِ ابْدَأْ بِدُيُونِ النَّاسِ ، ثُمَّ اقْـضِ مَـا بَـقِيَ مِنْ كِتَابَتِهِ ، ثُمَّ اقْسِمْ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ بَيْنَ ابْنَتِهِ وَمَوْلاهُ .

مروان (خلیفہ وقت) کی طرف (ملک شام میں پیغام) لکھ بھیجا، وہ ان سے اس بارے میں سوال کر رہا تھا تو عبدالملک بن مروان نے اس کی طرف یہ (جواب) لکھا کہ لوگوں کے قرضوں کے ساتھ ابتدا کرو (میت کے ترکے سے سب سے پہلے قرضے اتارو)، پھر اس کے بدل کتابت میں سے جو کچھ باقی ہے وہ ادا کرو، پھر اس کے مال میں سے جو کچھ بھی بچ رہے اسے اس کی بیٹی اور آقا کے درمیان (نصف نصف) تقسیم کر دو۔

فائدہ : ......کیونکہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء: 11) ''اور اگر وہ (وارث صرف) ایک بیٹی ہو تو اس کے لیے (ترکے کا) نصف ہے۔'' نیز جب میت کے ورثاء میں سے کوئی عصبہ نہ ہو تو آزاد کرنے والا آقا (عصبہ سببی) باقی ماندہ مال لے لیتا ہے۔ عصبہ اس وارث کو کہتے ہیں جو مقرر شدہ حصوں والے ورثاء جنھیں ''اصحاب الفرائض'' کہتے ہیں، کی عدم موجودگی میں سارا مال لے اور ان کی موجودگی میں باقی بچا ہوا مال لے۔ مذکورہ صورت میں اصحاب الفرائض میں سے بیٹی کو نصف مال ملا اور باقی ماندہ نصف آقا لے گا لیکن قرضے اور بدل کتابت کے بعد۔

قَـالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى سَيِّدِ الْـعَبْـدِ أَنْ يُكَاتِبَهُ إِذَا سَأَلَهُ ذَلِكَ ، وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ أَحَـداً مِـنَ الأَئِـمَّةِ أَكْـرَهَ رَجُلاً عَلَـى أَنْ يُـكَـاتِـبَ عَبْـدَهُ ، وَقَـدْ سَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْـعِـلْـمِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ ، فَقِيلَ لَهُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ : ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْراً﴾ [النور : 33] يَتْلُو هَاتَيْنِ الآيَتَيْنِ : ﴿وَإِذَا حَـلَـلْـتُـمْ فَاصْطَادُوا﴾ [المائدة : 2] ، ﴿فَـإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ [الجمعة : 10] .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ غلام کے آقا پر یہ لازم نہیں کہ وہ اپنے غلام کو مکاتب بنائے جس وقت کہ وہ غلام اس سے اس (عقد کتابت) کا مطالبہ کر رہا ہو، اور میں نے یہ نہیں سنا کہ ائمہ (محدثین) میں سے کسی ایک نے بھی کسی شخص کو اس کے غلام کے سوال کرنے کی بنا پر مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کو (ضرور ہی) مکاتب بنا دے، اور میں نے تو بعض اہل علم کو سنا کہ جب ان سے اس بارے میں پوچھتے ہوئے کہا گیا کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ تو اپنی کتاب میں یہ فرماتے ہیں: ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾ (النور: 33) ''اگر تمھیں ان (غلاموں) میں کوئی بھلائی معلوم ہو تو ان سے مکاتبت کر لو۔'' تو وہ سائل کے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت کرتے: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (المائدۃ: 2) ''اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر لو۔'' اور ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعۃ: 10) ''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔''

فائدہ: ......دراصل سائل نے یہ کہنا چاہا تھا کہ ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ﴾ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے لہٰذا اگر غلام کی طرف سے مکاتبت کا سوال ہو تو اسے مکاتب بنانا واجب معلوم ہوتا ہے تو اس عالم نے جواب میں دو آیات ذکر کیں جن میں امر ہی کے صیغے استعمال کر کے احرام کے بعد شکار کرنے اور جمعہ کے بعد زمین میں پھیل کر روزی کمانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو جس طرح ان دونوں آیات میں امر کا صیغہ وجوب کا فائدہ نہیں دے رہا، شکار کرنے اور جمعہ کے بعد روزی کمانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ جوازی ہے تو اسی طرح مکاتبت کا حکم بھی جوازی ہے...... دراصل امر کا صیغہ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک کا نام ''اباحت'' ہے جس میں انداز امر کا ہوتا ہے لیکن مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر تم یہ کام کرنا چاہو تو کر سکتے ہو تمھیں اس کی اجازت ہے...... داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے ہے، عطاء رحمہ اللہ بھی اسے وجوبی حکم سمجھتے تھے اور وہ بیان کرتے تھے کہ سیرین رحمہ اللہ (جو کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے والد تھے اور یہی غلام تھے) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کا سوال کر دیا، ان کے پاس کافی مال تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، چنانچہ سیرین رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بلا لیا اور حکماً کہا کہ اس کو مکاتب بنا دو، وہ نہ مانے تو انھوں نے انھیں کوڑے سے مارا اور یہی آیت تلاوت کی، چنانچہ انھوں نے سیرین رحمہ اللہ کو مکاتب بنا دیا۔ (بخاری، قبل از حدیث: 2560) بہرحال یہ واقعہ مکاتبت کا وجوب ثابت نہیں کرتا۔ صاحب اختیار لوگ تو بعض اوقات فضائل کو اپنانے اور ان کا عادی بنانے کے لیے بھی سختی سے کام لے لیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس حوالے سے کافی مشہور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا ذَلِكَ أَمْرٌ أَذِنَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ لِلنَّاسِ ، وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِمْ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی امر کا صیغہ ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں لوگوں کو اجازت دی ہے۔ یہ امر ان کے لیے واجب قرار نہیں دیا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَسَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ فِي قَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ﴾ [النور : 33] إِنَّ ذَلِكَ أَنْ يُكَاتِبَ الرَّجُلُ غُلَامَهُ ، ثُمَّ يَضَعُ عَنْهُ مِنْ آخِرِ كِتَابَتِهِ شَيْئاً مُسَمًّى .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بعض اہل علم کو سنا: وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: ﴿وَآتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتَاكُمْ﴾ (النور: 33) ''اور انھیں اللہ کے اس مال میں سے کچھ دو جو اس نے تمھیں عطا کیا ہے۔'' کی تفسیر میں فرما رہے تھے کہ یقیناً اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام کو مکاتب بنا دے، پھر اس کے بدل کتابت کے آخر میں کچھ مقرر حصہ اس سے معاف کر دے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَهَذَا الَّذِي سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پس یہی وہ سب سے اچھا قول

الْعِلْمِ وَأَدْرَكْتُ عَمَلَ النَّاسِ عَلَى ذَلِكَ عِنْدَنَا .

ہے جو میں نے اہل علم سے سنا ہے اور میں نے اپنے ہاں (مدینہ میں) لوگوں کے عمل کو اس کے مطابق پایا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَاتَبَ غُلَامًا لَهُ عَلَى خَمْسَةٍ وَثَلَاثِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، ثُمَّ وَضَعَ عَنْهُ مِنْ آخِرِ كِتَابَتِهِ خَمْسَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام سے پینتیس ہزار (3500) درہم کے عوض مکاتبت کی، پھر اس کے بدل کتابت کے اخیر میں اس کو پانچ ہزار درہم معاف کر دیے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا : أَنَّ الْمُكَاتَبَ إِذَا كَاتَبَهُ سَيِّدُهُ تَبِعَهُ مَالُهُ، وَلَمْ يَتْبَعْهُ وَلَدُهُ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهُمْ فِي كِتَابَتِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک جب مکاتب غلام سے اس کا آقا مکاتبت کرے گا تو اس کا مال اس کے پیچھے جائے گا۔ (آقا اس کا مال اپنے پاس نہ روکے گا) اور اولاد اس کے ساتھ نہیں جائے گی (بلکہ وہ اس کے آقا کی غلامی ہی میں رہے گی) الا یہ کہ وہ (مکاتب غلام) اپنے عقد مکاتبت میں ان (کو بھی اپنے ساتھ لے جانے) کی شرط لگا لے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الْمُكَاتَبِ يُكَاتِبُهُ سَيِّدُهُ، وَلَهُ جَارِيَةٌ بِهَا حَبَلٌ مِنْهُ، لَمْ يَعْلَمْ بِهِ هُوَ وَلَا سَيِّدُهُ يَوْمَ كِتَابَتِهِ، فَإِنَّهُ لَا يَتْبَعُهُ ذَلِكَ الْوَلَدُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ فِي كِتَابَتِهِ، وَهُوَ لِسَيِّدِهِ، فَأَمَّا الْجَارِيَةُ فَإِنَّهَا لِلْمُكَاتَبِ لِأَنَّهَا مِنْ مَالِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب کے متعلق فرمایا جس سے اس کا آقا مکاتبت کرلے اس حال میں کہ اس مکاتب غلام کی ایک لونڈی ہو۔ جس کو اس (مکاتب کے نطفے) سے حمل ٹھہرا ہوا ہو، لیکن عقد مکاتبت والے دن اس کا علم نہ تو مکاتب کو ہو اور نہ آقا کو معلوم ہو، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا کہ) بلاشبہ یہ بچہ مکاتب کے پیچھے (اس کے ساتھ) نہ جائے گا (بلکہ اس کے آقا کی ملکیت میں رہے گا) کیونکہ وہ بچہ عقد کتابت میں داخل نہ تھا اور (اس لیے) وہ اس کے آقا ہی کے لیے ہوگا، رہی (مکاتب کی) لونڈی تو بلاشبہ وہ مکاتب غلام ہی کے لیے ہوگی کیونکہ وہ اس کے مال میں شامل ہے۔

فائدہ: ...... یہ مسئلہ پیچھے کتاب العتق کے چوتھے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ آزادی کے وقت غلام کا مال اس کے ساتھ جاتا ہے اور اولاد نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ وَرِثَ مُكَاتَباً مِنِ امْرَأَتِهِ هُوَ وَابْنُهَا : إِنَّ الْمُكَاتَبَ إِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ كِتَابَتَهُ اقْتَسَمَا مِيرَاثَهُ عَلَى كِتَابِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی (فوت ہونے والی) بیوی کی وراثت میں ایک مکاتب غلام پاتا ہے، خاوند اور اس (میت) کا بیٹا (دونوں ہی اس مکاتب کو

اللّٰہِ ، وَإِنْ أَدَّی کِتَابَتَهُ ، ثُمَّ مَاتَ ، فَمِیرَاثُهُ لِابْنِ الْمَرْأَةِ ، وَلَیْسَ لِلزَّوْجِ مِنْ مِیرَاثِهِ شَیْءٌ .

وراثت میں پاتے ہیں، اس مکاتب کی آقا مرچکی ہے اور بدل کتابت) کی ادائیگی جاری ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ یہ مکاتب غلام بھی اگر اپنا بدل کتابت پورا ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ دونوں (میت کا خاوند اور بیٹا) اس مکاتب کی وراثت کو کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کریں گے، (کیونکہ جب وہ مرا تو اس کی حیثیت غلام ہی کی تھی لہٰذا وہ عورت کے ترکے کا ایک حصہ شمار ہوگا اور قرآن مجید میں بیان کردہ اصول کے تحت خاوند کو اسی غلام کی وراثت کا ایک چوتھائی حصہ ملے گا اور بیٹا چونکہ عصبہ ہے لہٰذا باقی ماندہ تین چوتھائی مال وہ لے گا۔) اور اگر وہ مکاتب غلام اپنا (مکمل) بدل کتابت ادا کردے، پھر فوت ہو جائے تو اس کی وراثت (صرف اور صرف) عورت کے بیٹے کے لیے ہوگی، خاوند کے لیے اس کی میراث میں سے کچھ نہیں ہوگا۔

فائدہ :..... کیونکہ جب مکاتب غلام طے شدہ رقم ادا کر کے آزاد ہوگیا تو وہ مرنے والی عورت کا مال نہ رہا بلکہ اس کا مولی یعنی آزاد کردہ غلام بن گیا اور اس کی ولاء عورت کے لیے ثابت ہوگئی اور ولاء میں آزاد کرنے والے آقا کے بیٹے تو حقدار ہوتے ہیں، میت کے خاوند کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بالفاظ دیگر آزاد کردہ غلام کی ولاء معتق (آزاد کرنے والے) کو ملتی ہے اور وہ موجود نہ ہو تو معتق کے عصبہ کو ملتی ہے اور بیٹا تو عصبہ ہوتا ہے جبکہ خاوند ''عصبات'' میں شامل نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يُكَاتِبُ عَبْدَهُ قَالَ : يُنْظَرُ فِي ذَلِكَ ، فَإِنْ كَانَ إِنَّمَا أَرَادَ الْمُحَابَاةَ لِعَبْدِهِ ، وَعُرِفَ ذَلِكَ مِنْهُ بِالتَّخْفِيفِ عَنْهُ ، فَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ ، وَإِنْ كَانَ إِنَّمَا كَاتَبَهُ عَلَى وَجْهِ الرَّغْبَةِ ، وَطَلَبِ الْمَالِ ، وَابْتِغَاءِ الْفَضْلِ وَالْعَوْنِ عَلَى كِتَابَتِهِ ، فَذَلِكَ جَائِزٌ لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے بارے میں فرمایا جو (خود بھی ایک غلام کا مالک ہے اور وہ بھی) اپنے غلام کو مکاتب بنا دیتا ہے، (تو امام صاحب نے فرمایا:) اس بارے میں دیکھا جائے گا، چنانچہ اگر تو اس مکاتب نے اپنے غلام پر صرف اور صرف عطیہ کرنے کا ارادہ کیا ہو اور یہ بات اس (مکاتب) سے معلوم بھی ہو جائے (اس طرح کہ وہ) اس سے تخفیف کردے (اور اس کے اصل بھاؤ سے کم قیمت مقرر کرے) تو یہ جائز نہیں ہے (کیونکہ اسے چاہیے کہ پہلے اپنی گردن تو چھڑا لے اور خود تو بدل کتابت ادا کر دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مکاتب اپنے غلام کو آزاد کردینے کے بعد خود کنگال ہو جائے اور عاجز آ جائے اور معاہدہ کتابت ختم ہو کر دوبارہ غلامی میں لوٹ آئے ہاں البتہ) اگر اس نے (اپنے مفاد اور آزادی میں) رغبت، مال کی طلب، زائد رقم کی تلاش اور اپنے بدل کتابت میں تعاون کے لیے اپنے غلام سے مکاتبت کی ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔

فائدہ :..... مکاتب غلام کو عقد مکاتبت کے بعد اپنے مال میں تصرف کرنے کا اختیار ہے لیکن اس قدر نہیں

کہ وہ اپنا سارا مال ہی ضائع کر بیٹھے اور بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز آ جائے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ وَطِئَ مُكَاتَبَةً لَهُ: إِنَّهَا إِنْ حَمَلَتْ فَهِيَ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَتْ كَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ، وَإِنْ شَاءَتْ قَرَّتْ عَلَى كِتَابَتِهَا، فَإِنْ لَمْ تَحْمِلْ فَهِيَ عَلَى كِتَابَتِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی مکاتب لونڈی کے ساتھ مباشرت کر لیتا ہے (حالانکہ یہ جائز نہیں، لیکن اسے علم نہ تھا، تو امام صاحب نے فرمایا:) بلاشبہ اگر اسے حمل ٹھہر جائے تو وہ اختیار رکھتی ہے کہ چاہے تو ام ولد لونڈی بن جائے (جو بغیر کچھ خرچ کیے اپنے آقا کی وفات کے بعد خود بخود آزاد ہو جائے گی) اور اگر چاہے تو اپنے عقد مکاتبت پر جاری رہے، ہاں اگر وہ حاملہ نہ ہو تو وہ اپنی مکاتبت پر ہی رہے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ: إِنَّ أَحَدَهُمَا لاَ يُكَاتِبُ نَصِيبَهُ مِنْهُ، أَذِنَ لَهُ بِذَلِكَ صَاحِبُهُ أَوْ لَمْ يَأْذَنْ، إِلاَّ أَنْ يُكَاتِبَاهُ جَمِيعاً، لأَنَّ ذَلِكَ يَعْقِدُ لَهُ عِتْقاً، وَيَصِيرُ إِذَا أَدَّى الْعَبْدُ مَا كُوتِبَ عَلَيْهِ إِلَى أَنْ يَعْتِقَ نِصْفُهُ، وَلاَ يَكُونُ عَلَى الَّذِي كَاتَبَ بَعْضَهُ أَنْ يَسْتَتِمَّ عِتْقَهُ، فَذَلِكَ خِلاَفُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ أَعْتَقَ شِرْكاً لَهُ فِي عَبْدٍ: قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ متفقہ حکم ہے کہ وہ غلام جو دو شخصوں کے درمیان (مشترک) ہو تو بلاشبہ ان میں سے ایک شخص غلام میں اپنے حصے کو مکاتب نہیں بنا سکتا، خواہ اس کا ساتھی اسے اجازت دے یا نہ دے، الا یہ کہ وہ دونوں اکٹھے ہی اس (پورے) غلام کو مکاتب بنا دیں کیونکہ یہ (عہد کتابت) اس غلام کے لیے آزادی منعقد کر دیتا ہے اور (ایک حصے کی مکاتبت کی صورت میں) صورت حال یوں بن جائے گی کہ جب غلام اس رقم کو ادا کرے گا جس پر اس سے مکاتبت کی گئی ہو تو اس کا نصف حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے کچھ حصے کو مکاتب بنانے والے پر یہ لازم نہیں آ رہا کہ وہ اس کی آزادی کو مکمل کرے تو یہی چیز رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے خلاف ہے: ((مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهٗ فِي عَبْدٍ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيْمَةَ الْعَدْلِ)) ''جس شخص نے کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو اس کے ذمے پورے غلام کی انصاف والی قیمت لگائی جائے گی۔'' (تاکہ وہ اپنے شریکوں کے حصے ادا کر دے اور وہ غلام اس کی جانب سے آزادی پا لے، جبکہ مذکورہ صورت میں ایک آقا اپنے حصے کو بذریعہ مکاتبت آزاد کر دیتا ہے لیکن دوسرے حصے کو اپنے ذمے نہیں لیتا، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے، اب فیصلہ یہی ہے کہ یا تو دونوں آقا مل کر اس غلام سے مکاتبت کریں یا کوئی بھی نہ کرے)......

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ جَهِلَ ذَلِكَ حَتَّى يُؤَدِّيَ الْمُكَاتَبُ، أَوْ قَبْلَ أَنْ يُؤَدِّيَ رَدَّ إِلَيْهِ الَّذِي كَاتَبَهُ مَا قَبَضَ مِنَ الْمُكَاتَبِ فَاقْتَسَمَهُ هُوَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پھر اگر ایک آقا اس مسئلے سے جاہل رہا یہاں تک کہ مکاتب غلام نے (اپنے ایک حصے کا مکمل) بدل کتابت ادا کر دیا یا (مکمل) ادا کرنے سے پہلے

وَشَرِيكُهُ عَلَى قَدْرِ حِصَصِهِمَا، وَبَطَلَتْ كِتَابَتُهُ، وَكَانَ عَبْداً لَهُمَا عَلَى حَالِهِ الأُولَى.

(تک جاہل رہا یعنی کل بدل کتابت وصول کر لیا یا بعض، پھر اسے یہ مسئلہ معلوم ہوگیا) تو مکاتبت کرنے والا آقا اس (دوسرے شریک) کی طرف وہ رقم لوٹا دے گا جو اس نے مکاتب غلام سے وصول کی ہے، چنانچہ وہ اور اس کا شریک اپنے اپنے حصوں کے حساب سے اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے (کیونکہ وہ دونوں کا مشترکہ غلام ہے اور یہ بدل کتابت جو اس نے کما کر دیا ہے، اس کی حیثیت عام کمائی جیسی ہے جس میں وہ دونوں شریک ہوں گے) اور مکاتبت باطل ہو جائے گی اور وہ پہلے کی طرح دونوں کا غلام ہی رہے گا۔

فائدہ: ...... امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر شریک اجازت دے دے تو پھر ایک حصے کی کتابت جائز ہے لیکن راجح قول امام مالک رحمہ اللہ ہی کا ہے کیونکہ (1) عام غلام اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتا، جبکہ مکاتب غلام کو تصرف کا اختیار ہے، تو اب جس غلام کا کچھ حصہ مکاتب ہو اور کچھ نہ ہو تو اس میں دو متضاد امور جمع ہونا لازم آئے گا، لہٰذا وہ عقد ہی باطل ہے جو متضاد نتائج کا حامل ہو۔ (2) عقد کتابت میں الگ الگ حصے اور ٹکڑے نہیں ہو سکتے، چنانچہ جس طرح یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص جو اکیلا ہی ایک غلام کا مالک ہو اور وہ اس کا کچھ حصہ مکاتب بنائے اور کچھ کو خالص غلامی میں چھوڑ دے تو اسی طرح مشترکہ غلام میں بھی یہ عمل ناجائز ہے۔ (3) امام مالک رحمہ اللہ نے اس عقد اور معاہدے کے باطل ہونے کی دلیل یہ بتائی ہے کہ اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: (الف) مکاتبت ایک عہد عتق یعنی آزادی کا معاہدہ ہے اور عہد عتق میں تبعیض (حصے اور ٹکڑے ہونا) ناجائز ہے کہ کچھ حصہ آزاد ہو اور کچھ غلام، لہٰذا مذکورہ صورت ہی ناجائز ہے۔ (ب) اس تبعیض کا ایک حل تقویم (قیمت لگایا جاتا) ہے، چنانچہ احادیث کی روشنی میں جس غلام کا کوئی حصہ آزاد کر دیا جائے تو باقی حصوں کی قیمت لگا کر آزاد کرنے والے کے ذمے ڈال دی جاتی ہے اور غلام کو آزادی مل جاتی ہے لیکن وہ قیمت کا لگایا جانا ایسی آزادی کے موقع پر ہوتا ہے جو بغیر معاوضے کے ہو جبکہ مذکورہ صورت میں غلام کو اپنے ایک حصے کی جو آزادی مل رہی ہے وہ معاوضے کے ساتھ ہے، لہٰذا یہ بھی درست نہیں کہ آزاد کرنے والے کے ذمے اس کے شریک کے حصے کی قیمت عائد کی جائے، لہٰذا یہ عقد و معاہدہ ہی باطل ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُكَاتَبٍ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، فَأَنْظَرَهُ أَحَدُهُمَا بِحَقِّهِ الَّذِي عَلَيْهِ، وَأَبَى الآخَرُ أَنْ يُنْظِرَهُ، فَاقْتَضَى الَّذِي أَبَى أَنْ يُنْظِرَهُ بَعْضَ حَقِّهِ، ثُمَّ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ مَالاً لَيْسَ فِيهِ وَفَاءٌ مِنْ كِتَابَتِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان میں ہو (دونوں مشترک طور پر اس کے نصف نصف کے مالک ہوں اور دونوں نے اس سے مکاتبت کر لی ہو)، پھر ان میں سے ایک نے تو اسے مہلت دے دی، اپنے اس حق (کی وصولی) میں جو اس کا غلام

کے ذمے تھا اور دوسرے شریک نے اسے مہلت دینے سے انکار کر دیا، پھر جس شریک نے اسے مہلت دینے سے انکار کیا تھا اس نے اپنا کچھ حق حاصل کر لیا، پھر مکاتب غلام مر گیا اور وہ اتنا مال چھوڑ گیا جس میں اس کے بدل کتابت کی مکمل ادائیگی نہیں ہو سکتی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ : يَتَحَاصَّانِ بِقَدْرِ مَا بَقِيَ لَهُمَا عَلَيْهِ ، يَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقَدْرِ حِصَّتِهِ ، فَإِنْ تَرَكَ الْمُكَاتَبُ فَضْلاً عَنْ كِتَابَتِهِ ، أَخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا بَقِيَ مِنَ الْكِتَابَةِ ، وَكَانَ مَا بَقِيَ بَيْنَهُمَا بِالسَّوَاءِ ، فَإِنْ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ وَقَدِ اقْتَضَى الَّذِي لَمْ يُنْظِرْهُ أَكْثَرَ مِمَّا اقْتَضَى صَاحِبُهُ ، كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ ، وَلاَ يَرُدُّ عَلَى صَاحِبِهِ فَضْلَ مَا اقْتَضَى ، لأَنَّهُ إِنَّمَا اقْتَضَى الَّذِي لَهُ بِإِذْنِ صَاحِبِهِ ، وَإِنْ وَضَعَ عَنْهُ أَحَدُهُمَا الَّذِي لَهُ ، ثُمَّ اقْتَضَى صَاحِبُهُ بَعْضَ الَّذِي لَهُ عَلَيْهِ ، ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا ، وَلاَ يَرُدُّ الَّذِي اقْتَضَى عَلَى صَاحِبِهِ شَيْئاً ، لأَنَّهُ إِنَّمَا اقْتَضَى الَّذِي لَهُ عَلَيْهِ ، وَذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الدَّيْنِ لِلرَّجُلَيْنِ بِكِتَابٍ وَاحِدٍ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ ، فَيُنْظِرُهُ أَحَدُهُمَا ، وَيَشِحُّ الآخَرُ فَيَقْتَضِي بَعْضَ حَقِّهِ ، ثُمَّ يُفْلِسُ الْغَرِيمُ ، فَلَيْسَ عَلَى الَّذِي اقْتَضَى أَنْ يَرُدَّ شَيْئاً مِمَّا أَخَذَ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں شریک اپنے اپنے اس حق کے بقدر حصہ وصول کریں گے جو ان دونوں کا غلام کے ذمے باقی تھا، ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصے کے برابر ہی لے گا، (چنانچہ مہلت دینے والے نے چونکہ ابھی کچھ بھی وصول نہ کیا تھا اور غلام کے ذمے اس کا زیادہ حق باقی تھا، لہٰذا وہ زیادہ وصول کرے گا اور مہلت دینے والے نے مکاتب کی زندگی ہی میں کچھ حصہ لے لیا تھا اور غلام کے ذمے اس کا تھوڑا حق تھا اس لیے اسے تھوڑا حصہ ہی ملے گا)، ہاں اگر مکاتب غلام نے اپنے بدل کتابت سے بھی زائد ترکہ چھوڑا ہو تو دونوں میں سے ہر ایک (پہلے تو) اپنا اپنا باقی ماندہ بدل کتابت وصول کریں گے، پھر جو مال باقی بچ جائے گا، وہ دونوں میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔ (رہی یہ صورت کہ) اگر مکاتب غلام (مرنے سے پہلے بدل کتابت کی ادائیگی سے) عاجز آ جائے اور جس شریک نے اسے مہلت نہیں دی تھی وہ زیادہ حق وصول کر چکا ہو، بہ نسبت اس کے جو اس کے ساتھی (مہلت دینے والے) نے وصول کیا ہو تو (مکاتب دوبارہ مکمل غلامی میں لوٹ آئے گا اور) وہ غلام دونوں کے درمیان (پہلے کی طرح) آدھا آدھا رہے گا اور وہ (مہلت نہ دینے والا شریک) اپنے حاصل کردہ زائد مال کو اپنے شریک پر نہیں لوٹائے گا کیونکہ اس نے تو وہی کچھ حاصل کیا تھا جو اس کا حق تھا (اور) اپنے ساتھی کی اجازت سے (ہی حاصل کیا تھا، کیونکہ دونوں نے مل کر باہمی رضا مندی سے مکاتبت کی تھی، نیز خسارہ بھی تو کسی کو نہیں ہوا، دونوں کو نصف نصف غلام دوبارہ مل چکا ہے، البتہ مہلت نہ دینے والے نے ذرا زیادہ کمائی کر لی اور مہلت دینے والے نے اپنی خوشی سے غلام کو زیادہ مجبور نہیں

کیا)......اور اگر (ایسا ہو کہ) ان دونوں آقاؤں میں سے ایک آقا غلام کو وہ حق معاف کر دے جو اس کا اس پر ہے، پھر اس کا دوسرا ساتھی اپنا کچھ حق وصول کر لے جو کہ اس کا غلام پر تھا۔ بعد ازاں وہ (مکاتب غلام اپنے دوسرے آقا کے بدل کتابت کی مکمل ادائیگی سے) عاجز آ جائے تو وہ دونوں کے درمیان ہوگا (دونوں نصف نصف کے مالک رہیں گے کیونکہ ابھی سلسلہ مکاتبت جاری تھا اور پہلے آقا کے بدل کتابت کی معافی نے اسے ابھی آزاد نہیں کیا تھا، لہٰذا عاجز آ جانے کی صورت میں وہ پھر پہلے کی طرح دونوں کی مشترکہ ملکیت میں لوٹ آئے گا) اور جس نے وصولی کر لی تھی وہ (اس میں سے) کچھ بھی اپنے ساتھی پر نہ لوٹائے گا، کیونکہ اس نے تو بلاشبہ وہی کچھ وصول کیا تھا جو اس کا غلام کے ذمے حق تھا، اور یہ معاملہ اس قرضے کی طرح ہے جو دو آدمیوں کا ہو (اور) کسی ایک ہی شخص کے ذمے ایک ہی تحریر دستاویز، اسٹام کے ساتھ ہو، پھر ان میں سے ایک تو (مقروض کو) مہلت دے دے اور دوسرا بخل وحرص سے کام لے (اور مہلت نہ دے) اور اپنا کچھ حق (یعنی قرضہ واپس) لے لے پھر، وہ مقروض مفلس ہو جائے تو جس قرض خواہ نے اپنا کچھ حصہ وصول کر لیا تھا اس پر کچھ لازم نہیں کہ وہ جو کچھ وصول کر چکا ہے اس میں سے کچھ اپنے شریک پر لوٹائے۔

2- بَابٌ: اَلْحَمَالَةُ فِي الْكِتَابَةِ

مکاتبت میں ضمانت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الْعَبِيدَ إِذَا كُوتِبُوا جَمِيعاً كِتَابَةً وَاحِدَةً ، فَإِنَّ بَعْضَهُمْ حُمَلَاءُ عَنْ بَعْضٍ ، وَإِنَّهُ لَا يُوضَعُ عَنْهُمْ لِمَوْتِ أَحَدِهِمْ شَيْءٌ ، وَإِنْ قَالَ أَحَدُهُمْ : قَدْ عَجَزْتُ . وَأَلْقَى بِيَدَيْهِ ، فَإِنَّ لأَصْحَابِهِ أَنْ يَسْتَعْمِلُوهُ فِيمَا يُطِيقُ مِنَ الْعَمَلِ ، وَيَتَعَاوَنُونَ بِذَلِكَ فِي كِتَابَتِهِمْ حَتَّى يَعْتِقَ بِعِتْقِهِمْ إِنْ عَتَقُوا ، وَيَرِقَّ بِرِقِّهِمْ إِنْ رَقُّوا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ بے شک جب کئی غلاموں سے اکٹھی مکاتبت کی گئی ہو) تو بلاشبہ ان میں سے بعض بعض کے ضامن ہوں گے اور ان میں سے کسی کے مرنے کی وجہ سے ان سے کچھ بھی کم نہ کیا جائے گا، پھر اگر ان میں سے کوئی یہ کہے کہ میں تو عاجز آ چکا ہوں اور اپنے ہاتھ (پاؤں) چھوڑ بیٹھے تو بلاشبہ اس کے ساتھیوں کے لیے جائز ہے کہ اس سے اتنا کام کرواتے رہیں جس کی وہ طاقت رکھتا ہو اور وہ اس (سے کرائی گئی مزدوری) کے ساتھ اپنے بدل کتابت میں تعاون حاصل کر لیں، یہاں تک کہ اگر وہ (باقی) سب آزاد ہوں گے تو ان کی آزادی کے ساتھ ہی یہ (عاجز آنے والا) بھی آزاد ہو جائے گا اور اگر وہ سب (عاجز آ کر) غلام ہی رہے تو ان کی غلامی کے ساتھ یہ بھی غلام ہی رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا كَاتَبَهُ سَيِّدُهُ، لَمْ يَنْبَغِ لِسَيِّدِهِ أَنْ يَتَحَمَّلَ لَهُ بِكِتَابَةِ عَبْدِهِ أَحَدٌ، إِنْ مَاتَ الْعَبْدُ أَوْ عَجَزَ، وَلَيْسَ هَذَا مِنْ سُنَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِنْ تَحَمَّلَ رَجُلٌ لِسَيِّدِ الْمُكَاتَبِ بِمَا عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ، ثُمَّ اتَّبَعَ ذَلِكَ سَيِّدُ الْمُكَاتَبِ قِبَلَ الَّذِي تَحَمَّلَ لَهُ أَخَذَ مَالَهُ بَاطِلاً، لاَ هُوَ ابْتَاعَ الْمُكَاتَبَ، فَيَكُونَ مَا أُخِذَ مِنْهُ مِنْ ثَمَنِ شَيْءٍ هُوَ لَهُ، وَلاَ الْمُكَاتَبُ عَتَقَ فَيَكُونَ فِي ثَمَنِ حُرْمَةٍ ثَبَتَتْ لَهُ، فَإِنْ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ رَجَعَ إِلَى سَيِّدِهِ، وَكَانَ عَبْداً مَمْلُوكاً لَهُ، وَذَلِكَ أَنَّ الْكِتَابَةَ لَيْسَتْ بِدَيْنٍ ثَابِتٍ يُتَحَمَّلُ لِسَيِّدِ الْمُكَاتَبِ بِهَا، إِنَّمَا هِيَ شَيْءٌ إِنْ أَدَّاهُ الْمُكَاتَبُ عَتَقَ، وَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَمْ يُحَاصَّ الْغُرَمَاءَ سَيِّدُهُ بِكِتَابَتِهِ، وَكَانَ الْغُرَمَاءُ أَوْلَى بِذَلِكَ مِنْ سَيِّدِهِ، وَإِنْ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لِلنَّاسِ، رُدَّ عَبْداً مَمْلُوكاً لِسَيِّدِهِ، وَكَانَتْ دُيُونُ النَّاسِ فِي ذِمَّةِ الْمُكَاتَبِ، وَلاَ يَدْخُلُونَ مَعَ سَيِّدِهِ فِي شَيْءٍ مِنْ ثَمَنِ رَقَبَتِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اتفاق ہے کہ بے شک کسی غلام سے جب اس کا آقا مکاتبت کر لے تو آقا کے حق میں یہ جائز نہیں کہ اس کے لیے کوئی شخص غلام کے بدل کتابت کی ضمانت اٹھائے (اس صورت میں کہ) اگر غلام مر جائے یا عاجز آ ئے اور یہ عمل مسلمانوں کی سنت نہیں ہے اور یہ (ضمانت کا درست نہ ہونا) اس وجہ سے ہے کہ اگر کوئی شخص مکاتب کے آقا کے لیے اس کے ذمے عائد ہونے والے بدل کتابت کی ضمانت لے لے، پھر وہ آقا اس ضمانت اٹھانے والے کی طرف رجوع کرے (اور اس سے بدل کتابت لے لے) تو وہ اس کا مال باطل (اور ناجائز ہی) وصول کرے گا (کیونکہ مکاتب غلام کو یا تو خرید کر اپنا غلام بنا کر اپنی ملکیت میں رکھنا جائز ہے، یا اسے خرید کر آزاد کرنا جائز ہے لیکن) نہ تو اس ضامن نے مکاتب کو خریدا ہے کہ اس سے وصول کیا جانے والا مال کسی ایسی چیز کی قیمت شمار ہو سکے جو اس کی ملکیت بنتی اور نہ مکاتب غلام آزاد ہوا ہے کہ وہ (ضامن سے حاصل شدہ مال) غلام کے لیے ثابت ہونے والی (آزادی کی) حرمت کی قیمت (شمار) ہو سکے، (الغرض ضامن سے لیا ہوا مال نہ تو ثمن (قیمت) ہے اور نہ ہی بدل کتابت ہے بلکہ ناجائز اور باطل ہے، چنانچہ اگر وہ مکاتب غلام عاجز آ جائے گا تو اپنے آقا کی طرف لوٹ آئے گا اور وہ غلام ہی رہے گا اور اس کی ملکیت میں رہے گا اور یہ (ضمانت کا ناجائز ہونا) اس وجہ سے (بھی) ہے کہ بدل کتابت کوئی ایسا قرض نہیں ہے جو (مکاتب کی گردن پر لازم اور) ثابت ہو کہ مکاتب کے آقا کے لیے جس کی چٹی (ضمانت) اٹھائی جائے (بلکہ) بلاشبہ وہ تو صرف اور صرف ایک ایسی چیز ہے کہ اگر مکاتب اسے ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا (اور ادا نہ کرے گا تو آزاد نہ ہو پائے گا) اور اگر مکاتب اس حال میں مر جائے کہ اس پر (لوگوں کا) قرضہ ہو تو بدل کتابت میں اس کا آقا قرض خواہوں کے ساتھ حصے دار نہ ہوگا اور آقا کی بجائے قرض خواہ ہی

اس (کتابت والی رقم) کے زیادہ حق دار ہوں گے (اور یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بدل کتابت کی حیثیت قرض جیسی نہیں ہے، یہ آقا کا غلام پر قرض نہیں ہوتا، ورنہ تو وہ بھی دوسرے قرض خواہوں کی طرح برابر کا حصے دار اور حقدار ہوتا)......اور اگر مکاتب اس حال میں عاجز آ جائے کہ اس پر لوگوں کا قرضہ ہوتو وہ خود غلامی میں لوٹ آئے گا اور اپنے آقا کی ملکیت میں چلا جائے گا اور لوگوں کے قرضے ایک مکاتب کے ذمے رہیں گے (لیکن) اس غلام کی گردن کی قیمت میں وہ قرض خواہ اس کے آقا کے ساتھ (شریک ہوکر) داخل نہیں ہوسکیں گے۔

فائدہ: ......اور یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بدل کتابت کی حیثیت قرض کی طرح نہیں کیونکہ غلام کے عاجز آنے کی صورت میں کتابت ختم ہو جاتی ہے اور قرضے ختم نہیں ہوتے، نیز اس کی حیثیت لوگوں کے قرض جیسی ہوتی تو لوگ بھی مذکورہ صورت حال میں اس کی گردن کی قیمت میں برابر کے شریک ہوتے۔

قَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَاتَبَ الْقَوْمُ جَمِيعاً كِتَابَةً وَاحِدَةً، وَلَا رَحِمَ بَيْنَهُمْ يَتَوَارَثُونَ بِهَا، فَإِنَّ بَعْضَهُمْ حُمَلَاءُ عَنْ بَعْضٍ، وَلَا يَعْتِقُ بَعْضُهُمْ دُونَ بَعْضٍ، حَتَّى يُؤَدُّوا الْكِتَابَةَ كُلَّهَا، فَإِنْ مَاتَ أَحَدٌ مِنْهُمْ وَتَرَكَ مَالاً هُوَ أَكْثَرُ مِنْ جَمِيعِ مَا عَلَيْهِمْ أُدِّيَ عَنْهُمْ جَمِيعُ مَا عَلَيْهِمْ، وَكَانَ فَضْلُ الْمَالِ لِسَيِّدِهِ، وَلَمْ يَكُنْ لِمَنْ كَاتَبَ مَعَهُ مِنْ فَضْلِ الْمَالِ شَيْءٌ، وَيَتْبَعُهُمُ السَّيِّدُ بِحِصَصِهِمُ الَّتِي بَقِيَتْ عَلَيْهِمْ مِنَ الْكِتَابَةِ الَّتِي قُضِيَتْ مِنْ مَالِ الْهَالِكِ، لِأَنَّ الْهَالِكَ إِنَّمَا كَانَ تَحَمَّلَ عَنْهُمْ، فَعَلَيْهِمْ أَنْ يُؤَدُّوا مَا عَتَقُوا بِهِ مِنْ مَالِهِ، وَإِنْ كَانَ لِلْمُكَاتَبِ الْهَالِكِ وَلَدٌ حُرٌّ لَمْ يُولَدْ فِي الْكِتَابَةِ، وَلَمْ يُكَاتَبْ عَلَيْهِ، لَمْ يَرِثْهُ لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ لَمْ يُعْتَقْ حَتَّى مَاتَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کچھ (غلام) لوگوں نے ایک ہی عقد کتابت میں مکاتبت کی اور ان کی آپس میں کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہ ہو جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہوں تو یقیناً (رشتہ داری نہ ہونے کے باوجود) ان میں سے بعض، بعض کی طرف سے ضامن ہوں گے (سب ایک دوسرے کا بوجھ اٹھائیں گے) ان میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے بغیر آزاد نہ ہو سکے گا (خواہ کسی نے اپنی قیمت سے زیادہ رقم ادا کی ہو اور کسی نے کچھ بھی ادا نہ کیا ہو) یہاں تک کہ وہ مکمل بدل کتابت ادا کر دیں (تو تبھی اکٹھے آزاد ہو پائیں گے) چنانچہ اگر ان مکاتب غلاموں میں سے کوئی مر جائے اور اتنا مال چھوڑ جائے جو ان پر لازم مکمل بدل کتابت سے بھی زیادہ ہوتو اس ترکے میں سے ان سب کی طرف سے وہ سب کچھ ادا کر دیا جائے گا جو ان پر (کتابت کی رقم کے طور پر) لازم تھا اور (میت کا) زائد مال (ترکہ) آقا کا ہوگا اور اس (فوت شدہ مکاتب غلام) کے ساتھ جس (جس دوسرے غلام) نے مکاتبت کی تھی اس کے لیے زائد ترکے میں سے کچھ نہ ہوگا (کیونکہ وہ آپس میں رشتہ دار تو ہیں نہیں اس لیے انھیں وراثت نہیں ملے گی، البتہ غلامی کے تعلق کی وجہ سے آقا وارث

بن جائے گا، بہرحال وہ بوجھ میں بھی اکٹھے تھے اور آزاد بھی اکٹھے ہوئے ہیں) اور اب آقا ان سب (آزاد ہونے والوں) سے ان کے ان حصوں کا مطالبہ کرے گا جو ان پر بدل کتابت سے باقی رہ گئے تھے اور فوت شدہ مکاتب غلام کے ترکے سے ادا کیے گئے تھے (دراصل اس مکاتب کے سارے مال کا وارث اس کا آقا ہی تھا، لیکن اکٹھے عقد کتابت کی وجہ سے اس کے مال کو بدل کتابت میں صرف کر دیا گیا تو اب باقی آزاد ہونے والے غلام اپنے آقا کو وہ رقم ادا کریں گے جو ان کے ذمے بدل کتابت میں سے واجب تھی) کیونکہ بلاشبہ فوت شدہ (غلام) نے ان کی طرف سے صرف ضمانت اٹھائی تھی تو اب ان پر چونکہ آزادی کی نعمت اور وسعت آ چکی ہے لہٰذا ان پر لازم ہے کہ وہ اس کا وہ مال ادا کر دیں جس کے ذریعے وہ آزاد ہوئے ہیں، (اور یہ سودا مہنگا نہیں ہے، ان کو آزادی کی نعمت مل چکی ہے بلکہ اس کے مرنے کی وجہ سے جلدی آزاد ہو گئے ہیں لہٰذا جو تھوڑا تھوڑا حصہ آتا ہے انھیں چاہیے کہ اس فوت شدہ کے وارث یعنی آقا کو ادا کر دیں) اور اگر فوت ہونے والے مکاتب کا کوئی آزاد لڑکا ہو جو (عقد کتابت کے بعد) زمانہ کتابت میں پیدا نہ ہوا ہو اور نہ اس پر مکاتبت واقع ہوئی ہو تو وہ (آزاد بیٹا) اس مکاتب (باپ) کا وارث نہیں بنے گا کیونکہ مکاتب جب فوت ہوا تھا تو آزاد نہ تھا۔

فائدہ: ...... اور یہ اصول ہے کہ آزاد اور غلام رشتہ دار آپس میں وارث نہیں بن سکتے کیونکہ غلامی ''موانع الارث'' (وراثت سے مانع چیزوں) میں سے ہے جو کہ تین ہیں: قتل، رق (غلامی) اور اختلاف دین (کفر و اسلام)...... اگر مکاتبت کے دوران میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہو یا اس کی پیدائش تو دورِ غلامی کی ہو لیکن عقد کتابت میں وہ باپ کے ساتھ شامل ہو تو پھر بھی ان کی باہمی وراثت نہ چلے گی کیونکہ اس وقت بھی باپ کی حالت غلامی میں موت وارث نہیں بننے دیتی...... ہمارے خیال میں مکاتب کا جس قدر حصہ آزاد ہو چکا ہوتا ہے اتنے حصے میں اس پر آزادی کے بعض احکامات صادر ہوتے ہیں جن میں سے ایک وراثت ہے، چنانچہ یہ بات تو حدیث سے ثابت ہے کہ مکاتب غلام اپنے آزاد حصے کے لحاظ سے خود وارث بنتا ہے۔ (ابوداود: 4582، ترمذی: 1259، اس کی سند حسن ہے) لہٰذا اسی آزاد حصے میں اس کا وارث بھی بنا جائے گا۔ واللہ اعلم

3- بَابٌ: الْقَطَاعَةُ فِي الْكِتَابَةِ

قطاعت یعنی بدل کتابت کے عوض نقد مال لے لینے کے معاہدے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... قطاعت میں قاف پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں، یہ لفظ باب مفاعلہ کے مصدر مقاطعۃ سے ماخوذ ہے اور اسم مصدر ہے، مقاطعۃ کے لغوی معنی تو کسی متعین اجرت پر کام کا معاہدہ کرنے کے ہیں اور اصطلاحاً اس کا

مطلب یہ ہے کہ آقا بدل کتابت چھوڑ کر اس کی جگہ کچھ نقد مال لینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مکاتب کو جلد آزادی مل جاتی ہے، یوں غلام اپنے آقا کی طرف سے بدل کتابت کے مطالبے کو منقطع کر دیتا ہے اور اس کی آزادی کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے...... یاد رہے قطاعت کا عمل دو اعتبار سے احسان ہوتا ہے، ایک یہ کہ غلام کو جلدی آزادی مل جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ نقد قیمت میں کمی کر دی جاتی ہے......اور قطاعت دراصل مکاتبت کی فرع ہے۔ اگر عقد کتابت نہ ہو تو قطاعت بھی نہیں ہو سکتی۔

[1296] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تُقَاطِعُ مُكَاتِبِيهَا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ اپنے مکاتب غلاموں سے سونے چاندی کے بدلے قطاعت کر لیتی تھیں، (بدل کتابت کی جگہ کچھ سونا چاندی نقد لے کر انھیں آزاد کر دیتی تھیں)

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي الْمُكَاتَبِ يَكُونُ بَيْنَ الشَّرِيكَيْنِ، فَإِنَّهُ لاَ يَجُوزُ لأَحَدِهِمَا أَنْ يُقَاطِعَهُ عَلَى حِصَّتِهِ إِلاَّ بِإِذْنِ شَرِيكِهِ، وَذَلِكَ أَنَّ الْعَبْدَ وَمَالَهُ بَيْنَهُمَا، فَلاَ يَجُوزُ لأَحَدِهِمَا أَنْ يَأْخُذَ شَيْئاً مِنْ مَالِهِ إِلاَّ بِإِذْنِ شَرِيكِهِ، وَلَوْ قَاطَعَهُ أَحَدُهُمَا دُونَ صَاحِبِهِ، ثُمَّ حَازَ ذَلِكَ، ثُمَّ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهُ مَالٌ، أَوْ عَجَزَ لَمْ يَكُنْ لِمَنْ قَاطَعَهُ شَيْءٌ مِنْ مَالِهِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرُدَّ مَا قَاطَعَهُ عَلَيْهِ، وَيَرْجِعَ حَقُّهُ فِي رَقَبَتِهِ، وَلَكِنْ مَنْ قَاطَعَ مُكَاتَباً بِإِذْنِ شَرِيكِهِ، ثُمَّ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ، فَإِنْ أَحَبَّ الَّذِي قَاطَعَهُ أَنْ يَرُدَّ الَّذِي أَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْقَطَاعَةِ، وَيَكُونُ عَلَى نَصِيبِهِ مِنْ رَقَبَةِ الْمُكَاتَبِ كَانَ ذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ وہ مکاتب جو دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو تو بلاشبہ ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس غلام سے اپنے حصے پر قطاعت کرے، مگر اپنے شریک کی اجازت کے ساتھ کر سکتا ہے اور یہ (بلا اجازت قطاعت کی ممانعت) اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ غلام اور غلام کا (سارا) مال دونوں (شریکوں) کا برابر برابر حق ہے، لہٰذا ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ (اکیلا) اس غلام کے مال میں سے کچھ لے، مگر اپنے شریک کی اجازت سے (لے سکتا ہے، یعنی دونوں نے اسے مکاتب بنایا جس کی وجہ سے غلام پر لازم ٹھہرا کہ وہ ایک لمبے عرصے میں وہ بدل کتابت تھوڑا تھوڑا کر کے دونوں مالکوں کو برابر برابر دیتا ہے، پھر اگر ایک آقا اس سے قطاعت کر لے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلام اس مالک کو کچھ رقم نقد دے دے اور دوسرا آقا

[1296] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 300/8، 402- بیهقی: 335/10- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ مَالاً اسْتَوْفَى الَّذِي بَقِيَتْ لَهُ الْكِتَابَةُ حَقَّهُ الَّذِي بَقِيَ لَهُ عَلَى الْمُكَاتَبِ مِنْ مَالِهِ، ثُمَّ كَانَ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِ الْمُكَاتَبِ بَيْنَ الَّذِي قَاطَعَهُ وَبَيْنَ شَرِيكِهِ عَلَى قَدْرِ حِصَصِهِمَا فِي الْمُكَاتَبِ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا قَاطَعَهُ وَتَمَاسَكَ صَاحِبُهُ بِالْكِتَابَةِ، ثُمَّ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ، قِيلَ لِلَّذِي قَاطَعَهُ: إِنْ شِئْتَ أَنْ تَرُدَّ عَلَى صَاحِبِكَ نِصْفَ الَّذِي أَخَذْتَ وَيَكُونُ الْعَبْدُ بَيْنَكُمَا شَطْرَيْنِ، وَإِنْ أَبَيْتَ فَجَمِيعُ الْعَبْدِ لِلَّذِي تَمَسَّكَ بِالرِّقِّ خَالِصاً.

اس سے محروم رہے، حالانکہ وہ جب تک غلام ہے، دونوں آقاؤں کی اس پر ملکیت ہر معاملے میں برابر قائم رہے گی، ہاں اگر دوسرا آقا خود اجازت دے تو پھر کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ اس نے اپنی رضا مندی سے اپنا حق چھوڑ دیا ہے) اور اگر ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کو چھوڑ کر (اس سے اجازت لیے بغیر) خود ہی اس غلام سے قطاعت کر لے اور اس نقد مال کو سمیٹ لے، پھر مکاتب غلام اس حال میں مر جائے کہ اس کے پاس کچھ مال موجود ہو یا وہ (دوسرے آقا کا بدل کتابت ادا کرنے سے) عاجز آ جائے تو وہ شخص جس نے اس سے قطاعت کی تھی اس کے لیے غلام کے مال میں سے کچھ کا حقدار نہ ہوگا، (مرنے کے بعد غلام کی وراثت کا مستحق صرف دوسرا آقا ہوگا اور عاجز آ جانے کی صورت میں وہ غلام دوسرے آقا اکیلے ہی کی ملکیت وغلامی میں رہے گا کیونکہ پہلے آقا نے قطاعت کر کے اور نقد مال وصول کر کے اس غلام میں اپنا حق ختم کر لیا تھا) اور اس (پہلے آقا) کے لیے یہ درست نہ ہوگا کہ اس نے جس (نقد مال) پر قطاعت کی تھی اسے اس (دوسرے آقا) کو دے اور غلام کی گردن میں اپنے حق کو واپس لوٹائے۔ (بلکہ اس نے جو لے لیا وہ اس کا ہو گیا اور غلام دوسرے کا ہو گیا، موت یا عاجزی کی صورت میں دوسرے آقا کو چونکہ پورا ترکہ یا پورا غلام مل جاتا ہے اور عموماً غلام کی مکمل قیمت اس نقد مال سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو پہلے آقا نے وصول کیا ہوتا ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ پہلا آقا اب حرص میں آ کر دوسرے آقا سے کہے کہ تم بھی وہ مال قطاعت لے لو اور پھر ہم غلام اور مال قطاعت کو برابر برابر تقسیم کر لیں گے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ اس نے بلا اجازت قطاعت کی تھی اس لیے اسے سزا کے طور پر زائد منافع سے محروم ہونا پڑے گا۔ اور لیکن جس شخص نے اپنے شریک (آقا) کی اجازت کے ساتھ مکاتب غلام سے (اپنے حصے کی) قطاعت کی، پھر مکاتب غلام عاجز آ گیا تو قطاعت والے کو دو اختیار ہیں: ایک یہ کہ قطاعت اس کی رہے اور غلام دوسرے آقا کو مل جائے اور دوسرا یہ کہ اگر غلام سے قطاعت کرنے والا یہ پسند کرے کہ اس نے جو کچھ بھی قطاعت کے طور پر غلام سے وصول کیا تھا اسے دوسرے آقا کی طرف لوٹائے اور اسے مالِ مشترک بنا لے اور اس مکاتب غلام کی گردن میں اپنے حصے (اور ملکیت) پر قائم رہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے...... اور اگر مکاتب غلام مر جائے اور کچھ مال چھوڑ جائے تو جس شخص کا بدل کتابت باقی ہے (یعنی دوسرا آقا) وہ پہلے اپنا وہ حق پورا لے گا جو اس مکاتب کے ذمے

بدل کتابت میں سے باقی تھا۔ اب صورت حال یہ ہوگئی کہ دوسرے آقا نے اپنا زر کتابت لے لیا ہے اور پہلا آقا اس کی اجازت سے زر قطاعت لے چکا ہے لہٰذا فوت شدہ مکاتب غلام کے مال سے جو کچھ باقی بچ جائے وہ قطاعت کرنے والے (پہلے آقا) اور اس کے شریک (دوسرے آقا) کے مابین اپنے اپنے حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگا جو کہ ان دونوں کے مکاتب غلام میں تھے (اگر برابر برابر حصے تھے تو ترکہ بھی برابر برابر تقسیم ہوگا اور اگر حصوں میں کمی زیادتی ہو تو ترکہ بھی اسی حساب سے بانٹا جائے گا) اور اگر ان میں سے ایک نے تو غلام سے قطاعت کی تھی اور اس کا ساتھی کتابت (مکاتبت) ہی سے چمٹا رہا، پھر مکاتب غلام عاجز آ گیا تو قطاعت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو اپنے ساتھی (دوسرے آقا) کو وہ نصف مال دے دو جو تم نے قطاعت میں لیا تھا اور ایسا کرنے سے غلام تم دونوں کے درمیان نصف نصف ہو جائے گا اور اگر تم انکار کرو گے تو وہ مکمل غلام، خالص کا خالص صرف اسی کا ہو جائے گا، جس نے اس کی غلامی سے تمسک کیا تھا اور قطاعت نہیں کی تھی۔

فائدہ: ...... مکاتبت کرنے کے بعد ایک شریک قطاعت کر لے تو اسے مقاطع کہتے ہیں اور دوسرا شریک متمسک یا متماسک (کتابت کے معاہدے کو تھامے رکھنے والا) کہلاتا ہے، کتابت کے ساتھ تمسک یا تماسک کرنے سے مراد یہ ہے کہ مکاتبت پر قائم رہا جائے اور قطاعت نہ کی جائے اور امام مالک رحمہ اللہ کے اسلوب بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ اگلے فتویٰ سے بھی ظاہر ہے اور یہی مفہوم راجح ہے......لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ پھر اس بیان کردہ مسئلے کی آخری شق کا اس سے پہلے والی شق سے وہ کیا فرق ہے جس کی بنا پر یہاں قطاعت والے کو نصف مال واپس کرنے کا کہا جا رہا ہے اور پچھلی شق میں مکمل مال واپس کرنے کا کہا گیا ہے تو یاد رکھیے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ پہلی شق کے مطابق جب قطاعت والا سارا مال واپس کرے گا تو وہ بھی دونوں آقاؤں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گا، تو گویا یہ ایسے ہو گیا کہ قطاعت والے نے نصف مال اپنے پاس ہی رکھ لیا اور نصف مال دوسرے آقا کو دے دیا......بعض شارحین نے تمسک یا تماسک سے یہ مراد لیا ہے کہ نہ مکاتبت کی جائے اور نہ قطاعت کی جائے، حالانکہ یہ مفہوم درست نہیں ہے کیونکہ پھر (1) مکاتب کے عاجز آ جانے کا کیا مطلب نکلے گا جس وقت کہ وہ مکاتب ہی نہ ہو۔ (2) اگر اس دوسرے آقا نے مکاتبت نہ کی ہو تو پھر پہلے آقا کی قطاعت ہی درست نہ ہوگی کیونکہ قطاعت تو مکاتبت پر مرتب ہوتی ہے اور پیچھے امام مالک رحمہ اللہ واضح کر چکے ہیں کہ مشترک غلام کے ایک حصے کو مکاتب بنانا اور دوسرے کو مکاتب نہ بنانا درست نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ ، فَيُقَاطِعُهُ أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ صَاحِبِهِ ، ثُمَّ يَقْتَضِي الَّذِي تَمَسَّكَ بِالرِّقِّ مِثْلَ مَا قَاطَعَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان (مشترک) ہو، پھر ان میں سے ایک (آقا) اپنے ساتھی کی اجازت سے غلام کے ساتھ قطاعت

عَلَيْهِ صَاحِبُهُ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ يَعْجِزُ الْمُكَاتَبُ. قَالَ مَالِكٌ: فَهُوَ بَيْنَهُمَا، لأَنَّهُ إِنَّمَا اقْتَضَى الَّذِي لَهُ عَلَيْهِ، وَإِنِ اقْتَضَى أَقَلَّ مِمَّا أَخَذَ الَّذِي قَاطَعَهُ، ثُمَّ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ، فَأَحَبَّ الَّذِي قَاطَعَهُ أَنْ يَرُدَّ عَلَى صَاحِبِهِ نِصْفَ مَا تَفَضَّلَهُ بِهِ، وَيَكُونُ الْعَبْدُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ فَذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ أَبَى فَجَمِيعُ الْعَبْدِ لِلَّذِي لَمْ يُقَاطِعْهُ، وَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ مَالاً، فَأَحَبَّ الَّذِي قَاطَعَهُ أَنْ يَرُدَّ عَلَى صَاحِبِهِ نِصْفَ مَا تَفَضَّلَهُ بِهِ، وَيَكُونُ الْمِيرَاثُ بَيْنَهُمَا فَذَلِكَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي تَمَسَّكَ بِالْكِتَابَةِ قَدْ أَخَذَ مِثْلَ مَا قَاطَعَ عَلَيْهِ شَرِيكُهُ أَوْ أَفْضَلَ، فَالْمِيرَاثُ بَيْنَهُمَا بِقَدْرِ مِلْكِهِمَا، لأَنَّهُ إِنَّمَا أَخَذَ حَقَّهُ.

کر لیتا ہے، پھر غلامی کو تھامے رکھنے والا (یعنی مکاتبت پر قائم رہنے اور قطاعت نہ کرنے والا مالک) اس مال کے برابر وصول کر لیتا ہے جس پر اس کے ساتھی نے قطاعت کی تھی یا اس (بدل کتابت) سے بھی زیادہ وصول کر لیتا ہے (مثلاً بدل کتابت دو لاکھ ہو اور دونوں مالکوں نے ایک ایک لاکھ لینا ہو، پھر ایک آقا نے اپنے حصے میں قطاعت کرتے ہوئے ایک لاکھ کی بجائے نقد پچھتر ہزار لے لیے اور دوسرے آقا نے بھی چند سالوں کی قسطوں میں بدل کتابت کے طور پر پچھتر ہزار یا اسے زیادہ لے لیے لیکن ابھی کچھ زر کتابت کی ادائیگی باقی تھی کہ) مکاتب غلام عاجز آ گیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ غلام دونوں کے درمیان (نصف نصف ملکیت میں) ہو جائے گا اس لیے کہ بے شک اس (تمسک کرنے والے دوسرے آقا) نے وہ کچھ وصول کر لیا ہے جو غلام سے وصول کیا تھا۔ (مثلاً قطاعت والے نے پچھتر ہزار لیے تھے اور اس تمسک والے نے ابھی پچپن ہزار ہی لیے تھے اور قطاعت والے کے برابر پہنچنے میں بیس ہزار باقی تھے کہ) پھر وہ مکاتب غلام عاجز آ گیا تو (اب اس قطاعت والے کو دو اختیار ہیں، چنانچہ اگر) وہ قطاعت کرنے والا یہ پسند کرے کہ اپنے ساتھی کو اس مال کا نصف دے دے جو اس نے (دوسرے کی نسبت) زائد وصول کیے تھے (یعنی مذکورہ مثال کے مطابق بیس ہزار میں سے دس ہزار اسے دے دے) اور غلام دونوں کے درمیان نصف نصف ہو جائے تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے اور (دوسرا اختیار یہ ہے کہ) اگر وہ (زائد حاصل شدہ مال کا نصف اپنے ساتھی کو دینے سے) انکار کر دے تو پھر سارے کا سارا غلام صرف اسی کے لیے ہوگا جس نے قطاعت نہیں کی تھی۔ (یہ تو تھا غلام کے عاجز آ جانے کا معاملہ، رہا اس کی موت کا معاملہ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں) اور اگر مکاتب غلام مر جائے اور کچھ مال بھی چھوڑ جائے، پھر قطاعت کرنے والا یہ پسند کرے کہ اپنے ساتھی کو اس مال کا نصف دے دے جو اس نے اس سے زائد وصول کر لیا تھا اور (اس طرح دونوں کی وصولی برابر ہو جائے اور) غلام کی وراثت دونوں میں برابر تقسیم ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے اور (اگر وہ زائد وصولی کا نصف نہ دے گا تو پوری وراثت دوسرے ہی کی ہوگی، ہاں) اگر وہ شخص جو کتابت پر قائم رہا تھا (یعنی دوسرا آقا) اس نے بھی اسی مال کے برابر وصول کر لیا

تھا جس پر اس کے شریک نے قطاعت کی تھی یا اس سے بھی زیادہ لے لیا تھا تو پھر وراثت دونوں میں اپنی اپنی ملکیت کے حساب سے تقسیم ہوگی کیونکہ بلاشبہ اس (دوسرے آقا) نے (بھی پہلے آقا کے برابر غلام پر عائد) اپنا حق لے لیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَيُقَاطِعُ أَحَدُهُمَا عَلَى نِصْفِ حَقِّهِ بِإِذْنِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ يَقْبِضُ الَّذِي تَمَسَّكَ بِالرِّقِّ أَقَلَّ مِمَّا قَاطَعَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ، ثُمَّ يَعْجِزُ الْمُكَاتَبُ. قَالَ مَالِكٌ: إِنْ أَحَبَّ الَّذِي قَاطَعَ الْعَبْدَ أَنْ يَرُدَّ عَلَى صَاحِبِهِ نِصْفَ مَا تَفَضَّلَهُ بِهِ، كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَهُمَا شَطْرَيْنِ، وَإِنْ أَبَى أَنْ يَرُدَّ فَلِلَّذِي تَمَسَّكَ بِالرِّقِّ حِصَّةُ صَاحِبِهِ الَّذِي كَانَ قَاطَعَ عَلَيْهِ الْمُكَاتَبَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان (مشترک) ہو، پھر ان میں سے ایک اپنے ساتھی کی اجازت سے اپنے حق (یعنی اپنے زر کتابت مثلاً ایک لاکھ) کے نصف (پچاس ہزار) پر قطاعت کر لیتا ہے اور وہ (دوسرا آقا) جس نے غلامی کو تھاما ہوا ہے وہ اس سے کم وصول کر لیتا ہے جس پر اس کے ساتھی نے قطاعت کی تھی، (اس نے پچاس ہزار لیے تھے جبکہ اسے ابھی دس ہزار ہی ملے تھے اور اس کے برابر پہنچنے میں ابھی چالیس ہزار باقی تھے) پھر مکاتب غلام عاجز آجاتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر غلام سے قطاعت کرنے والا یہ پسند کرے کہ اپنے ساتھی کو اس مال کا نصف دے دے جو اس نے زائد وصول کیا تھا (چالیس ہزار میں سے بیس ہزار اسے دے دے) تو غلام دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اور اگر وہ (اس زائد وصولی کا نصف) لوٹانے سے انکار کر دے تو غلامی کو تھامے رکھنے والے کو اس کے ساتھی کا وہ حصہ مل جائے گا جس پر اس نے مکاتب غلام سے قطاعت کی تھی (یعنی قطاعت کرنے والے نے اپنے ایک لاکھ میں سے پچاس ہزار معاف کر کے اور چھوڑ کر باقی پچاس ہزار نقد مال پر اس سے قطاعت کی تھی تو اس نے جو پچاس ہزار چھوڑے تھے وہ دوسرے آقا کو مل جائیں گے یعنی غلام سارا اسی کا ہو جائے گا)

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّ الْعَبْدَ يَكُونُ بَيْنَهُمَا شَطْرَيْنِ، فَيُكَاتِبَانِهِ جَمِيعاً، ثُمَّ يُقَاطِعُ أَحَدُهُمَا الْمُكَاتَبَ عَلَى نِصْفِ حَقِّهِ بِإِذْنِ صَاحِبِهِ، وَذَلِكَ الرُّبُعُ مِنْ جَمِيعِ الْعَبْدِ، ثُمَّ يَعْجِزُ الْمُكَاتَبُ فَيُقَالُ لِلَّذِي قَاطَعَهُ: إِنْ شِئْتَ فَارْدُدْ عَلَى صَاحِبِكَ نِصْفَ مَا فَضَلْتَهُ بِهِ، وَيَكُونُ الْعَبْدُ بَيْنَكُمَا شَطْرَيْنِ، وَإِنْ أَبَى كَانَ لِلَّذِي تَمَسَّكَ بِالْكِتَابَةِ رُبُعُ صَاحِبِهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس (گزشتہ فتویٰ) کی تفسیر یہ ہے کہ غلام ان دونوں (آقاؤں) میں (مشترک) ہوتا ہے، پھر دونوں اکٹھے ہی اسے مکاتب بنا دیتے ہیں، پھر ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کی اجازت کے ساتھ اس مکاتب غلام سے اپنے نصف حق (کو نقد لے لینے اور باقی نصف چھوڑ دینے) پر قطاعت کر لیتا ہے اور یہ (نصف حق) مکمل غلام (کے زر کتابت) کا چوتھائی حصہ بنتا ہے، (مثلاً دونوں کے مجموعی دو لاکھ زر کتابت میں سے پچاس ہزار)

الَّذِي قَاطَعَ الْمُكَاتَبَ عَلَيْهِ خَالِصاً ، وَكَانَ لَهُ نِصْفُ الْعَبْدِ ، فَذَلِكَ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْعَبْدِ ، وَكَانَ لِلَّذِي قَاطَعَ رُبُعُ الْعَبْدِ ، لأَنَّهُ أَبَى أَنْ يَرُدَّ ثَمَنَ رُبُعِهِ الَّذِي قَاطَعَ عَلَيْهِ .

پھر مکاتب غلام عاجز آ جاتا ہے تو قطاعت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو جو تم نے زائد وصول کیا ہے اس میں سے نصف اپنے ساتھی پر لوٹا دو یعنی اسے دے دو اور غلام تم دونوں کے درمیان نصف نصف ہو جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے تو مکاتبت پر قائم رہنے والے کے لیے (غلام کا) وہ چوتھائی حصہ خالص ہو جائے گا جس پر اس کے ساتھی نے مکاتب غلام سے قطاعت کی تھی (اور چھوڑ دیا تھا) اور نصف غلام تو اس کے لیے (پہلے ہی سے ملکیت میں) تھا، تو یہ (اس کی کل ملکیت) غلام کے چار حصوں میں سے تین حصے ہوں گے اور قطاعت کرنے والے کے لیے صرف ایک چوتھائی ہوگا، کیونکہ اس نے اس چوتھائی حصے کی قیمت کا نصف اپنے ساتھی پر لوٹانے سے انکار کر دیا تھا۔

فائدہ :...... غلام تو بیچارہ عاجز آ جانے کے بعد دوبارہ خالص غلامی میں لوٹ چکا ہے اور اس نے اپنے بدل کتابت میں سے بہت کچھ ادا کرنا تھا لیکن ادا نہ کر سکا اس لیے اب تو وہ مکمل طور پر دوسرے آ قا کا غلام بن جائے گا اور آ قا کی مرضی ہے کہ اسے چاہے تو بیچ کر رقم کما لے خواہ وہ دو لاکھ سے بھی زیادہ ہو اور وہ پہلا آ قا اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يُقَاطِعُهُ سَيِّدُهُ فَيَعْتِقُ ، وَيَكْتُبُ عَلَيْهِ مَا بَقِيَ مِنْ قَطَاعَتِهِ دَيْناً عَلَيْهِ ، ثُمَّ يَمُوتُ الْمُكَاتَبُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لِلنَّاسِ . قَالَ مَالِكٌ : فَإِنَّ سَيِّدَهُ لاَ يُحَاصُّ غُرَمَاءَهُ بِالَّذِي عَلَيْهِ مِنْ قَطَاعَتِهِ ، وَلِغُرَمَائِهِ أَنْ يُبَدَّؤُوا عَلَيْهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے بارے میں فرمایا جس کے ساتھ اس کا آ قا قطاعت کر لیتا ہے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے اور آ قا اس کے ذمے وہ رقم بطور قرض لکھ لیتا ہے جو قطاعت میں سے اس پر باقی ہوتی ہے، پھر مکاتب غلام (آزاد ہونے کے بعد) مر جاتا ہے، اس حال میں کہ اس پر لوگوں کے قرضے بھی ہوتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک اس کا آ قا اس پر عائد اپنے قطاعت والے حق میں دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا حصہ دار نہیں بنے گا اور اس کے قرض خواہوں کا حق ہے کہ انھیں اس آ قا پر مقدم رکھا جائے۔

فائدہ :...... یعنی پہلے باقی قرض خواہوں کے قرضے ادا ہوں گے، اگر کچھ باقی بچا تو آ قا کی قطاعت والی رقم ادا ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ یہ زر قطاعت اگرچہ قرض ہے لیکن یہ مکاتبت کی فرع اور شاخ ہے، لہٰذا اس کی حیثیت مکاتبت ہی کی ہوگی اور اس کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی مکاتب غلام مر جائے اور اس پر لوگوں کے قرض ہوں تو پہلے اس کے ذمے عائد قرض ادا کیے جاتے ہیں، اس کی مکمل تفصیل گزشتہ باب کے دوسرے فتویٰ میں ذکر ہو چکی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ لِلْمُكَاتَبِ أَنْ يُقَاطِعَ سَيِّدَهُ ، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مکاتب غلام پر لوگوں کا

إِذَا كَـانَ عَـلَـيْهِ دَيْنٌ لِلنَّاسِ، فَيَعْتِقُ وَيَصِيرُ لاَ شَـيْءَ لَـهُ، لأَنَّ أَهْـلَ الـدَّيْنِ أَحَقُّ بِمَالِهِ مِنْ سَيِّدِهِ، فَلَيْسَ ذَلِكَ بِجَائِزٍ لَهُ.

قرض ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آقا سے قطاعت کرے کہ (جس کے نتیجے میں) وہ آزاد ہو اور ایسا ہو جائے کہ (زر قطاعت دینے کے لیے) اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو کیونکہ اس کے آقا کی نسبت قرض خواہ اس کے مال کا زیادہ حق رکھتے ہیں لہٰذا یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

فائدہ: ..... اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ غلام گویا لوگوں کے مال کے بدلے قطاعت کر رہا ہے، نہ کہ اپنے مال کے بدلے۔ دراصل قطاعت کے نتیجے میں فوراً آزادی مل جاتی ہے اور زر قطاعت ابھی ادا کرنا ہوتا ہے لیکن اس عقد اور معاملے کے موقع پر جہاں اس پر مالک کو زر قطاعت دینا لازم ہے وہیں قرض بھی اس کے ذمے ہے اور پیچھے ثابت ہو چکا ہے کہ لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی زر قطاعت پر مقدم ہوتی ہے، چنانچہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ قطاعت ہوتے ہی غلام تو آزاد ہو جائے اور اس کا سارا مال قرضوں میں ادا ہو جائے اور آقا منہ دیکھتا رہ جائے کہ نہ غلام رہا، نہ مال ملا۔

قَـالَ مَـالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يُكَاتِبُ عَبْـدَهُ، ثُمَّ يُقَاطِعُهُ بِالذَّهَبِ، فَيَضَعُ عَنْهُ مِمَّا عَـلَيْـهِ مِـنَ الْـكِـتَـابَةِ، عَـلَى أَنْ يُعَجِّلَ لَهُ مَا قَـاطَـعَـهُ عَلَيْهِ، أَنَّهُ لَيْسَ بِذَلِكَ بَأْسٌ، وَإِنَّمَا كَـرِهَ ذَلِكَ مَـنْ كَـرِهَـهُ، لِأَنَّـهُ أَنْـزَلَهُ بِمَنْزِلَةِ الـدَّيْـنِ، يَـكُـونُ لِـلـرَّجُلِ عَلَى الرَّجُلِ إِلَى أَجَـلٍ، فَـيَـضَـعُ عَنْهُ وَيَنْقُدُهُ، وَلَيْسَ هَذَا مِثْلَ الـدَّيْـنِ، إِنَّـمَا كَانَتْ قَطَاعَةُ الْمُكَاتَبِ سَيِّدَهُ عَـلَـى أَنْ يُـعْطِيَهُ مَالاً فِي أَنْ يَتَعَجَّلَ الْعِتْقَ، فَـيَـجِـبُ لَـهُ الْـمِيرَاثُ وَالشَّهَادَةُ وَالْحُدُودُ، وَتَثْبُـتُ لَـهُ حُرْمَةُ الْعَتَاقَةِ، وَلَمْ يَشْتَرِ دَرَاهِمَ بِدَرَاهِمَ، وَلاَ ذَهَباً بِذَهَبٍ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ مَثَـلُ رَجُـلٍ قَـالَ لِـغُلاَمِـهِ: ائْتِنِي بِكَذَا وَكَذَا دِينَاراً وَأَنْتَ حُرٌّ، فَوَضَعَ عَنْهُ مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ: إِنْ جِـئْـتَـنِي بِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَأَنْتَ حُرٌّ. فَلَيْسَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس آدمی کے متعلق حکم یہ ہے کہ جو اپنے غلام کو مکاتب بناتا ہے، پھر سونے کے عوض اس سے قطاعت کر لیتا ہے، چنانچہ غلام کے ذمے جو بدل کتابت ہوتا ہے، اس میں سے کچھ اس (شرط) پر اسے معاف کر دیتا ہے کہ غلام اسے فوراً (اور نقد) وہ سونا ادا کر دے جس پر اس نے قطاعت کی ہے تو بلاشبہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے بھی اس عمل کو مکروہ جانا ہے تو اس نے صرف اس لیے کراہت کا اظہار کیا ہے کہ وہ اسے قرض کے قائم مقام شمار کرتا ہے، وہ قرض کہ جو ایک مقررہ مدت تک کسی شخص کا کسی دوسرے کے ذمے (واجب الادا) ہوتا ہے، پھر وہ (قرض خواہ) اس (مقروض) سے کچھ حصہ معاف کر دیتا ہے اور باقی (قرضے) کو وہ (مقروض) نقد ادا کر دیتا ہے، (اور یہ صورت حرام ہے کیونکہ یہ سود کی ایک شکل ہے تو مذکور صورت میں قطاعت کو درست نہ سمجھنے والا اسے قرض سے تشبیہ دیتا ہے) حالانکہ یہ بدل کتابت

هٰذَا دَيْنًا ثَابِتًا، وَلَوْ كَانَ دَيْنًا ثَابِتًا لَحَاصَّ بِهِ السَّيِّدُ غُرَمَاءَ الْمُكَاتَبِ إِذَا مَاتَ أَوْ أَفْلَسَ، فَدَخَلَ مَعَهُمْ فِي مَالِ مُكَاتَبِهِ.

قرض کی طرح نہیں ہے (کیونکہ قرضے کا عقد ایک حسی چیز ہے اور عقد مکاتبت ایک معنوی چیز ہے) مکاتب غلام کی اپنے آقا سے اسے کچھ نقد مال ادا کر کے قطاعت، صرف اس لیے ہوئی ہے کہ وہ آزادی جلد حاصل کر لے اور (اس کے نتیجے میں) اس کے بدلے درہم خریدے ہیں اور نہ سونے کے بدلے سونا، اور یقیناً اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اپنے غلام سے کہتا ہے کہ میرے پاس اتنے دینار لے آؤ تو تم آزاد ہو، پھر وہ خود ہی اس سے ان (دیناروں) میں سے کچھ معاف کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم میرے پاس اس سے کم بھی لے آؤ تو تم آزاد ہو۔ لہٰذا یہ (بدل کتابت غلام کے ذمے) ثابت ہونے والا قرض نہیں ہے اور اگر یہ ثابت شدہ قرض ہوتا تو آقا بھی مکاتب غلام کے قرض خواہوں کے ساتھ اس (بدل کتابت) میں برابر کا حصہ دار ہوتا جس صورت میں کہ وہ مکاتب غلام مر جاتا یا مفلس ہو جاتا۔ چنانچہ (اسے دین صحیح یعنی صحیح قرض مان لیں تو) وہ اپنے مکاتب غلام کے مال میں ان قرض خواہوں کے ساتھ ضرور داخل ہوتا۔

فائدہ: ......لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ مکاتب کی موت یا مفلسی کی صورت میں قرض خواہ اپنے قرضے کی وصولی میں آقا کی نسبت زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اسے قرض سے تشبیہ دے کر ناجائز سمجھتے ہیں۔

4- بَابٌ: جِرَاحُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب کے (کسی کو) زخمی کرنے یا ہونے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......غلاموں کے ذمے پڑنے والی دیت میں دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ آقا اسے ادا کر دے اور دوسری یہ کہ اس (مجرم) غلام ہی کو دیت کے طور پر مظلوموں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، تو کیا مکاتب پر بھی یہی صورت لاگو ہوگی یا نہیں، اسی کی تفصیل مذکورہ باب میں بیان کی جا رہی ہے۔ نیز اگر غلاموں کو زخمی کر دیا جائے اور ان زخموں میں دیت پڑتی ہو تو ان کی قیمت کا حساب لگایا جاتا ہے، چنانچہ اس زخم کی بنا پر غلام کی قیمت میں جس قدر کمی واقع ہوئی ہو اسے بطور دیت وصول کیا جاتا ہے اور اگر انھیں قتل کر دیا جائے تو ان کی مکمل قیمت بطورِ دیت لی جاتی ہے...... رہا مکاتب غلام کا معاملہ تو امام مالک رحمہ اللہ اسے عام غلاموں کی سی حیثیت دیتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((يُوْدٰى مَا اَدّٰى مِنْ مُكَاتَبَتِهٖ دِيَةَ الْحُرِّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ الْمَمْلُوْكِ)) ''وہ جتنا بدل کتابت ادا کر چکا ہو اس کے مطابق اسے آزاد آدمی کی دیت ملے گی اور باقی ماندہ میں غلام کی دیت ملے گی۔'' (ابوداود: 4581، ترمذی: 1259، نسائی: 4812، اس کی سند صحیح ہے)

قَـالَ مَالِكٌ : أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الْمُكَاتَبِ يَجْرَحُ الرَّجُلَ جَرْحاً يَقَعُ فِيهِ الْعَقْلُ عَلَيْهِ : أَنَّ الْـمُكَاتَبَ إِنْ قَوِيَ عَلَى أَنْ يُؤَدِّيَ عَقْلَ ذَلِكَ الْـجَـرْحِ مَعَ كِتَابَتِهِ أَدَّاهُ، وَكَانَ عَلَى كِتَابَتِهِ، فَـإِنْ لَمْ يَقْوَ عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ عَجَزَ عَنْ كِتَابَتِهِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ يَنْبَغِي أَنْ يُؤَدِّيَ عَقْلَ ذَلِكَ الْجَرْحِ قَبْـلَ الْـكِتَـابَةِ، فَـإِنْ هُوَ عَجَزَ عَنْ أَدَاءِ عَقْلِ ذَلِكَ الْجَرْحِ خُيِّرَ سَيِّدُهُ، فَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤَدِّيَ عَـقْـلَ ذَلِكَ الْجَرْحِ فَعَلَ، وَأَمْسَكَ غُلامَهُ، وَصَـارَ عَبْـداً مَـمْـلُـوكاً، وَإِنْ شَاءَ أَنْ يُسَلِّمَ الْـعَبْـدَ إِلَـى الْمَجْرُوحِ أَسْلَمَهُ، وَلَيْسَ عَلَى السَّيِّدِ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يُسَلِّمَ عَبْدَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے مکاتب کے متعلق سب سے بہترین بات یہ سنی ہے کہ جو مکاتب غلام کسی شخص کو ایسا زخم لگا دیتا ہے جس میں اس پر دیت واجب ہوتی ہے تو بلاشبہ اگر وہ مکاتب اپنے بدل کتابت کے ساتھ ساتھ اس زخم کی دیت ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو وہ اسے ادا کرے گا اور اپنی مکاتبت پر بھی قائم رہے گا اور اگر وہ اس پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی کتابت سے عاجز (شمار) ہوگا اور (فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ اس کے لیے درست یہی ہے کہ وہ بدل کتابت سے پہلے اس زخم کی دیت ادا کرے، چنانچہ اگر وہ اس زخم کی دیت سے عاجز آ گیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے، اگر وہ پسند کرے تو اس زخم کی دیت ادا کر دے تو وہ ایسا کر لے اور اپنے غلام کو (اپنے پاس) رو کے رکھے اور (اس صورت میں) وہ (مکاتب غلام) اس کا مملوک غلام بن جائے گا اور (مکاتبت سے واپس مکمل غلامی میں لوٹ آئے گا، آقا کو دوسرا اختیار یہ ہے کہ) اگر وہ چاہے تو اس (مکاتب) غلام کو زخمی شخص (کی دیت کے عوض اسی) کے سپرد کر دے تو وہ اسے سپرد کر سکتا ہے اور اس آقا پر اس سے زیادہ کچھ (لازم) نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام کو اس (مظلوم) کے سپرد کر دے۔

فائدہ : ..... یہ درست نہیں کہ زخمی ہونے والا شخص یہ دعویٰ کر دے کہ یہ غلام تھوڑی قیمت والا ہے اور میرے زخم کی دیت زیادہ ہے لہٰذا کچھ اور بھی ادا کرو۔ آقا پر زیادہ سے زیادہ وہی غلام بدلے میں دینا لازم ہے، غلام سے زیادہ کچھ اور بھی دینا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ دینا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ فِـي الْـقَـوْمِ يُـكَـاتَبُونَ جَمِيعاً، فَيَـجْرَحُ أَحَدُهُمْ جَرْحاً فِيهِ عَقْلٌ . قَالَ مَالِكٌ : مَـنْ جَـرَحَ مِـنْهُـمْ جَـرْحاً فِيهِ عَقْلٌ قِيلَ لَهُ وَلِـلَّـذِيـنَ مَعَهُ فِي الْكِتَابَةِ : أَدُّوا جَمِيعاً عَقْلَ ذَلِكَ الْـجَـرْحِ . فَإِنْ أَدَّوْا ثَبَتُوا عَلَى كِتَابَتِهِمْ، وَإِنْ لَمْ يُؤَدُّوا فَقَدْ عَجَزُوا، وَيُخَيَّرُ سَيِّدُهُمْ،

امام مالک رحمہ اللہ نے ان چند غلاموں کے بارے میں فرمایا جو اکٹھے مکاتب بنائے جاتے ہیں (مثلاً غلام اور اس کے بیوی بچے وغیرہ) پھر ان میں سے کوئی (غلام کسی شخص کو) ایسا زخم لگا دیتا ہے جس میں دیت واجب ہو، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان میں سے جس کسی نے دیت والا زخم لگایا تو اس سے، اور اس کے ساتھ جو جو لوگ کتابت

فَإِنْ شَاءَ أَدَّى عَقْلَ ذَلِكَ الْجَرْحِ وَرَجَعُوا عَبِيداً لَهُ جَمِيعاً، وَإِنْ شَاءَ أَسْلَمَ الْجَارِحَ وَحْدَهُ، وَرَجَعَ الْآخَرُونَ عَبِيداً لَهُ جَمِيعاً بِعَجْزِهِمْ عَنْ أَدَاءِ عَقْلِ ذَلِكَ الْجَرْحِ الَّذِي جَرَحَ صَاحِبُهُمْ.

میں شامل تھے، ان سب سے کہا جائے گا کہ سب مل کر اس زخم کی دیت ادا کرو، چنانچہ اگر تو وہ اسے ادا کر دیں تو اپنی مکاتبت پر قائم رہیں گے اور اگر وہ دیت ادا نہ کر سکیں تو یقیناً وہ (سب کے سب) عاجز شمار ہوں گے، ان کے آقا کو یہ اختیار دے دیا جائے گا کہ اگر چاہے تو اس زخم کی دیت ادا کر دے اور یہ سب (مکاتب غلام) اس کی طرف غلام بن کر لوٹ آئیں گے (مکاتبت ختم اور پہلے کی طرح کی غلامی بحال ہو جائے گی) اور اگر وہ آقا چاہے تو اکیلے زخمی کرنے والے غلام کو (زخمی شخص کے) سپرد کر دے اور باقی سب (اس مکاتب غلام کے ساتھی) اس کی (کامل) غلامی میں لوٹ آئیں، اس وجہ سے کہ وہ اس زخم کی دیت ادا کرنے سے عاجز آ چکے ہیں جو ان کے ساتھی نے لگایا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا أَنَّ الْمُكَاتَبَ إِذَا أُصِيبَ بِجَرْحٍ يَكُونُ لَهُ فِيهِ عَقْلٌ، أَوْ أُصِيبَ أَحَدٌ مِنْ وَلَدِ الْمُكَاتَبِ الَّذِينَ مَعَهُ فِي كِتَابَتِهِ، فَإِنَّ عَقْلَهُمْ عَقْلُ الْعَبِيدِ فِي قِيمَتِهِمْ، وَأَنَّ مَا أُخِذَ لَهُمْ مِنْ عَقْلِهِمْ يُدْفَعُ إِلَى سَيِّدِهِمُ الَّذِي لَهُ الْكِتَابَةُ، وَيُحْسَبُ ذَلِكَ لِلْمُكَاتَبِ فِي آخِرِ كِتَابَتِهِ، فَيُوضَعُ عَنْهُ مَا أَخَذَ سَيِّدُهُ مِنْ دِيَةِ جَرْحِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ معاملہ جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بے شک جب کسی مکاتب غلام کو ایسا زخم پہنچا دیا جائے جس میں اس کے لیے دیت لازم ہوتی ہو، یا مکاتب کے ساتھ اس کی وہ اولاد جو عقد کتابت میں اس کے ساتھ شامل تھی ان میں سے کسی کو زخمی کر دیا جائے تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:) بلاشبہ ان کی دیت عام غلاموں جیسی ہوگی جو ان کی قیمتوں کے حساب سے لازم ہوتی ہے اور یقیناً ان کی دیت میں سے جو کچھ بھی وصول کیا جائے گا وہ اس آقا کو دے دیا جائے گا جس نے انھیں مکاتب بنایا تھا اور اس (دیت) کا بدل کتابت (کی ادائیگی) کے اخیر میں حساب لگایا جائے گا، چنانچہ اس کا آقا اس کے زخم کی جس قدر دیت (کی رقم) لے چکا ہو وہ اس (کے بدل کتابت) سے ختم کر دی جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّهُ كَأَنَّهُ كَاتَبَهُ عَلَى ثَلَاثَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ، وَكَانَ دِيَةُ جَرْحِهِ الَّذِي أَخَذَهَا سَيِّدُهُ أَلْفَ دِرْهَمٍ، فَإِذَا أَدَّى الْمُكَاتَبُ إِلَى سَيِّدِهِ أَلْفَيْ دِرْهَمٍ، فَهُوَ حُرٌّ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ أَلْفَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ (مثلاً) اس نے اس سے تین ہزار درہم پر کتابت کر رکھی تھی اور اس کے زخم کی جو دیت اس کے آقا نے وصول کی تھی وہ ایک ہزار درہم ہو تو جب مکاتب غلام اپنے آقا کو دو ہزار درہم ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا، اور اگر اس کے بدل کتابت

دِرْهَمٍ، وَكَانَ الَّذِي أَخَذَ مِنْ دِيَةِ جَرْحِهِ أَلْفَ دِرْهَمٍ، فَقَدْ عَتَقَ، وَإِنْ كَانَ عَقْلُ جَرْحِهِ أَكْثَرَ مِمَّا بَقِيَ عَلَى الْمُكَاتَبِ، أَخَذَ سَيِّدُ الْمُكَاتَبِ مَا بَقِيَ مِنْ كِتَابَتِهِ وَعَتَقَ، وَكَانَ مَا فَضَلَ بَعْدَ أَدَاءِ كِتَابَتِهِ لِلْمُكَاتَبِ، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُدْفَعَ إِلَى الْمُكَاتَبِ شَيْءٌ مِنْ دِيَةِ جَرْحِهِ، فَيَأْكُلَهُ وَيَسْتَهْلِكَهُ، فَإِنْ عَجَزَ رَجَعَ إِلَى سَيِّدِهِ أَعْوَرَ أَوْ مَقْطُوعَ الْيَدِ أَوْ مَعْضُوبَ الْجَسَدِ، وَإِنَّمَا كَاتَبَهُ سَيِّدُهُ عَلَى مَالِهِ وَكَسْبِهِ، وَلَمْ يُكَاتِبْهُ عَلَى أَنْ يَأْخُذَ ثَمَنَ وَلَدِهِ، وَلَا مَا أُصِيبَ مِنْ عَقْلِ جَسَدِهِ، فَيَأْكُلَهُ وَيَسْتَهْلِكَهُ، وَلَكِنْ عَقْلُ جِرَاحَاتِ الْمُكَاتَبِ، وَوَلَدِهِ الَّذِينَ وُلِدُوا فِي كِتَابَتِهِ، أَوْ كَاتَبَ عَلَيْهِمْ، يُدْفَعُ إِلَى سَيِّدِهِ، وَيُحْسَبُ ذَلِكَ لَهُ فِي آخِرِ كِتَابَتِهِ.

میں سے جو رقم باقی رہ گئی تھی وہ ایک ہزار درہم تھی اور آقا نے اس کے زخم کی جو دیت وصول کی وہ بھی ایک ہزار تھی تو وہ (فوراً دیت ملتے ہی) آزاد ہو جائے گا، اور اگر اس کے زخم کی دیت اس (رقم) سے زیادہ ہو جو مکاتب کے ذمے باقی تھی تو اس کا آقا اس کے بدل کتابت میں سے باقی ماندہ (کے برابر رقم دیت میں سے) وصول کر لے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا اور زر کتابت کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بھی (دیت میں سے) زائد بچے گا وہ مکاتب غلام کا (مال) ہوگا اور یہ درست نہیں کہ اس کے زخم کی دیت میں سے کوئی چیز مکاتب غلام کے حوالے کی جائے کہ جسے وہ کھا پی لے اور ضائع کر بیٹھے، پھر اگر وہ (بدل کتابت کی ادائیگی سے) عاجز آ جائے تو اپنے آقا کی طرف (مکمل غلامی کے ساتھ) اس حال میں لوٹے گا کہ کانا ہو چکا ہو یا اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو یا جسم پر داغ لگا ہوا ہو (لہٰذا دیت آقا کے قبضے میں جائے گی تا کہ وہ اسے بدل کتابت میں سے کاٹ لے اور غلام کو آزاد کر دے ورنہ تو دیت کا مال بھی غلام کے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا اور بعد میں معذور ہونے کی وجہ سے قوی اندیشہ یہی ہے کہ وہ عاجز آ کر آقا کو فائدہ پہنچانے کی بجائے الٹا نقصان میں رکھے گا اور اس پر بوجھ بنا رہے گا۔) اور بلاشبہ اس کے آقا نے اس سے اس کے مال اور اس کی کمائی میں مکاتبت کی تھی، اس بات پر مکاتب نہیں بنایا تھا کہ (مذکورہ دیت والی صورت میں) وہ اپنے بچوں کی قیمت حاصل کر سکے اور نہ وہ قیمت جو اس کے اپنے جسم (میں پہنچنے والے زخم) کی دیت میں سے حاصل ہوئی کہ اسے وصول کرے، پھر اسے کھا پی کر تباہ کر بیٹھے (لہٰذا مکاتب غلام کے حوالے کچھ نہ کیا جائے گا) بلکہ مکاتب کے (اپنے زخموں کی دیت اور اس کے زمانہ مکاتبت میں پیدا ہونے والے بچوں (کے زخموں) کی دیت یا (ان بچوں کی دیت جو پیدا تو مکاتبت سے پہلے ہی ہو گئے تھے لیکن) اس نے (ان میں سے) جن پر مکاتبت کی ہوئی تھی (ان سب کی دیت) اس کے آقا ہی کے حوالے کی جائے گی اور اس کے بدل کتابت کے اخیر میں اس کا حساب لگایا جائے گا (اور اسے بدل کتابت میں شامل کر کے مکاتب کو جلد آزاد کر دیا جائے گا)۔

5- بَابٌ: بَيْعُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب غلام (کے بدل کتابت) کی خرید وفروخت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، صرف امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ :...... جمہور کے نزدیک مکاتب غلام کی خرید وفروخت درست ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدا تھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اسے بیچا نہیں جا سکتا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو اقوال ہیں، جواز کا بھی اور عدم جواز کا بھی اور ان کا یہ دوسرا قول ہی ان کے متعلق زیادہ مشہور ہے......تو اس باب میں دراصل وہ مکاتب غلام کی کتابت والی رقم کی خرید وفروخت کے مسائل بیان کر رہے ہیں، چنانچہ وہ اس میں بعض احتیاطی تدابیر بیان کر رہے ہیں، دراصل مکاتب غلام سے بدل کتابت کی صورت میں کسی چیز، مال یا رقم کے عوض مکاتبت کی جاتی ہے، پھر اس کو بیچ کر اس کی قیمت لینا مقصود ہو تو گویا بدل کتابت کو بیچتے وقت اس کا وصول کی جانے والی چیز یا رقم سے تبادلہ ہو رہا ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چیزوں یعنی سونا چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجور کے باہمی تبادلے میں یہ حکم فرمایا ہے کہ اگر ان کا ہم جنس چیز سے تبادلہ ہو مثلاً سونے کا سونے سے یا گندم کے بدلے گندم ہو تو دو شرطیں لازم ہیں: (1) دونوں جانب وزن برابر ہو اور (2) سودا نقد ونقد ہو...... اور اگر ایک جنس کا تبادلہ دوسری جنس سے ہو، مثلاً سونے کا چاندی سے یا گندم کا جو سے تو پھر ایک شرط ہے کہ سودا دونوں طرف سے نقد ہو البتہ وزن میں کمی بیشی جائز ہے، تو اگر مذکورہ شرطوں میں سے کوئی مفقود ہو تو یہ سودا سود شمار ہوگا۔ (مسلم: 1584، 1596)

یاد رہے کہ سونا چاندی یا ان کی جگہ پر چلنے والی رسید یعنی کاغذی نوٹ خواہ روپیہ ہو یا ڈالر، یا ریال یا یورو وغیرہ تو انھیں نقدی کہا جاتا ہے اور گندم، جو، نمک وغیرہ کو اجناس کہتے ہیں، چنانچہ نقدی ہو یا اجناس میں سے کچھ اور اس کا ہم جنس چیز سے تبادلہ ہو تو اس میں وزن کے برابر اور نقد ونقد ہونے کی شرط ہے، اگر وزن برابر نہ ہو تو اس کا نام "رِبَا الْفَضْلِ" (کسی زیادتی والا سود) ہے اور نقد ونقد تبادلہ نہ ہو تو اسے "ربـا النسيئة" (ادھار والا سود) کہتے ہیں، اگر صرف نقدیوں یعنی سونے یا چاندی یا نوٹ کا آپس میں الگ جنس کے ساتھ تبادلہ ہو یا صرف اجناس کا آپس میں ایک دوسری سے تبادلہ ہو تو پھر صرف ایک پابندی ہے کہ سودا نقد ونقد ہو ورنہ یہ "رِبَـا النَّسِيْئَةِ" بن جائے گا...... ہاں اگر ایک طرف کوئی نقدی ہو اور دوسری طرف اجناس میں سے کوئی چیز ہو مثلاً سونے کے بدلے گندم یا روپے کے بدلے کھجور وغیرہ تو پھر نقد ونقد کی پابندی بھی نہیں رہتی ورنہ تو دنیا میں ادھار کا سلسلہ ہی حرام ہو جاتا اور انسانیت مشقت میں پڑ جاتی۔

قَـالَ مَـالِكٌ : إِنَّ أَحْسَـنَ مَا سُمِعَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَـرِي مُكَاتَبَ الرَّجُلِ : أَنَّهُ لاَ يَبِيعُهُ إِذَا كَانَ كَـاتَبَـهُ بِـدَنَـانِيـرَ أَوْ دَرَاهِـمَ ، إِلَّا بِعَرْضٍ مِنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے سب سے اچھی بات یہ سنی ہے اس آدمی کے متعلق جو کسی دوسرے آدمی کا مکاتب غلام خریدنا چاہتا ہے کہ بلاشبہ اس کے آقا نے جب اس

الْعُرُوضِ يُعَجِّلُهُ وَلاَ يُؤَخِّرُهُ، لأَنَّهُ إِذَا أَخَّرَهُ كَانَ دَيْناً بِدَيْنٍ، وَقَدْ نُهِيَ عَنِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ. قَالَ: وَإِنْ كَاتَبَ الْمُكَاتَبَ سَيِّدُهُ بِعَرْضٍ مِنَ الْعُرُوضِ مِنَ الإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ أَوِ الْغَنَمِ أَوِ الرَّقِيقِ، فَإِنَّهُ يَصْلُحُ لِلْمُشْتَرِي أَنْ يَشْتَرِيَهُ بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ عَرْضٍ مُخَالِفٍ لِلْعُرُوضِ الَّتِي كَاتَبَهُ سَيِّدُهُ عَلَيْهَا، يُعَجِّلُ ذَلِكَ وَلاَ يُؤَخِّرُهُ.

سے دیناروں یا درہموں کے عوض مکاتبت کی ہو تو وہ اسے صرف اور صرف سامانوں میں سے کسی سامان کے بدلے ہی خرید سکتا ہے کسی نقدی کے عوض نہیں خرید سکتا کیونکہ یہ نقدی کا نقدی کے ساتھ تبادلہ بنے گا جس میں نقد ونقد کی لازمی شرط ہے اور ہم جنس نقدی کا تبادلہ ہو تو وزن برابر ہونا بھی شرط ہے، بہرحال مکاتب کی بیع میں ایک جانب بدل کتابت ہوتا ہے اور وہ ادھار اور قرض کی سی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کے بدلے صرف کوئی سامان ہی ہو سکتا ہے) جسے وہ فی الفور نقد ادا کرے گا اور وہ اسے موخر نہ کرے کیونکہ اگر وہ اسے موخر کرے گا تو یہ قرض کے بدلے قرض ہو جائے گا اور ادھار کے بدلے خرید وفروخت سے منع کر دیا گیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر مکاتب کے آقا نے اس (مکاتب) سے سامانوں میں سے کسی سامان مثلاً اونٹ یا گائے یا بکری یا غلام کے بدلے مکاتبت کی ہو تو پھر بلاشبہ خریدار کے لیے درست ہے کہ وہ مکاتب غلام کو سونے یا چاندی کے بدلے میں خرید لے یا جن سامانوں کے عوض آقا نے اس سے مکاتبت کی ہو ان کے علاوہ کسی اور سامان کے عوض، (اسے خرید لے اور) اسے بھی وہ نقد ہی ادا کرے گا اور اس میں تاخیر یعنی ادھار نہ کرے گا۔

فائدہ: ...... امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس موضوع پر کوئی مرفوع روایت یعنی حدیث نبوی تو صحیح ثابت نہیں ہے لیکن قرض کی قرض کے بدلے (یا ادھار کی ادھار کے بدلے) بیع حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ (نیل الاوطار: 527/3، الروضة الندية: 208/2) رہیں وہ احادیث نبویہ جن میں صراحتاً اس سے ممانعت ہے۔ (حاکم: 57/2، بیہقی: 290/5، دارقطنی: 71/3، التلخیص الحبیر: 26/3) تو یہ ضعیف ہیں کیونکہ ان کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ضعیف راوی ہے۔ (ارواء الغلیل: 1382، میزان الاعتدال: 213/4)...... امام مالک کے فتویٰ پر یہ اعتراض یقیناً ہو سکتا ہے کہ یہاں انھوں نے بدل کتابت کو قرض سے تشبیہ دے کر نقد سودا کرنے کا فتویٰ دیا ہے، حالانکہ گزشتہ ابواب میں انھوں نے کئی ایک مسائل میں اسے قرض شمار کرنے کی نفی کی ہے اور قرض سے الگ چیز قرار دیا ہے، لہٰذا اگر ان کے گزشتہ فتووں کا لحاظ کریں تو بلاشبہ مکاتب غلام کو ادھار بیچنا جائز ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب بدل کتابت کو قرض نہیں کہیں گے تو قرض کی قرض کے بدلے خرید وفروخت لازم نہ آئے گی۔ واللہ اعلم! اسی طرح خریدار جس کسی چیز کے بدلے میں چاہے اسے خرید سکتا ہے خواہ مکاتبت بھی اسی چیز پر ہوئی ہو کیونکہ حقیقت میں مکاتبت محض ایک معاہدہ ہے اور بدل کتابت بھی معاہدے کی ایک شق ہے اور یہ معاہدہ پورا بھی ہو سکتا ہے اور ختم بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا

یہ ایک معنوی چیز ہے، جب اس جانب کوئی چیز موجود ہی نہیں تو پھر ان احتیاطوں کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی، حالانکہ یہ واضح ہو چکا تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کی تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاندی دے کر خریدنے ہی کا پیغام بھیجا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے درست قرار دیا۔ (بخاری: 2168، 2565) اگر امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا احتیاطوں کو دیکھیں تو یہ معاملہ درست نہیں ہو سکتا کہ جب دونوں جانب چاندی ہو تو اس میں ادھار حرام ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والے معاملے کو حلال قرار دے رہے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مکاتب کے معاملے میں ایسی صورت بنتی ہی نہیں، اس میں زر کتابت کے بدلے قیمت نہیں ہوتی، بلکہ غلام ہی کے ساتھ قیمت کا تبادلہ ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الْمُكَاتَبِ : أَنَّهُ إِذَا بِيعَ كَانَ أَحَقَّ بِاشْتِرَاءِ كِتَابَتِهِ مِمَّنِ اشْتَرَاهَا ، إِذَا قَوِيَ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَى سَيِّدِهِ الثَّمَنَ الَّذِي بَاعَهُ بِهِ نَقْداً ، وَذَلِكَ أَنَّ اشْتِرَاءَهُ نَفْسَهُ عَتَاقَةٌ ، وَالْعَتَاقَةُ تُبَدَّأُ عَلَى مَا كَانَ مَعَهَا مِنَ الْوَصَايَا ، وَإِنْ بَاعَ بَعْضُ مَنْ كَاتَبَ الْمُكَاتَبَ نَصِيبَهُ مِنْهُ ، فَبَاعَ نِصْفَ الْمُكَاتَبِ أَوْ ثُلُثَهُ أَوْ رُبُعَهُ أَوْ سَهْماً مِنْ أَسْهُمِ الْمُكَاتَبِ ، فَلَيْسَ لِلْمُكَاتَبِ فِيمَا بِيعَ مِنْهُ شُفْعَةٌ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ يَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْقَطَاعَةِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُقَاطِعَ بَعْضَ مَنْ كَاتَبَهُ إِلَّا بِإِذْنِ شُرَكَائِهِ ، وَأَنَّ مَا بِيعَ مِنْهُ لَيْسَتْ لَهُ بِهِ حُرْمَةٌ تَامَّةٌ ، وَأَنَّ مَالَهُ مَحْجُورٌ عَنْهُ ، وَأَنَّ اشْتِرَاءَهُ بَعْضَهُ يُخَافُ عَلَيْهِ مِنْهُ الْعَجْزُ لِمَا يَذْهَبُ مِنْ مَالِهِ ، وَلَيْسَ ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ اشْتِرَاءِ الْمُكَاتَبِ نَفْسَهُ كَامِلاً ، إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَنْ بَقِيَ لَهُ فِيهِ كِتَابَةٌ ، فَإِنْ أَذِنُوا لَهُ كَانَ أَحَقَّ بِمَا بِيعَ مِنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سب سے اچھی بات جو میں نے مکاتب کے متعلق سنی ہے، یہ ہے کہ جب اس کے زر کتابت کو بیچا جانے لگے تو وہ اپنے خریدار کی نسبت اپنے بدل کتابت کو خریدنے کا زیادہ حق دار ہے جب اسے یہ قدرت حاصل ہو کہ اپنے آقا کو وہ قیمت نقد ادا کر دے جس کے عوض وہ اسے بیچنا چاہتا ہے اور یہ (اس کا زیادہ استحقاق) اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اس کا خود کو خریدنا (دراصل اپنے آپ کو) ''آزاد کرنا'' ہے اور یقیناً آزاد کرنے کا عمل ان تمام وصیتوں پر مقدم رکھا جاتا ہے جو اس کے ہمراہ ہوں (اور شریعت بھی غلام آزد کرنے کی بہت ترغیب دیتی ہے، تو اب اس کا آقا اپنا مقرر کیا ہوا بدل کتابت کسی سے وصول کرنے کی بجائے اسی مکاتب غلام سے لے لے تو غلام فوراً آزاد ہو جائے گا اور یہ بہتر ہے اس سے کہ اس کی گردن کسی اور شخص کے قبضے میں جائے، چنانچہ اگر اس کا آقا اسے کسی کے ہاتھ بیچ بھی دے تو یہ غلام حق شفعہ رکھتا ہے اور عدالت کی طرف رجوع کر کے خود نقد رقم ادا کر کے خود کو آزاد کروا سکتا ہے۔ بہر حال یہ استحقاق اور ترجیح صرف اس وقت ہے جب اس کا ایک ہی آقا ہو اور اسے پورے کا پورا بیچ رہا ہو یا کئی آقا ہوں اور

اکٹھے مل کر اسے مکمل فروخت کر رہے ہوں) اور اگر مکاتب سے مکاتبت کرنے والوں میں سے کوئی ایک آقا اس غلام میں سے اپنا حصہ بیچ دے، چنانچہ وہ مکاتب غلام کا نصف یا تہائی یا چوتھائی یا مکاتب کے حصوں میں سے کوئی حصہ بیچ ڈالے تو مکاتب کے لیے اپنے اس حصے میں حق شفعہ نہیں ہے جو اس میں سے بیچ دیا گیا ہے اس لیے کہ بے شک یہ صورت تو قطاعت والی بن جاتی ہے اور مکاتب غلام کے لیے جائز نہیں کہ اپنے ساتھ مکاتبت کرنے والے افراد (آقاؤں) میں سے کسی ایک کے ساتھ قطاعت کر لے (جیسا کہ پچھلے باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے)، مگر اس کے شریکوں (باقی آقاؤں) کی اجازت کے ساتھ (ایسا کر سکتا ہے، آگے امام مالک رحمہ اللہ کچھ وجوہات بیان کر رہے ہیں جن کی بنا پر وہ کسی ایک آقا کے ساتھ قطاعت نہیں کر سکتا کہ نقد رقم دے کر اس کی طرف سے اپنا ایک حصہ آزاد کروا لے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:) بے شک اس کا جو حصہ بیچا گیا ہے اس کی وجہ سے اسے حرمت تامہ (آزادی کی مکمل حرمت) بھی حاصل نہیں ہوئی (اور اب بھی اس پر غلاموں ہی کے احکام لاگو ہوتے ہیں) اور یقیناً اس کا مال بھی اس (کے تصرف) سے روکا گیا ہے اور بلاشبہ اس کے اپنا کچھ حصہ خرید لینے کی بنا پر اس پر یہ خطرہ ہے کہ وہ (اپنے بدل کتابت کو ادا کرنے سے) عاجز آ جائے گا، اس لیے کہ اس کا مال (اس خریداری میں استعمال ہو تو اس کے ہاتھ سے) چلا جائے گا (یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنا کچھ حصہ خریدنے کے شوق میں پیسہ صرف ہو جائے اور وہ زر کتابت کی ادائیگی سے عاجز آ کر مکمل غلامی میں واپس لوٹ جائے) اور یہ (بیان کردہ خریداری) اس خریداری کی طرح نہیں ہے جس میں مکاتب غلام خود کو مکمل خرید لیتا ہے۔ (بہرحال کسی ایک آقا سے اپنا حصہ خریدنا مکاتب غلام کے لیے درست نہیں) الا یہ کہ اسے دوسرے آقا اجازت دے دیں جن کا اس میں بدل کتابت باقی ہے، چنانچہ اگر وہ اسے اجازت دے دیں تو وہ اپنے اس حصے کا زیادہ حقدار ہوگا جو اس سے بیچا گیا ہے۔ (لہٰذا وہ اس میں حق شفعہ کر کے خریدا ہوا سودا باطل کر کے خود ہی اپنا وہ حصہ خرید سکتا ہے)

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَحِلُّ بَيْعُ نَجْمٍ مِنْ نُجُومِ الْمُكَاتَبِ، وَذٰلِكَ أَنَّهُ غَرَرٌ، إِنْ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ بَطَلَ مَا عَلَيْهِ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ أَفْلَسَ وَعَلَيْهِ دُيُونٌ لِلنَّاسِ، لَمْ يَأْخُذِ الَّذِي اشْتَرَى نَجْمَهُ بِحِصَّتِهِ مَعَ غُرَمَائِهِ شَيْئاً، وَإِنَّمَا الَّذِي اشْتَرَى نَجْماً مِنْ نُجُومِ الْمُكَاتَبِ، بِمَنْزِلَةِ سَيِّدِ الْمُكَاتَبِ، فَسَيِّدُ الْمُكَاتَبِ لَا يُحَاصُّ بِكِتَابَةِ غُلَامِهِ غُرَمَاءَ الْمُكَاتَبِ، وَكَذٰلِكَ الْخَرَاجُ أَيْضاً يَجْتَمِعُ لَهُ عَلَى غُلَامِهِ، فَلَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مکاتب کی قسطوں میں سے کسی قسط کو بیچنا جائز نہیں کیونکہ یہ دھوکا ہے (کیونکہ خریدار کو کوئی یقین نہیں کہ غلام اسے ملے گا یا نہیں، نیز دھوکے والی خرید و فروخت شرعاً ممنوع ہے اور یہ دھوکا و فراڈ اور سراسر نقصان اس طرح ہے کہ) اگر مکاتب غلام عاجز آ جائے تو جو کچھ اس کے ذمے ہوتا ہے سب باطل ہو جاتا ہے (اور وہ ادا شدہ قسط بھی باطل ہو جاتی ہے) اور اگر وہ غلام مر جائے یا مفلس ہو جائے اور اس پر لوگوں کے قرضے ہوں تو جس شخص نے اس کی ایک قسط (رقم دے کر) خریدی تھی وہ اس

يُحَاصُّ بِمَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ الْخَرَاجِ غُرَمَاءَ غُلَامِهِ .

غلام کے قرض خواہوں کے ساتھ اپنے حصے کی کوئی چیز وصول نہیں کر سکتا، اور بلاشبہ مکاتب کی قسطوں میں سے کسی قسط کو خریدنے والا مکاتب غلام کے آقا کی طرح ہی ہے، چنانچہ مکاتب کا آقا اپنے غلام کی کتابت (کی رقم لینے) کے لیے اس کے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا حصے دار نہیں بن سکتا اور اسی طرح (غلام کی روزانہ کمائی ہوئی) آمدنی کا بھی معاملہ ہے جو آقا کے لیے غلام کے ذمے جمع ہوتی رہتی ہے تو (اس کے باوجود) وہ آقا اس کے ذمے اپنی جمع شدہ آمدنی کے لیے اپنے غلام کے قرض خواہوں کے ساتھ حصہ دار اور ساجھی نہیں بن سکتا۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا بَأْسَ بِأَنْ يَشْتَرِيَ الْمُكَاتَبُ كِتَابَتَهُ بِعَيْنٍ أَوْ عَرْضٍ مُخَالِفٍ لِمَا كُوتِبَ بِهِ مِنَ الْعَيْنِ أَوِ الْعَرْضِ أَوْ غَيْرِ مُخَالِفٍ، مُعَجَّلٍ أَوْ مُؤَخَّرٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ مکاتب اپنے بدل کتابت کو کسی ایسی نقدی (سونا چاندی) یا کسی ایسے سامان کے عوض خرید لے جو اس نقدی یا سامان کے علاوہ ہو جس پر کہ اس سے کتابت کی گئی تھی یا اس کے مخالف نہ ہو (بلکہ ہم جنس نقدی یا سامان کا تبادلہ کر لے) خواہ نقد فی الفور ادا کرے یا (ادھار اور) تاخیر سے ادا کر لے۔

فائدہ: ...... کیونکہ کتابت "دین صحیح" (ثابت شدہ قرض) تو ہے نہیں کہ سود لازم آئے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يَهْلِكُ وَيَتْرُكُ أُمَّ وَلَدٍ وَوَلَداً لَهُ صِغَاراً مِنْهَا، أَوْ مِنْ غَيْرِهَا، فَلَا يَقْوَوْنَ عَلَى السَّعْيِ، وَيُخَافُ عَلَيْهِمُ الْعَجْزُ عَنْ كِتَابَتِهِمْ، قَالَ : تُبَاعُ أُمُّ وَلَدِ أَبِيهِمْ إِذَا كَانَ فِي ثَمَنِهَا مَا يُؤَدَّى بِهِ عَنْهُمْ جَمِيعُ كِتَابَتِهِمْ، أُمَّهُمْ كَانَتْ أَوْ غَيْرَ أُمِّهِمْ، يُؤَدَّى عَنْهُمْ وَيَعْتِقُونَ، لِأَنَّ أَبَاهُمْ كَانَ لَا يَمْنَعُ بَيْعَهَا إِذَا خَافَ الْعَجْزَ عَنْ كِتَابَتِهِ، فَهَؤُلَاءِ إِذَا خِيفَ عَلَيْهِمُ الْعَجْزُ، بِيعَتْ أُمُّ وَلَدِ أَبِيهِمْ، فَيُؤَدَّى عَنْهُمْ ثَمَنُهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي ثَمَنِهَا مَا يُؤَدَّى عَنْهُمْ، وَلَمْ تَقْوَ هِيَ وَلَا هُمْ عَلَى السَّعْيِ، رَجَعُوا جَمِيعاً رَقِيقاً لِسَيِّدِهِمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو فوت ہو جاتا ہے اور ایک ام ولد لونڈی نیز اپنے کچھ بچے چھوڑ جاتا ہے جو اس ام ولد لونڈی سے ہوں یا کسی اور سے، چنانچہ وہ اولاد (کتابت کی ادائیگی کے لیے) محنت کرنے پر طاقت نہ رکھتی ہو اور ان کے متعلق بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز آ جانے کا خطرہ ہو تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان کے باپ کی ام ولد لونڈی کو بیچ دیا جائے گا، بشرطیکہ اس کی قیمت میں اتنی مقدار ہو جس کے ذریعے ان سب کے سب بچوں کا بدل کتابت ہو سکے، خواہ وہ ام ولد لونڈی ان بچوں کی ماں ہی ہو یا ان کی ماں کے علاوہ ہو، (اس کی قیمت سے ان کے بدل کتابت کی) ان کی طرف سے ادائیگی کی جائے گی اور وہ سب آزاد ہو جائیں گے، اس

لیے کہ (یہ ام ولد لونڈی مرنے والے مکاتب کا مال ہے اور مکاتب غلام اپنے مال ہی سے زر کتابت ادا کرتا ہے چنانچہ) ان کا باپ جب اپنی کتابت کی ادائیگی سے خطرہ محسوس کرتا تو اسے اس (ام ولد لونڈی) کو بیچنے سے روکا نہیں جا سکتا تھا، لہٰذا (اب بھی اسے فروخت کر کے) ان بچوں کی طرف سے ادائیگی کی جائے گی، (تا کہ ان بچوں کو تو آزادی کی نعمت ملے، لیکن) پھر اگر اس کی قیمت اس قدر نہ ہو کہ سب کی طرف سے ادائیگی کی جا سکے اور وہ ام ولد لونڈی اور بچے محنت کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتے تو (وہ سب عاجز شمار ہوں گے اور) سب کے سب اپنے آقا کی غلامی میں لوٹ جائیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الَّذِي يَبْتَاعُ كِتَابَةَ الْمُكَاتَبِ ، ثُمَّ يَهْلِكُ الْمُكَاتَبُ قَبْلَ أَنْ يُؤَدِّيَ كِتَابَتَهُ : أَنَّهُ يَرِثُهُ الَّذِي اشْتَرَى كِتَابَتَهُ ، وَإِنْ عَجَزَ فَلَهُ رَقَبَتُهُ ، وَإِنْ أَدَّى الْمُكَاتَبُ كِتَابَتَهُ إِلَى الَّذِي اشْتَرَاهَا وَعَتَقَ ، فَوَلاَؤُهُ لِلَّذِي عَقَدَ كِتَابَتَهُ ، لَيْسَ لِلَّذِي اشْتَرَى كِتَابَتَهُ مِنْ وَلاَئِهِ شَيْءٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ حکم متفقہ ہے، اس شخص کے متعلق جو مکاتب غلام کی کتابت کو خرید لیتا ہے، پھر مکاتب (اس دوسرے آقا کو) اپنا بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے تو بلاشبہ اس (کے مال) کا وارث وہی بنے گا جس نے اسے خرید لیا تھا اور اگر (وہ مرنے کی بجائے) عاجز آ جاتا ہے تو اس (خریدار) کے لیے اس کی گردن (کی ملکیت) ہے (یعنی مکاتب کی مکاتبت ختم ہو جائے گی اور یہ خریدار آقا اسے بیچنا چاہے تو بیچ کر رقم کما سکتا ہے) اور اگر مکاتب اپنا زر کتابت اس شخص کو ادا کر دے جس نے اس کی کتابت کو خرید لیا تھا اور اسی (دوسرے خریدار آقا) کی طرف سے (اسے) آزادی حاصل ہوئی ہو تو اس کی ولاء اس (پہلے آقا) سے (ثابت) ہوگی جس نے اس سے عقد کتابت کیا تھا اور جس (دوسرے آقا) نے اس کی کتابت خریدی تھی اس کے لیے اس کی ولاء میں سے کچھ بھی نہ ہوگا۔

فائدہ : ...... یہ صورت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے معاملے جیسی نہیں ہے کیونکہ وہاں دوسرے آقا (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مکاتب غلام (سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا) سے تو کچھ بھی وصول نہیں کیا تھا بلکہ خرید کر آزاد کر دیا تھا جبکہ مذکورہ فتویٰ والی صورت میں دوسرا آقا اس مکاتب غلام سے وہ بدل کتابت وصول کرتا رہا ہے جو پہلے آقا نے طے کیا تھا۔

6- بَابٌ: سَعْيُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب غلام کے محنت مزدوری کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب ☜ اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی اس میں مذکور ہیں۔

[1297] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلاَ عَنْ رَجُلٍ كَاتَبَ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَى بَنِيهِ، ثُمَّ مَاتَ، هَلْ يَسْعَى بَنُو الْمُكَاتَبِ فِي كِتَابَةِ أَبِيهِمْ، أَمْ هُمْ عَبِيدٌ؟ فَقَالاَ: بَلْ يَسْعَوْنَ فِي كِتَابَةِ أَبِيهِمْ، وَلاَ يُوْضَعُ عَنْهُمْ لِمَوْتِ أَبِيهِمْ شَيْءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ سے اس شخص (غلام) کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے آپ پر اور اپنے بیٹوں پر مکاتبت کر لی پھر وہ مر گیا تو کیا اس مکاتب غلام کے لڑکوں سے اپنے باپ کے عقد کتابت میں محنت کروائی جائے گی، یا وہ (مکمل) غلام (شمار) ہوں گے؟ تو دونوں نے فرمایا کہ (باپ کی موت سے عقد کتابت ختم نہیں ہوا اور نہ وہ لڑکے غلام بنے ہیں) بلکہ ان سے اپنے باپ کی مکاتبت میں محنت کرائی جائے گی اور ان کے باپ کی موت کی بنا پر (باپ کو مردہ شمار کر کے) ان سے (بدل کتابت میں بھی) کچھ کمی نہ کی جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ كَانُوا صِغَاراً لاَ يُطِيقُونَ السَّعْيَ لَمْ يُنْتَظَرْ بِهِمْ أَنْ يَكْبَرُوا، وَكَانُوا رَقِيقاً لِسَيِّدِ أَبِيهِمْ، إِلاَّ أَنْ يَكُونَ الْمُكَاتَبُ تَرَكَ مَا يُؤَدَّى بِهِ عَنْهُمْ نُجُومُهُمْ، إِلَى أَنْ يَتَكَلَّفُوا السَّعْيَ، فَإِنْ كَانَ فِيمَا تَرَكَ مَا يُؤَدَّى عَنْهُمْ، أُدِّيَ ذَلِكَ عَنْهُمْ، وَتُرِكُوا عَلَى حَالِهِمْ حَتَّى يَبْلُغُوا السَّعْيَ، فَإِنْ أَدَّوْا عَتَقُوا، وَإِنْ عَجَزُوا رَقُّوا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر وہ لڑکے اتنے چھوٹے ہوں کہ محنت کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو پھر ان کے بڑے ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور وہ اپنے باپ کے آقا کے (کامل) غلام بن جائیں گے، الا یہ کہ مکاتب غلام وہ کچھ (رقم یا مال) چھوڑ گیا ہو جس کے ذریعے ان لڑکوں کی طرف سے ان کی قسطیں (اتنی دیر تک جاری رہیں اور) ادا کی جاتی رہیں کہ وہ محنت کرنے کے قابل اور مکلف ہو جائیں، چنانچہ اگر اس کے ترکے میں اس قدر مال ہوگا جسے (ان کی محنت والی عمر تک قسطوں میں) ان کی طرف سے ادا کیا جا سکے تو اسے ان کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا اور ان لڑکوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا (نہ وہ مکمل آزاد ہوں گے نہ مکمل غلام) یہاں تک کہ وہ محنت کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر (باقی ماندہ قسطیں اپنی محنت سے) ادا کر دیں تو آزادی پا لیں گے اور اگر عاجز آ جائیں تو (کامل) غلام بن جائیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يَمُوتُ وَيَتْرُكُ مَالاً لَيْسَ فِيهِ وَفَاءُ الْكِتَابَةِ، وَيَتْرُكُ وَلَداً مَعَهُ فِي كِتَابَتِهِ وَأُمَّ وَلَدٍ، فَأَرَادَتْ أُمُّ وَلَدِهِ أَنْ تَسْعَى

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو مر جاتا ہے اور اتنا سا مال چھوڑ کر جاتا ہے کہ جس میں بدل کتابت کی مکمل ادائیگی نہیں ہو سکتی اور وہ اولاد بھی چھوڑ جاتا

[1297] (مقطوع ضعیف) بیھقی: 323/10- عبدالرزاق: 388/8، 389- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

عَلَيْهِمْ، إِنَّهُ يُدْفَعُ إِلَيْهَا الْمَالُ إِذَا كَانَتْ مَأْمُونَةً عَلَى ذَلِكَ، قَوِيَّةً عَلَى السَّعْيِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ قَوِيَّةً عَلَى السَّعْيِ وَلاَ مَأْمُونَةً عَلَى الْمَالِ لَمْ تُعْطَ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ، وَرَجَعَتْ هِيَ وَوَلَدُ الْمُكَاتَبِ رَقِيقاً لِسَيِّدِ الْمُكَاتَبِ.

ہے جو عقد کتابت میں اس کے ساتھ شامل تھی اور ایک ام ولد لونڈی بھی چھوڑ جاتا ہے، پھر اس کی ام ولد لونڈی یہ ارادہ کرے کہ ان بچوں کے لیے محنت کرے (اور باقی ماندہ بدل کتابت ادا کر کے انھیں آزادی دلائے) تو بلاشبہ (میت کا) مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا بشرطیکہ وہ اس مال پر امانت دار محسوس ہو اور محنت پر قوت رکھنے والی ہو اور اگر وہ محنت مزدوری کی طاقت نہ رکھے اور مال پر معتبر محسوس نہ ہو تو اسے (میت کے ترکے کے) اس مال میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے گا (کیونکہ اب یہ بے فائدہ ہے) اور وہ (ام ولد لونڈی) اور مکاتب غلام کی اولاد (اس فوت شدہ) مکاتب کے آقا کی طرف غلام بن کر لوٹ جائیں گے (کیونکہ وہ عاجز شمار ہو چکے ہیں)۔

قَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَاتَبَ الْقَوْمُ جَمِيعاً كِتَابَةً وَاحِدَةً، وَلاَ رَحِمَ بَيْنَهُمْ فَعَجَزَ بَعْضُهُمْ وَسَعَى بَعْضُهُمْ، حَتَّى عَتَقُوا جَمِيعاً، فَإِنَّ الَّذِينَ سَعَوْا يَرْجِعُونَ عَلَى الَّذِينَ عَجَزُوا بِحِصَّةِ مَا أَدَّوْا عَنْهُمْ، لأَنَّ بَعْضَهُمْ حُمَلاءُ عَنْ بَعْضٍ.

امام مالک ؒ نے فرمایا: جب (آقا) چند غلاموں سے اکٹھے ہی ایک عقد میں مکاتبت کر لے اور ان غلاموں کی آپس میں کوئی رشتہ داری نہ ہو، پھر ان میں سے کوئی (اپنا زر مکاتبت دینے سے) عاجز آ جائے اور کوئی محنت کرنے لگے یہاں تک (کہ محنت کرنے والوں نے مکمل اجتماعی زر کتابت ادا کر دیا اور) وہ سب کے سب آزاد ہو گئے تو یقیناً جن لوگوں نے محنت کی تھی وہ عاجز ہونے والوں کی طرف اس حصے کے متعلق رجوع کریں گے (اور اس کا ان سے مطالبہ کریں گے) جو انھوں نے ان کی طرف سے ادا کیا تھا کیونکہ وہ ایک دوسرے کی طرف سے ضامن (اور کفیل) تھے۔

فائدہ: ...... اور کفیل جب اصل افراد کی جانب سے ادائیگی کر دے تو اصیل (اصل اشخاص) سے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔

7- بَابٌ: عِتْقُ الْمُكَاتَبِ إِذَ أَدَّى مَا عَلَيْهِ قَبْلَ مَحِلِّهِ

مکاتب غلام کی آزادی کا بیان جب وہ مقررہ وقت کی آمد سے پہلے ہی اپنا زر مکاتبت ادا کر دے

خلاصة الباب ☜ اس باب میں ایک مقطوع روایت (اثر تابعی) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز اس باب میں امام مالک ؒ کے دو فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

[1298] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ بْنَ

امام مالک ؒ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن وغیرہ سے سنا،

[1298] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَغَيْرَهُ يَذْكُرُونَ: أَنَّ مُكَاتَباً كَانَ لِلْفُرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرٍ الْحَنَفِي، وَأَنَّهُ عَرَضَ عَلَيْهِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ جَمِيعَ مَا عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ، فَأَبَى الْفُرَافِصَةُ، فَأَتَى الْمُكَاتَبُ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَدَعَا مَرْوَانُ الْفُرَافِصَةَ فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ فَأَبَى، فَأَمَرَ مَرْوَانُ بِذَلِكَ الْمَالِ أَنْ يُقْبَضَ مِنَ الْمُكَاتَبِ، فَيُوضَعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ، وَقَالَ لِلْمُكَاتَبِ: اذْهَبْ فَقَدْ عَتَقْتَ. فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ الْفُرَافِصَةُ قَبَضَ الْمَالَ.

وہ یہ ذکر کر رہے تھے کہ فرافصہ بن عمیر حنفی رحمہ اللہ کا ایک مکاتب غلام تھا، اس نے ان سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے اوپر واجب سارے کا سارا زر کتابت اکٹھا ہی ان کے حوالے کر دے، تو فرافصہ نے انکار کر دیا، وہ مکاتب غلام مروان بن حکم کے پاس آ گیا اور وہ (اس وقت) مدینہ کے امیر تھے، چنانچہ اس نے ان کے سامنے اس کا ذکر کیا تو مروان نے فرافصہ کو بلا لیا، پھر مروان نے (خود) بھی ان سے یہی کہا لیکن فرافصہ نے انکار کر دیا تو مروان نے حکم جاری کر دیا کہ مکاتب غلام سے وہ مال لے لیا جائے اور اسے بیت المال میں رکھ دیا جائے اور مکاتب سے کہا کہ جاؤ تم یقیناً آزاد ہو چکے ہو، جب فرافصہ نے یہ صورت حال دیکھی تو (زر کتابت کا اکٹھا) مال لے لیا اور مقررہ وقت سے پہلے ہی مکاتب کو آزادی مل گئی۔

فائدہ: ..... امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب ''المعرفۃ'' میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے سیرین سے بیس ہزار درہم پر کتابت کی تھی، وہ اسے اکٹھا ہی لے آئے لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے قسطوں کے بغیر لینے سے انکار کر دیا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں بتایا تو وہ فرمانے لگے کہ انس رضی اللہ عنہ میراث کے متمنی ہیں (بایں طور کہ زر کتابت کی ادائیگی میں لمبا عرصہ صرف ہو اور ممکن ہے کہ ادائیگی مکمل ہونے سے پہلے ہی مکاتب کو موت آ جائے اور آقا کو اس کی میراث حاصل ہو جائے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اسے قبول کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے وہ مال اکٹھا لے لیا۔ امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں ذکر کیا ہے کہ ایک غلام کی چار یا پانچ ہزار میں مکاتبت طے پا گئی تو وہ سارا مال اکٹھا ہی لے آیا لیکن آقا نے اسے اکٹھا لینے سے انکار کر دیا اور فی سال ایک قسط لینے کی بات پر اڑا رہا، اسے بھی وراثت پانے کی امید تھی، وہ غلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے آقا کو بلا لیا اور اسے وہ مال اکٹھا لے لینے کا کہا، لیکن اس نے بات نہ مانی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غلام سے کہا کہ اپنا سارا مال (زر کتابت) لے آؤ، وہ لے آیا تو انھوں نے اسے بیت المال میں رکھ لیا اور اسے آزادی کا پروانہ جاری کر دیا اور آقا سے کہا کہ تم ہر سال (میں ایک بار) میرے پاس آتے رہنا اور ایک ایک قسط وصول کرتے رہنا، چنانچہ یہ منظر دیکھ کر آقا نے مال فوراً لے لیا اور اس غلام کے لیے آزادی لکھ دی۔ (زرقانی: 156/4)

قَالَ مَالِكٌ : فَالأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ الْمُكَاتَبَ إِذَا أَدَّى جَمِيعَ مَا عَلَيْهِ مِنْ نُجُومِهِ قَبْلَ مَحِلِّهَا، جَازَ ذَلِكَ لَهُ، وَلَمْ يَكُنْ لِسَيِّدِهِ أَنْ يَأْبَى ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ يَضَعُ عَنِ الْمُكَاتَبِ بِذَلِكَ كُلَّ شَرْطٍ أَوْ خِدْمَةٍ أَوْ سَفَرٍ، لأَنَّهُ لاَ تَتِمُّ عَتَاقَةُ رَجُلٍ، وَعَلَيْهِ بَقِيَّةٌ مِنْ رِقٍّ، وَلاَ تَتِمُّ حُرْمَتُهُ، وَلاَ تَجُوزُ شَهَادَتُهُ، وَلاَ يَجِبُ مِيرَاثُهُ، وَلاَ أَشْبَاهُ هَذَا مِنْ أَمْرِهِ، وَلاَ يَنْبَغِي لِسَيِّدِهِ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَيْهِ خِدْمَةً بَعْدَ عَتَاقَتِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہی ہے کہ بے شک جب مکاتب غلام مقررہ وقت آنے سے پہلے ہی وہ سب کچھ ادا کر دے جو اس پر (مکاتبت کی) قسطوں میں سے لازم ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے اور آقا کے لائق نہیں کہ وہ اس پر اس (مال کی وصولی) کا انکار کرے اور اس (قبولیت) کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اس (وصولی) کے ذریعے مکاتب غلام سے ہر شرط، خدمت یا سفر (کا معاہدہ بالکل) ختم کر دے گا، کیونکہ کسی شخص کی آزادی اس حال میں مکمل نہیں ہو سکتی کہ اس پر غلامی کا کچھ حصہ باقی ہو، (اگر آقا نے زر کتابت اکٹھا وصول کر کے کوئی شرط یا خدمت یا سفر والی بات غلام کے ذمے عائد رکھی تو مکاتب غلام نہ آزاد ہو سکے گا) اور نہ اس کی (آزادی والی) حرمت مکمل ہو پائے گی، نہ اس کی گواہی جائز ہو سکے گی، نہ اس کی وراثت واجب ہو سکے گی اور نہ اس غلام کے متعلقہ اس طرح کی دوسری چیزیں ثابت ہو سکیں گی (لہٰذا) آقا کے لیے جائز نہیں کہ اس (مکاتب) کی آزادی کے بعد اس پر کسی کام کی اور نہ (اپنی) خدمت کی شرط لگائے۔

فائدہ: ..... آقا کے انکار کے حوالے سے اما شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر تمام قسطوں کا اکٹھا زر کتابت وصول کر کے اسے سنبھالنا اور اس کی حفاظت کرنا آقا کے لیے دشوار ہو اور اسے خطرات کا سامنا کرنے کا اندیشہ ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، بصورت دیگر اسے مجبور کیا جائے گا، لیکن جمہور کے نزدیک اسے ہر حال میں مجبور کیا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُكَاتَبٍ مَرِضَ مَرَضاً شَدِيداً، فَأَرَادَ أَنْ يَدْفَعَ نُجُومَهُ كُلَّهَا إِلَى سَيِّدِهِ، لأَنْ يَرِثَهُ وَرَثَةٌ لَهُ أَحْرَارٌ، وَلَيْسَ مَعَهُ فِي كِتَابَتِهِ وَلَدٌ لَهُ . قَالَ مَالِكٌ : ذَلِكَ جَائِزٌ لَهُ، لأَنَّهُ تَتِمُّ بِذَلِكَ حُرْمَتُهُ، وَتَجُوزُ شَهَادَتُهُ، وَيَجُوزُ اعْتِرَافُهُ بِمَا عَلَيْهِ مِنْ دُيُونِ النَّاسِ، وَتَجُوزُ وَصِيَّتُهُ، وَلَيْسَ لِسَيِّدِهِ أَنْ يَأْبَى ذَلِكَ عَلَيْهِ، بِأَنْ يَقُولَ فَرَّ مِنِّي بِمَالِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو سخت قسم کے مرض میں مبتلا ہو جائے (جس سے موت کا خطرہ پڑ جائے)، چنانچہ وہ ارادہ کر لے کہ اپنی ساری قسطیں اپنے آقا کو (اکٹھی) ادا کر دے تاکہ اس کے آزاد رشتہ دار اس کے وارث بن سکیں اور اس کے عقد کتابت میں اس کے ساتھ اس کی اولاد شامل نہ ہو، (یہ بات اس لیے کہی کہ اگر عقد کتابت میں شامل ہی نہیں اور مکاتب آزادی پا کر دوسرے آزاد رشتہ داروں کو اپنا وارث بنانا چاہتا ہو) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ (اکٹھی ادائیگی) اس کے لیے جائز ہے کیونکہ اس کے ذریعے اس کی (آزادی والی) حرمت مکمل

ہو جاتی ہے، اس کی گواہی جائز ہو جاتی ہے اور اس کے ذمے لوگوں کے قرضوں کے متعلق اس کا اعتراف درست ہو جاتا ہے اور اس کی وصیت بھی جائز ہو جاتی ہے (اور اگر آزاد نہ ہو تو یہ اعتراف و وصیت قبول نہیں ہوتے کیونکہ اس میں اس کے آقا پر چٹی پڑتی ہے، بہرحال) اس کے آقا کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس (اکٹھی ادائیگی) کا اس پر انکار کرے، یہ کہتے ہوئے کہ یہ اپنا مال لے کر مجھ سے بھاگنا چاہتا ہے۔

فائدہ:...... ہر کسی کو اپنا مال بچانے کی فکر ہوتی ہے، آقا یہ عذر نہیں کر سکتا کہ یہ غلام مجھ سے آزاد ہو کر مجھے اپنے مال سے محروم کرنا چاہتا ہے کیونکہ اول تو ایسا کہنا شریعت کے بتائے ہوئے احکامات اور آزاد کرنے کی ترغیبات کے منافی ہے، دوسرا یہ کہ اگر اسے یہی خطرہ تھا تو مکاتبت ہی نہ کرتا، جب اس سے مکاتبت کر لی تو اب ڈر کا ہے کا، اسے چاہیے کہ خوش دلی اور وسعت قلبی سے اس غلام پر احسان کرے اور جلد کرے تا کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے مزید انعامات سے جلد نوازے۔

8- بَابٌ: مِيرَاثُ الْمُكَاتَبِ إِذَا عَتَقَ

مکاتب جب آزاد ہو جائے تو اس کی وراثت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک کے تین فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[1299] حَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ سُئِلَ عَنْ مُكَاتَبٍ كَانَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ، فَمَاتَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ مَالاً كَثِيراً؟ فَقَالَ: يُؤَدَّى إِلَى الَّذِي تَمَاسَكَ بِكِتَابَتِهِ الَّذِي بَقِيَ لَهُ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ مَا بَقِيَ بِالسَّوِيَّةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے اس غلام کے متعلق سوال کیا گیا جو دو آدمیوں کے درمیان میں (مشترک) ہو، پھر ان میں سے ایک (آقا) اپنا حصہ آزاد کر دیتا ہے، پھر مکاتب غلام فوت ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ مال چھوڑ جاتا ہے، تو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی کتابت کو روکے رکھنے والے (یعنی آزاد نہ کرنے والے آقا) کو اس کا باقی ماندہ (زر کتابت) ادا کیا جائے گا، پھر وہ دونوں (آقا) اس کے باقی ماندہ ترکے کو برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔

فائدہ:...... کیونکہ سب سے پہلے مکاتب غلام کی آزادی مکمل کی جائے گی، اگر وہ آزاد ہی نہ ہو تو کوئی اس کا وارث نہیں بن سکتا، پھر آزادی کے بعد دونوں آقا چونکہ ولاء کے تعلق میں برابر کے شریک ہوں گے اس لیے ترکہ بھی

[1299] (مقطوع ضعیف) ابن ابی شیبہ: 368/4- عبدالرزاق: 395/8، 397، دارمی: 487/2، 488- شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

برابر برابر لیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا كَاتَبَ الْمُكَاتَبُ فَعَتَقَ، فَإِنَّمَا يَرِثُهُ أَوْلَى النَّاسِ بِمَنْ كَاتَبَهُ مِنَ الرِّجَالِ يَوْمَ تَوَفَّى الْمُكَاتَبُ، مِنْ وَلَدٍ أَوْ عَصَبَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مکاتب غلام مکاتبت کر لے، پھر آزاد ہو جائے (اور آقا بھی فوت ہو چکا ہو) تو بلاشبہ لوگوں میں سے وہ شخص اس کا وارث بنے گا جو اس مکاتب کی وفات کے دن اس سے مکاتبت کرنے والے آقا کا سب سے قریبی رشتہ دار مرد ہوگا، خواہ وہ اس کا لڑکا ہو یا کوئی اور عصبہ۔

فائدہ :...... جب میت کا مال لینے کے لیے اصحاب الفرائض یعنی قرآن وسنت میں مقرر شدہ حصوں والے ورثاء نہ ہوں تو میت کا مال عصبات کو دیا جاتا ہے۔ عصبہ وہ شخص ہوتا ہے جو اصحاب الفرائض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا مال لیتا ہے اور ان کی عدم موجودگی میں سارے مال کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ یہ عصبہ دو قسم کے ہوتے ہیں: عصبہ نسبی اور عصبہ سببی۔ نسبی عصبہ نسبی کی چار قسمیں ہیں (اور یہ عصبہ بنفسہ کہلاتے ہیں اور ان میں صرف مذکر افراد ہی شامل ہوتے ہیں) پہلی قسم نہ ہو تو دوسری حق دار ہوتی ہے، وہ نہ ہو تو تیسری، پھر چوتھی اور وہ یہ ہیں: (1) بنوہ (بیٹوں والی جہت مثلاً بیٹے یا پوتے یا پڑوتے (2) ابوہ (باپ والی جہت مثلاً باپ یا دادا) (3) اخوہ بھائیوں والی جہت مثلاً (حقیقی یا پدری بھائی یا ان کے بیٹے) (4) عمومہ چچوں والی جہت مثلاً (باپ کے حقیقی یا پدری بھائی یعنی چچے یا ان کے بیٹے) اور عصبہ سببی سے مراد معتق یعنی آزاد کرنے والا شخص ہے اور وراثت میں یہ اصول ہے کہ "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" یعنی سب سے زیادہ حق دار وہ ہوتا ہے جو سب سے قریبی ہو، وہ نہ ہو تو اس کے بعد والا قریبی، وہ نہ ہو تو اس کے بعد والا۔ الغرض قریبی کی موجودگی میں دور والا محروم ہو جاتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ مکاتب غلام اگر آزادی پا کر فوت ہو جائے اور اس کا مال لینے والا کوئی نسبی رشتہ دار نہ ہو، نہ اصحاب الفرائض اور نہ کوئی عصبہ، تو پھر عصبہ سببی کا رخ کیا جائے گا، چنانچہ اگر خود آزاد کرنے والا (معتق) یعنی مکاتب بنانے والا آقا زندہ موجود نہ ہو تو پھر اس معتق کے عصبات کو ترتیب سے دیکھیں گے۔ پہلے اس کے عصبہ نسبی، یعنی اس کے بیٹے، وہ نہ ہوں تو پوتے پھر پڑپوتے حقدار ہوں گے، اگر اس جانب میں کوئی لڑکا نہ ہو تو پھر باپ والی جانب، پھر بھائیوں والی اور پھر چچوں والی جانب میں دیکھا جائے گا اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس کا عصبہ سببی ڈھونڈا جائے گا۔

یاد رہے جب اصحاب الفرائض موجود نہ ہوں تو صرف اور صرف مرد حضرات ہی عصبہ بن سکتے ہیں سوائے عصبہ سببی کے، کہ وہ کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے جس نے کسی کو آزاد کیا ہو یا اس کے آزاد کردہ نے آگے کسی اور کو آزاد کیا ہو۔

قَالَ : وَهَذَا أَيْضاً فِي كُلِّ مَنْ أُعْتِقَ، فَإِنَّمَا مِيرَاثُهُ لأَقْرَبِ النَّاسِ مِمَّنْ أَعْتَقَهُ، مِنْ وَلَدٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہی (اصول) ہر اس شخص کے متعلق (جاری ہوتا) ہے جو آزاد کیا گیا ہو، بلاشبہ اس کی

أَوْ عَصَبَةٍ مِنَ الرِّجَالِ يَوْمَ يَمُوتُ الْمُعْتَقُ، بَعْدَ أَنْ يَعْتِقَ وَيَصِيرَ مَوْرُوثاً بِالْوَلَاءِ.

میراث اس شخص کے لیے ہوگی جو لوگوں میں سے اس کے آزاد کرنے والے (آقا) کے سب سے زیادہ قریب ہوگا، خواہ (اس کی) اولاد میں سے ہو یا (کسی دوسری قسم کے) عصبہ میں سے ہو (لیکن شرط یہ ہے کہ وہ) مردوں میں سے (ہو اور یہ سب سے زیادہ قریب ہونا اس وقت کا معتبر ہے کہ) جس دن آزاد کیا جانے والا غلام اپنی آزادی کے بعد فوت ہو اور وہ (مال مذکورہ صورت میں) ولاء کی وجہ سے وراثت میں حاصل کیا جائے۔

فائدہ :...... مرنے والے کو مورث کہتے ہیں، اس کی وراثت پانے والے کو وارث جبکہ وراثت کے مال یعنی ترکے کو موروث کہتے ہیں، کبھی کبھار موروث بمعنی مورث بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: الإِخْوَةُ فِي الْكِتَابَةِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ إِذَا كُوتِبُوا جَمِيعاً كِتَابَةً وَاحِدَةً، إِذَا لَمْ يَكُنْ لأَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَدٌ كَاتَبَ عَلَيْهِمْ، أَوْ وُلِدُوا فِي كِتَابَتِهِ، أَوْ كَاتَبَ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ هَلَكَ أَحَدُهُمْ وَتَرَكَ مَالاً، أُدِّيَ عَنْهُمْ جَمِيعُ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ كِتَابَتِهِمْ وَعَتَقُوا، وَكَانَ فَضْلُ الْمَالِ بَعْدَ ذَلِكَ لِوَلَدِهِ دُونَ إِخْوَتِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کتابت کے معاملے میں بھائی بھی اولاد ہی کی طرح ہیں کہ جب وہ سب کے سب ایک ہی عقد میں مکاتب بنا دیے جائیں (اور دورانِ کتابت ان میں سے کوئی مر جائے تو وہ ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہیں بشرطیکہ) جب ان میں سے کسی کی وہ اولاد نہ ہو جو دوران کتابت پیدا ہوئی ہو یا (پیدا تو کتابت سے پہلے ہو چکی ہو لیکن) ان پر بھی (ان کے باپ نے) مکاتبت کر رکھی ہو۔ لہٰذا یہ بھائی ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، پھر اگر ان میں سے کسی کی اولاد بھی ہو جو اس کی کتابت کے زمانے میں پیدا ہوئی ہو یا اس نے ان پر عقد کتابت کر رکھا ہو، پھر ان بھائیوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور مال چھوڑ جائے تو ان سب پر جو بدل کتابت لازم تھا وہ اکٹھا ہی (اس ترکے میں سے) ان سب کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا اور وہ سب آزاد ہو جائیں گے اور اس (بدل کتابت میں صرف ہونے والے مال) کے بعد بچا ہوا مال صرف اس مرنے والے بھائی کی اولاد کے لیے ہوگا، بھائیوں کے لیے نہیں ہوگا۔

فائدہ :...... اس فتویٰ کے بیان کا ایک مقصد یہ ہے کہ عقد مکاتبت میں بھائی یا اولاد شریک ہو تو وراثت آقا کو نہیں ملے گی بدل کتابت کی ادائیگی میں وہ ترکہ بھائیوں اور اولاد سب کے لیے مشترکہ طور پر اس لیے صرف ہوا کہ وہ سب کتابت میں شریک تھے لیکن آزادی ملنے کے بعد باقی ماندہ ترکے کی وراثت میں میت کے لڑکے تو شریک رہے اور بھائی محروم ہو گئے تو یہ اس لیے ہوا کہ بیٹوں کی موجودگی میں بھائیوں کو وراثت سے محروم ہونا پڑتا ہے۔

9- بَابٌ: الشَّرْطُ فِي الْمُكَاتَبِ

مکاتب بناتے وقت شرط لگانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں روایت تو کوئی بھی نہیں البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ مذکور ہیں۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ فِي رَجُلٍ كَاتَبَ عَبْدَهُ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ، وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ فِي كِتَابَتِهِ سَفَراً أَوْ خِدْمَةً أَوْ ضَحِيَّةً: إِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ سَمَّى بِاسْمِهِ، ثُمَّ قَوِيَ الْمُكَاتَبُ عَلَى أَدَاءِ نُجُومِهِ كُلِّهَا قَبْلَ مَحِلِّهَا. قَالَ: إِذَا أَدَّى نُجُومَهُ كُلَّهَا، وَعَلَيْهِ هَذَا الشَّرْطُ عَتَقَ فَتَمَّتْ حُرْمَتُهُ، وَنُظِرَ إِلَى مَا شَرَطَ عَلَيْهِ مِنْ خِدْمَةٍ أَوْ سَفَرٍ أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، مِمَّا يُعَالِجُهُ هُوَ بِنَفْسِهِ، فَذَلِكَ مَوْضُوعٌ عَنْهُ، لَيْسَ لِسَيِّدِهِ فِيهِ شَيْءٌ، وَمَا كَانَ مِنْ ضَحِيَّةٍ أَوْ كِسْوَةٍ أَوْ شَيْءٍ يُؤَدِّيهِ، فَإِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ، يُقَوَّمُ ذَلِكَ عَلَيْهِ فَيَدْفَعُهُ مَعَ نُجُومِهِ، وَلَا يَعْتِقُ حَتَّى يَدْفَعَ ذَلِكَ مَعَ نُجُومِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے سونے یا چاندی کے بدلے اپنے غلام سے مکاتبت کر لی اور عقد کتابت میں اس پر کسی سفر یا خدمت یا قربانی کی شرط لگائی (کہ مثلاً وہ بدل کتابت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ فلاں کام بھی کرے گا) اور ان میں سے ہر چیز (یعنی جس کا بھی ذکر کیا تو اس) کا نام لے کر اسے متعین بھی کر دیا، پھر مکاتب غلام نے تمام قسطوں کو مقررہ مدت سے پہلے ہی اکٹھا ادا کرنے پر قوت پا لی، (تو اس بارے میں امام صاحب نے) فرمایا: جب وہ اپنی ساری قسطیں اس حال میں ادا کر دے کہ اس پر یہ شرط عائد ہو تو (پھر بھی) وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی آزادی کی) حرمت مکمل ہو جائے گی اور (پھر) اس پر لگائی گئی شرط کو دیکھا جائے گا (کہ اگر وہ) خدمت یا سفر یا ان کے مشابہ کسی چیز کی شرط ہو (جو مکاتب کو (جسمانی مشقت کے ساتھ) خود ادا کرنا پڑتی ہو تو وہ اس سے ساقط ہو جائے گی اور اس (کے پورا کرانے) میں اس کے آقا کے لیے کچھ بھی (حق) نہ ہوگا اور وہ شرط جو قربانی کرے یا کپڑے پہنانے یا کسی ایسی چیز کی ہو جسے وہ مکاتب (مال کی صورت میں) اس آقا کو ادا کرے گا تو بلاشبہ یہ (بدل کتابت کے) دیناروں اور درہموں کی طرح ہی ہے، (چنانچہ) اس چیز کی قیمت اس مکاتب پر (اس کے ذمے) لگائی جائے گی، پھر وہ اسے بھی اپنی (کتابت والی) قسطوں کے ساتھ ہی ادا کرے گا اور وہ آزاد نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسے بھی اپنی قسطوں کے ہمراہ ادا کر دے۔

فائدہ: ...... الغرض جس شرط کا تعلق جسمانی عمل سے ہو وہ زر کتابت کی ادائیگی کے بعد ساقط ہو جائے گی اور جس کا تعلق مال سے ہو وہ زر کتابت ہی کا حصہ شمار ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ غلام

کی آزادی سے قبل اس پر جو شرط بھی لگائی جائے خواہ اس کا تعلق بدنی عمل سے ہو یا مال سے تو اسے آزادی کے بعد پورا کرنا لازم ہے، البتہ آزادی کے بعد شرط لگانا درست نہیں جیسا کہ پیچھے کتاب العتق کے دوسرے باب میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے، نیز اگر آزادی کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو تو اسے پورا کیے بغیر آزادی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا الَّذِي لاَ اخْتِلاَفَ فِيهِ: أَنَّ الْمُكَاتَبَ بِمَنْزِلَةِ عَبْدٍ، أَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ بَعْدَ خِدْمَةِ عَشْرِ سِنِينَ، فَإِذَا هَلَكَ سَيِّدُهُ الَّذِي أَعْتَقَهُ قَبْلَ عَشْرِ سِنِينَ، فَإِنَّ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ خِدْمَتِهِ لِوَرَثَتِهِ، وَكَانَ وَلاَؤُهُ لِلَّذِي عَقَدَ عِتْقَهُ، وَلِوَلَدِهِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الْعَصَبَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے اور جس میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ یقیناً مکاتب اس غلام کی طرح ہوتا ہے جسے اس کا آقا دس سال کی خدمت کے بعد آزاد کرے (یعنی اس عام غلام کی طرح ہے جس پر یہ شرط عائد کی گئی ہو کہ دس سال خدمت کرلو گے تو آزاد ہو جاؤ گے)، پھر جب اس کا وہ آقا جس نے اسے (دس سالہ خدمت کی شرط پر) آزادی کا کہا تھا، دس سال سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو بلاشبہ اس کی خدمت میں سے جو (عرصہ) باقی ہو وہ اس آقا کے ورثاء کے لیے ہوگا، (اب یہ غلام آقا کے ورثاء کی خدمت کرتا رہے گا) اور اس کی ولاء اس آقا کے لیے ثابت ہوگی جس نے اس کی آزادی کا عقد اور معاملہ طے کیا تھا اور پھر یہ ولاء اس کی مذکر اولاد کے لیے یا عصبہ کے لیے ہوگی۔

فائدہ: ......مقصد یہ ہے کہ مذکورہ مثال کی طرح مکاتب غلام کا آقا دورانِ کتابت مر جائے تو اس کی اولاد کو باقی ماندہ قسطیں ادا کر کے وہ آزاد ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِطُ عَلَى مُكَاتَبِهِ أَنَّكَ لاَ تُسَافِرُ وَلاَ تَنْكِحُ وَلاَ تَخْرُجُ مِنْ أَرْضِي إِلاَّ بِإِذْنِي، فَإِنْ فَعَلْتَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ بِغَيْرِ إِذْنِي، فَمَحْوُ كِتَابَتِكَ بِيَدِي. قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ مَحْوُ كِتَابَتِهِ بِيَدِهِ إِنْ فَعَلَ الْمُكَاتَبُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، وَلْيَرْفَعْ سَيِّدُهُ ذَلِكَ إِلَى السُّلْطَانِ، وَلَيْسَ لِلْمُكَاتَبِ أَنْ يَنْكِحَ وَلاَ يُسَافِرَ وَلاَ يَخْرُجَ مِنْ أَرْضِ سَيِّدِهِ إِلاَّ بِإِذْنِهِ، اشْتَرَطَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْهُ، وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ يُكَاتِبُ عَبْدَهُ بِمِئَةِ دِينَارٍ، وَلَهُ أَلْفُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا جو اپنے مکاتب غلام پر یہ شرط لگا لیتا ہے کہ نہ تم سفر کرو گے، نہ نکاح کرو گے اور نہ میری زمین سے نکلو گے۔ الا یہ کہ میں تمھیں اجازت دوں، چنانچہ اگر تو نے ان میں سے کوئی کام میری اجازت کے بغیر کر لیا تو تیری مکاتبت کو مٹانا (اور اسے باطل قرار دینا) میرے اختیار میں ہوگا، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر مکاتب ان کاموں میں سے کوئی کام کر لے تو اس کی کتابت کو باطل قرار دینا اس کے اختیار میں نہیں ہوگا، (کیونکہ یہ شرط ہی باطل ہے اور مکاتبت کے تقاضے ہی کے برعکس ہے۔ مکاتبت کا تقاضا آزادی ہے اور اس کی شرط کا

دِينَـارٍ أَوْ أَكْثَـرُ مِـنْ ذَلِكَ ، فَيَـنْطَلِقُ فَيَنْكِحُ الْـمَرْأَةَ ، فَيُـصْـدِقُـهَا الصَّدَاقَ الَّذِي يُجْحِفُ بِمَالِهِ ، وَيَكُونُ فِيهِ عَجْزُهُ ، فَيَرْجِعُ إِلَى سَيِّدِهِ عَبْداً لاَ مَالَ لَهُ ، أَوْ يُسَافِرُ فَتَحِلُّ نُجُومُهُ وَهُوَ غَـائِـبٌ ، فَـلَيْـسَ ذَلِكَ لَهُ ، وَلاَ عَلَى ذَلِكَ كَـاتَـبَهُ ، وَذَلِكَ بِيَـدِ سَيِّدِهِ إِنْ شَاءَ أَذِنَ لَهُ فِي ذَلِكَ ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُ .

تقاضا غلامی ہے، لہٰذا مکاتبت ثابت ہو جائے گی اور اس کی شرط باطل قرار پائے گی جس طرح کہ کوئی شخص عقد کتابت میں یہ شرط لگا لے کہ تیری ولاء میری بجائے فلاں شخص کے لیے ہے تو چونکہ یہ شرط بھی کتابت کے تقاضے کے خلاف ہے اس لیے باطل ہے)، اور اس کے آقا کو چاہیے کہ یہ معاملہ حاکم کے پاس لے کر جائے، (نیز یہ شرطیں لگانا تو ایک عبث اور بے کار کام ہے کیونکہ یہ کام تو پہلے ہی سے مکاتب کے لیے آقا کی اجازت کے بغیر ممنوع ہیں، سو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں): اور مکاتب کے لیے یہ درست نہیں کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، نہ وہ سفر کرے اور نہ ہی اپنے آقا کی زمین سے نکلے، خواہ وہ ان کاموں کی شرط لگائے یا نہ لگائے اور یہ (ممانعت) اس وجہ سے ہے کہ (مثلاً) آدمی اپنے غلام سے سو دینار پر مکاتبت کر لے اور اس وقت غلام کے پاس ہزار یا اس سے بھی زیادہ دینار ہوں، پھر وہ مکاتب جا کر کسی عورت سے نکاح کر لے اور اسے اس قدر حق مہر دے دے جو اس کے مال کو برباد کر دے (اور اس غلام کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچے) اور اس عمل میں اس کا عاجز ہونا واقع ہو جائے تو وہ دوبارہ اپنے آقا کی طرف (کامل) غلام بن کر اس حال میں لوٹے گا کہ اس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہوگا (یوں اس نے اپنا بھی نقصان کیا کہ دوبارہ غلام بن گیا اور آقا کا بھی نقصان کیا کہ ولاء کی وجہ سے اسے جو مال مل سکتا تھا وہ برباد کر دیا) یا وہ (مثلاً) سفر میں جاتا ہے تو اس کی قسطوں کی ادائیگی (کی تاریخ) آ جاتی ہے لیکن وہ غائب ہوتا ہے (اور اس میں بھی آقا کا حرج ہے) لہٰذا اس مکاتب کے لیے یہ کام جائز ہی نہیں اور نہ اس نے ان کاموں پر مکاتبت کی ہے اور یہ کام اس کے آقا کے اختیار میں ہیں، اگر وہ چاہے تو مکاتب غلام کو ان کی اجازت دے دے اور اگر چاہے تو اسے روک دے۔

10- بَابٌ: وَلَاءُ الْمُكَاتَبِ إِذَا أُعْتِقَ

مکاتب غلام جب آزادی پا لے تو اس کی ولاء کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَـالَ مَالِكٌ : إِنَّ الْمُكَاتَبَ إِذَا أَعْتَقَ عَبْدَهُ ، إِنَّ ذَلِكَ غَيْـرُ جَائِزٍ لَهُ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ ، فَإِنْ أَجَازَ ذَلِكَ سَيِّـدُهُ لَـهُ ، ثُـمَّ عَتَـقَ الْـمُكَاتَبُ ، كَانَ وَلَاؤُهُ لِـلْـمُكَاتَبِ ، وَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ قَبْلَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک مکاتب غلام جب اپنے کسی غلام کو آزاد کرنا چاہے تو بلا شبہ یہ کام اس کے لیے جائز نہیں ہے، مگر اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ (وہ ایسا کر سکتا ہے) پھر اگر اس مکاتب کا آقا اس کو اس کے حق میں

أَنْ يُعْتَقَ، كَانَ وَلاَءُ الْمُعْتَقِ لِسَيِّدِ الْمُكَاتَبِ، وَإِنْ مَاتَ الْمُعْتَقُ قَبْلَ أَنْ يُعْتَقَ الْمُكَاتَبُ وَرِثَهُ سَيِّدُ الْمُكَاتَبِ.

جائز قرار دے دے، پھر یہ مکاتب غلام (خود بھی اپنے آقا سے) آزاد ہو جائے تو اس (مکاتب غلام کے غلام) کی ولاء مکاتب کے لیے ہوگی، اور اگر وہ مکاتب غلام آزادی پانے سے قبل ہی مر جائے تو اس (مکاتب غلام کے غلام) کی ولاء مکاتب کے آقا کے لیے ہوگی اور اگر وہ آزاد کیا ہوا غلام مکاتب کے آزاد کیے جانے سے پہلے مر جائے تو بھی مکاتب کا آقا ہی اس کا وارث بنے گا۔

فائدہ: ......مقصد یہ ہے کہ مکاتب کو اپنا غلام آزاد کرنے کا فائدہ تب پہنچے گا جب اسے خود بھی آزادی ملے گی چنانچہ اگر مکاتب کی آزادی سے پہلے مکاتب کو یا اس کے آزاد کردہ غلام کو موت نے آلیا تو سارا فائدہ مکاتب کے آقا کو حاصل ہوگا...... اگر مکاتب غلام خود آزاد ہو کر اپنے غلام کو آزاد کرتا تو یہ صورت واضح ہی تھی، اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس صورت میں یقیناً مکاتب ہی اس کی ولاء کا وارث بنتا ہے، ہاں اگر یوں ہو کہ مکاتب آزاد ہو جائے، پھر وہ اپنے غلام کو آزاد کرے، پھر مکاتب مر جائے، پھر غلام بھی مر جائے تو جس طرح مکاتب کی ولاء اس کے آقا کو ملے گی اسی طرح اس غلام کی وراثت بھی مکاتب کے آقا کو مل جائے گی۔ کیونکہ وہ اس غلام کو آزاد کرنے والے مکاتب کا آزاد کرنے والا آقا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ أَيْضاً لَوْ كَاتَبَ الْمُكَاتَبُ عَبْداً، فَعَتَقَ الْمُكَاتَبُ الآخَرُ قَبْلَ سَيِّدِهِ الَّذِي كَاتَبَهُ، فَإِنَّ وَلاَءَهُ لِسَيِّدِ الْمُكَاتَبِ، مَا لَمْ يَعْتِقِ الْمُكَاتَبُ الْأَوَّلُ الَّذِي كَاتَبَهُ، فَإِنْ عَتَقَ الَّذِي كَاتَبَهُ رَجَعَ إِلَيْهِ وَلاَءُ مُكَاتَبِهِ الَّذِي كَانَ عَتَقَ قَبْلَهُ، وَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ الْأَوَّلُ قَبْلَ أَنْ يُؤَدِّيَ، أَوْ عَجَزَ عَنْ كِتَابَتِهِ وَلَهُ وَلَدٌ أَحْرَارٌ، لَمْ يَرِثُوا وَلاَءَ مُكَاتَبِ أَبِيهِمْ، لأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ لأَبِيهِمُ الْوَلاَءُ، وَلاَ يَكُونُ لَهُ الْوَلاَءُ حَتَّى يَعْتِقَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح یہ صورت بھی ہے کہ اگر مکاتب اپنے غلام سے مکاتبت کر لے، پھر دوسرا مکاتب اپنے اس آقا سے پہلے آزاد ہو جائے جس نے اس سے کتابت کی ہے تو بلاشبہ اس (مکاتب کے مکاتب) کی ولاء مکاتب کے آقا کے لیے ثابت رہے گی جب تک کہ پہلا مکاتب آزاد نہ ہو جائے جس نے اس (دوسرے مکاتب) سے کتابت کی تھی، چنانچہ اگر وہ (پہلا) جس نے اس (دوسرے) سے مکاتبت کی تھی آزاد ہو جائے تو اسی کی طرف اپنے اس مکاتب کی ولاء لوٹ آئے گی جو کہ اس سے پہلے آزاد ہو چکا تھا۔ اور اگر پہلا مکاتب (اپنا زر کتابت) ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے یا اپنے بدل کتابت سے عاجز آ جائے اور اس کے آزاد بچے موجود ہوں تو بھی وہ اپنے باپ (پہلے مکاتب) کے مکاتب کے وارث نہ ہوں گے کیونکہ (ان کا باپ غلامی کی حالت میں مرا تھا یا پھر دوبارہ کامل غلام بن گیا تھا اس لیے) ان کے باپ کے لیے (اپنے آزاد کردہ یعنی دوسرے مکاتب غلام کی) ولاء ثابت

ہی نہ ہو سکی اور اس کے لیے ولاء ثابت نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے۔

فائدہ: ...... الغرض ولاء اسی کو ملتی ہے جو آزاد ہو اور ولاء اسی کی نسل میں منتقل ہو سکتی ہے جس کے لیے پہلے خود ثابت ہو جائے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَيَتْرُكُ أَحَدُهُمَا لِلْمُكَاتَبِ الَّذِي لَهُ عَلَيْهِ وَيَشِحُّ الآخَرُ، ثُمَّ يَمُوتُ الْمُكَاتَبُ وَيَتْرُكُ مَالاً. قَالَ مَالِكٌ: يَقْضِي الَّذِي لَمْ يَتْرُكْ لَهُ شَيْئاً مَا بَقِيَ لَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقْتَسِمَانِ الْمَالَ كَهَيْئَتِهِ لَوْ مَاتَ عَبْداً، لأَنَّ الَّذِي صَنَعَ لَيْسَ بِعَتَاقَةٍ، وَإِنَّمَا تَرَكَ مَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، پھر ان میں سے ایک مکاتب کے حق میں وہ (بدل کتابت) چھوڑ دیتا ہے جو اس کا اس پر تھا اور دوسرا مالک بخل وحرص سے کام لیتا ہے (اور اپنا حق نہیں چھوڑتا)، پھر مکاتب غلام فوت ہو جاتا ہے اور کچھ مال بھی چھوڑ جاتا ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (سب سے پہلے) اس (مالک کے حق) کی ادائیگی کی جائے گی جس نے مکاتب کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا (اور کچھ بھی معاف نہ کیا تھا) اس حصے کو (اس کے حوالے کیا جائے گا) جو اس کا اس کے ذمے باقی تھا، پھر دونوں آقا مال (مکاتب غلام کے ترکے) کو اسی صورت کی طرح (برابر برابر) تقسیم کر لیں گے کہ جب وہ (مکاتب مکمل) غلامی کی حالت میں مرتا، اس لیے کہ بے شک وہ کام جو (اپنا حق معاف کرنے والے) اس آقا نے کیا تھا وہ اس غلام کے حق میں آزادی نہیں بن سکتا اور بلاشبہ اس نے تو صرف اپنا وہ حق ہی چھوڑا تھا جو اس کا غلام کے ذمے تھا۔

فائدہ: ...... لہٰذا اسے "عتق" (آزادی) نہیں سمجھا جائے گا بلکہ "ترك ماله عليه" (اپنے حق کی معافی) ہی شمار کریں گے، ہاں اگر دونوں آقا اپنا اپنا حق معاف کر دیتے تو ان کا یہ عمل غلام کے حق میں آزادی شمار ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَاتَ وَتَرَكَ مُكَاتَباً، وَتَرَكَ بَنِينَ رِجَالاً وَنِسَاءً، ثُمَّ أَعْتَقَ أَحَدُ الْبَنِينَ نَصِيبَهُ مِنَ الْمُكَاتَبِ: إِنَّ ذَلِكَ لاَ يُثْبِتُ لَهُ مِنَ الْوَلاَءِ شَيْئاً، وَلَوْ كَانَتْ عَتَاقَةً لَثَبَتَ الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ مِنْهُمْ مِنْ رِجَالِهِمْ وَنِسَائِهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ان دلائل میں سے جو اس مسئلے کو واضح کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ بے شک ایک آدمی جب مر گیا اور ایک مکاتب غلام چھوڑ گیا اور اپنے بیٹے اور بیٹیاں بھی چھوڑ گیا، پھر بیٹوں میں سے ایک نے مکاتب غلام سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو بلاشبہ یہ (اپنے حصے کو آزاد کرنے کا عمل اس کے لیے ولاء میں سے کچھ بھی ثابت نہ کر سکے گا اور اگر یہ عمل "آزادی" شمار ہوتا تو ولاء ان سب بیٹوں اور بیٹیوں میں سے صرف اس کے لیے ثابت ہوتی جس نے آزاد کیا ہوتا۔

فائدہ: ...... لیکن ایسا نہیں ہوا اور سب بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے ولاء ثابت ہوئی، کیونکہ مکاتب غلام کو ابھی آزادی نہیں ملی تھی اس لیے وہ میت کے ترکے کی صورت میں ساری اولاد میں تقسیم ہوا۔ اس طرح کہ باپ کے مقرر کردہ زر کتابت میں بیٹی بیٹیاں اپنے اپنے حصوں کے مطابق حق دار ٹھہرے اور وہ مکاتب اب باپ کی بجائے اس اولاد کو بدل کتابت ادا کرے گا اور ساری اولاد کا مشترکہ غلام قرار پائے گا اور تمام اس کی ولاء میں شریک ہوں گے، الغرض مشترکہ ملکیت رکھنے والوں میں سے کوئی ایک اگر اپنا حصہ آزاد کر دے یا مکاتب بنا دے تو یہ ''اپنے حق کی معافی'' تو شمار ہوگا لیکن غلام کی ''آزادی'' نہیں سمجھا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً : أَنَّهُمْ إِذَا أَعْتَقَ أَحَدُهُمْ نَصِيبَهُ ، ثُمَّ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ لَمْ يُقَوَّمْ عَلَى الَّذِي أَعْتَقَ نَصِيبَهُ مَا بَقِيَ مِنَ الْمُكَاتَبِ ، وَلَوْ كَانَتْ عَتَاقَةً قُوِّمَ عَلَيْهِ حَتَّى يَعْتِقَ فِي مَالِهِ ، كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ أَعْتَقَ شِرْكاً لَهُ فِي عَبْدٍ ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ، عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسے واضح کرنے والی ایک دلیل یہ ہے کہ بے شک ان میں سے کوئی ایک جب اپنا حصہ آزاد کر دے، پھر مکاتب غلام عاجز آ جائے تو جس نے اپنا حصہ آزاد کیا تھا اس کے ذمے مکاتب کے باقی ماندہ حصے کی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔ اگر یہ (ایک حصے کی آزادی کا عمل غلام کے حق میں مکمل) آزادی شمار ہوتا تو اس (آزاد کرنے والے) پر غلام کی قیمت لگا دی جاتی، یہاں تک کہ وہ اس کے مال میں سے مکمل آزاد ہو جاتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ)) ''جس شخص نے کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو اس پر اس کی انصاف والی قیمت لگائی جائے گی (بشرطیکہ اس کے پاس باقی ماندہ حصوں کے بقدر مال ہو)، پھر اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس سے صرف وہی حصہ آزاد ہوا جو (اس ایک کی طرف سے) آزاد ہوا ہو۔''

فائدہ: ...... یعنی عام غلاموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو باقی ماندہ حصے اس کے ذمے پڑ جاتے ہیں جس وقت کہ وہ وسعت رکھتا ہو لیکن مکاتب غلام میں ایسا نہیں ہوتا، اس میں ایک حصہ آزاد کرنے والا محض ''اپنا حصہ معاف کرنے والا شمار ہوتا ہے، نہ کہ آزاد کرنے والا، لہٰذا اس کا عمل ''ترک'' تو ہے، ''عتق'' نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس فتویٰ میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس مفہوم کی روایت پیچھے کتاب العتق کے آغاز میں گزر چکی ہے، دیکھئے موطا امام مالک، حدیث: 1267۔

قَالَ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً أَنَّ مِنْ سُنَّةِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس کی وضاحت کرنے والے

الْمُسْلِمِينَ الَّتِي لاَ اخْتِلاَفَ فِيهَا : أَنَّ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكاً لَهُ فِي مُكَاتَبٍ ، لَمْ يُعْتَقْ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ ، وَلَوْ عَتَقَ عَلَيْهِ كَانَ الْوَلاَءُ لَهُ دُونَ شُرَكَائِهِ .

دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بے شک مسلمانوں کا وہ طریقہ جس میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بلاشبہ جو شخص مکاتب غلام میں موجود اپنا حصہ آزاد کر دیتا ہے تو وہ مکاتب اس کی طرف سے اس کے مال میں سے آزاد نہیں ہوتا اور اگر وہ اس کی طرف سے آزاد ہو جاتا تو ولاء باقی شریکوں کو چھوڑ کر صرف اس کے لیے ثابت ہوتی۔

فائدہ :...... حالانکہ یہاں اس کے آزاد کرنے کے باوجود سب شرکاء مکاتب کی ولاء تو اس ایک شخص کے لیے ہوگی جو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی عادلانہ قیمت ادا کر دے گا۔ البتہ باقی شرکاء کے اپنے اپنے حصے آزاد نہ کرنے کی صورت میں یا پہلے آزاد کرنے والے کے پاس دیگر حصص کی قیمت نہ ہونے کی شکل میں شریک رہتے ہیں، لہٰذا اس کا آزاد کرنا ''عتق'' (آزادی) نہیں کہلاتا بلکہ ''اپنے حصے کا ترک'' (معافی) ہی شمار ہوتا ہے۔

قَالَ : وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ أَيْضاً : أَنَّ مِنْ سُنَّةِ الْمُسْلِمِينَ أَنَّ الْوَلاَءَ لِمَنْ عَقَدَ الْكِتَابَةَ ، وَأَنَّهُ لَيْسَ لِمَنْ وَرِثَ سَيِّدَ الْمُكَاتَبِ مِنَ النِّسَاءِ مِنْ وَلاَءِ الْمُكَاتَبِ ، وَإِنْ أَعْتَقْنَ نَصِيبَهُنَّ شَيْءٌ ، إِنَّمَا وَلاَؤُهُ لِوَلَدِ سَيِّدِ الْمُكَاتَبِ الذُّكُورِ ، أَوْ عَصَبَتِهِ مِنَ الرِّجَالِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بلاشبہ مسلمانوں کی یہ سنت ہے کہ بے شک ولاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو عقد کتابت کرتا ہے اور (یہ بھی سنت ہے کہ) بے شک عورتوں میں سے جو جو (عورتیں) مکاتب کے آقا کی وارث بنتی ہیں ان کے لیے مکاتب کی ولاء میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا (کیونکہ ولاء صرف عصبہ بنفسہ کو ملتی ہے اور عصبہ بنفسہ صرف مذکر ہوتے ہیں،) اگرچہ وہ (وارث بننے والی عورتیں) اپنے حصے کو آزاد کر دیں (پھر بھی وہ ولاء نہیں پا سکتیں) بلکہ بلاشبہ اس مکاتب کی ولاء تو مکاتب کے آقا کی صرف مذکر اولاد کے لیے ہوتی ہے یا ان کے لیے جو مردوں میں سے عصبہ ہوتے ہیں۔

فائدہ :...... اگر ان عورتوں کا اپنے حصے کو آزاد کرنا ''عتـــق'' (آزادی) شمار ہوتا تو یقیناً ان کو ولاء ملتی، کیونکہ اگر آزاد کرنے والی کوئی عورت ہو تو پھر مونث ہونے کے باوجود وہ ولاء پا لیتی ہے لیکن مذکورہ صورت میں ان کا اپنے حصے کو آزاد کرنا ''عتـــق'' نہیں کہلاتا، لہٰذا ثابت ہوا کہ مکاتب غلام میں اپنے حصے کو چھوڑنا، معاف کرنا یا آزاد کرنا محض ''اپنے حق کو ترک کرنا'' کہلاتا ہے اور وہ ''غلام کو آزاد کرنا'' شمار نہیں ہوتا...... یہ آخری چار مسائل اور فتاویٰ دراصل اس بات کے دلائل ہیں کہ مکاتب غلام کا معاملہ عام غلام کی طرح نہیں ہے اور مکاتب میں اپنے حصے کو آزاد کرنا عام غلام میں اپنا حصہ آزاد کرنا ''آزادی'' نہیں بلکہ ''حصے کی معافی اور ترک'' شمار ہوتا ہے اور اسے مجازاً آزادی کے لفظ سے تعبیر

کرتے ہیں کیونکہ اس کی مشابہت آزادی ہی سے ہے جبکہ حقیقت میں یہ آزادی نہیں، لہٰذا اس پر آزادی کے احکامات بھی مرتب نہیں ہوں گے۔

11- بَابٌ: مَا لَا يَجُوْزُ مِنْ عِتْقِ الْمُكَاتَبِ

مکاتب کی اس آزادی کا بیان جو جائز نہیں ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ الْقَوْمُ جَمِيعاً فِي كِتَابَةٍ وَاحِدَةٍ، لَمْ يُعْتِقْ سَيِّدُهُمْ أَحَداً مِنْهُمْ دُونَ مُؤَامَرَةِ أَصْحَابِهِ الَّذِينَ مَعَهُ فِي الْكِتَابَةِ وَرِضاً مِنْهُمْ، وَإِنْ كَانُوا صِغَاراً، فَلَيْسَ مُؤَامَرَتُهُمْ بِشَيْءٍ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب چند غلام ایک ہی عقد کتابت میں اکٹھے ہوں تو ان کا آقا ان میں سے کسی ایک کو، اس کے ساتھ کتابت میں موجود اس کے ساتھیوں کے مشورے اور ان کی رضا مندی کے بغیر آزاد نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کم سن ہوں تو پھر ان کے مشورے کی کوئی حیثیت نہیں، اور (اس وقت) یہ (کسی ایک کا آزاد کرنا) ان (باقی ساتھیوں) پر (اسے ترجیح دیتے ہوئے) جائز نہ ہوگا، (وہ کمسن ساتھی رضا مند ہوں یا نہ ہوں، وہ کسی بھی صورت میں اس ایک کو آزاد نہیں کر سکتا)۔

قَالَ: وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ رُبَّمَا كَانَ يَسْعَى عَلَى جَمِيعِ الْقَوْمِ وَيُؤَدِّي عَنْهُمْ كِتَابَتَهُمْ لِتَتِمَّ بِهِ عَتَاقَتُهُمْ، فَيَعْمِدُ السَّيِّدُ إِلَى الَّذِي يُؤَدِّي عَنْهُمْ، وَبِهِ نَجَاتُهُمْ مِنَ الرِّقِّ، فَيُعْتِقُهُ فَيَكُونُ ذَلِكَ عَجْزاً لِمَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ، وَإِنَّمَا أَرَادَ بِذَلِكَ الْفَضْلَ وَالزِّيَادَةَ لِنَفْسِهِ، فَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ عَلَى مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ وَهَذَا أَشَدُّ الضَّرَرِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ (ممانعت) اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہی ایک آدمی بسا اوقات (اپنے محنتی، طاقتور اور ہوشیار ہونے کی بنا پر باقی) تمام غلاموں کے لیے محنت کرتا ہے اور ان سب کی طرف سے ان کا زر کتابت ادا کر دیتا ہے تا کہ اس کے ذریعے ان تمام کی آزادی کامل ہو جائے، تو آقا اس شخص کا قصد کرتا ہے جو ان سب کی طرف سے ادائیگی کر سکتا ہے اور اس کی وجہ سے تمام کی غلامی سے نجات (کی امید) ہوتی ہے، چنانچہ وہ اسے آزاد کر دیتا ہے، پھر یہ چیز ان مکاتب غلاموں میں سے باقی سب کی عاجزی کا باعث بن جاتی ہے اور بلاشبہ (اس محنتی مکاتب غلام کی آزادی سے مقصود اس پر احسان نہیں ہوتا بلکہ) وہ مالک اس کے ذریعے اپنے لیے فضیلت و زیادتی چاہتا ہے (اور زیادہ غلاموں کا مالک بن کر خود کو صاحب دولت اور مالدار دیکھنا چاہتا ہے) لہٰذا ان میں سے باقی غلاموں پر یہ (ایک کی ترجیح اور آزادی) جائز ہی نہیں اور یقیناً رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں: (لَا ضَـرَرَ وَلَا ضِـرَارَ) ''نہ (اسلام میں ابتداءً کسی کو) نقصان دینا جائز ہے اور نہ بدلے میں کسی کو ضرر پہنچانا

درست ہے'' اور (مذکورہ آزادی باقی غلاموں کے حق میں) سخت ترین ضرر اور نقصان ہے۔

فائدہ :...... یہ روایت آگے موطا امام مالک میں ''کتابت الاقضیہ کے باب: 26 میں بھی آ رہی ہے، دیکھئے روایت 1444۔ نیز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ (ابن ماجه: 2340، اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبِيدِ يُكَاتَبُونَ جَمِيعاً: إِنَّ لِسَيِّدِهِمْ أَنْ يُعْتِقَ مِنْهُمُ الْكَبِيرَ الْفَانِيَ وَالصَّغِيرَ الَّذِي لاَ يُؤَدِّي وَاحِدٌ مِنْهُمَا شَيْئاً، وَلَيْسَ عِنْدَ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَوْنٌ وَلاَ قُوَّةٌ فِي كِتَابَتِهِمْ، فَذَلِكَ جَائِزٌ لَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ان غلاموں کے متعلق فرمایا جن کو اکٹھے مکاتب بنایا جاتا ہے، (فرمایا) کہ بلاشبہ ان کے آقا کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان میں سے ایسے انتہائی بوڑھے شخص کو اور ایسے بچے کو آزاد کر دے کہ جن میں سے کوئی بھی کچھ بھی (محنت کر کے) ادا نہیں کر سکتا اور نہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس ان (باقی غلاموں) کے بدل کتابت کے لیے کوئی مدد ہے اور نہ کوئی قوت، لہٰذا یہ عمل آقا کے لیے جائز ہے۔

12- بَابٌ: جَامِعُ مَا جَاءَ فِي عِتْقِ الْمُكَاتَبِ وَأُمِّ وَلَدِهِ

مکاتب غلام اور اس کی ام ولد لونڈی کی آزادی کے متعلق مختلف مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يُكَاتِبُ عَبْدَهُ، ثُمَّ يَمُوتُ الْمُكَاتَبُ وَيَتْرُكُ أُمَّ وَلَدِهِ، وَقَدْ بَقِيَتْ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ بَقِيَّةٌ، وَيَتْرُكُ وَفَاءً بِمَا عَلَيْهِ: قَالَ مَالِكٌ: إِنَّ أُمَّ وَلَدِهِ أَمَةٌ مَمْلُوكَةٌ حِينَ لَمْ يُعْتَقِ الْمُكَاتَبُ حَتَّى مَاتَ، وَلَمْ يَتْرُكْ وَلَداً فَيُعْتَقُونَ بِأَدَاءِ مَا بَقِيَ، فَتُعْتَقُ أُمُّ وَلَدِ أَبِيهِمْ بِعِتْقِهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنے غلام سے کتابت کر لیتا ہے، پھر وہ مکاتب غلام مر جاتا ہے اور اپنی ام ولد لونڈی چھوڑ جاتا ہے، اس حال میں کہ اس پر اپنے زر کتابت میں سے بھی کچھ (کی ادائیگی) باقی ہو اور وہ اتنا مال بھی چھوڑ جاتا ہے جس سے اس پر واجب رقم کی مکمل ادائیگی ہو سکتی ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (مرنے والے مکاتب غلام) کی ام ولد (مکاتب کے آقا کی) ملکیتی لونڈی ہو جائے گی، (لیکن یہ فیصلہ اس صورت میں ہے کہ) جب مکاتب غلام آزاد نہ ہو سکا ہو، یہاں تک کہ مر گیا اور نہ ہی وہ کوئی بچے چھوڑ کر گیا ہو کہ (اگر وہ ہوتے تو) وہ باقی ماندہ زر کتابت کی ادائیگی کر کے آزاد ہو جاتے، جس کے نتیجے میں ان کی آزادی کے ساتھ ہی ان کے باپ کی ام ولد لونڈی بھی آزاد ہو جاتی۔

فائدہ :...... چونکہ غلام کا مال آقا ہی کا شمار ہوتا ہے اور غلام کی ام ولد لونڈی بھی مال ہے، اس لیے وہ بھی اپنے آقا کے آقا ہی کی طرف منتقل ہو جائے گی، اگرچہ ام ولد لونڈی اپنے آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے لیکن

یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کا آقا مکمل آزاد ہو یا مکمل آزادی پا چکا ہو، ہاں اگر اس کا آقا کسی کا مکاتب غلام ہو اور مرتے وقت کچھ بچے چھوڑ گیا ہو جو اپنے باپ کا باقی ماندہ بدل کتابت ادا کر سکتے ہوں تو ان کے باپ کی وراثت اس کے آقا کی طرف منتقل نہیں ہوگی بلکہ انتظار کیا جائے گا، چنانچہ اگر تو یہ بچے محنت کر کے باقی ماندہ زر کتابت ادا کر دیں تو آزاد ہو جائیں گے اور اپنے باپ کا مال بھی پا لیں گے اور اگر عاجز آ گئے تو پھر سب کے سب اس آقا کی مکمل غلامی میں چلے جائیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يُعْتِقُ عَبْداً لَهُ، أَوْ يَتَصَدَّقُ بِبَعْضِ مَالِهِ وَلَمْ يَعْلَمْ بِذَلِكَ سَيِّدُهُ حَتَّى عَتَقَ الْمُكَاتَبُ. قَالَ مَالِكٌ: يَنْفُذُ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ لِلْمُكَاتَبِ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ، فَإِنْ عَلِمَ سَيِّدُ الْمُكَاتَبِ قَبْلَ أَنْ يَعْتِقَ الْمُكَاتَبُ، فَرَدَّ ذَلِكَ وَلَمْ يُجِزْهُ، فَإِنَّهُ إِنْ عَتَقَ الْمُكَاتَبُ، وَذَلِكَ فِي يَدِهِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ يُعْتِقَ ذَلِكَ الْعَبْدَ، وَلَا أَنْ يُخْرِجَ تِلْكَ الصَّدَقَةَ، إِلَّا أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ طَائِعاً مِنْ عِنْدِ نَفْسِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جو اپنے کسی غلام کو آزاد کر دیتا ہے یا اپنے کچھ مال کو صدقہ کر دیتا ہے اور اس کے آقا کو اس کا پتا نہیں چلتا، یہاں تک کہ وہ مکاتب بھی آزاد ہو جاتا ہے، (بعد میں آقا کو اس کے آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کا علم ہوتا ہے،) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (آزادی وصدقہ) کو اس (مکاتب) کی طرف سے نافذ کر دیا جائے گا اور (آزاد ہونے والے) مکاتب کے لیے جائز نہ ہوگا کہ اس میں رجوع کرے (اور یہ بہانہ بنائے کہ میرا صدقہ اور آزاد کرنا باطل تھا کیونکہ میرے آقا کو اس کا علم نہ تھا، بلکہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا، ہاں) اگر مکاتب کے آقا کو مکاتب کے آزاد ہونے سے پہلے اس کا علم ہو گیا، پھر اس نے (آزاد شدہ غلام اور صدقہ شدہ مال) کو واپس لے لیا اور اسے جائز قرار نہ دیا (نافذ نہ کیا اور اسے باطل قرار دے کر اس غلام اور مال کو دوبارہ مکاتب غلام کے حوالے کر دیا) پھر اگر وہ مکاتب آزاد ہو جائے اور وہ (غلام اور مال) اس کے قبضے ہی میں ہو، تو اب اس پر لازم نہیں (اور اسے مجبور نہیں کیا جائے گا) کہ اسی غلام کو (دوبارہ) آزاد کرے اور اسی صدقے کو (دوبارہ) نکالے، الا یہ کہ وہ اپنے دل کی خوشی سے ایسا کر لے۔ (تو درست ہے، بہرحال واجب نہیں ہے)

13- بَابٌ: الْوَصِيَّةُ فِي الْمُكَاتَبِ

مکاتب کے متعلق (مرنے والے آقا کی) وصیت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دس فتاوی جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......موت کے وقت کیا جانے والا ہر ایسا کام جس سے ورثاء کی حق تلفی ہو رہی ہو، باطل قرار پاتا ہے، ہاں میت کو اپنے ایک تہائی مال میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے تاکہ وہ اس کی وصیت کر سکے، اسی لیے میت کے موت سے پہلے کیے ہوئے تمام صدقے اور وصیتیں صرف تہائی مال میں سے پورا کیے جانے کا حق رکھتے ہیں، اس سے زائد

کالعدم اور باطل قرار پاتے ہیں، اسی طرح موت کے وقت اپنے مکاتب غلام کو آزاد کرنے کا معاملہ ہے، جسے اگر آزاد نہ کیا جائے تو اس مکاتب کو ابھی اپنی کچھ اور غلامی کا عرصہ گزارنا پڑتا اور باقی ماندہ قسطیں بھی آزاد کرنا پڑتیں جس سے ورثاء کو فائدہ ہوتا لیکن اسے قبل از موت آزاد کر دینے کی صورت میں ورثاء کی حق تلفی ہوتی ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : إِنَّ أَحْسَـنَ مَـا سَمِعْتُ فِـي الْـمُـكَـاتَـبِ يُـعْتِـقُـهُ سَيِّدُهُ عِنْدَ الْمَوْتِ : أَنَّ الْمُكَاتَبَ يُقَامُ عَلَى هَيْئَتِهِ تِلْكَ ، الَّتِي لَوْ بِيعَ كَـانَ ذَلِكَ الثَّـمَـنَ الَّـذِي يَبْـلُغُ ، فَإِنْ كَانَتِ الْـقِيـمَةُ أَقَلَّ مِمَّا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ الْكِتَابَةِ وُضِعَ ذَلِكَ فِـي ثُـلُثِ الْمَيِّتِ ، وَلَمْ يُنْظَرْ إِلَى عَدَدِ الدَّرَاهِمِ الَّتِي بَقِيَتْ عَلَيْهِ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَوْ قُتِلَ لَـمْ يَغْرَمْ قَاتِلُهُ إِلَّا قِيمَتَهُ يَوْمَ قَتْلِهِ ، وَلَوْ جُرِحَ لَـمْ يَغْرَمْ جَارِحُهُ إِلَّا دِيَةَ جَرْحِهِ يَوْمَ جَرَحَهُ ، وَلَا يُـنْـظَـرُ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ إِلَى مَا كُوتِبَ عَـلَيْـهِ مِـنَ الـدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ ، لِأَنَّهُ عَبْدٌ مَا بَـقِـيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ شَيْءٌ ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي بَـقِـيَ عَـلَـيْـهِ مِـنْ كِتَابَتِهِ أَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ لَمْ يُـحْسَبْ فِي ثُلُثِ الْمَيِّتِ إِلَّا مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِنَّمَا تَرَكَ الْمَيِّتُ لَهُ مَا بَقِيَ عَـلَيْـهِ مِـنْ كِتَـابَتِهِ ، فَصَارَتْ وَصِيَّةً أَوْصَى بِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً میں نے سب سے اچھی بات جو سنی ہے، اس مکاتب غلام کے متعلق جسے اس کا آقا اپنی موت کے وقت آزاد کر دیتا ہے، تو بلاشبہ اسے اس کی اس حالت (صورت اور قیمت) کے قائم مقام سمجھا جائے گا کہ اگر اسے بیچ دیا جاتا تو وہ (غلام) وہی قیمت ہوتا جس تک وہ پہنچتا، (یعنی مکاتب کی دو حالتیں اور دو قیمتیں ہوتی ہیں، ایک بدل کتابت والی اور دوسری خرید وفروخت والی۔ غلاموں کی قیمتیں، ان کے حسن، قوت، نسل، یا کسی فن میں صلاحیت ومہارت کی بنا پر کم وبیش ہوتی ہیں جبکہ بدل کتابت اس قیمت سے کم بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی، اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بوقت موت آزاد کیے جانے والے مکاتب غلام کو فی الفور آزاد نہیں کیا جائے گا بلکہ بازار کے ریٹ کے مطابق اس کی قیمت فروخت معلوم کی جائے گی) چنانچہ اگر مکاتب کی قیمت اس پر عائد بدل کتابت کے بقایا جات سے کم ہو تو اس (پوری قیمت) کو میت کے تہائی مال کے اندر اندر رکھ دیا جائے گا (اور دیکھا جائے گا کہ یہ کل ترکے کا کتنا حصہ بنتا ہے، اگر وہ ترکے کے تہائی حصے کے برابر یا اس سے کم ہو تو سمجھیں گے کہ میت نے اپنے مال کے تہائی حصے میں اپنا حق اور اختیار استعمال کرتے ہوئے وصیت کی ہے اور اسے اللہ کی راہ میں نکال کر آزاد کر دیا ہے، مذکورہ صورت میں مکاتب غلام کی پوری قیمت ہی تہائی مال میں شمار کی جائے گی) اور ان درہموں کی طرف نہیں دیکھا جائے گا جو (بدل کتابت میں) اس کے ذمے باقی ہیں (کیونکہ وہ زیادہ ہیں اور غلام کی آزادی تو ان درہموں سے کم مقدار میں ثابت ہو رہی ہے، تو کیا ضرورت ہے اس بات کی کہ غلام کی قیمت زیادہ شمار کریں اور ورثاء کے لیے مال میں کمی کریں) اور یہ (پوری قیمت فروخت کا

اعتبار) اس وجہ سے ہے کہ اگر وہ (مکاتب غلام) قتل کر دیا جاتا تو اس کا قاتل اس کے قتل کے دن والی اس کی قیمت (بطور دیت ادا کرنے) کے سوا کچھ تاوان نہ اٹھاتا اور اگر زخمی کر دیا جاتا تو زخم لگنے کے دن اس کے زخم کی دیت کے سوا زخم لگانے والے پر کوئی چٹی نہ پڑتی اور ان میں سے کسی بھی چیز میں (یعنی قتل، زخم یا وصیت کے معاملے میں) ان دیناروں اور درہموں کی طرف نہیں دیکھا جائے گا جن پر اسے مکاتب بنایا گیا ہے، (الغرض اس کی عام قیمت فروخت ہی معتبر ہوگی نہ کہ قیمت کتابت) کیونکہ وہ بلاشبہ غلام ہی ہے جب تک کہ اس پر اس کی کتابت میں سے کچھ بھی باقی ہو...... اور اگر وہ زر کتابت جو اس کے ذمے ہے اس کی مکمل قیمت سے کم ہو تو میت کے تہائی مال میں باقی ماندہ زر کتابت کے سوا کسی اور چیز کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ (اس صورت میں غلام کی پوری قیمت تہائی مال سے نہیں نکالیں گے کیونکہ وہ زیادہ ہے اور غلام کی آزادی تو کم مال ہی سے ثابت ہو رہی ہے، تو کیا ضرورت ہے اس کے لیے زیادہ قیمت شمار کر کے ورثاء کے حصوں میں کمی کرنے کی؟) اور یہ بلاشبہ ایسے ہی ہے کہ جیسے میت نے اس مکاتب کے لیے اس پر عائد باقی ماندہ بدل کتابت (کا مطالبہ) چھوڑ دیا ہے اور یہ گویا ایک وصیت بن گئی ہے جو میت نے مکاتب کے لیے کی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ : أَنَّهُ لَوْ كَانَتْ قِيمَةُ الْمُكَاتَبِ أَلْفَ دِرْهَمٍ ، وَلَمْ يَبْقَ مِنْ كِتَابَتِهِ إِلَّا مِئَةُ دِرْهَمٍ ، فَأَوْصَى سَيِّدُهُ لَهُ بِالْمِئَةِ دِرْهَمٍ الَّتِي بَقِيَتْ عَلَيْهِ ، حُسِبَتْ لَهُ فِي ثُلُثِ سَيِّدِهِ ، فَصَارَ حُرًّا بِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی وضاحت یوں ہے کہ اگر مکاتب غلام کی کل قیمت ایک ہزار درہم ہو اور بدل کتابت میں سے ایک سو درہم کے سوا کچھ (بھی ادائیگی) باقی نہ ہو تو (گویا) میت نے مکاتب کے لیے ایک سو درہم کی وصیت کر دی ہے جو اس پر باقی تھے، وہ میت کے تہائی مال میں اس کے لیے شمار ہوں گے، چنانچہ وہ ان کی وجہ سے آزاد شمار ہوگا۔

فائدہ: ...... یہ وضاحت گزشتہ مسئلے کے آخری حصے کی ہے اور اس کے ابتدائی حصے کی وضاحت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ اگر غلام کی کل قیمت ایک ہزار درہم ہو اور بدل کتابت دو ہزار درہم باقی ہو تو اب کل قیمت یعنی ایک ہزار کو مکاتب غلام کے لیے وصیت شمار کریں گے اور میت کے تہائی مال میں سے اس کا حساب لگائیں گے۔ مثلاً اگر میت کا ترکہ اس مکاتب کی قیمت سمیت تین ہزار درہم ہوں تو ایک تہائی یعنی ایک ہزار درہم وصیت میں ختم ہو جائیں گے، اسی طرح غلام آزاد ہو جائے گا اور باقی سارا ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوگا...... یاد رہے مذکورہ بالا مسئلے میں میت کے مکاتب غلام کو آزاد کر دینے کا تذکرہ تھا اور آگے آنے والے مسئلے میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ میت اپنے عام غلام کو آزاد نہ کرے بلکہ مکاتب بنا کر فوت ہو تو کیا کیا جائے گا۔

قَـالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ كَاتَبَ عَبْدَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ ،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی موت

إِنَّهُ يُقَوَّمُ عَبْداً، فَإِنْ كَانَ فِي ثُلُثِهِ سَعَةٌ لِثَمَنِ الْعَبْدِ جَازَ لَهُ ذَلِكَ .

کے وقت اپنے غلام کو مکاتب بنا دیتا ہے، تو بلاشبہ اس غلام کی قیمت لگائی جائے گی، پھر اگر اس میت کے تہائی مال میں غلام کی قیمت کے لیے وسعت ہو تو یہ جائز ہے (ورنہ ناجائز ہے)

قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنْ تَكُونَ قِيمَةُ الْعَبْدِ أَلْفَ دِينَارٍ ، فَيُكَاتِبُهُ سَيِّدُهُ عَلَى مِئَتَيْ دِينَارٍ عِنْدَ مَوْتِهِ ، فَيَكُونُ ثُلُثُ مَالِ سَيِّدِهِ أَلْفَ دِينَارٍ ، فَذَلِكَ جَائِزٌ لَهُ ، وَإِنَّمَا هِيَ وَصِيَّةٌ أَوْصَى لَهُ بِهَا فِي ثُلُثِهِ ، فَإِنْ كَانَ السَّيِّدُ قَدْ أَوْصَى لِقَوْمٍ بِوَصَايَا ، وَلَيْسَ فِي الثُّلُثِ فَضْلٌ عَنْ قِيمَةِ الْمُكَاتَبِ ، بُدِئَ بِالْمُكَاتَبِ لأَنَّ الْكِتَابَةَ عَتَاقَةٌ ، وَالْعَتَاقَةُ تُبْدَأُ عَلَى الْوَصَايَا ، ثُمَّ تُجْعَلُ تِلْكَ الْوَصَايَا فِي كِتَابَةِ الْمُكَاتَبِ ، يَتْبَعُونَهُ بِهَا ، وَيُخَيَّرُ وَرَثَةُ الْمُوصِي ، فَإِنْ أَحَبُّوا أَنْ يُعْطُوا أَهْلَ الْوَصَايَا وَصَايَاهُمْ كَامِلَةً ، وَتَكُونُ كِتَابَةُ الْمُكَاتَبِ لَهُمْ فَذَلِكَ لَهُمْ ، وَإِنْ أَبَوْا وَأَسْلَمُوا الْمُكَاتَبَ وَمَا عَلَيْهِ إِلَى أَهْلِ الْوَصَايَا فَذَلِكَ لَهُمْ ، لأَنَّ الثُّلُثَ صَارَ فِي الْمُكَاتَبِ ، وَلأَنَّ كُلَّ وَصِيَّةٍ أَوْصَى بِهَا أَحَدٌ ، فَقَالَ الْوَرَثَةُ: الَّذِي أَوْصَى بِهِ صَاحِبُنَا أَكْثَرُ مِنْ ثُلُثِهِ ، وَقَدْ أَخَذَ مَا لَيْسَ لَهُ . قَالَ : فَإِنَّ وَرَثَتَهُ يُخَيَّرُونَ ، فَيُقَالُ لَهُمْ : قَدْ أَوْصَى صَاحِبُكُمْ بِمَا قَدْ عَلِمْتُمْ ، فَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ تُنَفِّذُوا ذَلِكَ لأَهْلِهِ عَلَى مَا أَوْصَى بِهِ الْمَيِّتُ ، وَإِلاَّ فَأَسْلِمُوا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس کی وضاحت یوں ہے کہ اس غلام کی قیمت ایک ہزار دینار ہو اور آقا اپنی موت کے وقت اسی سے دوسو دینار پر مکاتبت کر لے، پھر اس کے آقا کے ترکے کا تہائی حصہ بھی ایک ہزار دینار ہو تو یہ عمل اس کے لیے جائز ہے اور بلاشبہ یہ تو صرف اور صرف ایک وصیت ہی ہے جو میت نے اپنے تہائی مال میں غلام کے لیے کی ہے...... پھر اگر آقا نے کچھ اور لوگوں کے لیے بھی چند وصیتیں کی ہوں، لیکن تہائی مال میں غلام کی قیمت سے زیادہ کچھ بھی نہ ہو تو (وصیت پوری کرتے وقت) مکاتب غلام ہی سے آغاز کیا جائے گا، کیونکہ مکاتبت آزادی (کا پروانہ) ہے اور آزادی (کی وصیت) تمام وصیتوں سے مقدم ہوتی ہے، (چنانچہ اب سب سے پہلے غلام کو مکاتب بنائیں گے اور پھر باقی وصیتوں والوں کو محرومی سے یوں بچائیں گے کہ) پھر وہ ساری وصیتیں مکاتب کی کتابت میں ڈال دیں گے، چنانچہ (ان وصیتوں والے) لوگ ان کی ادائیگی میں مکاتب کا پیچھا کریں گے (اور اس سے مطالبہ کریں گے کہ وہ ہر وصیت والے کو اس کا حصہ ادا کرے) اور وصیت کرنے والے (فوت شدہ آقا) کے ورثاء کو اختیار دیا جائے گا، اگر وہ یہ پسند کریں کہ وصیتوں والوں کو ان کی مکمل وصیتیں ادا کر دیں اور مکاتب کی کتاب اپنے قبضے میں رکھیں تو یہ بھی ان کے لیے جائز ہے لیکن اگر وہ (ان

أَهْلَ الْوَصَايَا ثُلُثَ مَالِ الْمَيِّتِ كُلِّهِ .

کے لیے کی ہوئی وصیتوں کے مطابق ادائیگی سے) انکار کر دیں اور مکاتب غلام کو اور اس کے بدل کتابت کو وصیتوں والوں کے سپرد کر دیں تو یہ بھی ان کے لیے جائز ہے، کیونکہ بلاشبہ (میت کا) تہائی مال مکاتب غلام میں (منتقل) ہو چکا ہے (تو جس جس کا تہائی مال میں حق ہے وہ اسے اس مکاتب سے نکلوا سکتا ہے) اور (ورثاء کو اختیار دینے کی) ایک وجہ یہ ہے کہ بلاشبہ ہر وصیت جو کوئی بھی شخص کرتا ہے، پھر ورثاء کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھی (میت) نے جو کچھ وصیت کی ہے وہ اس کے تہائی مال سے زیادہ ہے اور یقیناً اس (میت) نے وہ کچھ بھی لے لیا ہے (یعنی لینا چاہا ہے) جو اس کے لیے جائز نہیں (اور اس نے تہائی مال سے تجاوز کر کے ورثاء کے حق میں تصرف کرنا چاہا) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یقیناً اس کے ورثاء کو اختیار دیا جائے گا، چنانچہ ان سے کہا جائے گا کہ تمھارے صاحب نے جو وصیت کی ہے تمھیں اس کا پتا ہی ہے لہٰذا اگر تم یہ پسند کرو کہ تم اس (ہر ہر وصیت) کو اس کے مستحق (افراد) کے لیے (خود) نافذ کر دو، یعنی میت نے جس جس چیز کی وصیت کی ہے (اسے پورا کر دو) ورنہ تم میت کا مکمل تہائی مال وصیتوں والوں کو سپرد کر دو (وہ خود اپنے اپنے حق کے حساب سے اسے بانٹ لیں گے)۔

قَالَ : فَإِنْ أَسْلَمَ الْوَرَثَةُ الْمُكَاتَبَ إِلَى أَهْلِ الْوَصَايَا ، كَانَ لأَهْلِ الْوَصَايَا مَا عَلَيْهِ مِنَ الْكِتَابَةِ ، فَإِنْ أَدَّى الْمُكَاتَبُ مَا عَلَيْهِ مِنَ الْكِتَابَةِ ، أَخَذُوا ذَلِكَ فِي وَصَايَاهُمْ عَلَى قَدْرِ حِصَصِهِمْ ، وَإِنْ عَجَزَ الْمُكَاتَبُ ، كَانَ عَبْداً لأَهْلِ الْوَصَايَا ، لاَ يَرْجِعُ إِلَى أَهْلِ الْمِيرَاثِ ، لأَنَّهُمْ تَرَكُوهُ حِينَ خُيِّرُوا ، وَلأَنَّ أَهْلَ الْوَصَايَا حِينَ أُسْلِمَ إِلَيْهِمْ ضَمِنُوهُ ، فَلَوْ مَاتَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ عَلَى الْوَرَثَةِ شَيْءٌ ، وَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ قَبْلَ أَنْ يُؤَدِّيَ كِتَابَتَهُ ، وَتَرَكَ مَالاً هُوَ أَكْثَرُ مِمَّا عَلَيْهِ ، فَمَالُهُ لأَهْلِ الْوَصَايَا ، وَإِنْ أَدَّى الْمُكَاتَبُ مَا عَلَيْهِ عَتَقَ ، وَرَجَعَ وَلاَؤُهُ إِلَى عَصَبَةِ الَّذِي عَقَدَ كِتَابَتَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ورثاء اس مکاتب کو وصیتوں والوں کے سپرد کر دیں گے تو پھر وصیتوں والوں ہی کے لیے وہ زر کتابت ہوگا جو مکاتب کے ذمے ہے، چنانچہ اگر مکاتب اپنے اوپر عائد بدل کتابت ادا کر دے تو وہ اسے اپنی وصیتوں میں اپنے اپنے حصوں کے حساب سے تقسیم کر لیں گے اور اگر مکاتب غلام عاجز آ جائے گا تو وہ وصیتوں والوں کے لیے غلام بن جائے گا، وہ وراثت والوں (یعنی اپنے آقا کے ورثاء) کی طرف نہیں لوٹے گا، کیونکہ جب انھیں اختیار دیا گیا تھا تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا تھا اور (اہل وصیت کے استحقاق کی) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بلاشبہ جب وہ غلام ان وصیتوں والوں کے سپرد کر دیا گیا تھا تو وہی اس کے ضامن تھے، چنانچہ اگر وہ مر جاتا تو ورثاء پر ان کے لیے کچھ حق نہ ہوتا (کیونکہ وہ تو ان کو غلام سپرد کر کے بری الذمہ ہو چکے تھے، لہٰذا جب غلام کی موت کی صورت میں نقصان کے حق دار یہ اہل وصیت ہیں تو غلام کے عاجز آ جانے کی صورت میں اس کے آقا بن جانے کے حق دار بھی وہی ہیں، جو نقصان کا ذمہ دار ہے وہی فائدے کا بھی حق دار

ہے)...... اگر مکاتب غلام اپنا زر کتابت ادا کرنے سے پہلے مر جائے اور اتنا مال چھوڑ کر جائے جو اس پر عائد زر کتابت سے زیادہ ہو تو اس کا یہ مال اہل وصیت ہی کے لیے ہوگا اور اگر مکاتب وہ کچھ ادا کر دے جو اس کے ذمے ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء اس کے عصبہ کی طرف لوٹ جائے گی جنھوں نے اس سے کتابت کا معاملہ کیا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُكَاتَبِ يَكُونُ لِسَيِّدِهِ عَلَيْهِ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ ، فَيَضَعُ عَنْهُ عِنْدَ مَوْتِهِ أَلْفَ دِرْهَمٍ . قَالَ مَالِكٌ : يُقَوَّمُ الْمُكَاتَبُ فَيُنْظَرُ كَمْ قِيمَتُهُ ، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَلْفَ دِرْهَمٍ ، فَالَّذِي وُضِعَ عَنْهُ عُشْرُ الْكِتَابَةِ ، وَذَلِكَ فِي الْقِيمَةِ مِئَةُ دِرْهَمٍ ، وَهُوَ عُشْرُ الْقِيمَةِ ، فَيُوضَعُ عَنْهُ عُشْرُ الْكِتَابَةِ ، فَيَصِيرُ ذَلِكَ إِلَى عُشْرِ الْقِيمَةِ نَقْداً ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ كَهَيْئَتِهِ لَوْ وُضِعَ عَنْهُ جَمِيعُ مَا عَلَيْهِ ، وَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يُحْسَبْ فِي ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ ، إِلَّا قِيمَةُ الْمُكَاتَبِ أَلْفُ دِرْهَمٍ ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي وُضِعَ عَنْهُ نِصْفُ الْكِتَابَةِ حُسِبَ فِي ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ نِصْفُ الْقِيمَةِ ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرَ ، فَهُوَ عَلَى هَذَا الْحِسَابِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے مکاتب غلام کے متعلق فرمایا کہ آقا کے لیے اس کے ذمے دس ہزار درہم (بدل کتابت کے طور پر واجب) تھے، پھر وہ اپنی موت کے وقت اس سے ایک ہزار درہم معاف کر دے (تو) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مکاتب غلام کی قیمت لگائی جائے گی، پھر دیکھا جائے گا کہ اس کی قیمت کتنی ہے، چنانچہ اگر اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہو تو (چونکہ) وہ چیز جو اس سے معاف کی گئی تھی وہ کل زر کتابت کا دسواں حصہ تھی اور یہ (دسواں حصہ غلام کی اصل) قیمت میں سو درہم بنتا ہے (کیونکہ اس کی اصل قیمت صرف ایک ہزار درہم تھی) لہٰذا غلام سے زر کتابت کا دسواں حصہ معاف کیا جائے گا جو کہ نقد قیمت کے دسویں حصے کی طرف منتقل ہو جائے گا (اگرچہ زر کتابت بھی ایک قیمت ہی ہے لیکن وہ نقد اور اصل قیمت نہیں ہے اور چونکہ میت کا ہر مالی تصرف صرف تہائی مال تک محدود رہتا ہے اس لیے غلاموں کے متعلق اس کی وصیت غلام کی نقد قیمت کے لحاظ سے نافذ کی جاتی ہے)...... اور اس کی مثال اسی طرح ہے کہ اگر اس سے وہ تمام چیز معاف کر دی جاتی جو اس پر واجب تھی، اور اگر وہ ایسا کر لے تو میت کے تہائی مال میں مکاتب غلام کی ایک ہزار درہم قیمت کے سوا کوئی چیز شمار نہ کی جائے گی، اور اگر اس سے معاف کیا ہوا حصہ زر کتابت کا نصف تھا تو میت کے تہائی مال میں قیمت کا نصف شمار کیا جائے گا اور اگر اس سے کم یا زیادہ (زر کتابت معاف) ہو تو وہ اسی حساب سے (قیمت میں سے معاف) ہوگا۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا وَضَعَ الرَّجُلُ عَنْ مُكَاتَبِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ أَلْفَ دِرْهَمٍ مِنْ عَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ ، وَلَمْ يُسَمِّ أَنَّهَا مِنْ أَوَّلِ كِتَابَتِهِ أَوْ مِنْ آخِرِهَا ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی موت کے وقت اپنے مکاتب غلام سے دس ہزار میں سے ایک ہزار درہم معاف کر دے، لیکن یہ متعین نہ کرے کہ وہ زر کتابت (کی

وُضِعَ عَنْهُ مِنْ كُلِّ نَجْمٍ عُشْرُهُ.

قسطوں) کے آغاز میں سے ہوں گے یا ان کے آخر میں سے تو (چونکہ یہ معافی کل زر کتابت کا دسواں حصہ ہے اس لیے) اس مکاتب سے ہر قسط میں سے دسواں حصہ معاف کر دیا جائے گا۔

فائدہ: ......اکٹھی معافی کی بجائے ہر قسط میں اس معافی کا اثر ظاہر کیا جائے گا، اگر مثال کے طور پر دس ہی قسطیں ہوں اور ہر سال کی ایک ایک قسط میں ہزار ہزار درہم دینا ہوتو ہر قسط میں سے سو سو درہم معاف کر کے ۹۰۰ درہم وصول ہوں گے، اس طرح غلام کا بھی فائدہ ہو جاتا ہے اور ورثاء کا بھی، کیونکہ انھیں مکاتب کی طرف سے ایک تسلسل کے ساتھ زر کتابت ملتا رہتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا وَضَعَ الرَّجُلُ عَنْ مُكَاتَبِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ أَلْفَ دِرْهَمٍ مِنْ أَوَّلِ كِتَابَتِهِ أَوْ مِنْ آخِرِهَا، وَكَانَ أَصْلُ الْكِتَابَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ، قُوِّمَ الْمُكَاتَبُ قِيمَةَ النَّقْدِ، ثُمَّ قُسِمَتْ تِلْكَ الْقِيمَةُ فَجُعِلَ لِتِلْكَ الْأَلْفِ الَّتِي مِنْ أَوَّلِ الْكِتَابَةِ حِصَّتُهَا مِنْ تِلْكَ الْقِيمَةِ، بِقَدْرِ قُرْبِهَا مِنَ الأَجَلِ وَفَضْلِهَا، ثُمَّ الأَلْفُ الَّتِي تَلِي الْأَلْفَ الأُولَى بِقَدْرِ فَضْلِهَا أَيْضاً، ثُمَّ الْأَلْفُ الَّتِي تَلِيهَا بِقَدْرِ فَضْلِهَا أَيْضاً، حَتَّى يُؤْتَى عَلَى آخِرِهَا، تَفْضُلُ كُلُّ أَلْفٍ بِقَدْرِ مَوْضِعِهَا فِي تَعْجِيلِ الأَجَلِ وَتَأْخِيرِهِ، لأَنَّ مَا اسْتَأْخَرَ مِنْ ذَلِكَ كَانَ أَقَلَّ فِي الْقِيمَةِ، ثُمَّ يُوضَعُ فِي ثُلُثِ الْمَيِّتِ قَدْرُ مَا أَصَابَ تِلْكَ الْأَلْفَ مِنَ الْقِيمَةِ، عَلَى تَفَاضُلِ ذَلِكَ، إِنْ قَلَّ أَوْ كَثُرَ، فَهُوَ عَلَى هَذَا الْحِسَابِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی موت کے وقت مکاتب غلام کے زر کتابت کے شروع سے یا (درمیان سے یا) اس کے آخر سے ایک ہزار درہم معاف کر دے اور اصل کتابت (یعنی زر کتابت کی کل مقدار) تین ہزار درہم ہو، (گویا میت نے مکاتب کا تہائی بدل کتابت معاف کر دیا ہو) تو مکاتب کی نقد قیمت لگائی جائے گی، پھر اس قیمت کو تقسیم کر دیا جائے گا، پھر وہ ہزار درہم جو زر کتابت کے شروع میں ہیں ان کے لیے ان کا حصہ، ان کے قریب اور فضیلت کے لحاظ سے قیمت میں سے نکالا جائے گا، پھر وہ ہزار درہم جو پہلے ہزار کے بعد ہیں ان کے لیے بھی ان کے (قرب اور) فضل کے لحاظ سے (قیمت کا حصہ نکالیں گے)، پھر وہ ہزار درہم جو ان کے ساتھ (بعد میں) ملے ہوئے ہیں ان کے لیے بھی ان کے فضل (اور قرب) کے لحاظ سے حصہ نکالیں گے (یعنی زر کتابت کی وہ قسط جو میت کی وفات کے وقت سے جس قدر قریب ہو۔ اس کا مرتبہ و فضیلت اس قدر زیادہ ہے لہٰذا اس کی اس شان کے اعتبار سے اس قیمت میں سے حصہ دیا جائے گا، ہر قسط کے لیے غلام کی قیمت کا اتنا حصہ متعین کریں گے جتنا اس قسط کا مرتبہ ہوگا، اسی طرح حصے نکالتے چلے آئیں گے) یہاں تک کہ آخری ہزار (آخری قسط کتابت) تک پہنچ جائیں گے، ہر

ہزار (ہر قسط) مدت کے جلدی ہونے یا موخر ہونے کے لحاظ سے فضیلت پاتا ہے (اور اپنے مقابلے میں زیادہ قیمت کا حق رکھتا ہے) کیونکہ بلاشبہ اس (زر کتابت) میں سے جو (جتنا) موخر ہوتا چلا جائے گا، وہ قیمت میں اتنا ہی کم (حق رکھتا) ہوگا۔ پھر میت کے تہائی مال میں اس تفاضل (کمی بیشی) والی قیمت کی اس مقدار کو رکھا جائے گا جو اس (وصیت شدہ) ہزار درہم کے حصے میں آئی تھی، اگر وہ حصہ کم ہو یا زیادہ ہو تو وہ اسی حساب سے (میت کے تہائی مال میں سے معاف) ہوگا۔

فائدہ: ...... وصیت شدہ حصہ کتابت کے مقابلے میں جتنی قیمت آئے گی وہ معاف ہوگی بشرطیکہ ترکہ میت کے تہائی حصے میں اتنی وسعت ہو...... گزشتہ مسئلے کو سمجھنے کے لیے ایک اصول تو یہ ذہن میں رکھیے کہ مرنے والا اپنے مکاتب غلام کی کتابت میں سے جو کچھ بھی معاف کر جائے وہ معاف تو ہو جاتا ہے لیکن یہ بدل کتابت میں سے نہیں بلکہ غلام کی اصل قیمت میں سے معاف ہوتا ہے، تاکہ غلام کو بھی معافی کا فائدہ مل جائے اور ورثاء کی بھی حق تلفی نہ ہو، کیونکہ اگر میت کے قول کے مطابق بدل کتابت میں سے معافی شمار کی جائے تو وہ (زر کتابت) چونکہ غلام کی اصل قیمت سے عموماً زیادہ ہوتا ہے اس لیے غلام کو زیادہ فائدہ ملے گا اور ورثاء کی حق تلفی ہو جائے گی، اس لیے پہلے معاف شدہ بدل کتابت کا حساب لگاتے ہیں کہ وہ مکمل بدل کتابت کا کتنواں حصہ ہے، مثلاً تیسرا یا چوتھا یا دسواں وغیرہ، پھر غلام کی قیمت لگا کر اس کی کل قیمت سے اتنا حصہ معاف کر دیتے ہیں، چنانچہ اگر آقا نے مرتے وقت مکاتب کے زر کتابت کا تیسرا حصہ معاف کر دیا ہے (جیسا کہ تین ہزار میں سے ایک ہزار) تو ہم نے دیکھا کہ غلام کی اصل قیمت پندرہ سو ہے، سو ہم نے اس قیمت کا تیسرا حصہ یعنی پانچ سو روپے مکاتب سے معاف کر دیے...... دوسرا اصول یہ ہے کہ غلاموں کی قیمت عموماً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی رہتی ہے، شروع میں اس کا بھاؤ زیادہ ہوتا ہے اور بعد میں سستا ہوتا چلا جاتا ہے، اس لیے غلام کی نقد قیمت نکال کر اسے جب تین حصوں میں بانٹیں گے تو وہ حصے برابر برابر نہیں ہوں گے بلکہ پہلا حصہ ذرا زیادہ ہوگا، دوسرا اس سے کم اور تیسرا اس سے کم۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اگر غلام کی اصل قیمت پندرہ سو ہو تو اس کا پہلا حصہ 600، دوسرا 500 اور تیسرا 400 تصور کیا جائے گا، پھر دیکھیں گے کہ اگر میت نے مکاتب غلام کے بدل کتابت سے پہلی قسط والا ہزار درہم معاف کیا تھا تو اس کے مقابلے میں آنے والا قیمت کا پہلا حصہ یعنی 600 درہم معاف ہو جائے گا، اگر دوسری قسط معاف ہوئی تھی تو دوسرا تہائی حصہ یعنی 500 درہم معاف ہوگا اور اگر تیسری قسط کی معافی تھی تو اس کے بالمقابل 400 درہم معاف ہوں گے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِرُبُعِ مُكَاتَبٍ لَهُ، وَأَعْتَقَ رُبُعَهُ فَهَلَكَ الرَّجُلُ، ثُمَّ هَلَكَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ مَالاً كَثِيراً، أَكْثَرَ مِمَّا

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا جس نے کسی آدمی کے لیے اپنے مکاتب غلام کے ایک چوتھائی حصے کی وصیت کی اور اس کا ایک چوتھائی حصہ آزاد کر دیا، پھر وہ

بَقِيَ عَلَيْهِ . قَالَ مَالِكٌ : يُعْطَى وَرَثَةُ السَّيِّدِ وَالَّذِي أَوْصَى لَهُ بِرُبُعِ الْمُكَاتَبِ مَا بَقِيَ لَهُمْ عَلَى الْمُكَاتَبِ ، ثُمَّ يَقْتَسِمُونَ مَا فَضَلَ ، فَيَكُونُ لِلْمُوصَى لَهُ بِرُبُعِ الْمُكَاتَبِ ثُلُثُ مَا فَضَلَ بَعْدَ أَدَاءِ الْكِتَابَةِ , وَلِوَرَثَةِ سَيِّدِهِ الثُّلُثَانِ ، وَذَلِكَ أَنَّ الْمُكَاتَبَ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ شَيْءٌ ، فَإِنَّمَا يُورَثُ بِالرِّقِّ .

شخص (آقا) مرگیا، پھر مکاتب بھی مرگیا اور وہ مکاتب اتنا زیادہ مال چھوڑ گیا جو اس پر عائد باقی ماندہ (زر کتابت) سے بھی زیادہ تھا۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے تو آقا کے ورثاء کو اور اس شخص کو جس کے لیے میت نے مکاتب کے چوتھائی حصے کی وصیت کی تھی، (مکاتب غلام کے ترکے میں سے) وہ رقم دی جائے گی جو ان کے لیے مکاتب کے ذمے باقی تھی (وصیت والے کے لیے چوتھائی مکاتب تھا، تو اسے بقیہ بدل کتابت کے چار حصوں میں سے ایک حصہ دیا جائے گا، ایک حصہ آزاد قرار پائے گا اور باقی دو حصے ورثاء لے لیں گے) پھر وہ سب اس مال کو تقسیم کریں گے جو (مکاتب کے ترکے میں سے) بچ گیا ہو، چنانچہ جس کے لیے چوتھائی غلام کی وصیت کی گئی تھی اس کے لیے زر کتابت کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے مال میں سے ایک تہائی ہوگا اور مکاتب کے آقا کے ورثاء کے لیے دو تہائی ہوں گے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک غلام پر جب تک اس کے بدل کتابت میں سے کچھ باقی ہو وہ غلام ہی رہے گا اور بلاشبہ غلامی ہی کے اعتبار سے اس کا وارث بنا جائے گا۔

فائدہ :...... اس مسئلے کی عربی عبارت کے آغاز میں ''او'' (یا) کا لفظ اور بعض نسخوں میں واؤ (اور) کے ساتھ مروی ہے اور واؤ ہی راجح ہے، کیونکہ واؤ جس کے معنی ''اور'' ہیں، ہوگی تو آگے بیان شدہ مسئلہ وراثت کی تقسیم سمجھ میں آئے گی...... کتابت کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے مال میں سے وصیت والے کو ایک تہائی اور ورثاء کو دو تہائی مال اس اعتبار سے ملے گا کہ مکاتب غلام کے بھی پہلے پہل چار حصے کیے جائیں گے، پھر ان میں سے ایک چوتھائی حصہ آزاد شمار ہوگا، جس کے بعد تین حصے دوسرے لوگوں کی ملکیت اور غلامی میں باقی رہ گئے، جن میں سے دو کی ملکیت ورثاء کے پاس اور ایک کی ملکیت موصٰی لہ (جس کے لیے وصیت کی گئی تھی) کے پاس تھی، پھر چونکہ وہ حالت غلامی ہی میں مرگیا اس لیے اس کا آزاد حصہ بھی اس کے مالکوں کی ملکیت کے حساب سے ان میں تقسیم ہوگیا۔ لہٰذا بقیہ ترکہ غلام کے تین حصے ہی بنیں گے جن میں سے دو تہائی ورثاء کے اور ایک تہائی موصی لہ کے لیے ہوگا...... فتویٰ کے آخر میں امام مالک نے جو وراثت کا لفظ استعمال کیا ہے تو یہ مجازاً ہے کیونکہ غلام اور آزاد کی آپس میں وراثت نہیں چلتی، لہٰذا (يُــوْرَثُ) بمعنی (يُـؤْخَـذُ) ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہنا بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ غلامی میں مرا ہے اور غلام اور اس کا مال سب کچھ اس کے آقاؤں ہی کا مال ہوتا ہے لہٰذا اس کا مال اس کے مالکوں میں تقسیم ہو جائے گا، وہ حصہ جو آزاد ہو چکا تھا، وہ بھی حالت غلامی میں لوٹ آیا لہٰذا اس کا مال بطور وراثت نہیں بلکہ بطور ملکیت آپس میں بانٹا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُكَاتَبٍ أَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ عِنْدَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب غلام کے متعلق فرمایا جسے

الْمَوْتِ. قَالَ: إِنْ لَمْ يَحْمِلْهُ ثُلُثُ الْمَيِّتِ، عَتَقَ مِنْهُ قَدْرُ مَا حَمَلَ الثُّلُثُ، وَيُوضَعُ عَنْهُ مِنَ الْكِتَابَةِ قَدْرُ ذٰلِكَ، إِنْ كَانَ عَلَى الْمُكَاتَبِ خَمْسَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ، وَكَانَتْ قِيمَتُهُ أَلْفَيْ دِرْهَمٍ نَقْداً، وَيَكُونُ ثُلُثُ الْمَيِّتِ أَلْفَ دِرْهَمٍ، عَتَقَ نِصْفُهُ، وَيُوضَعُ عَنْهُ شَطْرُ الْكِتَابَةِ.

اس کا آقا موت کے وقت آزاد کر دیتا ہے (اور یہ اصول ہے کہ بوقت موت ایسا کرنا وصیت کے زمرے میں آتا ہے اور وصیت صرف تہائی مال تک جائز ہے، لہٰذا مکاتب کی نقد قیمت لگا کر اسے باقی ترکے کے ساتھ ملا کر دیکھیں گے، اگر تو وہ ترکے کے تہائی حصے کے برابر ہوا تو آزاد ہو جائے گا، ورنہ) امام مالک نے فرمایا کہ اگر میت کا تہائی مال اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکے تو اس مکاتب سے صرف اتنا حصہ ہی آزاد ہوگا، جس کا بوجھ (میت کے مال کا) تہائی حصہ اٹھا سکتا ہو اور اسی (آزاد ہونے والے) حصے کے اعتبار سے اسے زر کتابت معاف کر دیا جائے گا، (چنانچہ) اگر مکاتب کے ذمے پانچ ہزار درہم (بدل کتابت میں واجب) تھے اور (آقا کی موت کے وقت) اس کی نقد قیمت دو ہزار درہم تھی اور (اگر میت کے ترکے کا تہائی حصہ بھی دو ہزار ہوتا تو یہ مکاتب مکمل آزاد ہو جاتا لیکن) میت کا تہائی مال ایک ہزار درہم ہو تو مکاتب کا نصف حصہ آزاد ہو جائے گا اور نصف زر کتابت اس سے معاف کر دیا جائے گا۔

فائدہ: ......زر کتابت پانچ ہزار درہم ہو تو اس میں سے اڑھائی ہزار درہم کی معافی ہو جائے گی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ قَالَ فِي وَصِيَّتِهِ: غُلَامِي فُلَانٌ حُرٌّ، وَكَاتِبُوا فُلَاناً: تُبَدَّأُ الْعَتَاقَةُ عَلَى الْكِتَابَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنی وصیت میں (ورثاء سے) یہ کہا کہ "میرا فلاں غلام آزاد ہے اور تم فلاں (غلام) کو مکاتب بنا لو" امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آزادی کو کتابت سے مقدم رکھا جائے گا۔

فائدہ: ......ان دونوں غلاموں کی نقد قیمت معلوم کی جائے گی، پھر اسے باقی ترکے کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے گا، چنانچہ اگر ترکے کے تہائی حصے میں دونوں کی قیمت کی گنجائش ہو تو ایک آزاد اور ایک مکاتب بن جائے گا اور اگر تہائی مال کی مقدار ان میں سے صرف ایک غلام کی قیمت کے برابر ہو تو پھر آزادی کی وصیت والے غلام ہی کو آزاد کیا جائے گا اور دوسرے کو مکاتب نہ بنایا جائے گا کیونکہ تمام وصیتوں میں آزادی کی وصیت مقدم ہوا کرتی ہے، اگرچہ مکاتب بنانے کا مقصد بھی آزادی ہے لیکن وہ فوری آزادی بھی نہیں اور یقینی بھی نہیں لہٰذا فوری اور یقینی آزادی والی وصیت پر عمل مقدم رہے گا۔

32

كِتَابُ الْمُدَبَّرِ

مدبر غلام کے متعلق مسائل کی کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں سات ابواب اور تین روایات ہیں، جن میں سے ایک موقوف (اثر صحابی) ہے جو سنداً صحیح ہے اور دو مقطوع روایات (آثار تابعین) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے 24 فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :...... مدبر (باء پر زبر کے ساتھ) وہ غلام ہے جس کی آزادی کو اس کا آقا اپنی موت کے ساتھ معلق کر دے اور کہے کہ "تو میری موت کے بعد آزاد ہے۔" دراصل "دبر" کے معنی پیچھے اور بعد کے بھی ہیں اور موت بھی زندگی کے بعد ہی ہوتی ہے، ایسے غلام کو مدبر، لونڈی کو مدبرہ، ان کے آقا کو مدبر (باء کے نیچے کسرہ کے ساتھ) کہتے ہیں اور اس عمل کا نام تدبیر ہے۔ اس کا یہ نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آقا اس غلام کے ابتدائی دنیوی معاملے کی تدبیر یوں کرتا ہے کہ اسے اپنا غلام بنائے رکھے اور اس سے خدمت لیتا رہے اور اس کے انتہائی معاملے کی تدبیر کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیتا ہے، یہ مدبر بنانا بھی ایک وصیت ہی کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا اگر میت کے تہائی مال میں اس مکمل غلام کی قیمت کے برابر گنجائش ہو تو وہ آزاد ہو جاتا ہے، ورنہ جتنی گنجائش ہو اتنا حصہ آزاد متصور ہوتا ہے۔

1- بَابٌ: الْقَضَاءُ فِي الْمُدَبَّرِ

مدبرہ لونڈی کی اولاد کے متعلق فیصلے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک کے چھ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ أَنَّهُ قَالَ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ دَبَّرَ جَارِيَةً لَهُ، فَوَلَدَتْ أَوْلاداً بَعْدَ تَدْبِيرِهِ إِيَّاهَا، ثُمَّ مَاتَتِ الْجَارِيَةُ قَبْلَ الَّذِي دَبَّرَهَا، إِنَّ وَلَدَهَا بِمَنْزِلَتِهَا قَدْ ثَبَتَ لَهُمْ مِنَ الشَّرْطِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے، اس شخص کے متعلق جو اپنی لونڈی کو مدبرہ بنا دیتا ہے، پھر اس کے اسے مدبرہ بنانے کے بعد وہ اولاد کو جنم دے دیتی ہے، پھر وہ لونڈی اپنے اس آقا سے پہلے مر جاتی ہے جس نے اسے

مِثْلُ الَّذِي ثَبَتَ لَهَا ، وَلَا يَضُرُّهُمْ هَلَاكُ أُمِّهِمْ ، فَإِذَا مَاتَ الَّذِي كَانَ دَبَّرَهَا فَقَدْ عَتَقُوا إِنْ وَسِعَهُمُ الثُّلُثُ .

مدبرہ بنایا تھا، (تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بلاشبہ اس کی اولاد بھی اس کے مقام پر ہوگی (اور اپنی ماں کی طرح مدبر شمار ہوگی) ان (بچوں) کے لیے بھی وہی شرط ثابت ہوگی جو اس لونڈی کے لیے ثابت ہوئی تھی اور ان کی ماں کی وفات سے ان پر کوئی ضرر نہیں آئے گا۔ چنانچہ جب وہ آقا مرجائے گا جس نے اس کو مدبرہ بنایا تھا تو یقیناً وہ (بچے) آزاد ہو جائیں گے، بشرطیکہ (میت کے) تہائی مال میں ان کی گنجائش ہو۔

فائدہ :...... یاد رہے کہ یہ بچوں والا معاملہ اس صورت میں ہوگا جب آقا نے اس لونڈی کی کسی اور شخص سے شادی کر رکھی ہو کیونکہ اس صورت میں بچے اپنی ماں کے آقا کے غلام شمار ہوتے تھے، رہی یہ صورت کہ وہ بچے اس لونڈی کے آقا ہی کے نطفے سے ہوں تو پھر وہ شروع ہی سے اپنے باپ کی طرح آزاد شمار ہوتے ہیں۔

وَقَالَ مَالِكٌ : كُلُّ ذَاتِ رَحِمٍ فَوَلَدُهَا بِمَنْزِلَتِهَا ، إِنْ كَانَتْ حُرَّةً فَوَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا فَوَلَدُهَا أَحْرَارٌ ، وَإِنْ كَانَتْ مُدَبَّرَةً ، أَوْ مُكَاتَبَةً ، أَوْ مُعْتَقَةً إِلَى سِنِينَ ، أَوْ مُخْدَمَةً ، أَوْ بَعْضُهَا حُرًّا ، أَوْ مَرْهُونَةً ، أَوْ أُمَّ وَلَدٍ ، فَوَلَدُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ عَلَى مِثَالِ حَالِ أُمِّهِ ، يَعْتِقُونَ بِعِتْقِهَا ، وَيَرِقُّونَ بِرِقِّهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر رشتہ داری والی عورت کی اولاد اس کے مرتبے میں ہوگی، اگر وہ (عورت) آزاد ہو، پھر اپنی آزادی کے بعد (بچوں کو) جنم دے تو اس کے بچے بھی آزاد ہوں گے، اور اگر وہ مدبرہ ہو یا اس سے کتابت کی گئی ہو یا کچھ سالوں کے بعد اسے آزاد کرنے کا کہا گیا ہو، یا کچھ عرصہ خدمت کے بعد اسے آزادی کا کہا گیا ہو یا اس کا کچھ حصہ آزاد (اور کچھ حصہ غلام) ہو یا وہ گروی رکھی گئی ہو، یا وہ ام ولد (اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کے بچوں کی ماں) ہو تو ان میں سے ہر کسی کی اولاد اپنی ماں کی حالت جیسی ہوگی، اس کی آزادی کے ساتھ وہ بھی آزاد ہو جائیں گے اور اس کی غلامی کی وجہ سے وہ بھی غلام رہیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُدَبَّرَةٍ دُبِّرَتْ وَهِيَ حَامِلٌ وَلَمْ يَعْلَمْ سَيِّدُهَا بِحَمْلِهَا : إِنَّ وَلَدَهَا بِمَنْزِلَتِهَا ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ رَجُلٍ أَعْتَقَ جَارِيَةً لَهُ وَهِيَ حَامِلٌ ، وَلَمْ يَعْلَمْ بِحَمْلِهَا . قَالَ مَالِكٌ : فَالسُّنَّةُ فِيهَا أَنَّ وَلَدَهَا يَتْبَعُهَا ، وَيَعْتِقُ بِعِتْقِهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مدبرہ لونڈی کے متعلق فرمایا جسے اس حال میں مدبرہ بنایا گیا ہو کہ وہ حاملہ تھی تو بلاشبہ اس کا بچہ بھی اسی کے مقام پر ہوگا (اور مدبر ہی شمار ہوگا) اور بلاشبہ اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اپنی لونڈی کو اس حال میں آزاد کرتا ہے کہ وہ حاملہ ہو اور وہ اس کے حمل سے ناواقف ہو، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کے متعلق سنت یہی ہے کہ یقیناً اس کا بچہ اس کے پیچھے جائے گا اور اس کی آزادی کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذٰلِكَ لَوْ أَنَّ رَجُلاً ابْتَاعَ جَارِيَةً وَهِيَ حَامِلٌ، فَالْوَلِيدَةُ وَمَا فِي بَطْنِهَا لِمَنِ ابْتَاعَهَا، اشْتَرَطَ ذٰلِكَ الْمُبْتَاعُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح (یہ صورت ہے کہ) اگر کوئی شخص ایک لونڈی خریدتا ہے، درآں حالیکہ وہ حاملہ ہو تو لونڈی اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہوتا ہے وہ سب کا سب اس شخص کے لیے ہوتا ہے جس نے اسے خریدا ہے، خریدنے والا اس کی شرط لگائے یا نہ لگائے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلاَ يَحِلُّ لِلْبَائِعِ أَنْ يَسْتَثْنِيَ مَا فِي بَطْنِهَا، لأَنَّ ذٰلِكَ غَرَرٌ يَضَعُ مِنْ ثَمَنِهَا، وَلاَ يَدْرِي، أَيَصِلُ ذٰلِكَ إِلَيْهِ أَمْ لاَ؟ وَإِنَّمَا ذٰلِكَ بِمَنْزِلَةِ مَا لَوْ بَاعَ جَنِيناً فِي بَطْنِ أُمِّهِ، وَذٰلِكَ لاَ يَحِلُّ لَهُ لأَنَّهُ غَرَرٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (گزشتہ صورت میں حاملہ لونڈی کو) بیچنے والے شخص کے لیے یہ جائز بھی نہیں ہے کہ وہ لونڈی کے پیٹ والی چیز کا استثناء کر لینے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ وہ لونڈی کی قیمت میں کمی کرے گا حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ یہ (حمل) اس تک پہنچ بھی سکے گا یا نہیں (کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حمل ضائع ہو جائے یا عورت پہلے ہی مر جائے) اور بلاشبہ یہ تو اسی طرح ہے کہ کسی پیٹ والے بچے کو اس کی ماں کے پیٹ ہی میں بیچ دے اور یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ (سراسر) دھوکا ہے۔

فائدہ: ...... کسی بھی ''مجہول'' یعنی نامعلوم چیز، ''معدوم'' یعنی غیر موجود چیز اور ''غیر مملوک'' چیز یعنی جو اپنی ملکیت میں نہ ہو، کی خرید و فروخت ''بیع الغرر'' یعنی دھوکے کی خرید و فروخت کہلاتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُكَاتَبٍ أَوْ مُدَبَّرٍ، ابْتَاعَ أَحَدُهُمَا جَارِيَةً فَوَطِئَهَا، فَحَمَلَتْ مِنْهُ وَوَلَدَتْ. قَالَ: وَلَدُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ جَارِيَتِهِ بِمَنْزِلَتِهِ، يَعْتِقُونَ بِعِتْقِهِ، وَيَرِقُّونَ بِرِقِّهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مکاتب یا مدبر غلام کے متعلق فرمایا کہ جن میں سے کوئی (اپنے لیے) ایک لونڈی خرید لیتا ہے، پھر وہ اس سے ہم بستری کرتا ہے، چنانچہ وہ اس سے حاملہ ہوتی اور بچہ جن دیتی ہے، تو فرمایا کہ بلاشبہ ان (دونوں یعنی مکاتب یا مدبر) میں سے ہر کسی کی اپنی لونڈی سے ہونے والی اولاد اسی کی طرح ہوگی (اپنے باپ کی طرح مکاتب یا مدبر شمار ہوگی)، وہ بچے اس (باپ) کی آزادی کی صورت میں آزاد ہوں گے اور اس کی غلامی کی وجہ سے غلام رہیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ: فَإِذَا أُعْتِقَ هُوَ فَإِنَّمَا أُمُّ وَلَدِهِ مَالٌ مِنْ مَالِهِ يُسَلَّمُ إِلَيْهِ إِذَا أُعْتِقَ.

(امام مالک رحمہ اللہ نے (یہ بھی) فرمایا کہ پھر جب وہ (مکاتب یا مدبر) آزاد ہوگا تو اس کی یہ ام ولد لونڈی اس کے مال میں سے ایک مال ہے لہٰذا جب اسے آزاد کیا جائے گا تو وہ اس کے سپرد کر دی جائے گی۔

فائدہ :......مسئلے کے آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس مکاتب کو زر کتابت کی ادائیگی سے قبل اور مدبر کو اس کے آقا کی موت سے قبل ہی آزادی مل جائے تو اس صورت میں بھی یہ ام ولد لونڈی اپنے آقا کے ساتھ ہی جائے گی کیونکہ یہ اسی کا مال ہے جو اس نے اپنے معاہدہ آزادی کے بعد خریدا تھا، لہٰذا اس مال کو اس کے آقا کا مال تصور نہ کیا جائے گا۔

2- بَابٌ: جَامِعُ مَاجَاءَ فِي التَّدْبِيرِ

مدبر بنانے کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُدَبَّرٍ قَالَ لِسَيِّدِهِ: عَجِّلْ لِي الْعِتْقَ وَأُعْطِيكَ خَمْسِينَ دِينَاراً مُنَجَّمَةً عَلَيَّ. فَقَالَ سَيِّدُهُ: نَعَمْ أَنْتَ حُرٌّ، وَعَلَيْكَ خَمْسُونَ دِينَاراً تُؤَدِّي إِلَيَّ كُلَّ عَامٍ عَشَرَةَ دَنَانِيرَ. فَرَضِيَ بِذَلِكَ الْعَبْدُ، ثُمَّ هَلَكَ السَّيِّدُ بَعْدَ ذَلِكَ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ. قَالَ مَالِكٌ: يَثْبُتُ لَهُ الْعِتْقُ، وَصَارَتِ الْخَمْسُونَ دِينَاراً دَيْناً عَلَيْهِ. وَجَازَتْ شَهَادَتُهُ، وَثَبَتَتْ حُرْمَتُهُ وَمِيرَاثُهُ وَحُدُودُهُ، وَلَا يَضَعُ عَنْهُ مَوْتُ سَيِّدِهِ شَيْئاً مِنْ ذَلِكَ الدَّيْنِ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مدبر کے متعلق فرمایا جو اپنے آقا سے کہتا ہے کہ آپ میرے لیے آزادی کی جلدی کر دیجیے، (میں آپ کی موت کا انتظار نہیں کر سکتا) اور میں (اس کے بدلے) آپ کو پچاس دینار ادا کر دوں گا جو مجھ پر قسط وار لازم ہوں گے، تو اس کے آقا نے کہا کہ ٹھیک ہے، تم آزاد ہو اور تم پر پچاس دینار لازم ہیں، تم مجھے ہر سال دس دینار ادا کرتے رہنا، چنانچہ غلام اس پر راضی ہو گیا، پھر (ہوا یوں کہ) اس کے ایک دن یا دو دن یا تین دن بعد آقا فوت ہو گیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس غلام کے لیے (مدبر ہونے کی وجہ سے) آزادی ثابت ہو جائے گی اور پچاس دینار اس پر قرضے کی صورت میں (واجب الاداء) رہیں گے، اور (چونکہ اب وہ مکمل آزادی پا چکا ہے اس لیے) اس کی گواہی بھی جائز ہوگی، اس کی (آزادی والی) حرمت، وراثت اور حدود بھی ثابت ہوں گی اور (لیکن) اس کے آقا کی موت اس کے قرضے میں سے کچھ بھی ختم نہ کر سکے گی۔

فائدہ :......اگر وہ جلد بازی نہ کرتا تو آقا کے مرتے ہی آزاد ہو جاتا اور اس قرضے سے بھی بچا رہتا، لیکن جب اس نے اپنی مرضی سے قرضہ اپنے سر لے لیا، حالانکہ ہر شخص کی طرح اس کے لیے بھی یہ بات واضح تھی کہ آقا کی موت کسی بھی لمحے آ سکتی ہے، اس کے باوجود پچاس دینار اپنے اوپر بوجھ ڈالا تو اب یہ ادائیگی تک واجب ہی رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَبَّرَ عَبْداً لَهُ، فَمَاتَ السَّيِّدُ وَلَهُ مَالٌ حَاضِرٌ، وَمَالٌ غَائِبٌ فَلَمْ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنے غلام کو مدبر بنایا، پھر وہ آقا اس حال میں مرا کہ اس کا کچھ

يَكُنْ فِي مَالِهِ الْحَاضِرِ مَا يَخْرُجُ فِيهِ الْمُدَبَّرُ . قَالَ: يُوقَفُ الْمُدَبَّرُ بِمَالِهِ ، وَيُجْمَعُ خَرَاجُهُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ مِنَ الْمَالِ الْغَائِبِ ، فَإِنْ كَانَ فِيمَا تَرَكَ سَيِّدُهُ مِمَّا يَحْمِلُهُ الثُّلُثُ عَتَقَ بِمَالِهِ وَبِمَا جُمِعَ مِنْ خَرَاجِهِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيمَا تَرَكَ سَيِّدُهُ مَا يَحْمِلُهُ عَتَقَ مِنْهُ قَدْرُ الثُّلُثِ ، وَتُرِكَ مَالُهُ فِي يَدَيْهِ .

مال حاضر تھا اور کچھ غائب تھا، (کاروبار میں پھنسا ہوا تھا یا کسی سے وصول ہونے والا تھا،) پھر اس کے حاضر مال میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ اس (کے تہائی حصے) میں مدبر غلام غلامی سے نکل جاتا۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مدبر کو اس کے مال سمیت روک لیا جائے گا اور (آقا کی موت کے وقت سے) اس کی (مزید) آمدنی کو جمع کیا جاتا رہے گا، یہاں تک کہ واضح ہو جائے کہ غائب مال کتنا ہے، چنانچہ اگر تو آقا کے ترکے کے تہائی حصے میں اتنی گنجائش ہو جو اس (کی آزادی) کو برداشت کر سکے تو وہ مدبر غلام اپنے مال سمیت اور (مزید) جمع کی گئی آمدنی سمیت آزاد ہو جائے گا اور اگر آقا نے جو کچھ چھوڑا تھا اس (کے تہائی حصے) میں اس کی گنجائش نہ ہو (اور وہ تھوڑا ہو) تو ترکے کے تہائی حصے کے بقدر غلام کو آزادی مل جائے گی اور اس کا مال اس کے قبضے ہی میں رہنے دیا جائے گا۔

3- بَابٌ: الْوَصِيَّةُ فِي التَّدْبِيرِ

مدبر بنانے کی وصیت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّ كُلَّ عَتَاقَةٍ أَعْتَقَهَا رَجُلٌ فِي وَصِيَّةٍ أَوْصَى بِهَا ، فِي صِحَّةٍ أَوْ مَرَضٍ : أَنَّهُ يَرُدُّهَا مَتَى شَاءَ ، وَيُغَيِّرُهَا مَتَى شَاءَ ، مَا لَمْ يَكُنْ تَدْبِيراً ، فَإِذَا دَبَّرَ فَلاَ سَبِيلَ لَهُ إِلَى رَدِّ مَا دَبَّرَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس حکم پر اجماع ہے کہ بے شک ہر وہ آزادی جس (میں کسی غلام یا لونڈی) کو آدمی وصیت کے ذریعے آزاد کرے، جس کی وصیت اس نے حالت صحت میں کی ہو یا بیماری میں، بلاشبہ وہ اسے جب چاہے (ختم کر کے) واپس (اپنی طرف) بھی لا سکتا ہے اور جب چاہے اس میں تبدیلی بھی کر سکتا ہے، جب تک کہ وہ وصیت مدبر بنانے کی نہ ہو، چنانچہ جب وہ کسی کو مدبر بنا دے تو اس کے پاس اس (غلام یا لونڈی) کو واپس لوٹانے کا کوئی اختیار نہ رہے گا۔

فائدہ :.....البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک بوقت مجبوری اور ضرورت مدبر کو بیچا بھی جا سکتا ہے اور یہ عمل اس کے معاہدۂ تدبیر کو ختم کرنا ہی ہے، جیسا کہ آگے پانچواں باب اسی بارے میں آ رہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكُلُّ وَلَدٍ وَلَدَتْهُ أَمَةٌ ، أَوْصَى بِعِتْقِهَا وَلَمْ تُدَبَّرْ ، فَإِنَّ وَلَدَهَا لاَ يَعْتِقُونَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (رہا) ہر وہ بچہ جسے کسی لونڈی نے جنم دیا ہو، (تو اس میں فیصلہ یہ ہے کہ اگر) آدمی نے

مَـعَهَـا إِذَا عَتَـقَـتْ ، وَذَلِكَ أَنَّ سَيِّـدَهَا يُغَيِّرُ وَصِيَّتَـهُ إِنْ شَـاءَ ، وَيَـرُدُّهَـا مَتَى شَاءَ ، وَلَمْ يَثْبُتْ لَهَا عَتَاقَةٌ ، وَإِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ رَجُلٍ قَالَ لِـجَـارِيَتِـهِ : إِنْ بَـقِيَـتْ عِنْدِي فُـلَانَةُ حَتَّى أَمُوتَ ، فَهِيَ حُرَّةٌ .

اس لونڈی کی آزادی کی وصیت تو کی ہو اور (لیکن) اسے مدبرہ نہ بنایا ہو تو بلاشبہ جب وہ آزاد ہوگی تو اس کی اولاد اس کے ساتھ آزاد نہ ہوگی اور یہ اس وجہ سے ہے کہ (یہ آزادی بذریعہ وصیت ملی ہے، نہ کہ مدبر بنانے کے ذریعے اور) بلاشبہ اس لونڈی کا مالک جب چاہے اپنی وصیت میں تبدیلی کر سکتا ہے اور جب چاہے اسے فسخ بھی کر سکتا ہے اور (ان صورتوں میں) لونڈی کے لیے آزادی ثابت نہ ہوگی اور بلاشبہ یہ تو اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنی لونڈی کے متعلق یہ کہہ دیا ہو کہ اگر وہ فلاں لونڈی میرے پاس رہی یہاں تک کہ میں مرجاؤں تو وہ آزاد ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ أَدْرَكَتْ ذَلِكَ كَانَ لَهَا ذَلِكَ ، وَإِنْ شَـاءَ قَبْـلَ ذَلِكَ بَـاعَهَا وَوَلَدَهَا ,لِأَنَّهُ لَمْ يُدْخِلْ وَلَدَهَا فِي شَيْءٍ مِمَّا جَعَلَ لَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس لونڈی نے اسے (یعنی اپنے آقا کی موت کو) پالیا تو یہ آزادی اس کے لیے ثابت ہو جائے گی اور اگر آقا چاہے تو (اپنی موت سے پہلے) اسے اور اس کی اولاد کو بیچ سکتا ہے، کیونکہ اس (آقا) نے اس لونڈی کی اولاد کو کسی ایسی چیز میں شامل نہیں کیا جو اس (آقا) نے اس (لونڈی) کے لیے مقرر کی ہو۔

قَـالَ : وَالْوَصِيَّةُ فِي الْعَتَاقَةِ مُخَالِفَةٌ لِلتَّدْبِيرِ ، فَرَّقَ بَيْنَ ذَلِكَ مَا مَضَى مِنَ السُّنَّةِ . قَالَ : وَلَوْ كَـانَـتِ الْـوَصِيَّةُ بِـمَـنْـزِلَةِ التَّدْبِيرِ ، كَانَ كُلُّ مُـوصٍ لَا يَقْدِرُ عَلَى تَغْيِيرِ وَصِيَّتِهِ ، وَمَا ذُكِرَ فِيهَـا مِـنَ الْـعَتَاقَةِ ، وَكَانَ قَدْ حَبَسَ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ مَا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بہرحال "عتق" (یعنی محض لفظ آزادی کے ساتھ کی جانے) والی وصیت "مدبر بنانے" (کے عمل یا وصیت) کے برعکس اور مخالف ہے۔ ان دونوں میں اس طریقے اور سنت نے بھی فرق کر دیا ہے جو (پہلے سے) جاری ہو چکی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر (ہر) وصیت مدبر بنانے کی طرح ہوتی تو ہر وصیت کرنے والا اپنی (کسی بھی) وصیت میں تبدیلی پر قدرت نہ رکھتا اور اس آزادی میں بھی (تبدیلی نہ کر سکتا) جس کا پیچھے ذکر کیا گیا ہے اور (اگر ہر وصیت مدبر بنانے کی طرح ناقابل تغییر ہو جائے، تو پھر یہ ایسے ہی ہے کہ گویا) آدمی نے اپنے پاس ایسا مال روک رکھا ہے جس سے نفع اٹھانے کی وہ گنجائش نہیں رکھتا۔

فائدہ :......الغرض عام وصیتوں میں اور مدبر بنانے میں فرق ہے۔ لفظ "عتق" اور "عتاقہ" بھی آزادی کے لیے مستعمل ہیں لیکن ان کو مدبر بنانے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ان کے ساتھ کی جانے والی وصیت عام وصیتوں جیسی ہے جن میں ردو بدل جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَبَّرَ رَقِيقاً لَهُ جَمِيعاً فِي صِحَّتِهِ، وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ . قَالَ : إِنْ كَانَ دَبَّرَ بَعْضَهُمْ قَبْلَ بَعْضٍ ، بُدِءَ بِالْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، حَتَّى يَبْلُغَ الثُّلُثَ، وَإِنْ كَانَ دَبَّرَهُمْ جَمِيعاً فِي مَرَضِهِ ، فَقَالَ فُلَانٌ حُرٌّ، وَفُلَانٌ حُرٌّ، وَفُلَانٌ حُرٌّ، فِي كَلَامٍ وَاحِدٍ، إِنْ حَدَثَ بِي فِي مَرَضِي هَذَا حَدَثُ مَوْتٍ، أَوْ دَبَّرَهُمْ جَمِيعاً فِي كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ، تَحَاصُّوا فِي الثُّلُثِ، وَلَمْ يُبَدَّأْ أَحَدٌ مِنْهُمْ قَبْلَ صَاحِبِهِ، وَإِنَّمَا هِيَ وَصِيَّةٌ، وَإِنَّمَا لَهُمُ الثُّلُثُ، يُقْسَمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ، ثُمَّ يَعْتِقُ مِنْهُمُ الثُّلُثُ بَالِغاً مَا بَلَغَ . قَالَ : وَلَا يُبَدَّأُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِذَا كَانَ ذَلِكَ كُلُّهُ فِي مَرَضِهِ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنے تمام غلاموں کو حالت صحت میں مدبر بنا ڈالا اور اس کے پاس ان کے سوا کوئی مال بھی نہ تھا، تو فرمایا: اگر تو اس نے ان میں سے کچھ (غلاموں) کو بعض (غلاموں) سے پہلے مدبر بنایا تھا تو پھر (ترتیب سے) پہلے کے ساتھ، پھر اس کے بعد والے کے ساتھ آغاز کیا جائے گا، (جن کو پہلے مدبر بنایا تھا وہ ترتیب وار آزاد ہوتے چلے جائیں گے) یہاں تک کہ یہ تہائی حصے تک پہنچ جائے۔ (پھر اتنے غلام ترتیب سے آزاد ہوں گے جن کے لیے میت کے ترکے کے تہائی حصے میں گنجائش ہو) اور اگر اس نے ان تمام کو اپنی بیماری میں مدبر بنایا تھا اور اس نے ایک ہی کلام میں یہ کہہ دیا تھا کہ فلاں غلام بھی آزاد ہے اور فلاں بھی آزاد ہے۔ بشرطیکہ میری اس بیماری میں میرے ساتھ موت کا حادثہ پیش آ جائے، یا اس نے ان تمام کو ایک ہی لفظ (جملے) کے ساتھ مدبر بنا دیا ہو، تو وہ (تمام غلام) تہائی مال میں برابر کے حصہ دار ہوں گے اور ان میں سے کسی کو بھی اس کے کسی دوسرے ساتھی سے مقدم نہ کیا جائے گا اور بلاشبہ یہ بھی صرف اور صرف ایک وصیت ہی ہے (اور وصیت میت کے تہائی مال میں سے ادا کی جاتی ہے، اس سے زیادہ سے نہیں) اور یقیناً ان غلاموں کے لیے اب یہی تہائی مال ہے جو ان کے درمیان حصوں میں تقسیم ہوگا، پھر ان میں سے ایک تہائی حصہ آزاد ہو جائے گا، خواہ وہ (قیمت کے لحاظ سے) کسی بھی مقدار کو پہنچنے والا ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور (جس طرح ایک لفظ میں سب کو مدبر بنانے کی صورت میں سب غلام تہائی مال میں شریک ہوتے ہیں اسی طرح اس صورت میں بھی) ان میں سے کسی کو اس کے ساتھی سے مقدم نہ کیا جائے گا جس وقت کہ یہ تمام (کو مدبر بنانا) اس کی بیماری میں ہوا ہو۔

فائدہ :...... مقصد یہ ہے کہ میت کے ترکے کے تہائی حصے کے برابر جتنے مدبر غلاموں کی گنجائش ہوگی وہ آزاد ہو جائیں گے، اس سے زیادہ نہیں، چنانچہ اگر تو ثلث (تہائی مال) اتنا زیادہ ہو کہ سب غلاموں کی قیمت سے بھی زیادہ ہو تو سب آزاد ہوں گے، لیکن اگر اس ثلث مال کی مقدار کم ہو اور غلاموں کی قیمت اس سے زیادہ ہو تو پھر دیکھیں گے، اگر وہ حالت صحت میں یکے بعد دیگرے ترتیب سے مدبر بنائے گئے تھے تو ثلث مال کی گنجائش کے مطابق پہلے مدبر بنائے جانے والے آزاد ہوں گے لیکن اگر انھیں اکٹھے یا حالت مرض میں مدبر بنایا گیا ہو تو پھر کسی غلام کو دوسروں

پر فوقیت نہ ہوگی، سب تہائی مال میں برابر کے حصہ دار ہوں گے اور حصہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سب میں قرعہ ڈالا جائے گا، جن کے نام نکل آئے وہ آزاد ہوں گے جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ تمام غلاموں کے تین گروپ بنا کر قرعہ نکالیں گے جس گروپ کا نام نکل آیا وہ آزاد اور باقی غلام ہی رہیں گے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ دَبَّرَ غُلَامًا لَهُ، فَهَلَكَ السَّيِّدُ، وَلَا مَالَ لَهُ إِلَّا الْعَبْدُ الْمُدَبَّرُ، وَلِلْعَبْدِ مَالٌ. قَالَ: يُعْتَقُ ثُلُثُ الْمُدَبَّرِ وَيُوقَفُ مَالُهُ بِيَدَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنے غلام کو مدبر بنا دیا ہو، پھر آقا اس حال میں فوت ہوا ہو کہ اس کے پاس اس مدبر غلام کے سوا کوئی مال نہ تھا اور (البتہ) اس مدبر غلام کے پاس مال تھا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مدبر کا تیسرا حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس کا مال اس کے قبضے میں رہنے دیا جائے گا۔

فائدہ: ...... مدبر کو چونکہ پروانہ آزادی مل چکا تھا اس لیے اس کا مال آقا کا مال شمار نہیں ہوگا اور اسی کے قبضے میں رہے گا، البتہ آقا کا مجموعی ترکہ چونکہ یہی مدبر غلام ہے اس لیے اس کا صرف تہائی حصہ آزاد ہوگا، باقی نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مُدَبَّرٍ كَاتَبَهُ سَيِّدُهُ فَمَاتَ السَّيِّدُ وَلَمْ يَتْرُكْ مَالًا غَيْرَهُ. قَالَ مَالِكٌ: يُعْتَقُ مِنْهُ ثُلُثُهُ، وَيُوضَعُ عَنْهُ ثُلُثُ كِتَابَتِهِ، وَيَكُونُ عَلَيْهِ ثُلُثَاهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مدبر غلام کے متعلق فرمایا جسے (بعد میں) اس کے آقا نے مکاتب (بھی) بنا دیا ہو، پھر آقا مر گیا اور اس نے اس (غلام) کے سوا کوئی مال بھی نہ چھوڑا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس غلام میں سے تہائی حصہ تو آزاد ہو جائے گا اور اس سے زر کتابت کا تہائی حصہ معاف کر دیا جائے گا (کیونکہ غلام کا وہ تہائی حصہ آزادی پا چکا ہے) اور بدل کتابت کا دو تہائی حصہ اس کے ذمے (واجب الادا) رہے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ لَهُ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَبَتَّ عِتْقَ نِصْفِهِ، أَوْ بَتَّ عِتْقَهُ كُلَّهُ، وَقَدْ كَانَ دَبَّرَ عَبْدًا لَهُ آخَرَ قَبْلَ ذَلِكَ. قَالَ: يُبْدَأُ بِالْمُدَبَّرِ قَبْلَ الَّذِي أَعْتَقَهُ وَهُوَ مَرِيضٌ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ لِلرَّجُلِ أَنْ يَرُدَّ مَا دَبَّرَ، وَلَا أَنْ يَتَعَقَّبَهُ بِأَمْرٍ يَرُدُّهُ بِهِ، فَإِذَا عَتَقَ الْمُدَبَّرُ فَلْيَكُنْ مَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فِي الَّذِي أَعْتَقَ شَطْرَهُ، حَتَّى يَسْتَتِمَّ بِهِ عِتْقُهُ كُلُّهُ فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنے غلام کا نصف حصہ اس حال میں آزاد کیا کہ وہ مریض تھا، پھر اس نے اس کی مکمل آزادی کو پختہ کر دیا (اور قطعی فیصلہ کر لیا) یا اس نے اس کے نصف حصے کی آزادی ہی کو پختہ کیا اس حال میں کہ وہ اس سے پہلے کسی اور غلام کو مدبر بنا چکا تھا، (پھر وہ آقا مر گیا، چنانچہ اگر تو اس کے ترکے کے تہائی حصے میں دونوں کی آزادی کی گنجائش ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مدبر غلام کو اس شخص

ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ ، فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ فَضْلَ الثُّلُثِ ، عَتَقَ مِنْهُ مَا بَلَغَ فَضْلَ الثُّلُثِ بَعْدَ عِتْقِ الْمُدَبَّرِ الْأَوَّلِ .

(دوسرے غلام) سے مقدم رکھا جائے گا جسے اس آقا نے (بغیر مدبر بنائے) اس حال میں آزاد کیا تھا کہ وہ آقا بیمار تھا، اور یہ (فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس غلام کو (اپنی ملکیت کی طرف) واپس لوٹائے جسے مدبر بنا دیا تھا، اور نہ یہ جائز ہے کہ اس (مدبر بنانے) کے بعد (یا اپنے دنیا سے جانے کے بعد کے لیے) کوئی ایسا حکم دے جائے جس کے ذریعے وہ اس مدبر کو واپس لوٹا لے، (لہٰذا مدبر کو پہلے ہی آزاد کر دیا جائے گا) چنانچہ جب مدبر آزاد ہو جائے گا تو پھر تہائی مال میں سے جو کچھ بچا ہوا ہو وہ اس (دوسرے) غلام میں استعمال ہوگا جس کا میت نے نصف حصہ آزاد کیا تھا، (اور اگر گنجائش ہوئی تو نصف سے زیادہ آزادی بھی مل سکتی ہے) یہاں تک کہ اس کی آزادی میت کے تہائی مال کے اندر اندر مکمل ہو جائے، (لیکن) اگر (مدبر غلام کی آزادی کے بعد) تہائی حصے میں سے بچا ہوا مال اس (دوسرے غلام کی مکمل آزادی) کو نہ پہنچتا ہو تو اس غلام میں سے صرف اتنا حصہ آزاد ہوگا جس تک پہلے مدبر غلام کی آزادی کے بعد بقیہ تہائی مال پہنچ سکے۔

4- بَابٌ: مَسُّ الرَّجُلِ وَلِيْدَتَهُ إِذَا دَبَّرَهَا

آدمی کے اپنی لونڈی سے ہم بستر ہونے کا بیان جب وہ اسے مدبرہ بنا چکا ہو

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) اور دونوں سنداً صحیح ہیں۔

[1300] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ دَبَّرَ جَارِيَتَيْنِ لَهُ ، فَكَانَ يَطَؤُهُمَا وَهُمَا مُدَبَّرَتَانِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دو لونڈیوں کو مدبرہ بنا دیا، پھر وہ ان سے اس حال میں مباشرت کر لیتے تھے کہ وہ مدبرہ تھیں۔

[1301] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ : إِذَا دَبَّرَ الرَّجُلُ جَارِيَتَهُ ، فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا وَلَا يَهَبَهَا ، وَوَلَدُهَا

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنی لونڈی کو مدبرہ بنا دے تو بلاشبہ اس کے لیے جائز ہے کہ اس سے مباشرت کرے اور (البتہ) اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اسے بیچے یا ہبہ کرے، اور اس مدبرہ

[1300] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 147/9 (16697) - بيهقي في السنن الكبرى: 315/10 (21581) - وفي معرفة السنن والآثار: 530/7 (6085) - الشافعي في الام: 25/8 - شیخ سلیم ہلالی اور احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[1301] (مقطوع صحيح) بيهقي: 315/10 (21589) - عبدالرزاق: 21704 - شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

بِمَنْزِلَتِهَا .

لونڈی کی اولاد بھی اسی کے قائم مقام ہوگی۔

5- بَابٌ: بَيْعُ الْمُدَبَّرِ

مدبر غلام کو بیچنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوٰی جات مذکور ہیں۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مدبر غلام کو صرف اس صورت میں بیچ سکتے ہیں کہ میت مقروض ہو اور قرض اس کے سارے مال پر محیط ہو اور مکمل غلام کو یا اس کے کچھ حصے کو بیچے بغیر ادائیگی نہ ہو سکتی ہو......امام شافعی رحمہ اللہ اور اہلحدیث کے نزدیک آقا کی کسی بھی مجبوری، محتاجی اور ضرورت کے موقع پر اسے بیچنا جائز ہے بشرطیکہ اس مدبر غلام کے سوا اور کوئی مال نہ ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے کسی بھی صورت میں بیچنا جائز نہیں......حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ فَاحْتَاجَ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ)) ''بے شک ایک (انصاری) آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنا کر آزاد کر دیا پھر وہ محتاج ہوگیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس غلام کو لے لیا اور فرمایا: ''کون مجھ سے اسے خریدے گا؟'' تو حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے خرید لیا'' (بخاری: 2141، مسلم: 997) ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس اس مدبر غلام کے سوا اور کوئی مال نہ تھا اور حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے اسے آٹھ سو درہم میں خریدا تھا، وہ ایک قبطی (مصری) غلام تھا۔ (بخاری: ۶۷۱۶) لہٰذا یہی راجح ہے کہ مدبر غلام کو بیچا جا سکتا ہے لیکن شدید ضرورت و احتیاج ہی کے وقت۔

قَالَ مَالِكٌ : الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي الْمُدَبَّرِ : أَنَّ صَاحِبَهُ لَا يَبِيعُهُ ، وَلَا يُحَوِّلُهُ عَنْ مَوْضِعِهِ الَّذِي وَضَعَهُ فِيهِ ، وَأَنَّهُ إِنْ رَهِقَ سَيِّدَهُ دَيْنٌ ، فَإِنَّ غُرَمَاءَهُ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى بَيْعِهِ مَا عَاشَ سَيِّدُهُ ، فَإِنْ مَاتَ سَيِّدُهُ وَلَا دَيْنَ عَلَيْهِ ، فَهُوَ فِي ثُلُثِهِ ، لِأَنَّهُ اسْتَثْنَى عَلَيْهِ عَمَلَهُ مَا عَاشَ ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَخْدُمَهُ حَيَاتَهُ ، ثُمَّ يُعْتِقَهُ عَلَى وَرَثَتِهِ إِذَا مَاتَ مِنْ رَأْسِ مَالِهِ ، وَإِنْ مَاتَ سَيِّدُ الْمُدَبَّرِ وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ عَتَقَ ثُلُثُهُ ، وَكَانَ ثُلُثَاهُ لِوَرَثَتِهِ ، فَإِنْ مَاتَ سَيِّدُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مدبر غلام کے متعلق اس حکم پر اجماع ہے کہ اس کا مالک اسے بیچ نہیں سکتا اور جس جگہ اس نے اسے رکھ دیا ہے وہاں سے اسے منتقل بھی نہیں کر سکتا (یعنی ہبہ یا صدقہ کر کے اس کی ملکیت بھی تبدیل نہیں کر سکتا) اور بلاشبہ اگر اس کے آقا کو قرض ڈھانپ لے تو یقیناً اس کے قرض خواہ، جب تک اس کا آقا زندہ ہے اس (مدبر) کو بیچنے پر قدرت نہیں پا سکتے۔ (حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے مدبر غلام کو اس کی زندگی ہی میں فروخت کروایا تھا، مترجم) پھر اگر اس کا آقا مر جائے اس حال میں کہ اس پر کوئی قرض نہ

الْمُدَبَّرِ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مُحِيطٌ بِالْمُدَبَّرِ، بِيعَ فِي دَيْنِهِ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَعْتِقُ فِي الثُّلُثِ. قَالَ: فَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ لَا يُحِيطُ إِلَّا بِنِصْفِ الْعَبْدِ، بِيعَ نِصْفُهُ لِلدَّيْنِ، ثُمَّ عَتَقَ ثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ الدَّيْنِ

ہوتو وہ غلام اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہوگا۔ (میت کے کل مال میں سے اسے آزاد نہیں کریں گے بلکہ ورثاء کے لیے دو تہائی مال چھوڑ کر میت کے لیے مخصوص ایک تہائی حصے کا حساب کریں گے) کیونکہ بلاشبہ اس (آقا) نے غلام پر اس کے عمل کا استثناء کر رکھا تھا جب تک کہ آقا زندہ رہے (یعنی آزاد تو کر دیا تھا لیکن یہ استثناء اور شرط بھی ساتھ شامل تھی کہ میری زندگی میں تو میرا کام اور خدمت کرتا رہے گا، گویا اس نے آزاد کر کے اُخروی ثواب بھی کمانا چاہا اور خدمت کروا کر دنیوی مفاد بھی پانا چاہا) تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی زندگی میں اس سے خدمت (خود) لیتا رہے، پھر جب فوت ہو تو اپنے رأس المال (یعنی مکمل مال) میں سے اپنے ورثاء پر (یعنی ورثاء کا حق بننے والے مالِ وراثت سے) اسے آزاد کرے، (تو یہ قطعاً درست نہیں کہ خود تو زندگی بھر نفع اٹھالے اور جب مرنے لگے تو ورثاء کے حصوں پر بوجھ ڈال کر ان کا نقصان کرے)...... اور اگر مدبر غلام کا آقا اس حال میں مر جائے کہ اس کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو تو اس کا ایک تہائی حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے دو تہائی حصے آقا کے ورثاء کے لیے ہوں گے...... پھر اگر مدبر کا آقا اس حال میں مرے کہ اس پر (اس قدر) قرض ہو جو مدبر غلام کو بھی گھیر لے تو اس مدبر کو میت کے قرض (کی ادائیگی کے سلسلے) میں بیچ دیا جائے گا، کیونکہ بلاشبہ غلام تو تہائی مال میں سے آزاد ہوتا ہے (بشرطیکہ تہائی مال ہو اور اگر مال ہی نہ ہو تو نہ اس کا تہائی ہوگا اور نہ اس کا غلام آزاد ہوگا)۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر وہ قرض اس غلام کے صرف نصف حصے کو محیط ہو (آدھا غلام بیچنا پڑے) تو اس کا نصف حصہ قرضے (کے سلسلے) میں بیچا جائے گا، پھر قرض کی ادائیگی کے بعد غلام کے باقی ماندہ حصے میں سے تیسرا حصہ آزاد ہو جائے گا۔

فائدہ: ...... مثلاً غلام کی قیمت چھ ہزار ہو اور نصف قیمت قرض کی ادائیگی میں چلی جائے تو گویا باقی تین ہزار میت کا بچا ہوا مال ہے جس میں سے تیسرا حصہ میت کا حق ہے اور دو حصے ورثاء کا حق ہیں، لہٰذا تین ہزار میں سے ایک ہزار آزاد ہوگا جو کہ باقی ماندہ غلام کا ثلث (ایک تہائی) ہے اور مکمل غلام کا سدس (چھٹا حصہ) ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَجُوزُ بَيْعُ الْمُدَبَّرِ، وَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَشْتَرِيَهُ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُدَبَّرُ نَفْسَهُ مِنْ سَيِّدِهِ، فَيَكُونُ ذَلِكَ جَائِزاً لَهُ، أَوْ يُعْطِيَ أَحَدٌ سَيِّدَ الْمُدَبَّرِ مَالاً وَيُعْتِقُهُ سَيِّدُهُ الَّذِي دَبَّرَهُ، فَذَلِكَ يَجُوزُ لَهُ أَيْضاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: نہ تو مدبر غلام کو بیچنا جائز ہے اور نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اسے خریدے، الا یہ کہ مدبر خود اپنے آپ کو اپنے آقا سے خریدے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، یا کوئی شخص مدبر کے آقا کو (کچھ) مال دے (تاکہ اس کے عوض) مدبر کا آقا جس نے اسے مدبر بنایا

تھا، اسے آزاد کر دے، تو یہ بھی اس کے لیے جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَوَلَاؤُهُ لِسَيِّدِهِ الَّذِي دَبَّرَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (اس صورت میں) ولاء اسی آقا کی ہوگی جس نے اسے مدبر بنایا تھا۔

فائدہ: ...... مال دینے والے نے چونکہ نہ اسے خریدا ہے اور نہ آزاد کیا ہے، اس لیے اسے کچھ نہ ملے گا، البتہ غلام کا فائدہ ہو جائے گا کہ اسے آزادی مل گئی اور آقا کو اس کا بدل بھی اور ولاء بھی مل گئے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَجُوزُ بَيْعُ خِدْمَةِ الْمُدَبَّرِ ، لِأَنَّهُ غَرَرٌ إِذْ لَا يُدْرَى كَمْ يَعِيشُ سَيِّدُهُ ، فَذَلِكَ غَرَرٌ لَا يَصْلُحُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مدبر غلام کی خدمت کی خرید و فروخت ناجائز ہے، کیونکہ یہ دھوکا ہے، اسے کچھ علم نہیں کہ اس کا آقا کتنا عرصہ زندہ رہے گا، لہٰذا یہ دھوکا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

فائدہ: ......مثلاً آقا سے کوئی شخص ایک ماہ کے لیے مدبر کی خدمت خرید لے لیکن اگلے ہی دن آقا فوت ہو جائے اور مدبر غلام آزاد ہو جائے تو خریدنے والے کا مال ضائع ہو جائے گا، کیونکہ اس نے تو مدبر غلام کی خدمت خریدی تھی اور وہ تو اب آزاد ہو چکا ہے۔ بہرحال خدمت مدبر ایک مجہول چیز ہے جس کی بیع حرام ہے۔ احناف اسے درست سمجھتے ہیں اور اس کی دلیل میں سنن دارقطنی کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جو مرفوعاً اور مرسلاً دونوں طرح ہی ضعیف ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ ، فَيُدَبِّرُ أَحَدُهُمَا حِصَّتَهُ : إِنَّهُمَا يَتَقَاوَمَانِهِ ، فَإِنِ اشْتَرَاهُ الَّذِي دَبَّرَهُ كَانَ مُدَبَّراً كُلُّهُ ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِهِ ، انْتَقَضَ تَدْبِيرُهُ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الَّذِي بَقِيَ لَهُ فِيهِ الرِّقُّ أَنْ يُعْطِيَهُ شَرِيكَهُ الَّذِي دَبَّرَهُ بِقِيمَتِهِ ، فَإِنْ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ بِقِيمَتِهِ ، لَزِمَهُ ذَلِكَ وَكَانَ مُدَبَّراً كُلُّهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس غلام کے متعلق فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان (مشترکہ) ہو، چنانچہ ان میں سے ایک اپنے حصے کو مدبر بنا دیتا ہے، تو بلاشبہ دونوں (مالک) اس غلام کی قیمت لگائیں گے، پھر جس نے اسے مدبر بنایا تھا وہ اگر اس (غلام کے دوسرے حصے) کو خرید لے تو وہ سارا ہی مدبر غلام بن جائے گا اور اگر وہ اسے نہ خریدے تو اس کا مدبر بنانے کا عمل باطل ہو جائے گا، الا یہ کہ جس کی اس مدبر میں غلامی (پر ملکیت) باقی تھی، وہ یہ چاہے کہ غلام کو مدبر بنانے والا اس کا شریک (آقا) اسے اس کی قیمت دے دے، پھر اگر وہ اسے اس کی قیمت دے دے تو یہ (مدبر بنانا) اس کو لازم ہو جائے گا اور وہ غلام سارے کا سارا ہی مدبر بن جائے گا۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ نَصْرَانِيٍّ دَبَّرَ عَبْداً لَهُ نَصْرَانِيًّا ، فَأَسْلَمَ الْعَبْدُ . قَالَ مَالِكٌ : يُحَالُ

امام مالک رحمہ اللہ نے ایک عیسائی آدمی کے متعلق فرمایا جس نے اپنے عیسائی غلام کو مدبر بنا دیا، پھر غلام (اپنے آقا سے

بَيْنَـهُ وَبَيْـنَ الْـعَبْـدِ، وَيُـخَارَجُ عَلَى سَيِّدِهِ النَّصْرَانِيِّ، وَلَا يُبَاعُ عَلَيْهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ أَمْرُهُ، فَإِنْ هَلَكَ النَّصْرَانِيُّ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، قُضِيَ دَيْنُهُ مِـنْ ثَـمَـنِ الْمُدَبَّرِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي مَالِهِ مَا يَحْمِلُ الدَّيْنَ، فَيَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ

پہلے) مسلمان ہوگیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس (عیسائی آقا) کے درمیان اور (نومسلم) غلام کے درمیان رکاوٹ حائل کر دی جائے گی۔ (مسلمان کے شایان شان نہیں کہ اسے کافر کی غلامی میں رہنے دیا جائے) اور اس سے عیسائی آقا کے لیے آمدنی طلب کی جائے گی (کہ کمائی کر اور کافر آقا کو دے کر اپنی جان چھڑا کر آزاد ہو جا) اور غلام کو اس آقا کی طرف سے بیچا نہ جائے گا، یہاں تک کہ اس (آقا) کا معاملہ واضح ہو جائے۔ (چنانچہ اگر آقا بھی مسلمان ہو جائے تو غلام اس کی ملکیت میں لوٹ آئے گا اور اگر آقا مر جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا)، پھر اگر وہ عیسائی آقا اس حال میں فوت ہو کہ اس پر قرض ہو تو اس کا قرض مدبر غلام کی قیمت سے ادا کیا جائے گا، الا یہ کہ میت کے مال میں اتنی گنجائش ہو جو قرضے کو برداشت کر سکے تو (اس صورت میں) مدبر غلام آزاد ہو جائے گا۔

6- بَابٌ: جِرَاحُ الْمُدَبَّرِ

مدبر غلام کے کسی کو زخمی کرنے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں ایک مقطوع روایت یعنی اثر تابعی ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ مذکور ہیں۔

[1302] حَـدَّثَـنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْـنَ عَبْـدِ الْعَزِيزِ قَضَى فِي الْمُدَبَّرِ إِذَا جَرَحَ: أَنَّ لِسَيِّدِهِ أَنْ يُسَلِّمَ مَا يَمْلِكُ مِنْهُ إِلَى الْمَجْرُوحِ، فَيَخْتَدِمُهُ الْمَجْرُوحُ وَيُقَاصُّهُ بِجِرَاحِهِ مِنْ دِيَةِ جَرْحِهِ، فَإِنْ أَدَّى قَبْلَ أَنْ يَهْلِكَ سَيِّدُهُ، رَجَعَ إِلَى سَيِّدِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدبر غلام کے متعلق فیصلہ کیا کہ جب وہ (کسی کو) زخمی کرے تو اس کا آقا اس میں موجود اپنی ملکیت (حق خدمت) کو زخمی شخص کے سپرد کر دے گا، چنانچہ وہ زخمی اس مدبر غلام سے خدمت بھی لے گا اور غلام کے زخمی کرنے کی (سزا کی) وجہ سے وہ زخمی آدمی اس (خدمت) کو اپنے زخم کی دیت میں بدل قرار دے کر حساب بھی چکا لے گا، پھر اگر وہ غلام اپنے آقا کی موت سے پہلے اسے (قیمت یا خدمت) ادا کر دے تو وہ اپنے پہلے آقا ہی کی طرف لوٹ آئے گا۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَالْأَمْـرُ عِـنْـدَنَا فِي الْمُدَبَّرِ إِذَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مدبر غلام کے متعلق

[1302] (مقطوع ضعیف) ابن ابی شیبہ: 396/5 (27319)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

جَرَحَ، ثُمَّ هَلَكَ سَيِّدُهُ، وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، أَنَّهُ يُعْتَقُ ثُلُثُهُ، ثُمَّ يُقْسَمُ عَقْلُ الْجَرْحِ أَثْلَاثًا، فَيَكُونُ ثُلُثُ الْعَقْلِ عَلَى الثُّلُثِ الَّذِي عَتَقَ مِنْهُ، وَيَكُونُ ثُلُثَاهُ عَلَى الثُّلُثَيْنِ اللَّذَيْنِ بِأَيْدِي الْوَرَثَةِ، إِنْ شَاءُوا أَسْلَمُوا الَّذِي لَهُمْ مِنْهُ إِلَى صَاحِبِ الْجَرْحِ، وَإِنْ شَاؤُوا أَعْطَوْهُ ثُلُثَيِ الْعَقْلِ وَأَمْسَكُوا نَصِيبَهُمْ مِنَ الْعَبْدِ، وَذَلِكَ أَنَّ عَقْلَ ذَلِكَ الْجَرْحِ، إِنَّمَا كَانَتْ جِنَايَتُهُ مِنَ الْعَبْدِ، وَلَمْ تَكُنْ دَيْنًا عَلَى السَّيِّدِ، فَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الَّذِي أَحْدَثَ الْعَبْدُ بِالَّذِي يُبْطِلُ مَا صَنَعَ السَّيِّدُ مِنْ عِتْقِهِ وَتَدْبِيرِهِ، فَإِنْ كَانَ عَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ دَيْنٌ لِلنَّاسِ مَعَ جِنَايَةِ الْعَبْدِ، بِيعَ مِنَ الْمُدَبَّرِ بِقَدْرِ عَقْلِ الْجَرْحِ، وَقَدْرِ الدَّيْنِ، ثُمَّ يُبَدَّأُ بِالْعَقْلِ الَّذِي كَانَ فِي جِنَايَةِ الْعَبْدِ، فَيُقْضَى مِنْ ثَمَنِ الْعَبْدِ، ثُمَّ يُقْضَى دَيْنُ سَيِّدِهِ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى مَا بَقِيَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنَ الْعَبْدِ، فَيَعْتِقُ ثُلُثُهُ، وَيَبْقَى ثُلُثَاهُ لِلْوَرَثَةِ، وَذَلِكَ أَنَّ جِنَايَةَ الْعَبْدِ هِيَ أَوْلَى مِنْ دَيْنِ سَيِّدِهِ وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا هَلَكَ وَتَرَكَ عَبْدًا مُدَبَّرًا، قِيمَتُهُ خَمْسُونَ وَمِئَةُ دِينَارٍ، وَكَانَ الْعَبْدُ قَدْ شَجَّ رَجُلًا حُرًّا مُوضِحَةً، عَقْلُهَا خَمْسُونَ دِينَارًا، وَكَانَ عَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ مِنَ الدَّيْنِ خَمْسُونَ دِينَارًا. قَالَ مَالِكٌ: فَإِنَّهُ يُبْدَأُ بِالْخَمْسِينَ دِينَارًا الَّتِي فِي عَقْلِ الشَّجَّةِ فَتُقْضَى مِنْ ثَمَنِ الْعَبْدِ، ثُمَّ يُقْضَى

یہ حکم ہے کہ جب وہ زخمی کرے، پھر اس کا آقا ہلاک ہوجائے اور اس کے آقا کے پاس اس (غلام) کے سوا کوئی اور مال نہ ہوتو بلاشبہ اس مدبر کا تہائی حصہ آزاد ہو جائے گا (اور دو حصے ورثاء کے پاس غلام ہی رہیں گے) پھر زخم کی دیت کو (بھی) تین برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ دیت کا ایک تہائی حصہ اس کے آزاد ہونے والے تہائی حصے پر ڈالا جائے گا، (اس غلام کو پابند کیا جائے گا کہ دیت کا تہائی حصہ خود ادا کرے) اور دیت کے دو تہائی حصے ان دو حصوں پر ڈالے جائیں گے جو ورثاء کے پاس ہیں، (اب ان کی مرضی ہے کہ) اگر وہ چاہیں تو وہ غلام میں موجود اپنا (دو تہائی) حصہ زخم والے شخص کے سپرد کر دیں (اور غلام کے دو تہائی حصے ان کی ملکیت سے نکل کر زخمی آدمی کی ملکیت میں پہنچ جائیں) اور اگر وہ چاہیں تو اس زخمی کو دیت کا دو تہائی خود ادا کر دیں اور غلام میں اپنے (ملکیتی) حصے کو اپنے پاس ہی روکے رکھیں، اور یہ (فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ اس زخم کی دیت کی جنایت (جرم) غلام کی طرف سے ہے اور وہ آقا کے ذمے قرض نہیں تھا، لہٰذا (اس کی سزا غلام کو ملے گی نہ کہ آقا کو) تو غلام نے جو کام کر دیا ہے یہ ایسا نہیں ہے کہ اس کام کو باطل کر سکے جو اس کے آقا نے کیا تھا یعنی اسے آزاد کرنا اور مدبر بنانا (غلام کے جرم سے اس کے آقا کی ''عتق و تدبیر'' متاثر نہ ہوں گی)۔ پھر اگر غلام کے جرم کے ساتھ ساتھ غلام کے آقا پر لوگوں کے قرضے بھی ہوں تو اس مدبر غلام میں سے زخم کی دیت کے برابر اور قرضے کے برابر حصہ بیچ ڈالا جائے گا، پھر پہلے وہ دیت ادا کی جائے گی جو غلام کے جرم سے

دَيْـنُ سَيِّدِهِ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى مَا بَقِيَ مِنَ الْعَبْدِ، فَيَـعْتِـقُ ثُـلُثُهُ، وَيَبْقَى ثُلُثَاهُ لِلْوَرَثَةِ، فَالْعَقْلُ أَوْجَبُ فِي رَقَبَتِهِ مِنْ دَيْنِ سَيِّدِهِ، وَدَيْنُ سَيِّدِهِ أَوْجَبُ مِنَ التَّدْبِيرِ، الَّذِي إِنَّمَا هُوَ وَصِيَّةٌ فِي ثُـلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ، فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ شَيْءٌ مِـنَ التَّـدْبِيـرِ وَعَـلَـى سَيِّدِ الْـمُدَبَّرِ دَيْنٌ لَمْ يُـقْـضَ، وَإِنَّـمَـا هُوَ وَصِيَّةٌ، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَـارَكَ وَتَـعَـالَـى قَـالَ فِـي كِتَابِهِ: (مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ) (النساء: 12)

(رو پذیر) ہوئی تھی اور اسے غلام کی قیمت میں سے ادا کر دیا جائے گا، پھر اس کے آقا کا قرض بھی ادا کر دیا جائے گا، پھر دیکھا جائے گا کہ اس غلام میں سے کتنا حصہ باقی بچا ہے، چنانچہ اس (بقیہ) میں سے ایک تہائی حصے کو آزاد کر دیا جائے گا اور اس کے دو تہائی حصے ورثاء کے لیے رہیں گے، کیونکہ غلام کا کیا ہوا جرم (ازالہ کرنے کے اعتبار سے) اس کے آقا کے قرضے کی نسبت زیادہ حق رکھتا ہے...... اور اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ آدمی جب ہلاک ہو جائے اور ایسا مدبر غلام چھوڑ کر جائے جس کی قیمت ایک سو پچاس دینار ہو اور اس غلام نے ایک آزاد شخص کے سر میں ایسا زخم کیا جو ہڈی ننگی کر دینے والا تھا جس کی دیت پچاس دینار پڑتی ہے اور اس غلام کے آقا پر قرضہ بھی پچاس دینار تھا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے وہ پچاس دینار ادا کیے جائیں گے جو زخم کی دیت میں پڑتے ہیں، چنانچہ انھیں غلام کی قیمت میں سے ادا کر دیا جائے گا، پھر اس کے آقا کا قرض ادا کیا جائے گا (یوں سو دینار ادا ہو گئے)، پھر دیکھا جائے گا کہ غلام (کی قیمت) میں کیا بچا ہوا ہے (اور وہ پچاس دینار ہیں) تو اس میں سے ایک تہائی حصہ آزاد کر دیا جائے گا (کیونکہ یہ باقی ماندہ غلام میت کا ترکہ ہے اور اس کے تہائی حصے ہی میں مدبر غلام کو آزادی مل سکتی ہے، جتنی بھی ملے) اور اس (باقی ماندہ) کے دو تہائی حصے ورثاء کے لیے باقی رہ جائیں گے۔ الغرض غلام کی گردن میں دیت (کی ادائیگی) اس کے آقا کے قرض کی نسبت زیادہ واجب ہے (اور زیادہ حق رکھتی ہے) اور اس کے آقا کا قرض، تدبیر کی نسبت ادائیگی کا زیادہ حق رکھتا ہے، (وہ تدبیر کہ) جو محض ایک وصیت کی حیثیت رکھتی ہے جو میت کے مال کے (صرف) تہائی حصے میں (واجب ہوتی) ہے (اور یہ اصول ہے کہ میت کے قرض کی ادائیگی اس کی وصیت کی تنفیذ پر مقدم رہتی ہے) لہٰذا کسی قسم کی تدبیر جائز ہی نہیں ہو سکتی اس حال میں کہ مدبر کے اوپر قرض ہو جو ادا نہ کیا گیا ہو اور بلاشبہ تدبیر تو ایک وصیت ہی ہے اور یہ (فیصلہ) اس وجہ سے بھی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصَى بِهَآ اَوْدَيْنٍ﴾ (النساء: ١٢) ''(وراثت کی تقسیم) کی جانے والی وصیت یا قرضے کے بعد (ہوگی)۔''

فائدہ:...... یعنی وراثت کی تقسیم ورثاء کے مابین تبھی ہو سکتی ہے جب اس سے پہلے وصیت پر عمل اور قرضے کی ادائیگی کر دی جائے اور قرآن مجید میں جو وصیت کا لفظ پہلے ذکر ہوا ہے اور قرضے کا بعد میں، تو یہ محض وصیت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے ہے، ورنہ ادائیگی میں قرض مقدم ہے، سب سے پہلے میت کا قرض اتارا جائے گا، پھر اس کے

بعد وصیت پر عمل ہوگا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔(بخاری، قبل از حدیث: 2750) جن زخموں سے ہڈی ظاہر ہو جائے ان میں اصل دیت پانچ اونٹ ہے۔(ترمذی: 1390، نسائی: 4856، ابن ماجہ: 2655، اس کی سند صحیح ہے) امام مالک رحمہ اللہ کے دور میں ایک اونٹ دس دینار میں ملتا تھا اس لیے انھوں نے پچاس دینار کا تذکرہ کیا، ورنہ ہر دور اور ہر جگہ میں اونٹوں کے نرخ میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ كَانَ فِي ثُلُثِ الْمَيِّتِ مَا يَعْتِقُ فِيهِ الْمُدَبَّرُ كُلُّهُ عَتَقَ ، وَكَانَ عَقْلُ جِنَايَتِهِ دَيْناً عَلَيْهِ ، يُتَّبَعُ بِهِ بَعْدَ عِتْقِهِ ، وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ الْعَقْلُ الدِّيَةَ كَامِلَةً ، وَذَلِكَ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى سَيِّدِهِ دَيْنٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر میت کے تہائی مال میں اتنی گنجائش ہو کہ جس میں پورے کا پورا مدبر غلام آزاد ہو سکے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے جرم کی دیت اس پر قرض رہے گی، اس کے آزاد ہونے کے بعد اس (دیت) کے متعلق اس کا پیچھا کیا جائے گا (اور اس سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا) اگرچہ وہ دیت مکمل کی مکمل ہو اور یہ حکم اس وقت ہے جب میت پر کوئی قرض نہ ہو۔

فائدہ:...... چنانچہ اگر اس پر قرض بھی ہو تو پہلے اسے ادا کریں گے، پھر باقی ماندہ ترکے کے تہائی حصے میں سے غلام کو آزاد کریں گے، جتنا بھی ہو جائے۔ یاد رہے کہ گزشتہ مسئلے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ وہاں میت کا ترکہ صرف اور صرف مدبر غلام ہی تھا اور یہاں یہ صورت ہے کہ ترکہ کافی زیادہ ہے حتیٰ کہ اس کے تہائی حصے میں سے پورے غلام کی آزادی بھی ممکن ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُدَبَّرِ إِذَا جَرَحَ رَجُلاً ، فَأَسْلَمَهُ سَيِّدُهُ إِلَى الْمَجْرُوحِ ، ثُمَّ هَلَكَ سَيِّدُهُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ ، وَلَمْ يَتْرُكْ مَالاً غَيْرَهُ ، فَقَالَ الْوَرَثَةُ نَحْنُ نُسَلِّمُهُ إِلَى صَاحِبِ الْجُرْحِ . وَقَالَ صَاحِبُ الدَّيْنِ : أَنَا أَزِيدُ عَلَى ذَلِكَ : إِنَّهُ إِذَا زَادَ الْغَرِيمُ شَيْئاً فَهُوَ أَوْلَى بِهِ ، وَيُحَطُّ عَنِ الَّذِي عَلَيْهِ الدَّيْنُ قَدْرُ مَا زَادَ الْغَرِيمُ عَلَى دِيَةِ الْجُرْحِ ، فَإِنْ لَمْ يَزِدْ شَيْئاً لَمْ يَأْخُذِ الْعَبْدَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے مدبر غلام کے متعلق فرمایا کہ جب وہ کسی شخص کو زخمی کر دے، پھر اس کا آقا اسے زخمی کے حوالے کر دے، پھر آقا اس حال میں فوت ہو کہ اس کے ذمے قرض ہو اور اس نے اس غلام کے سوا کوئی مال بھی نہ چھوڑا ہو، (اب قرض خواہ کے ساتھ ورثاء کا تنازع ہو جائے، قرض خواہ کہے کہ میرے قرض میں غلام کو ادا کرواور ورثاء کہیں کہ ہم تو اسے زخمی کے پاس رہنے دیں گے) چنانچہ ورثاء کہیں کہ ہم تو مدبر غلام کو مجروح (زخمی) کے حوالے کریں گے اور قرض خواہ کہے کہ (غلام) مجھے بیچ دو، میں (اس کے بدلے) اس دیت سے بھی زائد رقم دے دیتا ہوں۔(زخمی تو اسے صرف دیت کے بدلے میں رکھے گا،

میں اس سے بھی زائد قیمت دے دیتا ہوں، جس سے دیت بھی ادا ہو جائے گی اور کچھ قرض بھی ادا ہو جائے گا) تو امام مالک ﷫ نے فرمایا: جب قرض خواہ کچھ زیادہ قیمت ادا کرے تو وہ اس غلام کا زیادہ حق رکھتا ہے اور جس شخص پر قرض ہے (یعنی آقا پر) تو اس (کے قرض) سے اسی قدر زائد حصہ ساقط کر دیا جائے گا جو قرض خواہ نے زخم کی دیت سے زیادہ ادا کیا تھا، ہاں اگر وہ (دیت کی مقدار سے) زیادہ کچھ بھی نہ دے تو وہ غلام کو نہیں لے سکتا۔

فائدہ:......مثلاً دیت کی مقدار 1000 درہم ہو جس کے بدلے غلام حوالے کرنا تھا اور قرض بھی 1000 درہم ہو تو قرض خواہ کہتا ہے کہ تم غلام مجھے دے دو، میں اسے 1500 درہم کے بدلے رکھ لیتا ہوں، چنانچہ غلام اسے دے دیں گے اور اس سے 1000 درہم لے کر دیت ادا کر دیں گے اور باقی 500 درہم اسی کے پاس رہنے دیں گے اور ان کے بدلے نصف قرض ساقط ہو جائے گا اور اب میت پر صرف پانچ سو درہم قرض باقی رہ جائے گا۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُدَبَّرِ إِذَا جَرَحَ وَلَهُ مَالٌ، فَأَبَى سَيِّدُهُ أَنْ يَفْتَدِيَهُ، فَإِنَّ الْمَجْرُوحَ يَأْخُذُ مَالَ الْمُدَبَّرِ فِي دِيَةِ جُرْحِهِ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ وَفَاءٌ اسْتَوْفَى الْمَجْرُوحُ دِيَةَ جُرْحِهِ، وَرَدَّ الْمُدَبَّرَ إِلَى سَيِّدِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ وَفَاءٌ اقْتَضَاهُ مِنْ دِيَةِ جُرْحِهِ، وَاسْتَعْمَلَ الْمُدَبَّرَ بِمَا بَقِيَ لَهُ مِنْ دِيَةِ جُرْحِهِ

امام مالک ﷫ نے مدبر غلام کے متعلق فرمایا کہ جب وہ کسی کو زخم لگائے اور اس کے پاس مال موجود ہو اور اس کا آقا اس کا فدیہ (دیت) دینے سے انکار کر دے (اور غلام ہی کو زخمی شخص کے سپرد کرنا چاہے) تو بلاشبہ زخمی شخص اپنے زخم کی دیت میں مدبر کا مال وصول کر لے گا، چنانچہ اگر تو اس میں پوری ادائیگی ہو سکے تو وہ زخمی اپنے زخم کی پوری دیت لے لے گا اور مدبر غلام اس کے آقا کو واپس لوٹا دے گا، اور اگر اس (غلام کے مال) میں پوری ادائیگی نہ ہو سکے تو اپنے زخم کی دیت میں اس مال کو بھی رکھ لے گا اور اپنے زخم کی باقی ماندہ دیت (کی ادائیگی کے سلسلے) میں اس سے محنت کروائے گا، (اور جب دیت پوری ہو جائے گی تو پھر اسے اس کے آقا کے پاس بھیج دے گا)۔

7- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي جِرَاحِ أُمِّ الْوَلَدِ

ام ولد لونڈی کے کسی کو زخمی کرنے کا بیان

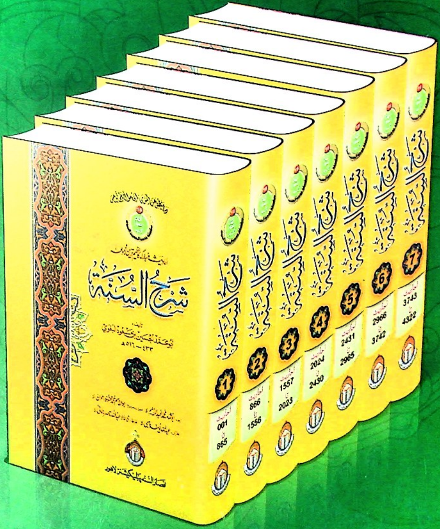
خلاصة الباب اس باب میں صرف ایک فتویٰ امام مالک ﷫ مذکور ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي أُمِّ الْوَلَدِ تَجْرَحُ : إِنَّ عَقْلَ ذٰلِكَ الْجَرْحِ ضَامِنٌ عَلَى سَيِّدِهَا فِي مَالِهِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَقْلُ ذٰلِكَ الْجَرْحِ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ أُمِّ

امام مالک ﷫ نے ام ولد لونڈی کے متعلق فرمایا جو کسی کو زخم لگا دے، بلاشبہ اس زخم کی دیت کی ضمانت اس کے آقا پر ہے جو وہ اپنے مال سے ادا کرے گا، الا یہ کہ اس زخم کی

الْوَلَدِ، فَلَيْسَ عَلَى سَيِّدِهَا أَنْ يُخْرِجَ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا، وَذَلِكَ أَنَّ رَبَّ الْعَبْدِ أَوِ الْوَلِيدَةِ إِذَا أَسْلَمَ غُلَامَهُ أَوْ وَلِيدَتَهُ بِجُرْحٍ أَصَابَهُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا، فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، وَإِنْ كَثُرَ الْعَقْلُ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ سَيِّدُ أُمِّ الْوَلَدِ أَنْ يُسَلِّمَهَا، لِمَا مَضَى فِي ذَلِكَ مِنَ السُّنَّةِ، فَإِنَّهُ إِذَا أَخْرَجَ قِيمَتَهَا، فَكَأَنَّهُ أَسْلَمَهَا، فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يَحْمِلَ مِنْ جِنَايَتِهَا أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا.

دیت اس ام ولد کی قیمت سے زیادہ ہو، چنانچہ اس کے آقا پر یہ لازم نہیں کہ اس کی قیمت سے زیادہ ادا کرے (بلکہ اس صورت میں ام ولد کی قیمت ہی پر اکتفا کیا جائے گا) اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک غلام یا لونڈی کا مالک جب اپنی لونڈی یا غلام کو (زخمی شخص کے) سپرد کر دیتا ہے، اس جرم کے بدلے جس کا ارتکاب ان دونوں میں سے کسی نے کیا تھا تو آقا پر اس (کی قیمت) سے زیادہ کچھ بھی لازم نہیں آتا، اگر چہ دیت کتنی ہی زیادہ ہو (کیونکہ یہ جرم غلام یا لونڈی نے کیا ہوتا ہے، نہ کہ آقا نے، اس لیے آقا پر زیادہ چٹی نہیں پڑتی، اب زخمی آدمی کی مرضی ہے کہ چاہے تو غلام لونڈی کو رکھ لے اور چاہے تو ان کی قیمت وصول کر لے، لیکن ام ولد لونڈی میں یہ اختیار بھی نہیں رہتا، بلکہ اس کی صرف قیمت ہی ادا کرنا ہوتی ہے، خود ام ولد لونڈی کو زخمی شخص کے سپرد نہیں کیا جاتا، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) پھر جب ام ولد لونڈی کا آقا یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اسے سپرد کرے، کیونکہ اس بارے میں سنت یہی جاری ہے (اور مسلمانوں کا طریقہ یہی چلا آرہا ہے کہ ام ولد کو نہ بیچا جاتا ہے اور نہ ہبہ وصدقہ کیا جا سکتا ہے) تو بلاشبہ جب آقا اس کی قیمت نکال (کر زخمی کو ادا کر) دے گا تو (یہ ایسے ہی ہے کہ) گویا اس نے لونڈی ہی اس کے سپرد کر دی ہے، بہر حال اس (آقا) پر اس سے زیادہ کچھ لازم نہیں ہے اور یہی وہ سب سے بہترین فیصلہ ہے جو میں نے سنا ہے اور آقا پر یہ واجب نہیں کہ اس (ام ولد) کے جرم کی وجہ سے اس کی قیمت سے زیادہ کا بوجھ اٹھائے۔


شرح السنة
1
001
865
2
866
1556
3
1557
2023
4
2024
2430
5
2431
2965
6
2966
3742
7
3743
4322